دین و دنیا کی ہمیں برکات دے برکات سے
عشقِ حق دے عشقیٔ عشقِ انتما کے واسطے

اہل سنت کی آواز

(اشاعت جدید)

جلد ۲۵

صفر المظفر ۱۴۴۰ھ/ اکتوبر ۲۰۱۸ء
خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کا ترجمان

خصوصی شمارہ

امام احمد رضا: حیات و خدمات

خانقاہِ برکاتیہ، بڑی سرکار، مارہرہ شریف
ضلع ایٹہ، اتر پردیش

بیادگار

تاج العلما سراج العرفا حضرت سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہٗ
سید العلما سراج الاولیا حضرت سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں قدس سرہٗ
احسن العلما سراج الاصفیا حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قدس سرہٗ
شفیق ملت حضرت سید حسین میاں زیدی قادری برکاتی قدس سرہٗ

مجلس مشاورت

امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی
شرف ملت حضرت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی
شہزادۂ احسن العلما سید محمد افضل قادری برکاتی

مجلس ادارت

سید محمد امان قادری برکاتی
ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی قادری برکاتی
سید محمد عثمان قادری برکاتی

مدیر اعلیٰ

سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری

طابع و ناشر : سید نجیب حیدر قادری برکاتی نوری، سجادہ نشین، خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف
منتظم : محمد اکبر قادری برکاتی، قادری مسجد، فلیٹ نمبر ۱، کبیر کالونی، علی گڑھ، 09359146877

انتساب

مؤرخ خاندان برکات، ممدوح اعلیٰ حضرت تاج العلما

سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ

سید العلما سند الحکما سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں رحمۃ اللہ علیہ

احسن العلما سراج الاصفیا سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری

برکاتی رحمۃ اللہ علیہ

کے نام جو

تادم آخر مذہب اہل سنت بالخصوص مسلک اعلیٰ حضرت

کے محافظ رہے

(مدیر)

فہرست مضامین

۱	اداریہ	سید نجیب حیدر نوری	۹

گوشۂ مضامین

۲	حیات امام احمد رضا کے اہم گوشے	مولانا ساجد علی مصباحی	۲۸
۳	امام احمد رضا کے سیاسی افکار ونظریات	علامہ یٰسین اختر مصباحی	۸۰
۴	امام احمد رضا-احقاق حق وابطال باطل	مولانا صدر الوری قادری	۱۲۸
۵	فروغِ تعلیم میں امام احمد رضا کا کردار	ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی	۱۵۵
۶	محاسن کنزالایمان اور اردو تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ	مولانا محمد عبدالمبین نعمانی	۱۷۵
۷	امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین	مفتی نظام الدین رضوی برکاتی	۲۰۵
۸	امام احمد رضا اور اسلامی ریاضی وہیئت	مولانا قمر الحسن بستوی	۲۸۰
۹	فاضل بریلوی اور عربی شاعری	پروفیسر محمد اسحاق قریشی	۲۹۴
۱۰	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فارسی شاعری میں حصہ	ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی	۳۰۸
۱۱	امام احمد رضا کی شاعری کی ادبی خصوصیات	پروفیسر سید سراج الدین اجملی	۳۲۶
۱۲	امام احمد رضا محدث بریلوی کی تصانیف کا اجمالی تعارف	مفتی محمد حنیف خاں رضوی	۳۳۶

۱۳	امام احمد رضا اور تصوف	مولانا محمد احمد مصباحی	۴۰۳
۱۴	امام احمد رضا اور جدید علوم وفنون	ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی	۴۶۸
۱۵	المستند المعتمد اور امام احمد رضا کی تحقیق نگاری	مولانا محمد ناظم علی مصباحی	۴۹۱
۱۶	امام احمد رضا کی قومی و عالمی مقبولیت	مولانا محمد اسلم رضا میمن شیوانی	۵۱۷
۱۷	اشعار رضا کی توضیح و تفہیم اور شارح رضویات احسن العلما مارہروی	مولانا غلام مصطفیٰ رضوی	۵۴۲
۱۸	اعلیٰ حضرت کے پیرو مرشد خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ - احوال وافکار	مولانا توفیق احسن برکاتی	۵۶۲
۱۹	اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ	مفتی محمد سلیم بریلوی	۵۸۵
۲۰	چشم وچراغ خاندان برکات	ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی	۶۴۴
۲۱	مارہرہ مطہرہ میں علم عرفان کی باری (قدیم روداد)	حضور احسن العلما قدس سرہٗ	۶۵۶

گوشۂ نعت ومنقبت

۲۲	نعتیہ تضمین- چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے	شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری مارہروی	۶۵۹
۲۳	منقبت درشان حضور صاحب البرکات قدس سرہٗ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ	۶۶۱
۲۴	منقبت در شانِ شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ	۶۶۳
۲۵	منقبت در شان خاتم الاکابر حضور شاہ آل رسول قدس سرہٗ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ	۶۶۶

۲۶	منقبت درشان سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں قدس سرہٗ	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ	۶۷۳
۲۷	نور والا ہے احمد نوری	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ	۶۷۵
۲۸	مدائح درشانِ -اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ	حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہٗ	۶۸۰
۲۹	''سنیوں کا مقتدیٰ احمد رضا خاں قادری''	سید العلماء حضرت سید شاہ آلِ مصطفیٰ قدس سرہٗ	۶۸۱
۳۰	آئینۂ حق نما	احسن العلما حضرت سید شاہ حسن میاں قدس سرہٗ	۶۸۲
۳۱	چند قطعات ورباعیات	سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی قدس سرہٗ	۶۸۳

گوشۂ کوائف

۳۱	کوائف خانقاہ برکاتیہ	محمد اکبر قادری	۶۸۵
۳۲	کوائف جامعہ البرکات، علی گڑھ	ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی	۷۲۲

پیغام

تاج المشائخ امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی

زیب سجادہ

آستانۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ، مارہرہ شریف

ہمارے لیے یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ اس سال عرس قاسمی کے موقع پر الحمدللہ خانقاہِ برکاتیہ کے ترجمان سالانہ مجلّے ''اہل سنت کی آواز'' کے ۲۵ رویں شمارے کی اشاعت کی جارہی ہے اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سے لے کر اب تک ماشاءاللہ یہ رسالہ تواتر اور تسلسل کے ساتھ مختلف عناوین اور مضامین کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اب الحمدللہ حسن اتفاق ہے کہ ۲۵ رویں شمارے کی اشاعت کے وقت اعلیٰ حضرت قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے صد سالہ عرس کا موقع ہے۔ اور ہم اہل سنت کی آواز کی سلور جبلی (Silver Jublee) اشاعت کو امام اہل سنت مجدد دین وملت عبد المصطفیٰ محمد احمد رضا خاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کی نذر کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی روح مبارک بھی یقیناً بے حد مسرور ہوگی کہ میرے پیر خانے میں مجھے علمی حوالے سے یاد کیا جارہا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ذکر اور ان کی محبت خانوادۂ برکات کا طرۂ امتیاز ہے۔ ہمارے مشائخ نے جس ذات پر اعتماد کیا، جس سے محبت

کی اور جس کو خاندان کا ''چشم و چراغ'' کہا۔ لہٰذا اس سے محبت کرنا اور ان کی خدمات کا اعتراف کرنا ہمیں ہمارے مشائخ کی نصیحت بھی ہے اور یہ وصیت کا بھی درجہ رکھتی ہے۔ فقیر برکاتی نے اپنے جن بزرگوں کو دیکھا اور برتا ان کو اعلیٰ حضرت کا عشاق اور مسلک اعلیٰ حضرت کا محافظ پایا۔ لہٰذا فقیر برکاتی بھی امام احمد رضا کے مسلک کا حامی اور ناشر ہونے کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اپنے آگے آنے والی نسلوں کو بھی یہی ہدایت کرتا ہے کہ خانقاہ برکاتیہ چونکہ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کو ماضی میں اپنا نصب العین سمجھتی رہی ہے لہٰذا مستقبل میں بھی خانقاہِ برکاتیہ سے یہ مشن ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔

اہل سنت کی آواز کے اس خصوصی شمارے کو اعلیٰ حضرت کی نذر کرکے دلی مسرت ہورہی ہے اور دعا کرتا ہوں رب کریم خانقاہ برکاتیہ سے ایسے معیاری اور تعمیری کام ہوتے رہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں آخری سانس تک مذہب اسلام وسنیت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

سید محمد امین قادری برکاتی

سجادہ نشین

خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ

اداریہ

سید نجیب حیدر نوری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

محترم قارئین!

اہل سنت کی آواز کا ۲۵/واں شمارہ آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ الحمدللہ خانقاہِ برکاتیہ کی اس سالانہ علمی کاوش کا برکاتی قارئین جس بے صبری سے انتظار کرتے ہیں وہ ہمارے لیے خوشیوں میں اضافے کا باعث ہے۔ یہ وہ دستاویزی کام ہے جو آگے آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگا۔ (انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ) گزشتہ شمارے میں امت مسلمہ کے عوامی اور بین الاقوامی منظرنامے کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جس کو احباب و متوسلین کے علاوہ دانشور حضرات نے بھی بے حد پسند فرمایا اور مفید قرار دیا۔ خدا کرے کہ لوگوں نے اس پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا ہو اور مستقبل کے لیے کچھ لائحہ عمل تیار کیا ہو۔

امسال چشم و چراغ خاندان برکات اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا صد سالہ عرس کا موقعہ ہے۔ حضرت امین ملت مدظلہٗ کا حکم ہوا کہ اراکین خاندان برکات کو اس سال کے شمارے کو حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات سے منسوب کر دینا چاہیے۔ اعلیٰ حضرت کی ذات علمی اور روحانی حوالوں سے اتنی کثیر الجہت ہے کہ ان کے علم وفن کے کسی ایک گوشے پر بھی اتنا ہی ضخیم رسالہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ اراکین خانقاہِ برکاتیہ کو سب سے عمدہ خراج عقیدت یہ لگا کہ علم کے اس بحر بیکراں کو اس علمی کاوش کے ذریعہ خراج تحسین پیش کیا جائے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کچھ لوگوں کو ایسا ممتاز پیدا فرماتا ہے کہ وہ اپنی کسبی اور وہبی صلاحیتوں کے پیش نظر ایسی شہرت دوام حاصل کرتے ہیں کہ ان کا دور، ان کا خاندان اور ان

کی نسلیں ان کے حوالے سے متعارف ہونے لگتی ہیں اور یہ ایک فطری عمل ہے اور بہت سامنے کی بات ہے کہ کوئی بھی تنظیم ہو یا ادارہ اپنے ہونہار اور باصلاحیت افراد کو زمانے کے سامنے فخر کے ساتھ متعارف کراتا ہے۔ اس کا مقصد ان افراد کی صلاحیتوں کا اعتراف بھی کرنا ہوتا ہے اور اپنے ادارے میں کی جانے والی تربیت سے روشناس کرانا بھی۔ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سواد اعظم کی اس عبقری شخصیت کا نام کہ اگر ہے جن کے کارناموں کا صحیح طرح سے تعارف کرا دیا جائے اور تمام کاوشات کو زمانے کے سامنے ایک علمی اور تحقیقی انداز میں لایا جائے تو یقیناً احباب اہل سنت کے ساتھ وہ طبقہ جس کا تعلق سواد اعظم کے مکتبہ فکر سے نہیں ہے، وہ بھی ان کی علمیت اور عبقریت کا اعتراف کرے گا۔

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے اکابر واصاغر حضرت فاضل بریلوی کو اپنا اور اپنی خانقاہ کا فخر دو وجوہات سے تصور کرتے ہیں اول تو یہ کہ جس کا جو حق ہے اسے ملنا چاہیے۔ دوئم یہ کہ اعلیٰ حضرت نے پوری زندگی تصلب فی الدین کے ساتھ مذہب اور سنیت کی مخلص گراں مایہ خدمات انجام دی۔ حفظ ناموس رسالت کے لیے اپنا شمشیر برہنہ قلم لے کر تا دم آخر مسلک اہل سنت کے دفاع کے لیے سرگرم عمل رہے اور ایسی انفرادی خدمات انجام دیں کہ علما وعوام نے مسلک اہل سنت کو عرف عام میں مسلک اعلیٰ حضرت کا نام دے دیا۔ ان کی زندگی کا ہر ایک لمحہ عشق مصطفیٰ ﷺ کی ترویج واشاعت کے لیے وقف تھا۔ حق گوئی اور حق کی پیروی زندگی کا نصب العین تھا۔ شریعت مطہرہ کی پابندی کرنا اور اس سے کوئی سمجھوتہ نہ کرنا ان کا واحد موقف تھا۔ ان کی پوری ذات ایک کرامت جیسی تھی۔ ہم اگر سواد اعظم کے تمام علمی مواد کا تجزیہ کریں تو سب سے زیادہ کام ہمیں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا دستیاب ہوتا ہے۔

راقم ایک بات بے حد احتیاط کے ساتھ رقم کرنا چاہتا ہے کہ اکابر صوفیا کے دور سے عصر حاضر تک جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو ایک بات اہم سامنے آتی ہے کہ ہمارے مشائخ کے روحانی مراتب اور فیضان تصرف یقیناً اہل شریعت وطریقت ومعرفت کے لیے فخر وفیض کا باعث ہیں۔ لیکن بات جب مذہبی عقائد اور مسلکی معاملات کے دفاع کی آتی ہے تو

ہمیں اعلیٰ حضرت اوران کی علمی خدمات کی حصے داری کا ایک بڑا کردار سامنے آتا ہے۔اور یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے پیر ہوں یا پیرزادگان، معاصر علما ہوں یا مشائخ سب ہی نے امام احمد رضا پر اپنا کلی اعتماد جتایا اوران کی پشت پر اپنا دست شفقت رکھ کران کو سنیت کے سپہ سالار کے منصب پر فائز کیا۔ ان کو نمایاں کیا اور اپنا نمائندہ بنایا، اپنے Mouth Organ کی حیثیت عطا فرمائی۔لیکن راقم کے اس ذاتی موقف کے اظہار کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ جماعت اہل سنت صاحب علم اور صاحب دانش افراد سے خالی تھی، علم وقلم، زبان و بیان سب کچھ تھا اور خوب تھا۔اعلیٰ حضرت کے ہی پیرخانے مارہرہ مقدسہ میں ان کے بیعت ہونے سے قبل مشائخ مارہرہ کی چھ(۶) پشتیں علم ظاہری اور علم باطنی میں اپنا لوہا منوا چکیں تھیں۔خود اعلیٰ حضرت کے پیرومرشد علم دین وسلوک اور معرفت کے میدان میں کمال درجے تک عروج حاصل کرچکے تھے۔اوراس درجہ عروج پر تھے کہ ان کے استاد سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ ان پر نازاں تھے۔مارہرہ کے درویشوں کے علم و فضل کا وہ عالم تھا کہ حضرت محدث دہلوی حال اور قال کے مسائل کے حل کے متلاشی حضرات کو حضور شمس مارہرہ کی بارگاہ تجویز فرمارہے تھے اور حضور شمس مارہرہ کی وہ شان تھی کہ اس دور کے بیشتر جید علمائے دین شمس مارہرہ کے اسیر عقیدت تھے۔یہ وہی اچھے میاں ہیں جو سلوک ومعرفت کی بساط پر بیٹھ کر ۳۸ رجلدیں مختلف علوم وفنون پر مبنی ''آئین احمدی'' کی اپنی نگرانی تدوین کرا کے یہ مزاج دے رہے ہیں کہ مارہرہ کے درویش ذکر اثبات ونفی کے ساتھ ساتھ شہر یار علم وقلب بھی ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے مرشد اجازت سرکار نوری میاں مارہروی کے علم وفضل کا وہ عالم تھا کہ اعلیٰ حضرت جس علم جفر میں یدطولیٰ رکھتے تھے اس کی تعلیم اپنے مرشد اجازت کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کرکے حاصل فرمائی۔

حضرت فاضل بریلوی کا علم اور کثیر الجہت صلاحیتیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص عطا ہے اور یہ شہرت دوام اور مقبولیت عشق مصطفیٰ ﷺ کی ترویج واشاعت کے لیے انہیں خاص انعام ہے۔

امام احمد رضا کی پوری زندگی کا جائزہ لیجئے اوران کی علمی کاوشوں کا مطالعہ کیجئے تو اندازہ ہوگا کہ ان کو نام ونمود، اشتہار بازی اوراپنی شخصیت کی اشاعت، عرض ہنر سے کتنی بیزاری تھی ورنہ اپنے دور میں وہ جس مقام پر فائز تھے اس حساب سے مجمع کی کثرت کا غرہ تو ان کی پوری شخصیت پر چھا جانا چاہیے تھا۔لیکن معاملہ بالکل برعکس تھا۔جلسوں کے نام پر دو محفلیں برپا کرنا ایک اپنے آقائے نعمت سید عالم ﷺ کی اور ایک اپنے مرشد پاک شاہ آل رسول کے عرس کی محفل یعنی پوری زندگی کا محور ذکر رسول وآل رسول تھا، سبحان اللہ۔گھر سے باہر قدم نکالا تو یا تو مسلک کے دفاع کے لیے یا مارہرہ کے آستانۂ بیکس پناہ کے لیے۔اکثر لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال رہتا ہے اور بعض کی زبان پر بھی آجاتا ہے کہ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت کا ذکر اتنا مارہرہ میں کیوں کیا جاتا ہے؟ آخر کیوں اعراس کی محفلوں میں مسلک اعلیٰ حضرت کے نعرے لگائے جاتے ہیں۔اور صاحبزادگان بزرگوں کے ذکر پر امام احمد رضا کے ذکر کو ترجیح دیتے ہیں۔تو اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کا خوب ذکر کیا جاتا اور خوب ان کی کرامتیں اور حکایتیں بیان کی جاتی ہیں اور مارہرہ میں جب عرسوں میں بزرگوں کی کرامتیں بیان کی جاتی ہیں تو بقول میرے والد ماجد حضور احسن العلما ''امام احمد رضا خانقاہ برکاتیہ کے مشائخ کی چلتی پھرتی کرامت ہیں'' اور راقم دو جملے اور بڑھاتا ہے کہ لکھتی اور بولتی ہوئی کرامت ہیں۔لہٰذا ہم ان کا ذکر مشائخ مارہرہ کی کرامت کی حیثیت سے کرتے ہیں۔

مارہرہ میں کبھی فتاویٰ رضویہ کا ذکر کرتے ہیں، کبھی حدائق بخشش پڑھتے ہیں۔کبھی الدولۃ المکیۃ کا ذکر کرتے ہیں۔کبھی کفل الفقیہ الفاہم فی أحکام قرطاس الدراہم کا ذکر کرتے ہیں۔کبھی ان کے عشق رسول کا بیان ہوتا ہے تو کبھی ان کی ریاضی دانی کے چرچے ہوتے ہیں۔کبھی پیروں سے ان کی عقیدت بیان کی جاتی ہے۔کبھی ان کی تحریکات کا ذکر کیا جاتا ہے۔کبھی کبھی ان کا چراغ انس روشن کیا جاتا ہے۔کبھی دلوں کے طاق پر قصیدہ نور رکھ کر تاریک خانوں میں روشنیاں پھیلائی جاتی ہیں۔ جب قلب وجگر و زبان وذہن کو سید عالم ﷺ کے ذکر سے منور ومعطر کرنا ہوتا ہے تو امام احمد رضا کے چمنستان عقیدت میں جا کر مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام کی صدائیں بلند کرنے لگتے ہیں۔اور ہم کیا ذکر کرتے

ہیں ان کی علمیت، تفقہ اور عبقریت کا اعتراف تو وہ بھی کرتے ہیں جن کو اعلیٰ حضرت کے مذہبی اور مسلکی نظریات سے اتحاد نہیں ہے۔ کوئی ان کو اپنے دور کا امام اعظم کہتا تو کوئی علم کا بحر بیکراں۔ اس بات کا اعتراف کرنا ظرف والوں کا حصہ ہے کہ امام احمد رضا فی زمانہ دنیائے اسلام وسنیت کے سکۂ رائج الوقت کا نام ہے۔

مارہرہ مقدسہ نے امام احمد رضا کی تربیت ہی اسی لیے کی کہ ان کے بعد ہم زمانے کو بتا سکیں کہ عشق مصطفیٰ ﷺ پر نثار ہونے والوں پر پیارے مصطفیٰ ﷺ کیسے اکرام اور انعام کی بارشیں فرماتے ہیں کہ اپنے گھرانوں میں ان کا نام زبان زد خاص وعام کر دیتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کو گزرے ہوئے ایک صدی سے زیادہ ہو گیا اور جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے امام احمد رضا کی مقبولیت اور شہرت میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔ آج اگر کوئی صحیح العقیدہ جماعت یا فرد عشق رسالت اور صوفیائے کرام سے محبت کا دم بھرتا ہے تو اس کو امام احمد رضا کے افکار ونظریات سے وہ لوگ وابستہ کر دیتے ہیں جو اس نعمت سے محروم ہیں تو یہ امتیاز کیا کم ہے اعلیٰ حضرت کے لیے کہ وہ جس شہر میں مکین تھے اس شہر کے نام کی نسبت سے کسی صحیح العقیدہ کو نسبت دی جا رہی ہے۔

اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اہل خاندان امام احمد رضا کا تذکرہ اپنی محافل اور مجالس کو سجانے اور اہل ارادت کو متوجہ کرنے کے لیے کرتے ہیں تو یہ صرف کج فہمی ہے۔ مارہرہ میں امام احمد رضا کی پیدائش سے برسوں پہلے ۹۰ / ہزار زائرین سیدنا حمزہ قدس سرہٗ کی دعوت عرس سیدنا آل محمد میں آ چکے ہیں۔ مارہرہ مقدسہ کو خود کو متعارف کرانے کے لیے اور اپنی پیٹھ ٹھوکنے کے لیے کیا یہ امتیاز کافی نہیں ہے کہ ہندوستان میں سلسلۂ قادریہ کی تمام معروف خانقاہیں اور مشائخ اسی آستانۂ بیکس پناہ کے اسیر محبت ہیں۔ کیا رسول الکریم ﷺ سے براہ راست نسبت ہونا مارہرہ والوں کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ راقم کہتا ہے کہ بس یہی امتیازِ نسبتِ سرکار دو عالم ﷺ ہمارے لیے دنیا وآخرت میں گولڈ میڈل ہے۔ الحمد للہ۔ مارہرہ کے فقیروں کے لیے یہ بھی شناخت کافی ہے کہ غوث اعظم پیران پیر اپنے سلسلے کی دولت بانٹنے کے لیے ہم گنہ گاروں کا انتخاب فرما لیا۔

اعلیٰ حضرت سے یہ قلبی لگاؤ موجودہ خادمان خاندان برکات کو نہ صرف مجدد برکاتیت تاج العلماء، سید العلما، احسن العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ورثے میں ملا بلکہ یہ ترغیب تو ہمیں انہوں نے دی جن کے ہاتھ پر امام اہل سنت نے اپنی جان و مال اور ایمان کا سودا کیا تھا۔ ایک طرف حضرت صاحب خاتم اکابر سیدنا شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ امام احمد رضا کو بیعت فرما کر تحفۂ آخرت بنانے کا اعلان فرما رہے ہیں تو دوسری جانب ان کے لخت جگر اور اعلیٰ حضرت کے مرشد اجازت چشم وچراغ خاندان برکات کا لقب انہیں عطا فرما کر اپنی آنے والی نسلوں کو یہ ذہن دے رہے ہیں کہ یہ ذات قابل اعتماد بھی ہے اور قابل اتحاد بھی۔ لہٰذا ہم انہیں مشائخ اور بزرگان گرامی کی تقلید میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کو اور ان کے سنیت کے مشن کو عزیز رکھے ہوئے ہیں۔

اعلیٰ حضرت کے صد سالہ عرس کے موقع پر ملک گیر پیمانے پر ان کو علمی خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے اور یہ رسالہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اور ان کی بیش قیمتی خدمات کے اہم گوشے شامل اشاعت کیے جائیں اور آج اس کی شدید ضرورت بھی ہے۔ امام احمد رضا مزارات پر عرس کرانے والے اور اس کا جواز پیش کرنے والے کسی مولوی کا نام نہیں بلکہ مکمل علمی تحریک کا نام ہے۔ المیہ یہ ہے کہ ہم امام احمد رضا کو مکمل طور سے زمانے کو متعارف نہ کرا سکے۔ بقول ڈاکٹر مسعود احمد ''امام احمد رضا مشرق کے نظر انداز کیے ہوئے مفکر اور صاحب دانش کا نام ہے''۔

وہ ایک عالم، مفتی، فقیہ، مفسر، محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند پایہ قادر الکلام شاعر تھے اور وہ بھی ایک نہیں تین تین زبانوں کے شاعر تھے اور ایسی شاعری کہ جس میں ابتدائی دور اور آخری دور کی شاعری کے امتیازات کا کوئی اندازہ ہی نہ لگا پائے۔ مختلف علوم وفنون پر ایسی عمیق نگاہ ایسا تطبیق رکھتا ہوا Scientific تجزیہ کہ ترجمہ قرآن فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ منشائے ایزدی کو سامنے رکھ کر ترجمہ فرما رہے ہیں۔ غرضیکہ جو کچھ بھی لکھا ایک معیار قائم کرتے ہوئے لائق تقلید کارنامہ انجام دیا اور یہی کام مجدد کا ہوا کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی ایسا تجدیدی کارنامہ انجام دیتا ہے کہ اس کا دور اس کے

نام سے منسوب ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت بلاشبہ اپنے دور کے مجدد تھے اور یہ لقب ان کو اس جگہ سے تجویز کیا گیا جہاں سے اعلیٰ حضرت کو مارہرہ مقدسہ تک کا سفر کرنے کو رہنما ملا۔ یعنی خانوادۂ قادریہ مجیدیہ بدایوں شریف کے بزرگوں سے اعلیٰ حضرت کو مجدد مأۃ حاضرہ کا لقب تجویز کیا گیا۔ جو آج تک الحمدللہ رائج ہے۔ اب ہمارا بنیادی فریضہ ہے کہ ہم سواد اعظم کی اس عبقری شخصیت کے کارناموں کو اس طبقے تک پہنچائیں جن کے ذہن میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تصویر بالکل برعکس ہے یعنی ایک تو وہ طبقہ جو بڑے علمی مراکز اور یونیورسٹیز سے جڑا ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو حضرت فاضل بریلوی کو کسی نئے فرقے کا بانی سمجھتے ہیں اور بریلویت اور رضا خانیت جیسے نام ان کے افکار اور نظریات کے لیے تجویز کرتے ہیں۔ یعنی ان کو ایک مخصوص فرقہ کا موجد اور بانی تصور کرتے ہیں جس پر شرک وبدعت وخرافات وباہمی فساد کا اطلاق ہو۔ اگر امام احمد رضا کے یہ علمی کارنامے ان افراد کے سامنے صحیح علمی اور تحقیقی طور سے آ گئے تو شاید وہ بیگانے افراد بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ امام احمد رضا قاطع شرک و بدعت کا نام ہے۔ امام احمد رضا ایک خالص علمی اور تعمیری شخصیت کا نام ہے۔ وہ پیکر عشق مصطفیٰ ﷺ ہیں اور اپنے چاہنے والوں اور عقیدت رکھنے والوں کے لیے روشنی کا منارہ ہیں۔

اس رسالے میں ہم نے یہی کوشش کی کہ اعلیٰ حضرت کے بیشتر علمی امتیازات سے قارئین کو روشناس کرادیں تاکہ احباب کے ساتھ دیگر غیر مانوس افراد بھی اس عبقری شخصیت کی مختلف جہات کا اندازہ کر سکیں۔

اعلیٰ حضرت کو متعارف کرانے کا یہ سلسلہ عرس صد سالہ کے بعد ہمیں قائم رکھنا چاہیے۔ عصری اداروں میں ان کو اردو ادب میں نعت کے شاعر کے طور پر متعارف کرانے کے لیے ہمیں سنجیدہ کوشش کرنی چاہیے اور سب سے پہلے ہمارے خطباء کو، علماء کو اور پڑھے لکھے افراد کو عوام الناس کے سامنے امام احمد رضا کی وہ تحریرات لانی چاہئیں جن کا تعلق اصلاح امت سے ہے۔ وہ تمام فتوے خطیبوں کو محفلوں اور جلسوں میں بیان کرنا چاہئے اور صاحبان قلم کو کتابوں و رسالوں میں واضح طور پر لکھ دینا چاہیے جو موجودہ دور میں رائج بدعات اور غیر ضروری رسومات کے رد میں اعلیٰ حضرت نے رقم فرمائے ہیں۔

اس رسالے میں ہماری کوشش رہی ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اہم علمی فن پاروں کو سامنے لایا جائے۔ اس کے لیے اہم صاحبان قلم سے رابطہ کیا اور نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ رسالہ پڑھ کر اپنی رائے گرامی سے ہمیں ضرور روشناس کرائیں اور اگر ساتھ میں کوئی مشورہ بھی ہو تو سونے پر سہاگا۔ رسالہ حاضر ہے دعا کریں کہ آپ کی خانقاہ یہ خدمت ایسے ہی انجام دیتی رہے۔

وفیات

تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں صاحب ازہری میاں قدس سرہٗ:

جانشین مفتی اعظم ہند، وارث علوم رضا حضرت علامہ اختر رضا خان قادری المعروف ازہری میاں قدس سرہٗ اس سال ہم سے رخصت ہوئے۔ حضرت کا ہمارے درمیان سے رخصت ہونا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ علامہ ازہری میاں صاحب حضرت ابراہیم صاحب عرف جیلانی میاں کے صاحب زادے یعنی حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کے حقیقی پوتے اور حضرت مفتی اعظم ہند کے حقیقی نواسے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے خانوادے کی علمی روایتوں کو تادم آخر خوب خوب سنوار کر رکھا۔ ان کا خصوصی امتیاز شریعت مطہرہ پر تصلب کے ساتھ قائم رہنا تھا۔ انہوں نے پوری زندگی اتباع احکام خداوندی اور سنت سرکار دوعالم ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے گزاری۔ نہ کبھی کسی سیاست میں حصہ لیا نہ ہی کبھی کسی بد مذہب سے سمجھوتا کیا۔ شریعت کے اصولوں پر خود بھی پابند رہے اور اپنے احباب کو اسی راہ پر گامزن رکھا۔ ان کے دم سے سنیت میں ایک خاص قسم کی مضبوطی تھی۔ سنیت کے اس اہم ستون کی کمی ہمیشہ دنیائے سنیت محسوس کرتی رہے گی۔ اپنی وضع قطع، رکھ رکھاؤ، گفتار اور کردار، علم وفضل اور تقویٰ کے حوالے سے وہ صحیح معنی میں اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم کے جانشین اور مظہر جمیل تھے۔ بے حد نورانی چہرا، خاندانی وجاہت سے لبریز شخصیت، آواز میں

تقویٰ کا اعتماد، سادہ مگر دیدہ زیب لباس، سرخرو سر پر بندھا ہوا عمامہ ان کی شخصیت کو ہزاروں کے مجمع میں ممتاز کرتا تھا۔

اعلیٰ حضرت و مفتیٔ اعظم کے علم وفضل کے امین حضرت تاج الشریعہ بلند پایہ فقیہ و مفتیٔ دین، خوش کلام اور خوش الحان شاعر، عمدہ خطیب، متقی و پرہیزگار پیر طریقت غرض کہ ایک ممتاز شخصیت میں جتنے بھی ذاتی اور علمی اوصاف جمع ہو سکتے ہیں حضرت ان کا مجموعہ تھے۔ حضرت تاج الشریعہ میرے والد ماجد حضور احسن العلما کے چہیتے خلفاء میں تھے حضور والد ماجد ازہری میاں سے بے حد شفقت فرماتے اور ان کو اعراس کے موقع پر حاضر آتا دیکھ بہت خوش ہوتے تھے۔ حضرت ازہری میاں کو بھی میرے والد ماجد سے بے حد عقیدت اور محبت تھی جس کا اظہار حضرت تاج الشریعہ نے حضرت احسن العلما کی شان میں مناقب لکھ کر برملا فرمایا۔

ہم سب کو ان کے وصال سے بے حد قلبی رنج ہے کہ خانوادۂ رضویہ سے علم کا ایک اور چمکتا ہوا سورج غروب ہوا۔ راقم انہیں کے شعر کو ان کی یاد میں دہراتا ہے ؎

ایک شمع انجمن تھی جو بالآخر بجھ گئی
اب اجالے کو ترستی ہے یہ بزم آگہی

حضرت تاج الشریعہ کو بڑے ابا حضور سید العلما سے بھی سلسلہ قادریہ میں اجازت حاصل تھی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت تاج الشریعہ کو عوام میں بے حد مقبولیت عطا فرمائی تھی۔ اس کا اندازہ ان کے آخری سفر میں شریک مجمع کثیر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

ہم سب خانوادۂ رضویہ کے اس غم میں صمیم قلب سے شریک وسہیم ہے اور دعا کرتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور خاندان اعلیٰ حضرت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ان کے ولی عہد مولانا عسجد رضا خاں صاحب کو ان کی علمی اور روحانی وراثت کا سچا امین بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

مرحومہ فاطمہ کبرا صاحبہ (منی بجیہ):

ہماری بڑی قریبی دادھیالی عزیزہ منی بجیہ بھی اس سال ہمیں داغ مفارقت دے گئیں۔ قلیل علالت کے بعد منی بجیہ نے علی گڑھ میڈیکل کالج میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ منی بجیہ بے حد خلیق، منکسر مزاج، خندہ ذہن، روشن ذہن اور ذمہ دار خاتون تھیں۔ عزیزوں کو برتنا، تواضع کرنا، ان کی خوشی اور غم میں شریک ہونے کے سبب منی بجیہ خاندان میں بے حد مقبول ومعروف تھیں۔ ہم سب بھائیوں میں حضرت امین ملت سے ان کے خصوصی روابط تھے۔ میری والدہ ماجدہ قدس سرہا منی بجیہ اور ان کی ساری اولادوں کو بے حد چاہتی تھیں اور انہیں بہت عزیز رکھتی تھیں۔ راقم الحروف سے ان کی ملاقاتیں اکثر رہتی تھیں کیوں کہ وہ ایٹہ میں مقیم تھیں۔ انتقال کے وقت وہ اپنی بیٹی زینت باجی کے یہاں مقیم تھیں۔ تدفین علی گڑھ میں عمل میں آئی۔ حضرت امین ملت نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ منی بجیہ کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ ان کے بچوں کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

حاجی عبد الرشید اسماعیل صاحب:

ہمارے برادر طریقت حاجی عبد الرشید اسماعیل اس سال ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ مرحوم ومغفور حنیف ہرارے والوں کے حقیقی بھائی تھے۔ خاندان برکات سے اپنے زمانۂ طالب علمی سے وابستہ ہوئے جب وہ Leeds University, U. K سے انجینئرنگ کر رہے تھے۔ بیعت ہونے سے لے کر آخری دم تک مرشدان مارہرہ کے جاں نثار اور وفادار عقیدت کیش رہے۔ ۱۹۸۳ء سے لے کر ۲۰۱۷ء تک عرس قاسمی شریف میں تسلسل کے ساتھ حاضر ہوتے رہے اور فیضان صاحب البرکات سے حصہ پاتے رہے۔ برکاتیت کا ایسا رنگ غالب تھا کہ ان سے وابستہ تمام لوگ ان کو صوفی صاحب کہہ کر پکارتے تھے۔ نہایت متقی و پرہیزگار حلیم شخصیت کے مالک عبد الرشید بھائی اپنے شیخ حضور احسن العلما اور پیرزادگان سے دیوانہ وار محبت کیا کرتے تھے۔ ہمیشہ کہتے تھے کہ ”ہمیں فکر کیا کرنا

پیر صاحب موجود ہیں‘‘ اپنی بیشتر داخلی اور خارجی خصوصیات کے تحت اہل خاندان اپنے پیر کے خاندان کے لیے رشید بھائی بے حد محبوب تھے۔ اپنے آخری سفر میں ان کا مسکراتا ہوا چہرا ان کے ایمان کی مضبوطی اور مذہب اور مسلک سے وابستگی کی دلیل دے رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجے پر فائز فرمائے۔ (آمین) اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

جناب اسحاق محمد پٹھان صاحب مرحوم ومغفور:

خلیفۂ حضور امین ملت جناب محمد اسحاق پٹھان صاحب بھی اس سال ہم سب سے رخصت ہوئے۔ بے حد متحرک مخلص اور جانثار احباب میں سے تھے۔ مفتی اعظم راجستھان کے ساتھ آپ نے مدرسۂ فاطمۃ الزہرا قائم کیا تھا۔ ٹیکنکل ایجوکیشن کے ڈپٹی ڈائرکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ۴۰؍ سال تبلیغ دین کے فرائض انجام دیتے رہے۔ علم دین حاصل کرنے کے شوق کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ریٹائر ہونے سے کچھ سال قبل ہی قرأت قرآن کا کورس مکمل کیا تھا۔ عرس قاسمی کے مسلسل حاضر باش تھے۔ خانقاہ برکاتیہ سے بے حد عقیدت اور محبت کے رشتے تادم آخر استوار رکھے۔ ان کے خلوص اور محبت کو خدمت دین کے پیش نظر حضرت امین ملت نے ان کو سلسلہ قادریہ میں مجاز وماذون فرمایا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور قرب خاص میں مقام مرحمت فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

حکیم تنزیل الرحمٰن عرف حکیم برکاتی صاحب مرحوم:

ہماری خانقاہ کے بے حد مخلص اور ہمہ تن خانقاہ کے افراد کے لیے متحرک رہنے والے ہمارے عزیز برادر طریقت حکیم برکاتی صاحب نے ۳؍ جنوری ۲۰۱۸ء کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حکیم برکاتی صاحب بڑے تجربہ کار حکیم تھے اللہ نے ہاتھ میں بڑی شفا عطا فرمائی تھی۔ خانقاہ برکاتیہ سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ Asian Pharma کے نام سے آنند، احمد آباد گجرات میں یونانی دواؤں کی تجارت فرماتے تھے۔ آپ نے تعلیم کٹیہار اور بدایوں شریف میں حاصل فرمائی۔ راقم اور حضرت امین ملت سے بے حد مراسم عقیدت

ومحبت رکھتے تھے۔ ان کی زندگی کے آخری دور میں حضرت امین ملت کا جب گجرات دورہ ہوا تو بااصرار حضرت کے استقبال کے لیے ائیر کنڈیشن بگھی سے جلوس کی شکل میں استقبال کرتے ہوئے اپنے دولت خانے پر لے گئے اور پر تکلف ضیافت کی۔ آج وہ ہمارے درمیان نہیں لیکن ان کی محبتیں اور عقیدتیں ہمارے دلوں میں اب بھی زندہ ہیں اور رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت فرمائے۔ اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

حاجی محمد شفیق برکاتی:

ہمارے لیے بڑی افسوس ناک خبر ہے کہ ہمارے بے حد محبوب برادر طریقت حاجی شفیق برکاتی صاحب چندروز قبل انتقال فرماگئے۔ مرحوم ومغفور سلونی کے رہنے والے تھے۔ حضرت امین ملت کے محبوب مریدوں میں سے تھے۔ مرحوم شفیق بھائی خانقاہ کے حاضر باش، وفادار، پیر کے سچے مطیع وخادم تھے۔ آم کے باغوں کا کاروبار کرتے تھے۔ بہت اچھے طریقے سے رہتے تھے۔ ان کے گھر کا ہر فرد خانقاہ برکاتیہ کا وفادار وجاں نثار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کامل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

تہنیت

حضرت امین ملت کے اہل خانہ کو حج بیت اللہ کی سعادت:

ہماری محترمہ بھابھی صاحبہ اہلیہ حضرت امین ملت مدظلہٗ، عزیزم امان میاں، عزیزم عثمان میاں، عزیزہ ایمن سلمہا کو حرمین شریفین کی حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ رب العزت ان کی حاضری کو قبول فرمائے اور انہوں نے جو بھی دعائیں احباب ومتوسلین کے لیے کی ہوں ان کو بارگاہِ خداوندی میں شرف قبولیت حاصل ہو۔ اہل خاندان کی جانب

سے بھابھی صاحبہ اور بچوں کو دلی مبارک باد۔

حضرت شرف ملت کو عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ:

برادر معظم سید محمد اشرف میاں مدظلہ العالی کو اس سال اردو ادب میں ان کی امتیازی خدمات کے حوالے سے عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ تفویض کیا گیا ہے۔ الحمد للہ برادر معظم کو پچھلے کئی سالوں سے مسلسل ان کی علمی کاوشات کی وجہ سے سرکاری وغیر سرکاری تنظیموں کے ذریعے انعامات واکرامات سے نوازا جارہا ہے۔ یہ ایوارڈ دوحہ قطر میں منعقد جیوری میٹنگ میں اتفاق رائے سے برادر معظم کو تفویض کیا گیا جس کا اعلان معروف ادیب اور جیوری کے چیرمین پدم بھوشن پروفیسر گوپی چند نارنگ نے کیا انہوں نے بتایا اس ایوارڈ کے تحت برادر محترم کو ڈیڑھ لاکھ روپے، طلائی تمغہ اور سپاس نامہ دوحہ قطر میں پیش کیا جائے گیا۔ ہم سب اہل خاندان اور متوسلین ان کی خدمت میں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کا سایہ صحت وسلامتی کے ساتھ ہم سب پر قائم رکھے اور ان سے ایسی ہی امتیازی مذہبی، تعمیری، علمی اور ادبی خدمات انجام دلواتا رہے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

اظہار تشکر

ہم ممنونِ کرم ہیں ان اصحابِ قلم کے جنہوں نے اس شمارے کے لیے عدم فرصت کے باوجود وقت نکالا اور اپنی قیمتی تحریرات سپرد قلم کیں۔ راقم فرداً فرداً شکر گزار رہے ان حضرات گرامی کا جن کی تحریرات اس شمارے میں شامل ہیں۔

مفتی محمد حنیف رضوی صاحب کا قلبی شکریہ جنہوں نے بہت سا علمی مواد فراہم کرانے میں بڑے خلوص سے پیش رفت کی۔

برادر طریقت ڈاکٹر حسین مشاہد رضوی صاحب، مالیگاؤں، کا خصوصی شکریہ

جنہوں نے برادرم عارف انجم صاحب سے سرورق تیار کرانے میں مخلص سعی کی۔ وہ خانقاہ کے بے حد کام آنے والے آدمی ہیں۔ اللہ ان کو صحت وتندرستی کے ساتھ عمر طویل عطا فرمائے۔

مولانا نعمان احمد ازہری، مولانا محمد عارف رضا نعمانی، مولانا علاء الدین، مولانا انیس مجتبیٰ، مولانا عبد الحکیم صاحبان اور تمام علمائے ABIRTI کا خصوصی شکریہ کہ جنہوں نے رسالہ کی طباعت میں شانہ بہ شانہ اپنا تعاون پیش کیا۔

برادرم محمد اکبر قادری کوائف اور حضرت امین ملت کے اسفار کو رقم کرنے کی ذمہ داری کے ساتھ تقسیم کی ذمہ داری کو برسوں سے نبھا رہے ہیں۔ جزاہم اللہ۔

عزیزم حارث احسن کے لیے ایک بار پھر سے دلی نیک خواہشات اور ان کے ٹائپنگ کے ہنر میں برکت کے لیے دعائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کہ اس نے ہم سب کو سرکار دوعالم ﷺ کی اتباع اور ان سے وفاداری کی دولت سے نوازا اور علمی اور اصلاحی کاموں میں شریک رہنے کی توفیق دی۔ مشفق بھائی عطا فرمائے۔ فرماں بردار بچے ہمیں عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ اس خانقاہ کے فیضان کو صبح قیامت تک قائم ودائم رکھے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ

کے دست مبارک سے رقم کردہ شجرۂ برکاتیہ جو

حضور احسن العلما قدس سرہٗ کی بارگاہ سے دستیاب ہوا

فوٹو اسٹیٹ شجرہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف جسے امام احمد رضا نے اپنے مرشد کی فرمائش پر بہ صیغہ درود شریف قلم برداشتہ تحریر فرمایا

فقیر برکاتی: سید مصطفیٰ حیدر حسن برکاتی سجادہ نشین درگاہ برکاتیہ مارہرہ (ایٹہ)

بسم الله الرحمن الرحيم
اللّٰهم صلّ وسلّم وبارك على سيدنا ومولٰنا
محمّد المصطفٰى رفيع المكان، المرتضى
علي الشان، الذي رجل من أمته
خير من رجال من السالفين، وحسين
من ذريته أحسن من كذا وكذا أحسانًا من
السابقين، السيد السجاد زين العابدين
باقر علوم الانبياء والمرسلين، ساقي
الكوثر، مالك تسنيم، وجعفر الذي
يطلب موسى الكليم رضا ربه
بالصلاة عليه، ويذهب ابراهيم الخليل
لطلب معروف جوده إليه،

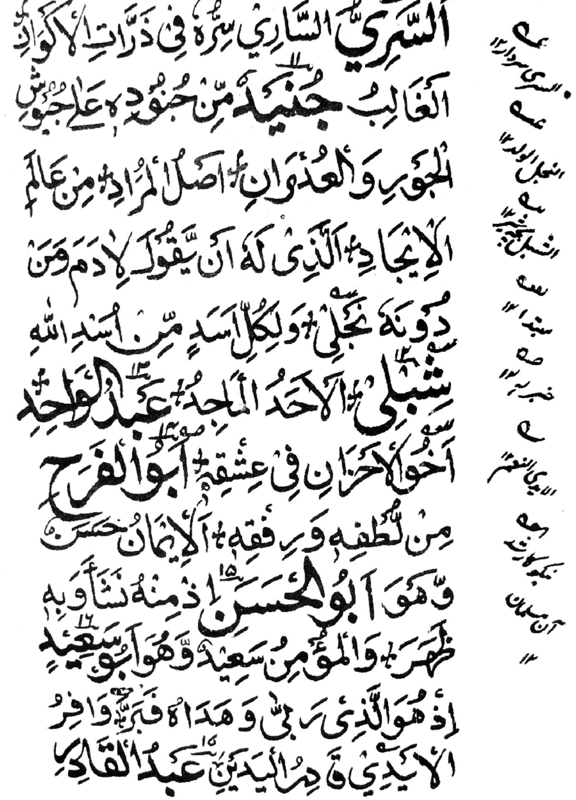
السري الساري سره في ذرات الأكوان
الغالب جنيد من جنوده على جيوش
الجور والعدوان، أصل المراد من عالم
الإيجاد، الذي له أن يقول لآدم ومن
دونه تجلّي، ولكل أسد من أسد الله
شبلي، الأحد الماجد، عبد الواحد
أخو الأحزان في عشقه، أبو الفرح
من لطفه وفرح فقه، الإيمان حسن
وهو أبو الحسن إذ منه نشأ وبه
ظهر، والمؤمن سعيد وهو أبو سعيد
إذ هو الذي ربّى وهداه فبرّ وأفر
الأيدي في درء الأيدين عبد القادر

غوث الثقلین عبد الرزاق
قاسم الارزاق ابو صالح
المؤمنین نصر الاسلام محی الدین
علی المرتقی والمدارج موسی
طور المعارج حسن الخلق احمد
الخلق بهاء الدین الکریم سنا
شریعة ابراهیم الامی القاری
نظام دین الباری العرب والفرس
والهند کلهم له سائل وگدا و بهکاری
ضیاء الانبیاء جمال الاولیا محمد
الذات احمد الصفات فضل الله
و برکة الله وعلی اله الاعاظم

العارفین نص الشرع المطهر وزمرة
الضیاغم المتحملین شدة الجهاد الاکبر و
حمزة هم آل احمد العظیم الکریم
آل الرسول الرؤف الرحیم اللهم و
علی اصحابه العظام ومشائخنا الکرام
وعلینا معهم یا ذا الجلال والاکرام
مارهرة اقمار الیقین فی ظلمة صدور
العارفین آمین آمین یا ارحم الراحمین
اللهم ومن انشأ هذه الصیغة المبارکة
فاغفر له یا عظیم وارض عنه حبیبک
احمد رضا المولی العفو الکریم آمین
کتبه الفقیر احمد رضا القادری غفر له فی مارهرة المطهرة ۲۱ محرم یوم الجمعة ۱۲۹۶

گوشۂ مضامین

حیات امام احمد رضا کے اہم گوشے

مولانا ساجد علی مصباحی
استاذ - الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

اے امام اہل سنت ، تاج دارِ علم وفن — خوب کی تجدیدِ ملت تم نے اے سرو چمن
رسم بسم اللہ میں تھا کس قدر اونچا سوال — محو حیرت انجمن تھی واہ یہ نوری ذہن
حلقۂ بیعت میں آتے ہی ہوئے شیخ اجل — یعنی اول ہی سے تم ہو پاک طینت پاک تن
دین حق کی خدمت واحیاے سنت کے سبب — اعلیٰ حضرت آپ کو کہتے ہیں سب اہل سنن

(نعیم قادری)

امام احمد رضا-مختصر تعارف:

۱۰؍شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ/۱۴؍جون ۱۸۵۶ء، بروزِ شنبہ، بوقتِ ظہر، ہندوستان کے مشہور ومعروف شہر ''بریلی'' میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان حنفی قادری کی ولادت ہوئی، آپ کا پیدائشی نام ''محمد'' اور تاریخی نام ''المختار [۱۲۷۲ھ]'' ہے۔آپ کے جد امجد مولانا رضا علی خان بریلوی قدس سرہٗ (متوفیٰ :۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء) نے آپ کو'' احمد رضا'' کے نام سے پکارا جو خاص وعام کی زبان پر جاری ہوگیا۔

آپ نے ابتدائی تعلیم میزان ومنشعب تک مرزا غلام قادر بیگ، بریلوی (متوفی: ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۷ء) سے حاصل کی اور اکثر علوم دینیہ ،عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خان (متوفیٰ :۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) سے کی۔مولانا عبد العلی رام پوری سے شرح چغمینی کے بعض اسباق پڑھے۔مرشد گرامی سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی (متوفی: ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) سے تصوف وطریقت کی تعلیم حاصل کی۔سید شاہ ابوالحسین

نوری مارہروی (متوفی ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء) سے اکتساب علم جفر وتکسیر کیا اور جب ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں زیارت حرمین شریفین کے لیے مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو مفتی شافعیہ شیخ احمد بن زین بن دحلان مکی (متوفی ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی (متوفی: ۱۳۰۱ھ/ ۱۹۹۳ء) اور امام کعبہ شیخ حسین بن صالح مکی (متوفی: ۱۳۰۶ھ/ ۱۸۸۴ء) سے حدیث وفقہ وتفسیر وغیرہ کی سند حاصل فرمائی۔

آپ کی خداداد ذہانت وذکاوت اوراعلیٰ فہم وبصیرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ بسم اللہ خوانی ہی کے دن الف، ب، ت، ث پڑھتے ہوئے لا کے مرکب ہونے پر حیرت انگیز اشکال کا اظہار کیا۔ چار سال کی عمر میں قرآن کریم ناظرہ ختم کرلیا۔ چھ سال کی عمر میں میلادِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے موضوع پر مجمع عام میں بصیرت افروز خطاب فرمایا۔ آٹھ سال کے ہوئے تو فن نحو کی مشہور کتاب ''ہدایۃ النحو'' کی عربی زبان میں شرح لکھی۔ دس سال کی عمر میں اصول فقہ کی اہم کتاب ''مسلم الثبوت'' کی شرح تصنیف فرمائی۔ تیرہ سال، دس ماہ، چار دن کی عمر میں مروجہ علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کر کے دستارِ فضیلت سے سرفراز ہوئے اوراسی دن رضاعت سے متعلق ایک فتویٰ لکھا جو بالکل درست تھا، اسے دیکھ کروالد ماجد رئیس المتکلمین مولانا نقی علی خان قدس سرہ اس قدر خوش ہوئے کہ اسی دن فتویٰ نویسی کی اجازت مرحمت فرمادی اور مسندِ افتا پر بٹھادیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ سے ایک دن پوچھا گیا کہ ''اگر بچے کی ناک میں کسی طرح دودھ چڑھ کر حلق میں پہنچ گیا ہو تو کیا حکم ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: منہ یا ناک سے عورت کا دودھ جو بچے کے جوف میں پہنچے گا، حرمتِ رضاعت لائے گا۔ یہ وہی فتویٰ ہے جو چودہ شعبان ۱۲۸۶ھ کو سب سے پہلے اِس فقیر نے لکھا اور اسی ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ کو منصبِ اِفتا عطا ہوا اور اسی تاریخ سے بحمد اللہ تعالیٰ نماز فرض ہوئی اور ولادت ۱۰ر شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ، روزِ شنبہ، وقتِ ظہر مطابق ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء، ۱۱ر جیٹھ سدی ۱۹۱۳ سمبت کو ہوئی تو منصبِ اِفتا ملنے کے وقت فقیر کی عمر ۱۳ر برس، دس مہینہ، چار دن کی تھی جب سے اب تک برابر یہی خدمتِ دین لی جارہی ہے وَالْحَمْدُ لِلّٰہ''۔[1]

آپ کے عہد طفلی کا یہ واقعہ بھی بڑا خوش گوار تھا کہ ایک روز آپ بچوں کے ساتھ مکتب میں پڑھ رہے تھے، ایک آنے والے بچے نے استاذ کو سلام کیا، انھوں نے وعلیکم السلام کہنے کی بجائے جواب میں کہا: جیتے رہو۔

آپ نے فوراً استاذ صاحب سے عرض کیا: یہ سلام کا جواب تو نہ ہوا۔ وعلیکم السلام کہنا چاہیے تھا۔ مولوی صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔[2]

اس قسم کے واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی شعائر وآداب کی حفاظت وپاسبانی کی جو روایتیں آپ کی دینی، علمی، اصلاحی اور تعمیری تاریخ سے وابستہ ہیں، ان کی ابتدا بچپن ہی سے ہوچکی تھی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا سینہ علوم ومعارف کا خزینہ اور دماغ فکر وشعور کا گنجینہ تھا، اپنے بیگانے سب ہی معترف ہیں کہ شخصی جامعیت، اعلیٰ اخلاق وکردار، قدیم وجدید علوم وفنون میں مہارت، تصانیف کی کثرت، فقہی بصیرت، احیاے سنت کی تڑپ، قوانین شریعت کی محافظت، زہد وتقویٰ، عبادت وریاضت، اخلاص وللّٰہیت اور روحانیت وعشق رسول میں ان کے معاصرین میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔

آپ کی صداقت وراست گفتاری، نیک نفسی وپاک بازی، شرافت نفس اوراعلیٰ ظرفی کے افراد خانہ اور اہل تعلق سب ہی معترف ومداح تھے، بڑوں کا ادب واحترام، اساتذہ، علما ومشائخ کا اعزاز واکرام، ان کے ساتھ محبت وحسن عقیدت اوراس طرح کی بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔

اس لیے آپ کی حیات مبارکہ کے تعلق سے کچھ لکھنے سے پہلے سو بار سوچنا پڑتا ہے کہ آپ کے کس وصف جمیل کا ذکر کیا جائے اور کسے ترک کیا جائے، آپ کی ذات گرامی کا حال یہ تو ہے کہ ؎

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم　　کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

یقیناً آپ کے تمام اوصاف وکمالات اس شان کے حامل ہیں کہ ہر ایک پر مستقل لکھنے کی ضرورت ہے اور الحمدللہ بہت سے گوشوں پر کافی کچھ لکھا جاچکا ہے اور بعض گوشوں پر

ابھی لکھا جارہا ہے۔ ہم اس مضمون میں اختصار کے ساتھ چند گوشوں کا تذکرہ کرتے ہیں اور اربابِ ذوق سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ مزید معلومات اور تسکین قلب کیلیے مآخذ و مراجع کی طرف رجوع کریں۔

امام احمد رضا اور اتباع شریعت:

صرف اربابِ نظر ہی کے وہ رہبر تو نہیں — مرجع اہل طریقت بھی ہیں اعلیٰ حضرت

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی حیات مبارکہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہی یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ آپ نے پوری زندگی شریعت پر سختی سے عمل کیا، ہرفرض وواجب کی محافظت اور اتباع سنت وشریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا جس کے نتیجے میں آپ کا قلب مبارک ایسا پاکیزہ اور مزکّیٰ ومصفیٰ ہوچکا تھا کہ نور معرفت کی تابندگی اوائل زندگی ہی میں نظر آنے لگی تھی۔

بائیس سال کی عمر میں جب آپ تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی (متوفی: ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء) اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا نقی علی خان بریلوی کے ہمراہ ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء، میں مارہرہ مطہرہ پہنچے تو خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قادری برکاتی نے بیعت کے ساتھ ہی آپ کو اجازت وخلافت سے بھی سرفراز فرمادیا جب کہ دوسرے مریدین ومعتقدین کو کافی ریاضت ومجاہدہ اور تطہیر وتزکیہ کے بعد اگر قسمت یاوری کرتی تو یہ سعادت میسر آتی تھی۔

خلافِ معمول یہ دل کش منظر دیکھ کر سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی نے عرض کیا: حضور! آپ نے انھیں بلا ریاضت ومجاہدہ خلافت عطا فرمادی اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قادری مارہروی نے ارشاد فرمایا:

''اور لوگ میلا کچیلا، زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں جس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مصفیٰ ومزکیٰ قلب لے کر آئے ہیں، انھیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگیا۔ مزید فرمایا: مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز محشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آل رسول تو

میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہوگئی، اس وقت میں احمد رضا کو پیش کردوں گا''۔[۳]

حضرت مولانا حسنین رضا خاں بریلوی، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے بچپن کا ایک واقعہ اس طرح قلم بند کرتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کی روزہ کشائی بڑی دھوم دھام سے ہوئی، سارے خاندان اور حلقۂ احباب کو مدعو کیا گیا، کھانے دانے پکے، افطاریاں بنیں، اس میں فیرنی بھی تھی جس کے پیالے ایک کمرے میں جمانے کے لیے رکھے تھے، رمضان المبارک گرمی میں تھا اور اعلیٰ حضرت خورد سال تھے، مگر آپ نے بڑی خوشی سے پہلا روزہ رکھا تھا، ٹھیک دوپہر میں چہرۂ مبارک پر ہوائیاں اڑنے لگیں، آپ کے والد ماجد نے دیکھا تو اس کمرے میں لے گئے اور اندر سے کواڑ بند کر کے اعلیٰ حضرت کو فیرنی کا ایک ٹھنڈا پیالہ اٹھا کر دیا اور فرمایا کہ کھالو۔ آپ نے فرمایا: میرا تو روزہ ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ بچوں کے روزے یوں ہی ہوا کرتے ہیں، کمرہ بند ہے نہ کوئی آسکتا ہے، نہ دیکھ سکتا ہے، تو اعلیٰ حضرت نے عرض کیا: جس کا روزہ رکھا ہے وہ تو دیکھ رہا ہے، اس پر باپ آب دیدہ ہوگئے اور خدا کا شکر ادا کیا کہ خدا کے عہد کو یہ بچہ کبھی فراموش نہ کرے گا، جس کو بھوک پیاس کی شدت میں، کمزوری اور کم سنی میں، ہرفرض کی فرضیت سے پہلے وفاء عہد کی فرضیت کا اتنا لحاظ و پاس ہے''۔[۴]

امام احمد رضا اور علوم وفنون:

لیس علی اللہ مستنکر — أن یجمع العالم في واحد
خدا کے لیے کچھ اچنبھا نہ جان — کہ کردے جمع اک میں سارا جہان

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ بکثرت علوم وفنون کے ماہر تھے، ان کے آثار علمیہ میں غور وخوض کرنے والوں نے پہلے یہ تعداد پچپن شمار کی تھی، پھر مزید تحقیق کے بعد ان کی تعداد چھپتر بیان کی، مگر اب ان کی شخصیت پر باضابطہ تحقیق اور ریسرچ کرنے والے اربابِ علم ودانش نے ان علوم وفنون کی تعداد ایک سو سے زائد شمار کی ہے جن میں امام احمد رضا کو مہارت حاصل تھی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے علمی فضل وکمال اور مختلف علوم وفنون میں ان کی مہارتِ تامہ کا اعتراف ان کے مخالفین ومعاندین بھی اپنی مجلسوں میں کرتے رہتے تھے۔ چناں چہ علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت قبلہ کا جب وصال ہوا تو بیرونی اضلاع کو فوراً تار دیئے گئے۔ جب وہ تار مرادآباد میں استاذ العلماء مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ کو پہنچا، فوراً شہر میں اعلان کرنے کے لیے انھوں نے طلبہ کے چند گروہ روانہ کردیئے جو پہلے بیک آواز نعرۂ تکبیر سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے، پھر بلند آواز سے ایک شخص اعلان کرتا تھا کہ ''آج نمازِ جمعہ کے وقت اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہوگیا اور کل ان کی تجہیز وتکفین ہوگی، جو صاحب نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا چاہیں وہ نو بجے صبح تک بریلی پہنچ جائیں''۔

یہ اعلان جب شاہی مسجد کے قریب پہنچا تو مدرسہ کے صدر مدرس نے ایک طالب علم کو حکم دیا کہ بازار میں دیکھو، کیا اعلان ہورہا ہے۔ وہ طالب علم گیا اور لوٹا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ''خان صاحب بریلوی فوت ہوگئے''۔ اس پر صدر مدرس بہت برہم ہوئے اور کہا کہ یہ خوش ہونے کی بات ہے یا رونے کی بات ہے۔ مذہبی اختلاف اپنی جگہ رہا، مگر ہمیں غیر مسلم اقوام کے مقابلے میں ان کی ذات کے ساتھ ایک فخر قائم تھا کہ دنیا کے سارے علوم اگر ایک ذات میں جمع ہوسکتے ہیں تو وہ مسلمان ہی ہوسکتا ہے اور اس وقت ہم مسلمانوں میں ایک ایسا شخص موجود بھی ہے کہ دنیا بھر کے مروجہ علوم میں مہارتِ تامہ رکھتا ہے اور وہ مولانا احمد رضا خاں کی ذات تھی جن کی ذات تک ہمیں یہ فخر حاصل تھا۔ افسوس، صد افسوس! آج یہ فخر ان کی ذات کے ساتھ رخصت ہوگیا، اب مسلمانوں میں کوئی شخص ایسا موجود نہیں ہے جس کا نام اس فخر کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہو۔ یہ تھی وہابیہ کے اکثر اکابر کی رائے اعلیٰ حضرت قبلہ کے علوم کے متعلق'' والفضل ما شهدت به الأعداء''، ''حقیقی بڑائی وہ ہے جس کی گواہی دشمن دیں''۔[۵]

امام احمد رضا اور فقہ وافتا:

فقیہ اعظم ہندوستان احمد رضا تم ہو　　مقام فقہ میں عرش آستاں احمد رضا تم ہو

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنے دَور کے بے مثال فقیہ اور بلند پایہ مفتی تھے، علم فقہ میں آپ کی تصانیف کی تعداد ڈیڑھ سو سے زائد ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور ومعروف ''فتاویٰ رضویہ'' ہے۔ یہ فقہ حنفی کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے جو رضا اکیڈمی ممبئی سے بارہ جلدوں میں شائع ہورہا ہے۔ صدر الافاضل حضرت مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ آپ کی فقہی بصیرت اور علمی ودینی خدمات کے بارے میں فرماتے ہیں:

''علم فقہ میں جو تبحر وکمال حضرت ممدوح (امام احمد رضا) کو حاصل تھا اس کو عرب وعجم، مشارق ومغارب کے علمانے گردنیں جھکا کر تسلیم کیا، تفصیل تو ان کے فتاویٰ دیکھنے پر موقوف ہے، مگر اجمال کے ساتھ دولفظوں میں سمجھیے کہ موجودہ صدی میں دنیا بھر کا ایک مفتی تھا جس کی طرف تمام عالم کے حوادث ووقائع استفادہ کے لیے رجوع کیے جاتے تھے، ایک قلم تھا جو دنیا بھر کو فقہ کے فیصلے دے رہا تھا، وہی بد مذہبوں کے جواب میں لکھتا تھا، اہل باطل کی تصانیف کا بالغ رد بھی کرتا تھا اور زمانہ بھر کے سوالوں کے جواب بھی دیتا تھا، اعلیٰ حضرت کے مخالفین کو بھی تسلیم ہے کہ فقہ میں ان کی نظیر آنکھوں نے نہیں دیکھا''۔[۶]

مکہ مکرمہ کے عالم جلیل شیخ سید محمد اسماعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما نے جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ایک فتویٰ دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے: **واللہ أقول والحق أقول إنه لو راٰها أبو حنيفة النعمان لأقرت عينه وجعل مؤلفها من جملة الأصحاب.**[۷]

خدا کی قسم! میں بالکل سچ کہتا ہوں کہ اگر یہ فتویٰ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے تو بلاشبہ اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور وہ فتویٰ لکھنے والے کو اپنے اصحاب (امام محمد، امام ابو یوسف، امام زفر وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے زمرے میں شامل فرمالیتے۔

آپ کی خدمت میں آنے والے استفتا کی کثرت بہت حیرت انگیز تھی اور ان سب کے جواب لکھنا اور لکھوانا اس سے بھی زیادہ محیر العقول تھا، استفتا کی کثرت کے بارے میں ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''فقیر کے یہاں علاوہ ردِّ وہابیہ خذلھم اللّٰہ تعالیٰ ودیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کارِ فتویٰ اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے، شہر ودیگر بلاد وامصار، جملہ اقطار ہندوستان وبنگال وپنجاب ومالیبار وبرہما وارکان وچین وغزنی وامریکہ وافریقہ حتی کہ سرکار حرمین محترمین سے استفتا آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں''۔[8]

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا کے مطالعہ وتحقیق کا معیار بھی بہت بلند تھا، انھوں نے لکھی لکھائی اور سنی سنائی پر تکیہ نہ فرمایا، بلکہ اصل متون کا خود مطالعہ فرمایا اور جب تک خود مطمئن نہ ہوتے حوالہ نہ دیتے، ان کے پایۂ تحقیق کا اندازہ ''جب العوار عن مخدوم بہار'' کے مطالعہ سے ہوتا ہے جس میں انھوں نے متن کتاب کی تحقیق سے متعلق وہ وہ نکات واصول بیان فرمائے ہیں جو دَورِ جدید کے محققین کے وہم وخیال میں بھی نہیں اور دنیا کا کوئی محقق متن کے لیے یہ اہتمام نہیں کرتا جو امام احمد رضا فرماتے تھے۔ امام احمد رضا نے اپنی تمام نگارشات میں اصول تحقیق کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ وہ ایک محتاط محقق، عاقبت اندیش مدبر اور بلند پایہ مفکر تھے۔ اس حزم واحتیاط کے باوجود ان کی تصانیف کی تعداد ہزار سے تجاوز کر چکی ہے''۔[9]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے علمی فضل وکمال اور مختلف زبان وادب پر قدرت کاملہ کا عالم یہ ہے کہ اردو، عربی، فارسی، منظوم، منثور جس زبان اور جس انداز میں استفتا ہوا، اسی زبان اور اسی انداز میں اس کا جواب مرحمت فرمایا، جسے دیکھ کر اربابِ علم ودانش بھی حیرت زدہ رہ گئے۔ نواب سلطان احمد خان صاحب بریلوی نے منظوم استفتا کیا تو آپ نے جواب بھی منظوم ہی عطا فرمایا۔ وہ استفتا اور جواب دونوں فتاویٰ رضویہ میں اس طرح درج ہیں:

مسئلہ: مسؤلہ نواب سلطان احمد خاں صاحب بریلی (سوال منظوم)۔

عالمانِ شرع سے ہے اس طرح میرا سوال
دیں جواب اس کا برائے حق مجھے وہ خوش خصال
گر کسی نے ترجمہ، سجدہ کی آیت کا پڑھا
تب بھی سجدہ کرنا کیا اُس شخص پر واجب ہوا

اور رہوں سجدے تلاوت کے ادا کرنے جسے
پھر ادا کرنے سے ان سجدوں کے پہلے وہ مرے
پس سبکدوشی کی اس کے شکل کیا ہوگی جناب!
چاہئے ہے آپ کو دینا جواب باصواب

الجواب (منظوم)

ترجمہ بھی اصل ساں ہے وجہ سجدہ بالیقین
فرق یہ ہے فہم معنی اِس میں شرط اس میں نہیں
آیت سجدہ سنی جانا کہیے سجدہ کی جا
اب زباں سمجھے نہ سمجھے سجدہ واجب ہوگیا
ترجمہ میں اس زباں کا جاننا بھی چاہئے
نظم ومعنی دو ہیں ان میں ایک تو باقی رہے
تا کہ مِــن وَجــــہٍ تو صادق ہو سنا قرآن کو
ورنہ اک موجِ ہوا تھی چھو گئی جو کان کو
ہے یہی مذہب بِــہٖ یُــفتٰی، عَلَیــہِ الاِعتِمــاد
شامی از فیض ونھــر وَاللّٰــہُ اَعلَم بِالرَّشاد
سجدہ کا فدیہ نہیں اشباہ میں تصریح کی
صیرفیہ میں اسی انکار کی تصحیح کی
کہتے ہیں واجب نہیں اس پر وصیت وقت موت
فدیہ گر ہوتا تو کیوں واجب نہ ہوتا جبر فوت
یعنی اس کا شرع میں کوئی بدل ٹھہرا نہیں
جز ادایا توبہ وقتِ عجز کچھ چارہ نہیں
یہ نہیں معنی کہ ناجائز ہے یا بے کار ہے
آخراک نیکی ہے، نیکی ماحی اوزار ہے

قُلتُهــا اَخــذًا مِّـنَ التَّـعـلِيـيـلِ فِـى اَمرِ الصَّلوٰة.

وهـوَ بَـحــث ظَــاهِــر وَالـعِـلـمُ حَـقـاًّلِلاِلٰـه ۱؎

امام احمد رضا اور تحقیق انیق:

علم کا دریا ہوا ہے موجزن تحریر میں
جب قلم تو نے اٹھایا اے امام احمد رضا
خلق کو وہ فیض بخشا علم سے بس کیا کہوں
علم کا دریا بہایا اے امام احمد رضا

کن چیزوں سے تیمّم کرنا جائز ہے اور کن سے ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ تقریباً فقہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے، مگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے پہلے فقہاے کرام نے اس سلسلے میں جو تحقیقات پیش کی ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ جن چیزوں سے تیمّم کرنا جائز ہے ان کی کل تعداد چوہتر (۷۴) ہے اور جن سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے، ان کی کل تعداد اٹھاون (۵۸) ہے۔

جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کی تو ایک سو اکیاسی (۱۸۱) چیزیں وہ بیان فرمائیں جن سے تیمّم کرنا جائز ہے، گویا انھوں نے اپنی خداداد فقہی بصیرت کی روشنی میں فقہائے کرام کی بیان کردہ چوہتر (۷۴) اشیا پر ایک سو سات (۱۰۷) اشیا کا اضافہ فرمایا۔ اسی طرح ایک سو تیس (۱۳۰) چیزیں وہ بیان فرمائیں جن سے تیمّم کرنا جائز نہیں ہے، گویا پیش رَو فقہائے کرام کی ذکر کردہ اٹھاون (۵۸) اشیا پر مزید بہتر (۷۲) اشیا کا اضافہ فرمایا۔ چنانچہ آپ اس مسئلہ پر مفصل تحقیقی بحث فرمانے کے بعد یوں رقم طراز ہیں:

’’یہ تین سو گیارہ ۳۱۱ (چیزوں کا بیان ہے۔ ایک سو اکیاسی)۱۸۱ (سے تیمّم جائز، جن میں چوہتر (۷۴) منصوص اور ایک سو سات (۱۰۷) زیاداتِ فقیر اور ایک سو تیس (۱۳۰) سے ناجائز، جن میں اٹھاون (۵۸) منصوص اور بہتر (۷۲) زیاداتِ فقیر۔

(پھر آگے تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں) ایسا جامع بیان اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گا، بلکہ زیادات درکنار، اتنے منصوصات کا استخراج بھی سہل نہ ہو سکے گا۔

وللّٰه الحمد أولا واٰخراً، وبه التوفيق باطناوظاهرا، وصلى الله تعالىٰ وسلم علىٰ حبيبه واٰله وصحبه متوافراًمتكاثراً،اٰمين. ۲؎

حضور اقدس ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں بذاتِ خود اذان دی ہے یا نہیں؟
اس سلسلے میں علمائے کرام کے دو قول ہیں:

(۱) آپ نے ایک مرتبہ بذاتِ خود اذان دی ہے جیسا کہ امام ترمذی کی روایت سے ثابت ہے۔ (۲) آپ نے بذات خود کبھی اذان نہیں دی ہے، اور امام ترمذی کی روایت میں جو حضور اقدس ﷺ کی طرف اذان کی اسناد ہے، وہ اسناد مجازی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ’’عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے خود اذان دی ہے یا نہیں؟ امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے دورانِ سفر خود اذان دی اور صحابہ کو نماز پڑھائی۔ امام نووی نے اس پر جزم کرتے ہوئے اسے قوی قرار دیا، لیکن اسی طریق سے مسند احمد میں ہے کہ آپ نے بلال کو حکم دیا تو انھوں نے اذان کہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ترمذی کی روایت میں اختصار ہے اور ان کے قول ’’أذَّنَ‘‘ معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے حضرت بلال کو اذان کا حکم دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی بذاتِ خود اذان نہیں دی ہے اور امام ترمذی کی روایت میں جو حضور اقدس ﷺ کی طرف اذان کی اسناد ہے، وہ اسناد مجازی ہے۔

لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بنفس نفیس اذان دی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابن حجر مکّی کی کتاب ’’تحفہ‘‘ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سفر میں ایک دفعہ اذان دی اور کلماتِ شہادت یوں کہے: أشهـدُ أنّـي رَسُولُ الله (میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں) اور ابن حجر نے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ نص مفسر ہے جس میں تاویل کی کوئی گنجائش نہیں؛ اس لیے کہ اگر آپ نے بذاتِ خود اذان نہ دی ہوتی تو روایت میں أشهـدُ أنّي رَسُولُ الله کے بجائے أشهـدُ أنَّ مُـحـمَّـدَ رَّسُولُ اللّٰـه کے الفاظ وارد ہوتے۔ اور اس سے امام نووی رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ کے قول کو تقویت بھی ملتی ہے۔[۱۲]

جب نے بدن کا کچھ حصہ دھویا، کچھ باقی رہا کہ پانی ختم ہوگیا، پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے، اب جو پانی ملے اسے وضو اور رفع حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں۔ یہ مسئلہ لُمعَہ ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس مسئلہ کی وہ تحقیق وتفصیل مع حوالہ جات بیان فرمائی کہ فقہ کی کسی کتاب میں اس کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ملے گا۔ وَذٰلِکَ **فَضلُ اللہِ یُؤتِیہِ مَن یَّشَاء۔**

فقہ کی ہر ایک کتاب میں لمعہ کی صورتیں مع احکام مندرج ہیں، سب سے زیادہ صورتیں شرح وقایہ کے اندر بیان ہوئی ہیں، جن کا شمار پندرہ ہے، لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے علی حدہ علی حدہ گن کر لمعہ کی اٹھانویں صورتیں بیان فرمائیں اور ہر صورت کا مدلل شرعی حکم واضح کیا، چوں کہ بعض صورتوں کا حکم ایک ہی جیسا ہے، لہٰذا اٹھانویں صورتوں کے احکام کی تعداد تیس بیان فرمائی اور اس کے بارے میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ہے ”**مجلی الشمعة لجامع حدث ولمعة** [۱۳۳۶ھ]“۔ اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

” مسئلہ لُمعہ میں سب صورتیں اٹھانوے ہوئیں، کتب اکابر میں بہت کم کا بیان ہے، اگر ظاہر متبادر اقتصار بدو قسم آخر پر رکھیں جب تو بہت کم رہیں گی حتی کہ سب سے زیادہ تفصیل والی کتاب شرح وقایہ میں اٹھانوے میں سے صرف پندرہ، ورنہ احاطہ بہر حال نہیں ہوسکتا کہ اصناف ہی کا احاطہ نہ فرمایا صور در کنار“۔[۱۳]

پھر اس مسئلہ میں فقہا کے جو اختلافات واضطرابات ہیں، ان سے متعلق عبارتیں نقل کر کے انھیں رفع کیا، پھر فقہاے متقدمین سے آسان اور جامع ضابطۂ کلیہ بیان کر دیا، علاوہ ازیں جب نجاست حکمیہ اور حقیقیہ کا اجتماع ہوجائے اور پانی صرف ایک کے لیے بقدر کفایت موجود ہو۔ نیز جب حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں کا اجتماع ہوجائے اور پانی اتنا ہو کہ صرف ایک حدث کے لیے کافی ہوسکے، ان دونوں صورتوں سے متعلق عبارات علما

نقل کر کے ان پر کلام کیا اور واضح فرمایا کہ اس مسئلہ میں ترجیح محرر مذہب، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کو ہے۔ چنان چہ وہ فرماتے ہیں:

”بالجملہ حاصل تحقیق یہ ہوا کہ اگر کپڑے یا بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ مانعہ ہے اور وضو نہیں اور پانی اتنا ملا کہ چاہے نجاست دھولے چاہے وضو کر لے، دونوں نہیں ہوسکتے تو واجب ہے کہ اُس سے نجاست ہی دھوئے، اگر خلاف کرے گا گنہگار رہوگا، حدث کے لیے تیمّم کرے خواہ نجاست دھونے سے پہلے یا بعد اور بعد اولیٰ ہے کہ خلاف علما سے بچنا ہے اور اسی لیے اگر پہلے کر چکا ہے نجاست دھونے کے بعد دوبارہ تیمم کر لینا انسب واحری ہے۔

اور اگر جنابت کا لمعہ باقی ہے اور حدث بھی ہوا اور وہ لمعہ غیر مواضع وضو میں ہے یا کچھ مواضع وضو کے ایک حصے میں کچھ دوسرے عضو میں اور پانی اتنا ملا کہ دونوں میں جس ایک کو چاہے دھولے، دونوں نہیں ہوسکتے تو اُس پانی کو لمعہ دھونے میں صرف کرے اور حدث کے لیے لازم کہ جب پانی خرچ ہولے اس کے بعد تیمّم کرے، اگر چہ پہلے بھی کر چکا ہو کہ وہ منتقض ہوگیا، ظاہر ہے کہ تیمّم بعد کو کرنے یا بعد کو دوبارہ کر لینے میں نہ کچھ خرچ ہے نہ کچھ حرج۔ تو اگر قول امام محمد کی صریح تصحیح نہ بھی ہوتی، خلاف ائمہ سے خروج کے لیے اسی پر عمل مناسب ومندوب ہوتا، نہ کہ اس طرف صراحۃً لفظ اصح موجود اور یہی دلیل کی رُو سے ظاہر تر اور اسی میں احتیاط اور امر نماز میں احتیاط باعث فلاح وصلاح“۔[۱۴]

آخر میں آپ نے حقیقت واقعیہ کا یوں اظہار فرمایا ہے جو کافی عبرت آموز اور فکر انگیز ہے:

”الحمد للہ کتاب مستطاب ”**حسن التعمّم لبیان حدّ التیمم**“ مسودۂ فقیر سے اٹھارہ (۱۸) جز سے زائد میں باحسن وجوہ تمام ہوئی جس میں صدہا وہ ابحاثِ جلیلہ ہیں کہ قطعاً طاقتِ فقیر سے بدر جہا ورا ہیں، مگر فیض قدیر عاجز فقیر سے وہ کام لے لیتا ہے جسے دیکھ کر انصاف والی نگاہیں کہ حسد سے پاک ہوں ناخواستہ کہہ اٹھیں، ع: **کم ترک الأول للآخر**۔ کتنے مسائل جلیلہ **معرکة الآرا بحمدہٖ** تعالیٰ کیسی خوبی وخوش اسلوبی سے طے ہوئے وللہ الحمد کتاب میں اصل مضمون کے علاوہ آٹھ رسائل ہیں۔ بہر حال جو کچھ ہے میری قدرت سے ورا اور

محض فضل میرے رب کریم پھر میرے نبی رؤف رحیم کا ہے جلّ وعلا وﷺ‘‘۔ [۱۵]

امام احمد رضا اور تطبیق بین الاقوال:

تیری شان عالمانہ نے یہ ثابت کردیا تجھ کو زیبا ہے امامت، سیدی احمد رضا

مختلف اقوال میں جمع و تطبیق بڑا اہم اور مشکل کام ہے، یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جو اس فن کا متبحر عالم، وسعت نظر کا مالک اور جزئیات کا حافظ ہو۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تصانیف جلیلہ اور ان کی فکر انگیز تحقیقات عالیہ میں اس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ فتاویٰ رضویہ سے اس کی ایک مثال نذر قارئین ہے:

وضو یا غسل میں بلاوجہ پانی خرچ کرنے کے بارے میں فقہائے کرام کے درمیان سخت اختلاف پایا جاتا ہے، چنان چہ علامہ ابراہیم حلبی نے غنیۃ میں اور علامہ طحطاوی نے شرح درمختار میں بلاوجہ پانی صرف کرنے کو حرام ٹھہرایا۔ مدقق علائی نے درمختار میں مکروہ تحریمی قرار دیا۔ بحرالرائق میں اسے مکروہ تنزیہی شمار کیا۔ محقق علی الاطلاق امام بن ہمام نے فتح القدیر میں خلاف اولیٰ ہونے پر اعتماد کیا۔

الحاصل اس مسئلہ میں فقہائے کرام کے چار اقوال ہیں: حرام، مکروہ تحریمی، مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ۔ بظاہر ان اقوال میں شدید اختلاف ہے، لیکن اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اپنی خداداد صلاحیت اور فکری بصیرت سے تطبیق کی ایسی صورت بیان فرمائی جس سے اختلاف یکسر ختم ہوجاتا ہے۔ اس تطبیق کا ماحصل یہ ہے:

(۱) وضو یا غسل میں سنت سمجھ کر بلا حاجت پانی خرچ کیا جائے تو حرام ہے۔ (۲) بلا اعتقاد سنیت و بلا حاجت وضو یا غسل میں پانی خرچ کرے کہ وہ پانی ضائع ہو تو مکروہ تحریمی ہے۔ (۳) نہ تو سنت کا اعتقاد ہو، نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ، لیکن عادۃً بلاوجہ زیادہ پانی خرچ کرتا ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ (۴) نہ اعتقاد سنت ہو، نہ پانی ضائع کرنے کا ارادہ، نہ ہی بلا ضرورت خرچ کرنے کی عادت ہو، بلکہ نادراً بلا ضرورت پانی خرچ ہوجائے تو خلافِ اولیٰ ہے۔ چنان چہ مسئلۂ دائرہ سے متعلق تفصیلی کلام کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

’’بالجملہ حاصل حکم یہ نکلا، بے حاجتِ زیادت اگر باعتقادِ سنیت ہو، مطلقاً ناجائز

و گناہ ہے اگر چہ دریا میں۔ اور اگر پانی ضائع جائے تو جب بھی مطلقاً مکروہ تحریمی اگر چہ اعتقادِ سنیت نہ ہو۔ اور اگر نہ فسادِ عقیدت، نہ اضاعت تو خلافِ ادب ہے، مگر عادت کرلے تو مکروہ تنزیہی۔ یہ ہے بحمد اللہ تعالیٰ فقہ جامع و فکر نافع و درک بالغ و نور بازغ و کمال توفیق و جمال تطبیق و حُسنِ تحقیق و عطر تدقیق۔ وباللّٰہ التوفیق والحمدللّٰہ رب العلمین۔ [۱۶]

اس تضاد کو ختم کرنے کے ساتھ یہ بھی افادہ فرمایا کہ یہ اسراف فی الوضوء کی وہ صورتیں ہیں جو ناپسندیدہ ہیں، لیکن ایک صورت ایسی بھی ہے جس میں زیادہ پانی خرچ کرنا جائز ہے یعنی خلاف اولیٰ بھی نہیں ہے۔ پھر اس کی چار اقسام بیان فرمائیں:

(۱) بدن سے گندگی اور میل کا ازالہ اور تنظیف کی خاطر تین بار سے زیادہ دھویا جائے۔ (۲) گرمی کی شدت سے بچنے اور بدن کو ٹھنڈک پہنچانے کے لیے تین بار سے زیادہ دھویا جائے۔ (۳) اس نیت سے تین مرتبہ سے زیادہ دھویا جائے کہ وضو نور علی نور ہے۔ (۴) دو یا تین بار میں شک پڑ جائے تو ازالۂ ریب کی خاطر مقدار اقل پر بنا کر کے ایک بار اور دھوئے۔ چنان چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

’’یہاں سے ظاہر ہوا کہ وضو و غسل میں تین بار سے زیادہ پانی ڈالنا جب کہ کسی غرض صحیح سے ہو، ہرگز اسراف نہیں کہ جائز غرض میں خرچ کرنا، نہ خود معصیت ہے، نہ بے کار اضاعت۔ اس کی بہت مثالیں اُن پانیوں میں ملیں گی جن کو ہم نے آب وضو سے مستثنیٰ بتایا، نیز تبرید و تنظیف کی دو مثالیں ابھی گزریں اور ان کے سوا علمائے کرام نے دو صورتیں اور ارشاد فرمائی ہیں جن میں غرض صحیح ہونے کے سبب اسراف نہ ہوا: (۱) یہ کہ وضو علی الوضوء کی نیت کرے کہ نور علیٰ نور ہے۔ (۲) اگر وضو کرتے میں کسی عضو کی تثلیث میں شک واقع ہو تو کم پر بنا کر کے تثلیث کامل کرلے مثلاً شک ہوا کہ منہ یا ہاتھ یا پاؤں شاید دو ہی بار دھویا تو ایک بار اور دھولے، اگر چہ واقع میں یہ چوتھی بار ہو اور ایک بار کا خیال ہوا تو دو بار اور یہ شک پڑا کہ دھویا ہی نہیں تو تین بار دھوئے اگر چہ واقع کے لحاظ سے چھ بار ہوجائے، یہ اسراف نہیں کہ اطمینانِ قلب حاصل کرنا غرض صحیح ہے۔ [۱۷]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے یہ تطبیق و توضیح یوں ہی نہیں کردی ہے، بلکہ اس

کو دلائل و براہین اور فقہا کی عبارتوں سے روشن بھی فرمایا ہے۔ یہ ہے آپ کا وہ علمی، فقہی اور تحقیقی کمال کہ جسے دیکھ کر بڑے بڑے علما و فضلا بھی انگشت بدنداں ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ [18]

امام احمد رضا اور حوالوں کی کثرت:

کسی مسئلہ کے اثبات میں کثیر حوالے وہی شخص پیش کرسکتا ہے جس کا مطالعہ وسیع، حافظہ قوی اور جزئیات مستحضر ہوں۔ اس سلسلے میں بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اپنی مثال آپ ہیں۔ آپ کی نظر اتنی وسیع و عمیق تھی کہ بسا اوقات اپنے موقف کی تائید وتقویت میں دس بیس نہیں، بلکہ پچاسوں کتابوں کے حوالے رقم کرتے چلے جاتے تھے۔ اس کے چند شواہد درج ذیل ہیں:

سجدۂ تحیت حرام ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ نے آیت وتفاسیر کے علاوہ چالیس احادیث اور ایک سو پچاس نصوص فقہ نقل کیے ہیں۔

یہ ایک مستقل رسالہ ہے جس کا نام ''**الزبدۃ الزکیۃ لتحریم سجود التحیۃ**'' ہے۔ [19]

داڑھی منڈانا ممنوع و ناجائز ہے۔ اس کے ثبوت میں آپ نے ایک مستقل رسالہ بنام ''**لمعۃ الضحیٰ فی إعفاء اللحیٰ**'' تحریر فرمایا، جس میں اٹھارہ آیتوں، بہتر حدیثوں اور ساٹھ ارشادات فقہا نقل فرمائے جو آپ کی وسعت نظر اور استحضار پر بین دلیل ہے۔ اس رسالے کے آخر میں خود فرماتے ہیں: الحمد للہ یہ مختصر رسالہ جس میں علاوہ زوائد کے اصل مقصد میں اٹھارہ آیتوں، بہتر حدیثوں ساٹھ ارشادات علما جملہ ڈیڑھ سو نصوص نے باطل کا ازہاق، حق کا احقاق کیا''۔ [20]

کتان جس العین ہے یا نہیں؟ اس تعلق سے ایک طویل استفتا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی خدمت میں آیا، جو اس امر کا مقتضی تھا کہ اس کا جواب بھی تفصیل کے ساتھ دلائل و براہین سے مزین ہو؛ اس لیے آپ نے پہلے احادیث وشروح احادیث سے اصل مسئلہ کی

وضاحت فرمائی اور اس کے بعد پچاس سے زائد کتب فقہ کے حوالے سے اپنا جواب مدلل ومبرہن فرمایا اور فتویٰ کا آغاز اس طرح کیا:

''قول زید اصح وارجح واحق بالقبول واوفق بالمنقول والمعقول ہے۔ اور اس کے اکثر دلائل وجوابات صحیح ونجیح وقابل قبول، فی الواقع ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر، یہی مذہب ہے صحیح واصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار وماخوذ للفتویٰ عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے''۔ [21]

تفصیل کے لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا رسالہ ''**سلب الثلب عن القائلین بطہارۃ الکلب** [۱۳۱۳ھ]'' کا مطالعہ کریں۔

امام احمد رضا اور علوم قرآن:

بالیقیں سب حضرتوں نے اعلیٰ حضرت کہہ دیا
علم جب دیکھا تمھارا، اے مرے احمد رضا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ علوم قرآن کے ماہر تھے، قرآن فہمی کے لیے جن علوم وفنون کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب پر انھیں کامل عبور حاصل تھا، شان نزول اور ناسخ ومنسوخ سے پوری طرح باخبر تھے۔ ان کی تفسیری مہارت کا ایک شاہکار اور قرآن فہمی کا بیّن ثبوت ان کا ترجمۂ قرآن ''کنز الایمان'' بھی ہے جس کے بارے میں محدثِ اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی، کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی: ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) فرماتے ہیں:

''علمِ قرآن کا اندازہ صرف اعلیٰ حضرت کے اس اردو ترجمہ سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی مثال سابق نہ عربی میں ہے، نہ فارسی میں ہے، نہ اردو زبان میں ہے، اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اُس جگہ لایا نہیں جا سکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں (روح) قرآن ہے، اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا شاہ نعیم الدین علیہ

الرحمہ نے حاشیہ پر لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ دَوران شرح ایسا کئی بار ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے استعمال کردہ لفظ کے مقام استنباط کی تلاش میں دن پر دن گزر گیا ورات پر رات کٹتی رہی اور بالآخر ماخذ ملا تو ترجمہ کا لفظ اٹل ہی نکلا۔ اعلیٰ حضرت خود شیخ سعدی کے فارسی ترجمے کو سراہا کرتے تھے، لیکن اگر حضرت سعدی اردو زبان کے اس ترجمہ کو پاتے تو فرما ہی دیتے کہ ''ترجمۂ قرآن شے دیگر است وعلم القرآن شے دیگر''۔[22]

قرآن کریم کا یہ ترجمہ علمی، ادبی، اعتقادی ہر حیثیت سے معیاری اور قرآن کی حقیقی جھلک کا آئینہ دار ہے، اس سے قرآنی حقائق ومعارف کے وہ اسرار ورموز منکشف ہوتے ہیں جو عام طور سے دیگر تراجم سے واضح نہیں ہوتے، یہ ترجمہ سلیس وشگفتہ ہونے کے ساتھ انبیاے کرام علیہم السلام کے ادب واحترام اور ان کی عزت وعصمت کی پاس داری میں اپنی مثال آپ ہے۔

پھر یہ ترجمہ کس طرح معرضِ وجود میں آیا، اس کے بارے میں مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی یوں تحریر فرماتے ہیں:

''یہ معلوم کر کے ناظرین کو سخت حیرت ہوگی کہ اتنی کثیر خوبیوں والا ترجمہ بغیر کسی کتاب کی مدد کے اور بغیر کسی تیاری کے عالم ظہور میں آیا۔ واقعہ یوں ہے کہ صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت سے ترجمہ کر دینے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ تو فرما لیا، لیکن دوسرے مشاغلِ دینیہ کثیرہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی، جب حضرت صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: چوں کہ ترجمہ کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے؛ اس لیے آپ رات میں سوتے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرتِ صدر الشریعہ ایک دن کاغذ قلم اور دوات لے کر اعلیٰ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور یہ دینی کام بھی شروع ہوگیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیاتِ کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے، لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتبِ تفسیر ولغت

کو ملاحظہ فرماتے، بعدہٗ آیت کے معنی کو سوچتے، پھر ترجمہ بیان کرتے، بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوتِ حافظہ پر بغیر زور ڈالے قرآن شریف فرفر، فرفر پڑھتا جاتا ہے، پھر جب حضرتِ صدر الشریعہ اور دیگر علماے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمے کا کتبِ تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ آپ کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔

الغرض اسی قلیل وقت میں ترجمہ کا کام ہوتا رہا، پھر وہ مبارک ساعت بھی آگئی کہ حضرتِ صدر الشریعہ نے اعلیٰ حضرت سے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ کرا لیا اور آپ کی کوششِ بلیغ کی بدولت دنیاے سنیت کو ''کنز الایمان'' کی دولتِ عظمیٰ نصیب ہوئی۔ **فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ عن أهل السنة جزاء کثیراً وأجراً جزیلا**''۔[23]

آپ کے قلم سے نکلے ہوئے بعض تفسیری حواشی بھی ہیں، مثلاً: **۱/الزلال الانقیٰ عن بحر سفینة اتقیٰ. ۲ حاشیہ تفسیر بیضاوی شریف. ۳/حاشیة عنایة القاضی. ۴/حاشیة معالم التنزیل. ۵/حاشیةالاتقان فی علوم القرآن. ۶/حاشیةالدرالمنثور. ۷/حاشیہ تفسیر خازن**۔ یہ تمام حواشی عربی زبان میں ہیں۔[24]

مولانا محمد حنیف خان رضوی بریلوی نے اعلیٰ حضرت کی کتب میں سے انتخاب کر کے چھ سو آیات پر مشتمل تفسیری مباحث جمع کر کے شائع کر دیئے ہیں جو کہ بڑی سائز کی تین جلدوں (جامع الاحادیث جلد) پر محیط ہیں، جن کو پڑھ کر منصف مزاج حضرات اس بات کا ضرور اعتراف کریں گے کہ جو شخصیت ان آیات کی اس طرح محققانہ انداز میں تفسیر کر سکتی ہے، وہ بلاشبہ پورے قرآن کی تفسیر پر قادر تھی اور تمام مضامینِ قرآن اُس کے پیشِ نظر تھے۔

امام احمد رضا اور علوم حدیث:

اے مفسر، اے محدث، اے فقیہ بے مثال ہمسر اوج ثریا ہے ترا علمی مقام

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ ایک بلند پایہ محدث بھی تھے، ان کے سینے میں احادیث کریمہ کا بحر بیکراں موجزن تھا، علوم حدیث پر ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا چنان چہ جب ان سے پوچھا گیا کہ حدیث کی کتابوں میں کون کون سی کتابیں پڑھی یا پڑھائی ہیں تو انھوں

نے جواب دیا: پچاس سے زائد کتبِ حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں:

’’مسند امام اعظم، مؤطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الخراج امام ابو یوسف، کتاب الحجج امام محمد، شرح معانی الاثار امام طحاوی، مؤطا امام مالک، مسندِ امام شافعی، مسندِ امام محمد وسننِ دارمی، بخاری ومسلم، ابوداؤد وترمذی ونسائی وابنِ ماجہ وخصائص نسائی، ملتقی ابن الجارود وعللِ متناہیہ ومشکوٰۃ وجامع کبیر وجامع صغیر وملتقی ابن تیمیہ وبلوغ المرام، عمل الیوم واللیلہ ابن السنی وکتاب الترغیب وخصائصِ کبریٰ وکتاب الفرج بعد الشدۃ وکتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتبِ حدیث میرے درس وتدریس ومطالعہ میں رہیں‘‘۔[۲۵]

جب کوئی بالغ نظر، صاحب فکر وبصیرت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تصنیفات وفتاویٰ کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ برملا اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ علوم حدیث میں یگانہ روزگار ہیں، حدیث کی صحت وسقم کا مسئلہ ہو یا طرقِ حدیث اور اسماء الرجال کی گفتگو ہو، ہر ایک میں آپ ممتاز نظر آتے ہیں۔

محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی، کچھوچھوی علیہ الرحمہ آپ کے علم الحدیث کے تعلق سے یوں رقم طراز ہیں:

’’علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش نظر اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زَد پڑتی ہے ان کی روایت ودرایت کی خامیاں ہر وقت از بر، علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے، اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کے لیے جرح وتعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے تھے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب وتہذیب وتذہیب میں وہی لفظ مل جاتا تھا۔ یحییٰ نام کے سیکڑوں راویان حدیث ہیں، لیکن جس یحییٰ کے طبقہ اور استاذ وشاگرد کا نام بتادیا تو اس فن کے اعلیٰ حضرت خود موجد تھے کہ طبقہ واسماسے بتادیتے تھے کہ راوی ثقہ ہے یا مجروح۔ اس کو کہتے ہیں علم راسخ اور علم حدیث سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت اور خداداد علمی کرامت‘‘۔[۲۶]

یقیناً فنِ حدیث میں اُن کی جو خدمات جلیلہ ہیں، ان سے اُن کی علمِ حدیث میں

بصیرت ووسعت کا اندازہ ہوتا ہے، حدیث کی معرفت اور اس کی صحت وعدمِ صحت، ضعف وسقم وغیرہ جملہ علومِ حدیث میں جو مہارتِ تامہ اُن کو حاصل تھی وہ بہت دور تک نظر نہیں آتی ہے اور یہ چیزیں ان کی کتب ورسائل میں مختلف انداز پر ہیں، کہیں تفصیل کے ساتھ مستقلاً ذکر ہے اور کہیں اختصار کے ساتھ ضمناً اور کہیں کہیں حدیث ومعرفتِ حدیث اور مبادیات حدیث پر ایسی نفیس اور شاندار بحثیں ہیں کہ اگر ان ابحاث کو امام بخاری وامام مسلم بھی دیکھتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔

حضرت مولانا محمد حنیف خان رضوی بریلوی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تقریباً تین سو تصانیف سے ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) احادیث یکجا کرکے ’’جامع الاحادیث‘‘ کے نام سے شائع کیا ہے۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ خیرا الجزاء۔**

امام احمد رضا اور علم ریاضی:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ دیگر علوم وفنون کی طرح علمِ ریاضی میں بھی یگانۂ روزگار تھے، اس کا ایک نمونہ حیات اعلیٰ حضرت سے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں:

’’علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر ضیاء الدین جو کہ ریاضی میں غیر ملکی ڈگریاں اور تمغہ جات حاصل کیے ہوئے تھے، وہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی خدمت میں ریاضی کا ایک مسئلہ پوچھنے آئے۔ ارشاد ہوا: فرمائیے! انھوں نے کہا: وہ ایسا مسئلہ نہیں جسے اتنی جلدی عرض کردوں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا: آخر کچھ تو فرمائیے۔ غرض وائس چانسلر صاحب نے سوال پیش کردیا۔ اعلیٰ حضرت نے سنتے ہی فرمایا: اس کا جواب یہ ہے۔ یہ سن کر ان کو حیرت ہوئی اور گویا آنکھ سے پردہ اٹھ گیا، بے اختیار بول پڑے: میں سنا کرتا تھا کہ علم لدنی بھی کوئی شے ہے، آج آنکھ سے دیکھ لیا۔ میں تو اس مسئلہ کے حل کے لیے جرمن جانا چاہتا تھا کہ ہمارے دینیات کے پروفیسر جناب سید سلیمان اشرف صاحب نے میری راہنمائی فرمائی اور میں یہاں حاضر ہوگیا۔ مجھے جواب سن کر تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اسی مسئلہ کو کتاب میں دیکھ رہے تھے۔

ڈاکٹر صاحب بصد فرحت ومسرّت واپس تشریف لے گئے اور اعلیٰ حضرت کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ داڑھی رکھ لی اور صوم وصلوٰۃ کے بھی پورے پابند ہو گئے‘‘۔ [۲۷]

امام احمد رضا اور علمِ توقیت:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو علمِ توقیت میں اس قدر کمال حاصل تھا کہ دن کو سورج اور رات کو ستارے دیکھ کر گھڑی ملا لیا کرتے تھے، وقت بالکل صحیح ہوتا اور کبھی ایک منٹ کا بھی فرق نہیں پڑتا تھا۔ حیات اعلیٰ حضرت میں ہے:

’’ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت بدایوں تشریف لے گئے حضرت تاج الفحول محبّ الرسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری برکاتی کے یہاں مہمان تھے، ’’مدرسہ قادریہ‘‘ کی مسجد میں خود حضرت تاج الفحول امامت فرماتے۔ جب فجر کی تکبیر شروع ہوئی تو حضرت مولانا عبدالقادر صاحب نے اعلیٰ حضرت کو امامت کے لیے آگے بڑھا دیا۔ اعلیٰ حضرت نے نمازِ فجر کی امامت کی اور قرأت اتنی طویل فرمائی کہ مولانا عبدالقادر صاحب کو بعد سلام کے شک ہوا کہ آفتاب طلوع تو نہیں ہو گیا، مسجد سے نکل نکل کر لوگ آفتاب کی جانب دیکھنے لگے، یہ حال دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ ’’آفتاب نکلنے میں ابھی تین منٹ اڑتالیس سیکنڈ باقی ہیں۔ یہ سن کر لوگ خاموش ہو گئے‘‘۔ [۲۸] اس فن میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں، مثلا: ۱/ سر الاوقات، ۲/ درء القبح عن درک وقت الصبح، ۳/ زیج الاوقات للصوم والصلوات، ۴/ تاج توقیت، وغیرہ۔

امام احمد رضا اور علمِ تکسیر:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کو جن علوم میں مہارت تھی، ان ہی میں ایک علمِ تکسیر بھی ہے۔ علمِ تکسیر کا مطلب یہ ہے کہ اعداد کو تقسیم کر کے تعویذ کے خانوں میں اس طرح لکھنا کہ ہر طرف کا مجموعہ برابر ہو۔ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ علمِ تکسیر کے تعلق سے فرماتے ہیں:

’’علمِ تکسیر بھی اس زمانہ میں انھیں علوم میں سے ہے جس کے جاننے والے ہر صوبے میں ایک یا دو شخص ہوں گے، عوام کو اس سے کیا دلچسپی، علما کو اس سے کیا غرض، مشائخِ کرام جن کے یہاں کی اور جن کے کام کی چیز ہے، سو میں سے اسّی (۸۰) ایسے ملیں گے جو

اپنے مشائخ کے مجموعۂ اعمال یا مجربات یا نافع الخلائق‘‘ سے نقوش اُلٹے سیدھے، با قاعدہ یا بے قاعدہ لکھ دینا کافی سمجھتے ہیں۔ اٹھارہ انیس فی صدی نقشِ مثلث یا مربع قاعدۂ مشورہ سے بھر لینا جانتے ہیں؟ اور پوری چال سے نقوش بھرنا تو شاید چار پانچ سو میں سے دو ایک ہی کا حصہ ہو گا۔ [۲۹]

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ مزید تحریر فرماتے ہیں:

عرصے کی بات ہے کہ ایک شاہ صاحب کا میرے سامنے تعارف کرایا گیا کہ ’’ان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ یہ فنِ تکسیر جانتے ہیں۔ میں سمجھ گیا، میں نے ان سے کہا: اس سے بڑھ کر اور کیا کمال ہو گا کہ آپ وہ فن جانتے ہیں جس کے جاننے والے روے زمین سے معدوم ومفقود نہیں تو قلیل الوجود ضرور ہیں۔ اس پر شاہ صاحب نے فرمایا: مجھے معلوم ہوا ہے کہ جناب کو بھی فنِ تکسیر کا علم ہے۔ میں نے کہا: یہ مخلصوں کا محض حسنِ ظن ہے، کسی فن کے چند قواعد کا جان لینا فن کی واقفیت نہیں کہلاتی ہے۔ ہاں! اس فن سے ایک گونہ دلچسپی ضرور ہے۔

اس کے بعد میں نے اُن شاہ صاحب سے پوچھا کہ جناب ’’مربع‘‘ کتنے طریقے سے بھرتے ہیں؟ بہت فخر یہ فرمایا: سولہ طریقے سے۔ میں نے کہا: بس! اس پر فرمایا: اور آپ! میں نے کہا: گیارہ سو باون طریقے سے۔ بولے: سچ! میں نے کہا: جھوٹ کہنا ہوتا تو کیا لاکھ دو لاکھ کا عدد مجھے معلوم نہ تھا، گیارہ سو باون کی کیا خصوصیت تھی۔ کہا: میرے سامنے بھر سکتے ہیں، میں نے کہا کہ ضرور، بلکہ میں نے بھر کر رکھے ہوئے ہیں۔ پوچھا آپ نے کن سے سیکھا؟ میں نے اعلیٰ حضرت کا نام لیا، یہ بھی اعلیٰ حضرت کے معتقد تھے۔ نام سن کر اُن کو یقین ہو گیا، مگر پوچھنے لگے کہ اعلیٰ حضرت کتنے طریقوں سے بھرتے ہیں؟ میں نے کہا تئیس سو تین طریقے سے۔ کہا: آپ نے کیوں نہیں سیکھا؟ میں نے کہا: وہ تو علم کے دریا نہیں، سمندر ہیں، جس فن کا ذکر آیا ایسی گفتگو فرماتے کہ معلوم ہوتا کہ عمر بھر اسی علم کو دیکھا اور اسی کی کتب بینی فرمائی ہے، اُن کے علوم کو میں کہاں تک حاصل کر سکتا ہوں‘‘۔ [۳۰]

اس فن میں اعلیٰ حضرت نے ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے:

أطائب الاکسیر فی علم التکسیر۔

امام احمد رضا اور تاریخ گوئی:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو جملہ علوم وفنون کی طرح فن تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا، اس پر آپ کی اکثر تصنیفات کے نام شاہد ہیں۔ حضرت مولانا حسنین رضا خاں صاحب فرماتے ہیں:

”یہ فن بھی دنیا سے اٹھ چلا تھا، اعلیٰ حضرت قبلہ نے اس کی طرف توجہ کی تو کم وبیش پانچ چھ سو کتب ورسائل کے نام تاریخی لکھ ڈالے اور سیکڑوں اشتہاروں کے عنوان بھی تاریخی لکھ دیئے، خوبی یہ کہ کتاب، رسالے اور اشتہار کے مضمون کا اظہار بھی اس نام یا عنوان سے ہوتا ہے، بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی صاحب نے اپنے نوزائدہ بچے کے نام رکھنے کی درخواست کی تو فوراً آپ نے ان کے خاندانی ناموں سے ملتا جلتا نام بتایا جو بعد میں جانچا تو تاریخی نکلا“۔[۳۱]

ملک العلماء حضرت مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت کو تاریخ گوئی میں وہ کمال اور ملکہ حاصل تھا کہ انسان جتنی دیر میں کوئی مفہوم لفظوں میں ادا کرتا ہے اعلیٰ حضرت اتنی ہی دیر میں بے تکلف تاریخی مادّے اور جملے فرما دیا کرتے تھے، جس کا بہت بڑا ثبوت حضور کی کتابوں میں اکثر وبیشتر کا تاریخی نام اور وہ بھی ایسا چسپاں کہ بالکل مضمونِ کتاب کی توضیح وتفصیل کرنے والا۔

۱۲۸۶ھ میں کہ حضور (اعلیٰ حضرت) کی عمر شریف کا چودھواں سال تھا، ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: ایک صاحب نے امام باڑہ بنایا ہے، چاہتے ہیں کہ کوئی تاریخی نام ہو تو دروازہ پر کتبہ کردیں۔ حضور نے فی البدیہہ فرمایا: ان سے کہیے ”بدرِ رفض (۱۲۸۶ھ)“ نام رکھیں۔ اس جواب کو سن کر بولے کہ امام باڑہ گزشتہ ہی سال تیار ہو چکا ہے، مقصد یہ تھا کہ حضور دوسرا لفظ فرمائیں گے، جس میں لفظِ رفض نہ ہو۔ حضور نے فوراً ہی فرمایا تو ”دارِ رفض (۱۲۸۵ھ)“ رکھیں۔ یہ سن کر چپ ہوئے، پھر عرض کیا کہ اس کی ابتداً ۱۲۸۴ھ ہی میں کی تھی؛ اس لیے اسی سنہ کا نام ہونا مناسب۔ ارشاد فرمایا: تو ”ذرِّ رفض (۱۲۸۴ھ)“ رکھیں۔[۳۲]

اس طرح آپ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تصانیف کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ کی اکثر تصانیف کا نام تاریخی ہے اور وہ بھی ایسا مناسب وموزوں کہ نام سے ہی اس کے مضمون کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ **وذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔**

امام احمد رضا اور علم طب:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ وہ بالغ نظر مفتی ہیں جو احکام شرعیہ معلوم کرنے کے لیے تمام امکانی مآخذ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ایک ماہر طبیب جب فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرتا ہے تو بیش بہا طبی معلومات دیکھ کر اسے حیرت ہوتی ہے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ کسی مفتی کی تصنیف پڑھ رہا ہے یا ماہر طبیب کی، چنانچہ حکیم محمد سعید دہلوی لکھتے ہیں:

”فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے؛ اس لیے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں، مگر طب اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور علم الاحجار کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے یہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ اپنی تحریروں میں صرف ایک مفتی نہیں، بلکہ محقق طبیب بھی معلوم ہوتے ہیں، ان کے تحقیقی اسلوب ومعیار سے دین وطب کے باہمی تعلق کی بھی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے“۔[۳۳]

امام احمد رضا اور عبادت وتقویٰ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ جس طرح علم ومعرفت میں ممتاز تھے اسی طرح عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، اخلاص وللّٰہیت اور اتباع شریعت وسنت میں بھی اپنی مثال آپ تھے، آپ کی عبادت وریاضت اور شان تقویٰ سے متعلق عارف باللہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ، ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ فرماتے ہیں:

''یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ مجدد اعظم اور مصلح اکبر کردار و عمل میں اس سے کہیں زیادہ پختہ ہے جتنا گفتار و قلم میں ہے وہ اگر گفتار کا غازی ہے تو کردار کا فاتح، قلم کا دھنی ہے تو علم کا تاجدار۔ ملاحظہ فرمایئے چند شواہد:

جس فقیہ کے پاس فتوے اتنی کثرت سے آتے ہوں کہ اس کے اوقات جوابِ مسائل میں مصروف ہوں، اُس سے جماعت جو واجب ہے اور سننِ موکدہ جو قریب بواجب ہیں، معاف ہو جاتی ہیں۔ (دیکھیے کتب فقہ)

مگر امام احمد رضا کی شان تقویٰ قابل دید ہے، سوالات اتنی کثرت سے آتے تھے کہ ایک موقع پر (کسی نے کچھ اس طرح لکھ دیا تھا کہ جواب کی جو کچھ فیس ہوگی ادا کی جائے گی) اصل مسئلہ کے جواب کے بعد رقم طراز ہیں:

''یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، بفضلہ تعالیٰ تمام ہندستان و دیگر ممالک مثل چین و افریقہ و امریکہ و خود عرب شریف و عراق سے استفتے آتے ہیں اور ایک ایک وقت میں چار چار سو فتوے جمع ہو جاتے ہیں، بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہٗ العزیز کے وقت سے اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتوے جاری ہوئے اکیانوے برس، اور خود اس فقیر غفرلہٗ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے اکیاون برس ہونے آئے، یعنی اس صفر کی ۱۴ر تاریخ کو پچاس برس چھ مہینے گزرے، اس نو کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے، بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں، بحمد اللہ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا، نہ لیا جائے گا۔ **بعونہٖ تعالیٰ وله الحمد۔**

معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست فطرت و دنی ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ **ما أسئلكم عليه من أجر إن أجري إلا على رب العلمين۔** میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے''۔ [۳۴]

لیکن اس کثرتِ فتویٰ کے باوجود ہمیشہ آپ نے جماعت کی پابندی فرمائی اور سننِ موکدہ بھی نہ چھوڑیں۔ فتویٰ وہ ہے، تقویٰ یہ۔

جو شخص بیماری میں اتنا لاغر ہو کہ مسجد نہیں پہنچ سکتا، یا جا سکتا ہے، لیکن مرض بڑھ جائے گا، اُس کے لیے جماعت چھوڑنا جائز ہے، مگر امام احمد رضا کی آخری بیماری جس میں وصال فرمایا، حال یہ تھا کہ مسجد تک از خود نہیں جا سکتے تھے، پھر بھی فوتِ جماعت گوارا نہ فرمائی۔

''**جمل النور في نهي النساء عن زيارة القبور**''میں مولانا حکیم عبدالرحیم صاحب، مدرس اول مدرسہ قادریہ، محلّہ جمال پور، شہر احمد آباد (گجرات) کے مکرر سوال کے جواب میں مفصل فتویٰ دیتے ہوئے شروع میں فرماتے ہیں:

''آپ کی رجسٹری ۱۵ر ربیع الآخر شریف کو آئی، میں ۱۲ر ربیع الاول شریف کی مجلس پڑھ کر ایسا علیل ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا، میں نے وصیت نامہ بھی لکھوا دیا تھا، آج تک یہ حالت ہے کہ دروازہ سے متصل مسجد ہے، چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد لے جاتے اور لاتے ہیں''۔

اس عبارت سے جہاں یہ ظاہر ہوا کہ حضرت سخت بیمار تھے، وہیں یہ بھی پتہ چلا کہ ایسی سخت علالت میں بھی جماعت چھوڑ کر گھر میں تنہا نماز پڑھ لینا گوارا نہ تھا، جب کہ اتنی شدید علالت بلاشبہہ ترک جماعت کے لیے عذر ہے۔

ایک دفعہ حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرادآبادی علیہ الرحمہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اسی بیماری کا حال بیان کیا کہ ''ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا، جماعت کا وقت ہو گیا، طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے اور با جماعت نماز ادا کی''۔

آج صحت و طاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترک نماز اور ترک جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درس عبرت ہے۔ [۳۵]

شیخ فانی جو روزہ سے عاجز ہو، اُس کے لیے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے اور فدیہ ادا کر دے، یا جو سخت بیمار ہے کہ طاقتِ روزہ نہیں، اس کے لیے قضا جائز ہے۔ زندگی کے آخری سال میں اعلیٰ حضرت کا یہی حال تھا کہ بریلی میں روزہ نہیں رکھ سکتے تھے، لیکن انھوں نے اپنے لیے یہ فتویٰ صادر فرمایا کہ مجھ پر روزہ فرض ہے؛ کیوں کہ نینی تال (ایک پہاڑی علاقہ) میں ٹھنڈک کے باعث روزہ رکھا جا سکتا ہے اور میں وہاں جا کر قیام کرنے پر قادر

ہوں؛ لہٰذا مجھ پر روزہ فرض ہے۔

با قاعدہ ٹوپی، کرتا، پاجامہ یا تہبند پہن کر نماز بلاشبہہ جائز ہے، تنزیہی کراہت بھی نہیں، ہاں عمامہ بھی ہو تو یقیناً مستحب ہے۔ امام احمد رضا باوجودیکہ بہت حار مزاج تھے، مگر کیسی ہی گرمی کیوں نہ ہو، ہمیشہ دستار اور انگرکھے کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔ خصوصاً فرض تو کبھی صرف ٹوپی اور کُرتے کے ساتھ ادا نہ کیا۔[۳۶]

عوام تو عوام ہیں، بعض خواص کا یہ حال ہے کہ خود اگر کسی غیر شرعی امر میں مبتلا ہیں تو اس کے لیے طرح طرح کی تاویلیں کریں گے، اور اگر دوسرا کوئی مسلمان بھائی جائز و غیر مکروہ امر کا پابند ہے، مستحب و اولیٰ کی رعایت نہیں کر پاتا اور یہ بعض خواص اس معاملہ میں مستحب کی بھی رعایت فرماتے ہیں تو اس بھائی کو طرح طرح برا کہیں گے اور اس کے ترک اولیٰ سے شدید و عظیم امر غیبت مسلم میں گرفتار ہوں گے اور خود اپنے احوال پر تنقید کی توفیق نہ ہوگی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی شان یہ ہے کہ روسر کی چینی کے بارے میں استفتا آیا، اس کے جواب میں رسالہ تصنیف کیا ”أحلی السکر فی سکر روسر“ جس سے اس کے استعمال کا جواز نکلتا ہے۔ کوئی ناواقف سوچ سکتا ہے کہ شاید خود استعمال فرماتے ہیں؛ اس لیے اتنی کوشش فرمائی ہے، مگر حاشا وکلا! وہ مقبول بندۂ خدا کبھی اپنی خواہش کے لیے فتوے نہ دیتا، وہ وہی حکم سناتا جو شریعت مطہرہ کا تقاضا ہو۔ خود فرماتے ہیں:

”فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے آج تک اس شکّر کی صورت دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا، نہ جو مسلمان استعمال کریں انھیں آثم (گنہ گار) خواہ بیباک جانتا ہے، نہ تو ورع و احتیاط کا نام بدنام کر کے عوام مومنین پر طعن کرے، نہ اپنے نفس ذلیل مہین رذیل کے لیے اُن پر ترفّع و تعلّی روا رکھے، و **بالله التوفيق والعياذ منا لمداهنة والتضية قوهو سبحانهو تعالىٰ أعلمو علم هجل مجده أتمو أحكم۔**[۳۷]

امام احمد رضا اور اطاعتِ والدین:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہٗ کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالات ظاہری

و باطنی، صوری و معنوی بنایا تھا، اوصاف و کمالات میں جسے بھی دیکھئے، ان کی ذات میں بروجۂ کمال اس کا ظہور تھا۔ اطاعت والدین کا عملی اقدام بھی بے مثال تھا۔ اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہے:

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں قدس سرہ کا بیان ہے کہ والدین کی اتباع کا یہ حال تھا کہ جب مولانا (امام احمد رضا) کے والد ماجد جناب مولانا نقی علی خان صاحب کا انتقال ہوا، اپنے حصہ جائداد کے خود مالک تھے، مگر سب اختیار والدہ ماجدہ کے سپرد تھا، وہ پوری مالکہ و متصرفہ تھیں، جس طرح چاہتیں صرف کرتیں، جب مولانا (امام احمد رضا) کو کتابوں کی خریداری کے لیے کسی غیر معمولی رقم کی ضرورت پڑتی تو والدہ ماجدہ صاحبہ کی خدمت میں درخواست کرتے اور اپنی ضرورت ظاہر کرتے، جب وہ اجازت دیتیں اور درخواست منظور کرتیں تو کتابیں منگواتے“۔[۳۸]

والدہ ماجدہ کی اطاعت و فرماں برداری کا یہ عجیب منظر بھی ملاحظہ کیجئے: ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت قبلہ (اپنے صاحبزادے) حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان کو (جب کہ وہ چھوٹے بچے تھے) گھر کے ایک دالان میں پڑھانے بیٹھے، وہ پچھلا سبق سن کر آگے سبق دیتے تھے، پچھلا سبق جو سنا تو وہ یاد نہ تھا، اس پر ان کو سزا دی۔ اعلیٰ حضرت کی والدہ محترمہ جو دوسرے دالان کے کسی گوشے میں تشریف فرما تھیں، انھیں کسی طرح اس کی خبر ہوگئی وہ حضرت حجۃ الاسلام (اپنے پوتے) کو بہت چاہتی تھیں، غصہ میں بھری ہوئی آئیں اور اعلیٰ حضرت قبلہ کی پشت پر ایک دوہتڑ مارا اور فرمایا: تم میرے حامد کو مارتے ہو۔ اعلیٰ حضرت فوراً جھک کر کھڑے ہوگئے اور اپنی والدہ محترمہ سے عرض کیا: اماں! اور ماریئے جب تک کہ آپ کا غصہ فرو نہ ہو۔ یہ سننے کے بعد انھوں نے ایک دوہتڑ اور مارا، اعلیٰ حضرت سر جھکائے کھڑے رہے یہاں تک کہ وہ خود واپس تشریف لے گئیں۔

اس وقت تو جو غصہ میں ہونا تھا ہوگیا، مگر بعد میں اس واقعہ کا ذکر جب بھی کرتیں تو آبدیدہ ہو کر فرماتیں کہ دوہتڑ مارنے سے پہلے میرے ہاتھ کیوں نہ ٹوٹ گئے کہ ایسے مطیع و فرماں بردار بیٹے کو جس نے خود کو پٹنے کے لیے پیش کر دیا، کیسے مارا۔ افسوس۔[۳۹]

والدہ ماجدہ کی اطاعت وفرماں برداری کا یہ واقعہ بھی دیدۂ عبرت سے مطالعہ کے قابل ہے کہ جب ۱۲۲۳ھ میں اعلیٰ حضرت کے برادر اصغر مولانا محمد رضا خان، ان کے بیٹے حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خان اور ان کی اہلیہ محترمہ حج وزیارت کے لیے روانہ ہوئیں، تو اعلیٰ حضرت بذات خود جھانسی تک اُن کو پہنچانے تشریف لے گئے۔ آپ چوں کہ پہلے ہی حج فرض ادا کر چکے تھے؛ اس لیے ان کے ساتھ سفر حج کا کوئی ارادہ نہیں تھا، مگر جب انھیں رخصت کرنے گئے تو اسی درمیان آپ کو اپنی نعتیہ غزل یاد آ گئی۔ جس کا مطلع یہ ہے ؎

گزرے جس راہ سے وہ سیِّد والا ہو کر
رہ گئی ساری زمیں عنبرِ سارا ہو کر

اس کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

وائے محرومیِ قسمت کہ میں پھر اب کی برس
رہ گیا ہم رہرو راہ مدینہ ہوکر

اس کا یاد آنا تھا کہ آپ کا دل بے چین ہو گیا اور وہی ہوا جسے آپ نے دوسری غزل میں یوں فرمایا ہے ؎

پھر اٹھا ولولۂ یادِ مغیلانِ عرب
پھر کھنچا دامنِ دل سوئے بیابانِ عرب

اسی وقت حج وزیارت، بلکہ خاص زیارتِ سرورِ دو عالم ﷺ کا قصدِ مصمم فرمایا، لیکن والدہ ماجدہ کی اجازت کے بغیر سفر مناسب نہ جانا، کیوں کہ نفلی حج کے لیے والدین کی اجازت ضروری ہے اس لیے انھیں رخصت کرنے کے بعد بریلی واپس تشریف لائے اور والدہ ماجدہ سے اجازت کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔[۴۰]

آپ نے والدہ ماجدہ سے اجازت کیسے لی، اس کا ذکر خود اعلیٰ حضرت ہی کی زبانی سنئے۔ فرماتے ہیں:

(بریلی شریف واپس پہنچنے کے بعد میں) ”عشا کی نماز سے اول وقت ہی فارغ ہولیا۔ شِــکـرَم (یعنی چار پہیوں والی مخصوص گاڑی) بھی آگئی۔ صرف والدہ ماجدہ سے

اجازت لینا باقی رہ گئی جو نہایت اہم مسئلہ تھا اور گویا اس کا یقین تھا کہ وہ اِجازت نہ دیں گی، کس طرح عرض کروں اور بغیر اجازتِ والدہ حجِ نفل کو جانا حرام۔ آخر کار اندر مکان میں گیا، دیکھا کہ حضرتِ والدہ ماجدہ چادر اوڑھے آرام فرماتی ہیں۔ میں نے آنکھیں بند کر کے قدموں پر سر رکھ دیا، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھیں اور فرمایا: کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: حضور! مجھے حج کی اجازت دے دیجئے۔ پہلا لفظ جو فرمایا، یہ تھا کہ: خدا حافظ!“۔[۴۱]

امام احمد رضا اور اَرباب حکومت:

اعلیٰ حضرت امام رضا سراپا عشقِ رسول ﷺ کا نمونہ تھے، انھوں نے حضور تاج دارِ رسالت ﷺ کی اِطاعت وغلامی کو دل وجان سے قبول کیا تھا؛ اس لیے کبھی اپنی زبان وقلم سے کسی دنیوی تاج دار یا مال دار کی خوشامد نہیں کی بلکہ ہمیشہ اَربابِ حکومت اور دنیوی جاہ ومنصب کو سرمایۂ افتخار سمجھنے والوں سے بے نیاز وکنارہ کش رہے، اس کا اظہار آپ نے اپنے ایک شعر میں اس طرح کیا ہے؟

انھیں جانا، انھیں مانا، نہ رکھا غیر سے کام
لِلّٰہِ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

اس سلسلے میں حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ یوں تحریر فرماتے ہیں:

”وہ ہمیشہ اہل دوَل اور اربابِ حکومت سے گریزاں رہے، کسی کے ایوان تک جانا تو بڑی بات ہے، انھوں نے تو اپنی مجلس میں بھی باریاب ہونے کی اس طبقے کو کبھی اجازت نہیں دی۔ (اس کی دو مثالیں درج ذیل ہیں)۔

والی رام پور جو بڑوں بڑوں کے ممدوح رہ چکے ہیں، انھوں نے ہزار منت و سماجت کی، کہ حضور والا میری دعوت کو پذیرائی کا شرف نہیں بخش سکتے تو مجھ ہی کو باریاب ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیے، لیکن اعلیٰ حضرت نے اس کا بھی موقع انھیں نہیں دیا۔

ایک بار نان پارہ، ضلع بہرائچ کے ایک صاحب جو اعلیٰ حضرت کے مخلص ترین دوستوں میں تھے، بریلی تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت کی خدمت میں معروضہ پیش کیا کہ راجہ صاحب نان پارہ کی منقبت میں ایک قصیدہ لکھ دیجیے تا کہ میں اپنی طرف سے ان کی

خدمت میں پیش کروں اور انعام واکرام کی صورت میں کچھ میرے گزر بسر کا سامان ہوجائے۔

اعلیٰ حضرت نے ان کی درخواست کے جواب میں بجائے منقبت کے فی البدیہ ایک نعت شریف کا املا کرایا۔ یہ وہی مشہورِ زمانہ نعت شریف ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

اس نعت شریف کے مقطع میں اعلیٰ حضرت نے جس خوب صورتی کے ساتھ ان کی درخواست پر طنز فرمایا ہے، یہ ان ہی کا حصہ ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں ؎

کروں مدح اہلِ دُوَل رضا پڑے اس بلا میں مِری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مِرا دین ''پارۂ ناں'' نہیں

ذرا یہ صنعت شعری ملاحظہ فرمائیے کہ ''نان پارہ'' کو الٹ کر ''پارۂ ناں'' کے لفظ سے کتنا ایمان افروز اور خوب صورت مفہوم پیدا کر دیا۔[۴۲]

اس مقطع کا مفہوم یہ کہ میں اہلِ ثروت کی مَدح سرائی کیوں کروں، میں تو اپنے کریم مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے دَر کا فقیر ہوں۔ میرا دین ''پارۂ نان'' یعنی روٹی کا ٹکڑا نہیں ہے کہ اس کے لیے مال داروں کی خوشامد کرتا پھروں اور ان کی شان میں قصیدے لکھوں۔

آپ نے جو بھی دینی وعلمی خدمات انجام دیں، ان سب کا مقصد اصلی خدائے وحدہٗ لاشریک اور مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی رضا وخوشنودی تھی؛ اس لیے آپ نے کبھی اہل دنیا کے دربار میں حاضری نہیں دی اور نہ ہی ان کی تعریف وتوصیف کر کے اپنی زبان وقلم کا وقار مجروح ہونے دیا، نہ کبھی ان کی داد ودہش قبول کی اور نہ ہی ان کے طعن وتشنیع کی پروا، بلکہ ہمیشہ دنیا اور دنیا والوں سے بے نیاز رہ کر احیاے دین وسنت اور نشر علوم وفنون میں لگے رہے، اس حقیقت کو بیان کرنے کے لیے آپ کے یہ دو اشعار ہی کافی ہیں ؎

نہ مرا نوش زتحسین، نہ مرا نیش زطعن — نہ مرا گوش بمدحے، نہ مرا ہوش ذمے
منم و کنج خمولی کہ نگنجد در وے — جز من و چند کتابے و دواتے قلمے

امام احمد رضا اور تواضع وانکساری:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی پوری زندگی تواضع وانکساری، اخلاص وللّٰہیت اور سادگی سے عبارت ہے، آپ ہمیشہ علما، فقہا اور بڑی عمر کے لوگوں کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے اور چھوٹی عمر والوں سے بھی نہایت خندہ پیشانی سے ملتے، انھیں ''آپ'' اور ''جناب'' جیسے کلمات سے مخاطب فرماتے اور حسب حیثیت ہر ایک کی توقیر وتعظیم کرتے۔ نہ کبھی بہت قیمتی لباس استعمال کرتے، نہ خاص مشائخانہ انداز اختیار فرماتے، بلکہ آپ کی سادگی کا حال یہ تھا کہ بسا اوقات آپ کی شہرت ومقبولیت سن کر کوئی شخص آپ سے ملنے کے لیے آتا تو آپ کو دیکھ کر خیال بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان، جن کی شہرت شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک ہے، وہ یہی ہیں۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک واقعہ حیات اعلیٰ حضرت میں اس طرح مرقوم ہے:

''ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک صاحب کاٹھیاواڑ سے حضور (اعلیٰ حضرت) کی شہرت سن کر بریلی تشریف لائے۔ ظہر کا وقت تھا، اعلیٰ حضرت مسجد میں وضو فرما رہے تھے۔ سادہ وضع تھی، خالتہ دار پاجامہ، ململ کا چھوٹا کرتا، معمولی ٹوپی، مسجد کی فصیل پر بیٹھے ہوئے مٹی کے لوٹوں سے وضو فرما رہے تھے کہ وہ صاحب مسجد میں تشریف لائے اور السلام علیکم کہا، اعلیٰ حضرت نے جواب دیا۔ انھوں نے اعلیٰ حضرت ہی سے دریافت کیا کہ احمد رضا خاں صاحب کی زیارت کو آیا ہوں، وہ کہاں ہیں؟ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ احمد رضا میں ہی ہوں۔ انھوں نے کہا: میں آپ کو نہیں، میں اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب سے ملنے آیا ہوں''۔[۴۳]

حضرت سید شاہ اسماعیل حسن میاں، مارہروی فرماتے ہیں کہ حضرت جد امجد سیدنا شاہ برکت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کے عرس میں بارہا حضرت مولانا (امام احمد رضا) بھی تشریف لائے اور میرے اصرار سے بیان بھی فرمایا، مگر اس طرح کہ حاضرین مجلس سے فرماتے ''میں ابھی اپنے نفس کو وعظ نہیں کہہ پایا، دوسروں کو وعظ کے کیا لائق؟ آپ حضرات مجھ سے مسائل شرعیہ دریافت فرمائیں، ان کے بارے میں جو حکم شرعی میرے علم میں ہوگا، چوں کہ بعد سوال اسے ظاہر کر دینا حکم شریعت ہے، میں ظاہر کر دوں گا''۔

اتنا سن کر حاضرین میں سے کوئی صاحب حسب حال سوال کر دیتے، حضور پرنور (اعلیٰ حضرت امام احمد رضا) اپنی تقریر دل پذیر سے ایک مؤثر بیان اس مسئلہ پر فرمادیتے۔

ایک بار میرے اصرار سے مولانا نے مزار صاحب البرکات قدس سرہ پر اپنے والد ماجد قبلہ کا مولفہ مولود شریف سرور القلوب فی ذکر المحبوب بھی پڑھا۔

جامع حالات غفرلہٗ کہتا ہے: تواضع وانکسار کی یہ حد ہے؛ اس لیے کہ کتاب دیکھ کر مجلس میں ایک معمولی مولوی بھی پڑھنا پسند نہیں کرتا، بلکہ اس کو لوگ شان علم کے خلاف سمجھتے ہیں، میں نے بہتیروں کو دیکھا ہے کہ مبلغ علم ان کا اردو میں میلاد کی چند کتابیں ہیں، مگر ان کو دیکھ کر نہیں پڑھا کرتے، بلکہ ایک مسلسل مضمون یاد کر لیا اور اسی کو زبانی جا بجا پڑھا کرتے ہیں۔[۴۴]

علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک کمسن صاحبزادے نہایت بے تکلفی سے حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کی کہ میری والدہ نے آپ کی دعوت کی ہے اور صبح بلایا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے دریافت فرمایا: مجھے دعوت میں کیا کھلاؤ گے؟ صاحبزادے نے فوراً اپنے کرتے کا دامن پھیلا دیا، جس میں ماش کی دال اور دو مرچیں پڑی ہوئی تھیں، کہنے لگے: دیکھئے ناں! یہ دال لایا ہوں۔

حضور نے ان کے سر پر دستِ شفقت پھیرا اور فرمایا: اچھا! میں اور یہ (حاجی کفایت اللہ صاحب) کل دس بجے دن میں آئیں گے اور حاجی صاحب سے فرمایا: مکان کا پتہ دریافت کر لیجئے۔

دوسرے دن وقتِ معین پر حاجی صاحب کو ساتھ لیکر روانہ ہوئے، جس وقت مکان پر پہنچے تو صاحبزادے کو دروازے پر منتظر پایا، حضور کو دیکھتے ہی بھاگتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے مکان کے اندر چلے گئے کہ "ارے مولوی صاحب آ گئے"۔ حضور انتظار فرمانے لگے، کچھ دیر بعد ایک بوسیدہ چٹائی آئی جس پر آپ بیٹھ گئے، پھر ڈلیا میں موٹی موٹی باجرہ کی روٹیاں اور مٹی کی رکابی میں وہی ماش کی دال جس میں مرچوں کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے، لا کر رکھ دی اور کہنے لگے: کھائیے! حضور نے فرمایا: بہت اچھا، کھاتا ہوں! ہاتھ دھونے کے لیے پانی لے آیئے۔ وہ پانی لے کر حاضر ہوئے، حاجی صاحب نے حضور کے ہاتھ دھلوائے

اور خود بھی ہاتھ دھو کر شریکِ طعام ہو گئے، مگر حاجی صاحب دل ہی دل میں حیران ہو رہے تھے کہ حضور کھانے میں اس قدر محتاط ہیں کہ غذا میں سوجی کا بسکٹ استعمال فرماتے ہیں۔ یہ روٹی اور وہ بھی باجرہ کی اور اس پر ماش کی دال کس طرح تناول فرمائیں گے۔ مگر اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اخلاق کریمانہ کے نثار کہ آپ نے محض میزبان کی دل داری وخوشی کے لیے خوب سیر ہو کر کھایا۔ وہاں سے واپسی پر حاجی صاحب سے ارشاد فرمایا: اگر ایسی خلوص کی دعوت ہو تو میں روز قبول کروں۔[۴۵]

امام احمد رضا اور ایمان ویقین:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو اللہ جل شانہٗ کی رحمت اور حضور اقدس ﷺ کے ارشادات پر جو ایمان کامل اور یقین محکم تھا، وہ بھی حیرت انگیز اور قابل صد رشک ولائق تقلید ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کسی مرض وبلا میں مبتلا شخص کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا، وہ اس مرض وبلا سے محفوظ ومامون رہے گا۔ دعا یہ ہے: اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی عَافَانِی مِمَّا ابتَلَاکَ بِہ وَفَضَّلَنِی عَلٰی کَثِیرٍ مِّمَّن خَلَقَ تَفضِیلًا۔

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس سے بچایا جس میں تو مبتلا ہے اور مجھے اپنی مخلوق میں بہت سے لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا یہ دعا پڑھی تھی اور حدیث پر انھیں کامل اطمینان تھا۔ ایک بار کسی غریب کے یہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھانا پڑا، مسوڑھوں میں ورم ہو گیا اور اتنا بڑھا کہ حلق اور منہ بالکل بند ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں: مشکل سے تھوڑا دودھ حلق سے اتارتا، اور اسی پر اکتفا کرتا، بات بالکل نہ کر سکتا تھا، یہاں تک کہ سنتیں بھی کسی کی اقتدا کر کے ادا کرتا، جو کچھ کسی سے کہنا ہوتا لکھ دیتا، بخار بہت شدید تھا اور کان کے پیچھے گلٹیں۔ ان دنوں بریلی میں مرضِ طاعون بشدت تھا۔

میرے منجھلے بھائی مولانا حسن رضا خان مرحوم ایک طبیب کو لائے۔ انھوں نے بغور دیکھ کر سات آٹھ مرتبہ کہا: یہ وہی ہے! وہی ہے! وہی ہے! یعنی طاعون۔ میں بالکل کلام

نہ کرسکتا تھا؛ اس لیے انھیں جواب نہ دے سکا، حالاں کہ میں خوب جانتا تھا کہ یہ غلط کہہ رہے ہیں، نہ مجھے طاعون ہے، نہ ان شاء اللہ العزیز کبھی ہوگا؛ اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے۔

مجھے ارشادِ حدیث پر اطمینان تھا، آخر شب میں کرب بڑھا، میرے دل نے درگاہِ الٰہی میں عرض کی: "اَللّٰھُمَّ صَدِّقِ الحَبِیبَ وَ کَذِّبِ الطَّبِیبَ" "اے اللہ! اپنے حبیب کا قول سچا کر دکھا اور طبیب کا قول جھوٹا۔ کسی نے میرے داہنے کان پر منہ رکھ کر کہا کہ مسواک اور سیاہ مرچیں۔ ان دونوں کے استعمال سے مرض جاتا رہا، میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور طبیب صاحب کو کہلا بھیجا کہ آپ کا وہ طاعون بِفَضلِہ تعالیٰ دفع ہوگیا۔"[۲۶]

جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں بعض اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک خط کی کتابیں شبانہ روز عَلَی الاتِّصال دیکھنا ہوا، گرمی کا موسم تھا، دن کو اندر کے دالان میں کتاب دیکھتا اور لکھتا، عمر کا اٹھائیسواں سال تھا، آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا، ایک روز شدّتِ گرمی کے باعث دوپہر کو لکھتے لکھتے نہایا، سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اتر آئی۔ ایک مشہور ڈاکٹر نے اندھیرے کمرے میں صرف آنکھ پر روشنی ڈال کر آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا: کثرتِ کتاب بینی سے کچھ یَبُوسَت آ گئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھو۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی کتاب نہ چھوٹ سکی۔

مولوی حکیم سید اشفاق حسین صاحب مرحوم سہسوانی ڈپٹی کلکٹر طبابت بھی کرتے تھے اور فقیر کے مہربان تھے فرمایا: مقدمہ نزولِ آب ہے، بیس برس بعد پانی اتر آئے گا۔ میں نے اِلتفات نہ کیا اور نزولِ آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب ﷺ کے اِرشادِ پاک پر مطمئن ہوگیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر ہوا، بغور دیکھ کر کہا: چار برس بعد پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب سے بالکل موافق آیا۔ انھوں نے بیس برس کہے تھے، انھوں نے سولہ برس بعد چار کہے۔

مجھے محبوب ﷺ کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے مَعَاذَ اللہ

متزلزل ہوتا۔ اَلحَمدُ لِلّٰہ کہ بیس درکنار، تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ بھر نہیں بڑھا، نہ بِعَونِہٖ تعالیٰ بڑھے، نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی، نہ ان شاء اللہ تعالیٰ کمی کروں۔ یہ میں نے اس لیے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے دائم وباقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جارہے ہیں اور قیامت تک اہلِ ایمان مشاہدہ کریں گے"۔[۲۷]

حدیث شریف میں بعض دعاؤں کے بارے میں ہے کہ اگر کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائیں تو غرق سے حفاظت رہے گی، ان میں سے ایک مشہور دعا یہ ہے: **بِسمِ اللہِ المَلِکِ الرَّحمٰنِ مَجرٖھَا وَمُرسٰھَا اِنَّ رَبِّی لَغَفُورٌ رَّحِیم۔**

ترجمہ: اللہ مالک ومہربان کے نام پر اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، بیشک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

اور دوسری دعا یہ ہے: **بِسمِ اللہِ مَجرٖھَا وَمُرسٰھَا اِنَّ رَبِّی لَغَفُورٌ رَّحِیم. وَمَا قَدَرُوا اللہَ حَقَّ قَدرِہٖ وَالاَرضُ جَمِیعاً قَبضَتُہٗ یَومَ القِیَامَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطوِیّٰتٌ بِیَمِینِہٖ سُبحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشرِکُونَ.**

ترجمہ: اللہ کے نام پر اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ہے، بیشک میرا رب ضرور بخشنے والا مہربان ہے، اور انھوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کا حق تھا اور وہ قیامت کے دن سب زمینوں کو سمیٹ دے گا اور اس کی قدرت سے سب آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے اور وہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ پہلے سفرِ حج میں اپنے والدین کریمین کے ساتھ تھے، اس وقت ان کی عمر قریب ۲۳؍سال تھی، سفرِ حج سے واپسی کے وقت سمندر میں شدید طوفان آیا۔ اس کی کیفیت بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"واپسی میں تین دن طوفان شدید رہا تھا، اس کی تفصیل میں بہت طول ہے، لوگوں نے کفن پہن لیے تھے، حضرت والدہ ماجدہ کا اضطراب دیکھ کر ان کی تسکین کے لیے بے ساختہ میری زبان سے نکلا کہ: "آپ اطمینان رکھیں، خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا"۔
یہ قسم میں نے حدیث ہی کے اطمینان پر کھائی تھی جس میں کشتی پر سوار ہوتے وقت

غرق سے حفاظت کی دعا ارشاد ہوئی ہے۔ میں نے وہ دعا پڑھ لی تھی؛ لہٰذا حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا، پھر بھی قسم کے نکل جانے سے خود مجھے اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی: مَن یَّت اَلَّ عَلَی اللہِ یُکَذِّبْہُ۔ جو اللہ تعالیٰ پر قسم کھائے، اللہ اس کی قسم کو رد فرما دیتا ہے۔

حضرت عزت کی طرف رجوع کی اور سرکار رسالت سے مدد مانگی، اَلحمدُ لِلّٰہ وہ مخالف ہوا کہ تین دن سے بشدت چل رہی تھی، دو گھڑی میں بالکل موقوف ہوگئی اور جہاز نے نجات پائی۔ [۴۸]

امام احمد رضا اور عشق رسول:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا　　جس کو ہو درد کا مزہ، نازِ دوا اٹھائے کیوں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کی زندگی کا حاصل خدا اور رسول کو راضی کرنا تھا؛ اس لیے وہ ہمیشہ یادِ الٰہی اور عشق رسول میں سرشار رہا کرتے تھے، آپ کا قلب بہت روشن اور پاکیزہ تھا ایک مرتبہ اپنے قلب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''بحمد للہ اگر میرے قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم! ایک پر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور دوسرے پر مُحَمَّد رَّسُوْلُ اللہِ نقش ہوگا''۔ [۴۹]

حضور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے ؎

خدا ایک پر ہو تو اِک پر محمد　　اگر قلب اپنا دو پارہ کروں میں

اعلیٰ حضرت کی زندگی کا ہر لمحہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی یادوں سے معطر رہتا تھا، اور وہ آتش عشق کو آتش جہنم سے نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

یہ عشق رسول ﷺ ہی کا کرشمہ ہے کہ آپ ایک بہترین نعت گو شاعر ہیں، چنانچہ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''جب سرکار اقدس ﷺ کی یاد تڑپاتی ہے تو میں نعتیہ اشعار سے بیقرار دل کو تسکین دیتا ہوں، ورنہ شعر و سخن میرا مذاق طبع نہیں''۔ [۵۰]

رئیس التحریر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ علم کی جلالت شان اور عشق کی دریوزہ گری دونوں کو ایک سنگم پر دیکھنا ہو تو فتاویٰ رضویہ اور حدائق بخشش دونوں کو ایک ساتھ پڑھیے۔ دارالافتا سے نغموں کی آواز کا رشتہ سمجھنا ہو تو صاحب شریعت کے قدموں کے نیچے دل بچھا کر دیکھیے اور جبہ و دستار کا تقدس محبت کی والہانہ وارفتگی میں کس طرح بھیگتا ہے اس کا اندازہ لگانا ہو تو مصطفیٰ جان رحمت کے جلووں میں نہا کر دیکھیے، علم شریعت کے بغیر عشق جنون محض ہے اور علم کی انجمن میں عشق رسول کی شمع فروزاں نہ ہو تو اسی علم کا نام حجاب اکبر ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے یہاں علم اور عشق کا توازن حیرت انگیز بھی ہے اور قابل دید بھی، محبت کی بے خودی میں ان کا تفقہ ان کی فکر پر چھایا رہتا ہے''۔ [۵۱]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ جب رحمت عالم ﷺ کی شان میں پیشہ ور گستاخوں کی گستاخانہ عبارتیں دیکھتے تو ان کی آنکھیں اشک بار ہو جاتیں، وہ پیارے مصطفیٰ ﷺ کی حمایت میں گستاخوں کا سختی سے رَد کرتے تا کہ وہ جھنجھلا کر انھیں برا کہنا اور لکھنا شروع کر دیں اور محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی گستاخی سے باز رہیں۔ آپ اکثر اس پر فخر کیا کرتے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک نے اس دَور میں مجھے ناموسِ رسالت مآب ﷺ کے لیے ڈھال بنا دیا ہے، وہ اس طرح کہ میں بدگویوں کا سختی سے رَد کرتا ہوں تو وہ مجھے برا بھلا کہنے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک کے لیے وہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے سے باز رہتے ہیں۔ حدائق بخشش میں ہے ؎

کروں تیرے نام پہ جاں فِدا　　نہ بس ایک جاں دوجہاں فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا　　کروں کیا، کروڑوں جہاں نہیں

ان کا عشق بڑا سچا تھا، وہ عالم تصور میں ہمیشہ اپنے آقا ہی کی بارگاہ میں حاضر رہتے تھے، کوئی دنیا کا تاج دار خواہ کیسی ہی شان و شوکت والا ہو، ان کی نگاہوں میں جچتا ہی نہیں تھا، وہ کسی اور کی بارگاہ میں دریوزہ گری کے لیے قطعاً رضا مند نہیں تھے، ان کی

غیرت عشق کا یہ انداز ملاحظہ ہو۔

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا
تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا
کس کا منہ تکیے، کہاں جائیے کس سے کہیے تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

امام احمد رضا اور احترام سادات:

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

سادات کرام آل رسول ہیں؛ اس لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ ان سے بے پناہ عقیدت ومحبت رکھتے تھے، ہمیشہ ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھتے اور مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے نسبت کی بنیاد پر ہر حال میں انھیں خوش رکھنا چاہتے تھے۔اس سلسلے کی چند حیرت انگیز اور سبق آموز مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

’’سید ایوب علی صاحب کا بیان ہے: ایک کم عمر صاحب زادے خانہ داری کے کاموں میں امداد کے لیے کاشانۂ اقدس میں ملازم ہوئے، بعد میں معلوم ہوا کہ سید زادے ہیں؛ لہٰذا گھر والوں کو تاکید فرمادی کہ صاحب زادے صاحب سے خبردار کوئی کام نہ لیا جائے کہ مخدوم زادہ ہیں، کھانا وغیرہ اور جس شے کی ضرورت ہو حاضر کی جائے، جس تنخواہ کا وعدہ ہے، وہ بطور نذرانہ پیش ہوتا رہے، چنان چہ حسب الارشاد تعمیل ہوتی رہی، کچھ عرصہ بعد وہ صاحب زادے خود ہی تشریف لے گئے‘‘۔[۵۲]

مولانا حسنین رضا خان صاحب احترام سادات اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کے تعلق ایک بڑا رقت انگیز واقعہ یوں رقم فرماتے ہیں:

’’اعلیٰ حضرت قبلہ نے ایک بار کھانا چھوڑا اور صرف ناشتہ پر قناعت کی، اس میں بھی کوئی اضافہ منظور نہ فرمایا، سارے خاندان اور ان کے احباب کی کوشش رائگاں گئی،

سید مقبول صاحب کی خدمت میں نومحلّہ حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ آج دو مہینے ہونے کو آئے کہ اعلیٰ حضرت نے کھانا چھوڑ دیا ہے، ہم سب کوشش کر کے تھک گئے ہیں، آپ ہی انھیں مجبور کر سکتے ہیں۔اس پر انھوں نے فرمایا کہ ہماری زندگی میں انھیں یہ ہمت ہوگئی ہے کہ وہ کھانا چھوڑ بیٹھے ہیں۔ابھی کھانا تیار کراتا ہوں اور لے کر آتا ہوں، حسب وعدہ سید مقبول صاحب ایک نعمت خانہ میں کھانا لے کر خود تشریف لائے، اعلیٰ حضرت قبلہ زنانے مکان میں تھے، سید صاحب کی اطلاع پاتے ہی باہر آگئے، سید صاحب سے قدم بوس ہوئے، اب بات چیت شروع ہوئی۔

سید صاحب نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا ہے۔اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ میں تو روز کھاتا ہوں۔سید صاحب نے فرمایا: مجھے معلوم ہے جیسا آپ کھاتے ہیں۔اعلیٰ حضرت نے عرض کیا کہ حضور میرے معمولات میں اب تک کوئی فرق نہیں پڑا ہے، میں اپنا سب کام بدستور کر رہا ہوں، مجھے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، تو سید صاحب قبلہ برہم ہوگئے اور کھڑے ہو کر فرمانے لگے: اچھا تو میں کھانا لیے جاتا ہوں، کل میدان قیامت میں سرکارِ دوجہاں کا دامن پکڑ کر عرض کروں گا کہ ایک سیدانی نے بڑے شوق سے کھانا پکایا اور ایک سید لے کر آیا، مگر آپ کے احمد رضا خان نے کسی طرح نہ کھایا۔اس پر اعلیٰ حضرت کانپ گئے اور عرض کیا کہ میں تعمیل حکم کے لیے حاضر ہوں، ابھی کھائے لیتا ہوں۔سید صاحب قبلہ نے فرمایا کہ اب تو یہ کھانا جب ہی کھا سکتے ہو، جب یہ وعدہ کرو کہ اب عمر بھر کھانا نہ چھوڑو گے۔چنانچہ اعلیٰ حضرت قبلہ نے عمر بھر کھانا نہ چھوڑنے کا وعدہ کیا تو سید صاحب قبلہ نے اپنے سامنے انھیں کھلایا اور خوش خوش تشریف لے گئے۔

اعلیٰ حضرت کے لیے سادات کرام کا جائز حکم آخری ہوتا تھا، سادات کرام کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کے لیے سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارۂ کار ہی نہ ہوتا تھا۔اللہ ورسول کے حکم کے بعد اعلیٰ حضرت کے یہاں سادات کرام ہی کا حکم نافذ ہو سکتا تھا۔یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی آخری وصیت (إني تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي۔

ترجمہ: ’’میں تم میں دو بھاری امانتیں چھوڑتا ہوں، اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد‘‘۔

پر پورا پورا عمل کر کے اس دَور میں اعلیٰ حضرت قبلہ ہی نے دکھایا''۔[۵۳]

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے ایک واقعہ اس طرح رقم فرمایا ہے:

''ایک سید صاحب بہت غریب، مفلوک الحال تھے، زندگی عسرت سے بسر ہوتی تھی، اس لیے سوال کیا کرتے تھے، مگر سوال کی شان عجیب تھی، جہاں پہنچتے، فرماتے: دلواؤ سید کو۔ ایک دن اتفاق وقت تھا کہ پھاٹک میں کوئی نہ تھا، سید صاحب تشریف لائے اور سیدھے زنانہ دروازے پر پہنچ کر صدا لگائی: دلواؤ سید کو۔ اعلیٰ حضرت کے پاس اسی دن ذاتی اخراجات علمی یعنی کتاب و کاغذ وغیرہ داد و دہش کے لیے دو سو روپے آئے تھے، جس میں نوٹ بھی تھے، اٹھنی، چونی، پیسے بھی تھے کہ جس چیز کی ضرورت ہو صرف فرمائیں۔ اعلیٰ حضرت نے آفس بکس کے اس حصہ کو جس میں یہ سب روپے تھے، سید صاحب کی آواز سنتے ہی ان کے سامنے لاکر حاضر کر دیا اور ان کے روبرو لیے ہوئے کھڑے رہے۔ جناب سید صاحب دیر تک ان سب کو دیکھتے رہے، اس کے بعد ایک چونی لے لی۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: حضور! یہ سب حاضر ہیں۔ سید صاحب نے فرمایا: مجھے اتنا ہی کافی ہے۔

الغرض جناب سید صاحب ایک چونی لے کر سیڑھی سے اتر آئے، اعلیٰ حضرت بھی ساتھ ساتھ تشریف لائے، پھاٹک پر ان کو رخصت کر کے خادم سے فرمایا: دیکھو! سید صاحب کو آئندہ آواز دینے، صدا لگانے کی ضرورت نہ پڑے، جس وقت سید صاحب پر نظر پڑے فوراً ایک چونی حاضر کر کے سید صاحب کو رخصت کیا کرو۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ تعظیم سادات ہو تو ایسی ہو ؎

کیوں اپنی گلی میں وہ روا دارِ صدا ہو
جو نذر لیے راہِ گدا دیکھ رہا ہو[۵۴]

ملفوظات اعلیٰ حضرت میں ہے:

''عرض: سید کے لڑکے کو اس کا استاد تادیبا (یعنی ادب سکھانے کے لیے) مار سکتا ہے یا نہیں؟۔

ارشاد: قاضی جو حدودِ الٰہیہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سزائیں) قائم کرنے پر مجبور ہے، اس کے سامنے اگر کسی سید پر حد ثابت ہوئی تو باوجود یہ کہ اس پر حد لگانا فرض ہے اور وہ حد لگائے گا، لیکن اس کو حکم ہے کہ سزا دینے کی نیت نہ کرے، بلکہ دل میں یہ نیت رکھے کہ شہزادے کے پیر میں کیچڑ لگ گئی ہے، اُسے صاف کر رہا ہوں، تو قاضی جس پر سزا دینا فرض ہے اس کو تو یہ حکم ہے عتابہ معلم چہ رسد پھر معلم کو کیسے حق پہنچتا ہے''۔[۵۵]

امام احمد رضا اور ردّ بدعات ومنکرات:

تو نے باطل کو مٹایا اے امام احمد رضا
دین کا ڈنکا بجایا اے امام احمد رضا
دَور باطل اور ضلالت ہند میں تھا جس گھڑی
تو مجدد بن کے آیا اے امام احمد رضا

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے پوری زندگی دین کی تبلیغ، سنت کا احیا اور بدعات ومنکرات کا رد کیا، مگر اس کے باوجود ان کے مخالفین ومعاندین نے ان کے سر یہ الزام رکھ دیا کہ انھوں نے بدعات کو فروغ دیا ہے۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے شان الوہیت اور بارگاہِ رسالت میں ان کی دَریدہ دہنی پر لگام دینے کی کوشش کی اور ان کی گستاخیوں پر شدید گرفت فرمائی تو وہ حواس باختہ ہوگئے اور ''الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے'' کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ امام احمد رضا اور ان کے عقیدت مند مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں اور بدعات و منکرات کو فروغ دیتے ہیں۔

اس موضوع کے حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے ایک کتاب بنام ''ردّ بدعت اور امام احمد رضا''، لکھی ہے اور حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب نے بھی ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے جس کا نام ہے ''امام احمد رضا اور ردّ بدعات ومنکرات'' ہے۔ یہ کتابیں بہت جامع اور مفید ہیں؛ اس لیے ہم یہاں صرف چند مثالوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

مزارات پرعورتوں کا جانا:

عرض: حضور اجمیر شریف میں خواجہ صاحب کے مزار پرعورتوں کا جانا جائز ہے یا نہیں؟

ارشاد: غنیّۃ میں ہے: یہ نہ پوچھو کہ عورتوں کا مزارات پر جانا جائز ہے یا نہیں، بلکہ یہ پوچھو کہ اس عورت پر کس قدر لعنت ہوتی ہے اللہ کی طرف سے اور کس قدر صاحبِ قبر کی جانب سے۔ جس وقت وہ گھر سے ارادہ کرتی ہے لعنت شروع ہو جاتی ہے اور جب تک واپس آتی ہے ملائکہ لعنت کرتے رہتے ہیں، سوائے روضہ انور (علی صاحبها الصلوة والسلام) کے کسی مزار پر جانے کی اجازت نہیں، وہاں کی حاضری البتہ سُنّتِ جلیلہ عظیمہ قریب بواجبات ہے اور قرآنِ عظیم نے اسے مغفرتِ ذنوب کا تریاق بتایا: وَلَو اَنَّهُم اِذ ظَّلَمُوا اَنفُسَهُم جَآءُوکَ فَاستَغفَرُوا اللّٰهَ وَاستَغفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا. اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تمہارے حضور حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کے لیے معافی مانگے تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

خود حدیث میں ارشاد ہوا: مَن زَارَ قَبرِی وَجَبَت لَهُ شَفَاعَتِی جو میرے مزار کریم کی زیارت کو حاضر ہوا، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ دوسری حدیث میں ہے: مَن حَجَّ وَلَم یَزُرنِی فَقَد جَفَانِی. جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا بے شک اس نے مجھ پر جفا کی۔ [۵۶]

مزارات کے آگے سجدہ کرنا:

بعض مسلمان حدودِ شرعیہ سے تجاوز کر کے مزارات کے آگے اپنا ماتھا ٹیکتے ہیں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس کا شدید رَد فرمایا اور اس بارے میں پوری کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام ہے ''الزبدة الزکیة لتحریم سجود التحیة''۔ اس میں آیات قرآنیہ احادیث نبویہ اور تصریحات فقہا سے سجدۂ تحیت کی حرمت ثابت کی۔ اس کے شروع میں ہی لکھتے ہیں:

''مسلمان اے مسلمان! اے شریعت مصطفوی کے تابع فرمان! جان اور یقین جان کہ سجدۂ حضرت عزت عزّ جلالہ کے سوا کسی کے لیے نہیں۔ اس کے غیر کو سجدہ عبادت یقیناً اجماعاً شرک مہین وکفر مبین اور سجدہ تحیت حرام وگناہ کبیرہ بالیقین''۔ [۵۷]

قبر پر چادر چڑھانا:

قبر پر چادر چڑھانے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''جب چادر موجود ہو اور وہ ہنوز پرانی یا خراب نہ ہوئی کہ بدلنے کی حاجت ہو تو بے کار چادر چڑھانا فضول ہے، بلکہ جو دام اس میں صرف کریں ولی اللہ کی روح مبارک کو ایصال ثواب کے لیے محتاج کو دیں۔ ہاں! جہاں معمول ہو کہ چڑھائی ہوئی چادر جب حاجت سے زائد ہو، خدام، مساکین حاجت مند لے لیتے ہوں اور اس نیت سے ڈالے تو مضائقہ نہیں، کہ یہ بھی تصدق ہو گیا''۔ [۵۸]

شطرنج وچوسر وغیرہ کھیلنا:

گنجفہ، شطرنج، چوسر وغیرہ کھیلنے کے بارے میں حکم شرع دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

''یہ سب کھیل ممنوع اور ناجائز ہیں اور ان میں چوسر اور گنجفہ بدتر ہیں، گنجفہ میں تصاویر ہیں اور انھیں عظمت کے ساتھ رکھتے اور وقعت وعزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہ امر اس کے سخت گناہ کا موجب ہے۔ اور چوسر کی نسبت حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: جس نے چوسر کھیلی اس نے گویا اپنا ہاتھ سور کے گوشت خون میں رنگا۔ دوسری حدیث صحیح میں فرمایا: جس نے چوسر کھیلی اس نے خدا اور رسول کی نافرمانی کی۔ چوسر بالاجماع حرام وموجبِ فسق وردِّ شہادت ہے۔ یہی حال گنجفہ کا سمجھنا چاہئے''۔ [۵۹]

چوری کا مال خریدنا:

چوری کا مال خریدنے کے بارے میں مسئلہ شرعیہ دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے، بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کہ اس کے مورثین بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملک

بتائے، اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خریداری جائز ہے، پھر اگر ثابت ہوجائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے، بلکہ مالک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو اور ان کا بھی پتہ نہ چل سکے تو فقراء کو، واللہ تعالیٰ اعلم"۔[۶۰]

امام احمد رضا اور شعر وسخن:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھادیے ہیں

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ عام اربابِ شعر وسخن کی طرح صبح وشام شعر گوئی اور اشعار کی تیاری میں مصروف نہیں رہتے تھے اور نہ ہی شاعری آپ کا پیشہ تھا، بلکہ آپ کا حال یہ تھا کہ جب بھی پیارے مصطفیٰ ﷺ کی یادیں تڑپانے لگتیں اور دردِ عشق میں ماہی بے آب کی طرح بے تاب ہوتے تو از خود زبان پر نعتیہ اشعار جاری ہوجاتے۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں ؎

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

آپ نے خدائے وحدہٗ لاشریک کے بے مثل وبے مثال محبوب کی مدح سرائی میں زبان کھولی تھی؛ اس لیے اللہ جل شانہٗ نے آپ کے کلام کو امام الکلام بنادیا، آپ کے شعر وسخن کا اس سے بڑا اعجاز اور کیا ہوگا کہ آج چہار دانگ عالم میں آپ کے لکھے ہوئے درود وسلام سے منبر ومحراب گونج رہے ہیں اور خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کی ہر مجلس میں آپ کا کلام بصد شوق پڑھا اور سنا جا رہا ہے۔

امام احمد رضا کا وصال وانتظار:

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی
ہے شب گور بھی اس گل سے ملاقات کی رات

۲۵؍صفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸؍اکتوبر ۱۹۲۱ء، بروز جمعہ دو بجکر اڑتیس منٹ پر عین اذان جمعہ میں ادھر مؤذن نے حی علی الفلاح کہا اور ادھر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے

داعی اجل کو لبیک کہا۔ حضرت مولانا حسنین رضا خان صاحب جو وصال کے وقت اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں حاضر تھے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

"(اعلیٰ حضرت) نے وصیت نامہ تحریر کرایا، پھر اس پر خود عمل کرایا، وصال شریف کے سارے کام گھڑی دیکھ کر ٹھیک وقت پر ارشاد ہوتے رہے، جب دو بجنے میں چار منٹ باقی تھے، وقت پوچھا، عرض کیا گیا (کہ ایک بج کر چھپن منٹ ہو رہے ہیں) فرمایا: گھڑی کھلی سامنے رکھ دو، یکا یک ارشاد فرمایا: تصاویر ہٹادو، (حاضرین کے دل میں خیال گزرا) یہاں تصاویر کا کیا کام، یہ خطرہ گزرنا تھا کہ خود ہی ارشاد فرمایا: یہی کارڈ، لفافہ، روپیہ، پیسہ، پھر ذرا وقفہ سے برادر محترم حضرت مولانا مولوی محمد حامد رضا خان صاحب سے ارشاد فرمایا: وضو کراؤ، قرآن عظیم لاؤ، ابھی وہ تشریف نہ لائے تھے کہ برادرم مولانا مصطفیٰ رضا خان سلمہ سے پھر ارشاد فرمایا: اب بیٹھے کیا کر رہے ہو؟ یٰسین شریف اور سورۂ رعد شریف تلاوت کرو، اب عمر شریف سے چند منٹ رہ گئے ہیں، حسب الحکم دونوں سورتیں تلاوت کی گئیں، ایسے حضور قلب اور تیقظ سے سنیں کہ جس آیت میں اشتباہ ہوا، یا سننے میں صاف نہ آئیں، یا سبقت زبان سے زیر وزبر میں اس وقت فرق ہوا، خود تلاوت فرما کر بتلادی۔

اس کے بعد سید محمود علی صاحب ایک مسلمان ڈاکٹر عاشق حسین صاحب کو اپنے ہمراہ لائے، ان کے ساتھ اور لوگ بھی حاضر ہوئے، اس وقت جو جو حضرات اندر گئے سب کے سلام کا جواب دیا اور سید صاحب سے دونوں ہاتھ بڑھا کر مصافحہ فرمایا، ڈاکٹر صاحب نے اعلیٰ حضرت قبلہ سے حال دریافت فرمانا چاہا، مگر وہ (اعلیٰ حضرت) حکیم مطلق کی طرف متوجہ تھے، ان سے اپنے مرض یا علاج کے متعلق کچھ نہ ارشاد فرمایا، سفر کی دعائیں جن کا چلتے وقت پڑھنا مسنون ہے، تمام وکمال، بلکہ معمول سے زائد پڑھیں، پھر کلمۂ طیبہ (لا إلہ إلا اللہ محمد رسول اللہ) پورا پڑھا، جب اس کی طاقت نہ رہی اور سینہ پر دم آیا، ادھر ہونٹوں کی حرکت وذکر پاس انفاس کا ختم ہونا تھا کہ چہرۂ مبارک پر ایک لمعہ نور کا چمکا جس میں جنبش تھی، جس طرح لمعان خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے، اس کے غائب ہوتے ہی وہ جان نور، جسم اطہر سے پرواز کرگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔[۶۲]

حضرت مولانا بدر الدین احمد قادری رضوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ادھر ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ، جمعہ کو دن کے دو بجکر اڑتیس منٹ پر بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت قبلہ دنیائے دنی سے روانہ ہو رہے ہیں، ادھر ایک شامی بزرگ ٹھیک ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو خواب میں کیا دیکھ رہے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہیں، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر دربار ہیں، لیکن مجلس پر سکوت طاری ہے، ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ کسی آنے والے کا انتظار ہے، وہ شامی بزرگ بارگاہِ رسالت میں عرض کرتے ہیں:

فداک ابی و امی میرے ماں باپ حضور پر قربان! کس کا انتظار ہے؟

سیّدِ عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: احمد رضا کا انتظار ہے۔ انھوں نے عرض کی: احمد رضا کون ہیں؟ حضور نے فرمایا: ہندوستان میں بریلی کے باشندے ہیں۔ بیداری کے بعد انھوں نے پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت احمد رضا ہندوستان کے بڑے ہی جلیل القدر عالم ہیں اور اب تک بقید حیات ہیں، پھر تو وہ شوق ملاقات میں ہندوستان کی طرف چل پڑے، جب بریلی پہنچے تو انھیں بتایا گیا کہ آپ جس عاشق رسول کی ملاقات کو تشریف لائے ہیں وہ ۲۵ر صفر ۱۳۴۰ھ کو اس دنیا سے روانہ ہو چکا ہے''۔ [۲۳]

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

حواشی

(۱) ملفوظات اعلیٰ حضرت، ج:۱،ص:۶۳، مکتبۃ المدینۃ۔

(۲) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱،ص:۱۰۷، ملخصا، مرکز اہل سنت برکات رضا، پور بندر، گجرات۔

(۳) امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں، ص:۳۵، دار القلم، ذاکر نگر، نئی دہلی، بحوالۂ ترجمان اہل سنت، پیلی بھیت۔

(۴) سرات اعلیٰ حضرت، مصنفہ مولانا حسنین رضا خان بریلوی، ص:۸۷، مکتبہ قاسمہ برکاتیہ، حیدر آباد۔

(۵) احوال وآثار اعلیٰ حضرت مجدد اسلام بریلوی، مؤلفہ علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی، ص:۱۰۲،۱۰۳، رضا اکیڈمی، رجسٹرڈ، لاہور، پاکستان۔

(۶) ماہ نامہ المیزان، بمبئی کا امام احمد رضا نمبر، ص:۱۸۸، اشاعت:۲۶ر مارچ ۱۹۷۶ء۔

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ، ص:۱۰۶، شائع کردہ: ادارہ اشاعت تصنیفات رضا، محلّہ سوداگران، رضا نگر، بریلی، شریف۔

(۸) فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۱۴۸، ۱۴۹ رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۹) امام احمد رضا کی فقہی بصیرت جد الممتار کے آئینے میں، تقدیم از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ص:۱۷، ۱۸، المجمع الاسلامی، مبارک پور، اعظم گڑھ۔

(۱۰) فتاویٰ رضویہ، باب سجود التلاوۃ، ج:۳، ص:۶۵۴، ۶۵۵، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ج:۱، ص:۷۰۱، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، باب الاذان والاقامۃ، ج:۲، ص:۳۸۷، ۳۸۸، ملخصا، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۳) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ج:۱، ص:۸۳۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۴) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ج:۱، ص:۸۴۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۵) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب التیمم، ج:۱، ص:۸۴۹، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۶) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب الغسل، ج:۱، ص:۲۰۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۷) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب الغسل، ج:۱، ص:۱۸۵، ۱۸۴، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۸) تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب الغسل، ج:۱، ص:۱۶۶، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۱۹) تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ رضویہ، ج:۹، نصف آخر، ص:۲۱۳، تا ۲۴۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲۰) تفصیل کے لیے دیکھئے فتاویٰ رضویہ، ج:۹، نصف اول، ص ۱۲۲ تا ۱۳۷، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطہارۃ، باب الانجاس، ج:۲، ص:۶۴، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۲۲) احوال وآثار اعلیٰ حضرت مجدد اسلام بریلوی، مولفہ علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی، ص:۱۵۵، رضا اکیڈمی رجسٹرڈ، لاہور، پاکستان۔

(۲۳) سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مؤلفہ مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی، ص: ۳۶۵، ۳۶۶، قادری کتاب گھر، بریلی شریف۔

(۲۴) سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مؤلفہ مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی، ص: ۳۸۷، قادری کتاب گھر، بریلی شریف۔

(۲۵) اظہار الحق الجلی، ص:۱۹، ۲۰، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۲۶) احوال واثار اعلیٰ حضرت مجدد اسلام بریلوی، مؤلفہ علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی، ص:۱۵۶، رضا اکیڈمی، رجسٹرڈ، لاہور، پاکستان۔

(۲۷) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۲۷۲، ۲۷۳ ملخصا، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۲۸) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۲۷۹، ۲۸۰، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۲۹) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۲۸۱، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۳۰) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۲۸۱ تا ص:۲۸۳، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۳۱) سیرت اعلیٰ حضرت، مصنفہ مولانا حسنین رضا خاں، ص:۱، مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدرآباد۔

(۳۲) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۳۰۹، ۳۱۰، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۳۳) فتاویٰ رضویہ، کلمات آغاز، ج:۱، ص:ل، رضا اکیڈمی لکھنؤ۔

(۳۴) فتاویٰ رضویہ، باب الامۃ، ج:۳، ص:۲۳۰، رضا اکیڈمی ممبئی۔

(۳۵) مزارات پر عورتوں کی حاضری (جمل النور)، ص:۱۲، ۱۳، مجلس اشاعت، طلبۂ

فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ۔

(۳۶) کرامات اعلیٰ حضرت، ص:۳۱، بروایت ملا نا محمد حسین صاحب نظامی میرٹھی۔

(۳۷) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، تقریب از مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، ص:۶۰ تا ۶۳، اسلامک پبلشر، دہلی۔

(۳۸) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص:۱۴۶، ۱۴۷، مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۳۹) سیرت اعلیٰ حضرت، مصنفہ مولانا حسنین رضا خاں صاحب، ص:۹۱، ۹۲، مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدرآباد۔

(۴۰) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۱۳۵، ۱۳۶ ملخصا، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۴۱) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ دوم، ص:۱۸۳، مکتبۃ المدینہ۔

(۴۲) سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مؤلفہ مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی، پیش لفظ از علامہ ارشد القادری، ص:۱۳، قادری کتاب گھر، بریلی شریف۔

(۴۳) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۱۳۸، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۴۴) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۱۴۹، ۱۵۰، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔

(۴۵) احوال وآثار اعلیٰ حضرت مجدد اسلام بریلوی، مؤلفہ علامہ محمد صابر القادری نسیم بستوی، ص:۸۰، ۸۱، ملخصاً، رضا اکیڈمی رجسٹرڈ، لاہور، پاکستان۔

(۴۶) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص:۶۸ تا ۷۲، ملخصا، مکتبۃ المدینہ۔

(۴۷) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص:۷۰، ۷۱، ملخصا، مکتبۃ المدینہ۔

(۴۸) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ دوم، ص:۱۸۱، ۱۸۲، ملخصا، مکتبۃ المدینہ۔

(۴۹) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم، ص:۴۱۱، ملخصا، مکتبۃ المدینہ۔

(۵۰) سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مؤلفہ مولانا بدر الدین احمد قادری رضوی، ص:۳۵۰، قادری کتاب گھر، بریلی شریف۔
(۵۱) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، تقدیم کتاب اور مصنف کا تعارف، از رئیس التحریر علامہ ارشد القادری مصباحی، ص:۲۶، اسلامک پبلشر، دہلی۔
(۵۲) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۲۲۳، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔
(۵۳) سیرت اعلیٰ حضرت، مصنفہ مولانا حسنین رضا خاں صاحب، ص: ۹۰، ۹۱، مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ، حیدرآباد۔
(۵۴) حیات اعلیٰ حضرت، مصنفہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، ج:۱، ص: ۲۳۳، ۲۳۴، مرکز اہل سنت، برکات رضا، پوربندر، گجرات۔
(۵۵) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ سوم، ص:۳۹۶، مکتبۃ المدینہ۔
(۵۶) ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ دوم، ص:۳۱۵، ۳۱۶، مکتبۃ المدینہ۔
(۵۷) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، ج:۹، نصف آخر، ص:۲۱۳، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۵۸) احکام شریعت، حصہ اول، ص:۵۲، اعلیٰ حضرت نیٹ ورک۔
(۵۹) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، ج:۹، نصف اول، ص:۴۴، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۶۰) فتاویٰ رضویہ، کتاب البیوع، ج:۷، ص:۳۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۶۱) امام احمد رضا اور رد بدعات ومنکرات، تقدیم کتاب اور مصنف کا تعارف، از رئیس التحریر علامہ ارشد القادری مصباحی، ص:۲۶، ۲۷، اسلامک پبلشر، دہلی۔
(۶۲) وصایا شریف، مرتبہ شاہ حسنین رضا خاں قادری نوری، ص:۲۶، ۲۷، اعلیٰ حضرت ڈاٹ نیٹ۔
(۶۳) سوانح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا، مولفہ مولانا بدر الدین احمد قادری رضوی، ص: ۳۸۳، قادری کتاب گھر، بریلی شریف۔

امام احمد رضا کے سیاسی افکار ونظریات

علامہ یٰسین اختر مصباحی
دارالقلم، دہلی

’’سِیَاسَۃ‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے، جس کا لُغوی معنیٰ ہے: تدبیر وانتظام۔ اس سیاست کا تعلق، جُملہ شعبہ ہائے حیات اور جُملہ معاملات و مسائلِ حیات سے ہے۔ ابتدائے آفرینش سے آج تک، سبھی اَقوام وقبائل اور جماعات وطبقات اپنی اِنفرادی واِجتماعی زندگی کے ہر عہد وعصر اور ہر زمان ومکان میں یہ سیاست کرتے چلے آرہے ہیں اور بغیر کسی توقُّف واِنقطاع کے، یہ سیاست، آج تک، جاری ہے۔ جس کا سلسلہ، قیامت تک، یوں ہی دراز اور قافلۂ حیات کا یہ سفر، یوں ہی، رواں دواں رہے گا۔ ورنہ، دیکھتے ہی دیکھتے، نظامِ حیات، مُختل اور نظامِ کائنات، درہم برہم ہوجائے۔ آج کی سیاست، اِصطلاحی طور سے مُلکی مفادات کی تدبیر واِنتظام کے لئے خاص ہوچکی ہے۔ خواہ، یہ سیاست کسی بھی درجہ ومرتبہ اور کسی بھی علاقہ وخِطہ سے متعلق ہو۔ اور چھوٹا بڑا کوئی بھی انسان، یہ سیاست کرے۔

یہ الگ بات ہے کہ موجودہ سیاست، اور موجودہ سیاست داں عوامُ النّاس کی نظر میں معتوب ومذموم اور بڑی حد تک، بدنام ہوچکے ہیں۔ اچھے برے انسان، ہر شعبہ اور ہر طبقہ میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن، ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ:

سیاست اور سیاست دانوں کی طرف، سَنگِ ملامت و مذمّت اُچھالنے والے عوام وخواص بھی، رائج الوقت ’’سیاست‘‘ کی ’’سعادت‘‘ سے محروم وتہی دست نہیں ہیں۔ خواہ، وہ انتخابی سیاست (الیکشن) ہی کیوں نہ ہو۔ اِس سیاست سے، براہِ راست وابستگی نہ

ہو، جب بھی کسی سیاست داں کی تائید یا۔اس سے اختلاف اور کسی کو، ووٹ دینے، نہ دینے کی بات کرنا اور کسی کو ووٹ دینا یہ بھی موجودہ سیاست کا بنیادی حصہ اور مسلسل عمل ہے اور بقدرِ ظرف واِستطاعت، ہر شخص، اس میں ملوث اور اس کا حصہ دار ہے۔

شخصی و اِنفرادی حیثیت سے کوئی شخص، کسی جمہوری ملک میں انتخابی سیاست (الیکشن) اور حقِ رائے دہی (ووٹ) سے اپنے آپ کو، الگ رکھ سکتا ہے۔مگر، قومی و مِلّی و جماعتی حیثیت سے، دور رہنے کی گنجائش ہی، باقی نہیں رہ گئی ہے۔کیوں کہ ملکی و سماجی و تعلیمی و تجارتی و اِقتصادی معاملات کے ساتھ، بہت سے دینی و علمی اُمور و مسائل بھی کسی نہ کسی مرحلے میں موجودہ سیاست اور سیاست دانوں کے زیرِ اثر آچکے ہیں اور قوم و مِلّت کی تعمیر و ترقی کے مختلف گوشے، براہِ راست، ان سے وابستہ ہو چکے ہیں۔موجودہ دَور کی کسی مناسب سیاسی جماعت سے وابستگی رکھنا نہ رکھنا ہر شخص کی اپنی صواب دید پر مُنحصر ہے۔

لیکن عُلما و دانشورانِ قوم و مِلّت کا ایک نہایت ضروری فریضہ ہے کہ:

ملک و وطن اور قوم و مِلّت کے بدلتے حالات پر گہری نظر رکھیں اور مسلمانانِ ہند کی صحیح رہنمائی، نیز، خطرات سے آگاہی رکھنے کے ساتھ، ان کے مسائل کے حل اور ان کی ترقی وخوش حالی سے متعلق اپنی ذمہ داری، ہر حال میں پوری کرتے رہیں۔

دین و مذہب کے ساتھ، معاشرت و سیاست وصحافت اور تعلیم و تجارت وصنعت و حرفت کے ہر شعبہ اور ہر میدان کی باریکیوں، بالخصوص، سیاست کے پیچ وخَم سے متعلق صحیح وقت پر مؤثر تنبیہ اور مفید ہدایت دیتے رہنا عُلما و دانشورانِ قوم و مِلّت کا ایسا لازمی فریضہ ہے، جس سے ذرا بھی غفلت و کوتاہی حال کی مشکلات اور مستقبل کی بہت سی پیچیدگیوں کا سبب بن سکتی ہے۔

کم از کم، فکری و نظریاتی سیاست، اور اس کے بارے میں عالمانہ و دانشورانہ وقار کے ساتھ زبانی وتحریری ہدایت، آج کے کسی جمہوری ملک کی ایک، ناگزیر ضرورت ہے۔ جس سے اِعراض و اِغماض اور غفلت و پہلو تہی کرنا، حَسّاس و باشعور اور متحرک و فعّال عُلما و دانشورانِ کرام کے لئے کسی طرح بھی، روَا نہیں ہے۔اور ایسی بے نیازی و غفلت

شِعاری اپنے ملک و وطن اور قوم و مِلّت کے حق میں حد درجہ، ناانصافی اور سنگین اجتماعی ومعاشرتی جُرم کے مترادف ہے۔

ہر مفید و مستفید صلاحیت کے حامل انسان کے لئے لازم وضروری اور اس کے اوپر واجب، قرار دیا گیا ہے کہ وہ، انسانی معاشرے اور انسانی آبادی میں رہتے ہوئے اپنی عبادت وریاضت، تعلیم وتعلُّم، تجارت وصنعت، وغیرہ کا سلسلہ، جاری رکھے اور بیدار مغزی کے ساتھ، اجتماعی زندگی سے اِستفادہ واِفادہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو، بیش از بیش، نافع اور مفید تر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہے۔اپنی اِستعداد وصلاحیت کے مطابق، جُرأت وہمت کے ساتھ، اجتماعی زندگی کے اُمور ومعاملات اور مسائل ومشکلات حل کرنے میں، ہر ذمہ دار شخص کو اپنا کردار ادا کرنا اس کا ایسا مذہبی وقومی وملکی واخلاقی فریضہ ہے، جس کی ادائگی وتکمیل کی راہ میں اپنی بھرپور توانائی، صَرف کرنا، اس کا، لازمی فریضہ، بن چکا ہے۔

ملک و وطن اور قوم و مِلّت کی سیاست کے مختلف رنگ، مختلف طرز اور مختلف طریقے ہوتے ہیں اور تاریخ کے صفحات، اِس سیاست کے جلوہ ہائے رنگارنگ سے معمور ہیں۔

تیرہویں صدی ہجری اور اُنیسویں صدی عیسوی کے نصفِ آخر کے دینی و علمی آفاق پہ ایک آفتاب اُبھرا، جسے، زمانہ، فقیہِ اسلام، امامِ اہلِ سنّت، مولانا الشّاہ الحاج المفتی محمد احمد رضا، حنفی قادری، برکاتی، بریلوی (متولد ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء۔متوفی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کے نام سے یاد کرتا ہے۔دینِ اسلام پر استقامت، جس کا تمغۂ اِمتیاز، عشقِ رسالت محمدی، جس طُغرائے اِختصاص سنّت وشریعتِ مصطفوی کا اِلتزام، جس کا سرمایۂ حیات، فیضانِ رسالت پناہی، جس کا آبشارِ علم تحقیق وتقلیدِ فقہِ حنفی، جس کا شیوہ ومشغلہ، احترام وعقیدتِ غوثِ اعظم جیلانی جس کی غذائے قلب و روح، مخلصانہ خدمتِ قوم و مِلّت وتائیدِ امت و جماعت، جس کا، شِعارِ عظیم اور ان سارے مراتب و مراحل میں، توفیقِ ربّانی وعنایتِ خداوندی جس کی دستگیر اور ہادی و راہبر ہے۔

وَ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ۔ یہ اس کی دین ہے، جسے، پروردگار دے۔فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ.

اس عظیم المرتبت ہستی اور جلیلُ القدر شخصیت کی حیات وخدمات کے مختلف اَدوار وعُہود میں کہیں، امامُ المحدّثین، شیخ عبدالحق، حنفی، قادری، محدّث دہلوی (متوفی ۱۰۵۲ھ/۱۶۴۲ء) کا جمال، نظر آتا ہے، اور کہیں، مجدّدِ الفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی، حنفی، نقشبندی، سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ/۱۶۲۴ء) کا جلال۔ اور یہاں، خصوصیت کے ساتھ، ذکر ہے اُس دینی وعلمی وفکری ہدایت وقیادت کا، جس کا ایک عظیم مظاہرہ سترہویں صدی عیسوی کے ہندوستان میں ہوا تھا اور اُس عہد وعصر کے مرکزِ سیاست دربارِ اکبری کے دینِ الٰہی سے ٹکر لے کر اُس نے، اس کا وجود، اِس طرح، ملیا میٹ اور نیست ونابود کر دیا کہ:

آج، برِصغیر (ہند وپاک وبنگلہ دیش) میں، کہیں، اس کا کوئی، نام لیوا بھی، نہیں ملے گا۔ اسی عظیم مجاہدانہ کردار کو خراجِ تحسین، پیش کرتے ہوئے شاعرِ مشرق، ڈاکٹر اقبالؔ نے کہا ہے کہ:

وہ ہند میں سرمایۂ مِلّت کا نگہبان
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

اپنے عہد وعصر کی ایسی ہی عظیم وجلیل شخصیت نے عقائد وکلام اور فقہ وافتا کی اپنی شُہرۂ آفاق خدماتِ جلیلہ کے جِلو میں، اُن اُمور ومسائل میں بھی اصول وضوابط کی روشنی میں مسلمانانِ متحدہ ہند کی نجات دہندہ قیادت اور فکری سیاست کا اہم ترین فریضہ، انجام دیا جس میں بہت سے عُلما وقائدینِ وقت کی قوتِ فیصلہ، ان کی، بروقت رہنمائی نہ کر سکی اور ان کی عقلیں، اُلجھ کر رہ گئیں۔ یہاں تک کہ وہ حالات کے دباؤ اور جذبات کی رَو میں اپنے حُدود سے تجاوز کر گئے اور ان کے غلط فیصلوں کے نتیجے میں بے شمار مسلمان کہیں، شش وپنج میں مبتلا اور کہیں، غلط رَوی کا، اِس طرح، شکار ہوئے کہ:

ان کے ایمان واسلام اور مِلّی شناخت کے تحفظ کا بھی ایک سنگین مسئلہ، اُٹھ کھڑا ہوگیا۔ ہر سنگین مرحلہ اور ہر مشکل پر قابو پاتے ہوئے منزلِ مقصود سے ہم کنار ہونے میں خاتم الاکابر، سید شاہ، آلِ رسول احمدی، قادری، برکاتی، مارہروی (وصال ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) خلیفہ وجانشینِ شمسِ مارہرہ، حضرت سید شاہ، آلِ احمد، اچھے میاں، قادری، برکاتی، مارہروی

(وصال ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) وتلمیذِ سراجُ الھند، شاہ عبدالعزیز، محدّث دہلوی (وصال ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کی توجُّہات وعنایات وبرکات کا، ظِلِّ ہمایوں بھی امام احمد رضا، بریلوی کے سر پہ سایہ فگن رہا۔ بیسویں صدی عیسوی کی دوسری دہائی (۱۹۱۰ء تا ۱۹۲۰ء) میں، متحدہ ہندوستان کے مسلمان جن مشکلات ومصائب سے دوچار ہوئے، ان میں، سرِ فہرست، یہ مسائل وحادثات ہیں:

(۱) جنگِ طرابلس وبلقان (۱۹۱۱ء، ۱۹۱۲ء)
(۲) حادثۂ مسجد، مچھلی بازار، کان پور۔ (۱۹۱۳ء۔ اتر پردیش)
(۳) تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء)
(۴) تحریکِ تَرکِ موالات (۱۹۲۰ء)
(۵) تحریکِ ہجرت (۱۹۲۰ء)
(۶) دارُالاسلام، یا دارُالحرب (۱۹۲۰ء)

۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۰ء تک کے، یہ وہ اہم مسائل ومعاملات ہیں جن سے مسلمانانِ متحدہ ہند، براہِ راست، متأثر ہوئے۔ اور ان کے سبب، مسلمانانِ متحدہ ہند، دینی ودنیاوی، تعلیمی وسیاسی، تجارتی ومعاشرتی سبھی طرح کے پیچیدہ مسائل ومعاملات اور ہنگامی وبُحرانی حالات وحادثات سے دوچار ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کا وصال ہوگیا۔ لیکن، بسترِ مرگ سے بھی آپ، صرف دینی وشرعی ہدایت وقیادت ہی نہیں بلکہ فکری سیاست کے ذریعہ، مسلمانانِ متحدہ ہند کی بھرپور رہنمائی فرماتے رہے۔ صرف تحریری نہیں، بلکہ جہاں، ضرورت سمجھی ترغیب وتحریک اور اِقدام وعمل کے ذریعہ بھی، اپنا عالمانہ وقائدانہ کردار ادا کیا۔

امام احمد رضا کے سلسلے میں بنیادی طور سے، یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ:

آپ، عالم وفقیہ اور مفکر ومصلح تھے۔ ہادی وقائدِ قوم ومِلّت تھے۔ اور آپ کی ہدایت وقیادت، پابندِ سنّت وشریعت تھی۔ آزاد اور بے لگام، نہ تھی۔ آپ کا میدانِ عمل، صرف دینی وعلمی تھا اور دینی وعلمی وفقہی خدمات میں ہی آپ کی پوری زندگی، بسر ہوئی۔

آپ، سیاسی لیڈر نہ تھے۔ نہ ہی رائجُ الوقت سیاست اور سیاست دانوں سے آپ کو کسی طرح کی دل چسپی تھی۔ نہ ہی سیاسی میدانِ عمل کی طرف آپ نے کبھی، کوئی توجہ فرمائی۔ آپ کی ہدایت وقیادت اور فکری سیاست، ہر وقت اور ہر آن حق وصداقت، انصاف وعدالت، دیانت وامانت، اِخلاصِ نیت اور اِلتزام سنّت وشریعت پر مبنی تھی اور آپ کی اس قیادت وسیاست میں کذب واِفترا، وعدہ خلافی وبدعہدی، فریب وسازش جیسی صفاتِ قبیحہ وذمیمہ کا، دور دور تک، گذر نہیں تھا۔ ساتھ ہی یہ حقیقت بھی سمجھ لینی، ضروری ہے کہ:

مفکر ومصلح اور لیڈر وسیاست داں کی فکر وعمل میں بہت تفاوت ہوا کرتا ہے۔ مفکر ومصلح، حالات کے تقاضوں کو سمجھ کر، قوم ومِلّت کے لئے صحیح فکر وموقف کی رہنمائی کرتے اور صحیح راہِ عمل کا انتخاب کرتے ہیں اور حالات کے دھارے میں بہتے نہیں، بلکہ اپنی حکمت وتدبیر اور سَعی وعَمل سے حالات کے دھارے کو، موڑنے کی بھر پور کوشش کرتے ہیں۔ قوم ومِلّت کے جذبات سے کھیلتے نہیں بلکہ ان کے جذبات کو، صحیح رُخ دینے کی تدبیر کرتے ہیں۔

جب کہ لیڈر اور سیاست داں، عموماً، پیش آمدہ حالات وواقعات کو اپنے مخصوص سیاسی نظریات ومفادات کی نگاہ سے دیکھتے اور عوامی جذبات سے کھیلتے ہیں۔ عوامی مفادات پر اپنے سیاسی مفادات کو، ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لئے انھیں، جو کچھ کرنا ہو، کر گذرتے ہیں۔

ملک ووطن اور قوم ومِلّت کے مفاد میں اپنی خواہشات اور عزائم کو، لگام نہیں دیتے۔ بلکہ اپنی خواہشات وجذبات کے دھارے میں قوم ومِلّت کے مفادات کو بہالے جاتے ہیں اور یاد رکھیے کہ صحیح ہادی وقائد ومصلح اور قوم ومِلّت کا حقیقی بہی خواہ وخیر اندیش وہی ہوتا ہے، جو، ہر طرح کے حالات ومشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے وہی سوچتا اور وہی کہتا اور کرتا ہے، جو، قوم ومِلّت کے حق میں، نافع ومفید ہو اور ہدایت وقیادت، حالات کے دھارے میں بہنے کا نہیں، بلکہ حالات کے دھارے کو پلٹنے کا نام ہے۔ اور کسی کے اندر، یہ صفت، اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ صحیح علم وفکر اور اخلاصِ قلب کے ساتھ، اعلیٰ ظرفی، بلند نگاہی، دل سوزی، دل نوازی اور اس طرح کے دیگر اوصاف واخلاقِ عالیہ سے مُتّصف ہو۔

جہاں بانی سے ہے دشوار تر، کارِ جہاں بینی
جگر، خوں ہو، تو چشمِ دل میں ہوتی ہے، نظر پیدا

اب، ذیل میں اِختصار واجمال کے ساتھ، متعدد مسائل ومعاملات وتحریکات میں امام احمد رضا کے شرعی موقف، عالمانہ قیادت اور فکری سیاست کے چند اشاریے، ملاحظہ فرمائیں:

جنگ طرابلس وبلقان:

۱۹۱۱ء میں، اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر کے مسلمانوں کے قتلِ عام کا بازار، گرم کیا۔ ایسے ہیجان انگیز حالات میں آپ نے مسلمانانِ ہند کی صحیح شرعی وفکری رہنمائی فرمائی۔ امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کے حکم وہدایت کے مطابق آپ سے وابستہ عُلماے کرام اور محبین ومخلصین نے، بڑے جوش وجذبہ اور اِہتمام کے ساتھ مسجد بی بی جی، محلّہ بہاری پوری، بریلی میں ایک جلسۂ عام، منعقد کیا۔

اس جلسۂ عام میں بعض عُلماے کرام کے ساتھ، حضرت مولانا سید سلیمان اشرف، بہاری ثُمَّ علی گڑھی (متوفی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ علی گڑھ کالج علی گڑھ وخلیفۂ امام احمد رضا، بریلوی نے، ایک پُر مغز، اصولی اور حکیمانہ وفاضلانہ تقریر فرمائی۔

امام احمد رضا، بریلوی کی طرف سے، اِس جلسۂ عام (۱۹۱۱ء) میں تُرک مسلمانوں کی تائید وحمایت واِعانت کا اِعلان ہوا، جس کے بعد، حاضرین وسامعین کے جذبات میں ایک تلاطُم برپا ہو گیا اور پھر تُرکوں کی مالی امداد واِعانت کے لئے امام احمد رضا نے، اپنی جانب سے پانچ سو روپے (=/500) عنایت فرمائے۔ جس کا، فوراً، یہ اثر، ظاہر ہوا کہ اس جلسۂ عام میں، کُل، تیرہ ہزار روپے (=/13,000) جمع ہو گئے۔ جنھیں، تُرک مسلمانوں تک، بلا تاخیر پہنچا دیا گیا۔

۱۹۱۲ء میں، بلقان کے عیسائیوں نے، تُرک مسلمانوں کے خلاف، علَمِ بغاوت، بلند کیا۔ اور ان کے خلاف، اعلانِ جنگ کر دیا۔ اِس سنگین موقع پر بھی امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ نے تُرک مسلمانوں کے عملی تعاون کی طرف، فوراً، توجہ، مبذول فرمائی۔

اس کے بعد کے حالات ومعاملات میں بھی آپ کا، یہ عمل، یہ قیادت اور فکری سیاست کا سلسلہ، تاحیات، جاری رہا۔ تفصیل وتحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیں، مندرجہ ذیل مَراجع ومآخِذ:

ص ۴۳۴ تا ص ۴۳۶۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' مؤلّفہ: مولانا ظفر الدین، قادری، رضوی عظیم آبادی۔ مطبوعہ: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ و''تدبیرِ فلاح ونجات و اصلاح'' مؤلّفہ: امام احمد رضا، بریلوی۔ مطبوعہ حسنی پریس، بریلی ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء۔ و ''برکاتِ مارہرہ ومہمانانِ بدایوں'' مؤلّفہ سید محمد میاں، برکاتی، مارہروی۔ مطبوعہ بریلی۔ و ماہنامہ ''اَلسَّوَادُ الْاَعْظَم'' مرادآباد۔ شمارہ شعبان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء وبعض دیگر شمارے۔ اور ''عُلماے اہلِ سنّت کی بصیرت وقیادت''۔ مؤلّفہ یٰسین اختر مصباحی۔ مطبوعہ: مجلسِ فکرِ رضا، لدھیانہ، پنجاب۔

جنگِ بلقان ۱۹۱۲ء کے نازک حالات میں امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ نے مسلمانانِ متحدہ ہند کو حمایت واعانتِ تُرک کا، یہ نہایت صحیح وقابلِ عمل اور مفید ومؤثر طریقہ بتایا کہ:

''جُملہ مسلمان، اپنی ایک ماہ کی آمدنی، جمع کر کے، اُسے، تُرکوں تک معتبر ذرائع سے پہنچائیں۔ اِس طرح، ایک ماہ کی تنخواہ کے ذریعہ لاکھوں پونڈ، جمع ہو جائیں گے۔ اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے گیارہ ماہ کی تنخواہ سے بارہ ماہ، گذارا کر لینا، کچھ مشکل اور دشوار گذار کام، نہ ہوگا۔'' (رسالہ ''تدبیرِ فلاح ونجات واصلاح'' مؤلّفہ: امام احمد رضا۔ مطبوعہ بریلی۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء۔ مَشمولہ ''فتاویٰ رضویہ، مترجَم'' جلد ۱۵۔ مطبوعہ پاک وہند)۔

حضرت مولانا ظفر الدین، قادری، رضوی، عظیم آبادی (متوفی جمادیٰ الآخرہ ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۲ء) تلمیذ وخلیفۂ امام احمد رضا، بریلوی وسابق پرنسپل شمسُ الھدیٰ، پٹنہ، صوبہ بہار اپنے مشاہدات وتجربات کی روشنی میں اپنے احساسات وتأثرات، اِس طرح تحریر فرماتے ہیں:

''وہ (امام احمد رضا، بریلوی) ہزار دل وجان سے مسلمانوں کی خیر خواہی چاہتے تھے۔ ہمیشہ، ان کے لئے دعا کیا کرتے تھے۔ اور وقتِ ضرورت، مالی اِمداد سے بھی، دریغ نہ فرماتے بلکہ دل کھول کر خود بھی چندہ دیتے اور مُریدین ومُعتقدین کو بھی، اس کی طرف، متوجہ فرماتے۔

جس وقت، جنگ، روس وروم کی نمودار ہوئی اعلیٰ حضرت، مولانا احمد رضا کا عُنفوانِ شباب تھا۔ صرف ہندوستان نہیں، بلکہ ساری دنیا، تُرکوں کے ساتھ تھی۔ اس وقت، تُرکوں کی حفاظت کے لئے جو چندے، بریلی میں ہوئے تھے اس میں اعلیٰ حضرت، امام اہلِ

سنّت اور ان کے والد ماجد، حضرت مولانا نقی علی خاں بریلوی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِمَا کا بہت بڑا حصہ تھا، جو کسی دوسرے مولوی کا، نہ تھا۔ اِسی طرح، جب، روم و یونان میں جنگ کا اعلان ہوا تو ابوالوقت، سَیْفُ اللّٰہِ الْمَسْلُوْل، مولانا شاہ، ہدایت رسول، ابوالحسینی، رضوی (لکھنوی) رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ، جو، اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم تھے۔

یعنی اعلیٰ حضرت کے خیالات وارشادات واعتقادات کو اپنے مواعظِ حَسَنہ و تحریراتِ فصیحہ وبلیغہ سے ظاہر فرماتے تھے۔ انھوں نے، بمبئی میں ایک اخبار ''مسلم ہیرالڈ'' میں مسلسل مضمون تُرکی کے سلطانُ المعظَّم کی حمایت میں لکھنا، شروع کیا اور اپنے وعظوں اور نجی گفتگو میں سلطانِ معظَّم کی مدحت وثنا فرمایا کرتے تھے۔ یہ سب، اعلیٰ حضرت ہی کے خیالات تھے، جو، ان کی زبان وقلم سے ظاہر ہوتے تھے اور ''اخبارِ وطن'' لاہور میں، شیدائے سلطانُ المعظَّم، مولوی انشاء اللہ، مرحوم کے ملاحظہ کرنے والے سے، مخفی نہیں۔

جب، ۱۳۲۷ھ میں ''انور بے'' وغیرہ نے، سلطانُ المعظَّم، عبدالحمید خاں کے خلاف سازش کی اور ان کو تخت چھوڑنے پر مجبور کیا اور سلطانُ المعظَّم نے، دوراندیشی سے کام لیا اور بغیر ایک قطرۂ خون بہائے، ملک میں اس انقلابِ عظیم کو ہونے دیا اگرچہ، اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت ''انور بے'' وغیرہ کی اس حرکت کو، پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے۔ (کیوں کہ وہ خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ:

یہ ان تُرکی نوجوانوں میں محض، یورپ کی نقالی ہے اور وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کا ذکر محض، مسلمانوں کو، موہنے کے لئے کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ، یہ ہوا کہ سلطنتِ تُرکی کو تباہ کر دیا، تو، وہ خود بھی، تباہ وبرباد ہو گئے) مگر، سلطانُ المعظَّم کی بہت تعریف کرتے تھے کہ:

مسلمانوں کے خون کی قدر کی اور اپنی سلطنت واِقتدار کی پروانہ کی اور شاعر کے اِس مصرع – نیرزَد کہ خونے چکد برزمین – کو سچا کر دکھایا اسی طرح، جب ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۱ء) میں اٹلی نے طرابلسُ الغرب پر حملہ کر دیا تو اس سے، ساری دنیاے اسلام میں یورپ کے خلاف، رنج وغم کی لہر دوڑ گئی۔ اور ہر شخص، بقدرِ حیثیت، اس میں حصہ لینے لگا۔ حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب (صدر شعبۂ علومِ اسلامیہ علی گڑھ کالج) بریلی تشریف لائے

اور مسلمانانِ بریلی کو، اس طرف، متوجہ فرمایا۔ اُن دِنوں ’’مسجد بی بی جی‘‘ میں، جہاں، اعلیٰ حضرت کا مدرسہ ’’منظرِ اسلام‘‘ تھا مسلمانانِ اہلِ سنّت، بریلی کا اِجتماع ہوا۔ اور حضرت مولانا سید سلیمان اشرف نے، پُر زور تقریر فرمائی۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سنّت، مولانا الشّاہ احمد رضا نے اپنی طرف سے مبلغ پانچ سو (۵۰۰/=) روپے، عنایت فرمائے۔ پھر، کیا تھا، چندوں کی بارش، شروع ہوگئی اور موسلا دھار بارش کی حیثیت، ظاہر ہوئی۔ تیرہ ہزار روپے (۱۳۰۰۰/۰۰=) جمع ہوگئے اور صرف یہی نہیں، بلکہ اسی زمانہ میں، حامیِ دین وملّت، ناصرِ اہلِ سنّت، جناب، حاجی محمد لعل خاں صاحب قادری، رضوی (مدراسی) منیجر، حاجی عبداللہ علی رضا، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ خلیفۂ مجاز اعلیٰ حضرت کے ایک سوال کے جواب میں، پُر زور تحریر، حوالۂ قلم فرمائی۔

اور مسلمانانِ تُرکی کی اِمداد کی صورتیں بتائیں۔‘‘ اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (ص ۴۳۴ تا ص ۴۳۶۔ ’’حیاتِ اعلیٰ حضرت‘‘، مکمل۔ مؤلّفہ: مولانا ظفرالدین، قادری رضوی، عظیم آبادی۔ مطبوعہ: مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ سالِ تالیف ۱۹۳۸ء) قارئینِ کرام، غور فرمائیں کہ:

امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی (متوفی ۱۹۲۱ء) قُدِّسَ سِرُّہٗ نے اپنے آخری دَورِ حیات میں ضعف وناتوانی کے باوجود، عالَمِ اسلام کے، سبھی اہم مِلّی واجتماعی مسائل ومشکلات وحادثات میں کس طرح پوری بیدار مَغزی وسرگرمی کے ساتھ دل چسپی لے کر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی اور اصلاحِ احوال ومفادِ ملّت کی راہ میں ایسی عِلمی وعَملی جدوجہد فرماتے رہے، جو ایک فرض شناس ودیدہ وَر عالمِ دین وصاحبِ بصیرت وفراست، راسخُ العلم فقیہِ اسلام وقائدِ اہلِ اسلام کے شایانِ شان ہے۔ امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ کی مِلّی قیادت اور فکری سیاست کا ایک عَملی نمونہ، یہ بھی ہے کہ:

۱۹۱۷ء میں، سیلف گورنمنٹ، یعنی حکومتِ خود اختیاری کے سلسلے میں جب، ہندوستان بھر میں اعلیٰ سطحی گفتگو چل رہی تھی اور اُس دَور کے نہایت بااثر اور سرگرم عالم وقائد، حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، لکھنوی (رجب متوفی ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) نے، اس موضوع پر، تبادلۂ خیال کر کے ایک واضح اور متحدہ مسلم موقف اپنانے کے لئے

ملک کے مختلف الفکر مشاہیر عُلما کی اپنے یہاں، نمائندہ میٹنگ رکھی۔ اور اس کا دعوت نامہ، امام احمد رضا، بریلوی قُدِّسَ سِرُّہٗ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے، حجۃ الاسلام، حضرت مولانا حامد رضا، بریلوی (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) وصدرالشریعہ، حضرت مولانا مفتی محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (متوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) ودیگر جلیلُ القدر عُلما پر مشتمل ایک باوقار وفد اپنی نمائندگی کے لئے لکھنؤ بھیجا۔ جس نے، اس میٹنگ میں شرکت کر کے، نمایاں انداز میں حصہ لیا۔

حادثۂ مسجد کان پور:

۱۰/رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ/۱۳/اگست ۱۹۱۳ء کو مسجد، مچھلی بازار، کان پور کا حادثہ ہوا، جس میں کئی مسلمان، شہید اور بہت سے مسلمان، شدید زخمی ہوئے۔ اس حادثہ نے، ہندوستان کی مسلم سیاست کو، کافی گرم کر دیا۔ اس مسجد کا وضوخانہ توڑ کر حکومت نے، اسے، سڑک میں، شامل کر لیا تھا، جس کے خلاف مسلمانانِ کان پور نے شدید احتجاج کیا اور جلوس کی شکل میں مسجد پہنچ کر، وضوخانہ کو چُننا، شروع کیا جس کی روک تھام کے لئے مسٹر بٹلر، ڈپٹی کمشنر کان پور نے پولیس کا اور پھر فوج کا استعمال کیا حالات کی نزاکت واہمیت کے پیشِ نظر، وائسرائے گورنر جنرل، لارڈ ہارڈِنگ نے کانپور کا، دورہ کیا۔ مسجد اور مچھلی بازار کا معائنہ کیا۔ مسلمانوں کے شدید احتجاج کے بعد، ایک طرف، وائسرائے گورنر جنرل نے اس حادثہ میں گرفتار مسلم قیدیوں کو، رہا کرنے کا حکم دیا۔ تو، دوسری طرف، اہلِ سنّت کے جلیلُ القدر عالم، حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی محلی لکھنوی (وصال رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) نے، عُجلت پسندی میں وضوخانہ چھوڑنے کا اعلان کر دیا۔

حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی اور سَر، علی امام، ممبر وائسرائے کونسل وراجہ محمود آباد کے درمیان، مصالحتی گفتگو، کچھ اِس طرح، ہوئی کہ:

’’قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ ملزموں سے مقدمہ اٹھا لیا جائے۔ مظلوموں کی مالی امداد کی جائے۔ لیکن، مسجد کا جو حصہ توڑ دیا گیا ہے، وہ اب، اسی طرح چھوڑ دیا جائے اور مسلمان، اس کی تعمیرِ جدید پر، اِصرار نہ کریں۔‘‘

حیرت ہے کہ مذکورہ گفتگو ’’صلح‘‘ کے نام سے، جب اخبارات میں چھپ کر مشہور

ہوئی تو اس کی تائید میں مضامین لکھے گئے، جابجا، تہنیتی جلسے ہوئے۔ قارئین، غور فرمائیں کہ مسجد کا ٹوٹا ہوا وضوخانہ، دوبارہ، اس مسجد میں شامل نہیں ہوا جس کی بازیابی، مسلمانانِ کانپور کا اصل مقصد تھا اور اسی لئے انھوں نے اپنی جان و مال کا نذرانہ، پیش کیا اور قید و بند کے مصائب، برداشت کیے۔

۱۹۱۳ء کے حادثۂ مسجد، مچھلی بازار، کان پور کے بارے میں امام احمد رضا، قادری، برکاتی بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے، مسلمانوں نے اِستفتا کیا۔ تو آپ نے، صاف و صریح الفاظ میں فتویٰ، جاری کیا کہ: مسجد کا وضوخانہ، جُزوِ مسجد ہے، جسے مسجد سے کسی قیمت پر، الگ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اور ایسی کسی مصالحت کو قبول کرنا، جس میں وضوخانہ سے، دست برداری ہو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں۔ یہ مصالحت نہیں، بلکہ ظلم وتعدّی ہے اور حقِ مسجد کو، غصب کرنا ہے۔'' تفصیل اور فقہی تحقیق کیلئے ملاحظہ فرمائیں:
اِبَانَۃُ الْمُتَوَارِی فِی مُصَالَحَۃِ عبدِالباری۔ مطبوعہ، بریلی۔

۱۹۱۳ء میں، مچھلی بازار، کانپور کی مسجد کا ایک حصہ، مسجد کے پاس سے سڑک نکالتے وقت جب حکومت نے سڑک میں دبالیا، تو اس پر مسلمانوں کی طرف سے سخت احتجاج ہوا حتیٰ کہ گولی چلی اور بہت سے مسلمان، شہید ہوئے۔ آخر کار ۱۶/اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمان معززین کا ایک وفد، جس میں مولانا عبدالباری، فرنگی محلی وراجہ صاحب محمود آباد اور سَر علی امام، وغیرہ، شامل تھے۔ لیفٹیننٹ گورنر سے ملا۔ اور پھر ۱۴/اکتوبر ۱۹۱۳ء کو، ان حضرات نے مسلمانوں کی طرف سے وائسرائے ہند سے، چند شرائط پر صُلح کرلی، جن میں ایک شرط، یہ تھی: چوں کہ مسجد کی سطح، زمین سے کئی فٹ بلند ہے اِس لئے جس جگہ، غسل خانے، واقع تھے، وہ، بدستور، تعمیر کرلیے جائیں گے۔ لیکن، نیچے کی زمین پر، فٹ پاتھ بنادیا جائے گا، تاکہ راہ رَو، اس پر سے گذر سکیں۔ (ص ۳۲۵۔ اعمال نامہ۔ از، سر رضا علی۔ مطبوعہ دہلی)

اس معاہدے کے سلسلے میں، جب مولانا محمد سلامت اللہ صاحب (نائب مُنصرِم مجلسِ مؤیّد الاسلام، لکھنؤ) نے ۳۰/ ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء کو، فرنگی محل (لکھنؤ) سے امام احمد رضا کی خدمت میں ایک استفتا بھیجا۔ تو امام احمد رضا کی طرف سے جوابِ اِستفتاء میں

چند امور کی وضاحت، طلب، کی گئی۔ تاکہ کوئی بات، ڈھکی چُھپی نہ رہے۔ تحقیق و تفتیش کے بعد فتویٰ، صادر کیا گیا۔ اس میں نہ انگریزی حکومت کی رعایت کی اور نہ اپنے دوست، مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کی امام احمد رضا، انگریز کو، تو خاطر میں نہ لاتے تھے، البتہ، دوست کا پاسِ خاطر، ضروری تھا۔ مگر اس کی پروا کیے بغیر، فیصلہ، صادر فرمایا— خود، تحریر فرماتے ہیں:

''میں نے، ایک مدت تک، تعویق کی، اخبارات منگا کر دیکھے کہ: نظر بواقعات، اس کارروائی کی کوئی صحیح تاویل پیدا ہوسکے۔ مگر، افسوس کہ جتنا خوض و تفتیش سے کام لیا، اس کی شناعت ہی بڑھتی گئی۔ ناچار، جواب، خلافِ احباب دینا پڑا کہ اظہارِ حق، لازم تھا۔ عالِم مذکور (مولانا عبدالباری) سے مَراسمِ قدیم حفظِ حُرمتِ اسلام و رفعِ غلط فہمیِ عوام پر، بِحَمْدِاللّٰہِ تَعَالیٰ، غالب نہ آسکتے تھے۔ (ص ۸۔ اِبَانَۃُ الْمُتَوَارِی فِی مُصَالَحَۃِ عَبدالباری (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء) از مولانا احمد رضا بریلوی۔ مطبوعہ بریلی)

چوں کہ یہ شرط، مسئلۂ اسلامی ''وقف بِالعوض، یا بِلا عوض، قابلِ انتقال نہیں'' کے خلاف تھی اس لئے امام احمد رضا، بریلوی نے، نہ انگریز لیفٹیننٹ گورنر کی پروا کی۔ اور نہ وائسرائے ہند کی— اور، نہ اپنے دوست، مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کی۔ امام احمد رضا، غاصب و ظالم، انگریزی حکومت کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور لفافے پر ٹکٹ، ہمیشہ، اُلٹا لگایا کرتے تھے۔ تاکہ ملکۂ برطانیہ، یا۔ جارج پنجم، جس کی بھی تصویر ہو، اُس کا سر، نیچا ہو جائے۔ آپ انگریزی کورٹ میں چارہ جوئی کو اسلامی اور معاشی نقطۂ نظر سے مہلک، تصور کرتے تھے چنانچہ، ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء میں امام احمد رضا نے مسلمانوں کی اِصلاحِ حال کے لئے چند تدابیر، پیش کی تھیں۔ جن میں پہلی تدبیر و تجویز کا، ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

اولاً: باِستثناء اُن معدود باتوں کے، جن میں حکومت کو، دست اندازی ہو۔ اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے۔ اپنے سب مقدمات، اپنے آپ، فیصل کرتے یہ کروڑوں روپے، جو اِسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے ہیں گھر کے گھر، تباہ ہوگئے اور ہوتے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔ (ص ۵، تدبیرِ فلاح و نجات و اصلاح (۱۳۳۱ھ/۱۹۱۲ء) از مولانا احمد رضا۔ مطبوعہ لاہور)۔

تحریکِ خلافت وتحریک تَرکِ موالات:

آغازِ تحریکِ خلافت اور خلافت کانفرس کے بارے میں سید طفیل احمد، منگلوری، علیگ اپنی مشہور تاریخی کتاب ''مسلمانوں کا روشن مستقبل'' (طبعِ اول ۱۹۳۷ء۔ طبعِ ثانی ۱۹۳۸ء) میں لکھتے ہیں: ''۱۹۱۸ء میں، تُرکوں کو، شکست ہوگئی اور ۳؍نومبر ۱۹۱۸ء کو تُرکوں نے، اِلتوائے جنگ کے معاہدے پر، دستخط کردیے۔ مگر انگریزوں نے، فوراً ''موصل'' پر، پیش قدمی، شروع کردی اور ''قسطنطنیہ'' پر قبضہ کرلیا۔ اور مسٹر وِلسن کے اصول، تسلیم کرلینے کے باوجود سلطنتِ تُرکی کو، اِتّحادیوں نے تقسیم کرکے، اس کا نام، حکم برداری رکھا۔ اس سے، دنیائے اسلام میں ہل چل ہوگئی اور اس کے اثرات، ہندوستان میں بھی پہنچے اور جگہ جگہ، مسلمانوں کے جلسے ہونے لگے، جن میں خاص جلسے، حسبِ ذیل تھے:

(۱) ۱۷؍جنوری ۱۹۱۹ء کو، مدراس میں، بہ صدارت، سیٹھ یعقوب حَسَن۔

(۲) ۲۶؍جنوری ۱۹۱۹ء کو، بہ صدارت، مولانا قیام الدین عبدالباری (فرنگی محلی)

(۳) ۲۲؍ستمبر ۱۹۱۹ء کو، لکھنؤ میں آل انڈیا مسلم کانفرنس کے نام سے۔

(۴) ۲۲؍نومبر ۱۹۱۹ء کو، دہلی میں، بہ صدارت، آنریبل مسٹر فضلُ الحق (کلکتہ)

خلافت کانفرنس کے نام سے آخرُ الذِکر جلسہ میں یہ جماعت، مستقل طور پر قائم کی گئی۔ ان ابتدائی جلسوں کے بعد، خلافت کانفرنس کا پہلا اجلاس، آخرِ دسمبر ۱۹۱۹ء میں بہ مقام امرتسر (پنجاب) بہ صدارت، مولانا شوکت علی، منعقد ہوا خلافت کانفرنس کا اِجلاس، اگرچہ، صرف مسلمانوں سے مخصوص تھا مگر، اس وقت، وہ عجیب ''مَعجونِ مُرکّب'' بن گیا تھا۔ اس میں ہندو مسلمان، یکساں جوش کے ساتھ، شریک تھے۔ خلافت کانفرنس کا دوسرا اِجلاس ۱۵؍فروری ۱۹۲۰ء کو زیر صدارت، مسٹر غلام محمد، بھرگری، بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں قرار پایا کہ: خلافت کا ایک وفد، انگلستان بھیجا جائے۔'' الخ (ص: ۴۹۴ تا ۴۹۶ ''مسلمانوں کا روشن مستقبل''۔ مؤلّفہ سید طفیل احمد، منگلوری، علیگ۔ مطبوعہ مکتبۃُ الحق، ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی۔ رمضان ۱۴۲۲ھ/نومبر ۲۰۰۱ء)

تُرکی حکومت وسلطنت اور تُرک سلاطین کی تائید وحمایت سے متعلق فتاویٰ رضویہ

میں متعدد فتاویٰ، مطبوع وموجود ہیں۔ مسئلۂ خلافت سے متعلق، امام احمد رضا کا ایک تحقیقی و تفصیلی فتویٰ ہے: بنام دَوَامُ العَیُش فِی الْاَئِمَّۃِ مِنُ قُرَیش (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء)۔

امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے وصال ۱۹۲۱ء کے بعد ۲۵؍ربیع الاول ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء کو، حَسنی پریس، بریلی سے، اس کی طباعت واِشاعت ہوئی۔ جس میں آپ، تحریر فرماتے ہیں: ''سلطنتِ عَلِیَّہ عُثمانیہ، اَیَّدَھَا اللّٰہُ تعالیٰ، نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنتِ اسلام نہ صرف سلطنت، ہر جماعتِ اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے-اس میں، شرطِ قرشیت ہونا، کیا معنی؟ دل سے خیر خواہی، ہر مسلمان پر فرض ہے اور وقتِ حاجت، دُعا سے اِمداد واِعانت بھی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے، کوئی، عاجز نہیں۔ اور مال، یا اَعمال سے اِعانت، فرضِ کفایہ ہے۔ اور ہر فرض، بقدرِ قدرت، ہر حکم، بشرطِ اِستطاعت۔

بادشاہِ اسلام، اگرچہ، غیر قرشی ہو، اگرچہ، کوئی غلام حبشی ہو اُمورِ جائزہ میں اس کی اِطاعت، تمام رعیَّت، اور وقتِ حاجت اس کی اِعانت، بقدرِ اِستطاعت، سب اہلِ کفایت پر لازم ہے۔ البتّہ، اہلِ سُنَّت کے مذہب میں خلافتِ شرعیہ کے لئے ضرور، شرطِ قرشیت ہے۔ اس بارے میں، رَسُولُ اللّٰہِ صَلّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے متواتر حدیثیں (مَروِی ومَنقول) ہیں۔ اسی پر، صحابہ کا اِجماع، تابعین کا اِجماع، اہلِ سُنَّت کا اِجماع ہے۔ اس میں مخالف نہیں، مگر، کچھ خارجی، یا۔ معتزلی۔ کتبِ عقائد وکتبِ حدیث وکتبِ فقہ، اس سے مالا مال ہیں۔ اَقُولُ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیُق ۔ اسمِ خلافت میں یہ شرعی اصطلاح ہے، جُملہ صدیوں میں، اسی پر، اِتفاقِ مسلمین رہا۔'' الخ۔ (ص: ۴-۱۷۴۔ فتاویٰ رضویہ، مترجَم۔ ج ۱۴۔ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)۔

تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) اور تحریکِ ترکِ موالات (۱۹۲۰ء) کے ہنگامی دَور کا ایک نہایت افسوسناک پہلو، یہ ہے کہ: بعض عُلمانے ''خلافت'' اور ''موالات'' کی غلط تعبیر و تشریح کی۔ اور ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے، ان دونوں شرعی اصطلاحات کا غلط مفہوم، پیش کیا۔ جسے، ان کے حامی، مسلم لیڈر لے اُڑے اور ہندوستان بھر میں ایک ہنگامۂ محشر، برپا کردیا۔ ''خلافت'' ایک شرعی اصطلاح ہے اور تمام عُلمائے اہلِ سنّت، مثلاً: حجۃُ الاسلام،

امام محمد غزالی وحضرت شاہ ولی اللہ، محدّث دہلوی، وغیرہُما کے نزدیک خلیفۂ شرعی کے لئے قریشی ہونا، شرط ہے۔ جب کہ آلِ عثمان، یعنی، تُرکی سلاطین غیر قریشی ہونے کی وجہ سے خلیفۂ شرعی، نہیں تھے اور نہ ہی انھوں نے، کبھی، اس کا دعویٰ کیا کیوں کہ وہ سب، اہلِ سنّت و جماعت تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ، بمعنی حاکم وسلطان اور خلافت بمعنی حکومت وسلطنت ہی، صحیح ہے۔ اور یہی، مراد لیا جانا چاہیے تھا۔ مگر، اس کے برعکس ہوا۔ یہی حال، تحریکِ تَرکِ موالات کے سلسلے میں ہوا۔ اَلْمُوَالاۃ کا، مادّۂ اشتقاق، اَلْوَلا ہے۔ یعنی۔ محبت ومودّت۔

بعض عُلما اور ان کے حامی مسلم لیڈروں نے جذبات کے دھارے میں بہتے ہوئے تحریکِ عدم تعاون، جو، نان کوآپریشن موومنٹ کا صحیح ترجمہ اور مطلب ہے اُسے، نظر انداز کرتے ہوئے، تحریکِ تَرکِ موالات کے نام سے شہرت دے دی۔ حالاں کہ موالات، ہر کافر ومشرک سے حرام ہے۔ خواہ، وہ کسی رنگ ونسل اور کسی ملک ووطن کا ہو۔ جب کہ اس تحریک کے دَوران، عَملاً، یہ ہو رہا تھا کہ: انگریزوں کا مقاطعہ اور مشرکوں سے موالات۔ نہایت تلخ حقیقت، یہ ہے کہ:

''خلافت'' اور ''موالات'' کے لئے آیات واحادیث کا استعمال کر کے لیڈروں نے، اپنی سیاست کی راہ، ہموار کی اور بعض عُلما، ان کی سیاست کا شکار ہوگئے۔ حکومت وسلطنتِ تُرکی کی حمایت واِعانت کے سلسلے میں امام احمد رضا اور بعض دیگر اکابر عُلماے اہلِ سُنّت کا واضح مَوقف، یہ تھا کہ:

''اگرچہ، سلطانِ تُرکی، بوجہ فُقدانِ شرطِ قرشیت، شرعی اصطلاحی خلیفہ، نہیں تاہم، سلطنتِ تُرکی کی حفاظت واِعانت، ہر مسلمان پر، بقدرِ اِستطاعت، فرض ہے۔ عالَمِ اسلام اور وسیع وعریض سلطنتِ تُرکی میں واقع مقاماتِ مقدّسہ اور آثارِ شریفہ کی حفاظت وصیانت، ہر مسلمان کا اوّلین فریضہ ہے۔ مگر، اِستطاعت، شرط ہے۔''

تفصیل وتحقیق کے لئے تحریکِ خلافت وتحریکِ تَرکِ موالات کے دَور کی مطبوعہ مندرجہ ذیل کتب ورسائل کا مطالعہ فرمائیں:

(۱) **دَوَامُ الْعَیش فِی الْاَئِمَّۃِ مِنْ قُرَیش۔** (۱۳۳۹ھ) مؤلّفہ: امام احمد رضا،

قادری، برکاتی، بریلوی۔ مطبوعہ: بریلی

(۲) **بَرکاتِ مارَہرہ ومہمانانِ بدایوں** (۱۳۴۰ھ) مؤلّفہ: سید اولادِ رسول محمد میاں، قادری، برکاتی، مارہروی، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی۔

(۳) **طُرُقُ الْھُدیٰ وَالْاِرشَادِ اِلیٰ اَحکَامِ الْاِمَارَۃِ وَالْجِھَاد۔** (۱۳۴۱ھ) مؤلّفہ: مولانا الشّاہ مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی۔ مطبوعہ بریلی۔

تحریکِ تَرکِ موالات

گذشتہ صفحات میں تحریکِ خلافت کے ساتھ، تحریکِ تَرکِ موالات کے بارے میں بھی لکھا جاچکا ہے۔ تاہم، بعض اہم پہلوؤں کی واضح نشان دہی کے لئے ''تحریکِ تَرکِ موالات'' کے عنوان سے مزید کچھ چیزیں، پیش کی جارہی ہیں۔ جن سے اِس تحریک کے کچھ نئے گوشے اور مقاصد ونتائج، واضح ہوکر سامنے آجائیں گے۔ اپنے منصوبہ کے مطابق، تحریکِ خلافت کی جذباتی سرگرمیوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی وجواہر لال نہرو اور ان کے بعض دوسرے ساتھیوں نے، نہ صرف یہ کہ کھل کر مسلم لیڈروں کا ساتھ دیا، بلکہ کانگریس نے، انہیں ایام میں بماہ اگست ۱۹۲۰ھ تحریکِ عدم تعاون کا اعلان کر کے، اپنے اصل منصوبے کی طرف، پیش قدمی کردی۔ حضرت مولانا عبد الباری، فرنگی محلی، لکھنوی (متوفی رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء)۔

تحریکِ خلافت کے مرکزی قائد اور فرنگی محل، لکھنؤ کے معروف سنّی عالمِ دین تھے۔ اُن کا ''تحریکِ عدمِ تعاون'' اور ''تحریکِ تَرکِ موالات'' کے دَوران، یہ حال تھا کہ خواجہ حسن نظامی، دہلوی (متوفی ۱۹۵۴ء) کے نام، اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

مُکرَّمی دَامَ مَجدُھُم – اَلسَّلامُ عَلَیکُم –

جناب کا تار، موصول ہوا۔ فقیر ''نان کوآپریشن'' کے مسئلے میں بالکل، پَس رَو، گاندھی صاحب کا ہے۔ کیوں کہ اس طریق کار کا، واقف نہیں ہے۔ ان کو، اپنا راہنما بنا لیا ہے۔ جو، وہ کہتے ہیں، وہی مانتا ہوں۔ میرا حال، تو، سرِ دست، اِس شعر کے موافق ہے:

عُمرے کہ بآیات واحادیث گذشت رفتی ونثارِ بُت پَرستے کردی (ص:۱۰۷، مہاتما گاندھی کا فیصلہ۔ از خواجہ حسن، نظامی۔ مطبوعہ: دِلّی پرنٹنگ پریس۔ دِلّی ۱۹۲۰ء)

تحریکِ تَرکِ موالات کے چوٹی کے لیڈر، مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) نے، یہاں تک کہہ دیا کہ: ’’حکومت سے تَرکِ موالات، اس طرح، فرض ہے جس طرح، نماز اور روزہ اور دوسرے اَرکانِ اسلام، فرض ہیں۔‘‘ (ص۱۶۴۔ تبرکاتِ آزاد۔ از غلام رسول، مہرؔ۔ مطبوعہ دہلی ۱۹۶۳ء)

اصل مقصدِ تحریک از تحریکِ خلافت، تا تحریکِ تَرکِ موالات کی نقاب کشائی کرتے ہوئے مولانا ابوالکلام آزاد کہتے ہیں کہ:

’’کوشش اور لڑائی، صرف اَماکنِ مقدسہ اور خلافت کے لئے نہیں بلکہ، ہندوستان کو، حکومتِ خود اختیاری، دلانے کے لئے ہے۔ اگر، خلافت کا، خاطر خواہ فیصلہ ہو بھی جائے، تاہم، جد و جہد جاری رہے گی۔ اُس وقت تک کہ ہم، گنگا و جمنا کی مقدس سرزمین، آزاد نہ کرالیں۔‘‘ (اشتہار، از یوسف، کھڑک پوری۔ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۰ء وص:۲۴۔ دَوَامِغُ الْحَمِیر۔ مطبوعہ بریلی ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۰ء)۔

’’ہم، تَرکِ موالات کے ذریعہ، ملک کو موجودہ غلامی کی حالت سے نکال کر آزاد کرانا چاہتے ہیں۔‘‘ (ص:۲۲، تَرکِ موالات، از محمد اَبرار صدیقی، مدینہ پریس، بجنور، ۱۹۲۰ء)

’’انگریز دشمنی‘‘ کی آڑ میں ’’مُشرِک دوستی‘‘ کی اور مسئلۂ خلافت و موالات کی صورت، مَسخ کر کے اپنے سیاسی عزائم کی تکمیل کی شورِش نیز، شریعت مخالف بیانات واِقدامات کی، عُلمائے اہلِ سُنَّت کی غالب اکثریت نے شدید مخالفت کی۔ یہی خیالات وکیفیات اور حالات دیکھ کر، امام احمد رضا، بریلوی، تحریر فرماتے ہیں:

’’یہ کون سا دین ہے؟ نصاریٰ کی اَدھوری سے اِجتناب۔ اور مشرکین کی ’’پوری‘‘ میں غرق آب؟ فَرَّمِنَ الْمَطَرِ وَ وَقَفَ تَحْتَ الْمِیْزَاب ۔ مینہ سے بھاگ کر، چلتے پرنالہ کے نیچے، ٹھہرے۔‘‘ (ص:۱۴، اَلْمَحَجَّةُ الْمُؤْتَمَنَة، مطبوعہ بریلی۔ مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد ۱۴۔ مطبوعہ لاہور)۔

عبد القوی، دِسنَوِی، اُس دَور کی اِتحادی سیاست کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’۱۹۱۹ء میں، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان، اتحاد کا، اِس قدر، زور تھا کہ: کلکتہ اور دہلی کے مسلمانوں نے غیر مسلموں کو بھی جلسوں میں شریک ہونے کے لئے مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دی تھی۔ دہلی کے مسلمانوں نے، شَر دَھانَند سے جامع مسجد میں تقریر کرائی۔‘‘ (ص:۶۶۔ ابوالکلام آزاد۔ از عبد القوی، دِسنَوِی۔ ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی۔ ۱۹۸۷ء)۔

پنجاب کے مشہور عالم و شیخِ طریقت، حضرت سید مہر علی شاہ، چشتی (گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی، پنجاب۔ وصال ۱۳۵۶ھ/ ۱۹۳۶ء) فرماتے ہیں کہ:

’’یہود اور مشرکین کی عداوت، قرآن شریف میں، صراحۃً، مذکور ہے۔ پس، تَرکِ موالات، ہندو اور انگریز اور یہود، سب سے ہونی چاہیے۔ تفریق اور ترجیح بِلا مُرَجِّح، ٹھیک نہیں۔‘‘ (ص:۲۷۴۔ باب ۵، فصل ۷۔ مہرِ منیر۔ مؤلَّفہ مولانا فیض احمد۔ مطبوعہ پاک و ہند)

بریلی کے اِجلاسِ جمعیۃ العُلَماے ہند۔ مارچ ۱۹۲۱ء/ رجب ۱۳۳۹ھ میں مولانا سید سلیمان اشرف، صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ کالج (وصال ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) نے، مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) و مفتی کفایت اللہ، دہلوی (متوفی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء) وغیرہ کو، مخاطب کرتے ہوئے، واضح کیا کہ:

’’ہمیں، تُرکی کی اسلامی سلطنت کی ہمدردی و اِعانت سے انکار نہیں۔ یہ امداد و اِعانت تمام مسلمانانِ عالَم پر، فرض ہے۔ نہ ہی ہم، انگریزوں کی دوستی کو، جائز، قرار دیتے ہیں۔ موالات، ہر نصرانی و یہودی سے، ہر حال میں حرام اور حرامِ قطعی ہے۔ ہمیں تو، ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بنا پر کیے جانے والے غیر اسلامی افعال و اقوال سے اختلاف ہے۔‘‘ (رودادِ مناظرہ، طبعِ دوم۔ مرتَّبہ: جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی۔ مطبوعہ: نادری پریس بریلی ۱۹۲۱ء)

جمعیۃُ العُلما کے اِس اِجلاسِ بریلی، منعقدہ رجب ۱۳۳۹ھ/ مارچ ۱۹۲۱ء میں مولانا سید سلیمان اشرف نے عُلماے اہلِ سُنَّت کا مَوقف، بڑی جرأت اور نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ، بیان کیا۔ آپ کے بیان کے بعض اہم حصے، درجِ ذیل ہیں:

’’فقیر کی حاضری کی غایت اور خطاب کا مقصد، صرف اِس قدر ہے کہ: نہایت

وضاحت وصراحت سے اَمْرِ مَابِہٖ الْاِتفاق اورمَابِہٖ الْاِختلاف کوآپ حضرات کے سامنے، پیش کردوں۔

مسئلۂ خلافت وتحفظ وصیانتِ اَماکنِ مقدسہ اورتَرکِ موالات ، یہ وہ مسائل ہیں، جن میں نہ صرف ، یہ فقیر، بلکہ تمام عُلماے کرام، نہیں ، بلکہ تمام عامّۂ مسلمین، ہمیشہ، متفقُ اللّسان ہیں۔ تُرکوں کی خلافت بمعنی قوتِ دفاعی، ایک امرِ مسلّم ہے۔ خدمتِ حرمین شریفین ہر مسلمان پر، فرضِ کفایہ ہے۔ نیز، محافظتِ حرمین شریفین بھی، فرضِ کفایہ ہے۔

سلطنتِ تُرکی، علاوہ ازیں کہ اسلام کی قوتِ دفاعی ہے، ہم مسلمانوں کی طرف سے ان دونوں کے فریضہ کوانجام دینے والی ہے۔'' (ص۔ رودادِ مناظرہ۔ مُرتَّبہ شُعبۂ علمیہ جماعت رضاے مصطفیٰ، بریلی۔ طبعِ دوم، نادری پریس، بریلی) ''سلطنتِ تُرکی، ہماری دینی بھائی، اس پر اسلامی سلطنت، اوراس پر اسلام کی قوتِ دفاعی۔ پھر، حرمین شریفین کی خادم ومحافظ۔ پس، اس کی اِعانت اورنُصرت نہ صرف مسلمانانِ ہند، بلکہ تمام مسلمانانِ عالَم پر، بقدرِ اِستطاعت، فرض ہے۔ حاضرینِ جلسہ! یہ وہ مسائل شرعیہ ہیں، جسے، نہ میں، صِرف اِس وقت، بیان کررہاہوں بلکہ آج سے، دس (۱۰) برس پیشتر، فقیر نے لکھا، چھاپا، ملک میں شائع کیا۔

میرا، نیز، دیگر عُلماے اہلِ سُنّت وجماعت کا، آپ سے، اس مسئلہ میں اختلاف ہرگز نہیں۔ ہاں! اختلاف، اِس میں ہے کہ آپ، ہندؤں سے موالات برتتے ہیں۔ اور مسلمانوں کوحرام وکفریات کا مُرتکب بناتے ہیں۔'' (ص ۵۔ رودادِ مناظرہ۔ مطبوعہ بریلی)

ہر کافر سے موالات، حرام۔

خواہ، وہ مُحارِب ہو، یا غیرمُحارِب۔ لَایَتَّخِذِالْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآ ءَ۔ الآیۃ۔ آپ حضرات، انگریزوں سے تو موالات، حرام بتاتے ہیں اورکافروں سے، نہ صرف جائز، بلکہ عین حکمِ الٰہی کی تکمیل بتاتے ہیں۔ دلیل میں سورۂ ممتحنہ کی آیت لَایَنْھٰکُمُ اللّٰہُ۔ الآیۃ، پیش فرماتے ہیں۔ کیا، یہ کُھلی تحریف نہیں؟ آیتِ کریمہ میں، کافرِ غیرمُحارِب کے ساتھ اجازت ''بِر واِقساط'' کی ہے، نہ کہ ''موالات'' کی۔ یعنی، محبت واِتحاد وخلوص واِخلاص، جوآپ، برت رہے ہیں۔ براہِ کرم، آپ، کسی مفسّر، کسی محدّث، کسی فقیہ کا قول،

اس ثبوت میں پیش فرمادیں کہ: بِر واِقساط، موالات کے مُرادِف ہیں؟ یایہ ثابت کیجیے کہ سورۂ ممتحنہ کی یہ آیت، ناسخ ہے، ان آیاتِ متعددہ کثیرہ کی جن میں، مطلقاً، ہر کافر و بے دین سے موالات کو، منع فرمایا گیا ہے؟ لفظِ وَلَا اور تولّی، جب کہ کلام پاک میں بکثرت، جابجا، نازل ہوا۔ پھر، اس لفظ کا مفہوم ومِصداق، کیا عُلماے مفسّرِین نے، بیان، نہیں فرمایا ہے؟ جو کچھ، عُلماے دین نے، اپنی تحقیقات سے موالات کا معنیٰ، بیان کیے ہیں اس پر عمل پیرا ہویئے۔ نہ کہ اپنی طرف سے ایک معنیٰ، ایجاد کیجیے۔ ہمیں بتایا جائے کہ اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں کس نے سورۂ ممتحنہ کی آیت کو ناسخ قراردیا؟ کس نے، بِر واِقساط کو، مُرادفِ موالات کہا؟ (ص ۵و۶۔ رودادِ مناظرہ۔ مطبوعہ بریلی)

اَربابِ دین کے پاس، دنیا، خدمت گذاریِ دین کے لئے ہے۔ نہ کہ دنیا کمانے کے لئے۔ آپ نے، قَشقہ لگایا۔ گاندھی کی جَے، ایک دوجگہ، ایک دوبار، نہیں بلکہ بیسیوں بار پکاری کہ مہاتما گاندھی کی جَے۔ جس طرح، صَلیب، علامتِ تثلیث ہے۔ کیا، قَشقہ، علامتِ شرک نہیں؟ کیا، آپ کی غیرت، گوارا کرتی ہے کہ شرک کی علامت ''قَشقہ'' اپنی پیشانیوں پر لگایئے؟ آپ، ہمارے سامنے، سَمرنا، وغیرہ کے مظالم، بیان کرکے ہمارے جذبات اُبھارتے ہیں۔ مگر کیا، ہندؤں نے آرہ، شاہ آباد، کٹارپور، وغیرہ میں قربانی، بند کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم، نہیں کیے؟ قرآن مجید، نہیں پھاڑے؟ عورتوں کی بے حُرمتی، نہیں کی؟ مسلمانوں کی جانیں، نہیں لیں؟ مسجدوں میں بے ادبیاں، نہیں کیں؟ آج، آپ، سبز گنبد کی بے ادبی ہونے سے غیرت دلاتے ہیں۔ مگر کیا، آپ کے لئے یہ غیرت کی بات، نہیں تھی، جب کہ دربارِ نبوت ورسالت کی یہ کہہ کر، اِہانت کی گئی کہ:

''اگر، نبوت ختم نہ ہوگئی، تو، مہاتما گاندھی، نبی ہوتے۔'' آپ نے، اس پر، کیوں، نہ انکار کیا؟ کیوں، خاموش رہے؟ (ص ۷۔ رودادِ مناظرہ۔ طبعِ دوم۔ نادری پریس۔ بریلی)

آپ، ملکی مفاد اور بہبود کے لئے مل کرکوشش کیجیے۔ مگر، جہاں سے، مذہبی حُدود آئیں، مسلمان، الگ اور ہندو الگ۔ ہم، اپنے مذہب میں، ہندؤں سے اتحاد، نہیں کرسکتے۔ غرض، مقاماتِ مقدسہ وخلافتِ اسلامیہ کے مسائل میں، ہمیں، خلاف، نہیں۔ ہندوستان کے

مفاد کی کوشش کیجیے، اس سے، ہمیں، خلاف نہیں۔ خلاف، ان حرکات سے ہے، جو آپ لوگ، منافی ومخالفِ دین کر رہے ہیں۔ ان حرکات کو دور کر دیجیے، ان سے باز آجایئے، عوام کو، اُن سے باز رکھیے۔ تو، خلافتِ اسلامیہ وممالکِ مقدسہ کی حفاظت اور ہندوستان کے ملکی مفاد کی کوششیں، ہم بھی، آپ کے ساتھ، مل کر، کرنے کو تیار ہیں۔'' (ص ۷و۸۔ رودادِ مناظرہ، مطبوعہ بریلی)۔

اسی اجلاس (مارچ ۱۹۲۱ء) کو خطاب کرتے ہوئے، حجۃ الاسلام، مولانا حامد رضا، بریلوی خَلفِ اکبر، امام احمد رضا، بریلوی نے صراحت و وضاحت کے ساتھ، ارشاد فرمایا کہ: حرمین شریفین ومقاماتِ مقدسہ وممالکِ اسلامیہ کی حفاظت وخدمت ہمارے نزدیک، ہر مسلمان پر، بقدرِ وُسعت وقدرت، فرض ہے۔ اس میں، ہمیں، خلاف، نہ ہے، نہ تھا۔ اسی طرح، سلطانِ اسلام و جماعتِ اسلام کی خیرخواہی میں، ہمیں، کچھ کلام ہے، نہ تھا۔ تمام کفّار ومشرکین ونصاریٰ ویہود ومُرتدین، وغیرھُم سے ترکِ موالات، ہم، ہمیشہ سے، ضروری وفرض جانتے ہیں۔ ہمیں، خلاف آپ حضرات کی ان خلافِ شرع وخلافِ اسلام حرکات سے ہے جن میں سے، کچھ، مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں۔ اور جن کے متعلق جماعت کے ستر (۷۰) سوال، بنام ''اِتمامِ حُجّتِ تامّہ'' آپ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب دیجیے۔ جب تک آپ، ان تمام حرکات سے رجوع، نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآ، نہ ہو لیں گے، ہم، آپ سے علیٰحدہ ہیں۔ اور اس کے بعد، خدمت وحفاظتِ حرمین شریفین ومقاماتِ مقدّسہ وممالک اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ، مل کر، جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔'' (ص ۱۰و۱۱۔ رودادِ مناظرہ۔ مرتّبہ جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی۔ مطبوعہ، نادری پریس، بریلی)

اس اجلاسِ بریلی (۱۹۲۱ء) سے مرادآباد، واپسی کے بعد، حضرت مولانا نعیم الدین، مرادآبادی امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے نام، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''حقیقتُ الاُمر، یہ ہے کہ: یہ لوگ، ترکِ موالات کو، حکمِ شریعت سمجھ کر، نہیں مانتے ہیں۔ یہ تو مسلمانوں کو اپنے موافق کرنے کے لئے آیتیں، تلاوت کرتے ہیں۔

مانتے تو ہیں، گاندھی کا حکم سمجھ کر۔ یہی وجہ ہے کہ ترکِ موالات کے ساتھ، ہندو سے موالات، فرض سمجھتے ہیں۔ آج، تمام ہندوستان جانتا ہے کہ خلافت کمیٹی، صرف گورنمنٹ سے، ترکِ موالات بتاتی ہے۔ اور ہنود سے موالات، بلکہ ان کی رضا میں فنا ہو جانا، ضروری، قرار دیتی ہے۔ کیا یہ حیرت انگیز بات، نہیں ہے کہ:

ابوالکلام آزاد نے، بھرے مجمع میں، صاف الفاظ میں اقرار کیا کہ:

''بے شک، موالات، تمام کفّار ومشرکین سے، ممنوع وحرام ہے۔ جیسے، نصاریٰ سے ناجائز، ویسے ہی ہنود سے ناجائز۔ کون کہتا ہے کہ: آیۂ ممتحنہ سے موالاتِ غیرِ مُحارِبین کا جواز نکلتا ہے؟ کس ذمہ دار شخص نے، ایسا کہا ہے؟ (ص ۱۸۔ رودادِ مناظرہ۔ مطبوعہ بریلی)

علم ومطالعہ کی وُسعت، اسلامی غیرت وحَمِیَّت اور مومنانہ بصیرت وفراست کے ساتھ امام احمد رضا، بریلوی، تحریر فرماتے ہیں:

آو! اب، ہم، تمہیں، قرآنِ عظیم کی تصدیق دکھائیں۔ اور ان کی طرف سے، اس میل اور میل کا راز بتائیں۔ دشمن اپنے دشمن کے لئے تین باتیں چاہتا ہے:

اوّل: اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم: اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس، نہ رہے۔

سوم: یہ بھی، نہ ہو سکے۔ تو اخیر درجہ، اس کی بے پَری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف نے، ان پر، تینوں درجے، طے کر دیے۔ اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیرخواہی سمجھتے ہیں۔

اوّلاً: جہاد کے اشارے ہوئے۔ اُس کا کھُلا نتیجہ، ہندوستان کے مسلمانوں کا، فنا ہونا تھا۔

ثانیاً: جب، یہ نہ بنی، ہجرت کا بھَرّا دیا کہ کسی طرح، یہ دَفع ہوں۔ ملک، ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے۔ یہ اپنی جائیدادیں، کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال! ہمارے ہاتھ آئیں۔

ثالثاً: جب یہ بھی، نہ بنی، تو ''ترکِ موالات'' کا جھوٹا حیلہ کر کے ''ترکِ معاملت'' پر، اُبھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو۔ کسی کونسل، کمیٹی میں، داخل نہ ہو۔ مال گزاری،

ٹیکس نہ دو۔ خطابات، واپس کردو۔

امرِ آخِر، تو، صرف، اِس لئے ہے کہ ظاہری نام کا دنیاوی اِعزاز بھی، کسی مسلمان کے لئے نہ رہے۔ اور پہلے دو، اِس لئے کہ ہر صیغہ، ہر محکمہ میں، صرف، ہنود رہ جائیں۔ جہاں، ہنود کا غلبہ ہوتا ہے، حقوقِ اسلام پر، جو گذرتی ہے، ظاہر ہے۔" (اَلْمَحَجَّةُ الْمُؤتَمَنَہ، مطبوعہ بریلی۔ وص:۵۳۶، فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، مطبوعہ، لاہور)

انگریزی اِقتدار و حکومت کے دَور میں "تَرکِ تعاون" کا ایک انداز صدرُ الشریعہ، حضرت مولانا محمد امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) خلیفۂ امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی (وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی زندگی میں، اِس طرح ملتا ہے کہ:

آپ کے صاحب زادے، مولانا قاری، رضاء المصطفیٰ، اعظمی خطیب و امام، نیو میمن مسجد، کراچی، بیان کرتے ہیں: "میری پیدائش ۱۹۲۴ء میں ہوئی۔ ۱۹۳۴ میں، کافی، باشعور ہو گیا تھا۔ میں نے، ان دس سالوں میں والدِ گرامی، حضرت صدرُ الشریعہ، علاّمہ امجد علی، اعظمی رَضِیَ اللّٰہُ عَنہُ کو، صبح و مَسا، انتہائی قریب سے دیکھا۔ بریلی میں بھی دیکھا۔ میں نے ۱۹۳۴ء سے، پورے ہوش و حواس سے، حضرت صدر الشریعہ کو دیکھا۔ میں نے، ان کا، وہ دَور بھی دیکھا، جب، وہ اجمیر شریف میں تھے۔ وہاں، نوابِ حیدر آباد، دَکن نے، جو مدرسہ (دارالعلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف) قائم کیا تھا اس کے، وہ، صدرُ المدرسین بھی تھے۔

علی گڑھ میں محمد علی جناح آتے تھے، تو ان کے ساتھ بھی، ان (صدرُ الشریعہ) کی مِٹنگیں ہوا کرتی تھیں۔ ابّا جی (صدرُ الشریعہ) ۱۹۴۴ء ۱۹۴۵ء کی اس اہم مِٹنگ میں بھی، علی گڑھ میں شریک تھے، جس میں، لیگ والوں نے انگریزوں سے، پورے طور پر، ملک کے آزاد کرانے کا مطالبہ کیا۔ اس وقت، مولانا عبدالشاہد خاں، شیروانی علی گڑھی (مُترجمِ اَلثَّورَۃُ الْھِندِیَّۃ ازعلاّمہ فضلِ حق خیر آبادی، بنام "باغی ہندوستان" مطبوعہ بجنور و لاہور و مبارک پور) ہمارے یہاں (مدرسہ حافظیہ سعیدیہ، ریاستِ دادوں۔ علی گڑھ) کے نائب صدرُ المدرسین تھے اور کانگریسی تھے۔ اتنے بڑے کانگریسی کہ گھڑی کا پٹّہ بھی، کھدَّر کا بنوایا تھا۔ چپل کی پٹّیاں بھی، کھدَّر کی بنوائی تھیں۔ اُس وقت، جب یہ

بات (عدمِ تعاون) آئی، تو ابّا جی (صدرُ الشریعہ) نے کہا کہ:

"انگریزوں کا بائیکاٹ ہی کرنا ہے، تو کیا ضروری ہے کہ:

وہ کھدَّر ہی پہنا جائے، جو گاندھی آشرم کا بنا ہو؟ ہندوستان کے بنے ہوئے دوسرے کپڑے بھی پہن سکتے ہیں۔ آخر، مسلمان بھی، تو کپڑے، تیار کر رہے ہیں؟ دھاگے، کات رہے ہیں؟ جب، ہمارا مقصد، انگریزی کپڑوں کا بائیکاٹ کرنا ہے تو آخر، ہم، مسلمانوں میں یہ جذبہ، کیوں نہیں پیدا کرتے کہ:

وہ اپنے ہاتھوں سے بنے ہوئے کپڑے پہنیں۔ صرف، گاندھی آشرم کے تیار کیے ہوئے کھدَّر پہننے پر، زور دینے میں، تو ایک طرح کا نقصان ہی ہے۔

اس کے بعد، ہماری حیرت کی انتہا، نہ رہی کہ: انھوں نے، تمام دوسرے کپڑے پہننے چھوڑ دیے اور گھر میں بتا دیا کہ: ہمارا کپڑا، ہماری ٹوپی بھی، گاڑھے کی ہوگی۔ اس کے بعد، پھر، بٹن پر غور کیا تو کہنے لگے کہ: یہ بھی، تو، انگریزوں کا ہی بنایا ہوا ہے؟ لِھٰذا، انھوں نے بٹن لگانا بھی چھوڑ دیا اور گھنڈی لگانا شروع کر دیا۔" الخ انٹرویو بعنوان "شہزادۂ صدرُ الشریعہ، قاری رضاء المصطفیٰ سے خصوصی ملاقات" مطبوعہ ص ۴۱۔ ماہنامہ، جامِ نور، دہلی، شمارہ محرم ۱۴۲۸ھ/جنوری ۲۰۰۷ء)

تحریکِ تَرکِ موالات کے دَوران (۲۱۔۱۹۲۰ء) مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، اسلامیہ کالج لاہور، مدرسہ عالیہ، کلکتہ، وغیرہ پر، موالاتی لیڈروں نے، تعلیمی بائیکاٹ کے لئے دھاوا بولا۔ مگر ہندوؤں کی کوئی تعلیم گاہ، اِن موالاتیوں کی زد میں نہیں آئی۔ بلکہ بنارس ہندو یونیورسٹی میں طلبہ و اساتذہ کو خطاب کرنے اور تعلیمی بائیکاٹ کے لئے گاندھی کو، پنڈت مدن موہن مالویہ نے گھسنے بھی نہیں دیا۔ یہ بھی، اس تحریکِ تَرکِ موالات کا ایک حیرت انگیز پہلو ہے۔ تحریکِ خلافت و تَرکِ موالات کے سرگرم لیڈر، قاضی محمد عدیل عباسی لکھتے ہیں:

مولانا ابوالکلام آزاد (متوفی ۱۹۵۸ء) تحریکِ تَرکِ موالات کے نمایاں لیڈر تھے۔ ان کے عزائم، بلند تھے۔ انھوں نے "اِمامُ الْھِند" بننے کے لئے "مسئلۂ اِمامت" بھی چھیڑا، مگر، عُلما نے، ان کا ساتھ نہیں دیا اور کسی معروف عالم نے، ان کی تائید، نہ کی۔

بلکہ صحیح یہ ہے کہ مولانا محمد علی، جوہؔر، ان کے حریف اوران کی راہ کے سنگِ گراں نہیں، بلکہ کوہِ گراں، ثابت ہوئے۔ اس لئے کچھ دنوں بعد، مولانا آزاد نے مسئلۂ اِمامت کو، سَر دخانے میں ڈال دیا۔ (خلاصۂ مفہوم: ص:۱۳۱۔ تحریکِ خلافت از قاضی محمد عدیل عباسی، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو۔ نئی دہلی)۔

تحریکِ تَرکِ موالات کے اِختتام اور اس کے انجام کے بارے میں مشہور مؤرخ، ڈاکٹر، تاراچند لکھتے ہیں:

''اچانک ۵؍فروری ۱۹۲۲ء کو گورکھ پور، جو یوپی کا ایک ضلع ہے، اس کے ایک گاؤں ''چورا چورِی'' میں ایک جلوس والوں اور پولیس میں تصادم ہوگیا۔ کانسٹبلوں نے گولی چلانا شروع کیا اور جب ان کا، کارتوس ختم ہوگیا، تو وہ پولس کے دفتر (تھانہ) واپس چلے گئے۔ مجمع نے عمارت کو آگ لگادی اور بائیس (۲۲) کانسٹبل، زندہ جل گئے۔ گاندھی جی کے لئے یہ واقعہ، اِس انتہائی حد تک تکلیف دِہ تھا کہ:

''انہوں نے، اس تحریک کو واپس لینے کا فیصلہ کرلیا۔ ۱۱؍فروری (۱۹۲۲ء) کو۔ کانگریس کمیٹی سے مشورہ کے بعد۔ لیکن، خلافت کمیٹی کی رائے، بغیر لیے ہوئے، عَملی سِوِل نافرمانی کا پروگرام، منسوخ کردیا گیا۔ گاندھی نے، پانچ دن کا فاقہ کیا اور ''ینگ انڈیا'' مؤرخہ ۱۲؍فروری (۱۹۲۲ء) میں درد ناک الفاظ میں اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا۔'' الخ (ص:۶۰۹، تاریخِ تحریکِ آزادی، جلدِ سوم۔ از ڈاکٹر، تاراچند، مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغِ اردو، نئی دہلی۔ طبعِ دوم ۲۰۰۱ء)۔

ڈاکٹر تاراچند کی تحریر کردہ تاریخ کے، یہ حصے، قارِئین کرام، بغور، ملاحظہ فرمائیں:

''عدمِ تعاون کی گاندھیائی تحریک، قومیت، سیاست، مذہب، تصوُّف اور تشدُّد دانہ تعصُّب کا ایک عجیب ملغوبہ بن گئی تھی۔'' (ص:۷۱۱۔ تاریخِ تحریکِ آزادی، جلدِ سوم۔ از ڈاکٹر تارا چند، مطبوعہ: نئی دہلی)

لالہ لاجپت رائے، جو گاندھی کی طرف، بنظرِ استحسان دیکھا کرتے تھے۔ اور جنہوں نے ۱۹۲۰ء میں ناگ پور میں عدمِ تعاون کی تحریک کی تجویز کی حمایت کی تھی وہ ۱۹۲۴ء

میں لکھتے ہیں: ''یہ بات، خوش کن، نہ ہوگی کہ گذشتہ دہائی کے دَوران ہم سب ایک ایسی فضاء، وجود میں لائے ہیں، جو قومیت اور رَواداری کی خوشیوں کی جگہ رَجعت پسندی اور مذہبی جنون کو، زیادہ پیدا کرتی ہے۔

تحریکِ عدمِ تعاون، خود، مادّی طور پر، اس فضا کی تخلیق میں مددگار ہوئی ہے۔ یہ بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ ہندوستان میں خلافت تحریک، جسے، سیاسی بنیاد پر قائم ہونا چاہیے تھا مذہبی بنیاد کا سہارا لیا گیا۔ اس کی حمایت میں، سیاسی مُحرِّکات بھی تھے۔ اور یہ بات اور بھی بدقسمتی کی تھی کہ:

مہاتما گاندھی اور دوسرے زُعَمائے خلافت نے، مذہب کو ایک نمایاں آزادی دے دی۔ یہ تحریک، حقیقتاً، اور اصولی طور سے، مذہبی ہونے کے بجائے، سیاسی زیادہ تھی۔ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر، مذہبی احکامات کے حوالے، دوسرے ہمالیائی غلطی کے مترادف تھے۔'' الخ (ص:۷۳۰، تاریخ تحریکِ آزادی، جلدِ سوم۔ مؤلّفہ: ڈاکٹر، تاراچند، مطبوعہ نئی دہلی)

امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی اور عُلَما وقائدین وحامیانِ تحریکِ خلافت وتَرکِ موالات کے درمیان، بنیادی فرق، یہی تھا کہ:

عُلَما وقائدینِ تحریک خلافت وموالات، آیات واحادیث میں بسا اوقات، تحریفِ معنوی کرتے ہوئے اپنی سیاست کے لئے ان کا استعمال کرتے تھے۔ جب کہ امام احمد رضا، ان آیات واحادیث کے مقصود ومراد میں کسی قسم کی تحریف کو قطعاً، گوارا نہیں کرتے تھے، اور سیاست کو، بے جا طور پر، شرعی حُدود میں داخل کرکے شریعت کو، اپنی سیاست کا تابع بنانے کی، مدۃُ العمر، مزاحمت ومخالفت کرتے رہے۔ مسلم شناخت اور مِلّی غیرت کو، جس طرح، ہندو مسلم اتحاد کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھایا جارہا تھا، اس کی بھرپور مزاحمت کرکے، آپ نے مومنانہ وعالمانہ فہم وفراست اور دوررَس فکری سیاست کا، نہایت اعلیٰ اور بے نظیر نمونہ، پیش فرمایا۔ آپ نے حق کا، بَرملا اظہار کرنے میں، کبھی، کسی تکلف اور پس وپیش کو قریب آنے کی اجازت نہیں دی۔

اسی ہنگامہ خیز دَور میں مولانا محمد علی جوہؔر اور مولانا شوکت علی نے، بریلی پہنچ کر

امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی سے ملاقات کرکے تحریکِ خلافت اور بالخصوص تحریکِ ترکِ موالات کے سلسلے میں گفتگو بھی کی تھی۔ آپ نے، انھیں جواب دیا کہ:

میری سیاست اور آپ کی سیاست میں بہت فرق ہے۔ انگریزی حکومت سے آزادی کا، میں بھی حامی ہوں۔ مگر، ہندو مسلم اتحاد کرکے، شریعت مخالف جو، بیانات و اقدامات ہو رہے ہیں، ان کا، میں، مخالف ہوں۔''

یہاں، اس حقیقت کا تاریخی ذکر بھی مناسب ہوگا کہ: بعض خلافِ شرع بیانات و حرکات کے سلسلے میں اپنے مکتوبات کے ذریعہ امام احمد رضا، بریلوی نے حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کی شرعی گرفت کرکے ان سے توبہ ورجوعِ شرعی کا مطالبہ کیا تھا جس کے بعد مولانا عبدالباری، فرنگی محلی نے متعدد اخبارات میں اپنا توبہ نامہ، شائع کرایا۔ مثلاً: (علی گڑھ گزٹ، ۲۴؍جولائی ۱۹۲۱ء و روزنامہ ہمدم لکھنؤ وغیرہ ۲۰؍مئی ۱۹۲۱ء)

ملاحظہ فرمائیں: ص ۱۰۲۔ ''برصغیر پاک وہند کی سیاست میں عُلما کا کردار'' مؤلّفہ ڈاکٹر ایچ، ٹی خاں۔ قومی ادارہ برائے تحقیقِ تاریخ وثقافت، اسلام آباد، پاکستان ۱۹۸۵ء۔

تحریکِ ہجرت اور انجامِ ہجرت:

ہندوستان میں رہ کر اسلام اور مسلمانوں کو، جن خطرات سے مقابلہ کرنا تھا، وہ سب اور ان کا سِلسلہ تو جاری ہی تھا کہ اسی دَوران، خلافتی وموالاتی لیڈروں نے، نہ جانے کیا سوچ کر ہجرت کا بھی نعرہ، بلند کردیا تھا، جو یقیناً ایک غیر عالمانہ وغیر عاقلانہ اِقدام یا بعض مسلم مخالف عناصر کی ایک شاطرانہ سیاسی سازش ہی تھی۔ جس کے شکار، ہندوستانی مسلم لیڈر ہوئے اور ان کی بے اصولی وعاقبت نااندیشی کے ہزاروں لاکھوں مسلمان، شکار ہوگئے۔ بانیِ مرکزی تحریکِ خلافت، حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، لکھنوی نے خلافت وامامت کے سلسلے میں ۲۶؍شوال ۱۳۳۹ھ کو جلیلُ القدر عالمِ دین وشیخِ طریقت، حضرت سید مہر علی، چشتی، گولڑوی (وصال ۲۹؍صفر ۱۳۵۶ھ/۱۱؍مئی ۱۹۳۷ء) تلمیذِ حضرت مولانا لطفُ اللہ، علی گڑھی ومولانا احمد علی، محدِّث سہارن پوری وخلیفۂ خواجہ شمس الدین، سیالوی سے ایک اِستفتا کیا تھا۔ جس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ: ''خلاصہ، یہ کہ موجودہ زمانے میں عُلما کی کارروائی، نہ خلافت ہے، نہ

اِمامت۔'' الخ (ص: ۴۵۱۔ مہرِ منیر۔ مؤلّفہ مولانا فیض احمد، مطبوعہ پاک وہند)۔

حضرت سید مہر علی شاہ، گولڑوی کے بارے میں مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں: ''جب تحریکِ خلافت اُٹھی، تو آپ نے کسی کی پروا کیے بغیر شرعی نقطۂ نظر کو، وضاحت سے پیش کیا۔ تُرکوں کو خلافتِ اسلامیہ کا درجہ نہیں دیتے تھے۔ تاہم، آپ کی تمام ہمدردی تُرکوں کے ساتھ تھی۔ چنانچہ، طرابلس وبلقان کی جنگ (۱۹۱۱ء-۱۹۱۲ء) کے موقع پر گھر کے زیورات اور اصطبل کے گھوڑے تک، فروخت کرکے، قیمت، چندہ میں دے دی تھی۔ تحریکِ ہجرت کے بارے میں فرمایا کہ: ''اس غیر شرعی ہجرت کا نتیجہ، خراب نکلے گا۔ چنانچہ، ایسا ہی ہوا۔'' (ص ۵۴۱۔ تذکرۂ اکابرِ اہلِ سُنّت پاکستان۔ مؤلّفہ محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ طبعِ دوم۔ ۱۹۸۳ء)۔

سندھ میں مجدّدی سلسلے کے عظیم شیخِ طریقت، حضرت سید خواجہ محمد حسن جان، فاروقی، مجدّدی (وصال ۲؍رجب ۱۳۶۵ھ/۲؍جون ۱۹۴۶ء) نے تُرک مسلمانوں کی تائید و حمایت میں، نہایت گراں قدر، مالی تعاون کیا تھا کہ: بقول آپ کے صاحبزادۂ محترم ، حضرت سید ہاشم جان، فاروقی، مجدّدی (وصال ۲۲؍رمضان ۱۳۹۵ھ/۲۸؍ستمبر ۱۹۷۵ء) تلمیذِ مولانا معین الدین، اجمیری وحکیم سید برکات احمد، ٹونکی ومولانا عبدالباری، فرنگی محلی لکھنوی ومولانا سید امیر علوی، اجمیری۔ ''سندھ میں اہلِ ثروت سے چندہ، جمع کرنے کے لئے حاجی عبداللہ ہارون کی قیادت میں ایک کمیٹی، تشکیل دی گئی۔ اس کمیٹی کے افراد، حاجی صاحب خود، حکیم فتح محمد، اور مولانا محمد صادق صاحب وغیرہ، میرے والد ماجد، محمد حسن جان، سرہندی کی خدمت میں پہنچے اور اپنا مقصد، بیان کیا۔ والدِ محترم نے فرمایا کہ:

''خلافتِ اسلامیہ کے اِحیا اور انگریز حکومت سے مسلمان ممالک کی آزادی کے لئے ضرورت، جس بات کی ہے، وہ، جسمانی جہاد کی ہے۔ مالی جہاد، جسمانی جہاد سے، فروتر ہے۔'' اس کے بعد فرمایا کہ:

''میں، گھر جاکر دیکھتا ہوں۔ گھر میں، جو رقم ہوگی، وہ، لاکر پیش کردوں گا۔'' اس وقت، کاغذ کے نوٹ، نہیں تھے۔ اشرفیوں کی صورت میں روپیہ، جمع رہتا تھا۔ چنانچہ، والدِ

محترم، بھری ہوئی تھیلیاں اُٹھوا کر لائے۔ کمیٹی کے ممبروں کے حوالے کر دیں اور فرمایا:

''گھر میں، دس ہزار روپے سے کچھ زائد تھے۔ وہ سب آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔''

انھوں نے ایک آنہ بھی گھر میں نہیں چھوڑا تھا۔ اور پورے برِصغیر میں یہ مالی قربانی کی اس طرح کی پہلی مثال تھی، جو، والدِ محترم نے پیش کی ہے۔'' (ہفت روزہ ''اداکار''، لاہور۔ مارچ ۱۹۷۵ء)۔

خواجہ محمد حسن جان، مجدّدی نے، جنگِ طرابلس و بلقان (۱۹۱۱ء-۱۹۱۲ء) کے موقع پر اپنے مُریدین ومُعتَقِدین ومُخلصین اور سندھ کے مسلمانوں سے مالی تعاون، حاصل کر کے اور خطیر رقم، جمع کر کے، مجاہدین کے لئے بھجوائی تھی۔ تحریکِ خلافت وترکِ موالات کی بے اصولی و بے اعتدالی، دیکھ سن کر حضرت خواجہ محمد حسن جان، مجدّدی کو، بے حد افسوس ہوا۔ یہاں تک کہ اصلاح کی کوئی صورت، نظر نہ آنے پر آپ نے، ان تحریکات میں کسی بھی طرح کا تعاون کرنے سے کنارہ کشی، اختیار کر لی۔ چنانچہ، آپ کے تذکرہ میں مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری، تحریر فرماتے ہیں:

''تحریکِ خلافت میں گم کردۂ راہ لیڈروں کی کج رَوِی پر، بہت افسوس کیا کرتے تھے۔ آپ نے کھل کر بعض مسائل میں شرعی نقطۂ نظر سے (تحریک کی بے اعتدالی سے) اختلاف کیا اور طعن وتشنیع کی پروا کیے بغیر اپنے موقف کو واضح طور پر پیش کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ان لوگوں پر تعجب ہے کہ ایک طرف تو انگریزوں سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں اور دوسری طرف، مُشرکین ہنود سے اتحاد اور وداد کے حامی ہیں۔ جب لیڈروں نے ہندوؤں کے فریب میں آکر سادہ لوح مسلمانوں کو انگریز کے مقبوضہ علاقوں سے ہجرت کر کے افغانستان چلے جانے کا مشورہ دیا اور لوگ، جوق در جوق، تَرکِ وطن کرنے لگے تو اس موقع پر بھی آپ نے قوم کی صحیح رہنمائی کی اور ترکِ وطن سے ممانعت کی۔ اور فرمایا: ''وہاں، اتنی گنجائش کہاں ہے کہ سب لوگ، سَما سکیں؟ خواہ مخواہ، خود بھی پریشان ہوں گے اور مسلمانوں کے بادشاہ کو بھی تکلیف دیں گے۔ اس سے مسلمانوں کے دشمنوں کو خوشی ہوگی۔''

تاریخ، شاہد ہے کہ تَرکِ وطن کر کے جانے والوں کا جو حال ہوا وہ، کسی طرح بھی،

قابلِ اطمینان نہ تھا۔'' (ص ۴۴۷ و ۴۴۸۔ تذکرۂ اکابر اہلِ سُنَّت پاکستان۔ مؤلّفہ محمد عبدالحکیم شرف قادری۔ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ۔ لاہور۔ طبع دوم ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء)۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی ''اپنی امامت'' اور ''مسلمانوں کی ہجرت'' کے پسِ پردہ کارفرما ایک نہایت حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف کرتے ہوئے تحریکِ خلافت کے سرگرم لیڈر، قاضی محمد عدیل عباسی، تحریر کرتے ہیں کہ:

ہجرت کا ایک فتویٰ، مولانا (ابوالکلام آزاد) نے، اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد ضرور، نشر کر دیا، جس میں مسلمانانِ ہند کو، یہاں سے ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ ادنیٰ تعمُّق سے معلوم ہوگا کہ ہجرت اور ترکِ موالات میں قُطبَین کا فاصلہ ہے۔ ہجرت کا مطلب ہے، اس ملک کو چھوڑ کر، ہمیشہ کے لئے چلے جانا۔ اور ترکِ موالات، تو وہ کرے گا، جس کا عزمِ راسخ، یہاں رہنے کا ہو۔ لیکن، مولانا آزاد کا، جو فتویٰ، مجلّہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر کی ۲۰/جولائی ۱۹۲۰ء کی اشاعت میں درج ہوا ہے، اس میں مولانا نے، ان دونوں میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔ (یہ فتویٰ، جنوری ۱۹۲۰ء سے جولائی ۱۹۲۰ء کے مابین کا ہے)

اس سے پہلے، یہ ذکر آچکا ہے کہ مولانا نے، کلکتہ کانفرنس کے بعد فروری ۱۹۲۰ء میں اپنے آپ کو ''اِمَامُ الْھِند'' بنانے اور اس طرح، مذہب کے راستہ سے مسلمانوں کو، سیاست میں داخل کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔ جو انھوں نے کوششِ بلیغ اور رقمِ کثیر، صَرف کرنے کے بعد ستمبر ۱۹۲۰ء میں ختم کر دیا۔ تو اس زمانہ میں تحریکِ ہجرت کی بات سمجھ میں، نہیں آتی۔ بہرحال! اب مولانا کے فتویٰ اور ترکِ موالات سے اس کی تطبیق پر نظر ڈالی جائے۔ مولانا فرماتے ہیں:

''تمام دلائلِ شرعیہ، حالاتِ حاضرہ، مَصالحِ مُہِمّۂ اُمَّت اور مُقتضیات ومَصالح پر نظر ڈالنے کے بعد، پوری بصیرت کے ساتھ، اس اِعتقاد پر، مطمئن ہو گیا ہوں کہ: مسلمانانِ ہند کے لئے بجز ہجرت، کوئی چارۂ شرعی، نہیں ہے۔ اعمالِ ہجرت کا، جو نمونہ، اسوۂ نبوت نے، ہمارے لئے چھوڑا ہے، وہ یہ ہے کہ:

''ہجرت سے مقدّم، ہجرت کی بیعت ہے۔ بغیر بیعت، ہجرت نہیں کرنی

چاہیے۔ جولوگ، ہجرت کریں، پہلے، ہجرت پر، بیعت کرلیں۔‘‘

یہاں، وہ بات سمجھ میں آسکتی ہے، جو پہلے، سمجھ میں، نہیں آئی تھی کہ: تحریکِ امامت اور تحریکِ ہجرت، دونوں کا تضاد کیسے دفع ہو؟ مندرجہ بالا تحریر سے واضح ہوگیا کہ تحریکِ ہجرت، تحریکِ اِمامت کی کتاب کا ایک باب ہے۔ آخر میں، مولانا، اِدِّعا وتحکُّم کی تمام اَہلیتیں، سمیٹ کر فرماتے ہیں: ’’یہ میری رائے ہے۔ میری بصیرت ہے۔ میرا یقین ہے۔ میرا ایمان ہے۔ نہ کہ کوئی قیاس ورائے اور ’’پولیٹکل حکمتِ عملی۔‘‘

میں نے، آخری فیصلہ کرلیا ہے۔ جس طالبِ حق کو مجھ پر اعتماد ہو اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دے۔ بِالفعل، طریقِ عمل یہ ہے کہ جن مسلمانوں کو اللہ، توفیقِ عمل دے وہ، فوراً مجھے اپنے عزم سے مطلع کریں۔ اس طرح، بیعتِ ہجرت، بالواسطہ بیعتِ امامت تھی۔ اور دونوں تحریکیں، مولانا ایک ساتھ چلا رہے تھے۔ مولانا کو اپنی ذات کی اہلیت پر اتنا اعتماد تھا کہ:

انھوں نے، اہلُ الرائے سے مشورہ کی ضرورت نہیں سمجھی اور براہِ راست قوم سے بیعت لینا چاہتے تھے۔ بلکہ امامت کے لئے بیعت لینے کی، تو مُہم چلا رکھی تھی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ہجرت کا فتویٰ، مولانا عبدالباری نے دیا تھا۔ (لیکن) اس فتویٰ کی تمام تر ذِمّہ داری، مولانا ابوالکلام آزاد پر ہے۔ (ص ۱۳۲ تا ۱۳۴۔ تحریکِ خلافت۔ مؤلّفہ: قاضی محمد عدیل عباسی۔ قومی کونسل، برائے فروغِ اردو زبان، حکومتِ ہند۔ آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی ۶۶، طبعِ دوم ۱۹۹۷ء)

’’انگریز کو افغانستان کی جغرافیائی پوزیشن، اس کی حالت، جگہ، اور سواری کی قِلّت، خوب معلوم تھی۔ جس طرح، اس نے انقلابِ فرانس میں حامیِ انقلاب، زرِ کثیر، خرچ کرکے پیدا کیے تھے وہ، جو، خوں ریزیاں کراتے تھے، جس سے تمام یورپ، دہل گیا تھا اور انقلاب کی رفتار، رُک گئی تھی۔ اسی طرح، اس نے، اپنی عَیّاریوں کو کام میں لاکر اپنے گُرگے چھوڑ دیے۔ جو لوگوں کو، ہجرت کے اپنے فتوے دکھاتے اور شرعی وجوب کی جانب، متوجہ کرکے، ہجرت کی تلقین کرتے تھے۔ یہ بھی سبز باغ دکھاتے تھے کہ وہاں پہنچتے ہی تم کو، ہر طرح کی راحت ملے گی۔ اور تم، مال دار ہو جاؤ گے۔ چَین کی زندگی گذاروگے۔‘‘

ظفر حسن ایبک (متوفی جنوری ۱۹۸۹ء۔ شاگرد ورفیقِ مولانا عُبید اللہ، سندھی، متوفی ۱۹۴۴ء) اپنے مشاہدات وتجربات کا خلاصہ، اِس طرح، پیش کرتے ہیں:

’’قافلے پر قافلے، جلال آباد اور کابل پہنچنے لگے۔ شروع میں ان کو خیموں میں چمن حضوری میں جگہ دی گئی۔ لیکن، ان سب کے لئے قابلِ اطمینان انتظام، ناممکن تھا۔ بے چاری پردہ پوش خواتین، وہاں، سخت مشکلات میں مبتلا ہوئیں۔ بعض بداخلاق کابُلیوں نے، ان پر سخن اندازی بھی کی۔ بعض لوگوں نے، تو روٹی اور کھانا خریدنے کے لئے اپنا اَثاثُ البیت بھی فروخت کرنا شروع کیا، جن کو، کابُلیوں نے آدھے دام پر بھی نہ لیا۔ ان لوگوں کا فارسی زبان سے بے بہرہ ہونا، ان کی بے مایگی، پردیس اور اس پر وفادار دوستوں کا فُقدان، یہ سب ایسی مصیبتیں تھیں جن کو، صرف، وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جس نے، ان کو خود دیکھا ہو اور ان کا سامنا کیا ہو۔ آخر، جب مہاجرین کی تعداد بڑھنے لگی، تو ان کو افغانستان کے دوسرے صوبوں، مثلاً: پنج شیر، قطغن، بدخشاں، اور ترکستان کو روانہ کردیا گیا۔ صرف، چند ایک نوجوان، ترکستان پہنچے اور وہاں سے تاشقند چلے گئے۔ کچھ قطغن اور بدخشان میں آباد ہوئے۔ مگر، وہ بھی، مالی مشکلات کی وجہ سے، پنپ نہ سکے۔ بقیہ، کابل واپس آئے۔‘‘ ص ۲۱۵۔ آپ بیتی۔ از ظفر حسن ایبک، مطبوعہ لاہور۔ (ص ۱۳۵۔ تحریکِ خلافت۔ از قاضی محمد عدیل عباسی۔ مطبوعہ قومی کونسل، نئی دہلی ۱۹۹۷ء)۔

تحریکِ تَرکِ موالات ہی نے، تحریکِ ہجرت کی طرف، پیش قدمی کی تھی۔ ہزاروں مسلمان، افغانستان کی طرف، ہجرت کر گئے اور بدحال و پریشاں حال ہوکر ہندوستان واپس آئے، تو مفلس وقلّاش ہو چکے تھے۔ ایک اِستفتا، بسلسلۂ ہجرت کا جواب دیتے ہوئے فقیہِ اسلام، امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی، تحریر فرماتے ہیں:

’’ہجرت، دو قسم ہے، عامّہ وخاصّہ۔ عامّہ، یہ کہ تمام اہلِ وطن، تَرکِ وطن کرکے چلے جائیں۔ اور خاصّہ، یہ کہ خاص اَشخاص۔ پہلی ہجرت، دارُالحرب سے، ہر مسلمان پر فرض ہے، جس کا بیان، آیۂ کریمہ: اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَفّٰہُمُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ۔ الآیۃ (وہ لوگ کہ جن کی جان، فرشتے نکالتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم

کرتے تھے) میں ہے۔اس سے،صرف عورتیں اور بچے اور عاجز مَرد، جونہیں نکل سکتے، مستثنیٰ ہیں۔جس کا ذِکر،اس سے متصل، دوسری آیۂ کریمہ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ ۔الآیۃ میں ہے۔باقی سب پر،فرض ہے۔جو،باوصفِ قدرت، دارُالحرب میں سکونت رکھے اور ہجرت نہ کرے،مستحقِ عذاب ہے۔رہا،دارُالاسلام،اس سے،ہجرتِ عامّہ،حرام ہے کہ:اس میں مساجد کی ویرانی وبے حرمتی،قبورِ مسلمین کی بربادی۔عورتوں،بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔اور ہجرتِ خاصّہ میں،تین صورتیں ہیں:

اگر کوئی شخص،کسی وجہِ خاص سے کسی مقامِ خاص میں اپنے فرائضِ دینیہ،بجانہ لاسکے۔اور دوسری جگہ،ممکن ہو،تو اگر،یہ خاص اسی مکان میں ہے،اس پر فرض ہے کہ یہ مکان چھوڑ کر دوسرے مکان میں چلا جائے،اور اگر اس محلّہ میں معذور ہو،تو دوسرے محلّہ میں اُٹھ جائے۔اور اس شہر میں مجبور ہو،تو دوسرے شہر میں۔وَعَلیٰ ھٰذاالْقِیَاس۔کَمَا بَیَّنَہٗ فِی مَدَارِکِ التَّنْزِیلِ وَاَسْتَشْھَدَ بِحَدِیْثٍ ۔(جیسا کہ مدارکُ التّنزیل میں اس کی تفصیل ہے اور اس پر ایک حدیث سے،اِستشہاد کیا ہے)

دوسری،وہ کہ یہاں اپنے فرائضِ مذہبی بجالانے سے عاجز نہیں اور اس کے ضعیف ماں،یا باپ،یا بیوی،یا بچے،جن کا نفقہ،اس پر فرض ہے وہ،نہ جاسکیں گے،یا نہ جائیں گے اور اس کے چلے جانے سے،بے وسیلہ رہ جائیں گے۔تو اس کو،دارُالاسلام سے ہجرت کرنا،حرام ہے۔حدیث میں ہے:کَفٰی بِالْمَرْءِ اِثْماً اَنْ یُضِیْعَ مَنْ یَقُوت۔

کسی آدمی کے گنہگار ہونے کے لئے اتنا کافی ہے کہ:وہ اسے ضائع کردے،جس کا نفقہ، اس کے ذِمّہ تھا۔'' یا وہ عالم،جس سے بڑھ کر،اس شہر میں عالم نہ ہو،اُسے بھی،حرام ہے۔

وَقَدْنَصَّ فِی الْبَزَّازِوَالدُّرِّ الْمُخْتَارِاَنَّہٗ لَایَجُوْزُلَہُ السَّفَرُالطَّوِیْلُ مِنْہَافَضْلاًعَنِ الْمُھَاجَرۃِ۔ (بزازیہ اور دُرِّ مختار میں تصریح ہے کہ:ایسے آدمی کے لئے طویل سفر،جائز نہیں،چہ جائے کہ وہ،وہاں سے ہجرت کرجائے)۔

تیسری،وہ کہ،نہ وہ،فرائض سے عاجز ہے،نہ یہاں اس کی حاجت۔اسے، اختیار ہے کہ رہے،یا چلا جائے۔جو اس کی مصلحت ہو۔یہ تفصیل،دارُالاسلام میں ہے۔

اب آپ اپنی حالت کا اندازہ کرسکتے ہیں کہ: آپ کو ہجرت، جائز، یا واجب، یا حرام ہے۔وَاللّٰہُ تَعَالیٰ اَعْلَم۔''(ص ۱۳۱ و ۱۳۲ و ۱۳۳۔فتاویٰ رضویہ،جلد ۱۴،رضا فاؤنڈیشن،لاہور)۔

دارالاسلام یا دارُالحرب؟:

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کی صراحت،امام احمد رضا،بریلوی کے آخری دَور کے فتاویٰ میں،متعدد مواقع پر،متعدد انداز میں ملے گا۔۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں،مرزا،علی بیگ،بدایونی نے،تین سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ بھیجا،جس کا پہلا سوال،یہ تھا کہ: ہندوستان! دارُالحرب ہے۔یا۔دارُالِاسلام؟اِس سوال نامہ کے جواب میں ایک رسالہ، تیار ہوگیا جس کا نام ہے:

''اِعْلَامُ الْاَعْلَامِ بِاَنَّ ھندوستان دَارُ الْاِسْلَام''۔

سائل ومستفتی کے پاس،یہ جواب،اپنے وقت پر پہنچ گیا،ہوگا۔

مگر اسے رسالہ کی شکل میں پہلی بار،۱۹۲۷ء میں،حَسَنی پریس،بریلی سے شائع کیا گیا۔یعنی،امام احمد رضا کے وصال (۱۹۲۱ء) کے چھ سات سال بعد (۱۹۲۷ھ میں) اِس فتویٰ کی بشکلِ رسالہ،طباعت واِشاعت ہوئی۔بعد میں اسے فتاویٰ رضویہ میں بھی شامل کر دیا گیا۔فتویٰ کا آغاز،اِن کلمات سے ہوتا ہے:

''ہمارے امامِ اعظم،رَضِیَ اللّٰہُ تَعالیٰ عَنْہُ،بلکہ عُلماءِ ثلثہ،رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِم کے مذہب پر،ہندوستان،دارُالاسلام ہے۔دارُالحرب،ہرگز نہیں ہے۔''۔اِلیٰ آخِرِہٖ۔(ص ۱۰۵۔فتاویٰ رضویہ مترجم،جلد چودہ۔مطبوعہ ہند وپاک)

امام احمد رضا کے مُعتمد ومُقرَّب خلیفہ اور فقہی بصیرت کے وارِث،صدرُ الشَّریعہ، مولانا امجد علی،اعظمی،رضوی (وصال،ذوالقعدہ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) نے بھی بعد کے کسی دَور میں ایک اِستفتا کا جواب،دیتے ہوئے یہی فتویٰ،جاری کیا کہ:

''ہندوستان،دارُالاسلام ہے۔اسے،دارُالحرب قرار دینا،غلطی ہے۔''اِلیٰ آخِرِہٖ۔(ص ۲۲۹۔فتاویٰ امجدیہ،جلد سوم۔دَائِرَۃُ الْمَعَارِفِ الْاَمْجَدِیہ۔قصبہ گھوسی، ضلع مئو۔اتر پردیش)

ابو الحسنات، مولانا محمد عبد الحیٔ، فرنگی محلی، لکھنوی (وصال، ربیعُ الاوّل ۱۳۰۴ھ/ دسمبر ۱۸۸۶ء) کا بھی، یہی فتویٰ ہے کہ: ''بلادِ ہند، جو قبضۂ نصاریٰ میں ہیں، دارُالحرب نہیں۔'' (ص ۳۰۲۔ فتاویٰ عبدالحیٔ، جلدِ اول۔ مطبع یوسفی، لکھنؤ)

مرکزی خلافت کمیٹی (تاسیس وتشکیل ۱۹۱۹ھ) کے بانی وروحِ رواں، حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنوی (وصال، رجب ۱۳۴۴ھ/ جنوری ۱۹۲۶ء) تحریر فرماتے ہیں: ''ہم لوگ، ہندوستان کو دارُالاسلام سمجھتے ہیں اور اِعزازِ دین واِعلاے کلمۃُ الحق کی نیت سے قیام کیے ہوئے ہیں۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (مکتوبِ مولانا عبدالباری، فرنگی محلی۔ مطبوعہ اخبارِ مشرق، گورکھ پور۔ بحوالہ ص ۱۳۸۔ ''تحریکِ خلافت'' مؤلّفہ: قاضی محمد عدیل عباسی۔ مطبوعہ قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی۔ طبعِ دوم۔ ۱۹۹۷ء)

اِستفتا (محرَّرہ ۱۲۹۸ھ) کا جواب دیتے ہوئے، اپنے فتویٰ، موسوم بہ، اِعْلامُ الْاَعْلام بِاَنَّ ھندوستان دَارُ الْاِسْلام۔ مطبوعہ بریلی ۱۹۲۷ء، ومشمولہ فتاویٰ رضویہ، مترجَم، جلد ۱۴۔ مطبوعہ پاک وہند میں، امام احمد رضا، بریلوی نے، قدیم ومستند اور متداول کتبِ فقہ، مثلاً: فتاویٰ ہندیہ وسراجِ وہاج وجامعُ الفصولین وشرحِ نقایہ وغیرہ کی عبارات و حوالہ جات کے ذریعہ، واضح اور ثابت کیا ہے کہ:

جب، کسی دارُ الحرب میں، عَلانیہ، اَحکامِ اسلام، جاری ہو جائیں، تو وہ دارُ الاسلام ہو جاتا ہے اور جب، دارُالاسلام میں احکامِ کفر وشرک، اِس طرح، غالب ہو جائیں کہ: احکامِ اسلام، وہاں، جاری، نہ ہو سکیں، تو وہ، دارُ الحرب ہو جاتا ہے۔ یعنی، سبب و عِلّت کے بدلنے کے ساتھ، اس کا حکم بھی بدلتا رہے گا۔ امام ابو یوسف وامام محمد کا یہی فتویٰ ہے۔ امامِ اعظم، ابو حنیفہ کے نزدیک، کسی دارُالاسلام کے دارُالحرب ہونے کی تین شرطیں ہیں، جن کے پائے جانے کے بعد ہی کوئی دارُالاسلام، دارُالحرب ہوگا۔ مذکورہ احکام کے سلسلے میں امام احمد رضا نے فتاویٰ ہندیہ سے، یہ فقہی جزئیات، نقل کیے ہیں:

(ترجمہ) امام ابو حنیفہ، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کے نزدیک، دارُالاسلام تین شرائط سے، دارُالحرب ہو جاتا ہے۔ جن میں سے ایک، یہ ہے کہ: کفّار کے اَحکام، عَلانیہ، جاری

کیے جائیں اور وہاں، اسلام کا کوئی حکم، جاری، نہ کیا جائے۔ پھر فرمایا: اور مسئلہ کی صورت، تین طرح ہے:

اہلِ حرب، ہمارے علاقہ پر غلبہ پالیں۔ یا۔ ہمارے کسی علاقہ کے شہری، مُرتد ہو کر، وہاں غلبہ، پالیں اور کفر کے اَحکام، جاری کر دیں۔ یا۔ وہاں، ذِمّی لوگ، عہد توڑ کر، غلبہ، حاصل کرلیں تو، اِن تمام صورتوں میں وہ علاقہ، صرف، تین شرطوں سے دارُ الحرب بنے گا۔ (اَلْفَتَاوىٰ الْھِندیہ۔ اَلْبَابُ الْخَامِس)

یہی باتیں، امام احمد رضا کے تلمیذ وخلیفہ، صدرُ الشَّریعہ، مولانا امجد علی، اعظمی، رضوی (وصال ذو القعدہ ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) نے، وضاحت و اِختصار کے ساتھ، اِس طرح، بیان فرمائی ہیں: ''جو جگہ، دارُ الاسلام ہو، اُس کے دارُ الحرب ہونے کے لئے فقط اتنی بات، ناکافی ہے کہ کفّار کی وہاں، حکومت ہو جائے۔ بلکہ، اس کے ساتھ، اور تین چیزوں کی ضرورت ہے:

(۱) اہلِ شرک کے احکام، علَی الاعلان، جاری ہوں اور اسلامی اَحکام، بالکل، نہ جاری ہوں۔

(۲) دارُالحرب سے، اس کا اِتِّصال ہو جائے۔

(۳) کوئی ذِمّی، اَمانِ اوّل پر، باقی، نہ رہے۔

چند فقہی عبارتیں، پیش کرنے کے بعد، لکھتے ہیں: ''اِس سے، ظاہر ہے کہ: اگر، اَحکامِ مسلمین واَحکامِ اہلِ شرک، دونوں، جاری ہوں تو وہ جگہ، دارُالحرب، نہیں ہوگی۔ اِسی شرطِ اوّل کو، اگر، دیکھا جائے، تو اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ: ہندوستان، دارُالاسلام ہی ہے، دارُالحرب نہیں کہ بِحَمْدِہٖ تَعالیٰ اب بھی ہندوستان میں بہت کچھ اَحکامِ اہلِ اسلام، جاری ہیں۔ شعائرِ اسلام، باقی ہیں۔ اذانیں ہوتی ہیں، جمعہ وعیدَین ہوتی ہیں۔ ترکہ و میراث وغیرہ میں شریعتِ مطہَّرہ کے موافق، فیصلہ ہوتا ہے۔ لِھٰذا، یہاں، اگرچہ، اہلِ شرک کے اَحکام، جاری ہیں۔ مگر، جب، اہلِ اسلام کے اَحکام بھی جاری ہیں۔ تو بموجب تصریح، علّامہ ابنِ عابدین شامی، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْھِمَا: ہندوستان، دارُالاسلام ہی ہے۔

اِلیٰ آخِرِہٖ ۔ (۲۳۳ و ۳۳۳۔ فتاویٰ امجدیہ، جلدِ سوم۔ مطبوعہ دائرۃُ المعارف الامجدیہ، قصبہ گھوسی، ضلع مئو۔ یوپی)

مذکورہ اُصولی وفقہی حقائق اور اِقتباسات کی روشنی میں قارئین، اِس حقیقت کو، اچھی طرح سمجھ چکے ہوں گے کہ: کسی ملک وعلاقہ کے سلطان وحکمراں اور حکومت وسلطنت کے بدلنے اور رہنے، نہ رہنے سے، دارُالاسلام اور دارُالحرب کے ہونے، نہ ہونے کا کوئی، بنیادی، تعلق نہیں۔ بلکہ اَحکامِ شریعت کے کسی ملک وعلاقہ میں باقی اور جاری رہنے، نہ رہنے سے ان کا اصل تعلق ہے۔ اور حالات مع شرائط، بدلنے کے ساتھ ہی کسی ملک وعلاقہ کے دارُالاسلام، یا۔ دارُالحرب ہونے کا فتویٰ اور حکم، صادر کیا جائے گا۔ امام احمد رضا، قادری برکاتی، بریلوی نے اپنے فقہی مُوقِف ومُدَّعا کے اِثبات میں دُرَرِغُرَر وَ جامعُ الفصولین سے، یہ عبارت، نقل کی ہے:

(ترجمہ) دارُالحرب، اسلامی احکام، جاری کرنے سے، مثلاً: جمعہ اور عیدَین، وہاں، ادا کرنے پر، دارُالاسلام بن جاتا ہے۔ اِلیٰ آخِرِہٖ۔ (اَلدُّرَرُ الغُرَر)

''امام صاحب کے نزدیک، دارُالحرب کے علاقہ میں اسلامی احکام، جاری کرنے سے دارُالاسلام بن جاتا ہے۔ تو جب تک، وہاں، اِسلامی اَحکام، باقی رہیں گے، وہ علاقہ، دارُالاسلام رہے گا۔ یہ، اِس لئے کہ حکم، جب، کسی عِلّت پر مبنی ہو تو اس کی بقا سے حکم بھی، باقی رہتا ہے۔ جیسا کہ معروف ہے۔''

فصولِ عمادیہ، سے منقول ہے کہ: دارُالاسلام، جب تک، وہاں، اَحکامِ اسلام، باقی رہیں گے تو وہ، دارُالحرب، نہ بنے گا۔ اگرچہ، وہاں، اہلِ اسلام کا غلبہ، ختم ہو جائے۔''

دارُالاسلام، صرف اِسلامی اَحکام، جاری کرنے سے بنتا ہے۔ تو جب تک، وہاں اسلام کے متعلقات، باقی رہیں گے، وہاں، اسلام کے پہلو کو، ترجیح، دی جائے گی۔''

کوئی علاقہ، اُس وقت تک، دارُالحرب، نہ بنے گا، جب تک، وہاں کچھ اسلامی اَحکام باقی ہیں۔ کیوں کہ اسلامی نشانات اور کلمۂ اسلام کے نشانات کو، ہم، ترجیح دیں گے۔'' دارُالحرب میں بعض اسلامی احکام کے نفاذ سے دارُالاسلام بن جاتا ہے۔'' اِلیٰ

آخِرِہٖ۔ (جامعُ الفصولین)

اَحکامِ اسلام اور اَحکامِ شرک، دونوں، کسی ملک میں جاری ہوں، تو کیا حکم ہوگا؟

اِس بارے میں امام احمد رضا، یہ صریح فقہی جُزئیہ، پیش کرتے ہیں:

(ترجمہ) دُرِّمُختار کے حاشیۂ طحطاوی میں ہے: قَوْلُہٗ بِاِجْرَاءِ اَحْکَامِ اَھْلِ الشِّرْکِ (اس کا قول کہ اہلِ شرک کے احکام کے اِجرا سے دارُالحرب بن جاتا ہے) اِس سے مراد، یہ ہے کہ: وہاں، عَلانیہ، اَحکامِ شرک، نافذ کیے جائیں اور اہلِ اسلام کا کوئی بھی حکم، نافذ نہ ہو۔ ''ہندیہ'' میں، یوں ہے کہ:

''اِس سے ظاہر ہے کہ اگر، وہاں، احکامِ شرک اور اَحکامِ اسلام دونوں، نافذ ہوں، تو دارُالحرب نہ ہوگا۔'' (حَاشِیَۃُ الطَّحْطَاوِی عَلَی الدُّرِّ الْمُخْتَار) شاعرِ مشرق، ڈاکٹر اقبالؔ (متوفی ۱۹۳۸ء) نے، تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) کے بَطن سے پیدا ہونے والے خطرات کا، پہلے ہی مرحلہ میں اِدراک کر لیا تھا۔ اِسی لئے ''پنجاب خلافت کمیٹی'' کی سکریٹری شِپ سے فروری ۱۹۲۰ء ہی میں اِستعفا دے دیا اور خلافت کمیٹی کی سرگرمیوں اور اُن کے نتائج کو مسلمانانِ متحدہ ہند کے لئے سخت نقصان دِہ اور خطرناک بتاتے ہوئے لکھا کہ: ''جس طرح، یہ خلافت کمیٹی، قائم ہوئی ہے اور جو کچھ، اس کے بعض ممبران کا مقصد تھا اس کے اعتبار سے تو، اس کمیٹی کا وجود میری رائے میں، مسلمانوں کے لئے خطرناک تھا۔'' الخ۔ ۱۱؍فروری ۱۹۲۰ء (ص ۲۷۔ ''مکاتیبِ اقبالؔ'' بنام نیازُالدین خاں۔ مطبوعہ: بزمِ اقبالؔ، لاہور ۱۹۵۴ء)۔

بعض عُلمائے دیوبند، مثلاً: مولانا اشرف علی، تھانوی (متوفی ۱۹۴۳ء) ومولانا خلیل احمد انبیٹھوی، سہارن پوری (متوفی ۱۹۲۸ء) ومولانا شبیر احمد، عثمانی (متوفی دسمبر ۱۹۴۹ء) نے بھی تحریکِ خلافت (۱۹۱۹ء) وتحریکِ تَرکِ موالات (۱۹۲۰ء) کی بعض تشویشناک سرگرمیوں اور خطرناک بے اصولیوں وبے اعتدالیوں کی سخت مخالفت ومزاحمت کی۔ مولانا اشرف علی، تھانوی (متوفی ۱۳۶۲/۱۹۴۳ء) کہتے ہیں کہ:

''اور، اِن لیڈروں کی کیا شکایت کی جاوے؟ بعض مولوی، ایسے بدحواس ہوئے کہ: نہ، ان کو دنیا کی خبر رہی، نہ دین کی۔ ایمان تک، قربان اور نثار کرنے کو تیار

ہوگئے۔...ایک لیڈر صاحب نے، یہ کہا کہ: اگر، نبوت ختم نہ ہوئی ہوتی، تو گاندھی، مستحقِ نبوت تھا۔'' الخ (ص ۱۲۵۔ اَلْاِفَاضَاتُ الیُومِیة، حصہ پنجم۔ ملفوظاتِ مولانا اشرف علی، تھانوی۔ مطبوعہ کراچی)۔

''یہ، پہلے ہی، اسلام اور ایمان کو ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ اوپر سے ''طاغوت'' کا سہارا مل گیا۔ سب کچھ، اس کی نذر کر دیا۔ ماتھے پر قشقے لگوائے۔ جَے کے نعرے، بلند کیے۔ ہندوؤں کی اَرتھیوں کو کاندھا دیا۔'' اِلیٰ آخِرِہٖ، (ص ۸۱، اَلْاِفَاضَاتُ الْیَومِیه، جلدِ ہشتم۔ مطبوعہ تھانہ بھون، ضلع سہارن پور)

مولانا خلیل احمد، انبیٹھوی، سہارن پوری (متوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء) کے سوانح نگار، مولانا عاشق اِلٰہی، میرٹھی (متوفی ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) لکھتے ہیں: ''ایک بار، آپ نے، افسوس کے ساتھ، فرمایا: مسلمان، اِس شورش میں ہلاک ہو جائیں گے کہ: لیڈران کو کر لیا آگے، اور مولوی، ہو لیے، اُن کے پیچھے۔'' (ص ۲۱۸۔ تَذْکِرَۃُ الْخَلِیل۔ مؤلَّفہ مولانا عاشق اِلٰہی، میرٹھی۔ مطبوعہ میرٹھ)۔

مولانا شبیر احمد، عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ/دسمبر ۱۹۴۹ء) سابق صدر مہتمم دار العلوم، دیوبند لکھتے ہیں: ''بہت سے خیر خواہان، ''ہندو مسلم اِتفاق'' کے عَوَاقِب اور عوامُ النّاس اور بعض لیڈروں کی اُن غلط کاریوں پر، متنبّہ فرما رہے ہیں، جو اِس اِتفاق کے جوش وخروش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً: یا قَشقہ لگانا، یا۔ ہندوؤں کی اَرتھیوں کے ساتھ خصوصاً ''رام رام سَتّیہ ہے'' کہتے ہوئے جانا یا یہ کہنا کہ: امام مَہدی کی جگہ، امام گاندھی، تشریف لائے ہیں یا یہ کہ: اگر نبوّت، ختم نہ ہوگئی ہوتی، تو مہاتما گاندھی، نبی ہوتے یا قرآن وحدیث میں بَسر کی ہوئی عمر کو، نثارِ بت پرستی کرنا۔

بِلا شبہ! مَیں بھی، جب، اپنی قوم کے بڑے سر برآوردہ لوگوں کو سنتا ہوں کہ: وہ، اِس قسم کے محرّمات، یا کفریات کے مُرتکب ہوتے ہیں۔ اور وہ، باتیں، زبان سے بے دَھڑک نکال دیتے ہیں، جس کو سن کر، ایک مسلمان کے رونگٹے، کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو میرا دل، پاش پاش ہو جاتا ہے۔'' الخ۔ (ص ۴۷۔ ''علاّمہ شبیر احمد عثمانی''، مؤلّفہ ڈاکٹر علی

ارشد۔ مطبوعہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور)۔

مذکورہ تمام دینی وفکری مسائل ومباحث اور سیاسی تنظیموں، تحریکوں کے افکار ونظریات اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں حضرت امام احمد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی کے شرعی نقطۂ نظر اور فکری قیادت وسیاست کا اِجمالی جائزہ لینے کے بعد ہر انصاف پسند انسان، مندرجہ ذیل نتائج سے مکمل طور پر اتفاق کرے گا کہ: مردِ حق آگاہ فقیہِ اسلام، امامِ اہلِ سُنّت، امام احمد رضا قُدِّسَ سِرُّہٗ (اور آپ کے ہم خیال وہم نَوا، عُلماے کرام)

انگریزی حکومت سے ہندوستان کی آزادی اور اس کی ترقی وخوشحالی کے خواہاں تھے۔ مگر، ایسے کسی اِقدام وعمل کے سخت مخالف تھے، جس سے اسلام اور مسلمانوں کو کسی طرح کی آنچ آئے اور شریعتِ اِسلامی کا وقار، مجروح ہو۔ اور حقیقت، یہ ہے کہ امام احمد رضا، بریلوی، قُدِّسَ سِرُّہٗ:

(۱) ہر اُس فتنہ کے زبردست مخالف تھے جس سے اسلام وایمان کو، کچھ بھی، خطرہ، لاحق ہو۔

(۲) متوقع خطرات کو، پہلی ہی نظر میں، اپنی مومنانہ بصیرت کے ذریعہ، بھانپ لیا کرتے تھے۔

(۳) جدید افکار وتحریکات کے سبھی گوشوں کو، مَدِّ نظر رکھ کر ہی کوئی فیصلہ فرماتے۔ اس لئے آپ، مدتُ العمر اپنے موقف پہ جبلِ مستقیم کی طرح، جَمے رہے۔ اور کبھی آپ کو بعض دیگر اصحابِ علم اور قائدینِ قوم وملّت کی طرح تبدیلیِ رائے کی ضرورت، نہیں، پیش آئی۔

(۴) آپ کے فیصلے، وقتی جذبات اور عارضی اَسباب ومُحرِّکات کی نذر، نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کی ہر بات اور آپ کا ہر قدم، سُنّت کی اِقتدا اور شریعت کی پَیروی اور اِتّباع کی راہ پر، تا حیات، گامزن رہا۔

(۵) آپ نے، اسلامی حکم وہدایت اور فکر ومزاج کے ساتھ، استقلال واستقامت کا ہمیشہ، ثبوت دیا اور ان سے ایک لمحہ کے لئے بھی، کبھی، اِنحراف، نہیں کیا۔ کیوں کہ تَمَسُّکُ بِالدِّین اور اِستِقَامَتُ عَلیٰ الْحَق آپ کا، جوہرِ امتیاز تھا۔

(۶) بعض اوقات اپنے جذبۂ دینی کے تحت آپ نے از خود، پیش قدمی کر کے گمراہیوں کی نشان دِہی فرمائی۔ اور اصلاحی کوششوں کے باوجود، جب مُنکرین و مخالفین کا اپنے رَوَیّہ پر ضِد اور اِصرار بڑھا، تب ہی آپ نے، ان کے خلاف کوئی شرعی فتویٰ، صادر فرمایا۔

(۷) آپ کی زندگی میں جلالِ فاروقی کا جلوہ، صاف عیاں ہے۔ کیوں کہ باطل تحریکوں کے مقابلے میں، آپ نے، ذرا بھی، رُو رِعایت سے کام، نہ لیا۔ بلکہ صف شکن مجاہد کی طرح، آپ کی شمشیرِ خار اشگاف مخالفینِ اسلام و مسلمین اور مُتجاوِزین و مُنحرِفین کے سروں پہ، ہمیشہ لٹکتی رہی۔

(۸) دینی مسائل، مِلّی اُمور اور ملکی معاملات میں آپ، واضح فکر کے حامل تھے اور مسئلہ کے ہر پہلو پر، آپ کی گہری نظر رہا کرتی تھی۔

(۹) تحریکوں، تنظیموں کے نمائندے، آپ سے ملاقات کر کے یا کسی طرح، آپ سے رابطہ، قائم کر کے، آپ کو، اپنا ہم نَوا بنانے کی کوشش کرتے لیکن، آپ، نہایت بصیرت و احتیاط سے کام لیتے ہوئے، وہی کہتے، جس کی شریعتِ مطہّرہ اجازت دیتی اور وہی حکم، صادر کرتے، جو مفادات و مصالحِ اسلام و مسلمین کے مطابق ہوتا۔

(۱۰) اپنے عہد کے مشاہیر عُلما و مشائخ کرام سے آپ کے دوستانہ مَراسِم اور قریبی رَوابِط و تعلقات تھے اور وہ لوگ، آپ کی شخصیت، آپ کے علم و فضل، آپ کے موقف اور آپ کی رائے کا، نہایت احترام کرتے۔

(۱۱) مسلمانانِ اہلِ سُنَّت، اُس وقت کے حالات کے پیشِ نظر مختلف تحریکات کے تعلق سے، آپ کی بارگاہ میں ہدایت کے طالب ہوتے۔ اور آپ، ان کی صحیح رہنمائی کرتے ہوئے، ہمیشہ، حق و صَواب کی راہوں سے آشنا کرتے اور سلامت رَوِی، اختیار کرنے کی، انھیں، تاکید و تلقین فرماتے۔

(۱۲) آپ نے، جادۂ حق و اِعتدال سے مُنحرِف خیالات و نظریات اور باطل تحریکات و تنظیمات و جَمعِیّات سے اختلاف پر ہی، اِکتفا نہیں فرمایا بلکہ عملی طور پر، ان کی

اِصلاح کی مخلصانہ کوشش کی۔ اور نئے ماحول میں کام کرنے کے مُفید و مناسب طریقے بھی بتائے۔

(۱۳) خدمتِ قوم و مِلّت کے لئے عملی طور پر ''جماعت رضائے مصطفیٰ'' (تشکیل در ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء) قائم فرمائی، جس نے مصالح و مفاداتِ اُمّت و مِلّت کی راہ میں متعدد محاذوں پر، قابلِ قدر کارنامے، انجام دیے۔

(۱۴) مذہبی، اخلاقی، سیاسی، معاشی، ہر محاذ پر، آپ کی ہدایات سے قوم، مستفید ہوئی۔

(۱۵) آپ کی حق گوئی و بے باکی اور تبلیغ و ہدایت و اصلاح سے ایک عالَم، متأثر ہوا۔ اور نہ جانے کتنے گم گشتگانِ راہ، منزلِ مقصود تک پہنچے اور فلاح و سعادت سے ہمکنار ہوئے۔ مولانا محمد ادریس، کاندھلوی و مولانا امین اَحسن، اِصلاحی کے شاگرد مشہور عالم و صحافی، مولانا کوثر نیازی، (ولادت ۱۹۳۴ء وفات ۱۹۹۴ء) سابق مرکزی وزیر مذہبی امور، حکومتِ پاکستان اُس وقت کی تحریکات و نظریات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''تحریکِ خلافت، تحریکِ تَرکِ موالات، تحریکِ ہجرت اور ایک بحث کہ ہندوستان، دارُالاسلام ہے، یا دارُالحرب؟ ان سارے موضوعات پر، امام احمد رضا کا، جو نقطۂ نظر تھا ہر چند کہ اس پر گرد اُڑائی جاتی ہے، لیکن، علمی سیاست کے تقاضوں سے جس قدر ہم آہنگ اور دینی اَقدار کی ترجمانی سے جس قدر نزدیک اور حقیقت پر مبنی، ان کا مَوقِف ہے، کسی اور کا، نہیں۔'' (ص:۳۷، سال نامہ ''معارفِ رضا''، کراچی۔ ۱۹۹۰ء)

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حضرت امام احمد رضا، بریلوی اور آپ کے ہم خیال و ہم نَوا عُلمائے اہلِ سُنَّت کے جذباتِ صادقہ و خدماتِ جلیلہ و مساعیِ جمیلہ کے مفید نتائج، برآمد ہوئے اور ہنگامی و بُحرانی حالات کے تحت، جن حضرات کے قدم، شریعت کی راہ سے ڈگمگا گئے تھے ان میں سے، با توفیق لوگوں کو، رب تبارک و تعالیٰ سے اپنے جُرم و خطا اور غفلت و تقصیر کی معافی اور اس کی بارگاہ میں توبہ و اِستغفار کی سعادت، حاصل ہوئی۔

مرکزی تحریکِ خلافت کے روحِ رواں، حضرت مولانا عبدالباری، فرنگی محلی،

لکھنوی (متوفی، رجب ۱۳۴۴ھ/جنوری ۱۹۲۶ء) سے امام احمد رضا، بریلوی کی طویل مُراسَلت ہوئی تھی اور آپ نے، ان کی بعض لغزشوں کی نشان دِہی کر کے، حسبِ حکمِ شرع، ان سے توبہ ورُجوع کا مطالبہ فرمایا تھا، جس کے بعد انھوں نے ۱۹۲۱ء میں اپنا حسب ذیل، توبہ نامہ، شائع کیا:

’’میں نے، بہت سے گناہ، دانستہ کیے اور بہت سے نادانستہ، سب سے توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں نے، جو اُمور، قولاً وفعلاً وتحریراً وتقریراً بھی کیے۔ جن کو میں، گناہ، نہیں سمجھتا تھا مولوی احمد رضا خاں صاحب نے، ان کو کفر، یا ضلال، یا معصیت ٹھہرایا۔ ان سب سے، اور ان کے مانند اُمور سے، جن میں میرے مشائخ اور مرشدین سے میرے لئے کوئی قُدْوَہ نہیں ہے، محض، مولوی صاحب موصوف پر، اعتماد کر کے، توبہ کرتا ہوں۔ اے اللہ! میری توبہ، قبول کر۔ فقیر، عبدالباری عُفِیَ عَنہُ۔ (ص:۳۔ روزنامہ ہمدم لکھنو جمعہ ۱۱/رمضان ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۰/مئی ۱۹۲۱ء۔ وعلی گڑھ گزٹ۔ شمارہ ۲۴/جون ۱۹۲۱ء) مولانا محمد جلال الدین، قادری (تحصیل کھاریاں، ضلع گجرات، پنجاب، پاکستان) اپنی وقیع تاریخی کتاب (’’محدّثِ اعظم پاکستان‘‘ از ص: ۱۰۵ تا ۱۰۷۔ جلدِ اول۔ مکتبہ قادریہ لاہور، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء) میں انجمن خُدَّامُ الحرمین، لکھنؤ (تشکیل ۱۹۲۵ء) کی جانب سے منعقد ہونے والے نہایت اہم اِجتماع کے دَوران، پیش آمدہ ایک تاریخی واقعہ لکھتے ہیں کہ:

’’اس سلسلے کا ایک واقعہ، یوں ہے: جب، نجدیوں نے مدینہ منورہ پر، بم باری کی تھی اور مقابر و مآثر کے اِنہدام کا سلسلہ شروع کیا تھا، اُس وقت لکھنؤ میں ’’خُدَّامُ الحرمین‘‘ کے نام سے ایک انجمن، قائم ہوئی تھی۔ جس کے سربراہ، مولانا عبدالباری، فرنگی محلی (م ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۶ء) عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ تھے۔ اُس وقت، مسلمانوں میں بہت زیادہ اِضطراب و ہیجان تھا۔ حرمین شریفین کی حفاظت وصیانت کے لئے ایک بڑا اجتماع لکھنؤ میں بلایا گیا۔ اس میں بریلی سے جماعت رضائے مصطفیٰ کا، عُلَما پر مشتمل وفد زیرِ قیادت، حضرت حُجۃُ الاسلام لکھنؤ پہنچا۔ وفد کے حضرات، یہ تھے:

حضرت حُجۃُ الاسلام (مولانا حامد رضا، قادری، برکاتی، بریلوی) وحضرت مفتیِ

اعظم، مولانا مصطفیٰ رضا، نوری، بریلوی وحضرت مولانا سید محمد میاں، مارہروی وحضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور حضرت مولانا حشمت علی خاں لکھنوی۔ و دیگر عُلما و اراکینِ جماعتِ رضائے مصطفیٰ۔ بریلی۔ مولانا عبدالباری، فرنگی محلی نے، اپنے مالدار و رؤسا مُریدین ومُعتقِدین کے ہمراہ حضرت حُجۃُ الاسلام کے شاندار استقبال کا اِہتمام کیا۔ جب حُجۃُ الاسلام، ٹرین سے اُتر رہے تھے، تو مولانا عبدالباری نے مصافحہ کی کوشش کی مگر، آپ نے ہاتھ، روک لیا اور مصافحہ نہ کیا۔ بلکہ فرمایا:

’’مصافحہ ہوگا، مگر، پہلے، وہ مسئلہ، شرعی طریقے سے طے ہو جانا چاہیے جس کی وجہ سے، ہماری اور آپ کی علیٰحدگی ہوئی ہے۔ مسئلہ کے طے ہونے تک، آپ کے ہاں، قیام نہ کروں گا۔ میرے ایک دوست، یہاں پر ہیں، ان کے ہاں، میرا قیام ہوگا۔‘‘ یہ واقعہ، ایک عظیم استقبال کے موقع پر ہوا۔ مولانا عبدالباری، فرنگی محلی، ناکام، واپس آ گئے۔ ان کے لئے یہ صورتِ حال، انتہائی ناگوار تھی۔

اس واقعہ کا پس منظر، یہ تھا کہ:

تحریکِ خلافت اور تحریکِ تَرکِ موالات کے دَور میں مولانا عبدالباری، گاندھی سے بہت متأثر ہوئے۔ اسی دَور میں ان سے کچھ ایسے کلمات وحَرکات، صادر ہوئے، جو ایک مسلمان کی شان کے خلاف تھے۔ امام احمد رضا نے، انہیں، توجہ دلائی کہ آپ، ان کلمات سے توبہ کریں۔ دونوں حضرات کے درمیان، مراسلت، جاری رہی۔

(اَلطَّارِیُّ الدَّارِی لِھَفَوَاتِ عبدالباری کے نام سے مفتیِ اعظم، مولانا مصطفیٰ رضا، بریلوی نے، اس مُراسَلت کو مرتَّب کر دیا تھا، جس کی اشاعت ۱۹۲۰ء ۱۹۲۱ء ہی میں، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی کی طرف سے ہوگئی تھی۔ مصباحی)

مگر، معاملہ، طے نہ ہو سکا۔ اس بنا پر، عُلمائے اہلِ سنَّت، اُن سے خوش، نہ تھے۔ مولانا عبدالباری، فرنگی محلی کی ناگواری دیکھ کر حضرت صدرُ الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور مولانا عبدالقدیر، بدایونی، ان کے پاس، تشریف لے گئے اور فرمایا کہ: مولانا! آپ کو، ناگوار نہ ہو، اس میں، ناراضی کی کوئی بات نہیں۔ چوں کہ امام احمد رضا کا

شرعی فتویٰ، آپ کے خلاف، موجود ہے۔ آپ نے، ان کے اِنتباہ کے باوجود، اپنی غیر شرعی حرکات سے (بالکلّیہ) رجوع نہیں کیا۔ اِس لئے حضرت حُجۃُ الاسلام نے، اس شرعی ذِمّہ داری کی بِنا پر، محض، دین کی خاطر، ایسا کیا ہے۔ اگر، انہیں، دُنیا رکھنی منظور ہوتی، تو لکھنؤ میں آپ کی وجاہت اور آپ کے ساتھیوں کی کثرت کو دیکھ کر، ضرور آپ سے مصافحہ فرما لیتے۔ مگر، انھوں نے، اس کی، قطعاً، کوئی پروا نہ کی۔

بلکہ شرعی فتویٰ کا احترام کیا اور حکمِ شرعی پر، علانیہ، عمل کر کے دکھایا ہے۔ حضرت صدرُ الافاضل کی، اِس تقریر پُر تاثیر کا مولانا عبدالباری پر گہرا اَثر ہوا۔ انھوں نے، اس سے متأثر ہو کر نہایت اِخلاص سے توبہ نامہ، تحریر فرما دیا۔ جب، یہ "توبہ نامہ" حضرت حُجۃُ الاسلام و حضرت مفتیِ اعظم اور ان کے رُفقا کے پاس پہنچا تو اُن کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو چھلکنے لگے۔ ادھر، مولانا عبدالباری نے، فوراً، کاروں کا اِہتمام فرمایا اور حُجۃُ الاسلام و مفتیِ اعظم اور ان کے رُفقا کو، نہایت محبت و احترام کے ساتھ اپنے دارُ العلوم میں لائے۔ اس موقع پر، جب حضرت حُجۃ الاسلام اور مولانا عبدالباری کا آپس میں مصافحہ و معانقہ ہوا تو وہ منظر، نہایت ہی پُر کیف، ایمان افروز اور قابلِ دید تھا۔

حضرت حُجۃ الاسلام کی اِستقامت علی الشریعت، حضرت صدر الافاضل کی پُر خلوص مساعی اور حضرت مولانا عبدالباری کی لِلّٰہیت نے، مل کر، ایک عجیب نورانی سماں باندھ دیا۔ بعد ازاں، مولانا عبدالباری کے زیرِ اِہتمام، محفلِ میلاد ہوئی۔ حضرت حُجۃُ الاسلام کے ہمراہ، دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی کے طالبِ علم (جو بعد میں شیخ الحدیث بنے) مولانا محمد سردار احمد بھی تھے۔

حضرت حُجۃ الاسلام کے ارشاد پر حضرت شیخ الحدیث نے مولانا عبدالباری کی خدمت میں فتاویٰ رضویہ کی جلدِ اوّل، پیش کی، جسے مولانا عبدالباری نے نہایت مسرت و احترام کے ساتھ قبول کیا۔" (ص ۷۔ ہفت روزہ "رضائے مصطفیٰ"۔ گوجرانوالہ، پنجاب، پاکستان۔ شمارہ ۱۸/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۳۷۹ھ۔ و مکتوبِ مولانا تقدس علی، بریلوی، متوفی ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔ بنام محمد جلال الدین قادری، محرّرہ یکم صفر المظفر ۱۴۰۷ھ)

ابوالفیض، مولانا محمد عبدالحفیظ، حقّانی، مفتیِ شاہی جامع مسجد، آگرہ (متوفی

۱۳۷۷ھ/ ۱۹۵۸ء۔ کراچی) لکھتے ہیں: "میں، خود، فرنگی محل، مدرسہ نظامیہ (لکھنؤ) کا ادنیٰ طالب علم ہوں۔ حضرت مولانا عبدالباری (فرنگی محلی) رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ سے خاص طور پر "شرحِ چغمینی" پڑھی ہے۔ مگر، زمانۂ (تحریکِ) خلافت میں کچھ باتیں، ان سے سَرزد ہوگئیں، جن پر اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا، بریلوی) نے گرفت فرمائی۔ آخر کار، وصال سے کچھ پہلے خُدَّامُ الحرمین (لکھنؤ) کے جلسے میں عُلماے بریلی، شریک ہوئے۔ اس وقت، حُجۃُ الاسلام، مولانا حامد رضا خاں صاحب نے، مولانا عبدالباری صاحب سے مصافحہ نہ کیا اور ان کے یہاں، قیام سے بھی اِنکار کر دیا اور فرمایا کہ:

اعلیٰ حضرت (مولانا احمد رضا، بریلوی) رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ نے آپ پر، جو اعتراضات کیے ہیں، ان باتوں سے رُجُوع کیجیے۔ چنانچہ، صدرُ الافاضل، حضرت مولانا نعیم الدین، مرادآبادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ کی کوشش سے (مولانا عبدالباری نے) تحریر دی۔ اس کے بعد، حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب، رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فرنگی محل (لکھنؤ) گئے۔ دونوں میں، مصافحہ و معانقہ ہوا۔ حضرت مولانا حامد رضا نے، حضرت مولانا عبدالباری کے ہاتھ چومے۔

اس لئے کہ وہ، صحابی کی اولاد ہیں۔ اور وہیں، قیام فرمایا۔ فقیر، اس موقع پر حاضر تھا۔ اس خوشی میں دارُ الشِّفاء (لکھنؤ) کی برفیاں آئیں۔ با قاعدہ، فاتحہ ہُوا، اَور تقسیم ہوئیں۔" (ص: ۹۳ و ۹۴، شمع ہدایت، از مفتی محمد عبدالحفیظ حقّانی، مطبوعہ کراچی)۔

اسی طرح، علی برادران (مولانا محمد علی جوہر و مولانا شوکت علی) بھی جو، تحریکِ خلافت و تَرکِ موالات کے نشہ میں چور تھے اور ان کی زبان و قلم سے متعدد ایسے اقوال و افعال، سَرزد ہو چکے تھے، جو، شرعاً، قابلِ مؤاخذہ تھے۔ ان کی تنبیہ، اِتمامِ حجت اور خوفِ آخرت سے ہوشیار کرنے کے لئے حضرت امام احمد رضا، بریلوی کے خلیفۂ ارشد، صدرُ الافاضل، مولانا نعیم الدین، مرادآبادی مولانا محمد علی، جوہر، مرحوم (متوفی ۱۹۳۱ء) کے سفرِ لندن (۱۹۳۰ء) سے پہلے ان کی قیام گاہ پر، دہلی پہنچے اور ان کو اسلامی احکام سے روشناس کراتے اور آخرت کے عذاب و خُسران سے ڈراتے ہوئے، رجوع و توبۂ شرعی کی دعوت و تلقین کی۔

مولانا جوہر، صدرُالافاضل، مرادآبادی کی دعوتِ حق سے متاثر ہوئے۔ اوران کو گواہ بنا کر توبہ کی۔ اور، ان کے بھائی، شوکت علی، مرحوم نے بھی، مرادآباد آکر صدرُالافاضل کے دستِ حق پرست پر، توبہ کی۔ (دیکھیے: حیاتِ صدرُ الافاضل: مؤلّفہ مولانا غلام معین الدین، نعیمی۔ مطبوعہ لاہور)

حقیقت، یہ ہے کہ امام احمد رضا، حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی نے امتیازِ حق و باطل اور اِعلاے کلمۃُ الحق کا وہ عظیم وجلیل فریضہ، انجام دیا کہ: مجدِّد الفِ ثانی، شیخ احمد، فاروقی، سرہندی کی طرح آپ اپنے عہد وعصر میں سرمایۂ مِلّت کے نگہبان بن گئے۔ صحیح اور صدفی صد صحیح کہا ہے، آپ کے بارے میں پروفیسر، منیر قصوری نے کہ۔

توڑی ہیں تری ضَربتِ کاری نے چٹانیں
پگھلے ہیں تری آہِ سَحر گاہی سے پتھر
تو میری نگاہوں میں مجدِّد سے نہیں کم
زندہ ہوئے پھر تجھ سے فَرامینِ پیمبر

امام احمد رضا- احقاق حق وابطال باطل

مولانا صدرالوری قادری
استاذ: جامعہ اشرفیہ مبارکپور

تیرہویں صدی کے اواخر اور چودہویں صدی کے نصف اول میں جن علماے اعلام اور مردان حق آ گاہ نے نت نئے فتنوں کا مقابلہ کیا، طاغوتی قوتوں سے نبرد آزمار ہے، باطل کی سرکوبی کرکے پرچم حق کو بلند کیا، اور الحب فی اللہ والبغض فی اللہ کی عملی تفسیر بن کر زبان وقلم کا استعمال صرف احقاق حق اور ابطال باطل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے کیا۔ ان میں امام اہل سنت مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کا نام سرفہرست نظر آتا ہے۔

چنانچہ اس دور میں فتنوں کا ایک طوفان کھڑا تھا، مغربی طاقتوں کی شہ پر نام نہاد کلمہ گویان اسلام اپنے باطل افکار ونظریات کے ذریعہ تفریق بین المسلمین کی مہم میں لگے ہوئے تھے، سادہ لوح مسلمانوں کو جادۂ حق سے منحرف کرنے کے لیے ہر طرح کے حربے اپنا رہے تھے۔ سنتوں کے نشانات مٹائے جا رہے تھے، بدعات وضلالات کو رواج دیا جا رہا تھا اور کھلے عام شان الوہیت اور شان رسالت میں گستاخیاں کی جا رہی تھیں، ضروریات دین کا انکار کیا جا رہا تھا۔

ایسے پرآشوب حالات میں امت مسلمہ کو ایک مجدد کی سخت ضرورت تھی جو امت کے لیے تجدید دین واحیاے سنت کرے، بدعات وخرافات کا سدباب کرکے سنتوں کو عام کرے اور یہ سنت الٰہیہ بھی ہے کہ اللہ تعالی اپنے دین کی تجدید کے لیے ہر صدی کے اخیر میں ایک مجدد بھیجتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

"ان اللہ یبعث لھٰذہ الأمة علی رأس کل مائة سنة من یجدد لھا دینھا" (سنن ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب ما یذکر فی قرن المئة، ص: ۵۸۹)

بیشک اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو امت کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

یہ حدیث شریف ایسی مشہور ہے کہ ہر خاص وعام کی زبان پر جاری وساری ہے۔

اسی سنت الہیہ کے مطابق ہر صدی میں احیاے دین کے لیے مجدد آتے رہے، تیرہویں صدی کے ربع اخیر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بشکل مجدد تشریف لائے جنھوں نے کفر وضلالت کے قلعے مسمار کیے اور باطل کی بیخ کنی کرکے تجدید دین واحیاے سنت کا عظیم فریضہ انجام دیا، شان الوہیت کی تقدیس اور تحفظ ناموس رسالت میں نمایاں کردار ادا کیا۔

امام احمد رضا کی حیات وکارناموں کا جائزہ لیا جائے تو پوری زندگی خدمت دین اسلام اور احقاق حق وابطال باطل کا مجسم نمونہ نظر آتی ہے۔ قادیانیت، وہابیت، دیوبندیت، رافضیت اور ہر باطل فرقے اور اسلام مخالف تحریکات کے خلاف زبان وقلم کے ذریعہ علم جہاد بلند کیا، مذہب حق کا بول بالا کیا، باطل کی سرکوبی کی اور بدعات ومنکرات کا رد کرکے امت مسلمہ کو صحیح راہ شریعت سے آگاہ کیا۔

یوں تو حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی ایک فرقے کو چھوڑ کر باقی سب جہنمی ہوں گے۔ وہ فرقہ ناجیہ مذہب اہل سنت وجماعت ہے جس کی ترجمانی امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إن بنی اسرائیل تفرقت ثنتین و سبعین ملة و تفترق أمتی علی ثلاث و سبعین ملة کلھم فی النار إلا ملة واحدة قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما أنا علیه و أصحابی.

یقیناً قوم بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئی اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقے کے، صحابہ نے عرض کیا وہ کون فرقہ ہے یا رسول

اللہ؟ فرمایا: جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

اس مختصر مضمون میں سارے فرق باطلہ کا تعارف اور ان کے عقائد ونظریات اور ان کے خلاف مجدد دین اسلام کی جد وجہد اور مساعی جمیلہ کا تذکرہ مشکل ہے، یہ مضمون اس کا متحمل نہیں، تاہم تیرہویں صدی کے نصف آخر اور چودہویں صدی کے آغاز میں جن فتنوں نے سر ابھارا اور امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے جوان کے خلاف قلمی جہاد فرمایا ان میں بعض کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

قادیانی:

اس فرقے کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی ہے، یہ فرقہ اپنے کو احمدیہ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا اور ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء مطابق ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ کو لاہور میں انتقال کیا۔ پہلے اس نے دعوی کیا کہ وہ چودہویں صدی کا مجدد ہے اس پر اللہ کی جانب سے الہام ہوتے ہیں پھر ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء میں مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا پھر ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۱ء میں نبوت کا جھوٹا دعوی کر بیٹھا انبیاے کرام صلوات اللہ علیہم وسلامہ بالخصوص سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخیاں کیں اس کی بیہودہ عبارتیں بہت ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) خداے تعالیٰ نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا اور نبی بھی۔
(ازالۃ الاوہام، ص ۵۳۳)

(۲) وہ آیات جو نبی کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو اپنی ذات پر چسپاں کیا اور دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ کے (مندرجہ ذیل) اقوال سے مراد میری ہی ذات ہے۔

مُبَشِّراً بِرَسُولٍ یَأْتِیْ مِن بَعْدِیْ اسْمُهُ أَحْمَدُ.

یعنی میں بشارت دیتا آیا ہوں اس رسول کی جو میرے بعد تشریف لانے والے ہیں جن کا نام پاک احمد ہے۔ (سورۃ الصف، آیت ۶)

"وَ مَا اَرسَلنٰکَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعٰلَمِینَ" (سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷)۔

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (انجام آتھم ص ۷۸)

(۳) اللہ تعالیٰ مجھ سے فرماتا ہے۔''أنت منی بمنزلۃ أولادی أنت منی و أنا منک'' یعنی تو میری اولاد کے مرتبے میں ہے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ (دافع البلاء،ص ۶)

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام اور وحی کی غلطی ظاہر ہوگئی۔ (ازالۃ الاوہام،ص ۶۸۸)

(۵) چار سونبیوں نے ایک بادشاہ کے متعلق خبر دی تھی کہ اسے فتح حاصل ہوگی لیکن ان کا کذب ظاہر ہوگیا اور وہ بادشاہ شکست خوردہ ہوکر اسی جنگ میں مارا گیا۔ (ازالۃ الاوہام،ص ۶۲۹)۔

(۶) قرآن بھدی گالیوں سے بھرا ہوا ہے اس کے کلام میں سختی کا راستہ اپنایا گیا ہے۔ (ازالۃ الاوہام،ص: ۲۶،۲۸)۔

(۷) اس کی کتاب ''براہین احمدیہ'' اللہ کا کلام ہے۔ (ازالۃ الاوہام،ص ۵۳۳)۔

(۸) کامل مہدی نہ موسیٰ تھا نہ عیسیٰ (اربعین، ج ۲،ص ۱۳)

موسی اور عیسی علیہم السلام اولوالعزم رسول تھے لیکن اس نے ان کے کامل ہدایت یافتہ ہونے کا انکار کیا ہے چہ جائیکہ وہ دونوں ہدایت دینے والے ہوں۔

(۹) اے بشارت یافتہ نصرانیو! یہ نہ کہو کہ ''ہمارا رب مسیح ہے'' تم غور تو کرو کہ آج تمھارے درمیان مسیح سے افضل کون ہے۔ (معیار،ص ۱۳) وہ بار بار مسیح علیہ السلام پر فوقیت کا دعویٰ کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

ابن مریم کے ذکر کو چھوڑو اس سے بہتر غلام احمد ہے

(دافع البلاء،ص ۲۰)

شہزادۂ اعلی حضرت حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا خاں نے قادیانی کے رد میں مستقل ایک رسالہ تحریر فرمایا جس کا نام ہے: ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' ۱۳۱۵ھ۔

اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے رد میں کئی رسالے تحریر فرمائے اور دلائل قاہرہ سے اس کے مزعومات وہذیانات کا رد کیا اور حق کا اثبات فرمایا وہ رسائل یہ ہیں:

(۱) السوء و العقاب علی المسیح الکذاب (۱۳۲۰ھ)

(۲) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی (۱۳۳۶ھ)

(۳) قھر الدیان علی مرتد بقادیان (۱۳۲۳ھ)

مقدم الذکر رسالہ ''السوء والعقاب علی المسیح الکذاب'' میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ قادیانی کے جو اقوال ملعونہ اس کی کتابوں میں ہیں ان میں صاف صاف انکار ضروریات دین اور بوجوہ کثیرہ کفر وارتداد مبین ہے، پھر ان میں سے اول، دوم، سوم کر کے دس کفر شمار کرا کے رسالے کا آغاز اس طرح فرمایا:

''فقیر کو بھی اس دعوی سے اتفاق ہے، مرزا کے مسیح و مثل مسیح ہونے میں شک نہیں مگر لا واللہ نہ مسیح کلمۃ اللہ علیہ صلوات اللہ بلکہ مسیح دجال علیہ اللعن والنکال پہلے اس ادعاے کاذب کی نسبت سہارن پور سے سوال آیا تھا جس کا ایک مبسوط جواب ولد اعز فاضل نوجوان مولوی حامد رضا خاں محمد حفظہ اللہ تعالی نے لکھا اور بنام تاریخی ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی'' مسمی کیا''۔

اعلی حضرت قدس سرہٗ نے قادیانی کے جو دس کفر شمار کرائے ان میں کفر دوم کے تحت قادیانی کی کتاب ''توضیح مرام'' طبع ثانی صفحہ ۹ سے اس کا یہ قول نقل کیا:

''میں محدث ہوں اور محدث بھی ایک معنی سے نبی ہوتا ہے''۔

کفر سوم کے تحت ہے:

''دافع البلاء'' مطبوعہ ریاض ہند صفحہ ۹ پر لکھتا ہے:

سچا خدا وہی ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔

کفر چہارم کے تحت ہے:

''و نیز می گوید کہ خداے تعالی نے براہین احمدیہ میں اس عاجز کا نام امتی بھی رکھا ہے اور نبی بھی''۔

امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ دلائل قاہرہ سے قادیانی کے ان اقوال کفریہ اور ہذیانات کا ردوابطال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان اقوال خبیثہ میں اولاً کلام الٰہی کے معنی میں صریح تحریف کی کہ معاذ اللہ آیت

کریمہ میں یہ شخص مراد ہے نہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ثانیاً نبی اللہ ورسول اللہ وکلمۃ اللہ عیسیٰ روح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر افترا کیا وہ اس کی بشارت دینے کو اپنا تشریف لانا بیان فرماتے تھے۔

ثالثاً اللہ عز وجل پر افترا کیا کہ اس نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس شخص کی بشارت دینے کے لیے بھیجا اور اللہ عز وجل فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِینَ یَفتَرُونَ عَلَی اللّٰہِ الکَذِبَ لَا یُفلِحُونَ. (یونس۱۰/ ۶۹)

بیشک جو لوگ اللہ عز وجل پر جھوٹ بہتان اٹھاتے ہیں فلاح نہ پائیں گے۔

اور فرماتا ہے:

اِنَّمَا یَفتَرِی الکَذِبَ الَّذِینَ لَا یُؤمِنُونَ (النحل۱۶/ ۱۰۵)

ایسے افترا وہی باندھتے ہیں جو بے ایمان کافر ہیں۔

رابعاً اپنی گڑھی ہوئی کتاب براہین غلامیہ کو اللہ عز وجل کا کلام ٹھہرایا کہ خدائے تعالی نے براہین احمدیہ میں یوں فرمایا ہے اور اللہ عز وجل فرماتا ہے:

فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُونَ الْکِتَابَ بِأَیْدِیْھِمْ ثُمَّ یَقُولُونَ ھَـذَا مِنْ عِندِ اللّٰہِ لِیَشْتَرُواْ بِهِ ثَمَناً قَلِیْلاً فَوَیْلٌ لَّھُم مِّمَّا کَتَبَتْ أَیْدِیْھِمْ وَوَیْلٌ لَّھُمْ مِّمَّا یَکْسِبُونَ.

(سورۃ بقرۃ: آیت ۷۹)

خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھیں پھر کہہ دیں یہ اللہ کے پاس سے ہے تاکہ اس کے بدلے کچھ ذلیل قیمت حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لیے ان کے لکھے ہاتھوں سے اور خرابی ہے ان کے لیے اس کمائی سے۔

ان سب سے قطع نظر ان کلمات ملعونہ میں صراحۃً اپنے لیے نبوت و رسالت کا ادعائے قبیحہ ہے اور وہ باجماع قطعی کفر صریح ہے، فقیر نے رسالہ **جزاء اللہ عدوہ بإبائہ ختم النبوۃ** خاص اسی مسئلے میں لکھا اور اس میں آیت قرآن عظیم اور ایک سو دس حدیثوں اور تیس نصوں کو جلوہ دیا اور ثابت کیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا، ان کے زمانہ میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً قطعاً محال و باطل جاننا فرض

اجل وجزء ایقان ہے وَ لٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیینَ (ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔) نص قطعی قرآن ہے اس کا منکر، نہ منکر بلکہ شک کرنے والا، نہ شاک کہ ادنیٰ ضعیف احتمال خفیف سے تو ہم خلاف رکھنے والا قطعاً اجماعاً کافر ملعون مخلد فی النیران ہے، نہ ایسا کہ وہی کافر ہو بلکہ جو اس کے اس عقیدۂ ملعونہ پر مطلع ہو کر اسے کافر نہ جانے وہ بھی، کافر ہونے میں شک وتردد کو راہ دے وہ بھی کافر ہیں، الکفر جلی الکفران ہے۔ (فتاوی رضویہ۱۵/ ۵۷۷، ۵۷۸)۔

پھر اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قادیانیوں کی طرف سے ممکنہ طور پر ایک وارد ہونے والے شبہے کا ذکر کر کے پھر اس کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قول دوم وسوم میں شاید وہ یا اس کے اذناب آج کل کے بعض شیاطین سے سیکھ کر تاویل کی آڑ لیں کہ یہاں نبی ورسول سے معنی لغوی مراد ہیں یعنی خبردار، یا خبر دہندہ اور فرستادہ''۔ (السوء والعقاب مشمولہ فتاوی رضویہ۱۵/ ۵۷۸)

''مگر یہ محض ہوس ہے، اولا صریح لفظ میں تاویل نہیں سنی جاتی، فتاویٰ خلاصہ و فصول عمادیہ وجامع الفصولین وفتاوی ہندیہ وغیرہا میں ہے:

''لو قال انا رسول اللہ أو قال بالفارسیة من پیغمبرم یرید بہ من پیغام می برم یکفر''.

اگر کوئی اپنے آپ کو اللہ کا رسول کہے یا بزبان فارسی کہے میں پیغمبر ہوں اور مراد یہ لے کہ میں کسی کا پیغام پہنچانے والا ایلچی ہوں، کافر ہو جائے گا۔ (ایضا، ایضا)

احقاق حق وابطال باطل کے لیے مزید قاضی عیاض مالکی کی کتاب الشفاء، ملا علی قاری کی شرح شفا اور علامہ شہاب الدین خفاجی کی نسیم الریاض سے صریح نصوص نقل کیے، اور اس شبہ زائغہ کو دور کیا مزید دیگر وجوہ سے بھی اس پر بحث فرمائی۔ اس کے بعد قادیانی پر مواخذات قائم کرتے ہوئے فرمایا:

وبعبارۃ اخریٰ معنی کے چار ہی قسم ہیں: لغوی، شرعی، عرفی، عام یا خاص۔ یہاں عرف عام تو بعینہ وہی معنی شرعی ہے جس پر کفر قطعاً حاصل، اور ارادۂ لغوی کا ادعا یقیناً باطل،

اب یہی رہا کہ فریب دہی عوام کو یوں کہہ دے کہ میں نے اپنی خاص اصطلاح میں نبی و رسول کے معنی اور رکھے ہیں جن میں مجھے سگ وخوک سے امتیاز بھی ہے اور حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصف نبوت میں اشتراک بھی نہیں، مگر حاش للہ! ایسا باطل ادعا اصلاً شرعاً عقلاً عرفاً کسی طرح بادشتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، ایسی جگہ لغت وشرع وعرف عام سب سے الگ اپنی نئی اصطلاح کا مدعی ہونا قابل قبول ہو تو کبھی کسی کافر کی کسی سخت سے سخت بات پر گرفت نہ ہو سکے کوئی مجرم کسی معظم کی کیسی ہی شدید توہین کر کے مجرم نہ ٹھہر سکے کہ ہر ایک کو اختیار ہے اپنی کسی اصطلاح خاص کا دعوی کر دے جس میں کفر و توہین کچھ نہ ہو، کیا زید کہہ سکتا ہے خدا دو ہیں جب اس پر اعتراض ہو کہہ دے میری اصطلاح میں ایک کو دو کہتے ہیں، کیا عمرو جنگل میں سور کو بھاگتا دیکھ کر کہہ سکتا ہے وہ قادیانی بھاگا جاتا ہے، جب کوئی مرزائی گرفت چاہے کہہ دے میری مراد وہ نہیں جو آپ سمجھے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے یا جنگلی کو قادیانی کہتے ہیں، اگر کہیے کوئی مناسبت بھی ہے تو جواب دے کہ اصطلاح میں مناسبت شرط نہیں لا مشاحۃ فی الاصطلاح (اصطلاح میں کوئی اعتراض نہیں) آخر سب جگہ منقول ہی ہونا کیا ضرور، لفظ مرتجل بھی ہوتا ہے جس میں معنی اول سے مناسبت اصلا منظور نہیں، مع ھذا قادی بمعنی جلدی کنندہ ہے یا جنگل سے آنے والا۔ قاموس میں ہے:

قدت قادیة جاء قوم قد أقحموا من البادیة والفرس قدیانا أسرع.

یعنی قوم جلدی میں آئی، قدت قادیۃ کا ایک معنی قدت من البادیۃ یا قدت الفرس جنگل سے آیا، یا گھوڑے کو تیز کیا۔

قادیان اس کی جمع اور قادیانی اس کی طرف منسوب یعنی جلدی کرنے والوں یا جنگل سے آنے والوں کا ایک، اس مناسبت سے میری اصطلاح میں ہر بھگوڑے جنگلی کا نام قادیانی ہوا، کیا زید کی وہ تقریر کسی مسلمان یا عمرو کی یہ توجیہ کسی مرزائی کو مقبول ہو سکتی ہے، حاشا وکلا کوئی عاقل ایسی بناوٹوں کو نہ مانے گا بلکہ اسی پر کیا موقوف، یوں اصطلاح خاص کا ادعا مسموع ہو جائے تو دین و دنیا کے تمام کارخانے درہم برہم ہوں، عورتیں شوہروں کے پاس سے نکل کر جس سے چاہیں نکاح کر لیں کہ ہم نے تو ایجاب وقبول نہ کیا تھا، اجازت

لیتے وقت ہاں کہا تھا، ہماری اصطلاح (ہاں بمعنی (ہوں) یعنی کلمۂ جزر وانکار ہے۔ لوگ بیع نامے لکھ کر رجسٹری کرا کر جائدادیں چھین لیں کہ ہم نے تو بیع نہ کی تھی بیچنا لکھا تھا، ہماری اصطلاح میں عاریت یا اجارے کو بیچنا کہتے ہیں الی غیر ذلک من فسادات لاتحصیٰ تو ایسی جھوٹی تاویل والا خود اپنے معاملات میں اسے نہ مانے گا، کیا مسلمانوں کو زن و مال اللہ و رسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالے علیہ وسلم) سے زیادہ پیارے ہیں کہ جورو اور جائداد کے باب میں تاویل نہ سنیں اور اللہ ورسول کے معاملے میں ایسی ناپاک بناوٹیں قبول کر لیں لا الہ الا اللہ مسلمان ہرگز ایسے مردود بہانوں پر التفات بھی نہ کریں گے انھیں اللہ ورسول اپنی جان اور تمام جہان سے زیادہ عزیز ہیں وللہ الحمد جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود ان کا رب جل وعلا قرآن عظیم میں ایسے بیہودہ عذروں کا دربار جلا چکا ہے، فرماتا ہے:

لَا تَعتَذِرُوا قَد کَفَرتُم بَعدَ اِیمَانِکُم. (التوبۃ ۹/۶۶)

ان سے کہہ دو بہانے نہ بناؤ بیشک تم کافر ہو چکے ایمان کے بعد۔ **والعیاذ بالله تعالیٰ رب العالمین.**

ثالثاً کفر چہارم میں امتی و نبی کا مقابلہ صاف اسی معنی شرعی وعرفی کی تعیین کر رہا ہے۔

رابعاً کفر اول میں تو کسی جھوٹے ادعائے تاویل کی بھی گنجائش نہیں، آیت میں قطعا معنی شرعی ہی مراد ہیں نہ کہ لغوی، نہ اس شخص کی کوئی اصطلاح خاص، اور اسی کو اس نے اپنے نفس کے لیے مانا تو قطعا یقیناً بمعنی شرعی ہی اپنے نبی اللہ ورسول اللہ ہونے کا مدعی اور **وَ لٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖن** کا منکر اور باجماع قطعی جمیع امت مرحومہ مرتد وکافر ہوا، سچ فرمایا سچے خدا کے سچے رسول سچے خاتم النبیین محمد مصطفے صلے اللہ تعالی علیہ وسلم نے کہ عنقریب میرے بعد آئیں گے **ثلثون دجالون کذابون کلھم یزعم انہ نبی** تیس دجال کذاب کہ ہر ایک اپنے کو نبی کہے گا **و انا خاتم النبیین لا نبی بعدی** حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ امنت امنت صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم اسی لیے فقیر نے عرض کیا تھا کہ مرزا ضرور مثیل مسیح ہے صدق بلکہ مسیح دجال کا کہ ایسے مدعیوں کو یہ لقب خود بارگاہ رسالت سے عطا ہوا والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ (فتاوی رضویہ ۱۵/۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴)۔

اسی طرح باقی دونوں رسالوں میں بھی اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے مرزا غلام احمد قادیانی کی حقیقت واشگاف کی اور اس کے ہذیانات کا ردو ابطال کیا۔

ان رسائل کے علاوہ عقیدہ ختم نبوت کے اثبات کے لیے مستقل طور پر اور بھی رسائل تحریر فرمائے، مثلا: (۱) **جزا الله عدوه بإبائه ختم النبوة (۱۳۱۶ھ) (۲) المبين ختم النبيين (۱۳۲۶ھ)**

ان رسائل میں دلائل قاہرہ سے یہ ثابت کیا کہ مسلمان پر جس طرح لا الہ الا اللہ ماننا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اُحد (،) صمد اور لاشریک لہ جاننا فرض اول ومناط ایمان ہے یوں ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خاتم النبیین ماننا ان کے زمانے میں خواہ ان کے بعد کسی نبی جدید کی بعثت کو یقیناً محال وباطل جاننا فرض اجل وجزء ایقان ہے، اس کا منکر بلکہ اس میں شک وشبہہ کرنے والا قطعا اجماعا کافر ملعون مخلد فی النار ہے، اس پر بہت سارے نصوص پیش کیے ہیں۔

ثانی الذکر رسالے کا آغاز اس طرح فرماتے ہیں:

حضور پرنور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیہ وعلیہم اجمعین کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیا ومرسلین بلا تاویل وبلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنی شک وشبہہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون ہے، آیۂ کریمہ **وَلٰكِن رَّسُولَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (الاحزاب: ۳۳/۴۰)**. وحدیث متواتر **لا نبی بعدی** سے تمام امت مرحومہ نے سلفا وخلفا یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس صلیٰ اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا تخصیص تمام انبیا میں آخر نبی ہوئے حضور کے ساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔ فتاویٰ یتیمۃ الدہر واشباہ والنظائر وفتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے:

إذا لم يعرف الرجل أن محمداً صلى الله تعالىٰ عليه و سلم آخر الأنبياء فليس بمسلم لأنه من الضروريات.

جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام انبیا میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں کہ حضور کا آخر الانبیا ہونا ضروریات دین سے ہے۔

شفا شریف امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالے علیہ میں ہے:

كذلك (يكفر) من ادعى نبوة أحد مع نبينا صلى الله تعالى عليه و سلم أو بعده (إلى قوله) فهؤلاء كلهم كفار مكذبون للنبي صلى الله تعالى عليه و سلم لأنه صلى الله تعالى عليه و سلم أخبر أنه خاتم النبيين و لا نبي بعده وأخبر عن الله تعالى أنه خاتم النبيين و أنه أرسل كافة للناس و أجمعت الأمة على حمل هذا الكلام على ظاهره و أن مفهومه المراد به دون تاويل و لا تخصيص فلا شك في كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعا إجماعا و سمعا.

یعنی جو ہمارے نبی صلی اللہ تعالے علیہ وسلم کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے کافر ہے (اس قول تک) یہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے والے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی کہ وہ خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خبر دی کہ حضور خاتم النبیین ہیں اور ان کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات واحادیث اپنے ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور رسول کی مراد ہے نہ ان میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص تو جو لوگ اس کا خلاف کریں وہ بحکم اجماع امت وبحکم قرآن وحدیث سب یقیناً کافر ہیں۔

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ العالی باب الاقتصاد میں فرماتے ہیں:

إن الامة فهمت من هذا اللفظ أنه أفهم عدم نبي بعده أبدا و عدم رسول بعده أبدا و أنه ليس فيه تاويل و لا تخصيص و من أوله بتخصيص فكلامه من أنواع الهذيان لا يمنع الحكم بتكفيره لأنه مكذب لهذا النص الذي أجمعت الأمة على أنه غير مؤول و لا مخصوص.

یعنی تمام امت مرحومہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں اصلا کوئی تاویل یا تخصیص نہیں تو جو شخص لفظ خاتم النبیین میں النبیین کو اپنے عموم واستغراق پر نہ مانے بلکہ اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے اس کی بات مجنون کی بک یا سرسامی کی بہک ہے اسے کافر کہنے سے کچھ

ممانعت نہیں کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی شرح الفرائد میں فرماتے ہیں:

تجویز نبی مع نبینا صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم أو بعده یستلزم تكذيب القراٰن إذ قد نص على أنه خاتم النبيين و اٰخر المرسلين و فی السنة أنا العاقب لا نبی بعدی و أجمعت الأمة على أبقاء هذا الكلام على ظاهره و هذه إحدى المسائل المشهورة التی كفرنا بها الفلاسفة لعنهم الله تعالیٰ.

ہمارے نبی صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا تکذیب قرآن کو مستلزم ہے کہ قرآن عظیم تصریح فرما چکا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالے علیہ وسلم خاتم النبیین وآخر المرسلین ہیں، اور حدیث میں فرمایا: میں پچھلا نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور تمام امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے یعنی عموم واستغراق بلا تاویل وتخصیص، اور یہ ان مشہور مسئلوں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے کافر کہا فلاسفہ کو، اللہ تعالی ان پر لعنت کرے۔ (فتاوی رضویہ ۱۴/۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵)۔

مذکورہ عبارات کے علاوہ بیشمار عبارتیں نقل کر کے یہ ثابت فرمایا ہے کہ حضور پرنور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم بلا شبہ خاتم النبیین بمعنی آخر النبین ہیں، حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال قطعی ہے۔ اور آیت کریمہ وَ لٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ محکم ہے اپنے ظاہر پر محمول ہے۔ اس میں کسی بھی تاویل وتخصیص کی گنجائش نہیں ہے۔

وہابی:

یہ فرقہ محمد بن عبد الوہاب نجدی تمیمی کی طرف منسوب ہے، یہ ۱۱۱۵ھ مطابق ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء میں انتقال کر گیا۔ اس نے شروع میں اہل سنت و جماعت کے عقائد ومعمولات کے خلاف ایک کتاب لکھی جس کو ''کتاب التوحید'' کے نام سے موسوم کیا جس میں اس نے عام مسلمانوں کو نشانہ کیا جو نصوص کفار ومشرکین کے بارے میں ہیں انھیں مسلمانوں پر محمول کیا۔

ہندوستان میں اسماعیل دہلوی نے ''کتاب التوحید'' کی طرز پر ''تقویۃ لایمان'' نام کی کتاب لکھی بلکہ صحیح یہ ہے کہ یہ کتاب، کتاب التوحید کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں اس نے وہ سارے عقائد باطلہ تحریر کیے جو ابن عبدالوہاب نجدی نے ''کتاب التوحید'' میں لکھے تھے، اہل سنت کے معمولات وامتیازات پر جگہ جگہ شرک و بدعت کا حکم لگایا ہے۔ اور مختلف مقامات میں ایسی بری تعبیرات استعمال کی ہیں جن سے شان رسالت کی تنقیص ہوتی ہے۔

چنانچہ ''تقویۃ الایمان'' صفحہ ۶ پر لکھتا ہے:

''بہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق خواہ بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے''

اسماعیل دہلوی کی ایک کتاب ''صراط مستقیم'' نام کی ہے، اس میں لکھا:

''صرف ہمت بسوے شیخ وامثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بدتر از استغراق درصورت گاو؟ وخر خود است''

ترجمہ: ''نماز میں پیر یا کسی بڑے بزرگ کا تصور کرنا خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تصور کیوں نہ ہو اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے''۔

عظمت شان الوہیت کو بھی نشانہ بنایا، چنانچہ اللہ تعالی کے لیے جہت اور زمان و مکان کو ثابت مانا، ''ایضاح الحق'' میں لکھا:

''تنزیہ او تعالی از زمان ومکان و جہت واثبات رویت بلا جہت ومحاذات ہمہ از قبیل بدعات حقیقیہ است'' (از: اسماعیل دہلوی ص: ۳۵، ۳۶)

ترجمہ: ''اللہ تعالی کو زمان و مکان اور جہت سے پاک ماننا اور بغیر جہت اور محاذات کے اللہ تعالی کی رویت کو ثابت کرنا یہ ساری باتیں بدعات حقیقیہ سے ہیں''۔

اللہ تعالی کے لیے امکان کذب کو ثابت مانا، رسالہ یک روزی میں لکھا:

''اگر مراد از محال ممتنع لذاتہ است کہ تحت قدرت الہیہ داخل نیست پس لانسلم کہ کذب مذکور محال بمعنی مسطور باشد چہ عقد قضیہ غیر مطابقہ للواقع والقاے آں بر ملائکہ وانبیا خارج از قدرت الہیہ نیست والا لازم آید کہ قدرت انسانی ازید از قدرت ربانی باشد''۔ (از: اسماعیل دہلوی)۔

ترجمہ: ''اگر کذب باری تعالی کے محال ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ کذب ممتنع لذاتہ ہے اور تحت قدرت الٰہی داخل نہیں ہے تو یہ ہمیں تسلیم نہیں کہ اس مذکورہ معنی میں کذب مذکور محال ہے کیوں کہ ایسے کلام کا مرتب کرنا جو واقع کے مطابق نہ ہو اور فرشتوں اور نبیوں پر اس کا القا کرنا قدرت الٰہیہ سے باہر نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ انسانی قدرت ربانی قدرت سے بڑھ جائے''۔

ان کے علاوہ فرقۂ وہابیہ کے اور بھی عقائد باطلہ ہیں جو کفر وضلالت پر مبنی ہیں، اعلی حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ نے اپنے فتاوی اور رسائل میں کتاب وسنت اور اقوال ائمہ وعلما سے ان عقائد باطلہ کا رد وابطال فرمایا اور حق کا اثبات فرمایا، احقاق حق و ابطال باطل کے لیے امام الوہابیہ کے رد میں مستقل طور پر کئی ایک مبسوط رسالے تحریر کیے جس میں سے چند یہ ہیں:

(۱) الکوکبة الشهابية فی کفريات ابی الوهابية (۱۳۱۲ھ) (۲) سبحٰن السبوح عن عيب كذب مقبوح (۱۳۰۷ھ)(۳) دامان باغ سبحن السبوح (۱۳۰۷ھ) (۴) سل السيوف الهندية على كفريات بابا النجدية (۱۳۱۲ھ)(۵) القمع المبين لآمال المكذبين (۱۳۲۹ھ)

اول الذکر رسالے میں اعلیٰ حضرت نے وہابیہ کے ستر کفریات شمار کرائے اور ہر ایک کا ردوابطال فرمایا ہے۔

ثانی الذکر رسالہ جیسا کہ نام ہی سے ظاہر ہے جھوٹ اور تمام عیوب ونقائص سے اللہ تعالی کی تسبیح وتقدیس اور اثبات کمالات ساتھ ہی امکان کذب کے قائلین کے رد اور ان کے شبہات کے جوابات پر مشتمل ہے، اعلی حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

فقیر غفر اللہ تعالےٰ لہٗ بحول وقوت رب الارباب، اس مختصر جواب موضح صواب و مزیح ارتیاب میں اپنے مولی جل وعلا کی تسبیح وتقدیس اور اس جناب رفیع وجلال منیع پر جرأت وجسارت والوں کی تقبیح وتفلیس کے لیے کلام کو چار تنزیہوں پر منقسم اور ایک خاتمہ پر مختتم اور بنظر ہدایت عوام وازاحت اوہام، ایک ضروری مقدمہ ان پر متقدم کرتا ہے۔

تنزیہ اول میں ائمہ دین وعلماے معتمدین کے ارشادات متین جن سے بحمد اللہ شمس وامس کی طرح روشن ومبین کہ کذب الٰہی بالاجماع محال اور اسے قدیم سے ائمہ سنت میں مختلف فیہ ماننا عناد ومکابرہ یا جاہلانہ خیال۔

تنزیہ دوم میں بفضل ربانی دعوی اہل حق پر دلائل نورانی جن سے واضح ہو کہ کذب الٰہی قطعاً مستحیل اور ادعاے امکان باطل وبے دلیل۔

تنزیہ سوم میں امام وہابیہ ومعلم ثانی طائفہ نجدیہ مصنف رسالہ یکروزی کی خدمت گزاری اور ان حضرات کے اوہام باطلہ وہذیانات عاطلہ کی ناز برداری کہ یہی صاحب ان حضرات نو کے امام کہن اور ان کے مرجع وملجا وماخذ ومنتہی، انھیں کے سخن۔

تنزیہ چہارم میں جہالات جدیدہ کا علاج کافی اور اس امر حق کا ثبوت وافی کہ مسئلہ قدیمہ خلف وعید، اس مزلّۂ حادثہ سے منزلوں بعید۔

خاتمہ میں جواب مسائل وحکم قائل والحمد للہ مجیب السائل۔

مقدمہ: اقول وباللہ التوفیق وبہ الوصول الی ذری التحقیق، مسلمان کا ایمان ہے کہ مولی سبحانہ وتعالیٰ کے سب صفات، صفاتِ کمال وبروجہ کمال ہیں، جس طرح کسی صفت کمال کا سلب اس سے ممکن نہیں یوں ہی معاذ اللہ کسی صفت نقص کا ثبوت بھی امکان نہیں رکھتا اور صفت کا بروجہ کمال ہونا یہ معنی کہ جس قدر چیزیں اس کے تعلق کی قابلیت رکھتی ہیں ان کا کوئی ذرہ اس کے احاطۂ دائرہ سے خارج نہ ہو نہ یہ کہ موجود ومعدوم وباطل وموہوم میں کوئی شی؟ ومفہوم بے اس کے تعلق کے نہ رہے اگر چہ وہ اصلا صلاحیت تعلق نہ رکھتی ہو اور اس صفت کے دائرہ سے محض اجنبی ہو۔ اب احاطہ دوائر کا تفرقہ دیکھیے:

(۱) خلاقِ کبیر جل وعلا فرماتا ہے: **خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ** (الانعام ۶/۱۰۲) وہ ہر چیز کا بنانے والا ہے تو اسے پوجو۔ یہاں صرف حوادث مراد ہیں کہ قدیم یعنی ذات وصفات باری تعالیٰ عز مجدہ مخلوقیت سے پاک۔

(۲) سمیع وبصیر جل مجدہ فرماتا ہے: **اِنَّه بِكُلِّ شَىْءٍ بَصِير**. (ملک ۶۷/۱۹) وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے، یہ تمام موجودات قدیمہ وحادثہ سب کو شامل مگر معدومات

خارج یعنی مطلقا یا جس چیز نے ازل سے اب تک کسوت وجود نہ پہنی نہ ابد تک پہنے کہ ابصار کی صلاحیت موجود ہی میں ہے جو اصلاً ہے ہی نہیں، وہ نظر کیا آئے گا تو نقصان جانب قابل ہے نہ کہ جانب فاعل۔

(۳) قوی قدیر تبارک وتعالےٰ فرماتا ہے: وَ ھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیٍٔ قَدِیر. ہر چیز پر قدرت والا ہے۔ یہ موجود ومعدوم سب کو شامل، بشرط حدوث وامکان کہ واجب ومحال اصلا لائق مقدوریت نہیں مواقف میں ہے: **القدیم لا یستند الی القادر** (قدیم کو قادر کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا۔ت) شرح مقاصد میں ہے: **لا شئ من الممتنع بمقدور** (کوئی ممتنع مقدور نہیں ہوتا۔)

(۴) علیم خبیر عز شانہ فرماتا ہے: وَ ھُوَ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیم. وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ یہ کلیہ واجب وممکن وقدیم وحادث وموجود ومعدوم ومفروض وموہوم غرض ہر شئ و مفہوم کو قطعا محیط جس کے دائرے سے اصلا کچھ خارج نہیں، یہ ان عمومات سے ہے جو عموم قضیۂ **ما من عام الا و قد خص منه البعض** (ہر عام سے کچھ افراد مخصوص ہوتے ہیں۔ت) سے مخصوص ہیں، شرح مواقف میں فرمایا:

علمه تعالی یعم المفهومات کلها الممکنة والواجبة والممتنعة فهو اعم من القدرة لانها تختص بالممکنات دون الواجبات والممتنعات.

یعنی اللہ تعالی کا علم تمام مفہومات کو شامل ہے خواہ وہ ممکن ہیں یا واجب یا ممتنع، اور وہ قدرت سے عام ہے کیونکہ قدرت کا تعلق فقط ممکنات سے ہے واجبات اور ممتنعات کے ساتھ وہ متعلق نہیں ہوتی۔

اب دیکھیے لفظ چاروں جگہ ایک ہے یعنی کل شئ، مگر ہر صفت نے اپنے ہی دائرے کی چیزوں کو احاطہ فرمایا جو اس کے قابل اور اس کے احاطہ میں داخل تھیں، تو جس طرح ذات و صفات خالق کا دائرۂ خلق میں نہ آنا معاذ اللہ عموم خالقیت میں نقصان نہ لایا، نقصان جب تھا کہ کوئی مخلوق احاطہ سے باہر رہتا، یا معدومات کا دائرۂ ابصار سے مہجور رہتا عیاذا باللہ، احاطہ بصر الٰہی میں باعث فتور نہ ہوا، فتور جب ہوتا کہ کوئی مبصر خارج رہ جاتا، اسی طرح صفت قدرت کا کمال یہ ہے کہ جو شے اپنی حد ذات میں ہونے کے قابل ہے، اس سب پر قادر ہو، کوئی ممکن احاطہ

قدرت سے جدا نہ رہے، نہ یہ کہ واجبات ومحالات عقلیہ کو بھی شامل ہو جو اصلا تعلق قدرت کی صلاحیت نہیں رکھتے، سبحان اللہ محال کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی طرح موجود نہ ہوسکے، اور مقدور وہ کہ قادر چاہے تو موجود ہوجائے، پھر دونوں کیوں کر جمع ہوسکتے ہیں، اور اس کے سبب یہ سمجھنا کہ کوئی شے دائرۂ قدرت سے خارج رہ گئی محض جہالت کہ محالات مصداق وذات سے بہرہ ہی نہیں رکھتے، حتی کہ فرض وتجویز عقلی میں بھی تو اصلا یہاں کوئی شے تھی ہی نہیں جسے قدرت شامل نہ ہوئی یا اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیٍٔ قَدِیر. قدیر کے عموم سے رہ گئی۔

یہاں سے ظاہر ہوگیا کہ مغویانِ تازہ جو اسی مسئلۂ کذب ودیگر نقائص وغیرہا کی بحث میں بے علموں کو بہکاتے ہیں کہ مثلاً کذب یا فلاں عیب یا فلاں بات پر اللہ عزوجل کو قادر نہ مانا تو معاذ اللہ عاجز ٹھہرا اور اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیر. کا انکار ہوا، یہ ان ہوشیاروں کی محض عیاری وتزویر اور بیچارے عوام کو بھڑکانے کی تدبیر ہے، ایہا المسلمون! قدرت الٰہی صفت کمال ہوکر ثابت ہوئی ہے، نہ معاذ اللہ صفت نقص وعیب، اور اگر محالات پر قدرت مانیے تو ابھی انقلاب ہوجاتا ہے، وجہ سنیے، جب کسی محال پر قدرت مانی اور محال سب ایک سے مع ہذا تمھارے جاہلانہ خیال پر جس محال کو مقدور نہ کہیے اتنا عجز وقصور سمجھیے تو واجب کہ سب محالات زیر قدرت ہوں، اور منجملہ محالات سلب قدرت الٰہیہ بھی ہے تو لازم کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کھودینے اور اپنے آپ کو عاجز محض بنالینے پر بھی قادر ہو، اچھا عموم قدرت مانا کہ اصل قدرت ہی ہاتھ سے گئی، یوں ہی منجملہ محالات عدم باری عزوجل ہے تو اس پر بھی قدرت لازم، اب باری جل وعلا عیاذ باللہ واجب الوجود نہ ٹھہرا، تعمیم قدرت کی بدولت الوہیت ہی پر ایمان گیا تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔

پس بحمد اللہ ثابت ہوا کہ محال پر قدرت ماننا قطع نظر اس سے کہ خود قول بالمحال ہے، جناب باری عز اسمہ کو سخت عیب لگانا اور تعمیم قدرت کے پردے میں اصل قدرت بلکہ نفس الوہیت سے منکر ہوجانا ہے، للہ انصاف! حضرات کے یہ تو حالات اور اہل سنت پر معاذ اللہ عجز باری عزوجل ماننے کے الزامات، ہمارے دینی بھائی اس مسئلہ کو خوب سمجھ لیں کہ حضرات کے مغالطہ وتلبیس سے امان میں رہیں، واللہ الموفق۔ (ملخصا فتاوی رضویہ ۱۵/ ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۵، ۳۱۷، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳)

رہا امام الوہابیہ کا یہ ہذیان کہ اگر اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو جب کہ اکثر آدمی اس پر قادر ہیں تو لازم آئے گا کہ انسان کی قدرت اللہ کی قدرت سے بڑھ جائے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اس ہذیان کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایھا المسلمون! حماکم اللہ شر المجون للہ! بنظر انصاف اس اغوائے عوام وطغوائے تمام کو غور کرو کہ اس بس کی گانٹھ میں کیا کیا زہر کی پڑیاں بندھی ہیں،

اولاً دھوکا دیا کہ آدمی تو جھوٹ بولتے ہیں خدا نہ بول سکے تو قدرت انسانی اس کی قدرت سے زائد ہو حالاں کہ اہل سنت کے ایمان میں انسان اور اس کے تمام اعمال واقوال واوصاف واحوال سب جناب باری عزوجل کے مخلوق ہیں، قال المولیٰ سبحانہ وتعالیٰ:

وَ اللّٰہُ خَلَقَکُم وَ مَا تعمَلُونَ. (الصافات ۳۷/ ۹۶).

تم اور جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے۔

انسان کو فقط کسب پر ایک گونہ اختیار ملا ہے، اس کے سارے افعال مولیٰ عزوجل ہی کی سچی قدرت سے واقع ہوتے ہیں، آدمی کی کیا طاقت کہ بے اس کے ارادہ وتکوین کے پلک مار سکے، انسان کا صدق وکذب، کفر، ایمان، طاعت، عصیان جو کچھ ہے سب اسی قدیر مقتدر جل وعلا نے پیدا کیا، اور اسی کی عمیم قدرت عظیم ارادت سے واقع ہوتا ہے۔

وَ مَا تَشَاء ونَ اِلّا اَن یَّشَاءَ اللّٰہ رَبّ العٰلَمِین.

تم نہ چاہو گے مگر یہ کہ اللہ چاہے جو پروردگار ہے سارے جہان کا۔ ع

اس کا چاہا ہوا، ہمارا نہ ہوا

ما شئت کان و ما تشاء یکون لا ما یشاء الدھر والافلاک

(جو تو نے چاہا ہو گیا، جو تم چاہو گے وہ ہو جائے گا، نہیں ہوگا جو دہر اور افلاک چاہیں گے۔)

پھر کتنا بڑا فریب دیا ہے کہ آدمی کا فعل قدرت الٰہی سے جدا ہے یہ خاص اشقیائے معتزلہ کا مذہب نامہذب ہے قرآن عظیم کا مردود ومکذب۔

ثانیاً اقول اس ذی ہوش سے پوچھو انسان کو اپنا بڑا جھوٹ بولنے پر قدرت ہے یا معاذ اللہ اللہ عزوجل سے بلوانے پر، پھر قدرت بڑھنا تو جب ہوتا کہ اللہ تعالیٰ آدمی سے

جھوٹ بلوانے پر قابو نہ رکھتا، اپنے کذب پر قادر نہ ہوتو انسان کو اس عزیز جلیل کے کذب پر کب قدرت تھی کہ قدرت الٰہی سے اس کی قدرت زائد ہو گئی۔ **ولکن من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔**

فائدہ عائدہ ضروری الملاحظہ: ایھا المسلمون! پر ظاہر کہ قدرت بڑھنے کے یہ معنی کہ ایک شئے پر اسے قدرت ہے اُسے نہیں، نہ یہ کہ اسے جس شئے پر قدرت ہے وہ تو اس کی قدرت میں بھی داخل، مگر ایک اور چیز اس کی قدرت سے خارج جو ہرگز اس کی قدرت میں بھی داخل نہ تھی اسے قدرت بڑھنا کوئی مجنون ہی سمجھے گا، یہاں بھی دو چیزیں ہیں: ایک کذب انسانی، وہ قدرت انسانی میں مجازا ہے اور قدرت ربانی میں حقیقۃ۔ دوم کذب ربانی، اس پر قدرت انسانی نہ قدرت ربانی، تو انسان کی قدرت کس بات میں معاذ اللہ مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے بڑھ گئی، ہوا یہ کہ ملاجی نے بغایت سفاہت وغباوت کہ تمغائے عامہ اہل بدعت ہے، یوں خیال کیا کہ انسان کو اپنے کذب پر قدرت ہے، اور بعینہ یہی لفظ جناب عزت میں بول کر دیکھا کہ اسے بھی اپنے کذب پر قدرت چاہیے ورنہ جو چیز مقدور انسان بھی ہو مقدور رحمٰن نہ ہوئی، ختم الٰہی کا ثمرہ کہ دونوں جگہ اپنے اپنے کا لفظ دیکھ لیا اور فرق معنی اصلاً نہ جانا، ایک جگہ اپنے سے مراد ذات انسان ہے، دوسری جگہ ذات رحمٰن جل وعلا، پھر جو شے قدرت انسانی میں تھی قدرت ربانی سے کب خارج ہوئی، **کَذٰلِکَ یطبَعُ اللّٰہ عَلیٰ کلِّ قَلبِ مُتَکَبِّرٍ جبَّارٍ۔ (المومن ۴۰/ ۳۵)**

ثالثاً حضرت کو اسی ''یکروزی'' میں یہ تسلیم روزی کہ کذب عیب ومنقصت ہے اور بیشک باری عزوجل میں عیب ونقصان آنا محال عقلی، اور ہم اسی رسالہ کے مقدمے میں روشن کر چکے کہ محال پر قدرت ماننا اللہ عزوجل کو سخت عیب لگانا بلکہ اس کی خدائی سے منکر ہو جانا ہے۔ حضرات مبتدعین کے معلم شفیق ابلیس خبیث علیہ اللعن نے یہ عجز وقدرت کا نیا شگوفہ ان دہلوی بہادر سے پہلے ان کے مقتدا ابن حزم فاسد العزم فاقد الجزم ظاہری المذہب ردی المشرب کو بھی سکھایا تھا کہ اپنے رب کا ادب واجلال یکسر پس پشت ڈال کتاب الملل والنحل میں بک گیا کہ: **انہ تعالیٰ قادر ان یتخذ ولدا اذ لو لم یقدر لکان عاجزا۔** یعنی اللہ تعالےٰ اپنے لیے بیٹا بنانے پر قادر ہے کہ قدرت نہ مانو تو عاجز ہوا۔

تعالی اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا لقد جئتم شیئا ادا تکاد السمٰوت یتفطرن منہ و تنشق الارض و تخر الجبال ھدا ان دعوا للرحمن ولدا و ما ینبغی للرحمن ان یتخذ ولدا.

ظالم جو کہتے ہیں اللہ تعالی اس سے کہیں بلند ہے۔ بیشک تم حد کی بھاری بات لائے، قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق ہوجائے اور پہاڑ گر جائیں ڈھے کر اس پر کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد بتائی اور رحمٰن کے لائق نہیں کہ اولاد اختیار کرے۔

سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی مطالب الوفیہ میں ابن حزم کا یہ قول نقل کر کے فرماتے ہیں:

فانظر اختلال ھذا المبتدع کیف غفل عما یلزم علی ھذہ المقالۃ الشنیعۃ من اللوازم التی لاتدخل تحت وھم و کیف فاتہ ان العجز انما یکون لو کان القصور جاء من ناحی القدر اما اذا کان لعدم قبول المستحیل تعلق القدر فلا یتوھم عاقل ان ھذا عجز.

یعنی اس بدعتی کی بدحواسی دیکھنا کیوں کر غافل ہوا کہ اس قول شنیع پر کیا کیا قباحتیں لازم آتی ہیں جو کسی وہم میں نہ سمائیں اور کیوں کر اس کے فہم سے یہ بات رہ گئی کہ عجز تو جب ہو کہ قصور قدرت کی طرف سے آئے اور جب وجہ یہ ہے کہ محال خود ہی تعلق قدرت کی قابلیت نہیں رکھتا تو اس سے کسی عاقل کو عجز کا وہم نہ گزرے گا۔ (ملخصا فتاوی رضویہ ۱۵/ ۳۶۳،۳۶۴،۳۶۵)۔

امام الوہابیہ کی اس دلیل علیل کا مذکورہ تین وجھوں سے رد وابطال کے بعد اس پر معارضات والزامات کا جو سلسلہ قائم فرمایا ہے اس کا تعلق پڑھنے سے ہے۔ دیکھیں رسالہ سبحان السبوح۔

دیوبندی:

یہ فرقہ دراصل وہابیت ہی کی ایک شاخ ہے، اس فرقے نے بھی شان رسالت میں کھلی ہوئی گستاخیاں کیں اور ضروریات دین کا انکار کیا، ان کے چند عقائد باطلہ یہ ہیں:

۱- یہ فرقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بمعنی آخر النبیین نہیں مانتا، اسے عوام کا خیال قرار دیتا ہے، چنانچہ تحذیر الناس ص: ۲ پر ہے:

''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاے سابق کے بعد اور آپ سب میں آخر نبی ہیں، مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں وَ لٰکِن رَّسُولَ اللّٰہِ وَ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے؟ ہاں! اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہیے اور اس مقام کو مقام مدح نہ قرار دیجیے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہوسکتی ہے''۔

۲- ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ شیطان اور ملک الموت کے لیے پوری روے زمین کا علم نص سے ثابت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے لیے یہ وسعت علم ماننا شرک ہے۔ جیسا کہ براہین قاطعہ ص: ۵۵ پر ہے:

''الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ کہ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔''

۳- ان کا ایک عقیدہ یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علم غیب حاصل ہے ایسا علم زید وعمرو، ہر بچے اور پاگل، بلکہ تمام جانوروں اور چوپایوں کو بھی حاصل ہے، چنانچہ ان کے عظیم پیشوا کی کتاب حفظ الایمان کے صفحہ ۷ پر ہے:

''آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم غیب تو زید وعمرو، بلکہ ہر صبی ومجنون، بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔''

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ نے اپنے مبسوط فتاویٰ اور ''المعتمد المستند'' میں ان تمام عقائد باطلہ کفریہ کا ردوابطال فرمایا اور مستقل رسائل تحریر کیے جن میں بعض کا ذکر ماسبق میں آچکا ہے اور ان کے کچھ اقتباسات بھی نقل کیے گئے ہیں، خاص طور سے اول الذکر عقیدہ باطلہ کے ابطال کے لیے کئی رسالے تحریر فرمائے، عقیدہ دوم کا ردوابطال کرتے ہوئے المعتمد المستند میں فرماتے ہیں:

تو اے مسلمانو! اور اے سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم اجمعین پر ایمان رکھنے والو! اس شخص کو دیکھو جو علوم میں اور ان کی مہارت میں بلند پائے کا مدعی ہے اور اپنے اذناب میں قطب وغوث الزمان کہلاتا ہے کیسے محمد رسول اللہ ﷺ کو منہ بھر گالی دیتا ہے۔ اور اپنے شیخ ابلیس کی وسعت علم پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کے بارے میں کہتا ہے جس کو اللہ نے وہ سب بتادیا جو وہ نہ جانتے تھے اور اللہ کا ان پر بڑا فضل ہے۔ اور وہ جن کے لیے ہر شئ روشن ہوئی اور انھوں نے ہر شئ کو پہچانا، اور آسمان وزمین میں جو کچھ ہے اسے جان لیا اور مشرق ومغرب کے درمیان جو کچھ ہے سب جان لیا، اور اگلوں اور پچھلوں کے سارے علوم جان لیے، جیسا کہ ان تمام باتوں پر بہت سی حدیثوں نے نص کی، ان کے بارے میں کہتا ہے کہ ''فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے۔'' تو کیا یہ ابلیس کے علم پر ایمان لانا اور محمد ﷺ کے علم سے کافر ہونا نہیں؟ حالانکہ نسیم الریاض میں فرمایا جیسا کہ گزرا، جو یہ کہے کہ فلاں حضور ﷺ سے زیادہ علم والا ہے تو اس نے بے شک حضور ﷺ کو عیب لگایا اور ان کا مرتبہ گھٹایا لہذا وہ حضور ﷺ کو گالی دینے والا ہے، اور اس کے بارے میں وہی حکم جو گالی دینے والے کا ہے، ہم اس میں کسی صورت کا استثناء نہیں کرتے اور یہ تمام باتیں صحابۂ کرام کے زمانے سے اجماعی ہیں۔

پھر میں کہتا ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہر کے نشانوں کو دیکھو، انکھیارا کیسے اندھا ہوتا ہے، اور کیسے ہدایت پر اندھے پن کو ترجیح دیتا ہے، ابلیس کے لیے روئے زمین کا علم محیط مانتا ہے، اور جب محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکر آتا ہے کہتا ہے کہ ''شرک ہے'' اور شرک تو اللہ کا شریک ماننا ہے، تو جب کسی ایک چیز کا ثابت کرنا مخلوق میں سے کسی کے لیے شرک ہو تو

یقیناً وہ تمام مخلوق کے لیے شرک ہوگا، اس لیے کہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی اللہ کا شریک ہو۔ اب دیکھو کیسے اس پر ایمان لے آیا، کہ ابلیس اللہ سبحانہ تعالیٰ کا شریک ہے۔ اور شریک باری تعالیٰ ہونا تو صرف محمد ﷺ سے منتفی ہے۔ پھر اس کی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ کے غضب کے گھٹاٹوپ کو دیکھو کہ محمد ﷺ کے علم میں نص کا مطالبہ کرتا ہے اور اس پر بھی راضی نہیں مگر جب کہ قطعی ہو، پھر جب محمد ﷺ سے علم غیب کی نفی پر آیا تو خود اسی بیان میں ص ۴۶ پر اس ذلیل کفر سے ۶ سطر پہلے ایک حدیث باطل سے تمسک کیا جس کی دین میں کوئی اصل نہیں۔ اور اس کو اس کی طرف منسوب کردیا جس نے اس کی روایت نہ کی بلکہ اس کو صاف رد کیا۔ اس لیے کہ وہ کہتا ہے۔ ''شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ باوجود کہ شیخ قدس سرہ نے مدارج النبوۃ میں تو یوں فرمایا: ''اس جگہ لوگ اشکال لاتے ہیں کہ بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، مجھے معلوم نہیں کہ اس دیوار کے پیچھے کیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کی کوئی اصل نہیں ہے۔ یہ بات کوئی اصل نہیں رکھتی، اور اس مضمون کی روایت ثابت نہ ہوئی۔ الخ

اب دیکھو؛ کیسے: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ (سور?النساء، آیت ۴۳) (نماز کے پاس نہ جاؤ) سے دلیل لاتا ہے اور ''وَ اَنْتُمْ سُکٰرٰی'' (نشہ کی حالت میں) چھوڑ دیتا ہے اور یوں ہی شیخ عبدالحق کی طرح امام ابن حجر عسقلانی نے فرمایا؛ کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، اور امام ابن حجر مکی نے افضل القریٰ میں فرمایا: اس بات کی کوئی سند معلوم نہ ہوئی۔ (المعتمد المستند مترجم، ص: ۳۳۵، ۳۳۶)۔

عقیدۂ سوم کا ردوابطال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں اب اللہ کی مہر کے آثار دیکھو، کیسے رسول خدا ﷺ اور ایسے ویسے معمولی عام لوگوں کے درمیان برابری ٹھہراتا ہے اور اس کے ذہن سے کہ علم زید وعمرو اور مشیخت کے اس مدعی کے بڑوں کا غیبوں کا جاننا اگر ہو بھی تو ظن کے سوا کچھ نہ ہوگا اور غیبوں کا علم یقینی تو اصالۃ اللہ کے نبیوں ہی کے لیے ہے اور غیر نبی کو جو غیب کا یقین حاصل ہوتا ہے تو نبیوں کی ہی خبر سے حاصل ہوتا ہے، کیا تم نے اپنے رب کی طرف نہ دیکھا کیسے ارشاد فرماتا

ہے: وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُم عَلَى الغَيبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجتَبِي مِن رُّسلِهِ مَن يَّشَاءُ (سورۃ آل عمران آیت ۱۷۹) اور اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو! تمھیں غیب کا علم دیدے، ہاں اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔ (کنز الایمان)

اور فرمایا: عزت والا ہے وہ قائم: عٰلِمُ الغَيبِ فَلَا يُظهِرُ عَلٰى غَيبِهِ اَحَدًا (سورۃ الجن آیت ۲۶، ۲۷)۔ غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ (کنز الایمان)

تو دیکھو اس شخص نے قرآن کو تو کیسے چھوڑ دیا، اور ایمان کو رخصت کر دیا، اور نبی اور حیوان کے درمیان فرق پوچھنے لگا، اس لیے کہ اس نے کہا ''تو چاہیے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے پھر اگر اس کا التزام نہ کیا جائے تو نبی وغیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے''۔ اھ

یوں ہی اللہ تعالی ہر گھمنڈی بڑے خائن کے دل پر مہر کر دیتا ہے اے لوگو! پھر دیکھو، اس شخص نے مطلق علم اور علم مطلق کے درمیان امر کو کس طرح محصور کر دیا اور ایک حرف یا دو حرفوں کے علم اور گنتی اور شمار کی حد سے باہر کے علوم کے درمیان کوئی فرق قرار نہ دیا، اس کے نزدیک تو فضل تمام معلومات کے پورے احاطے میں منحصر ٹھہرا اور ہر وہ فضل جس میں معلومات میں سے کچھ باقی رہ جائے اس سے فضیلت کا سلب اس کے نزدیک واجب ہوا، تو اس کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے فضل علم کا مسلوب ہونا ضروری ہوا، غیب وشہادت کی تخصیص کے بغیر انبیا سے فضل علم کا مسلوب ہونا واجب ہوا، اور اس کی خبیث تقریر مطلق علم میں جاری ہونا علم غیب کی بنسبت ظاہر تو ہے اس لیے کہ بعض اشیا کا مطلق علم ہر انسان وحیوان کو حاصل ہونا اس کے لیے علم غیب کے حاصل ہونے سے زیادہ ظاہر ہے۔

پھر میں کہتا ہوں، تم کسی ایسے شخص کو جو محمد ﷺ کی شان گھٹاتا ہے ہرگز اس حال میں نہ دیکھو گے کہ وہ اپنے رب کی تعظیم کرتا ہو، ہرگز نہیں، خدا کی قسم محمد کی تنقیص تو وہی کرتا ہے جو ان کے رب کی شان گھٹانا چاہتا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدرِهِ (سورۃ الانعام آیت، ۹۱) اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیے تھی۔ (کنز الایمان) یا اس لیے کہ تقریر خبیث اگر اللہ تبارک وتعالی کے علم میں جاری نہ ہو تو یہ

تقریر بعینہ بے تکلف اللہ کی قدرت میں جاری ہوگی جیسے کوئی ملحد جو اللہ کی قدرت عامہ کا منکر ہو وہ اس جاہل سے جو علم محمد رسول اللہ کا منکر ہے سیکھ کر کہے ''اگر اللہ کی ذات مقدسہ پر اشیا پر قدرت کا حکم لگایا جانا جیسا کہ مسلمان مانتے ہیں صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ کیا بعض اشیا مراد ہیں یا تمام اشیا مراد ہیں اب اگر بعض اشیا مراد لیتے ہیں تو اس میں حضرت ربوبیت کی کیا خصوصیت ہے اس لیے کہ اشیا پر ایسی قدرت زید وعمرو کو بلکہ ہر بچہ اور پاگل کو بلکہ تمام حیوانات وبہائم کو حاصل ہے۔ اور اگر تمام اشیا مراد ہیں اس طور پر کہ اللہ کی قدرت سے کوئی فرد خارج نہ ہو تو اس کا بطلان عقلا ونقلا ثابت ہے اس لیے کہ اشیا میں اللہ تعالی کی ذات بھی ہے اور اس کو اپنی ذات پر قدرت نہیں ورنہ وہ مقدور ٹھہرے گا تو ممکن ہوگا تو واجب نہ ہوا پھر خدا نہ ہوگا تو اب بدی کو دیکھو کہ ایک بدی دوسری بدی کی طرف کیسے کھینچ کر لے جاتی ہے۔ اور اللہ ہی کی پناہ جو رب سب جہانوں کا۔ (المعتمد المستند مترجم، ص: ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹)۔

فلسفۂ قدیمہ وجدیدہ:

فلاسفہ کے بھی بہت سارے نظریات وہ ہیں جو اسلام مخالف ہیں علمائے متقدمین نے ان نظریات کا رد وابطال اپنی کتابوں میں کیا ہے، چنانچہ حجۃ الاسلام امام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے رد میں ''تہافت الفلاسفہ'' نام کی کتاب تصنیف فرمائی، اعلی حضرت امام احمد رضا خاں قادری قدس سرہ نے بھی ان کے اسلام مخالف نظریات کا رد و ابطال فرمایا ہے اور کئی رسالے تحریر کیے جن میں سے چند یہ ہیں:

۱- مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید (۱۳۰۴ھ)

۲- نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان (۱۳۳۹ھ)

۳- معین مبین بهر دور شمس و سکون زمین (۱۳۳۸ھ)

۴- فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ)

۵- الکلمة الملهمة فی الحکمة المحکمة لوهاء الفلسفة المشئمة (۱۳۳۸ھ).

پہلے اور دوسرے رسالے کے نام ہی سے ظاہر ہے کہ ان دونوں رسالوں کا موضوع کیا ہے، تیسرے رسالے کا پس منظر یہ ہے کہ امریکہ کے ایک مشہور منجم پروفیسر البرٹ نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ۱۷ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو چھ سیارے جن کی طاقت سب سے زائد ہے، قران میں ہوں گے آفتاب کے ایک طرف ۲۶ درجے کے تنگ فاصلہ میں جمع ہوکر اسے بقوت کھینچیں گے اور وہ ان کے ٹھیک مقابلہ میں ہوگا جس کی وجہ سے بڑا خوف ناک طوفان آئے گا کرۂ ہوا میں تزلزل پیدا ہوگا، بجلیاں، سخت بارش او بڑے زلزلے ہوں گے اور بالخصوص ممالک متحدہ ہائے امریکہ نیست ونابود ہوجائیں گے۔

جب امام احمد رضا قادری تک یہ خبر پہنچی تو کتاب وسنت اور خود علوم فلکیہ کو سامنے رکھ کر اس پیشین گوئی کا سخت رد فرمایا اسے اوہام باطلہ اور ہوسات عاطلہ سے قرار دیا جس کی طرف التفات کرنا مسلمانوں کو جائز نہیں، اس رسالے کا ایک مختصر اقتباس یہ ہے:

(۱) منجم نے ان کی بنا کواکب کے طول وسطی پر رکھی جسے ہیات جدیدہ میں اول بفرض مرکزیت شمس کہتے ہیں، اس میں وہ چھ کواکب باہم ۲۶ درجے ۲۳ دقیقے کے فصل میں ہوں گے مگر یہ فرض خود فرض باطل ومطرود اور قرآن عظیم کے ارشادات سے مردود ہے، نہ شمس مرکز ہے نہ کواکب اس کے گرد متحرک، بلکہ زمین کا مرکز ثقل مرکز عالم ہے اور سب کواکب اور خود شمس اس کے گرد دائر۔ اللہ تعالے عزوجل فرماتا ہے:

اَلشَّمسُ وَ القَمَرُ بِحُسبَانٍ. (الرحمن-۵)

سورج اور چاند کی چال حساب سے ہے۔ اور فرماتا ہے:

وَ الشَّمس تَجرِی لِمُستَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقدِیرُ العَزِیزِ العَلِیم. (یٰسٓ ۳۶/ ۳۸).

سورج چلتا ہے اپنے ایک ٹھہراؤ کے لیے، یہ سادھا ہوا ہے زبردست علم والے کا۔

اور فرماتا ہے:

کُلٌّ فِی فَلَکٍ یَّسبَحُونَ (یٰسین ۳۶/ ۴۰)

چاند سورج ایک ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔ اور فرماتا ہے:

وَ سَخَّرَ لَکُمُ الشَّمسَ وَ القَمَرَ دَائِبَین۔ (ابراہیم ۱۴/ ۳۳)۔

تمھارے لیے چاند اور سورج مسخر کیے کہ دونوں باقاعدہ چل رہے ہیں۔

اور سورۂ رعد میں فرماتا ہے:

وَ سَخَّرَ الشَّمسَ وَ القَمَرَ کُلٌّ یَّجرِی لِاَجَلٍ مُّسَمًّی. (فاطر ۳۵/ ۱۳).

اللہ نے مسخر فرمائے چاند سورج، ہر ایک ٹھہرائے وقت تک چل رہا ہے۔

بعینہ اسی طرح سورہ لقمان، سوہ ملک، سورہ زمر میں فرمایا۔ اس پر جو جاہلانہ اختراع پیش کرے اس کے جواب کو آیہ کریمہ تمھیں تعلیم فرمادی ہے:

اَلَا یَعلَمُ مَن خَلَقَکَ وَ هُوَ اللَّطِیفُ الخَبِیرُ. (ملک ۶۷/ ۱۴)

کیا وہ نہ جانے جس نے بنایا اور وہی ہے پاک خبر دار۔

تو پیش گوئی کا سرے سے مبنی ہی باطل ہے۔ (فتاوی رضویہ ۲۷/ ۲۳۰، ۲۳۱)۔

یہاں تک کہ وہ دن بھی آگیا جس دن کے بارے میں اس امریکی منجم نے پیشین گوئی کی تھی کہ دنیا تباہ ہوجائے گی، مگر کچھ بھی نہ ہوا۔

اسی طرح سے اعلی حضرت قدس سرہ نے دیگر فرق باطلہ کا بھی رد فرمایا ہے اور باضابطہ رسالے تحریر کیے: ''غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق'' اور ''مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین'' جیسے رسالے دیکھے جاسکتے ہیں۔

ان کے علاوہ اس دور میں اٹھنے والی باطل تحریکات اور ان کے غلط افکار ونظریات سے امت مسلمہ کو آگاہ کیا اور ان کے بھی رد میں مبسوط فتاوی جاری کیے اور قوم مسلم کو منہاج شریعت بتا کر اپنا فرض منصبی ادا کیا۔

بدعات ومنکرات کے خلاف بھی قلمی جہاد فرمایا اور سینہ سپر رہے کبھی بھی ان سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا، اس طرح امام احمد رضا کی حیات وخدمات کا جائزہ لیا جائے تو آپ کی پوری زندگی خدمت اسلام وسنیت اور احقاق حق وابطال باطل سے عبارت نظر آتی ہے۔ دعا ہے اللہ تعالی ہمیں بھی امام اہل سنت مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فروغِ تعلیم میں امام احمد رضا کردار

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
مالیگاؤں

تمہید:

اسلام مکمل ضابطۂ حیات اور دینِ فطرت ہے۔ جو اپنے صاف اور صریح احکام و فرامین کی بے پناہ دل کشی اور کشش کی وجہ سے انسانی قلوب واذہان میں گھر کرتا چلا جاتا ہے۔ اسلام ہی وہ مذہبِ مہذب ہے جو تہذیبِ اَخلاق بھی سکھاتا ہے اور سیاستِ مُدَن بھی، اسلام ہی ہے جو تدبیرِ منزل کے اصولوں سے واقف کراتا ہے اور انسانی فطرت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس سے متعلق گوناگوں علوم و معارف کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ دراصل اسلام ہی وہ واحد اور کامل واکمل دین ہے، جو انسان کو کائنات کے رازہائے سربستہ معلوم کرنے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔ تاکہ اہلِ اسلام نہ صرف یہ کہ نام کے مسلمان کہلائیں بلکہ وہ مبدءِ فیاض کی طرف سے ودیعت کردہ اپنے قلب وذہن کی پوری طاقت اور توانائی کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت والوہیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و عظمت اور اسلام کے جملہ احکام وفرامین پر صدق ویقین کے ساتھ ایمان لانے والے ہونے کے ساتھ ساتھ علوم ومعارف کا سرچشمہ بھی بن جائیں۔ قرآن مقدس اور احادیث میں علم کے فضائل و برکات بیان ہوئے ہیں اور علم دین کا سیکھنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ علم حاصل کرکے اسے عام کرنے پر اعزازاتِ خسروانہ کی بشارتیں دی گئی ہیں۔ ہر دور میں علماے حق نے تعلیم کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری برکاتی بریلوی (ولادت : ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء- وصال: ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کی دینی وعلمی خدمات کا معترف سارا عالم اسلام ہے۔ آپ کی ہمہ جہت شخصیت کا اندازہ لگانا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں، وہ اپنی ذات میں نہ صرف ایک انجمن تھے بلکہ کئی یونیورسٹیوں اور جامعات کا مجموعہ تھے۔ آپ کی متنوع صفات شخصیت کا ایک گوشہ تعلیم کے شعبے میں مہارت اور تعلیم کا فروغ واستحکام بھی ہے۔ آپ نے فروغِ تعلیم میں جو نمایاں کردار ادا کیا وہ یقیناً آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور ہر لحاظ سے قابلِ تحسین وتقلید ہے۔

امام احمد رضا بریلوی قدیم وجدید علوم وفنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے تعلیم کے نظام میں در آئی خامیوں کی بے لاگ اصلاح فرمائی اور غیر اسلامی افکار و نظریات کا رد بلیغ کرتے ہوئے تعلیم کا بنیادی مقصد اللہ عزوجل کی معرفت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو قرار دیا۔ آپ نے استاذ کا ادب واحترام سکھایا، صالح معاشرے کی تشکیل میں تعلیم کی اہمیت کو واضح کیا، علم کے آداب بتائے، استاذ وشاگرد کے حقوق ومراتب واضح کیے، علوم وفنون کے ضابطے مقرر کیے، سائنس اور دیگر علوم عقلیہ کی اصلاح کی، علم اور علما کے فضائل بتائے، اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داریوں کو واضح کیا۔ امام احمد رضا بریلوی کی تعلیم کے فروغ سے متعلق مساعیِ جمیلہ کا اجمالی جائزہ ذیل میں نشانِ خاطر فرمائیں:

دار العلوم منظر اسلام اور سلسلۂ درس وتدریس:

امام احمد رضا کا تعلیمی نظریہ بالکل واضح اور صاف ستھرا ہے، آپ کے نزدیک دینی علوم کی اہمیت مقدم ومسلم ہے، آپ نے علوم جدیدہ کے حصول سے یکسر منع نہیں کیا بلکہ دینی علوم وفنون کے شانہ بہ شانہ سائنسی علوم کی تحصیل کو بھی مشروط طور پر مباح قرار دیا۔ جس کا تفصیلی ذکر آگے کیا جاتا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے تعلیم کی ضرورت وافادیت کو محسوس کرتے ہوئے پہلے تو اپنے گھر پر ہی درس وتدریس کی مجلسیں آراستہ کیں بعدہٗ باضابطہ طور پر مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ واستحکام کے لیے آپ نے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو شہر بریلی میں

’’دارالعلوم منظر اسلام‘‘ کا قیام عمل میں لایا اور اپنے بڑے بیٹے مولانا محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی (م ۱۹۴۳ء) کو اس کا مہتمم مقرر کیا۔ دارالعلوم منظر اسلام کے قیام اور امام احمد رضا کی تدریسی سرگرمیوں سے متعلق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی رقم طراز ہیں:

> ’’امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے تحریر کے ساتھ ساتھ کچھ عرصہ تدریس کو بھی ذریعۂ تعلیم و تبلیغ بنایا، وہ دارالعلوم منظر اسلام کے بانی تھے انہوں نے یہ دارالعلوم اس وقت قائم کیا جب دشمن اسلام حاکموں نے سنی مسلمانوں کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ایک مثالی دینی مدرسے کے بانی کے لیے ضروری ہے کہ اس میں اخلاص ہو، وہ فکرِ صحیح کا مالک ہو، تعلیم کے بارے میں اس کے نظریات واضح اور مفید ہوں۔ جب ہم امام احمد رضا کی حیات و تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو ان کے ہاں یہ ساری خوبیاں نظر آتی ہیں اور دل گواہی دیتا ہے کہ کسی بھی مثالی دینی ادارے کا بانی ہو تو ایسا ہو۔‘‘ (۱)

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی کے مطابق امام احمد رضا بریلوی نے درسیات سے فراغت کے بعد گھر پر ہی چند سال طلبہ کو پڑھایا، پھر کچھ عرصہ دارالعلوم منظر اسلام میں بھی درس دیا اور بعد میں گونا گوں علمی مصروفیات کی وجہ سے دوبارہ گھر پر صرف مخصوص طلبہ کو اس دور کے تقاضے کے مطابق مخصوص علوم وفنون کا درس دیتے رہے، جیسا کہ وہ ایک مقام پر یوں لکھتے ہیں:

> ’’امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں فارغ ہونے کے بعد گھر ہی پر چند سال طلبہ کو پڑھایا، کیوں کہ منظر اسلام تو بہت بعد میں ۱۹۰۴ء میں قائم ہوا، پھر کچھ عرصہ منظر اسلام میں بھی پڑھایا، بعد میں گوناگوں علمی مصروفیات کی وجہ سے گھر پر صرف مخصوص طلبہ کو مخصوص علوم وفنون کا درس دیتے رہے۔ منظر اسلام کے بانی امام احمد رضا تھے، مہتمم مولانا حامد رضا خاں اور منتظم

> امام احمد رضا کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا خاں تھے۔ مولانا حامد رضا خاں مہتمم بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی، آپ نے منظر اسلام کو خوب ترقی دی، چناں چہ مولانا سلامت اللہ نقشبندی مجددی (م ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) نے مدرسہ منظر اسلام کا معائنہ فرمایا تو اپنی رپورٹ میں لکھا: -’جس کی نظیر اقلیم ہند میں نہیں۔‘
>
> امام احمد رضا کے وصال کے ایک عرصہ بعد ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۴ء میں جلسۂ تقسیم اسناد ہوا تو اس میں عمائدین ہند کے علاوہ درگاہ اجمیر کے دیوان سید آل رسول علی خاں اور علی پور سیداں کے مشہور و معروف شیخ وقت سید جماعت علی شاہ نقشبندی مجددی محدث علی پوری خصوصی مہمان کی حیثیت سے شریک ہوئے‘‘ (۲)

تعلیم کے فروغ کے تئیں امام احمد رضا بریلوی کے مثبت رویوں اور ملت اسلامیہ میں نفع بخش علم کی اشاعت کے لیے بے پناہ فکرمندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب آپ نے دارالعلوم منظر اسلام کا قیام عمل میں لایا تو پہلے سال کے تمام اخراجات امام احمد رضا بریلوی نے خود اپنی جیب خاص سے عنایت فرمائے۔

آپ نے زندگی بھر تعلیم کی ترویج واشاعت کی۔ آپ کے تلامذہ وخلفا نے برصغیر میں تعلیم کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا اور ایک نئی تاریخ مرتب کی۔ فروغ تعلیم کے لیے آپ کی سب سے نمایاں پیش رفت دارالعلوم منظر اسلام کا ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں بریلی میں قیام اور وہاں درس و تدریس کی مجالس آراستہ کرنا ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا کہ تصنیف و تالیف اور کثرتِ کار کی وجہ سے آپ نے اپنا تدریسی سلسلہ مستقل قائم نہ رکھا البتہ مخصوص شاگردوں کی تربیت کا سلسلۂ خیر جاری وساری رکھا اور آپ نے ایک عظیم مربی کی حیثیت سے اپنے دریاے علم سے سیراب ہونے والے تشنگانِ علوم کی اس احسن طرز سے تربیت فرمائی کہ ان میں سے ہر ایک کو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب بنادیا۔ امام احمد رضا بریلوی کے یہی تلامذہ اور ان کے تلامذہ نے پوری دنیا میں تعلیم و تعلم کے فروغ میں ایسا

کردار ادا کیا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

یہ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان قادری برکاتی بریلوی (م ۱۳۲۶ھ/۱۹۴۳ء) ہیں، علم وادب کے عظیم الشان شہسوار...... یہ مبلغ اعظم علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ہیں (م ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) ہیں، میدانِ تبلیغ وارشاد کے منارۂ نور...... یہ حضرت اقدس مولانا دیدار علی الوری (م ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۳۵ء) ہیں، احقاقِ حق وابطالِ باطل میں منفرد ویکتا...... یہ ملک العلماء علامہ سید ظفرالدین بہاری (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) ہیں، علوم جدیدہ فلکیات، ہیئات، زیجات، تکسیر، نجوم اور توقیت کے درخشندہ ماہتاب...... یہ عیدالاسلام مولانا عبدالسلام جبل پوری (م ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) روحانیت کے تاجدار، تصوف وطریقت کے راہی اور قطبِ زمانہ...... یہ صدرالشریعہ علامہ محمد امجد علی اعظمی (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) ہیں، مصنف بہارِ شریعت، علم فقہ کے نابغۂ روزگار عبقری اور استاذ الاساتذہ...... یہ صدرالافاضل مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی (م ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء) ہیں، صاحب تفسیر خزائن العرفان، علم قرآن وتفسیر قرآن اور تقابل ادیان کے درنایاب اور اپنے عہد کے ممتاز مناظر اور مایۂ ناز استاذ...... یہ سحر البیان مولانا سید احمد اشرف اشرفی الجیلانی کچھوچھوی (م ۱۳۴۳ھ) ہیں، میدانِ خطابت کے بے تاج بادشاہ اور ساحر البیاں خطیب...... یہ حضرت علامہ مختار احمد صدیقی میرٹھی (م ۱۳۵۷ھ/ ۱۹۳۸ء) ہیں، علوم قدیمہ وجدیدہ کے حسین سنگم اور سیاست وریاست کے بہترین راہی، تبلیغ وارشاد کے گوہر تابدار...... یہ سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد قادری رضوی (م ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء) ہیں، سحر بیاں مقرر، آزادیِ ہند کی تحریک کے نامور سپاہی، حق پسند وحق گو اور باطل شکن...... یہ مفتی اعظم علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری برکاتی بریلوی (م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۱ء) ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے فرزند اصغر اور آپ کے مظہرِ جمیل...... یہ مولانا عبدالباقی برہان الحق جبل پوری (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴ء) ہیں، فقہ وافتا نویسی کے آفتاب، روحانی فیوض وبرکات کے امین...... غرض یہ کہ کہاں کہاں تک...... کس کس طرح ...... اور کیسے کیسے...... فروغ تعلیم میں امام احمد رضا بریلوی کے ان ارشد تلامذہ کی خدمات جلیلہ کا ذکر خیر کیا جائے...... ان حضرات کی بے لوث دینی وعلمی اور سماجی وسیاسی خدمات ہر

رخ سے آفاقیت لیے ہوئے ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے منظر اسلام کے قیام سے تعلیم وتربیت کے فروغ کا جو سلسلۂ خیر شروع کیا اگر اس کی روشن کڑیاں ملاتے جائیں تو دارالعلوم منظر اسلام سے ہوتے ہوئے جامعہ نعیمیہ مرادآباد، جامعہ رضویہ فیصل آباد پاکستان اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور جیسے اہل سنت کے مرکزی اداروں تک پہنچتی ہیں اور یہی وہ ادارے ہیں جن کے بطون سے پورے عالم اسلام میں نہ جانے کتنے مدارس ومکاتب اور جامعات وکلیات کا قیام عمل میں آیا۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ براہ راست اور بالراست دنیا بھر میں امام احمد رضا کے بعد دنیاے سنیت میں فروغ تعلیم کا جو جال پھیلا ہوا ہے اس کے سرخیل آپ ہی کی ذاتِ بابرکات ہے اور اس طرح آپ کے بالواسطہ اور بلاواسطہ تلامذہ ہندو پاک، بنگلہ دیش، حجاز مقدس، عرب وافریقہ اور یورپ وآسٹریلیا وغیرہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔

امام احمد رضا کا تصورِ نصاب:

تعلیم کے فروغ میں ایک اہم ترین نکتہ نصابِ تعلیم کی تدوین وترتیب کا مرحلہ ہے۔ ایک اچھا ماہر تعلیم طلبہ کی ہمہ جہت ترقی اور نشوونما کے لیے ہمیشہ فکرمند رہا کرتا ہے اور ان کے لیے ایک ایسا جامع، پراثر اور مفید نصاب تعلیم مدون کرتا ہے جو طلبہ کی عمر، استعداد اور نفسیات کے عین مطابق ہو۔ امام احمد رضا بریلوی کے قائم کردہ دارالعلوم منظر اسلام کے نصاب تعلیم میں تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، صرف، نحو، بلاغت، ادب، منطق، حکمت، فلسفہ، ہیئت، زیجات، تکسیر، نجوم، جبر، مقابلہ، کلام، ریاضی، فرائض، مناظرہ وغیرہ شامل تھے۔ مجموعی طور پر پڑھائے جانے والے علوم وفنون کی تعداد ۳۰؍تھی جن کی موجودہ دور میں علوم کے لحاظ سے مزید تقسیم در تقسیم کریں تو اس کی تعداد کافی بڑھ سکتی ہے۔

اس مرکزی دارالعلوم کا نصاب امام احمد رضا بریلوی نے خود ترتیب دیا، تعلیمی معیار کا اندازہ ان کتب تفسیر اور احادیث وفقہ سے لگایا جاسکتا ہے جو منظر اسلام کی اس سند حدیث میں مذکور ہیں، جو امام احمد رضا بریلوی کی حیات میں بریلی سے جاری ہوئی تھیں۔ ۲؍ذی

الحجہ ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء کو مولانا عبدالواحد رضوی ابن مولانا غازی الدین ساکن گڑھی کپورہ (پشاور، پاکستان) کے نام جو سند فراغت آپ نے تفویض فرمائی، اس پر مولانا حامد رضا خان نے بہ حیثیت مدیر اور مولانا رحم الٰہی منگلوری اور مولانا ظہور الحسین فاروقی نقش بندی مجددی نے بطور مدرس دستخط فرمائے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر تمام مشہور کتب حدیث، مسانید، معاجم اور شروح کا ذکر ہے، جو دارالعلوم میں پڑھائی جاتی تھیں، فقہ حنفی کے علاوہ دیگر ائمہ ثلاثہ کے مذاہب سے متعلق بھی کتب پڑھائی جاتی تھیں، مجموعی طور پر ۳۰ رعلوم کا ذکر ہے جو اس دارالعلوم میں پڑھائے جاتے تھے۔

دارالعلوم منظر اسلام کے بانی امام احمد رضا بریلوی کے تعلیمی افکار ونظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیرت بڑھتی جاتی ہے، ارباب علم کو آپ کے نوادرات علمیہ کی سمت متوجہ ہونا چاہیے، آپ کے تعلیمی تصورات کی بہت سی جہتیں ہیں، ہر جہت میں آپ ممتاز دکھائی دیتے ہیں۔ آپ نے تعلیم کے ہر ہر شعبے میں رہبری فرمائی، علم اور اس کے متعلقات کے آداب بتائے، تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی زور دیا اور علم کے ساتھ عمل کی بھی تلقین کی، علم اور علما کے فضائل بتائے، دینی علوم کے فروغ واستحکام کو ہر حال میں مقدم رکھا، آپ کا تصور نصاب ایسا ہے کہ شخصیت کی صحیح اور بہتر نشو ونما ہو سکے اور طالب علم نیک طینت اور صالح خصلتوں کا امین بن سکے۔ دور جدید کے ماہر تعلیم عظیم اللہ جندران ایم. اے. اردو، جامعہ پنجاب (لاہور) ایم. ایڈ. اسلامیہ یونیورسٹی (بہاولپور) نے امام احمد رضا بریلوی کے تصور نصاب کے حوالے سے درج ذیل نکات تحریر فرمائے ہیں:

(۱) نصاب کی سب سے اہم خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ نظریۂ حیات کے مطابق تیار کیا گیا ہو، اس میں کوئی بھی ایسی چیز شامل نہ ہو جو نظریۂ حیات سے متصادم ہو۔

(۲) نصاب جامع ہو اور طلبہ کی نفسیاتی ضرورتوں کو پورا کرے۔

(۳) بے سود وقت کو ضائع کرنے والی تعلیم کسی کام کی نہیں، نصاب معاشرتی ضرورتوں کا آئینہ دار ہو۔

(۴) نصاب میں تربیتی عنصر بھی شامل ہو۔

(۵) نصاب عصری تقاضوں کے مطابق ہو، لیکن دین متین کی بنیادوں پر استوار ہو۔

(۶) آپ کے مطابق مروجہ سائنسی نظریات کو اسلامی نظریات کی روشنی میں پرکھ کر ہی نصاب کا حصہ بنانا چاہیے۔

(۷) نصاب اطاعت وحب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار ہو۔

(۸) نصاب عملاً قابل قبول ہو، کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مفید تعلیم دی جائے۔

(۹) نصاب کی تیاری کے دوران مقصدیت بھی پیش نظر ہو اور وہ دین فہمی ہے۔

(۱۰) ہر وہ علم وفن جو دین سے برگشتہ وغافل کرے اس سے دین وایمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو اسے شامل نصاب نہیں ہونا چاہیے۔"

نصاب تعلیم سے متعلق امام احمد رضا بریلوی کے درج بالا نکات کو درج کرنے کے بعد محترم سلیم اللہ جندران مزید لکھتے ہیں:

> "امام احمد رضا خان کا تصور نصاب جو ایک طرف تو آپ کی علمی قابلیت وصلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے تو دوسری طرف قومی تعلیمی پالیسی کے گراں قدر رہنما اصولوں سے بھی مزین ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ وسعت علمی کے تحت آپ کے تجویز کردہ نصابی ماڈلز کو بھی ٹیچرز ٹریننگ اسکولز، کالجز، یونی ورسٹیز کے کورسز میں شامل کیا جائے تاکہ اس عظیم اسلامی مفکر تعلیم کے علمی ورثہ سے استفادہ کر سکیں۔" (۳)

تعلیم کے فروغ واستحکام کے لیے دارالعلوم منظر اسلام کے توسط سے امام احمد رضا نے علم کا نہایت پاکیزہ تصور دیا، استاذ کے لیے درس وتدریس کے اصولوں کا اطلاق کیا، وہ علوم عقلیہ میں یکتائے روزگار اور علوم نقلیہ میں یگانۂ عصر تھے، انھوں نے مغرب کے دانشوروں کے باطل تعلیمی نظریات کی تردید کے لیے اپنی فکری تنقیدوں کے ذریعے ان پر کاٹ دار نشتر چلائے، نقلی دلائل کے ساتھ عقلی استدلال سے بھی کام لیا اور صالح ومتوازن

اسلامی فکر کو اجاگر کیا اور اس موضوع پر متعدد کتب ورسائل بھی تصنیف فرمائے۔

بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے لیے تصورِ نصاب:

فروغ تعلیم کے لیے سب سے اہم اور بنیادی پڑاؤ بچپن ہوتا ہے۔ اگر بچوں کو صحیح طریقے سے تعلیم دی گئی اور ان کی عمدگی کے ساتھ تربیت کی گئی تو وہ ملک وقوم کے لیے مفید اور مستقبل کے ایک ذمہ دار شہری بن سکتے ہیں۔ امام احمد رضا کے نزدیک تعلیمِ اطفال کا نظریہ بالکل صاف اور واضح ہے۔ آپ نے بچوں کی تعلیم وتربیت اور ان میں اعلیٰ اقدار کے فروغ کے لیے عملی طور پر کوششیں فرمائیں، چناں چہ محترم مسلیم اللہ جندران (لاہور) فتاویٰ رضویہ جلد دہم کے حوالہ سے امام احمد رضا کے ابتدائی تعلیم کے تربیتی نصاب سے متعلق رقم طراز ہیں:

''امام احمد رضا خاں ابتدائی تعلیم کا نصاب نہایت تصریح و وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں:

(۱) زبان کھلتے ہی اللہ اللہ، پھر پورا کلمہ لا الہ الا اللہ سکھائے۔

(۲) جب تمیز آئے آداب سکھائے۔ کھانے پینے، ہنسنے بولنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، حیا، لحاظ، بزرگوں کی تعظیم، ماں باپ استاد اور دختر کو شوہر کی بھی اطاعت کے طرق وآداب بتائے۔

(۳) قرآن مجید پڑھائے۔

(۴) بعد ختم قرآن ہمیشہ تلاوت کی تاکید رکھے۔

(۵) عقائد اسلام وسنت سکھائے۔

(۶) حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کی محبت وتعظیم ان کے دل میں ڈالے۔

(۷) حضور پر نور ﷺ کی آل واصحاب واولیا وعلما کی محبت وعظمت کی تعلیم دے۔

(۸) سات برس کی عمر سے نماز کی زبانی تاکید شروع کردے۔

(۹) علم دین خصوصاً وضو، غسل، نماز، روزہ کے مسائل سکھائے۔

(۱۰) توکل، قناعت، زہد، اخلاص، تواضع، امانت، صدق، عدل، حیا، سلامت صدر و لسان وغیرہ خوبیوں کے فضائل بتائے۔

(۱۱) حرص وطمع، حب دنیا، حب جاہ، ریا، عجب، خیانت، کذب، ظلم، فحش، غیبت، حسد، کینہ وغیرہ برائیوں کے رذائل پڑھائے۔

(۱۲) زمانۂ تعلیم میں ایک وقت کھیلنے کا بھی دے کہ طبیعت پر نشاط باقی رہے۔

(۱۳) زنہار زنہار بری صحبت میں نہ بیٹھنے دے کہ یار بد مار بد سے بدتر ہے۔(۴)

چوں کہ نصاب تعلیم میں استاذ اور طالب علم مرکزی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں اور ابتدائی درس کے اثرات مستقبل کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں اس لیے ابتدائی تعلیم میں شخصیت کی تعمیر وتشکیل کے جملہ پہلوؤں کو کسی بھی طرح فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ امام احمد رضا کے نزدیک طفل مرکوز طریقۂ تعلیم ہی ابتدائی طور پر مفید ہے۔ شاگرد اور تربیت اولاد کے ضمن میں امام احمد رضا کے افکار پر روشنی ڈالتے ہوئے سلیم اللہ جندران تحریر کرتے ہیں:

''مدرسہ میں استاذ کی شخصیت، گھر میں ماں باپ کی طرح بچوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ امام احمد رضا خاں ۵/تا۶/ سال کی عمر کے بچوں کے اسکول مدرسہ/ ایجوکیشن کے آغاز پر والدین پر یہ ذمہ داری عائد کرتے ہیں کہ 'والد بچے کو نیک، صالح، متقی، صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ استاد کے سپرد کرے اور بیٹی کو نیک، پارسا عورت سے پڑھوائے' اگرچہ آج کل کے حالات میں بچوں کے لیے نیک، متقی، صحیح العقیدہ اور عمر رسیدہ (کہنہ مشق/ تجربہ کار) استاد کامل جانا نعمت عظمیٰ سے کم نہیں ہے اور عام حالات میں نہایت کٹھن کام ہے۔ بچوں کی تعلیم کے ضمن میں والدین اگر اس قدر دلچسپی لیں تو ان کے بچوں کے یقیناً بہتر شخصیت کی تعمیر ممکن ہے۔''(۵)

تعلیم کے فروغ میں کوشاں افراد اور اداروں کے چاہیے کہ تعلیم اطفال اور تربیت اطفال سے متعلق امام احمد رضا بریلوی کے ان اعلیٰ نظریات پر عمل کرتے ہوئے اپنے تعلیمی

اداروں میں تعلیم وتربیت کے عمل کو مزید مستحکم اور توانا بنائیں۔

استاذ کا مقام اور ادب واحترام:

فی زمانہ تعلیم کا فروغ برق رفتاری کے ساتھ جاری ہے، لیکن مادیت کی بڑھتی یلغار کے سبب طلبہ میں روحانیت کا تصور مفقود ہوتا جارہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور کے طلبہ میں اپنے استاذ کے تئیں الفت واحترام کے جذبات بھی ختم ہوتے جارہے ہیں۔ آج نفع بخش تعلیم کے فروغ میں طرح طرح کی رکاوٹیں پیش آرہی ہیں اور دورِ جدید کے طلبہ کی اکثریت اخلاقیات سے عاری ہوتی جارہی ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے تعلیم کے فروغ واستحکام میں استاذ کے مرتبے کو بہت زیادہ ملحوظ رکھا اور بتایا کہ جس طرح جسم انسانی میں دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی طرح پورے نظام تعلیم میں استاذ کا مرتبہ ہوتا ہے۔ نصاب کتنا ہی عمدہ اور جامع ہو لیکن اس کی تدریس بہتر نہ ہو تو نتائج منفی ظاہر ہوتے ہیں۔ استاذ کے بغیر تربیت کے مقاصد حاصل نہیں ہوتے۔ طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ استاذ کے ساتھ عزت واحترام کے ساتھ پیش آئے۔ استاذ کی عظمت کو مانے بغیر اس کے ذریعے دی جانے والی تعلیم کا فیض شاگردوں کو ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ امام احمد رضا نے استاذ کے ادب واحترام اور مقام ومنصب کی جو وضاحت وصراحت فرمائی ہے، اسے نکات کی صورت میں خاطر نشین کیجیے:

(۱) استاذ کا شاگرد پر ایک سا حق ہے برابر اور وہ یہ کہ اس سے پہلے بات نہ کرے اور اس کے بیٹھنے کی جگہ اس کی غیبت (غیر حاضری) میں بھی نہ بیٹھے اور چلنے میں اس سے آگے نہ بڑھے اور اس کی بات کو رد نہ کرے۔

(۲) اپنے استاذ کے حقوقِ واجب کا لحاظ رکھے اپنے مال میں کسی چیز سے اس کے ساتھ بخل نہ کرے۔ یعنی جو کچھ اسے درکار ہو بخوشی خاطر حاضر کرے اور اس کے قبول کر لینے میں اس کا احسان اور اپنی سعادت جانے۔

(۳) استاذ کے حق کو اپنے ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حق سے مقدم رکھے۔

(۴) جس نے اسے اچھا علم سکھایا اگرچہ ایک ہی حرف پڑھایا ہو اس کے لیے تواضع کرے اور لائق نہیں کہ کسی وقت اس کی مدد سے باز رہے۔

(۵) اپنے استاذ پر کسی کو ترجیح نہ دے اگر ایسا کرے گا تو اس نے اسلام سے رشتوں سے ایک رسی کھول دی۔

(۶) اور استاذ کی تعظیم سے ہے کہ وہ اندر ہو اور یہ حاضر ہوا تو اس کے دروازہ پر ہاتھ نہ مارے بلکہ اس کے باہر آنے کا انتظار کرے۔

(۷) عالم دین ہر مسلمان کے حق میں عموماً اور استاذ علم دین اپنے شاگرد کے حق میں خصوصاً نائب حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، ہاں اگر وہ کسی خلاف شرع بات کا حکم کرے ہرگز نہ مانے کہ **لاطاعة لاحد فی معصیة اللّٰہ تعالیٰ** (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں) مگر اسے نہ ماننے میں گستاخی وبے ادبی سے پیش نہ آئے **فان المنکر لایزال بمنکر** (گناہ کا ازالہ گناہ سے نہیں ہوتا)۔'' (۶)

دورِ جدید کے تعلیمی اداروں میں رو بہ زوال اور انحطاط پذیر اخلاقی اقدار کے چلتے آج پاکیزہ تعلیمی نظریات کے فروغ کی حد درجہ ضرورت ہے۔ ایسے عالم میں امام احمد رضا کے اساتذہ کی عزت واحترام کے تئیں ان افکار پر عمل درآمد وقت کا تقاضا ہے۔

علوم جدیدہ، سائنس اور انگریزی پڑھنا:

یوں تو امام احمد رضا کے نزدیک مکمل طور پر فروغِ تعلیم کا نظریہ یہی تھا کہ وہ دینی علوم و فنون کو ہر علم پر مقدم سمجھتے تھے۔ لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ جدید علوم وفنون کی تحصیل کے یکسر مخالف تھے بلکہ انھوں نے ایک مقام پر مولوی حاکم علی نقش بندی مجددی، پروفیسر سائنس اسلامیہ کالج، لاہور کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی دل پذیر تعلیم تلقین فرمائی:

''محبّ فقیر سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل
کو آیات ونصوص میں تاویلات دوراز کار کر کے سائنس کے مطابق

> کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوتی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے، دلائل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو، سائنس کا ابطال و اسکات ہو‘‘ (۷)

کائنات کا مذہبِ مہذب اسلام ہی وہ واحد اور کامل و اکمل دین ہے، جو انسان کو کائنات کے رازہائے سربستہ معلوم کرنے کی بار بار دعوت دیتا ہے۔ تاکہ اہلِ اسلام نہ صرف یہ کہ نام کے مسلمان کہلائیں بلکہ وہ مبدءِ فیاض کی طرف سے ودیعت کردہ اپنے قلب وذہن کی پوری طاقت وتوانائی کے ساتھ اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت والوہیت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وعظمت اور اسلام کے جملہ احکام وفرامین پر صدق ویقین کے ساتھ ایمان لانے والے ہونے کے ساتھ ساتھ علوم ومعارف کا سرچشمہ بھی بن جائیں۔ وہ سرتاپا دینی وعصری تعلیم کے زیور سے آراستہ ومزین ہوکر کارِ جہاں بانی میں اپنا اہم کردار ادا کریں۔ اسلام کے نزدیک ان تمام علوم کا حاصل کرنا اور درس لینا جائز ہے جو حدودِ شرع میں ہوں اور دینی لحاظ سے قطعی نقصان دہ نہ ہوں۔ ماہرین تعلیم نے تعلیمی نظریات کو تین خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) اشتراکی (۲) جمہوری اور (۳) اسلامی۔

اشتراکی نظام تعلیم محض مادیت پر بحث کرتا ہے۔ اس میں مذہب کے لیے کوئی جگہ نہیں، جمہوری نظامِ تعلیم ملک میں رہائش پذیر جملہ مذاہب میں مساوات اور مشترکہ تہذیبی ماحول کو دیکھ کر تشکیل پاتا ہے عموماً اس میں مذہبی تعلیم کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے، مختصر یہ کہ ان دونوں تعلیمی نظام میں دین ومذہب کا کچھ پاس ولحاظ نہیں رکھا جاتا۔ جب کہ اسلامی نظام تعلیم میں انسانی زندگی کے تمام تر گوشے سمٹ آئے ہیں اور اسلام میں مہد سے لحد تک تعلیم وتربیت کا اہتمام موجود ہے۔ اسلام جہالت وسفاہت، ظلم وستم اور نفرت وعداوت جیسے غیر انسانی رویوں کا خاتمہ کر کے ایک ذمہ دار اور صالح فکر کے حامل شہری تیار کرتا ہے جو قوم وملت کے لیے مفید ثابت ہوتے ہیں جن کی وجہ سے اعلیٰ اقدار پر مشتمل نیک معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

ماہرین تعلیم کے نزدیک علم کے منفی اور مثبت دو رُخ ہیں۔ مثال کے طور پر ہم سائنس کو رحمت بھی کہتے ہیں اور زحمت بھی۔ اسے انسانی زندگی کی آسایش کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور نیوکلیائی بم بنا کر آبادیوں کو تہہ وبالا کرتے ہوئے انسانی زندگیوں کے خاتمے کے لیے بھی، لیکن اسلام تمام تر علوم وفنون کے لیے ایک ایسا جامع اور توانا قانون فراہم کرتا ہے جس میں انسانیت کی سلامتی اور فلاح وبہبود کا راز مضمر ہے۔

امام احمد رضا تمام علوم وفنون کو مذہبِ مہذب اسلام کے زاویے سے دیکھتے تھے۔ آپ کے نزدیک انھیں علوم وفنون کی ترویج واشاعت اور فروغ واستحکام مقصود تھا جو دین ودنیا دونوں کے لیے یکساں طور پر مفید ثابت ہوں۔

اشتراکی اور جمہوری نظامِ تعلیم کے زیرِ اثر پروان چڑھنے والے سائنسی علوم وفنون اور فلسفیانہ نظریات میں بالعموم دین ومذہب کا پاس ولحاظ نہیں رکھا جاتا۔ یہاں ایسے ایسے گمراہ کن نظریات اور باطل عقائد پڑھائے جاتے ہیں جو مذہبی اصولوں کے منافی اور فکری انتشار کو پروان چڑھاتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی ایسے علم کو مکمل طور پر نقصان دہ قرار دیتے ہیں اور اسے ’’علم‘‘ تسلیم نہیں کرتے:

> ’’ہیہات ہیہات! (افسوس افسوس!) اسے علم سے کیا مناسبت، علم وہ ہے جو مصطفیٰ ﷺ کا ترکہ ہے، نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ۔ اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان وتکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالف شرع تعلیم کئے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخل فضولیات ہیں۔‘‘ (۸)

اس موقع پر امام احمد رضا بریلوی کے اسلام اور سائنس سے متعلق واضح افکار ونظریات نیز سائنس پر اسلام کے تفوق وبرتری اور امام احمد رضا بریلوی کی سائنسی علوم میں مہارت کے بارے میں مشہور برطانوی مفکر انگریز نومسلم ڈاکٹر محمد ہارون (م ۱۹۹۸ء) نے اپنے مقالہ ’’امام احمد رضا کی عالمی اہمیت‘‘ میں جو تاثر قلم بند کیا ہے یہاں درج کرنا غیر

مناسب نہ ہوگا:

"آپ کا نظریہ تھا کہ سائنس کو کسی طرح بھی اسلام سے فائق اور بہتر تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی کسی اسلامی نظریے، شریعت کے کسی جز یا اسلامی قانون سے گلوخلاصی کے لیے اس کی کوئی دلیل مانی جا سکتی ہے۔ اگر چہ وہ خود سائنس میں خاصی مہارت رکھتے تھے لیکن اگر کوئی اسلام میں سائنس سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے کوئی تبدیلی لانا چاہتا تھا آپ اسے ٹھوس علمی دلائل سے جواب دیتے تھے۔" (۹)

امام احمد رضا قرآن عظیم اور احادیث نبویہ سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے ان کی روشنی میں سائنسی علوم اور جملہ جدید فنون کو جانچتے اور پرکھتے تھے۔ جس علم کو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق پاتے تسلیم کرتے اور جسے مخالف پاتے اس کی تردید کرتے اس میں کسی بھی طرح کی لچک کے ہرگز روادار نہ تھے۔ آپ سائنس کو قرآن مقدس کی روشنی میں پرکھنے کے قائل تھے۔ آپ کے نزدیک سائنسی علوم اور جدید فنون کا فروغ اور اکتساب اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ ان علوم وفنون کے توسط سے ایسا نہ ہو کہ طلبہ خالقِ کائنات جل جلالہ کو فراموش کر جائیں، اس لیے آپ سائنس کی تعلیم کی اجازت کچھ اس طرح دیتے ہیں:

"سائنس اور مفید علوم عقلیہ کی تحصیل میں مضائقہ نہیں مگر ہیئت اشیا سے زیادہ خالق اشیا کی معرفت ضروری ہے۔" (۱۰)

ایک دوسرے مقام پر جدید علوم وفنون کے حصول کو مطلقاً ناجائز بتانے والوں پر فکری انداز میں یوں تنقید کرتے ہیں:

"مطلقاً علوم عقلیہ کی تعلیم وتعلّم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح جیسے کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ وسفاہت بعیدہ ہے۔" (۱۱)

امام احمد رضا بریلوی نے عقائد اور دینی ضروریات کا علم حاصل کرنے کے بعد

دیگر علوم وفنون کے حصول کی ترغیب دی ہے۔ اور جن علوم کی وجہ سے شرعِ مطہرہ کے اصولوں اور شریعت نے جنھیں واجب قرار دیا ہے ان پر کوئی ضرب نہیں پڑتی ان کی تحصیل کو مباح قرار دیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

"ہاں! جو شخص ضروریات دین مذکورہ سے فراغت پا کر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی امر مخالف شرعی نہیں تو ایک مباح کام ہوگا جب کہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑے۔" (۱۲)

علاوہ ازیں ریاضی، ہندسہ، حساب، الجبرا، جغرافیہ وغیرہ علوم جدیدہ سیکھنے سے متعلق اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ علوم دینیہ میں کچھ حرج نہ ہو تو یہ علوم کسی بھی زبان میں سیکھے جا سکتے ہیں، لکھتے ہیں:

"اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ وحساب و جبر ومقابلہ وجغرافیہ وامثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج رکھتا ہی نہیں۔" (۱۳)

تعلیم کے فروغ میں امام احمد رضا کی مساعی جمیلہ میں یہ ایک اہم ترین نکتہ ہے کہ انھوں نے محض دینی علوم ہی کے اکتساب کی ترغیب نہیں دی بلکہ شرعِ مطہرہ پر قائم رہتے ہوئے علوم جدیدہ کی تحصیل کی طرف بھی راغب کیا اور یہ بھی واضح کیا کہ ایسے علوم کسی بھی زبان میں سیکھے جا سکتے ہیں۔ امام احمد رضا کی درج بالا عبارتوں کی روشنی میں ان لوگوں کو اپنے اُن خیالات پر نظر ثانی کر لینا چاہیے جو یہ کہتے ہیں علما نے علوم جدیدہ کے حصول کی ممانعت کی ہے اور عربی، فارسی اور اردو کے علاوہ انگریزی وغیرہ زبانیں سیکھنے سے بھی منع کیا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی جیسے ماہر تعلیم اور تعلیم کے فروغ واستحکام کے لیے متفکر رہنے والے عظیم مفکر کے مطابق کسی بھی زبان کے سیکھنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کا مقصد دین اسلام کی اشاعت اور تبلیغ ہو اور عقائد محفوظ اور سلامت رہیں۔ انگریزی کا اکتساب دینی

مقاصد کے لیے ہوتو بہتر ہے اور دنیاوی منافع کی غرض سے ہوتو مباح، چناں چہ آپ سے سوال ہوا کہ انگریزی پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواباً ارشاد فرمایا:

> ''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت ردِنصاریٰ انگریزی پڑھے اجر پائے گا اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس، جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرط یہ کہ ہمہ تن اس میں مصروف ہوکر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہوجائے ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے، اسی طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روا نہیں۔'' (۱۴)

فروغ تعلیم کے لیے انقلاب آفریں پیغام:

امام احمد رضا بریلوی جیسے عظیم مفکر بڑے دوراندیش اور مستقبل شناس تھے۔ ان کے دل میں ملت کی فلاح و بہبود کا سچا درد پنہاں تھا۔ وہ ہر لمحہ امت مسلمہ کی ترقی وبقا اور استحکام کے لیے متفکر رہا کرتے تھے۔ ان کے حیاتِ بابرکات کی مختلف جہتوں میں عشقِ و عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج اشاعت جہاں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل جہت ہے وہیں آپ کے نزدیک تعلیم کا فروغ واستحکام بھی بے حد وقعت ومنزلت رکھتا ہے۔ چناں چہ ۱۵ر جمادی الاخریٰ ۱۳۳۰ھ کو مولانا شاہ محرم علی چشتی صدر ثانی انجمن نعمانیہ لاہور نے جب دینی وتعلیمی، قومی وملی، اشاعتی واعتقادی اور سیاسی مسائل سے متعلق دس نکاتی سوال نامہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ارسال کیا تو آپ نے ان کا انقلاب آفریں جواب بڑے فکری انداز دیا جو قوم وملت کی اجتماعی فلاح وکامرانی کی ہمہ جہت خوبیوں پر مشتمل ہے۔ امام احمد رضا نے اس میں ملت اسلامیہ کے تعلیمی وفکری زوال اور اس کے تدارک پر روشنی ڈالتے ہوئے دس نکاتی تعلیمی منصوبہ بھی عنایت کیا۔ اگر تعلیم وتعلم کے فروغ واستحکام کے لیے ان نکات پر عمل کرلیا جاتا تو آج قومِ مسلم کی حالت قدرے مختلف ہوتی اور بہتر

ہوتی۔ افسوس! کہ اس تعلیمی پیغام کو سو سال پورے ہونے کو آئے مگر ہم اس پر عمل سے غافل ہی رہے۔ دعوتِ فکر وعمل دینے والے انقلاب آفریں تعلیمی پیغام ذیل میں نشانِ خاطر کیجیے:

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

(۲) طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نخواہی گرویدہ ہوں۔

(۳) مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کارروائیوں پر دی جائیں کہ لالچ سے جان توڑ کر کوشش کریں۔

(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔ یوں ان میں کچھ مدرسین بنائے جائیں، کچھ واعظین، کچھ مصنفین، کچھ مناظرین، پھر تصنیف ومناظرہ میں بھی توزیع ہو۔ کوئی کسی فن پر کوئی کسی پر۔

(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں۔ تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً، وعظاً ومناظرۃً اشاعتِ دین ومذہب کریں۔

(۶) حمایت (مذہب) وردّ بد مذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(۷) تصنیف شدہ اور نوتصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت شائع کیے جائیں۔

(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبیِ اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین رسالے بھیجتے رہیں۔

(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں۔ اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت وبلا قیمت روزانہ یا کم از کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔'' (۱۵)

امام احمد رضا بریلوی نے تعلیم کے فروغ کے لیے اپنی تصانیف میں جن نکات کو پیش کیا اور جو سرگرمیاں عملی طور پر انجام دیں، بغور دیکھا جائے تو ہم نے ان پر عمل نہیں کیا، آخر عمل کا وقت کب آئے گا؟ کب تک ہم غفلت کی نیند سوتے رہیں گے؟ یہ پیغامِ بیداری ایک صدی سے ہم سن رہے ہیں، لیکن وائے افسوس عمل سے کوسوں دور۔ دورِ حاضر میں امت مسلمہ کے جو ناگفتہ بہ حالات ہیں ان کے چلتے تعلیم کا فروغ بے حد ضروری ہو چکا ہے۔ ایسے عالم میں امام احمد رضا کے پیر خانے مارہرہ مطہرہ کے شہزادگان والا تبار امین ملت سید محمد امین میاں قادری، شرفِ ملت سید محمد اشرف میاں قادری، رفیق ملت سید نجیب حیدر میاں نوری اور سید محمد افضل میاں قادری کی تعلیم کے فروغ واستحکام کے لیے جاری مسلسل مساعیِ جمیلہ کو بے ساختہ خراج تحسین پیش کرنے کو جی چاہتا ہے۔ خانقاہِ برکاتیہ سے ایک انقلابی نعرہ ''آدھی روٹی کھایئے، بچوں کو پڑھایئے'' دنیا کو دیا گیا۔ آج جس کی عملی تصویر برکاتی حلقوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ علی گڑھ، مارہرہ، ممبئی، سورت، بڑودہ اور بیرون ملک مختلف شہروں میں البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے تحت جاری تعلیمی ادارے قومِ مسلم کی تعلیم و تربیت میں کوشاں ہیں۔ یہ دراصل مجدد وقت امام احمد رضا کے افکار عالیہ کی ترویج واشاعت کا ایک مستحکم اور توانا عملی نمونہ ہے۔ اگر اہل سنت کی دوسری خانقاہیں بھی اسی طرح تعلیم کے فروغ میں کمر بستہ ہو جائیں تو وہ دن دور نہیں جب ملت اسلامیہ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ حاصل کر سکتی ہے۔

حواشی

(۱) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۱ء، ص ۶/ ۷

(۲) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۱ء، ص ۱۳/ ۱۴

(۳) عظیم اللہ جندران، امام احمد رضا کا تصور نصاب، مشمولہ یادگار رضا ۲۰۰۴ء، مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی، ص ۱۰۶ تا ۱۲۸

(۴) ماہنامہ ضیاے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۵ء، ص ۴۱

(۵) ماہنامہ ضیاے حرم لاہور، نومبر ۲۰۰۰ء، ص ۴۳/۴۴

(۶) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات، ص ۶۳۷ تا ۶۳۹

(۷) احمد رضا خاں بریلوی، امام، نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان، مطبوعہ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی، ص ۵۶

(۸) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات، ص ۶۲۸/ ۶۲۹

(۹) محمد ہارون، ڈاکٹر، امام احمد رضا کی عالمی اہمیت، مطبوعہ نوری مشن مالیگاؤں، ص ۸/ ۹

(۱۰) محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر، دارالعلوم منظر اسلام، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۱ء، ص ۱۰

(۱۱) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات، ص ۶۳۴

(۱۲) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات، ص ۶۴۸

(۱۳) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (جدید) جلد ۲۳، مطبوعہ مرکز اہلسنت برکات رضا پوربندر گجرات، ص ۷۰۶

(۱۴) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، مطبوعہ بیسل پور، ص ۹۹

(۱۵) احمد رضا خاں، امام، فتاویٰ رضویہ (قدیم) جلد ۱۲، رضا اکیڈمی ممبئی، ص ۱۳۳۔۱۳۴

محاسن کنز الایمان اور اردو تراجم قرآن کا تقابلی جائزہ

مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری
چریاکوٹ

ترجمے کی راہ میں دشوار گزار مرحلے اور پرخار وادیاں بھی آتی ہیں، لیکن یہ فیضان ہے قرآن حکیم پر ایمان کامل اور اس پر مفسرانہ نظر اور اکابر مفسرین پر اعتماد کا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی ہر منزل اور ہر موڑ سے کامیاب گزرے ہیں۔

بس اتنا سمجھ لیجیے کہ قرآن حکیم قادر مطلق جل جلالہ کا مقدس کلام ہے اور کنز الایمان اس کا مہذب ترجمان اور کیوں نہ ہو کہ یہ ترجمہ اس کا ہے، جو عظمت مصطفیٰ علیہ التحیہ والثنا کا علمبردار اور حقائق قرآن کا ماہر اور دقائق قرآن کا عارف ہے۔

حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے ترجمہ قرآن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے شارح بخاری ومسلم، مفسر قرآن مولانا غلام رسول سعیدی استاذ جامعہ نعیمیہ لاہور لکھتے ہیں:

”اس ترجمہ (کنز الایمان) میں اردو، عربی کے اسلوب میں رنگی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور فصاحت وبیان کے آئینے میں اعجازِ قرآن کا عکس نظر آتا ہے۔ اس ترجمے میں علمِ کلام کی اُلجھی ہوئی گتھیاں سلجھا کر عبارت کے سلیس فقروں میں رکھ دی گئی ہیں۔ ذات وصفات، جبر وقدر اور نبوت ورسالت کے نازک مسائل کو جس عمدگی اور اختصار کے ساتھ ترجمہ کی سحر کاری سے سہل کیا ہے، امام رازی اگر اسے دیکھ پاتے تو بے اختیار آفریں کہتے۔ ابنِ عطا وجُبائی کے سامنے یہ ترجمہ ہوتا تو شاید اعتزال سے توبہ کر لیتے۔ خامۂ تصوف سے جس طرح اعلیٰ حضرت نے آیت کے بطن کو ترجمے میں ڈھالا ہے، غزالی ہوتے تو دیکھ کر وجد کرتے، ابن عربی شاد کام ہوتے اور سہروردی دعائیں دیتے۔ ترجمے کے ضمن میں جو فقہی

نگینے لائے ہیں اگر امام اعظم پر پیش کیے جاتے تو یقیناً مرحبا کہتے اور اگر ابن عابدین (شامی) اور سیّد طحطاوی کے سامنے یہ فقہی آبگینے ہوتے تو اعلیٰ حضرت سے تلمذ کی آرزو کرتے۔“ (محاسن کنز الایمان، شیر محمد خاں اعوان)

مودودی افکار ونظریات کا ایک ترجمان ماہنامہ الحسنات رام پور لکھتا ہے: فقہ میں جدالممتار اور فتاویٰ رضویہ کے علاوہ ایک اور علمی کارنامہ ترجمہ قرآن مجید ہے، جو ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے نام سے منظر عام پر آیا، اور جس کے حواشی خزائن العرفان فی تفسیر القرآن کے نام سے مولوی نعیم الدین مرادآبادی نے تحریر فرمائے۔

یہ ترجمہ اس حیثیت سے ممتاز نظر آتا ہے، کہ جن چند آیات کے ترجمہ میں ذرا سی بے احتیاطی سے حق جل مجدہ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی کا شائبہ نظر آتا ہے، احمد رضا خاں نے ان کے بارے میں خاص احتیاط برتی ہے۔ (ص ۵۴-۵۵، شخصیات نمبر سالنامہ الحسنات ۱۹۷۹ء)

سید نور محمد قادری صاحب جناب سید الطاف علی بریلوی مدیر العلم کراچی سے اپنی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سید صاحب نے فرمایا کہ مولانا عبد القدوس ہاشمی صاحب جو اگرچہ عقیدۃً دیوبندی ہیں لیکن صاحب ذوق اور معلومات کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہیں، انھوں نے ایک دفعہ کہا کہ اردو زبان میں قرآن پاک کا سب سے بہتر ترجمہ مولانا احمد رضا خان کا ہے۔ جو لفظ انہوں نے ایک جگہ رکھ دیا ہے اس سے بہتر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ (خیابان رضا، لاہور، ص ۱۲۱)

اتنا جامع اور عظیم الشان ترجمہ کس طرح اور کیسے تیار ہوا اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ نے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت پیش کرتے ہوئے اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے ترجمہ کرنے کی گزارش کی۔ آپ نے وعدہ فرمالیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کے ہجوم کے باعث تاخیر ہوتی رہی، جب صدر الشریعہ کی جانب سے اصرار بڑھا تو اعلیٰ حضرت نے فرمایا: چونکہ ترجمہ کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے، اس لیے آپ رات میں سونے کے وقت یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔ چنانچہ حضرت صدر الشریعہ، ایک دن کاغذ، قلم اور دوات لے کر اعلی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگئے اور یہ دینی کام شروع بھی ہوگیا۔

ترجمہ کا طریقہ یہ تھا اعلیٰ حضرت زبانی طور پر آیات کریمہ کا ترجمہ بولتے جاتے اور صدر الشریعہ اس کو لکھتے رہتے، لیکن یہ ترجمہ اس طرح پر نہیں تھا کہ آپ پہلے کتب تفسیر و لغت کو ملاحظہ فرماتے بعدہ آیت کے معنی کو سوچتے پھر ترجمہ بیان کرتے، بلکہ آپ قرآن مجید کا فی البدیہہ، برجستہ ترجمہ زبانی طور پر اس طرح بولتے جاتے جیسے کوئی پختہ یادداشت کا حافظ اپنی قوت حافظہ پر زور ڈالے بغیر قرآن مجید روانی سے پڑھتا جاتا ہے۔

پھر جب حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علماے حاضرین اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کا کتب تفاسیر سے تقابل کرتے تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے کہ اعلیٰ حضرت کا یہ برجستہ فی البدیہہ ترجمہ تفاسیر معتبرہ کے بالکل مطابق ہے۔ (سوانح اعلیٰ حضرت، مرتبہ مولانا بدرالدین احمد گورکھپوری)

آپ نے قرآن حکیم کی کوئی مستقل تفسیر نہیں لکھی مگر بعض اہم تفاسیر پر آپ کے جو غیر مطبوعہ محققانہ حواشی ہیں اگر وہ اہل علم کے سامنے آجائیں اور نگاہ بصیرت سے ان کا مطالعہ کیا جائے تو اس فن میں بھی آپ کے تبحر اور مہارت کا ہر صاحب علم اعتراف کیے بغیر نہیں رہے گا۔

ماہر رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی علیہ الرحمہ امام احمد رضا کے ترجمہ قرآن کنزالایمان کے تعلق سے فرماتے ہیں:

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے فکر و خیال کے بہت سے پہلو ہیں مگر اس وقت ہم صرف کنزالایمان کے حوالے سے آپ کے علوم وفنون کا نظارہ کرانا چاہتے ہیں۔

قرآن حکیم کا ظاہر بھی ہے، اور باطن بھی، اور پھر باطن کا بھی باطن ہے، اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے، ظاہر بیں نگاہ اس گہرائی میں اتر سکتی ہی نہیں۔ ترجمہ کرتے وقت مترجم کی ایک ذہنی فضا ہوتی ہے، باکمال مترجم کی اس ذہنی فضا میں ستارے ڈھلتے ہیں، علم و دانش کی وسعت کے ساتھ ساتھ یہ فضا بھی وسیع ہوتی جاتی ہے، ورنہ مترجم لغت میں اٹک کر رہ جاتا ہے، بلکہ اس کے لیے مختلف المعانی لفظ کے لیے یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، کہ کس معنی کا انتخاب کرے، اور کن معانی کو چھوڑ دے، وہ ایک معنی کی تنگ نائے میں گم ہو کر رہ جاتا ہے، ایسی محدود نظر رکھنے والا ہرگز قرآن جیسی عظیم کتاب کے ترجمے کا حق نہیں رکھتا، جس طرح نگینے جڑنے والا زیورات میں رنگ برنگے چھوٹے بڑے نگینے بٹھاتا چلا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح باکمال مترجم الفاظ کے سامنے الفاظ بٹھاتا چلا جاتا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو

الفاظ خود بخود بیٹھتے چلے جاتے ہیں، کنزالایمان کے مطالعے سے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے بے پناہ تدبر کا بھی اندازہ ہوتا ہے، وہ بخوبی جانتے ہیں کہ عوام الناس کے سامنے کیا بات آنی چاہیے، اور کیا بات نہیں آنی چاہیے، وہ ترجمہ کرتے وقت پڑھنے والوں کو سنبھالے رکھتے ہیں، اس خوبی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اردو کے مترجمین قرآن میں امام احمد رضا اپنے تبحر علمی کی وجہ سے بے نظیر اور بے مثال معلوم ہوتے ہیں، جس نے ان کا مطالعہ کیا ہے، اور مختلف علوم وفنون اور مختلف زبانوں میں ان کی مطبوعات ومخطوطات اور شروح وحواشی دیکھے ہیں وہ اس امر کی تصدیق کر سکتا ہے، وہ ایک باخبر ہوش مند اور باادب مترجم تھے، ان کے ترجمے کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے، کہ انھوں نے آنکھیں بند کر کے ترجمہ نہیں کیا، بلکہ وہ جب کسی آیت کا ترجمہ کرتے تھے، تو پورا قرآن، مضامین قرآن اور متعلقاتِ قرآن ان کے سامنے ہوتے تھے، آپ کے ترجمہ قرآن میں برسوں کی فکری کاوشیں پنہاں ہیں، مولیٰ تعالیٰ کا کرم ہے، کہ وہ اپنے بندے کو ایسی نظر عطا فرمادے، جس کے سامنے علم و دانش کی وسعتیں سمٹ کر ایک نقطہ پر آجائیں، فی البدیہہ ترجمہ قرآن میں ایسی جامعیت کا پیدا ہو جانا عجائبات عالم میں سے ایک عجوبہ ہے، اس سے مترجم کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ (معارف رضا، کراچی ۲۰۰۴ء ص ۸۷)۔

بعض لوگوں نے لغات سامنے رکھ کر قرآن پاک کا ترجمہ لکھ دیا، اور یہ نہ دیکھا کہ شان الوہیت، مقام نبوت ورسالت اور عقائد اہل سنت کا پاس بھی ہے یا نہیں، مترجم کے لیے صرف عربی لغت سے واقت ہونا کافی نہیں ہے، اس کے لیے قرآن و حدیث، ارشادات صحابہ اور اقوال سلف صالحین کا وسیع اور گہرا مطالعہ بھی ضروری ہے، اسے شان نزول اور ناسخ ومنسوخ کی معرفت بھی ہونی چاہیے، اس کے علاوہ مترجم کے لیے ضروری ہے، کہ اسے علوم عربیہ، صرف، نحو، معانی، بیان اور بدیع وغیرہ علوم پر بھی عبور حاصل ہو اور وہ علم کلام سے پوری طرح باخبر ہو، امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ ان تمام امور کے جامع تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے نہایت اہم اور نازک ترین مقامات پر جو احتیاط ملحوظ رکھی ہے، وہ انہیں کا حصہ ہے، اس کا اعتراف اپنوں کے ساتھ غیروں نے بھی کیا ہے۔

ذیل میں بطور مثال چند آیات کریمہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے، انصاف کی نظروں

سے ملاحظہ کیا جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے ترجمہ قرآن کنز الایمان کے محاسن اور خصوصیات کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

(۱) بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عام طور پر بسم اللہ شریف کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، کسی بھی اچھے کام کو اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرنے کے لیے بسم اللہ شریف پڑھی جاتی ہے، اس ترجمے میں یہ بات ملحوظ نہیں رہی کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے نام اقدس سے ابتدا نہ ہوئی، پھر بعض ترجمے میں یہ الفاظ ''نہایت رحم والے ہیں'' بھی خلاف احتیاط ہے، عقیدہ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں، جن میں کثرت اور تعدد کا شائبہ بھی نہ ہو۔

ترجمے کا قاعدہ یہ ہے کہ اردو میں حرف جار کا ترجمہ مجرور کے بعد لایا جائے، جیسے فی البیت کا ترجمہ ''گھر میں'' ہوگا، ''میں گھر'' نہیں ہوگا، یوں ہی اردو میں مضاف الیہ پہلے آتا ہے، مضاف بعد میں گویا ترجمہ پلٹ کر یوں کیا جائے گا بِسۡمِ اللّٰہِ، اللہ کے نام سے۔ اس طرح اردو میں اسم جلالت (اللہ) کی تقدیم لازم تھی، جس کی طرف عام مترجمین کی توجہ نہیں ہوئی، اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو: ''اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان، رحمت والا''۔

اس ترجمے کے مطابق جو کام شروع کیا جائے گا وہ براہ راست اللہ کے نام مقدس سے شروع ہوگا، اور اس میں اس امر کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ مرکب توصیفی کا ترجمہ ہے، مرکب خبری کا ترجمہ نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ الرحیم بھی مبالغہ کا صیغہ ہے جب کہ اس کے ترجمہ میں صرف رحمت والا کہا گیا ہے، مبالغہ کا معنی ملحوظ نہیں رکھا گیا، یہ اعتراض در اصل غور وفکر کی کمی کا نتیجہ ہے، ''بہت'' کا لفظ ''مہربان'' اور ''رحمت والا'' دونوں سے متعلق ہے، گویا ترجمہ میں ایجاز اور اختصار کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ جو قرآن پاک کی ایک بڑی اور امتیازی شان ہے، اعلیٰ حضرت نے بسم اللہ شریف کے ترجمے میں نہایت ایجاز سے کام لیا ہے، کہ اردو کے جتنے تراجم پائے جاتے ہیں، کوئی بھی ترجمہ اتنے کم الفاظ وحروف پر مشتمل

نہیں جتنے کم الفاظ وحروف پر ترجمہ کنز الایمان مشتمل ہے۔

(۲) ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ (البقرۃ۲/۲)

اس آیت میں ایک اشکال تو یہ ہے کہ ذٰلک ایسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جو دور ہو، قرآن پاک تو ہمارے پاس ہے اس کے لیے بعید کا اشارہ کیوں لایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں مکانی اعتبار سے دور ہوتی ہیں، اور بعض رتبے کے لحاظ سے دور ہوتی ہیں، اس جگہ اشارۂ بعید (ذٰلک) بلندی رتبہ کی بنا پر لایا گیا ہے۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ آیت کریمہ کا معنی بظاہر یہ ہے کہ اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے جب کہ دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اِنۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ رَیۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰی عَبۡدِنَا، ''اگر تمھیں اس کتاب کے بارے میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندۂ خاص پر نازل کی'' اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن کریم میں شک کیا گیا اور بہت سے لوگوں نے واقعۃً قرآن پاک کے بارے میں شک کا اظہار بھی کیا، لہٰذا مطلقاً شک کی نفی کیسے کی گئی؟ علماے بلاغت اور مفسرین نے اس اشکال کے تفصیلی جوابات دیے ہیں، لیکن امام احمد رضا نے یہاں اتنا عمدہ اور تفسیری ترجمہ کیا کہ یہ سوالات باقی ہی نہیں رہتے، وہ ارشاد فرماتے ہیں: ''وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔'' (کنز الایمان)

غور کیجیے کہ وہ بلند مرتبہ کتاب کہہ کر پہلے سوال کا جواب دے دیا اور کوئی شک کی جگہ نہیں کہہ کر دوسرے سوال کا جواب بھی ہوگیا کہ ''فی'' ظرفیت (یعنی جگہ بتانے) کے لیے آتا ہے، لہٰذا اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن میں کسی کو شک نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ قرآن پاک کسی شک وشبہے کی جگہ نہیں، کیوں کہ عربی زبان سے باخبر کوئی بھی صاحب ہوش وخرد قرآن پاک میں غور وفکر کرے تو اسے ماننا پڑے گا کہ یہ کتاب ہر شک اور شبہے سے بالاتر ہے، تو جو لوگ شک میں مبتلا ہیں خود ان کی عقل میں خلل ہے، قرآن کریم میں کوئی نقص اور عیب نہیں ہے، جیسے سورج نکلا ہوا اور کوئی کہے کہ اس میں روشنی نہیں ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے یہ کہنے سے سورج تاریک نہیں ہو جائے گا، بلکہ سورج کو تاریک بتانے والا ہی مجنون قرار پائے گا۔

ذرا یہ ترجمہ بھی دیکھیے جس میں ان دو سوالوں میں سے کسی کا بھی جواب نہیں ملتا:

☆ ''یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہہ نہیں'' (تھانوی)

(۳) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ (بقرۃ ۲/۳/۱۷۳)۔

اہلال اور استہلال کا لغوی معنی ہے چاند کا تلاش کرنا، چوں کہ چاند تلاش کرتے وقت اونچی آواز میں باتیں کی جاتی تھیں، اور آج بھی ایسا ہوتا ہے اس لیے یہ دونوں لفظ اونچی آواز نکالنے کے معنی میں استعمال کیے جانے لگے، اس اعتبار سے آیت کریمہ کا معنی یہ ہونا چاہیے کہ ''تم پر حرام فرمائی وہ چیز جس پر غیر اللہ کا نام بلند آواز سے لیا گیا''، اس اعتبار سے اگر کسی سے پوچھا جائے کہ یہ عورت کون ہے؟ وہ کہے میری بیوی ہے تو چاہیے کہ بیوی اس پر حرام ہو جائے، اسی طرح پوچھا گیا کہ یہ بکرا کس کا ہے؟ کسی نے کہا کہ یہ امجد کا ہے، اس پر یہ فتویٰ عائد ہونا چاہیے کہ یہ بکرا حرام ہو گیا، کہ اس پر امجد کا نام بلند آواز سے بولا گیا ہے، حالانکہ یہ بات اتفاقاً باطل ہے، اسی لیے تمام قدیم مفسرین نے اس جگہ ایک قید کا اضافہ کیا اور فرمایا کہ وہ جانور حرام ہے، جس کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔''

ایک صاحب اس آیت کا ترجمہ کرتے وقت کہتے ہیں: اور ایسے جانور کو بھی جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے لیے نام زد کر دیا گیا ہو (تھانوی)

اور ایک صاحب نے یہ کہا: اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر مشہور کی جائے حرام ہے (جونا گڑھی)

اس ترجمے کی بنا پر ان کے نزدیک ہر وہ جانور حرام ہو جاتا ہے جس کو کسی بزرگ کے ایصال ثواب کے لیے خریدا گیا ہو، چاہے اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ہی ذبح کیا گیا ہو۔ مشرکین کے بتوں کے لیے نام زد کردہ جانوروں کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے: يَآاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلاً طَيِّباً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (البقرۃ ۲/ ۱۶۸) اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو۔ (کنز الایمان) یہ مضمون سورہ انعام ۶ آیت ۱۱۸-۱۱۹ میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ بتوں کے لیے مشرکوں کے نام زد کردہ جانوروں کو مسلمان

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کر لیں تو وہ حلال اور اگر بزرگوں کو ثواب پیش کرنے کے لیے جانور خریدا جائے، تو حرام، اگرچہ اسے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ہی ذبح کیا جائے، امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو!

☆ اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے'' (کنز الایمان) وہی حرام ہے۔

یہ ترجمہ نہ صرف اکابر مفسرین کے مطابق ہے بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ کے بھی عین مطابق ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا (اور وہ کہ جس کے ذبح میں خدا کے علاوہ کسی کا نام بلند کیا گیا ہو)

دوسرے ترجمے میں جو بات کہی گئی ہے، وہ تو بہت ہی عجیب و غریب ہے کہ مطلق جس چیز پر بھی خدا کے علاوہ کسی کا نام لے لیا گیا، وہ بھی حرام ہو جاتی ہے، اس غلط معنی کی تائید کسی بھی معتبر و مستند تفسیر سے نہیں پیش کی جاسکتی، جب کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے کی تائید مندرجہ ذیل تفاسیر سے ہوتی ہے : جیسے تفسیر روح البیان : ج۱/ ۲۷۷، تفسیر روح المعانی: ج۲/ ۳۷، تفسیر بیضاوی: ص۱۲۳، تفسیر طبری: (متوفیٰ: ۳۱۰) ۲/ ۴۸، تفسیر مظہری: ۱/ ۱۷۰، از قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۲۰۵۔ مشہور و متداول تفسیر جلالین کی عبارت ملاحظہ ہو: وَمَا اُهِلَّ بِهٖ، لِغَيْرِ اللّٰهِ۔ اَىْ ذُبِحَ عَلَى اسْمِ غَيْرِهٖ۔ یعنی وہ حرام ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (جلالین صف ۲۴) اتنی تفاسیر سے جو بات ثابت ہوتی ہے اسے جو نہ مانے یقیناً اسے اپنے ہوش کا علاج کرنا چاہیے۔

(۴) اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ (النساء ۴/ ۱۴۲)

بعض لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں: ''البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا'' زیادہ تر مترجمین نے ایسا ہی ترجمہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دغا یا فریب کی نسبت کرنا بڑی بے باکی ہے اور منافقوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ اللہ کو فریب یا دغا دیتے ہیں یہ بھی خلافِ واقع اور ناممکن ہے کیوں کہ اللہ کو کوئی فریب دے ہی نہیں سکتا، ہاں وہ اپنے گمان میں ضرور ایسا سوچتے ہیں صرف سوچنے اور چاہنے سے کوئی کام نہیں

ہوجاتا، اس لیے ملاحظہ ہو کنزالایمان، امام احمد رضا قدس سرہ اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں:

☆ بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں، اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا (کنزالایمان) یعنی سزا دے گا۔

(۵) وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا (ابراھیم۱۴/۱۳)۔

اس آیت کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے، ''اور ان کفار نے اپنے رسولوں سے کہا کہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے یا یہ ہو کہ تم ہمارے مذہب میں پھر آجاؤ'' ایک صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے: یا تم پھر سے ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ (احسن البیان، ریاض سعودیہ)، ایک صاحب نے لکھا ''یا تم کو ہماری ملت میں پھر واپس آنا ہوگا'' (ترجمہ پاریکھ) کسی نے اس طرح ترجمہ کیا ہے، :''یا لوٹ آؤ ہمارے دین میں'' پھر آجاؤ یا لوٹ آؤ کے الفاظ میں غور کیجیے کیا اس کا مطلب یہ نہیں؟ کہ معاذ اللہ! رسولان گرامی بھی پہلے کافروں کے دین پر تھے، جب کہ واقعہ ہرگز ایسا نہیں ہے۔

جن دوسری آیات میں لَتَعُوْدُنَّ واقع ہوا ہے، ان کا بھی ایسا ہی ترجمہ کیا گیا ہے، دراصل عاد یعود کبھی فعل تام ہوتا ہے، اس وقت اس کا معنی لوٹنا یا رجوع کرنا ہوتا ہے، ان مترجمین کو یہ بات سمجھ میں نہیں آسکی کہ اس جگہ یہ فعلِ ناقص ہے، تام نہیں کہ اس کا معنی لوٹنا یا پھر آنا ہو، امام احمد رضا قدس سرہ کا صاف اور شفاف ترجمہ یہ ہے:

☆ ''اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم ضرور تمھیں اپنی زمین سے نکال دیں گے، یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ۔''

یعنی ہمارا دین اختیار کرلو، اس پر ہو جاؤ اور اختیار کرلو کی جگہ لوٹ آؤ، پھر آجاؤ میں جو واضح فرق ہے وہ اہل فہم حضرات خوب سمجھ سکتے ہیں۔ یعنی ہمارے دین پر ہو جاؤ۔ یہ تو کوئی بھی کہہ سکتا ہے لیکن 'لوٹ آؤ' اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب مخاطب پہلے کبھی اس دین پر رہا ہو، اور انبیاے کرام کبھی بھی کفار کے دین پر نہ تھے۔

(۶) وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ (یوسف۱۲/۲۴)

☆ اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا، اگر اپنے رب کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھا ہوتا، تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا۔ (تھانوی)

صاف مطلب یہ ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کو کچھ خیال تو ہوگیا تھا، زیادہ خیال نہیں ہوا اور یہ اہل سنت کے اجماعی عقیدے عصمت انبیا کے خلاف ہے، پھر یہ ترجمہ، ضرورت سے زیادہ طویل ہے، نیز لَوْلَا کو ماقبل سے جدا کر کے الگ جملہ شرطیہ بنا دیا گیا ہے، حالانکہ وہ ماقبل سے متصل ہے اور وَهَمَّ بِهَا اس کی جزاء پر دلالت کر رہا ہے، اس کے برعکس امام احمد رضا کا محتاط ترجمہ پڑھیے، جو سیاق آیت کے مطابق، مختصر اور مسلک اہل سنت کا ترجمان ہے:

اور بے شک عورت نے اس کا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔ (کنزالایمان)

(۷) حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا (یوسف۱۲/۱۱۰)۔

ترجمہ: یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے رسول اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔ (محمود حسن دیوبندی)

حضرت عروہ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کیا رسولوں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا؟ انھوں نے فرمایا معاذ اللہ (اللہ کی پناہ) رسولوں کی یہ شان نہیں کہ اپنے رب کے بارے میں یہ گمان کرتے۔ (بخاری شریف عربی جلد۲ ص۶۸۰)

امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھیے اور سر دھنیے:

☆ یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی، اور لوگ سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا (کنزالایمان)

(یعنی بدگمانی کی نسبت لوگوں کی طرف ہے، نہ کہ رسولوں کی طرف) اب غور کیجیے کہ کون ترجمہ رسولوں کی شان وعظمت ظاہر کر رہا ہے، اور کون سا ترجمہ بے ادبی کا پہلو لیے ہوئے ہے۔

(۹) قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ (الحجر ۱۵/۷۱)

☆ ترجمہ: کہا- اگر تمھیں کچھ کرنا ہی ہے تو میری بیٹیاں موجود ہیں۔ (مودودی)

☆ ترجمہ: (لوط نے) کہا اگر تمھیں کرنا ہی ہے تو یہ میری بچیاں موجود ہیں۔ (جونا گڑھی)

☆ بولا یہ حاضر ہیں میری بیٹیاں اگر تم کو کرنا ہے۔ (محمود حسن)

☆ لوط نے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم میرا کہنا کرو۔ (تھانوی)

پس منظر یہ ہے کہ جب عذاب کے فرشتے نوجوان لڑکوں کی صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے تو کفار عادت کے مطابق اپنی ہم جنسی (بدفعلی) کے شوق میں ان کے پیچھے دوڑے ہوئے آئے، اس پر حضرت لوط علیہ السلام نے یہ ارشاد فرمایا جو اس آیت میں مذکور ہے، سوچنے کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی شریف آدمی اپنے مہمانوں کے تحفظ کے لیے جان تو دے سکتا ہے، مگر اپنی بہو بیٹیوں کو پیش کر دینا شرعاً جائز ہے نہ عقلاً، پھر ایک جلیل القدر نبی سے یہ بات کیسے متصور ہو سکتی ہے؟

اب امام احمد رضا کا ترجمہ دیکھیے، انھوں نے ترجمہ ہی میں اس مشکل کو حل کر دیا ہے۔

☆ ''کہا یہ قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمھیں کرنا ہے''۔ (کنزالایمان)

یعنی اگر جنسی خواہشات کا تم پر اتنا ہی غلبہ ہے، تو انہیں پورا کرنے کے لیے تمھاری اپنی بیویاں جو موجود ہیں ان کو کام میں لاؤ اور ناجائز راستہ مت اختیار کرو، دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ عورتیں میری بیٹیاں ہیں ان سے نکاح کر کے اپنی ضرورت پوری کرو، لڑکوں سے تو نکاح بھی نہیں ہو سکتا ان کی طرف تو ذرا بھی دھیان نہ کرو۔ قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں کہہ کر کمال شفقت کا اظہار فرمایا ہے، اور اس سے زور بیان بھی پیدا ہو گیا ہے۔

(۹) فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ (الانبیاء ۲۱/۸۷)

☆ ''پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے اس کو'' (محمود حسن)

☆ اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے (جونا گڑھی)

☆ اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے (جالندھری)

☆ اور سمجھا تھا کہ ہم اس پر گرفت نہ کریں گے۔ (مودودی)

اس ترجمہ کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ السلام کا خیال یہ تھا کہ

اللہ تعالیٰ ان پر قابو نہ پا سکے گا، یہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے، جو کفر ہے، مزید برآں یہ کہ اس کفر کی نسبت حضرت یونس علیہ السلام کی طرف کی جا رہی ہے۔

حالانکہ قَدَرَ یَقْدِرُ کا معنی جیسے قادر ہونا آتا ہے، اسی طرح تنگی کرنا بھی آتا ہے، ارشاد ربانی ہے: یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ (القصص ۲۸/۸۲) اللہ رزق وسیع کرتا ہے، اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہے اور تنگی فرماتا ہے (کنزالایمان) پیش نظر آیت میں بھی نَقْدِر اسی معنی میں آیا ہے، چناں چہ تفسیر بیضاوی میں اس جگہ ہے: لَنْ نُضَیِّقَ عَلَیْهِ (یعنی ہم ہرگز اس پر تنگی نہ ڈالیں گے)

اسی لیے امام احمد رضا نے اس کا یوں ترجمہ کیا:

☆ تو گمان کیا (یونس علیہ السلام نے) کہ ہم اس پر تنگی نہ کریں گے۔ (کنزالایمان) دیکھیے ترجمہ بھی ہو گیا اور نبی کی شان میں کوئی حرف بھی نہیں آیا۔

(۱۰) وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی (والضحیٰ ۹۳/۷)

☆ اور پایا تجھ کو بھٹکتا پھر راہ سجھائی (محمود حسن)

☆ اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی؟ (جونا گڑھی)

☆ اور رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا (جالندھری)

☆ اور تمھیں ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی (مودودی)

غور کیا جائے تو یہ تراجم ذوق ایمانی پر انتہائی گراں ہیں وہ ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو تمام عالم انسانیت کے لیے رہبر ورہنما ہیں، ان کے لیے معصومیت کا عقیدہ رکھتے ہوئے، ایسے الفاظ استعمال کرنے کا کیا جواز ہے؟ اصل میں مغالطہ اس لیے واقع ہوا کہ ضلالت کا ایک معنی گمراہی بھی ہے، ترجمہ کرنے والوں نے بے سوچے سمجھے کہہ دیا، بھٹکتا ہوا، اس طرف توجہ نہ کی کہ اس کا دوسرا معنی محبت میں محویت بھی تو ہوتا ہے، قرآن پاک میں برادران یوسف علیہ السلام کا قول منقول ہے: اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ (یوسف ۱۲/۹۵) اپنی اسی پرانی خود رفتگی (محبت اور محویت) میں ہیں۔'' اسی لیے امام احمد رضا نے یوں ترجمہ کیا ہے:

☆ ''اور تمھیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا، تو اپنی طرف راہ دی'' (کنزالایمان)

اس ترجمے میں مقام رسالت کی عظمت کا احترام بھی ملحوظ ہے، اور ادبی اعتبار

سے بھی قابل صد ستائش ہے۔ اس ترجمے کی تائید ان تفاسیر سے بھی ہوتی ہے: تفسیر رازی کبیر، تفسیر مظہری وغیرہ۔ اور خود قرآن کی سورہ نجم میں ہے: مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (نجم: ۲/۵۳) تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ ہوئے۔ (کنزالایمان)

قرآن کی اس شہادت کے بعد حضور کو بھٹکنے والا یا بے راہ کہنا کسی طرح درست نہیں، یعنی حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی راہِ حق و ہدایت سے عدول نہیں کیا، ہمیشہ اپنے رب کی توحید و عبادت میں رہے، آپ کے دامنِ عصمت پر کبھی کسی امر مکروہ کی گرد نہ آئی اور آپ ہمیشہ رشد و ہدایت کی اعلیٰ منزل پر فائز رہے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

(۱۱) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ کُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ (البقرۃ: ۱/۱۴۳)

اس آیت کریمہ میں لِنَعْلَمَ کا ترجمہ متعدد اصحاب قلم نے یہ کیا ہے۔

☆ ہم معلوم کرلیں (ڈپٹی نذیر احمد)

☆ ہمیں معلوم ہوجائے (مرزا حیرت دہلوی)

☆ ہم جان لیں (جونا گڑھی)

☆ ہم کو معلوم ہوجائے (اشرف علی تھانوی)

اب صاحب کنزالایمان امام احمد رضا کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

☆ اور اے محبوب! تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لیے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں (آزمائیں) کون رسول کی پیروی کرتا ہے، اور کون الٹے پاوں پھر جاتا ہے۔ (کنزالایمان)

عربی اردو ڈکشنری میں چونکہ لِنَعْلَمَ کا ترجمہ جاننا اور معلوم ہونا پڑھا تھا، اس لیے یہاں بھی وہی ترجمہ کردیا گیا، اور اس حقیقت تک ان مترجمین کی نظر نہ پہنچی کہ رب کائنات تو عَالِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ ہے، ہر چیز کا ازلی وابدی طور پر عالم ہے اس کی شان میں ہم جان لیں اور ہم کو معلوم ہوجائے وغیرہ کا ترجمہ کیا شان الوہیت سے لاعلمی یا بے بصیرتی نہیں؟ کیونکہ معلوم تو وہ کرے جس کو پہلے اس شئے کا علم نہ ہو۔

(۱۲) وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْکُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ (آل عمران ۳/۱۴۲)

☆ اور ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو۔ (شیخ دیوبند محمود الحسن)

☆ حالاں کہ ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں ہے، اور یہ (بھی مقصود ہے) کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔ (جالندھری)

☆ سعودی حکومت کا جونا گڑھی ترجمہ بھی یہی ہے کہ ابھی تک اللہ نے یہ معلوم نہیں کیا الخ۔

''اور ابھی تک معلوم نہیں کیا'' گویا اب تک خدا ے کائنات اس سلسلہ میں غیر عالم تھا۔ معاذ اللہ

دوسرے مترجم صاحب نے بزعم خویش یہ لکھا کہ اچھی طرح معلوم کیا ہی نہیں مطلب یہ ہوا کہ معلوم تو کچھ تھا، مگر اچھی طرح علم نہیں تھا، اب وہ نقص پورا کیا جارہا ہے۔ (معاذ اللہ) یہ ترجمہ ہے یا قرآن کے ساتھ کھیل۔

اب ملاحظہ کیجیے امام احمد رضا بریلوی کا ایمان افروز ترجمہ۔

☆ اور ابھی اللہ نے تمھارے غازیوں کا امتحان نہ لیا، اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔ (کنزالایمان)

(۱۳) نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ۔ (التوبۃ: ۹/۶۷)

☆ یہ لوگ اللہ کو بھول گئے اور اللہ نے بھی ان کو بھلادیا۔ (ڈپٹی نذیر احمد، جالندھری، محمود حسن، جونا گڑھی، جالندھری، مودودی)

☆ انہوں نے خدا کا خیال نہ کیا پس خدا نے ان کا خیال نہ کیا (تھانوی)

ہر ایک نے اس آیت میں نسیان کا مذکورہ بالا ترجمہ یعنی بھولنا کیا ہے، تو یہ نسیان جس سے حفظ کی نفی ہوتی ہے، اس کا اطلاق اس ذات باری تعالیٰ کے لیے کیسے صحیح ہوسکتا ہے، جو تمام عیوب سے یکسر پاک ہے، مفہوم و معنی جس لحاظ سے بھی دیکھیے، یقیناً یہ ترجمہ غلط اور گمراہ کن ہے، کاش یہ مترجمین تفسیر نسفی، مدارک التنزیل، جلالین، اور دوسری تفاسیر دیکھ لیتے تو ایسا ترجمہ نہ کرتے۔ اور دوسرا ترجمہ خیال کا ہے، اس کی نسبت بھی خدا کی طرف بالکل صحیح نہیں۔

اب امام احمد رضا بریلوی کا صحیح اور بصیرت افروز تفسیری ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

☆ اور وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا (کنزالایمان)

(۱۴) اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ. (البقرۃ: ۲/۱۵)

☆ اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔ (محمود حسن، حیرت دہلوی، جالندھری)

☆ اللہ ان کو بناتا ہے۔ (نذیر احمد دہلوی)

☆ اللہ جل شانہ ان سے دل لگی کرتا ہے۔ (نواب وحید الزماں غیر مقلد)

☆ اللہ تعالیٰ بھی ان سے مذاق کرتا ہے۔ (جونا گڑھی، مطبوعہ: سعودیہ)

امام احمد رضا کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

☆ اللہ ان سے استہزا فرماتا ہے (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) (کنزالایمان)

(۱۵) وَ مَکَرُوۡا مَکۡرًا وَّمَکَرۡنَا مَکۡرًا (النمل ۲۷/۵۰)

☆ اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور ہم نے بنایا ایک فریب (محمود حسن دیوبندی)

☆ انھوں نے مکر کیا اور ہم نے بھی (جونا گڑھی، مطبوعہ: سعودیہ)

☆ یہ چال تو وہ چلے اور پھر ایک چال ہم نے چلی (مودودی)

☆ ہم نے بھی ان کی ساری تدبیروں کا خاتمہ ایک ہی داو میں کر ڈالا۔ (پاریکھ)

اعلیٰ حضرت کا ترجمہ یہ ہے:

☆ اور انہوں نے اپنا سا مکر کیا، اور ہم نے اپنی خفیہ تدبیر فرمائی (کنزالایمان)

حیرت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے فریب، چال، جیسے الفاظ کا کس طرح استعمال کر ڈالا، ایسا لگتا ہے کہ ان مترجمین کو اللہ کی شانِ تقدیس کا کچھ بھی علم نہیں، کہ یہ لوگ میدان ترجمہ میں بگٹٹ گھوڑے کی طرح دوڑے جا رہے ہیں جنہیں کوئی پکڑنے والا نہیں۔

(۱۶) وَمَکَرُوۡا وَ مَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ. (آل عمران ۳/۵۴)

☆ اور مکر کیا ان کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے، اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (محمود حسن)

☆ اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی داؤں کیا اور اللہ سب داؤں کرنے والوں سے بہتر ہے (جونا گڑھی)

☆ اور خدا بھی (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چال چلا، اور خدا خوب چال چلنے والا ہے

(جالندھری)

☆ اور داؤ کیا اللہ نے اور اللہ داؤ کرنے والوں میں بہتر ہے۔ (عاشق الٰہی میرٹھی)

☆ اللہ نے داؤں کیا (وحید الزماں)

☆ اللہ کا داؤ سب سے بہتر اور کامیاب ہوتا ہے۔ (پاریکھ)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

☆ اور کافروں نے مکر کیا، اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔ کنزالایمان)

(۱۷) کَذٰلِکَ کِدۡنَا لِیُوۡسُفَ (یوسف ۱۲/۷۶)

☆ یوں داؤ بتایا، ہم نے یوسف کو (محمود حسن مطبوعہ سعودیہ)

غضب خدا کا! یہ جہالت وغباوت کہ ذات باری تعالیٰ کو مکر وفریب سے متصف بھی مانا، اور دوسرے کو داؤ بتانے والا بھی لکھا، اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز ترجمہ یہ ہے:

☆ ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی (کنزالایمان)

(۱۸) فَلَا یَاۡمَنُ مَکۡرَ اللّٰہِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡخٰسِرُوۡنَ. (الاعراف ۷/۹۹)

☆ سو بے ڈر نہیں ہوئے اللہ کے داؤ سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔ (محمود حسن)

☆ خدا کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں۔ (جالندھری)

☆ سو اللہ کی چال سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جن کو برباد ہونا ہے۔ (مودودی)

☆ تو بس جو لوگ اللہ کے داؤ گھات سے بے فکر بنے رہتے ہیں، وہی خراب ہو کر رہیں گے۔ (پاریکھ)

اب اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز ترجمہ ملاحظہ ہو:

☆ تو اللہ کی خفی تدبیر سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے۔ (کنزالایمان) خفی یعنی پوشیدہ

(۱۹) وَعَصٰۤی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی۔ (طٰہٰ ۲۰/۱۲۱)

☆ اور آدم نے نافرمانی کی اپنے رب کی پس گمراہ ہوئے۔ (عاشق الٰہی میرٹھی)

☆ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا (جونا گڑھی، مطبوعہ: سعودی عرب) تفسیر میں ہے، راہِ راست سے بہک گیا (احسن البیان)

☆ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ راست سے بھٹک گیا۔(مودودی)

☆ اور حکم ٹالا آدم نے اپنے رب کا پھر راہ سے بہکا (محمود حسن)

چونکہ انبیاے کرام گناہ سے معصوم ہیں اس لیے ان کی طرف نافرمانی گمراہی بہکنے بھٹکنے وغیرہ کی نسبت کرنا خود صریح ضلالت ہے۔

یہ دیکھیے امام احمد رضا بریلوی کا ترجمہ جو عصمت انبیا کا صحیح ترجمان ہے۔

☆ اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔(کنز الایمان)

نوٹ: مقامِ غور ہے کہ کہاں حکم ٹالا، نافرمانی کی، اور بھٹک گیا، گمراہ ہوگیا، بہک گیا- اور یہاں حکم میں لغزش واقع ہوئی یعنی قصد نہیں کیا- اور اپنا جو مطلب چاہا تھا وہ نہ پاسکے ع

ببیں تفاوتِ رہ کجا ست تا بہ کجا

(۲۰) وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِىٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا (التحریم۶۶/۱۲)

☆ اور مریم بیٹی عمران کی جس نے روکے رکھا، اپنی شہوت کی جگہ کو۔(محمود حسن)

احصان کا ترجمہ روکے رکھنا اور فرج کا ترجمہ شہوت کی جگہ اردو میں لفظی ترجمہ اور صحیح تو کہا جاسکتا ہے، مگر احترام پسندانہ ترجمہ ہرگز نہیں، اس لیے فصیح اور باادب ترجمۂ امام احمد رضا یہ ہے:

☆ اور عمران کی بیٹی مریم جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی (کنز الایمان)

(۲۱) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (الکہف۱۸/۱۱۰)

☆ اے محمد! کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تمہیں جیسا۔(مودودی- تفہیم القرآن)

☆ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں ہاں میری جانب وحی کی جاتی ہے، (جوناگڑھی، مطبوعہ: سعودیہ)

☆ میں بھی آدمی ہوں تم جیسا، لیکن میری طرف وحی کی جاتی ہے۔(پاریکھ)

☆ آپ کہہ دیجیے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں۔(تھانوی)

محمود الحسن، جوناگڑھی، جالندھری ہر ایک نے لفظوں کے ذرا ذرا فرق سے یہی بات کہی ہے اور ان کے ماننے والے آج بھی برملا اسی بات کو دہراتے رہتے ہیں۔

اس کا صحیح ترین اور باادب ترجمہ ملاحظہ ہو، جسے امام احمد رضا نے یوں اِملا کرایا:

☆ تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں، مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے۔(کنز الایمان)

کچھ لوگ ظاہر صورت بشری پر اعتراض کرتے ہیں، انہیں تفاسیر کا مطالعہ کر لینا چاہیے، مفسرین اور سیرت نگاروں کی تشریحات سے روگردانی کر کے محض اعتراض کرتے جانا دانش مندی نہیں، ملاحظہ ہو تفسیر روح البیان، شفاے قاضی عیاض، نسیم الریاض وغیرہ۔

دوسری جگہ آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (حم السجدہ ۴۱/۶) کا ترجمہ بھی ملاحظہ کیجیے:

تم فرماؤ! آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں، مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے (کنز الایمان)

(۲۲) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ (محمد۴۷/۱۹)

☆ اور معافی مانگ اپنے گناہ کے واسطے، اور ایمان دار مردوں اور عورتوں کے لیے۔(محمود حسن)

☆ اور آپ اپنی خطا کی معافی مانگتے رہیے اور سب مردوں اور مسلمان عورتوں کے لیے۔(اشرف علی تھانوی)

☆ اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں، اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے حق میں۔(جوناگڑھی)

اپنے گناہ کے واسطے کا مطلب یہ ہے، کہ گویا حضور اکرم ﷺ معصوم عن الخطا نہیں، مانگتے رہیے کا ترجمہ بتاتا ہے، کہ گناہ میں استمرار ہے، یا کم از کم گناہ کا صدور تو ضرور ہوا ہے، اس وجہ سے اس کے لیے ہمیشہ استغفار کرنا ضروری ہے۔ امام احمد رضا بریلوی کا ایمان افروز ترجمہ سنیں۔

☆ اور اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو(کنزالایمان)

امام احمد رضا کا ترجمہ تفاسیر کے مطابق ہے، ملاحظہ ہو تفسیر صاوی **حاشیہ جلالین، اور تفسیر خازن** عینی (۱/۱۹۵) اور دوسری تفاسیر جن میں فرمایا گیا: چوں کہ نبی معصوم ہوتا ہے، اس لیے یہاں لِذَنْبِکَ سے گھر والوں یا خاص لوگوں کے گناہ مراد ہیں۔ گویا مضاف الیہ محذوف ہے ای ذنب امتک یعنی مراد آپ کی امت کے گناہ ہیں۔

(۲۳) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَ کَ مِنَ الْعِلْمِ، مَالَکَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ. (البقرۃ :۲/۱۲۰)

☆ اور اگر آپ نے باوجود اپنے پاس علم آجانے کے پھر ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا، اور نہ مددگار (جوناگڑھی، مطبوعہ سعودیہ)۔

اشرف علی تھانوی اور عبدالماجد دریابادی، جالندھری، مودودی، عاشق میرٹھی، وحیدالزماں، پارکھ ناگپوری کا ترجمہ بھی اسی طرح کا ہے جس سے عصمت انبیا پر براہ راست زد پڑتی ہے، لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی کے ترجمے نے اس کا شائبہ ہی ختم کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

☆ اور (اے سننے والے کسے باشد) اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا، بعد اس کے کہ تجھے علم آچکا تو اللہ سے کوئی تیرا بچانے والا نہ ہوگا، اور نہ مددگار۔(کنزالایمان)

یعنی یہ خطاب بظاہر سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے، لیکن مراد اس سے آپ کی امت کو ڈرانا ہے جیسا کہ تفسیر ابن کثیر، قرطبی وبغوی، خازن وغیرہ میں ہے، اعلیٰ حضرت نے ’’اے سننے والے کسے باشد‘‘(کوئی بھی ہو) سے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، ورنہ عام قاری یہاں غلط فہمی کا شکار ہو سکتا تھا، یہی کنزالایمان کا کمال ہے کہ جو بات تفسیروں میں تفصیل سے بیان کی جاتی ہے اعلیٰ حضرت اسے ایک یا چند لفظوں میں سمو دیتے ہیں جس سے اعتراض کی گنجائش ہی ختم ہو جاتی ہے۔

(۲۴) اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ. (الفاتحہ ۱/۵)

☆ بتلا دیجیے ہم کو رستہ سیدھا۔(اشرف علی تھانوی)

☆ ہمیں سیدھی (اور سچی) راہ دکھا، (جوناگڑھی، مطبوعہ: سعودیہ)

تائید الٰہی کی منزل سے ہم کنار جو ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

☆ ہم کو سیدھا راستہ چلا۔(کنزالایمان)

بتلا، دکھا وغیرہ الفاظ سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ اے اللہ ہمیں راستہ بتا، جب کہ اس کے مقابلے میں زیادہ بہتر یہ ہے کہ دعا یوں کی جائے، ’’ہمیں چلا سیدھی راہ‘‘ مگر افسوس کہ اکثر مترجمین نے ’’راستہ دکھا‘‘ ہی ترجمہ کر ڈالا ہے۔

(۲۵) فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ (الشوریٰ ۴۲/۲۴)

☆ سو اگر اللہ چاہے، مہر کر دے تیرے دل پر۔(محمود حسن)

☆ اگر خدا چاہے تو اے محمد تمھارے دل پر مہر لگا دے۔(جالندھری)

☆ سو خدا اگر چاہے، تو آپ کے دل پر بند لگا دے۔(تھانوی)

☆ اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر مہر لگا دے۔(جوناگڑھی، مطبوعہ، سعودیہ، مودودی)

اعلیٰ حضرت ترجمہ فرماتے ہیں:

☆ اور اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت وحفاظت کی مہر لگا دے۔(کنزالایمان) کہ آپ کفار کی ایذا سے تکلیف نہ محسوس کریں۔

قابل غور بات ہے کہ دل پر مہر لگانا، اس کو مسخ کرنے اور قبول حق کی صلاحیت کو چھین لینے کے معنی میں آتا ہے،، دیگر مترجمین نے بے سوچے سمجھے صرف یہی ترجمہ کر ڈالا کہ مہر لگا دے۔ جب کہ امام احمد رضا کا ترجمہ نہایت صاف ستھرا ہے، اس میں منفی معنی کا کوئی پہلو نہیں، اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے مفسر امام بغوی نے، امام مجاہد کے حوالے سے۔

(۲۶) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا. لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَاتَاَخَّرَ (الفتح ۴۸/ ۱، ۲)

☆ ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے۔(محمود حسن)

☆ (اے محمدؐ) ہم نے تم کو فتح دی، فتح بھی صریح اور صاف تا کہ خدا تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے۔ (جالندھری)

☆ بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔ (تھانوی)

☆ تا کہ جو کچھ تیرے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ (جونا گڑھی)

اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

☆ ’’بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے‘‘

مذکورہ تراجم میں مترجمین نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو گنہ گار بتانے والا ترجمہ کیا، جب کہ اعلیٰ حضرت نے وہ پاکیزہ وادب آموز ترجمہ کیا ہے، جس سے حضور کا خطا کار اور گنہ گار ہونا ثابت نہیں ہوتا، حضور معصوم ہیں اس لیے یہی ترجمہ درست ہے، اور کسی تاویل کی ضرورت نہیں، یہی مفہوم تفسیر خازن، روح البیان، تفسیر کبیر رازی اور صاوی سے بھی نکلتا ہے، کہ گناہ کی نسبت حضور کی طرف مجازی ہے، مراد امت کے گناہ ہیں۔

(۲۷) قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذاً وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ (الشعراء ۲۶/ ۲۰)

☆ کہا کیا تو تھا میں نے وہ کام اور میں تھا چوکنے والا۔ (محمود حسن)

☆ (موسیٰ نے) کہا کہ (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں خطا کاروں میں تھا، (جالندھری)

☆ موسیٰ نے جواب دیا کہ (واقعی) اس وقت وہ حرکت میں کر بیٹھا تھا اور مجھ سے غلطی ہوگئی تھی، (تھانوی)

☆ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جب کہ میں راہ بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا۔ (جونا گڑھی)

ترجمہ اعلیٰ حضرت :

☆ موسیٰ نے فرمایا: میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی (کنزالایمان)
(کہ وہ میرے گھونسے سے مرجائے گا، یعنی جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا تھا۔)

(۲۸) إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ. (البقرۃ ۲/ ۶)

پہلے اس آیت کے قابل غور تراجم ملاحظہ ہوں،

☆ بے شک جو کافر ہو چکے ہیں، برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لاویں گے۔ (اشرف علی تھانوی)

☆ بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے یا نہ ڈرائے، وہ ایمان نہ لائیں گے۔ (محمود الحسن)

☆ جو لوگ کافر ہیں، انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لیے برابر ہے، وہ ایمان نہیں لانے کے۔ (جالندھری)

☆ کافروں کو آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے، یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ (جونا گڑھی، سعودیہ)

☆ بے شک جو منکر ہوئے ان کے لیے برابر ہے، چاہے تم انھیں خبردار کرو یا نہ کرو، وہ مان کر نہیں دیں گے۔ (پارکھ)

ان سارے ترجموں کا خلاصہ یہ ہے، کہ کافروں تک کلمہ حق کی دعوت دی جائے ان کو ڈرایا جائے، نہ ڈرایا جائے، وہ ایمان لانے والے نہیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے، کہ کافروں کو عذاب الٰہی سے ڈرانے کی ضرورت ہی نہیں، پھر نبی کے آنے کی بھی کیا ضرورت؟ دوسرے یہ کہ واقعی نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انذار (ڈرانے) سے کافی تعداد میں کافر ایمان لے آئے، مذکورہ تراجم میں اس کا جواب نہیں، حالاں کہ تفاسیر میں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے، کہ یہ آیت ان کفار کے حق میں ہے، جن کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اور جن کا کفر پر مرنا، اور علم الٰہی میں ان کا ایمان نہ لانا مقدر ہے، اب دیکھیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کیا ایمان دارانہ ترجمہ کرتے ہیں:

☆ وہ جن کی قسمت میں کفر ہے، انہیں برابر ہے، چاہے تم انہیں ڈراؤ، یا نہ ڈراؤ۔وہ ایمان لانے کے نہیں۔(کنزالایمان)

(۲۹) وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء:۲۱/۱۰۷)

ملاحظہ ہو اس آیت کے ترجمے میں کیا کیا گل کھلائے گئے ہیں:

☆ اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں (یعنی مُکَلَّفِیْن پر) مہربانی کرنے کے لیے۔(تھانوی)

☆ اور ہم نے دنیا جہان کے لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(عاشق الٰہی میرٹھی)

☆ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔(محمود حسن)

☆ اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے(جونا گڑھی)

☆ اے نبی ہم نے تو تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا(مودودی)

اب اعلیٰ حضرت امام عشق ومحبت کا ترجمہ ملاحظہ کریں:

''اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے''(کنزالایمان)

دنیا والوں اور جہان والوں اور لوگوں کی قید بے معنیٰ ہے آیت میں اس کی طرف اشارہ بھی نہیں، آیت میں سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلقاً ''رحمت'' فرمایا یعنی سرکار سراپا رحمت بن کر تشریف لائے اور پوری کائنات کے لیے رحمت تھے صرف انسانوں جناتوں کے لیے نہیں۔رحمت سارے جہان کے لیے ہی ترجمہ صحیح ہے جیسا کہ اعلیٰ حضرت نے کیا ہے۔اس سے دیگر مترجمین کی بدخیالی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔حیرت ہے کہ یہی مترجمین جب رب العلمین کا ترجمہ کرتے ہیں تو ''سارے جہان کا'' ترجمہ کرتے ہیں اور جب رحمۃ للعلمین کا ترجمہ کرتے ہیں تو صرف جہان یا صرف دنیا کا ترجمہ کرتے ہیں۔حضور کا سارے جہان کے لیے رحمت ہونا تو اس سے بھی ظاہر ہے کہ ساری کائنات کا وجود ہی آپ کا صدقہ ہے، مزید یہ بھی دلیل ہے کہ بے زبان جانور تک آپ کی بارگاہ میں فریاد لے کر آتے اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی فریاد رسی فرماتے۔

(۳۰) یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ

عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (بقرۃ ۲/۴۷)

اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ اُس سارے زمانے پر تمہیں بڑائی دی(کنزالایمان از اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ)۔

جتنے تراجم قرآن نظر سے گزرے سب میں یہی ترجمہ ہے کہ میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔کچھ الفاظ بدلے ہیں، مفہوم سب کا یہی ہے، یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جب امت محمدیہ خیر امت یعنی تمام امتوں سے افضل ہے تو بنی اسرائیل کو کیسے فرمایا گیا کہ تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی، باوجودے کہ اس کا جواب تفاسیر میں ہے کہ یہاں صرف اس زمانے والوں پر فضیلت دینے کی بات کہی گئی ہے، لیکن مترجمیں (ترجمہ کرنے والوں) کی توجہ اس کی طرف نہیں گئی، نہ ان کے ذہن میں اعتراض آیا کہ اس کا جواب ڈھونڈتے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ترجمہ ہی میں اس کا یہ کہہ کر جواب دے دیا ہے کہ یہاں اُس زمانے میں فضیلت کی بات کہی گئی ہے جس زمانے میں ان کو رب عزوجل نے انعامات سے نوازا تھا۔زمانۂ رسالت محمدیہ میں انہیں ان احسانات کو یاد دلایا جارہا ہے جو بنی اسرائیل کے آباواجداد پر اللہ تعالیٰ نے کیے تھے۔اور انھیں احسانوں میں سے یہ فضیلت بھی ہے جو انھیں ماضی میں دی گئی تھی۔چنانچہ تفسیر جلالین، بیضاوی، روح البیان، قرطبی وغیرہا میں بھی یہی جواب دیا گیا ہے۔

(۳۱) مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ (شوریٰ ۴۲/۵۲)

اس آیت کے عجیب وغریب ترجمے ملاحظہ ہوں:

☆ آپ کو تو خبر نہ تھی کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے(پاریکھ)

☆ آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا چیز ہے؟(جونا گڑھی، سعودیہ)

☆ تم نہ کتاب جانتے تھے اور نہ ایمان۔(فتح محمد جالندھری)

☆ تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور نہ ایمان(محمود حسن)

☆ تمہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے۔(مودودی)

☆ تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے اور نہ جانتے تھے کہ ایمان کسے کہتے تھے۔ (نذیر دہلوی)

ان تمام تراجم میں سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے نزولِ قرآن سے پہلے کتاب اور ایمان کے علم کی نفی کی گئی، جب کہ نزولِ قرآن سے پہلے بھی سرکار نے کبھی بت پرستی نہیں کی، نہ شراب پیا، نہ کسی حرام کا ارتکاب کیا، اس لیے مطلق نفی کرنا ہرگز درست نہیں، اسی لیے ضروری ہے کہ قرآن کو تفسیر اور اقوال اسلاف سے سمجھا جائے، اب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا صحیح ترین اور ایمان افروز ترجمہ ملاحظہ کیجیے:

☆ ''اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے، نہ احکامِ شرع کی تفصیل (کنز الایمان)

ایک لفظ ''تفصیل'' سے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تمام سوالات کے جوابات دے دیے۔ قرآن نازل نہیں ہوا تھا اس لیے اس کا علم نہ ہونا تو ظاہر ہے، لیکن ایمان کے علم کی نفی کس طرح درست ہو سکتی ہے، جب کہ قبل اعلان نبوت اور قبل نزول قرآن بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کے خلاف کوئی کام نہیں کیا نہ کبھی بت پرستی کی حتیٰ کہ کبھی بتوں کی تعظیم تک نہ کی۔

(۳۲) وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ (یوسف ۱۲/۶)

عام مترجمین نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے:

☆ اور اس طرح ہوگا کہ تمہارا رب تم کو پسند فرمالے گا اور تم کو خواب (اور واقعات و معاملات کا خلاصہ اور اس) کی ترکیب بٹھانے کی تعلیم فرمائے گا۔ (پاریکھ)

☆ اور اسی طرح خدا تمھیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا (جالندھری)

☆ اور اسی طرح تجھے تیرا پروردگار برگزیدہ کرے گا اور تجھے معاملہ فہمی (خوابوں کی تعبیر) بھی سکھائے گا۔ (جونا گڑھی سعودیہ)

☆ اور اسی طرح تمہارا رب تم کو منتخب کرے گا اور تم کو خوابوں کی تعبیر کا علم دے گا۔ (تھانوی)

☆ اور سکھلائے گا تجھ کو ٹھکانے پر لگانا باتوں کا (محمود حسن)

اب امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کا ترجمہ ملاحظہ ہو جو نہایت صاف ستھرا جامع اور مختصر ہے۔

''اور اسی طرح تجھے تیرا رب چن لے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا''۔ (کنز الایمان)

اوپر کے ترجموں کو دیکھیں ہر ایک نے تقریباً خوابوں کی تعبیر کا ترجمہ کیا ہے۔ جب کہ تاویل الاحادیث عام ہے اس میں اگر چہ خواب کی تعبیر بھی آجاتی ہے، لیکن اعلیٰ حضرت نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں تاویل الاحادیث کے جملہ معانی آجاتے ہیں۔ پہلے نمبر کے مترجم نے خواب کی ترکیب بٹھانے کے درمیان قوسین دے کر جو کچھ لکھا ہے وہ کس قدر بے جوڑ ہے اہل فہم حضرات سمجھ سکتے ہیں اور ''خواب کی ترکیب بٹھانا'' یہ کوئی محاورہ بھی نہیں ہے۔

(۳۳) وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ. (آلِ عمران ۳/۱۱۹)

منافق جب سرکار سے ملتے ہیں تو ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے اور جب الگ ہوتے ہیں تو کیا ہوتی ہے اس کا بیان قرآن پاک کی مذکورہ آیت میں ہے، ذیل میں اس آیت کے تراجم پیش کیے جاتے ہیں:

☆ ان کی جب تم سے ملاقات ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو مارے غصے کے تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ آپ فرمادو کہ مرجاؤ اپنے غصے سے۔ (پاریکھ)

☆ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصے کے انگلیاں چباتے ہیں، کہہ دو کہ اپنے غصے ہی میں مرجاؤ۔ (جونا گڑھی)

☆ اور یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ کے، آپ کہہ دیجیے کہ تم مر رہو اپنے غصے میں۔ (تھانوی) فتح محمد جالندھری اور دوسرے

ترجمہ نگاروں نے بھی تقریباً ایسا ہی ترجمہ لکھا ہے۔

☆ اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصے سے، تم فرمادو کہ مرجاؤ اپنی گھٹن میں۔ (کنزالایمان)

غیظ کا لفظ دو جگہ (مِنَ الْغَيْظِ اور بِغَيْظِكُمْ) آیا ہے جب ایک ہی لفظ دو جگہ آئے تو دونوں کا الگ الگ معنیٰ بہتر ہوتا ہے جب کہ کوئی عذر نہ ہو، یہاں تمام مترجمین نے اسے ہر جگہ غصے ہی کے معنی میں لیا ہے۔ تھانوی صاحب کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کریں تو انہوں نے پہلی جگہ لفظ غیظ ہی کو باقی رکھا دوسری جگہ غصے سے اس کا ترجمہ کیا جب کہ اعلیٰ حضرت نے پہلی جگہ غصے کا معنیٰ لیا تو دوسری جگہ گھٹن کا ترجمہ کیا یہ وہ کیفیت ہے جو شدید غصے کے بعد پیدا ہوتی ہے، اس طرح دونوں مقامات کے ترجمے میں ذرا فرق ہو گیا اور لغات میں بھی یہ دونوں معنی پائے جاتے ہیں دیکھیے مفرداتِ راغب وغیرہ۔

(۳۴) اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا (الزخرف ۴۳/ ۳۲)

کیا تمہارے رب کی رحمت وہ بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا اور ان میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی دی کہ ان میں ایک دوسرے کی ہنسی بنائے۔ (کنزالایمان) یہاں استفہام انکاری مقدر ہے یعنی کیا یہ اس لیے کیا کہ ایک دوسرے کی ہنسی بنائے، مذاق اُڑائے۔

یہاں سُخْرِيًّا کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے ہنسی سے کیا ہے، یعنی یہ کہ بندوں میں کسی کو امیر اور کسی کو فقیر بنایا تو اس کی وجہ سے کوئی امیر فقیر کا مذاق نہ اڑائے، اس کام کے لیے ہم نے ان کے اندر تفاوت نہیں رکھا۔

جب کہ دوسرے تمام اردو مترجمین نے اس کا معنی یہ لیا ہے، تاکہ ایک دوسرے سے کام اور خدمت لے، جب کہ یہ حکم اختیاری ہے۔ غریب چاہے تو مالدار کی خدمت اور مزدوری کرے چاہے نہ کرے، یوں ہی مالدار کو اختیار ہے کہ غریب سے کام لے مگر اس کو اپنی خدمت کے لیے مجبور نہیں کرسکتا، اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ مالدار کو

فقیر کی تحقیر کرنا اس کا مذاق اڑانا ہرگز جائز نہیں، خدمت لے یا خدمت نہ لے لہٰذا زیادہ خوبی اعلیٰ حضرت ہی کے ترجمے میں ہے۔

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے اعتراض کیا کہ نبوت ایک غریب گھرانے میں کیوں آئی۔ جو بچہ یتیم تھا، اس کو کیوں نبی بنایا گیا؟ تو رب عزّ وجل نے اس کا جواب دیا کہ کیا یہ کفار لوگوں کے رزق کو تقسیم کرتے ہیں، کسی کو امیر یا کسی کو فقیر بناتے ہیں یعنی ایسا نہیں، تو جب دنیاوی معاملات میں یہ تقسیم اللہ نے اپنے اوپر رکھی ہے تو نبوت بڑی عالی مرتبت چیز ہے۔ اس میں کسی اور کا اختیار کیوں چلے گا کہ جس کو یہ لوگ چاہیں اسے نبوت ملے اس کا تو فرمان یہ ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (الانعام ۶/ ۱۲۴) یعنی اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ (کنزالایمان)

تو نبوت ہو یا مال و دولت کا عطیہ کسی کو امیر بنانا ہو یا فقیر و مفلس بنانا، یہ سب خدائے قدیر کی مشیت پر موقوف ہے۔ بندے کا اس میں کچھ اختیار نہیں۔ امیر کو فقیر کی ہنسی اڑانے، اسے ذلیل کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے۔

شیخ سعدی نے بھی اپنے فارسی ترجمۂ قرآن میں یہی معنیٰ دیا ہے، اور امام قرطبی ایک بلند پایہ مفسر ہیں۔ انہوں نے بھی اسی معنی کو اختیار کیا ہے، اور یہی زیادہ موزوں اور مناسب بھی ہے۔ باقی رہا وہ معنیٰ جس پر اکثر مفسرین جا کر رک گئے ہیں اس کی بھی گنجائش ہے۔

(۳۵) وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ. (الشعراء ۲۶/ ۱۴)

☆ اور میرے ذمے ان لوگوں کا ایک جرم بھی ہے سو مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ مجھ کو قتل کرڈالیں گے۔ (تھانوی)

☆ اور ان کا مجھ پر ایک الزام ہے تو میں ڈرتا ہوں کہیں مجھے قتل کردیں۔ (کنز الایمان- امام احمد رضا قدس سرہ)

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ قبطی کو ایک گھونسہ مارا تو وہ مر گیا۔ حالاں کہ مارنے کا ارادہ نہ تھا اور ایک گھونسے سے عام طور سے کوئی مرتا بھی نہیں، ظاہر ہے یہ کوئی گناہ یا جرم نہ تھا لیکن بنی اسرائیل کا الزام تھا، تو اعلیٰ حضرت نے ترجمے میں یہی تحریر فرمایا ہے کہ ''ان کا مجھ پر ایک الزام ہے، جب کہ تھانوی صاحب نے لکھا، میرے ذمے ان

لوگوں کا ایک جرم بھی ہے۔ حالاں کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوئی جرم یا گناہ نہ تھا۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ذنب کا ترجمہ ''الزام'' کیا ہے تو واقعی ذنب کا ایک ترجمہ الزام بھی ہے۔ کچھ مترجمین نے گناہ کی جگہ دعویٰ کا، ترجمہ کیا ہے اگر چہ اس میں ایک نبی کی طرف گناہ کی مطلق نسبت کرنے کی قباحت سے بچت تو ہوگئی ہے مگر ذنب کا ترجمہ نہیں ہوسکا ہے جب کہ اعلیٰ حضرت نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے نبی کی شان میں گستاخی بھی نہیں ہوتی اور لفظ کا صحیح ترجمہ بھی ہو جاتا ہے۔

(۳۶) ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ . (بقرۃ ۲/ ۱۸۷)

پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ (کنزالایمان از اعلیٰ حضرت قدس سرہ)

تقریباً پندرہ اردو تراجم دیکھنے کا اتفاق ہوا، سوائے عبدالماجد دریا آبادی کے کسی نے بھی ''رات آنے تک'' ترجمہ نہیں کیا، ہوسکتا ہے انھوں نے کنزالایمان دیکھ لیا ہو۔ وہ زبان داں اور ادیب بھی تھے انہوں نے آنے تک کی نزاکت کو سمجھ لیا، ورنہ دیگر حضرات چاہے وہ اعلیٰ حضرت سے قبل کے ہوں یا بعد کے، ہر ایک نے ''رات تک'' کا ہی ترجمہ کیا ہے، رات تک اور رات آنے تک میں جو نازک فرق ہے اسے اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں، رات تک میں احتمال ہے کہ غایت مُغیّا میں داخل ہے یا نہیں، جب کہ رات آنے تک میں اس کا کوئی احتمال نہیں، یعنی دن ختم ہو کر رات آگئی تب روزہ پورا ہوا اور افطار جائز، اس سے معلوم ہوا کہ صاحب کنزالایمان زبان کی ان باریکیوں سے بھی واقف تھے، جہاں بڑے بڑوں کی رسائی نہیں۔

(۳۷) قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ . (الزخرف ۴۳/ ۸۱)

تم فرماؤ بفرض محال رحمٰن کے کوئی بچہ ہوتا تو سب سے پہلے میں پوجتا (کنزالایمان)

بفرض محال کی قید صرف اعلیٰ حضرت نے لگائی ہے باوجودے کہ تفسیر جلالین میں اس کی تفسیر فرضاً سے کی ہے، لیکن مترجمین نے اس کی طرف توجہ ہی نہیں دی اور لفظی ترجمہ کرتے آگے بڑھ گئے۔

(۳۸) قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرۃ ۲/ ۲۱۹)

تم فرمادو کہ ان دونوں (یعنی جوے اور شراب) میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے

کچھ دنیوی نفع بھی اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے۔ (کنزالایمان)

دس سے زیادہ تراجم دیکھے گئے لیکن کسی بھی ترجمے میں ''دنیوی نفع'' کے الفاظ نہیں آئے ہیں۔ یہ صرف کنزالایمان کی خصوصیت ہے جس میں دنیوی کی قید پائی جاتی ہے، ظاہر بات ہے کہ شراب میں جو نقصان ہے وہ تو دنیا آخرت دونوں جہان کا ہے لیکن نفع اگر چہ تھوڑا سہی اس کا تعلق صرف دنیا سے ہے، یہ ہے اعلیٰ حضرت کی دِقتِ نظر (باریک بینی) کہ جہاں کسی کی نظر نہیں گئی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نظر وہاں بھی پہنچ گئی۔

یہ چند نمونے پیش کیے گئے ہیں، پورے قرآن پاک سے نمونے لیے جاتے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جاتی، ترجمے کا جائزہ لیتے وقت اس حقیقت کو فراموش نہ کرنا چاہیے، کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے شاگرد و خلیفہ، فاضلِ جلیل مولانا محمد امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کو فی البدیہہ یہ ترجمہ املا کرایا تھا، ان کے سامنے نہ سابقہ اردو تراجم تھے، اور نہ متعلقہ کتابیں، ہاں وہ دماغ ضرور تھا، جس کو دنیا کا عظیم علمی خزانہ کہا جائے تو بجا ہے، ترجمۂ قرآن، فی البدیہہ املا کرانے کے باوجود ایسا سجا بندھا ہوا معلوم ہوتا ہے، جیسے اس کے لیے برسوں محنت کی ہو، اور اس کی مہینوں نوک پلک درست کی ہو،

الغرض اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے علم وفضل کی شعاعوں سے ہر شعبہ زندگی کو منور کیا، وہ جب تک رہے، عالم اسلام کی دینی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

انہوں نے علوم قرآنیہ میں بھی راہ دکھائی، علوم قدیمہ وعلوم جدیدہ میں بھی، رد بدعات میں بھی راہ دکھائی، ادبیات میں، حتیٰ کہ سیاسیات کے میدان میں بھی بھرپور رہنمائی کی۔

وہ ایک عظیم رہنما تھے، زندگی، بھر بھولے بھٹکوں کو راہ دکھاتے رہے، انہوں نے مارہرہ شریف سے جو روشنی حاصل کی تھی، سارے عالم میں اس کو پھیلایا، وہ مارہرہ شریف کے پیارے اور دلارے تھے، اپنے مرشد کامل کے محبوب ومطلوب تھے، آج بھی مرشد کا خاندان آپ کے خاندان کا قدرداں ہے، مولیٰ تعالی محبت والفت کے ان روحانی رشتوں کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔ آمین بجاہِ سیّد المرسلین علیه و اٰلهٖ و صحبهٖ الصلاة والتسلیم.

امام احمد رضا اور فقہی ضوابط کی تدوین

مفتی نظام الدین رضوی برکاتی
صدر المدرسین-الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

الحمد للہ رب العالمین . والصلاۃ والسلام علی حبیبہ سید المرسلین. وعلی الہ واصحابہ وفقہاء ملتہ اجمعین.

فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی عظیم کتاب ''فتاوی رضویہ'' نبوی انعامات وعلوم کا بیش بہا مجموعہ ہے جس میں تحقیقات کے بے شمار موتی بکھرے ہوئے ہیں اور وہ مختلف انواع کے ہیں۔ انھیں میں سے کچھ گوہر نایاب فقہ حنیف کے وہ ضابطے بھی ہیں جن کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنی خداداد ذہانت سے وضع فرمایا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں تین طرح کے ضوابط پائے جاتے ہیں:

(۱) وہ ضوابط جو ائمہ مذہب یا فقہاے حنفیہ نے بیان فرمائے۔ یہ ضابطے دو طرح کے ہیں:

☆ کچھ تو معروف ضوابط ہیں جنہیں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ جیسے: ''**انما الاعمال بالنیات**''۔

☆ اور کچھ وہ ہیں جنہیں اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے بیان کی جدت وجودت کے ذریعہ ضابطے کی شکل دے دی ہے حالاں کہ وہ اجلہ فقہا کے ہی کلمات کی تعبیر ہیں۔

ہم باب سوم میں اس نوع کے کچھ ضابطے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) وہ ضوابط جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے نصوص سے ماخوذ ہیں، ان کی تعداد

بھی اچھی خاصی ہے۔ ہم حصول برکت کے لیے نمونے کے طور پر اس مقالے میں اس نوع کے دو ضابطے شامل کر رہے ہیں۔

(۳) وہ ضوابط جن کے وضع کرنے کا سہرا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے سر ہے۔ یہ آپ کی تحقیقات کا وہ نقش زریں ہے جس کی طرف شاید ابھی تک اہل علم کی توجہ نہ ہو سکی۔ میں ایک بے بضاعت طالبِ علم ہوں، ایسے عظیم کام کے لیے کیا ہمت کرتا مگر اللہ تعالی کا کرم شامل حال ہو تو ایک ذرۂ بے مقدار بھی کوئی کار اہم انجام دے سکتا ہے تو بس اسی کی ذات پر بھروسہ کر کے اور اسی کے ذکر کا توشہ لے کر ترتیبِ ضوابط کا سفر شروع کرتا ہوں۔

یہ اداس راہ منزل، یہ مری شکستہ پائی
میں تو تھک کے بیٹھ جاتا تری یاد کام آئی

میرا مقصود اس اہم گوشے کے کچھ نمونوں کے ذریعہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی بے مثال فقاہت کا مشاہدہ کرانا ہے اور اس کی تکمیل کاملانِ فن کے حوالے ہے۔

فقہی ضابطے دو طرح کے ہیں:

(۱) کچھ تو وہ ہیں جن کو وضع کرنا مجتہد مطلق کی ہی شان ہے۔ یہ وہ ضابطے ہیں جو اصول فقہ کی کتابوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلا: • خاص، عام، مشترک، مؤول • ظاہر، نص، مفسر، محکم • خفی، مشکل، مجمل، متشابہ • حقیقت، مجاز، صریح، کنایہ • عبارۃ النص، اشارۃ النص، دلالۃ النص، اقتضاء النص • اداے کامل، اداے قاصر • قضا بہ مثل معقول، قضا بہ مثل غیر معقول • حسن لعینہ، حسن لغیرہ • قبیح لعینہ، قبیح لغیرہ • حقیقت متعذرہ، حقیقت مہجورہ، حقیقت مستعملہ • مہجورہ شرعیہ، مہجورہ عادیہ • عزیمت، رخصت وغیرہ۔

کتاب وسنت کے نصوص کو سامنے رکھ کر تدبر قرآن کے لیے یہ جداگانہ ضابطے مقرر کرنا اور ان کے احکام متعین کرنا، پھر اس امر کا اذعان وایقان کہ نصوص کتاب وسنت سے سمجھے جانے والے یہ احکام اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی مراد ومنشا

کے مطابق ہیں یہ ایسے نادر الوجود علماے کاملین کے شایان شان ہے جنھیں اللہ تعالی نے فقاہت عظمٰی کے منصب پر فائز کیا ہے۔

یہ ضوابط درحقیقت قرآن فہمی ومرادرسی کے ضوابط ہیں جن کو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے بیان نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالی نے کچھ ایسے عبقری اور باکمال فقہا پیدا فرمائے جنھوں نے اپنی خداداد قوت فہم وتدبر سے ایسے قوانین وضوابط وضع فرمادیے جن سے کتاب وسنت کی استدلالی حیثیت متعین ہوکر سامنے آجاتی ہے اور سرکار ابدقرار ﷺ نے اس پر اجر کی بشارت بھی دی ہے۔

ایسے فقہا میں سرفہرست نام ہے سراج الامہ، کاشف الغُمّہ، امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالی عنہ کا، آپ نے سب سے پہلے ’’وحیِ متلوّ‘‘ کے فہم وتدبر اور مرادرسی کے ضابطے وضع فرماکر تمام مراحل حیات کے احکام مرتب فرمائے، ان احکام کو ’’فقہ حنفی‘‘، اور ضوابط ودلائل کو ’’اصولِ فقہِ حنفی‘‘ سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اب ایسے فقہا نہیں پائے جاتے۔

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

(۲) اور کچھ ایسے ضابطے ہیں جو مجتہد مطلق کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ فقہاے ممیّزین ومُرجّحین کی جولان گاہ ہیں۔ یہ فقہا مذہب کے کثیر جزئیات، فروع، تخریجات اور اطلاقات وقیود اور ان کے دلائلِ ترجیح وتصحیح کو سامنے رکھ کر ایسا ضابطہ وضع کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے دامن میں وہ تمام جزئیات وفروع اور تخریجات واطلاقات وقیود سمٹ آئیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمہ نے اسی نوع کے ضابطے وضع کیے ہیں مگر یہ ضابطے وضع کرنا بھی کوئی آسان کام نہیں، بلکہ یہ ایسے جلیل الشان، فقیہ عبقری کا کام ہے

☆ جس کی نظر فقہ کے اصول وفروع اور جزئیات وتخریجات اور اطلاقات وقیود پر بہت وسیع ہو۔

☆ ساتھ ہی بہت دقیق وگہری ہو۔

☆ ان جزئیات وفروع میں کون مطلق ہے اور کون مقید، کون مجمل ہے اور کون مبیّن۔ کون قول ہے اور کون روایت، کون اَحوط ہے اور کون اَوسع، سب سے باخبر ہو۔

☆ ایک مسئلے میں کئی قول ہوں، یا ایک ہی قول میں کئی احتمالات ہوں تو وہاں کون سا قول یا احتمال مذہب میں مقبول ہے اور کون سا قول یا احتمال مردود، اس سے پوری طرح واقف ہو۔

☆ کسی مسئلے میں ائمہ مذہب کے کتنے اقوال ہیں، کیا کیا روایتیں ہیں، پھر ان سے تخریجات کیا کیا ہوئی ہیں، پھر عرف وتعامل وغیرہ کے بدلنے سے ان پر اثرات کیا پڑے ہیں، حالات زمانہ کے پیش نظر ان میں تغیرات کیا آئے ہیں، جس وقت ائمہ مذہب یا مشائخ مذہب نے وہ حکم دیا اس وقت حالات زمانہ کیا تھے اور اب کیا ہیں ان سب پر نگاہ رکھتا ہو۔

☆ پھر یہ جتنے بھی اقوال، احتمالات اور بدلے ہوئے احکام ہیں سب کے موافق ومخالف دلائل سے آگاہ ہو۔ ساتھ ہی دلائل کے درمیان مختلف حیثیتوں سے محاکمہ کرکے کوئی صحیح فیصلہ لے لینے پر قادر ہو، یا کم از کم اسے اقوال ودلائل کے ما بین یہ امتیاز حاصل ہو کہ کون قوی ہے اور کون ضعیف۔ جب فقیہ ایسے اوصاف کا جامع ہو تو وہ جزئیات کو سامنے رکھ کر ضابطہ وضع کرنے کی ہمت کرتا ہے۔ بلکہ ضابطے وضع بھی کرتا ہے۔

اب یہ فقہا بھی کئی درجات کے ہیں• جن میں یہ اوصاف کچھ کمی کے ساتھ پائے جاتے ہیں ان کے ضابطے عموماً غیر جامع ہوتے ہیں، یا اعتراضات سے محفوظ نہیں رہ پاتے۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اپنی اس کوشش پر بارگاہ الٰہی سے اجر کے حقدار ہوتے ہیں۔

• اور جن فقہا میں یہ اوصاف پورے طور پر پائے جاتے ہیں ان کے ضابطے عموماً جامع اور نقد ونظر سے سالم ومحفوظ ہوتے ہیں۔

اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فقہا کے اسی آخری طبقے سے

ہیں۔ آپ نے فتاوی رضویہ میں خود اپنے پیش رو فقہا کے ضوابط نقل کر کے یہ عیاں کر دیا ہے کہ ان پر کئی طرح سے اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پھر آپ وہ ضابطہ جامعہ بیان فرماتے ہیں جو ان تمام اعتراضات سے محفوظ اور بالکل بے غبار ہوتا ہے۔ وقت میں گنجائش ہوتی تو ہم ایسے تمام ضابطے نقل کرتے، پھر ان تمام امور پر روشنی ڈالتے۔ مگر اب صرف چند نمونے بلا تبصرہ نقل کرنے پر قناعت کرتے ہیں اور اللہ تعالی سے توفیق صواب کی امید رکھتے ہیں۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی — منت ازو شناس کہ بخدمت گزاشتت

یہ ضابطے دو نوع کے ہیں:

☆ دلائل فقہ کے زمرے کے ضابطے۔

☆ جزئیات وفروع کو ایک لڑی میں پرونے والے ضابطے۔

☆ اور ایک نوع: فقہا سے منقول ضابطے۔

اب ہم ان ضوابط کو اسی ترتیب سے تین ابواب میں بیان کرتے ہیں:

پہلا باب- دلائل فقہ کے زمرے کے ضابطے

فقہ کے دلائل چار ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع امت (۴) قیاس- اور (۵) عرف و (۶) تعامل و (۷) توارث بھی بعض احوال میں دلائل فقہ سے شمار ہوتے ہیں۔ آنے والے ضوابط کا تعلق انھی دلائل سے ہے۔

ضابطہ(۱):

قرآن مجید نے مذہب اسلام کی بنیاد صرف انھی احکام پر نہیں رکھی جن کا خاص بیان قرآن مجید میں آچکا، بلکہ خود قرآن مجید نے اپنے احکام اور نبی ﷺ کے ارشادات دونوں پر بنائے اسلام رکھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا (۲)

جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لو، اور جس سے روکے اس سے بچو۔

اور فرماتا ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (۳)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اور فرماتا ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (۴)

یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا وہ صرف خدا کا حکم ہے جو اسے بھیجا جاتا ہے۔ (۵)

ضابطہ(۲):

(الف) ایمان نہ ہو تو تعظیم رسول کارآمد نہیں، اور رسول کی سچی تعظیم نہ ہو تو ساری عبادت مردود ہے۔

(ب) حضور سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تعظیم مدار ایمان، مدارِ نجات و مدارِ قبولِ اعمال ہے۔ (ضابطہ ایک ہے تعبیرات الگ الگ ہیں)

اعلی حضرت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

رب عزوجل فرماتا ہے:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (۶)

اے نبی بے شک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو! تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن مجید اتارنے، کا مقصود ہی تمہارا مولیٰ تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے:

اول یہ کہ اللہ و رسول پر ایمان لائیں۔

دوم یہ کہ رسول اللہ کی تعظیم کریں۔

سوم یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو، سب میں پہلے ایمان کو ذکر فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو؛ اس لیے کہ بغیر ایمان، تعظیم بکار آمد نہیں۔ بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفعِ اعتراضاتِ کافرانِ لئیم میں تصنیفیں کر چکے، لکچر دے چکے مگر جبکہ ایمان نہ لائے، کچھ مفید نہیں کہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت ہوتی تو ضرور ایمان لاتے۔ پھر جب تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو، عمر بھر عبادت الٰہی میں رہے، سب بے کار ومردود ہے۔

بہتیرے جوگی اور راہب ترک دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر وعبادت الٰہی میں عمر کاٹ دیتے ہیں بلکہ ان میں بہت وہ ہیں، کہ لا اله الا الله کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر جب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ؟ اصلاً قابل قبولِ بارگاہ الٰہی نہیں۔ اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنْثُوراً (۷)

جو کچھ اعمال انہوں نے کیے تھے، ہم نے سب برباد کر دیے۔

ایسوں ہی کو فرماتا ہے:

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلَى نَاراً حَامِيَةً (۸)

عمل کریں، مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہوگا؟ یہ کہ بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، مدارِ ایمان ومدارِ نجات ومدارِ قبولِ اعمال ہوئی یا نہیں؟۔ کہو ہوئی اور ضرور ہوئی! (۹) ☆

ضابطہ (۳):

جب دو فرائض وقتِ واحد میں شخصِ واحد پر شرعاً لازم ہوں اور ان میں سے ایک اعلیٰ ہو اور دوسرا ادنیٰ، تو پہلے اعلیٰ کو ادا کریں پھر ادنیٰ کو کہ اعلیٰ اَولیٰ وراجح ہے۔

یہ ضابطہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے درج ذیل اشعار نعت میں بیان کیا ہے، آپ گویا ہیں:

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز — اور وہ بھی عصر سب سے جو اعلیٰ خطر کی ہے
صدیق بلکہ غار میں جاں اس پہ دے چکے — اور حفظِ جاں تو جان، فروض غرر کی ہے
ہاں تو نے اِن کو جان، انہیں پھیر دی نماز — پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں — اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

یہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے پہلے دو طرح کے فرائض کا ذکر کیا ہے

ایک جان کی حفاظت کا فرض، جو حقوق العباد سے ہے،

دوسرے نماز عصر کی حفاظت کا فرض، جو حقوق اللہ سے ہے اور یہ تمام نمازوں میں بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔

ارشاد باری ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلاَةِ الْوُسْطَى (۱۰)

نمازوں کی حفاظت کرو خاص کر نماز عصر کی۔

مگر ان دونوں سے بڑا فرض محبت رسول ﷺ ہے جس کا مرتبہ جان کی حفاظت سے بھی اعلیٰ ہے اور عصر جیسی اہم ترین نماز سے بھی۔

غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایک ساتھ دو فرائض لازم ہو گئے تھے ایک: جان کی حفاظت، دوسرے: تعظیم رسول ﷺ۔ آپ نے تعظیم رسالت کے فرض کو ترجیح دیا کیوں کہ وہ اپنی جان کی حفاظت کے فرض سے اعلیٰ تھا اور مولائے کائنات علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ بھی مقام صہبا میں دو فرائض لازم ہو گئے تھے۔ ایک: نماز عصر کی حفاظت، اور دوسرے: تعظیم رسول۔ تعظیم رسول کا فریضہ اعلیٰ واولیٰ تھا اس لیے آپ نے اسے ترجیح دیا۔

عرف اور تعامل کے حجت ہونے کے سلسلے میں فقہی ضابطے:

اس امر پر علمائے سلف وخلف کا اتفاق ہے کہ مسلمانوں کا عرف اور تعامل حجت

ہے مگر • کیا یہ حدیث نبوی کی طرح حجت ہے؟ • یا اجماع امت کی طرح حجت ہے؟ • یا اجماع کے قائم مقام ہے؟ • یا اس کا درجہ ان تینوں سے فروتر ہے؟ اس بارے میں کوئی اطمینان بخش بات فقہا وعلما کے کلام میں نہیں ملتی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں ''الاشباہ والنظائر'' اور ''ردالمحتار علی الدر المختار'' کی بحثوں کا مطالعہ کرتا تھا لیکن اضطراب دور نہ ہو سکا اور ایسی جامع گفتگو نہیں مل سکی جو تمام ضروری گوشوں کا احاطہ کرتی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک زمانے سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب ''نشر العرف فی احکام العرف'' کی دید کا مشتاق تھا۔ جب اس کے مطالعہ کا موقع ملا تو محسوس ہوا کہ یہ بھی کافی وشافی نہیں ہے۔ پھر خدائے ذوالجلال کے لطف خاص سے مجھے اس بارے میں شرح صدر حاصل ہوا اور میں نے عرف وتعامل کے مدارج متعین کر کے ہر ایک کے احکام تحریر کیے۔

آپ نے اپنی تحقیق کے اخیر میں یہ انکشاف فرمایا ہے جو آپ کے اصل کلمات میں اس طرح ہے۔

یہ ہے بحمد اللہ ومَنّہ وکبیر لطفہ وکرمہ وہ تحریر مسئلہ جسے تمام کلمات علمائے کرام کا عطر ومحصل کہیے اور بفضلہ تعالیٰ کسی تقریر وتاصیل وتفریع کو اس کے مخالف نہ دیکھیے:

وقد كنت أرى ف الباب مباحث "الأشباه" وكلمات "ردالمحتار" من مواضع عديدة فلا أجد فيها مايفيد الضبط ويزول به الاضطراب والخبط، وكان العلامةالشامي كثيرا مايحيل المسئلةعليه سألته"نشر العَرف"فكنت تواقااليها مثل جميل الى بُثَينَة، فلما رأيتها وجدتها ايضالم يتحرر لها مايكفي ويشفي ولم يتخلص فيها ماترتبط به الفروع وتاخذ كلمات الأئمةبعضهاحجز بعض ولكن ببركةمطالعتهافي تلك الجلسة فتح علىٰ قلب الفقير ما يكفي ويشفي. (۱۱)

(ترجمہ: میں اس مسئلہ میں ''اشباہ'' کی بحثوں اور متعدد مقامات سے ''ردالمحتار'' کے کلمات دیکھتا تو ان میں کوئی ایسی جامع بات نہیں ملتی جو عرف کی تمام صورتوں کو سمیٹ

سکے اور ان کے درمیان بظاہر جو اضطراب وانتشار ہے وہ دور ہو جائے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زیادہ تر اپنے رسالہ ''نشر العَرف'' کے حوالے دیتے اس لیے میں اس کی زیارت کا شدید مشتاق تھا جیسے جمیل، بُثَینہ کا۔ پھر میں نے جب وہ رسالہ دیکھا تو محسوس ہوا کہ اس میں بھی مسائل عرف کی تنقیح کافی وشافی طور پر نہیں ہے اور اس میں کوئی ایسا واضح ضابطہ نہیں ہے جس سے فروع اور کلماتِ ائمہ میں ربط وتطبیق پیدا ہو سکے۔ ہاں اس رسالے کے مطالعے کی برکت سے اسی نشست میں خدائے فتاح کی طرف سے قلب فقیر پر ایسے ضابطے عیاں ہو گئے جو مسائل عرف کے جامع اور کافی وشافی تھے۔ نظام)

اب ہم آپ کی تحقیقات کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں، پھر آپ کے اصل کلمات بھی ہدیہ ناظرین کریں گے۔

عرف اور تعامل چار طرح کے ہیں اور چاروں الگ الگ بجائے خود ایک فقہی ضابطہ ہیں۔

ضابطہ(۴):

وہ عرف جو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے موجود ہو۔ یہ حدیثِ مرفوع تقریری کے حکم میں ہے، جیسے: بیعِ سَلَم، بیع استصناع، عقدِ مضارَبت۔

ضابطہ(۵):

وہ عرف جو ساری دنیا کے تمام مسلمانوں کا ہو۔ یہ اجماع امت ہے، جو حجت شرعی ہے۔

ضابطہ(۶):

تمام بلاد عالم کے اکثر مسلمانوں کا عرف ہو۔ یہ اجماع کے قائم مقام ہے اور امت کے سواد اعظم کا مذہب، جس کے اتباع کا حکم احادیث کثیرہ میں دیا گیا ہے۔

ضابطہ(۷):

کسی ملک یا صوبے کے اکثر مسلمانوں کا عرفِ حادث ہو جو عہد رسالت کے

بعد کبھی وجود میں آیا ہو۔ یہ عرف بھی حجت ہے مگر پہلے کے تینوں عرف وتعامل کے مقابل کمزور درجہ کا ہے۔ یہ حدیث یا اجماع یا سواد اعظم کے مقابل ہوتو ترجیح حدیث، اجماع اور سواد اعظم کو ہوگی۔ اور اگر یہ قیاس کے مقابل ہوتو قیاس پر راجح ہوگا۔ اور حدیث کے لفظ عام میں اس کی وجہ سے تخصیص ہوجائے گی۔

فصول البدائع میں ہے:

لو ندر المخالف مع كثرة المتفقين كان قول الاكثر حجة وان لم يكن اجماعا.

اکثر کا اتفاق ہواور بعض کا خلاف تو اکثر کا قول حجت ہوگا، اگرچہ وہ اجماع نہ ہوگا۔

ارشادِ رسالت ہے:

☆ **علَيكم بالجَماعة و العامّة.**

تم پر جماعت اور عامہ امت کا اتباع لازم ہے۔ (۱۲)

☆ **اتّبعُوا السّوادَ الاعظَمَ.**

سواد اعظم یعنی بڑے گروہ کی پیروی کرو۔ (۱۳)

☆ **يدُالله على الجماعة.**

اللہ کا دست رحمت جماعت پر ہے۔ (۱۴)

پہلے والے تینوں عرف وتعامل دلائلِ مطلقہ ہیں جو ہر حال میں مضبوط دلائل کا درجہ رکھتے ہیں اور نص شرعی کے مقابل بھی قابل عمل ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے دلیل ہونے کا مدار یہ نہیں ہے کہ یہ مسلمانوں کے عرف یا تعامل ہیں، بلکہ یہ ہے کہ یہ فی الواقع حدیث رسول ہیں، یا اجماع امت ہیں، یا سواد اعظم کا قول ہے اور حدیث رسول و اجماعِ امت کا دلیل شرعی ہونا مسلّمات سے ہے، آخر بیع سلم، بیع استصناع اور عقد مضاربت کے جواز میں کسی کو کیا کلام ہوسکتا ہے، جو اسی طرح کے تعامل یعنی حدیث و اجماع سے ثابت ہیں۔

اس کے برخلاف چوتھے درجے کا عرف صرف مخصوص حالات میں ہی حجت بنتا ہے اور نص شرعی کتاب وسنت کے مقابل مردود ہوتا ہے کیوں کہ یہ عرف صرف اس لیے حجت بنتا ہے

کہ یہ طریق مسلمین ہے، مسلمان اس کے عادی ہوگئے ہیں اور اسے اچھا سمجھتے ہیں، خاص اس طریقہ وعادت کے پس پشت حدیث و اجماع کی قوت نہیں ہوتی، اس لیے یہ حدیث و اجماع کے مقابل مرجوح قرار پائیں گے اور جہاں صرف عرف یا تعامل مسلمین ہی پایا جائے ان سے قوی تر کوئی دلیل کتاب وسنت سے وہاں موجود نہ ہو، نہ ہی اجماع پایا جائے وہاں ایک دلیل شرعی کی حیثیت سے ان پر عمل ہوگا کہ مسلمانوں کے طریقے اور استحسان کو عمومی طور پر کتاب وسنت میں سراہا گیا ہے اور ان پر چلنے کی تلقین کی گئی ہے۔ فقہاے کرام جہاں عرف وتعامل کا لفظ مطلق بولتے ہیں وہاں وہ یہی چوتھے درجے کا عرف وتعامل مراد لیتے ہیں جو صرف عرف وتعامل ہونے کی حیثیت سے ہی حجت ہے۔

اب فتاوی رضویہ کے اصل کلمات ملاحظہ کیجیے:

عرف عام سے ان کی مراد:

(۱) نہ ہرگز مستمر مِن زمنِ رسولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔

(۲) نہ عرف محیط اجماعی۔

(۳) نہ عرفِ اکثر مسلمین جملہ بلاد عالم کہ:

اول قطعاً مثلِ نصِّ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، کہ یہ آپ کی تقریر ہے جس کا درجہ قولِ رسول کا ہے تو اگر نص اس کے خلاف پایا جائے یہ ضرور صالح تعارض ہوگا اور بحالِ تاخیر اسے نسخ کردے گا۔

اور دوم عین اجماع تو نصِ آحاد (خبر واحد) سے اقویٰ اور قطعاً مُظہِر ناسخ کہ نص غیر منسوخ کے خلاف اجماع محال۔

اور سوم کہ حجیت مطلقہ، تامّہ وافیہ پر نصوصِ صریحہ ناطقہ۔ تو اِس کا اضمحلال سواد اعظم کا وقوع فی الضلال۔ اور وہ شرعاً محال ہے۔

بالجملہ مقابلۂ نص (حدیث) میں (عرف کی قسم) ثانی تو قطعاً مضمحل (وکمزور) نہیں۔ اور (عرف کی قسم) اوّل بھی مطلقاً مضمحِل نہیں)۔ اور (عرف کی قسم) ثالث عند التحقیق ملتحق بالثانی۔ غرض ایسے تعاملات ضرور حججِ مطلقہ ہیں، انھیں مطلقاً مقابل نص مردود

نہیں کہہ سکتے۔

اور علما تصریح فرماتے ہیں کہ عرف وتعامل جس میں ان کا کلام ہے معارضۂ نص کی اصلاً طاقت نہیں رکھتا، جب خلاف کرے گا رد کردیا جائے گا۔

بالجملہ بہ دلائل قاطعہ واضح ہوا کہ علمائے کرام جس عرفِ عام کو فرماتے ہیں کہ قیاس پر قاضی (راجح) ہے اور نص اس سے متروک نہ ہوگا، مخصوص ہوسکتا ہے، وہ یہی عرفِ حادث، شائع ہے۔'' (۱۵)

عبادات میں عرف وتعامل کے معتبر ہونے، نہ ہونے کے بارے میں فقہی ضابطے:

افقہِ امت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اس خصوص میں بڑی تحقیقی اور جامع گفتگو فرمائی ہے۔ چند صورتوں کے سوا باقی تمام عبادات میں عرف وتعامل کا اثر پایا جاتا ہے۔ آپ رقم طراز ہیں:

ضابطہ(۸):

''عبادات میں وہ امور جن کی طرف عقل کو اِہتدا نہیں، مثل تعیّن اوقات وعدد رکعات وترتیب افعال ووحدتِ رکوع وتعددِ سجدات اور تحدید نصاب ومصرفِ زکات اور وقت ومکانِ وقوف اور مطاف وعددِ اَشواطِ سعی وطواف وغیرہا قطعاً توقیفی (شریعت کے بتانے پر موقوف) ہیں''۔ (لہذا یہاں عرف وتعامل بے اثر ہے۔ ن، ر)۔

ضابطہ(۹):

یوں ہی وہ اوضاع وہیئات کہ شارع نے ایسے امور میں محدود ومعین فرمائے اور مجملاتِ کتاب کے بیان واقع ہوئے جن کی تعیین کی طرف اَمثالِ 'صَلُّوا کَمَا رَأَیْتُمُونِی اُصَلِّی.'' (نماز پڑھو جیسا کہ مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ ن۔ ر۔) نے ارشاد فرمایا۔ (یہ بھی توقیفی ہیں، جو شریعت کے بتانے سے ہی معلوم ہوسکتے ہیں، اس لیے ان میں بھی عرف وتعامل کا کوئی دخل نہیں۔ ن، ر)

ضابطہ(۱۰):

اسی طرح وہ اَذکار وافعالِ مخصوصہ کہ اوقاتِ خاصّہ پر غایات ومقاصدِ معینہ (کے لیے) علیٰ وجہ التعیین مقرر ہوئے اور مکلّفین ان کی طرف مطلقات وعمومات سے دعوت نہ کیے گئے۔ جیسے تکبیر تحریمہ، وتحلیل نماز، وتشہد واذان واقامت وغیرہا۔

یہی وہ اشیا ہیں جنھیں توفیقی کہا جاتا ہے۔ (ان میں عرف وتعامل بے اثر ہوتے ہیں۔ ن، ر)

ضابطہ(۱۱):

ان کے سوا باقی تمام امور جن میں نصًّا ودلالۃً شرع مطہر سے تحدید وحظر اور توقف وحجر ثابت نہیں۔ اگر چہ وہ انھیں توقیفیات سے علاقہ رکھتے ہوں ان میں بھی توقیف (شارع کے بتانے) پر توقف نہیں، اگر چہ بوجہ تعلقِ توقیفی، وقوف اولیٰ ہو۔ لہذا دعاے قعدۂ اخیرہ صرف الفاظِ واردہ پر مقصور نہیں، ہر شخص جو چاہے دعا کرسکتا ہے۔ بعد اس کے کہ کلام ناس سے مشابہ نہ ہو۔ اسی طرح عیدین وغیرہا کے خطبے خصوصاً خطبۂ جمعہ کہ شرطِ صحتِ نماز ہے ان میں الفاظ مرویہ پر اقتصار نہیں۔

یہ صورت چہارم اعنی ''متعلقات'' بلکہ بعض افرادِ صورتِ سوم بھی اَنظارِ مجتہدین کے جولانگاہ ہیں۔ بعض نے ان میں کسی کو قسم اول سے خیال فرمایا اور وقوف لازم ٹھہرایا، اور بعض نے قسم دوم سے سمجھا اور رخصت کا حکم بتایا، ورنہ، نہ قسم اول میں اِرسال واِطلاق معقول، نہ دوم میں، جہاں شرع نے اطلاق کو کام فرمایا تحدید وتقدیر نا مقبول۔ ہاں کسی سنتِ ثابتہ کو اٹھا دینا، کوئی نیا امر مزاحم ومراغمِ سنت پیدا کرنا کسی حال روا نہیں۔ (۱۶)۔

اس تفصیل سے یہ امر مستفاد ہوتا ہے کہ عبادات میں جو امور توقیفی نہیں ہیں ان میں عرف ناس معتبر ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ عرف کسی سنتِ ثابتہ کے خلاف نہ ہو۔

حجۃ الخلف، تاج المحققین، علامہ مفتی محمد نقی علی خان قادری برکاتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب مستطاب ''اصول الرشاد'' میں فرماتے ہیں:

"تعامل جس طرح معاملات میں حجت ہے اسی طرح عبادات میں معتبر ہے کہ لفظ "مَا" اثرِ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور **سَبِیلِ الْمؤمِنِین** کریمہ (۱۷) اور **اِتّبِعوا السّوادَ الاعظم** حدیث (۱۸) دونوں طرح کے احکام کو شامل۔ اور علما دونوں طرح کے احکام اس پر بنا کرتے ہیں کہ بعض ہم نے بھی ذکر کیے اور کوئی فارقِ عقلی وسمعی متحقق نہیں تو تخصیص اس کی معاملات کے ساتھ محض بے معنی ہے۔" (۱۹)

توارث کے تعلق سے فقہی ضابطے

توارث:

وہ امر ہے جو عہد رسالت سے سلفاً عن خلفٍ معمول بہ ہوتا چلا آیا ہو۔

شمائم العنبر میں ہے: توارث تمام قرنوں کے تعامل کا نام ہے۔ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"رکعتین اولیین میں قراءت جہری اور اُخریین میں سرّی ہی متوارث ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اپنے باپ دادا اور بزرگوں سے لیا، اور انھوں نے اس کو اپنے بزرگوں سے اخذ کیا، ایسے ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک، اور انھوں نے اس کو صاحبِ وحی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سیکھا، اس لیے اس کے واسطے کسی نص معین کی ضرورت نہیں۔"

یہی توارث کے وہ معنیٰ ہیں جس سے شرعاً دلیل پکڑنا درست ہے اور جس کی سند ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔

اوّل- تحقق مقام یہ ہے کہ احوال کی چار قسم ہے۔

(۱) جس کا حادث نہ ہونا معلوم ہو۔

(۲) جس کے حدوث کا علم نہ ہو۔

(۳) حدوث کا علم تفصیلی ہو کہ کب، کس نے ایجاد کیا۔

(۴) حدوث کا علم اجمالی ہو۔ یعنی یہ تو معلوم ہو کہ نو ایجاد ہے، لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ کب اور کیسے ایجاد ہوا۔

ضابطہ (۱۲):

جو چیز عامۃ المسلمین میں عام طور سے معمول بہ ہو اور اس کا عمل شائع وذائع ہو اور اس کے بارے میں یہ بھی معلوم ہو کہ حضور ﷺ کے عہدِ مبارک میں بھی ایسا ہوتا تھا، یہ "قسم اول" ہے اور اسی کو "متوارثِ اعلیٰ" بھی کہتے ہیں۔ (یہ ثابت بالسنۃ کے حکم میں ہے۔ نظام)

ضابطہ (۱۳):

اور جب نہ یہ معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا کیا حال تھا، نہ یہ پتہ چلے کہ اس کی ایجاد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد ہوئی ہے تو یہ سمجھا جائے گا کہ یہ چیز شروع سے اسی طرح ہوتی آرہی ہے اور ہر بعد کے زمانہ والے نے اپنے سے پہلے زمانہ والوں سے اسے حاصل کیا تو ایسی چیز کو حال کی دلیل پر عمل اور اصل وظاہر کا لحاظ کرتے ہوئے "متوارثِ حکمی" کہا جاتا ہے کہ امورِ شرعیہ میں سنت پر عمل کرنا ہی اصل ہے اور مسلمانوں کا ظاہر حال بھی یہی ہے کہ سنت پر عمل کریں، یہ متوارث کی قسم ثانی ہے، اس کے لیے کسی خاص سند کی ضرورت نہیں۔

ضابطہ (۱۴):

اور جس چیز کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کے بعد کی ایجاد ہے ایسی چیز کے بارے میں متوارث ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کے حدوث کے وقت کا علم ہو، یا نہ ہو۔ کیوں کہ کسی چیز کے حدوث کے وقت کا علم نہ ہونے کے لے یہ لازم نہیں کہ ہم اس کے حدوث سے ہی بے خبر ہوں، یا یہ جانتے ہوں کہ وہ حادث نہیں ہے۔

کتنی چیزوں کے بارے میں ہمیں بالیقین معلوم ہوتا ہے کہ یہ حادث ہے، لیکن اس کے حدوث کے وقت کا پتہ نہیں ہوتا، جیسے اَہرام مصر، بلکہ حدوثِ مطلق میں آسمان و زمین بھی، اور حدوثِ مقید میں وہ جھاڑ فانوس اور قندیلیں جو حجرۂ نبوی شریف کے آس پاس لٹکائی ہوئی ہیں۔ حضرت علامہ سمہودی نے خلاصۂ وفاء الوفاء میں فرمایا کہ:

"ہمیں ان کے ابتداے حدوث کا وقت نہیں معلوم۔"

تو ایسے نو پید امور جن کے حدوث کے وقت کا ہمیں علم نہ ہو حسب قواعدِ شرعیہ ان کے بارے میں یہ دیکھنا ہوگا کہ یہ کسی سنت ثابتہ کے مخالف تو نہیں۔ مخالف نہ ہو تو اس کا معاملہ استحباب سے وجوب تک میں دائر ہوگا اور زمانہ کی قدامت کے اعتبار سے کبھی کبھی اس کو بھی ''متوارث'' کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خطبۂ جمعہ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں چچاؤں کے ذکر کا رواج کہ حادث ہے، پر یہ نہیں معلوم کہ کب سے رائج ہے۔ البتہ یہ کسی سنت ثابتہ کے خلاف نہیں، تو یہ توارث کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے، اس کے بعد کی ایجاد کو متوارث بمعنی اصطلاحِ شرع نہیں کہا جائے گا، ہاں توارثِ لغوی ہوسکتا ہے۔ (۲۰)

ضابطہ (۱۵):

اور اگر ایسی نو پید چیز ہو جو بعد عہدِ رسالت ہو اور اس کے حدوث کا وقت نہ معلوم ہو اور وہ خود قبیح اور قواعد قبح کے تحت داخل ہو تو قبیح ہے اور اس کا دائرہ بھی مکروہ سے لے کر حرام تک پھیلا ہوا ہے اور اگر یہی حادث نہ سنتِ ثابتہ کے خلاف ہو، نہ قواعدِ قبح کے دائرے میں آتی ہو تو یہ صرف مباح ہے۔ نہ قبیح ہے، نہ مستحب۔ ہاں جب شہر و علاقہ کی عادت سے خارج ہو تو مکروہ ہوگا۔ چناں چہ علما نے فرمایا کہ لوگوں سے ان کے اخلاق کے موافق معاملہ کرو (۲۱)۔ اور حدیث شریف میں ہے:

''لوگوں کو بشارت دو، نفرت نہ دلاؤ۔''

سنت ثابتہ کی مخالفت کرنے والی بات بدعتِ مردودہ ہوگی، اور گو وہ لاکھ پھیل گئی ہو، اسے قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسے حادث امر پر پوری امت مسلمہ کا اجماع نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو گمرہی پر مجتمع ہونے سے محفوظ رکھا ہے۔

ایک استثنائی صورت البتہ ہے کہ وہ بات ہے تو عہدِ رسالت کے بعد کی، اور بظاہر مخالفِ سنت بھی ہے لیکن زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا حکم شرعی بدل گیا اور اس تبدیلی پر تمام مسلمانوں کا عمل درآمد جاری و ساری ہوگا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پرنور میں عورتیں مسجد میں جاتی تھیں لیکن بعد میں ان کو عام طور سے مسجد میں حاضر ہونے سے روک دیا گیا۔ یہ حقیقت میں سنت ثابتہ کے مخالف نہیں، بلکہ موافق ہے۔ (۲۲)

دوسرا باب- جزئیات وفروع کو ایک لڑی میں پرونے والے ضابطے

اس امر پر اجماع امت ہے کہ پانی کے سوا کسی بہتی چیز سے وضو اور غسل نہیں ہو سکتا، اس پر بھی اجماع ہے کہ وہ پانی ماے مطلق ہونا چاہیے، ماے مقید سے وضو صحیح نہیں، اور لغت و عرف و شرع کا اجماع ہے کہ دو چیزوں سے مرکب میں حکم غالب کے لیے ہے۔ اس لیے جب پانی میں اس کا غیر اس سے زیادہ مقدار میں مل جائے تو وہ قابلِ وضو نہ رہے گا اور اگر دوسری چیز غالب نہ ہو بلکہ مقدار میں پانی کے مساوی ہو تو بھی پانی قابل وضو نہ ہوگا کیوں کہ اجماع عقل و نقل ہے کہ حاظر اور مبیح میں غلبہ حاظر کو ہوتا ہے۔

اور **مائے مطلق**: وہ پانی ہے جو اپنی رقتِ طبعی پر باقی ہو اور اس کے ساتھ کوئی ایسی شے مخلوط و ممتزج (۲۳) نہ ہو جو اس سے مقدار میں زائد یا مساوی ہو، نہ ایسی جو اس کے ساتھ مل کر مجموع ایک دوسری شے کسی جدا مقصد کے لیے کہلائے۔

بہت چیزوں پر پانی کا نام کسی شَے کی طرف مضاف کر کے بولا جاتا ہے ان میں بعض تو جنسِ آب سے خارج ہیں اور اطلاقِ آب محض بطور تشبیہ، جیسے آبِ زر، آبِ کافور اور جو حقیقۃً پانی ہیں ان میں کچھ مائے مطلق ہیں جیسے آبِ باراں، آب دریا۔ اور کچھ مائے مقید جیسے ماء العسل ماء الشعیر۔ اول کو اضافتِ تعریف کہتے ہیں اور دوم کو اضافتِ تقیید۔ علما نے ان میں چند طرح فرق فرمایا:

اوّل: جو پانی کسی شے سے بذریعہ تدبیر نکالا جائے اس کی طرف پانی کی اضافتِ تقیید ہوگی، ورنہ اضافتِ تعریف۔

دوم: جہاں ماہیتِ مضاف کامل ہو اضافتِ تعریف کے لیے ہے، جیسے نماز فجر۔ اور قاصر ہو تو تقیید کے لیے، جیسے نمازِ جنازہ کہ رکوع و سجود و قراءت و قعود نہیں رکھتی۔

سوم: جسے بے حاجتِ ذکرِ قید پانی کہہ سکیں، وہاں اضافت تعریف کی ہے اور جہاں پانی کہنے میں ذکر قید ضروری ہو تقیید کی۔

چہارم: جس سے پانی کی نفی کر سکیں یعنی کہہ سکیں کہ یہ پانی نہیں، وہاں اضافت تقیید کی

ہے ورنہ تعریف کی۔

پنجم: جہاں ماہیت بے قید نہ پہچانی جائے اضافت تقیید ہے ولہٰذا اس پر بلا قید لفظ آب کا اطلاق جائز نہ ہوگا اور جہاں بے ذکر قید اطلاق لفظ صحیح ہو اضافتِ تعریف ہے۔

ششم: جس کی ماہیت بے اضافت پہچانی جائے اور مطلق نام آب لینے سے مفہوم ہو وہاں اضافت تعریف کی ہے ورنہ تقیید کی۔(۲۴)

ان عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

☆ وضو اور غسل صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پانی ''ماے مطلق'' ہو۔

☆ دوسری چیز کے مخلوط ہوجانے کی وجہ سے پانی کا نام وکام نہ بدلے۔

☆ پانی کثیر ہو تو نجاست گرنے کی وجہ سے اس کا رنگ، بو، مزہ متغیر نہ ہو۔

یہ تینوں امور اس باب میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی وجہ سے کثیر مسائل۔ جو کئی طرح کے ہیں-حل طلب ہوجاتے ہیں۔اس لیے فقہاے امت نے ان تمام مسائل کو منضبط کرنے کے لیے ضابطے وضع کیے۔مگر ان میں کچھ ضوابط تمام جزئیات کو جامع نہیں۔اور زیادہ تر ضوابط نقد ونظر سے محفوظ نہیں، اس لیے ضرورت تھی کہ کوئی وسیع النظر فقیہِ عبقری اس میدان میں قدم رکھے اور ان تمام فقہی ضوابط کو پیش نظر رکھ کر ایسا ضابطہ وضع کرے جو تمام جزئیات وفروع کو جامع ہو اور ہر طرح کے نقد ونظر سے سالم ومحفوظ ہو۔ یہ کارِ اہم فقیہ اسلام امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی خدا داد فقاہت وذہانت اور وسعت مطالعہ سے انجام دیا۔

آپ نے اس بارے میں فقہاے مذہب کے حوالے سے پانچ ضابطے نقل کیے ہیں اور چھٹے نمبر پر ''ضابطہ رضویہ'' بیان کیا ہے جسے آپ نے وضع کیا ہے۔ یہ ضابطہ سولہ اجزا پر مشتمل ہے اور ہر جز بجاے خود ایک ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے ہم اسے سولہ ضابطے شمار کرتے ہیں اب آپ یہ حیرت انگیز ضابطہ خود فقیہ الاسلام امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے الفاظ میں پڑھیے، آپ رقم طراز ہیں:

ضابطہ رضویہ:

سبحان اللہ فقیر بھی کوئی شے ہے کہ احکام میں زبان کھول سکے حاشا ضابطہ وہی ضابطہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالی عنہ ہے۔ باتباع علما اس کے اجمال کو مفصل کردیا ہے۔تفاصیل میں خدمت گاریِ کلام اکابر کے صدقہ سے جن تحقیقات کا افاضہ ہوا ان پر ابتنائے شقوق کیا ہے جملہ ضوابط صحیحہ مذکورہ کو ایک دائرے کے احاطہ میں لیا ہے، اس نے بیان کو اظہر واجمع وانور وانفع کر کے ضابطہ کے لیے خلعت جدت سیا ہے۔فأقول: وباللہ التوفیق۔

ضابطہ(۱۶):

دریا، نہر، چشمے، چاہ، باران کا پانی حتی کہ شبنم اپنی حد ذات میں آب مطلق ہے-جو کچھ ان کی جنس سے نہیں اگرچہ ان کی شکل، ان کے اوصاف، ان کے نام پر ہو پانی نہیں اس سے وضو وغسل نہیں ہوسکتا جیسے ماء الجبن (دہی کا پانی) درختوں پتھروں کا مد(۲۵) مٹی کا تیل، سیندھی، تاڑی، ناریل، کدو، تربوز کا پانی اگرچہ اس میں صرف پانی ہی ہو، یوں ہی جو کچھ پتّوں، شاخوں، پھلوں، پھولوں سے نکالا جائے یا کافور کے درخت، انگور کی بیل کی طرح کاٹے سے یا آپ ہی ٹپکے، یا نمک، نوشادر، کافور وغیرہا کے پگھلنے یا سونے، چاندی، رانگ وغیرہا کے گلنے سے حاصل ہو۔

ضابطہ(۱۷):

جو کچھ حقیقۃً پانی ہے (اگرچہ بیچ میں پانی نہ رہا تھا جیسے اولے، یا آسمانی برف، یا کل کا (برف) جب پگھل جائے) • یا تو اس میں کوئی اور چیز (اگرچہ اسی کی جنس سے ہو) داخل ہوگی • یا نہیں- اگر نہیں (داخل ہوگی-ن،ر) تو وہ مطلقاً آب مطلق ہے لیکن اگر مائے مستعمل ہے جس کا بیان ''الطرس المعدل'' میں مفصل گزرا تو اس سے وضو وغسل جائز نہیں، ورنہ مطلقاً صحیح ہے اگرچہ بوجہ ملکِ غیر یا وقف یا کسی حاجت ضروریہ کی طرف مصروف ہونے یا اور عوارض کے سبب جن کا بیان فصل اول میں گزرا اس سے وضو حرام، یا مکروہ ہو، اگرچہ بچّوں کا ہاتھ پڑنے، یا کافر کے چھونے یا کسی مشکوک شے کے گرنے سے اس کی طہارت میں

اوہام پیدا ہوں جب تک نجاست ثابت نہ ہو جائے اگر چہ دیر تک بند رہنے سے اس کا رنگ، بو ،مزہ بدل جائے یا ابتدا ہی سے بدلا ہوا ہو، اگر چہ کسی تیز خوشبو یا بدبو شے کے قرب سے اس میں کتنی ہی بوئے خوش یا ناخوش پیدا ہو جائے۔ ہاں اگر سردی سے جم جائے یا رقیق نہ رہے جیسے اولے، برف اس سے وضو نا جائز ہوگا جب تک پگھل کر پھر اصلی رقت پر نہ آجائے۔

ضابطہ(۱۸):

اگر (اس میں کوئی اور چیز۔ن، ر) داخل ہوگی تو دو صورتیں ہیں • یا تو پانی سے جدا رہے گی یعنی اس میں سرایت نہ کرے گی • یا خلط ہو جائیگی۔ اگر جدا رہے (اور یہ نہ ہوگا مگر شے جامد میں جیسے کنکر وغیرہ پانی میں ڈال دیے جائیں) تو اگر وہ شے نجس نہیں یا پانی دہ در دہ ہے مطلقاً (ماے) مطلق و قابل وضو (۲۶) ہے۔ اور اگر نجس ہے اور پانی کم ،تو (ماے) مطلق ہے مگر لائقِ استعمال نہ رہے گا۔

ضابطہ(۱۹):

اگر پانی میں (کوئی دوسری چیز۔ن) خلط ہوگی تو دو صورتیں ہیں • وہ ملنے والی شے بھی اصل میں صرف پانی ہے • یا اس کا غیر۔ اگر صرف پانی ہے تو پھر دو صورتیں ہیں • اب بھی پانی ہی ہے • یا نہیں۔ اگر اب بھی پانی ہی ہے تو اس کے ملنے سے پانی مطلق تو مطلق رہے گا ہی اس سے وضو بھی روا ہوگا مگر دو صورتوں میں۔ ایک یہ کہ آب مستعمل اس میں مل جائے اور یہ مقدار میں اس سے زائد نہ ہو، دوسرے یہ کہ نجس پانی پڑ جائے اور یہ دہ در دہ نہ ہو اور یہ وہیں ہوگا کہ وہ پانی بے کسی دوسری شے کے مختلط ہو جانے کے ناپاک ہو گیا جیسے آب قلیل میں خنزیر کا پاؤں یا بال پڑ گیا اور نکل گیا کہ پانی خالص ہی رہا، خلط نہ ہوا اور ناپاک ہو گیا، ورنہ جو خلطِ نجس سے نجس ہوا اس کا ملنا اس قسم سے خارج ہوگا کہ یہ صرف پانی کا ملنا نہ ہوا۔

ضابطہ(۲۰):

اگر وہ ملنے والی شے اب پانی نہیں (اور یہ نہ ہوگا مگر اولے، یا برف میں گل کا

(برف) ہو خواہ آسمانی کہ یہی وہ صورت ہے کہ پانی بے خلط غیر پانی نہ رہے) تو اگر پانی کی رقت زائل کر دے قابلِ وضو نہ رہے گا جب تک وہ شے پگھل کر پھر پانی نہ ہو جائے اور اگر رقت باقی ہے نہ یوں کہ اولے برف ابھی گھل کر پانی میں مخلوط نہ ہوئے پتھر کنکر کی طرح تہہ میں پڑے ہیں کہ یہ تو تیسرا نمبر تھا بلکہ یوں کہ مقدار میں اتنے کم تھے جن کے خلط سے رقت آب میں فرق نہ آیا تو اس سے وضو جائز ہے۔

ضابطہ(۲۱):

اگر وہ شے غیر آب ہے اور پانی میں اتنی خلط ہوگئی کہ پانی اس سے مقدار میں زائد نہیں تو مطلقاً قابلِ وضو نہیں۔

ضابطہ(۲۲):

اگر پانی مقدار میں زیادہ ہے تو وہ شے نجس ہے یا طاہر اگر نجس ہے اور پانی دہ در دہ نہیں، یا ہے تو نجاست سے اس کے رنگ یا مزے یا بو میں فرق آگیا تو پانی اگر چہ مطلق رہے قابلِ وضو در کنار بدن میں جائز الاستعمال رہا۔

ضابطہ(۲۳):

اگر وہ دہ در دہ ہے اور کسی وصف میں تغیر نہ آیا تو نجاست کا حکم ساقط اور اِحکام بعض احکام آئندہ ہوں گے۔

ضابطہ(۲۴):

اگر طاہر ہے تو پھر دو صورتیں ہیں • اس کا خلط آگ پر ہوا • یا الگ۔ اگر آگ سے الگ ہوا اور وہ شے جامد ہے تو ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے (وہ پانی مطلقاً آب مطلق ولائق وضو رہے گا۔ن) اور مائع ہے تو مذہب صحیح معتمد میں پانی مطلقاً آب مطلق ولائق وضو رہے گا اگر چہ رنگ، مزہ، بو سب بدل جائیں گے مگر دو صورتوں میں، **ایک** یہ کہ پانی رقیق تر ہے، اور ہم تحقیق کر آئے ہیں کہ یہ کچھ جامد ہی سے خاص نہیں بہت مائعات بھی مانعاتِ رقّت آب ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ شربتِ شہد یا شربتِ شکر یا نبیذ و

رنگ کی طرح مقصد دیگر کے لیے شے دیگر ہو جائے۔

ضابطہ(۲۵):

اگر خلط آگ پر ہوا تو دوصورتیں ہیں • اگر ہنوز وہ چیز پکنے نہ پائی کہ مقصد دیگر کے لئے شے دیگر کردے پانی سے امتزاج کامل نہ ہونے پایا کہ سرد ہونے پر گاڑھا کردے اس حالت کے قبل اتار لی تو پانی مطلقاً آبِ مطلق وقابلِ وضو ہے۔

ضابطہ(۲۶):

اگر وہ شے پک گئی تو تین صورتیں ہیں • پکانے میں صرف پانی مقصود ہے • یا صرف وہ شے • یا دونوں۔ پہلی دوصورتوں میں آب مطلق رہے گا جب تک اس قابل نہ ہوجائے کہ سرد ہوکر زوالِ رقّت ہو، صورت دوم کی مثالیں بحث اول ''طبخ'' میں شخبرف ونشاستہ وآش جو سے گزریں اور صورت اول کا بیان فصل خامس میں آتا ہے اِن شاءاللہ تعالیٰ۔

ضابطہ(۲۷):

صورت سوم میں اگر پانی اس قدر کثرت سے ڈال دیا کہ نہ مقصود دیگر کے لیے ہوسکے گا، نہ اس سے دَلدار ہوگا تو مطلقاً (آب۔ن) مطلق ولائق طہارت ہے۔

ضابطہ(۲۸):

اگر اتنا کثیر نہ تھا مگر دَلدار نہ ہوسکے گا تو جب مقصود دیگر کے لیے ہوجائے گا قابلِ وضو نہ رہے گا۔

ضابطہ(۲۹):

اگر پانی دَلدار ہوسکتا ہے تو اگر بالفعل گاڑھا ہوگیا کہ بہانے میں پورا نہ پھیلے گا مطلقاً لائق وضو نہ رہا اگرچہ اس میں صابون ہی پکایا ہو جس سے زیادت نظافت مقصود ہوتی ہے۔

ضابطہ(۳۰):

اگر بالفعل گاڑھا نہ ہوا مگر ٹھنڈا ہوکر (گاڑھا۔ن) ہوجائے گا تو دوصورتیں ہیں

• اگر وہ شے مثل صابون وغیرہ زیادت نظافت کیلئے ہے فی الحال اس سے وضو جائز، ٹھنڈا ہونے کے بعد صحیح نہیں۔

ضابطہ(۳۱):

اگر زیادت نظافت کیلئے نہیں تو اس سے فی الحال بھی وضو جائز نہیں۔

یہ ہے وہ تحقیق انیق کہ جمیع نصوصِ صحاح کو متناول اور جملہ ارشادات متون کو حاوی وشامل اور تمام تحقیقاتِ سابقہ پر مشتمل اور سب فروع ممکنہ کے حکم صحیح کو بعونہ تعالیٰ کافی وکافل، والحمدللہ رب العٰلمین، وافضل الصلاۃ واکمل السلام علی خاتم النبیین، سید المرسلین، وعلیہم جمیعا وعلی الہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین، اٰمین والحمدللہ رب العٰلمین. (۲۷)

ضابطہ(۳۲):

آب مقطر یعنی قرع انبیق میں ٹپکایا ہوا پانی کہ اجزائے ارضیہ وغیرہا کثافتوں سے صاف کرنے کے لیے سادہ پانی رکھ کر آنچ کریں کہ بخارات اٹھ کر اوپر کے پانی کی سردی پاکر پھر پانی ہوکر ٹپک جائیں یہ پانی کہ محض پانی کی بھاپ سے حاصل ہوا اس کا صریح جزئیہ اپنی کتب میں نظر فقیر سے نہ گزرا۔

اقول: مگر بعونہ تعالیٰ حکم ظاہر ہے کہ وہ مائے مطلق اور اس سے طہارت جائز ہے کہ سمندر کے سوا آسمان وزمین کے عام پانی بخارات ہی سے بنتے ہیں اور گلاب وعرق گاؤ زبان وغیرہ وارد نہ ہوں گے کہ وہ بھی اگرچہ پانی ہی کے بخار ہیں مگر وہ سادہ پانی سے نہ اٹھے بلکہ جس میں دوسری شے بھگوئی گئی ہے جس نے ان بخارات مستحیلہ کو مقصد دیگر کے لئے چیز دیگر کردیا لہٰذا زوال اسم ہوگیا، انہیں پانی نہیں کہا جاتا، بلکہ گلاب وعرق۔ بخلاف آب تقطیر کہ پانی ہی ہے اور پانی ہی کہا جائے گا نہ مقصود بدلا، نہ نام۔

اقول: البتہ ضابطہ امام زیلعی پر گلاب اور سب عرق وارد ہوں گے کہ جامد ہی چیزیں ملیں تو مدار بقائے رقّت پر ہوا اور وہ باقی ہے تو یہ بخارات ازروئے ضابطہ آبِ مطلق

ہی سے اٹھے اور پانی ہی ہو کر ٹپکے اس کے بعد کوئی بات انہیں وہ عارض نہ ہوئی جو بر بنائے ضابطہ انھیں آب مقید کردے کہ مقصد دیگر کیلئے چیز دیگر ہو جانا ضابطہ میں نہیں تو بحکم ضابطہ گلاب و ہر عرق سے وضو ہوسکنا چاہیے حالانکہ بالا جماع جائز نہیں۔

ثم رأيت التصريح بهذا الفرع فى كتب السادة الشافعية، قال العلامة زين الميلبارى تلميذ الامام ابن حجر المكى فى فتح المعين: الماء المطلق: مايقع عليه اسم الماء بلاقيد وان رشح من بخار الماء الطهور المغلى ١٥ . وفى الفتاوىٰ الكبرىٰ الفقهية لشيخه الامام رحمهما الله تعالىٰ: سئل عن شجر بأرض الحبشة يخرج منه عند انتشار الرياح بخار كالدخان ويرشح مائعاكالماء سواء بسواء فهل له حكم الماء فى الطهورية فأجاب ليس حكمُه حكمَه، بل هو كالمائع جزما، وفارق بخار الطهور المغلى بأن ذلك من الماء ، بخلاف هذا اذهو كماء الشجر وهو ليس بطهور قطعا. (۲۸)

''تیمّم والا دوسرے کے پاس پانی پائے'' اس کی تمام صورتوں کو حاوی ضابطے:

جس کو وضو یا غسل کی ضرورت ہو اور پانی نہ ملے تو اسے شریعت یہ اجازت دیتی ہے کہ وضو اور غسل کی جگہ تیمّم کرے۔ چناں چہ قرآن حکیم میں ہے:

وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم (۲۹)

(اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آیا یا عورتوں سے جماع کیا پھر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ اس کے لیے مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو۔ ن، ر)

کوئی شخص کہیں سفر میں ہے اور اس کے پاس پانی نہیں مگر اس کے ساتھی یا کسی اور

کے پاس پانی ہے تو کیا کرے؟ پانی مانگے یا بغیر مانگے نماز پڑھے، یا نماز پڑھتے وقت کسی کے پاس پانی دیکھا تو نماز توڑ کر پانی مانگے، یا نماز پوری کر کے مانگے، یا بغیر مانگے چلا جائے؟ ان مسائل کی بہت سی صورتیں ہیں اور ہر صورت کے مختلف یا مشترک احکام ہیں، ان صورتوں کو یکجا کرنے کے لیے کئی فقہا نے قوانین وضع کیے ہیں مگر وہ قوانین اس مسئلہ کی تمام صورتوں کا احاطہ نہیں کرتے۔ اس لیے فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے محض توفیق خداوندی سے ایک ''جامع قانون'' وضع فرمایا ہے جو اس مسئلہ کی تمام صورتوں اور اقسام کو شامل ہے۔ پھر اس قانون سے آپ نے انیس ضابطے وضع فرمائے۔ آپ لکھتے ہیں:

''تیمّم کہ دوسرے کے پاس پانی پائے، یہ مسئلہ بہت معرکۃ الآراء وطویل الاذیال ہے اکثر کتب میں اس کے بعض جزئیات مذکور ہیں۔ امام صدر الشریعۃ نے شرح وقایہ، پھر محقق ابراہیم حلبی نے غنیۃ شرح منیہ میں، پھر محقق زین العابدین نے بحر الرائق میں **رحمهم الله تعالى ورحمنا بهم** اس کے لیے قوانین کلیہ وضع فرمانا چاہے کہ جمیع شقوق کو حاوی ہوں۔ فقیر اوّلاً چند مسائل ذکر کرے جن کا لحاظ ہر ضابطہ میں ضروری ہے اور وہی اپنے اختلافات پر مادۂ ہر ضابطہ ہیں، پھر قوانین علما اور مالہا وما علیہا پھر وہ جو فیض قدیر سے قلبِ فقیر پر فائض ہوا۔ **ولله الحمد والله المستعان وعليه التكلان**''۔ (۳۰)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے وہ جامع قانون بڑے علمی انداز میں تحریر فرمایا ہے، جس سے استفادہ کبار علما ہی کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہم وہ انیس قواعد ''ضابطہ'' کے عنوان سے ذکر کرتے ہیں جنھیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے مسئلہ مذکورہ کے تمام اقسام کا احاطہ کرنے کے لیے وضع فرمایا ہے۔

آپ رقم فرماتے ہیں:

والآن آنَ ان نذكر مافاض من فيض القدير على العاجز الفقير ،

(اب وقت آ گیا کہ اس عاجز فقیر پر فیض قدیر سے جو فیضان ہوا اسے ذکر کریں۔ ن، ر):

ضابطہ (۳۳):

اگر اس نے اسے بے مانگے پانی دیا، اگر چہ وقت کے بعد - یا اس کے مانگے پر نہ

وعدہ کیا، نہ منع، نہ سکوت، بلکہ فوراً پانی دے دیا، خواہ تیمّم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، یا نماز کے بعد خواہ قبل سوال اسے تیمّم سے پڑھتے دیکھا اور خاموش رہا، یا نہ دیکھا اور بہر حال اسے گمان غالب اس کے دینے، یا نہ دینے کا تھا یا شک تھا، عام ازیں کہ یہ نماز میں اس کے پاس پانی ہونے پر مطلع ہوا یا پہلے، ان سب صورتوں میں وہ دینا مؤثر ہے، یعنی تیمّم سے پہلے دیا تو تیمّم جائز نہیں، اور تیمّم کر چکا تھا تو ٹوٹ گیا، اور عین نماز میں دیا، یا بعد میں تو نماز و تیمّم دونوں گئے، بہر کیف وضو کر کے اس نماز کو پڑھے۔

ضابطہ (۳۴):

تیمّم سے پہلے یا بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، اسی وقت میں پانی ملنے کا وعدہ کیا تو یہ بھی بمعنی مذکور مطلقاً مؤثر ہے، یعنی تیمّم کا ناقض و مانع، اور نماز میں ہو تو اس کا قاطع، عام ازیں کہ اس نے پانی نماز میں دیکھا یا اس سے پہلے، اور اس نے خود وعدہ کیا یا اس کے مانگنے پر، اور بعد کو وقت میں دے یا بعد وقت، یا اصلاً نہ دے خواہ کسی عذر سے، یا بالقصد وعدہ خلافی سے، اور عام ازیں کہ اس وعدے سے پہلے اسے دینے یا نہ دینے کا ظن ہو یا نہ ہو، بہر حال مؤثر ہے۔

ضابطہ (۳۵):

یہ تیمّم سے نماز پڑھ چکا، اس کے بعد اس نے وعدہ کیا کہ پانی وقت میں دے گا، اور پھر بلا عذر نہ دیا، یا دیا تو وقت گزر جانے پر دیا، اس صورت میں نماز ہوگئی، خواہ یہ وعدہ اس نے خود کیا ہو، یا بعد نماز اس کے سوال پر، اور اس پانی پر اطلاع اسے نماز میں ہوئی ہو یا پہلے، عام ازیں کہ اس نے اسے نماز مذکور تیمّم سے پڑھتے دیکھا ہو یا نہیں، اور اسے پیش از وعدہ کوئی ظن ہو یا شک۔

ضابطہ (۳۶):

اس کے نماز پڑھ لینے کے بعد وعدہ کیا، اور وقت میں دے دیا، یا نہ دینا کسی وجہ سے ہوا نہ وعدہ خلافی سے، اس میں مطلقاً نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، صورِ مذکورۂ قاعدۂ سوم سے کوئی بھی صورت واقع ہو۔

ضابطہ (۳۷):

اس نے مانگا، وہ چپ رہا مگر وقت میں پانی دے دیا، اور اسے تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھ کر خاموش نہ رہا تھا تو یہ دینا بھی مطلقاً مؤثر ہے، یعنی تیمّم کا ناقض یا مانع یا نماز کا مبطل یا قاطع (ہوگا۔ ن)، خواہ اس کا مانگنا اور اس کا دینا تیمّم سے پہلے ہو یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں، یا نماز کے بھی بعد وقتِ نماز میں، عام ازیں کہ اسے نماز میں پانی پر اطلاع ہوئی ہو یا پہلے، اور دینے، نہ دینے کا ظن ہو یا شک۔

ضابطہ (۳۸):

اس کے مانگنے پر چپ رہا اور پھر پانی اصلاً نہ دیا، یا وقت کے بعد دیا، یا اسے تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھا اور بعد نماز وقت ہی میں دیا، عام ازیں کہ اسے نماز میں اطلاع ہوئی ہو یا پہلے، اور تیمّم سے پہلے مانگا یا بعد، نماز سے پہلے یا نماز میں یا بعد، اور کوئی ظن تھا یا شک، بہر حال نماز پوری ہوگئی، اعادہ کی حاجت نہیں۔

ضابطہ (۳۹):

مانگنے پر انکار کر دیا، مگر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، یہ دینا مطلقاً بمعنی مذکورۂ دوم مؤثر ہے، وضو کر کے یہ نماز پڑھنی یا پھیرنی ہوگی، خواہ یہ مانگنا اور دینا تیمّم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہو، اور اطلاع نماز میں ہوئی ہو یا پہلے، اور دینے، نہ دینے کا ظن ہوا ہو یا شک۔

ضابطہ (۴۰):

اس نے تیمّم یا نماز سے پہلے یا نماز میں یا اس کے بعد مانگا، اور اس نے انکار کر کے اصلاً نہ دیا، یا وقت گزرنے پر دیا، یا وقت ہی میں مگر نماز کے بعد دیا، خواہ تیمّم سے نماز پڑھتے دیکھا یا نہیں، بہر حال نماز ہوگئی، خواہ اطلاع کبھی ہوئی، اور ظن ہوا یا شک۔

ضابطہ (۴۱):

نہ اس نے مانگا، نہ اس نے وقت میں دیا نہ (وقت گزرنے کے۔ ن، ر) بعد، مگر

نماز میں خواہ اس سے پہلے، پانی پر مطلع ہوکر اسے ظن غالب ہوا تھا کہ مانگنے سے دے دے گا، نماز نہ ہوئی، پھر پڑھے۔

ضابطہ (۴۲):

صورتِ مذکورہ میں اسے دینے کا گمان نہ ہوا، بلکہ نہ دینے کا ظنِ غالب یا شک تھا تو نماز ہوگئی۔

ضابطہ (۴۳):

خود یا اس کے مانگنے پر کہا: ''پانی ختم ہو چکا، پہلے کہتے تو دے دیتا'' پھر نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، یہ بدستور مؤثر ہے، وضو کر کے نماز پڑھے یا پھیرے، کبھی مطلع ہوا اور کوئی ظن یا شک کیا۔

ضابطہ (۴۴):

یہی کہا اور پانی اصلاً نہ دیا، یا بعد وقت خواہ وقت میں یا بعدِ نماز نماز پر مطلع ہوکر، یا بے اطلاع دیا، انھیں تعمیموں پر مطلقاً مؤثر نہیں، نماز ہوگئی، ہاں پانی دے دے تو آئندہ کے لیے وضو کرے۔

ضابطہ (۴۵):

وعدہ وقت کے بعد دینے کا کیا، مگر وقت میں نماز ختم ہونے سے پہلے دے دیا، تو حکم مثل ضابطہ (۴۴) ہے۔ (یعنی یہ شخص پانی پر قادر کے حکم میں ہے، لہذا وضو کر کے نماز پڑھے، یا پھیرے۔ن، ر)

ضابطہ (۴۶):

اسی قسم کے وعدہ میں پانی ختمِ نماز سے پہلے نہ دیا، تو حکم وتفصیل مثل ضابطہ (۴۴) ہے۔ (یعنی یہ شخص پانی پر قادر کے حکم میں نہیں، بلکہ عاجز ہے، لہذا نماز ہوگئی، ہاں! پانی دے دے تو آئندہ کے لیے وضو کرے۔ن، ر)

ضابطہ (۴۷):

پانی ابھی خرچ نہ ہوا، اور دینے والے کی ملک پر باقی ہے، کہ اس نے منع کر دیا، اس میں صدہا صورتیں ہیں، بہر حال حکم یہی ہے کہ اب اس کا استعمال ناجائز ہوگیا، تیمّم کرے۔

ضابطہ (۴۸):

وعدہ کر کے انکار کر دیا، اگر وعدہ تیمّم سے پہلے تھا، جس کے باعث تیمّم ناجائز ہو گیا تھا، اب انکار کر دینے سے جائز ہوگیا- اور اگر تیمّم کے بعد وعدہ تھا تو تیمّم ٹوٹ گیا، انکار اسے جوڑ نہ دے گا، دوبارہ تیمّم کرے- یوں ہی اگر عین نماز میں وعدہ کیا، نماز وتیمّم دونوں گئے، انکار انہیں پھیر نہ لائے گا، پھر تیمّم کر کے نماز پھیرے- اور اگر وعدہ بعد نماز تھا، نماز پوری ہوگئی، اور اس انکار نے اس کے پورا ہو جانے کو اور مضبوط کر دیا۔

ضابطہ (۴۹):

پانی مانگنے پر انکار کر دیا تھا، اس کے بعد اب وعدہ کر لیا کہ وقت میں دے دے گا، اگر یہ وعدہ تیمّم سے پہلے ہے تو تیمّم ناجائز ہوگیا اور تیمّم کے بعد ہے تو ٹوٹ گیا، اور عین نماز میں ہے تو نماز وتیمّم دونوں گئے۔۔ بہر حال آخر وقت تک انتظار کرے، اگر پانی مل جائے تو وضو کر کے نماز پڑھے، نہ ملے اور وقت جاتا دیکھے تو تیمّم کر کے پڑھ لے، پھر پھیرے، اور اگر بعد انکار یہ وعدہ نماز پڑھ لینے کے بعد کیا تو نماز ہوگئی، اس پر اس کا کچھ اثر نہیں۔

ضابطہ (۵۰):

مانگنے پر خاموش ہو رہا، پھر انکار کر دیا، نماز وتیمّم سب جائز ہیں، انکار بعدِ نماز کیا ہو، خواہ پہلے۔

ضابطہ (۵۱):

سوال پر سکوت کے بعد وقت میں دینے کا وعدہ کر لیا، اگر یہ وعدہ تیمّم سے پہلے یا اس کے بعد، نماز سے پہلے یا عین نماز میں ہے، یا نماز کے بعد (وعدہ کیا۔ن، ر) مگر اس

حال میں کہ اسے تیمّم سے نماز پڑھتے نہ دیکھا، تو ان صورتوں میں یہ وعدہ مؤثر ہے، تیمّم کا ناقض، یا مانع، اور نماز کا مبطل ہے یا قاطع۔ اور اگر تیمّم سے نماز پڑھنے پر مطلع ہوا جب بھی ساکت رہا، اس کے بعد وعدہ کیا، تو نماز ہوگئی۔(۳۱)

ضابطہ(۵۲):

بندے پر کسی چیز کے بارے میں یہ تفتیش لازم نہیں ہے کہ وہ حرام ہے، یا حلال کہ اشیا میں اصل حلت ہے۔

ہاں! اس میں شک نہیں کہ شبہہ کی جگہ تفتیش وسوال بہتر ہے جب اس پر کوئی فائدہ مترتب ہوتا سمجھے۔

اور یہ بھی اسی وقت تک ہے جب اس احتیاط وورع میں کسی امرِ اہم وآکد کا خلاف نہ لازم آئے کہ شرع مطہر میں مصلحت کی تحصیل سے مفسدہ کا ازالہ مقدم تر ہے مثلاً مسلمان نے دعوت کی، یہ اس کے مال وطعام کی تحقیقات کررہے ہیں۔• کہاں سے لایا، • کیونکر پیدا کیا، • حلال ہے یا حرام، • کوئی نجاست تو اس میں نہیں ملی ہے۔ کہ بیشک یہ باتیں وحشت دینے والی ہیں اور مسلمان پر بدگمانی کرکے ایسی تحقیقات میں اسے ایذا دینا ہے خصوصاً اگر وہ شخص شرعاً معظم ومحترم ہو، جیسے عالمِ دین، یا سچّا مرشد، یا ماں باپ، یا استاذ، یا ذی عزت مسلمان، سردار قوم تو اس نے اور بے جا کیا۔ ایک تو بدگمانی۔ دوسرے موحش باتیں۔ تیسرے بزرگوں کا ترکِ ادب۔

اور یہ گمان نہ کرے کہ خفیہ تحقیقات کرلوں گا، حاشا وکلّا اگر اسے خبر پہنچی۔ اور نہ پہنچنا تعجب ہے کہ آج کل بہت لوگ پرچہ نویس ہیں۔ تو اس میں تنہا خود پوچھنے سے زیادہ رنج کی صورت ہے۔ نہ یہ خیال کرے کہ احباب کے ساتھ ایسا برتاؤ برتوں گا ''ہیہات'' احباب کو رنج دینا کب روا ہے۔ اور ''یہ گمان کہ شاید ایذا نہ پائے'' ہم کہتے ہیں شاید ایذا پائے اگر ایسا ہی شاید پر عمل ہے تو اس کے مال وطعام کی حلت وطہارت میں شاید پر کیوں نہیں عمل کرتا۔ مع ہٰذا اگر ایذا نہ بھی ہوئی اور اس نے براہِ بے تکلفی بتادیا تو ایک مسلمان کی پردہ دری ہوئی کہ شرعاً ناجائز۔

غرض ایسے مقامات میں ورع واحتیاط کی دو ہی صورتیں ہیں:

☆ یا تو اس طور پر بچ جائے کہ اسے اجتناب ودامن کشی پر اطلاع نہ ہو۔

☆ یا سوال وتحقیق کرے تو ان امور میں جن کی تفتیش موجبِ ایذا نہیں ہوتی مثلاً کسی کا جوتا پہنے ہے وضو کرکے اس میں پاؤں رکھنا چاہتا ہے دریافت کرلے کہ پاؤں تر ہیں یوں ہی پہن لوں۔

☆ یا کوئی فاسق بیباک، مجاہر، معلن اس درجہ وقاحت وبے حیائی کو پہنچا ہوا ہو کہ اسے نہ بتادینے میں باک ہو، نہ دریافت سے صدمہ گزرے، نہ اس سے کوئی فتنہ متوقع ہو، نہ اظہارِ ظاہر میں پردہ دری ہو تو عند التحقیق اس سے تفتیش میں بھی حرج نہیں۔ ورنہ ہرگز بنام ورع واحتیاط مسلمانوں کی نفرت ووحشت یا ان کی رسوائی وفضیحت یا تجسّسِ عیوب ومعصیت کا باعث نہ ہو کہ یہ سب امور ناجائز ہیں اور شکوک وشبہات میں ورع نہ برتنا ناجائز نہیں، عجب کہ امر جائز سے بچنے کے لیے چند ناروا باتوں کا ارتکاب کرے یہ بھی شیطان کا ایک دھوکا ہے کہ اسے محتاط بننے کے پردے میں محض غیر محتاط کردیا۔

مگر یہ اس وقت تک ہے جب تک نہ دین میں مداہنت ہو، نہ اس کے لیے کسی گناہِ شرعی میں ابتلا ہو۔

قال تعالیٰ: وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرْضُوهُ إِن كَانُوا مُؤْمِنِينَ

(ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق رکھتے ہیں کہ وہ انہیں راضی کریں اگر وہ ایمان دار ہیں۔'')

وقال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: لاطاعة فی معصیة اللہ انما الطاعة فی المعروف (۳۲) رواہ الشیخان وابوداود والنسائی عن علی کرم اللہ تعالیٰ وجهه.

(نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت نہیں، فرمانبرداری صرف نیک امور میں ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری، مسلم،

ابوداؤد اور نسائی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔)

پس ان امور میں ضابطۂ کلیہ واجبۃ الحفظ یہ ہے کہ:

☆ فعل فرائض وترک محرمات کو اِرضائے خلق پر مقدم رکھے اور ان امور میں کسی کی مطلقاً پروا نہ کرے۔

☆ اور اتیان مستحب وترک غیر اولی پر مدارات خلق ومراعات قلوب کو اہم جانے اور فتنہ ونفرت وایذا ووحشت کا باعث ہونے سے بہت بچے۔

☆ اسی طرح جو عادات ورسوم خلق میں جاری ہوں اور شرع مطہر سے ان کی حرمت وشناعت نہ ثابت ہو ان میں اپنے ترفع وتنزہ کے لیے خلاف وجدائی نہ کرے کہ یہ سب امور ائتلاف وموانست کے معارض اور مراد ومحبوب شارع کے مناقض ہیں۔

ہاں ہاں ہوشیار وگوش دار کہ یہ وہ نکتہ جمیلہ وحکمت جلیلہ وکوچہ سلامت وجادۂ کرامت ہے جس سے بہت زاہدان خشک واہل تکشف غافل وجاہل ہوتے ہیں، وہ اپنے زعم میں محتاط ودین پرور بنتے ہیں اور فی الواقع مغز حکمت ومقصود شریعت سے دور پڑتے ہیں۔ خبردار ومحکم گیر، یہ چند سطروں میں علم غزیر۔ وباللہ التوفیق و الیہ المصیر.

پاک وناپاک اور حلال وحرام کے باہم مخلوط ہونے پر شے حلال رہے گی یا حرام، اس بارے میں ضابطۂ کلیہ (۵۳) کا بیان:

واضح ہو کہ کسی شے حرام، خواہ نجس کے دوسری چیز میں خلط ہونے پر یقین دو قسم کا ہوتا ہے:

(۱) شخصی یعنی ایک فرد خاص کی نسبت تیقن ہو، مثلاً آنکھوں سے دیکھا کہ اس کنویں میں نجاست گری ہے۔

(۲) اور نوعی یعنی مطلق نوع کی نسبت یقین ہو۔ اور اسکی پھر دو قسمیں ہیں: ایک اجمالی یعنی اس قدر ثابت کہ اس نوع میں اختلاط واقع ہوتا ہے نہ یہ کہ علی العموم اس کے ہر فرد کی نسبت علم ہو جیسے کفار کے برتن، کپڑے، کنویں۔

دوسرا کلی یعنی نوع کی نسبت بروجہ شمول وعموم ودوام والتزام اس معنی کا ثبوت ہو مثلاً تحقیق پائے کہ فلاں نجس یا حرام چیز اس ترکیب کا جزو خاص ہے کہ جب بناتے ہیں اُسے شریک کرتے ہیں اور یہ وہیں ہوگا کہ بنانے والوں کو بالخصوص اس کے ڈالنے سے کوئی غرض خاص مقصود ہو، ورنہ بلا وجہ التزام متیقن نہیں ہوسکتا جیسے پانی وغیرہ کسی شے کو ہڈیوں سے صاف کریں کہ تصفیہ میں ناپاک یا حرام استخواں کی کوئی خصوصیت نہیں جو مقصود ان سے حاصل (ہوتا ہے وہ) پاک وحلال ہڈیوں سے بھی قطعاً حاصل ہوتا ہے۔

اور وہ اشیا بھی جن کا کسی ماکول ومشروب یا اور استعمالی چیزوں میں خلط سنا جانا موجب تردّد وتشویش وباعث سوال وتفتیش ہو دو قسم ہیں:

ایک: مامنہ محذور یعنی وہ جن میں ہر قسم کے افراد موجود ہیں، بعض ان میں حرام ونجس بھی ہیں اور بعض حلال وطاہر جیسے عِظام۔ یہاں منشاء تو ہم صرف ان لوگوں کا بیباک ونامحتاط ہونا ہے جن کے اہتمام سے وہ چیز بنتی ہے کہ جب ان اشیا میں حرام ونجس بھی موجود اور ان کو پرواہ واحتیاط مفقود تو کیا خبر کہ یہاں کس قسم کی چیز ڈالی گئی ہے اسی لیے جب وہ کارخانہ ثقہ مسلمانوں کے تعلق ہو تو خاطر پر اصلاً تردّد نہ آئے گا اور صدور محذور کی طرف ذہن سلیم نہ جائے گا۔

دوسرے: ماھو محذور یعنی وہ کہ حرام مطلق یا نجس محض ہیں جن کا کوئی فرد، حلال وطاہر نہیں جیسے: شراب بجمیع اقسامھا علیٰ مذھب محمدٍ الماخوذ للفتویٰ.

یہاں باعث احتراز وتنزہ خود اس شے کی نفس حالت ہے، نہ بنانے والوں کی جرأت وجسارت، یہاں تک کہ ابتداءً اہل کارخانہ کی وثاقت وعدالت معلوم ہونا اس مقام پر علاج اندیشہ نہ ہوگی، بلکہ یہ سن کر ان کی وثاقت واحتیاط میں شک آسکتا ہے۔ اسی وجہ سے ان دو صورتوں میں ہنگام نظر وتنقیح حکم بوجوہ فرق واقع ہوتا ہے۔

صورت اولیٰ میں مجرد اس شئے مثلاً استخواں (ہڈی) کے پڑنے پر تیقن ہے، عام ازاں کہ شخصی ہو یا نوعی، اجمالی ہو، یا کلی۔ خواہی نخواہی اس جزئی یا نوعی میں مخالطت حرام یا نجس کا یقین نہیں دلاتا۔ ممکن کہ صرف افراد طیبہ ومباحہ استعمال میں آئے ہوں۔ اسی طرح

خاص افرادمحرمہ ونجسہ کے استعمال پر یقین نوعی اجمالی بھی علی الاطلاق تحریم وتنجیس کا مورث نہیں کہ ہر جزئی خاص میں استعمالِ فردِ طاہر وحلال کا احتمال قائم ولہٰذا افراد قسمَین کا بازار میں اختلاط مانع اشترا وتناول نہیں کہ کسی معین پر حکم بالجزم نہیں کر سکتے۔

بخلاف صورتِ ثانیہ کہ وہاں صرف اس کے پڑنے کا یقین شخصی خواہ نوعی کلی اس جزئی خاص یا تمام نوع کی تنجیس وتحریم میں بس ہے جس کے بعد کچھ کلام باقی نہیں رہتا اور وہ احتمالات کہ بوجہ تنوع افراد صورتِ اولیٰ میں متحقق ہوتے تھے یہاں قطعاً منقطع۔ اسی طرح صورتِ اولیٰ میں اگر بالخصوص افراد حرام وناپاک ہی پڑنے کا ایسا ہی یقین یعنی شخصی، یا نوعی، کلی ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس تقدیر پر صورتِ اولیٰ صورت ثانیہ کی طرف رجوع کر آئی۔

لانتفاء التنوع فی الأفراد فان الیقین تعلق بخصوص الأفراد المحرَّمة والنجسة وهی لاتتنوع الی محذور وغیر محذور ۔اس لیے کہ افراد میں تنوّع نہیں ہوتا تو یقین خاص حرام وناپاک افراد سے متعلق ہوا اور افراد ممنوع اور غیر ممنوع کی طرف تقسیم نہیں ہوتے۔ (نظام)

البتہ یقین نوعی اجمالی یہاں بھی بکار آمد نہیں کہ جب علیٰ وجہ العموم والالتزام تیقن نہیں تو ہر فرد کی محفوظی محتمل ہے جب تک کسی جزئی خاص کا حال تحقیق نہ ہو کہ اس وقت یہ یقین، یقینِ شخصی کی طرف رجوع کر جائے گا **وهو مانع کماذکرنا.**

بالجملہ خلاصہ ضابطہ یہ ہے کہ مامنہ محذور میں کسی قسم کا یقین بکار آمد نہیں جب تک وہ ماھو محذور کی طرف رجوع نہ کرے۔ اور ماھو محذور میں ہر قسم کا یقین کافی مگر صرف نوعی اجمالی کہ ساقط وغیر مثبتِ ممانعت ہے جب تک یقین شخصی کی طرف مائل نہ ہو۔

یہ نفیس ضابطہ قابلِ حفظ ہے کہ شاید اس رسالہ عجالہ کے سوا دوسری جگہ نہ ملے اگرچہ جو کچھ ہے کلمات علما سے مستنبط اور انہی کی کفش برداری کا تصدق ہے۔ والحمدلله ربّ العٰلمین۔

مثالوں سے ضابطۂ کلیہ کی وضاحت

(۱) شراب کے ایک مسئلے سے وضاحت

کل کی برف میں شراب ملنے کی خبر قابل غور و واجب النظر ہے۔ اب ضابطہ ۵۶ و ۵۷ کی تقریر پیشِ نگاہ رکھ کر لحاظ درکار۔

☆ اگر یہ اخبار افواہِ بازار یا منتہائے سند بعض مشرکین وکفار، تو بالکل مردود ومحض بے اعتبار۔ ہاں صورت اخیرہ میں اگر ان کا صدق دل پر جمے تو احتیاط بہتر۔ تاہم گناہ نہیں۔ اور اتنا بھی نہ ہو تو اصلاً پرواہ نہیں۔

☆ اور اگر فساق بداعمال یا مستور نامعلوم الحال کی خبر، تو شہادتِ قلب کی طرف رجوع معتبر۔ اگر دل اس امر میں ان کے کذب کی طرف جھکے تو کچھ بات نہیں، مگر احتراز افضل کہ آخر مسلمان ہیں۔ عجب کیا کہ سچ کہتے ہوں خصوصاً مستور کہ اس کی عدالت معلوم نہیں تو فسق بھی تو ثابت نہیں۔

اور اگر قلب ان کے صدق پر گواہی دے تو بیشک احتراز چاہیے کہ ایسے مقام پر تحری حجتِ شرعیہ ہے اگرچہ وہ خبر بنفسہ حجت نہ تھی مگر یہاں ممانعت کا درجہ حرمت قطعیہ تک تجاوز نہ کرے گا۔

اور وہ بھی اسی کے حق میں جس کا دل ان کے صدق کی طرف جائے۔

پس اگر دوسرے کے دل پر ان کا کذب جمے اس کے حق میں وہی پہلا حکم ہے کہ احتراز بہتر، ورنہ اجازت۔

☆ ہاں اگر اس قدر جماعتِ کثیر کی خبر ہو جن کا کذب پر اتفاق عقل تجویز نہ کرے تو بیشک علی الاطلاق حرمتِ قطعی کا حکم دیا جائے گا اور اس کے سوا کسی امر پر لحاظ نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ سب مخبر فساق وفجار، بلکہ مشرکین وکفار ہوں۔

فان العدالة بل والاسلامَ ایضا لایشترط فی التواتر عند الجمهور خلافا للامام فخر الاسلام علیٰ مااشتهر مع ان کلامه قدس سره، ایضا غیر نص فی الاشتراط کما أفاده المولی بحر العلوم فی الفواتح(۳۳) والله اعلم.

(کیوں کہ تواتر میں عدالت بلکہ اسلام کی شرط بھی جمہور کے نزدیک نہیں۔ امام فخر الاسلام کا موقف- جیسا کہ مشہور ہے- اس کے برخلاف ہے، تاہم ان کا کلام بھی اسلام و

عدالت کے شرط ہونے میں نص نہیں جیسا کہ حضرت بحر العلوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فواتح الرحموت میں یہ معلومات فراہم کیں۔) (نظام)

اسی طرح اگر منتہائے سند مسلمان عادل اگرچہ ایک ہی ہو جب بھی احتراز واجب اور برف حرام ونجس۔

فان فی الدیانات لایشترط العدد ویقبل خبر الواحد العدل بلاتردد. (کیوں کہ دیانات میں عدد شرط نہیں اور ایک عادل آدمی کی خبر کسی تردّد کے بغیر قبول کی جاتی ہے۔) (نظام)

مگر یہ ضرور ہے کہ وہ خود اپنے معاینہ سے خبر دے ورنہ سنی سنائی کہنے میں اس کا قول خود اس کا قول نہیں یہاں تک کہ جب اکابر علما نے دیبائے فارسی کی نسبت لکھا اس میں پیشاب پڑتا ہے۔ امام ملک العلما ابوبکر بن مسعود کاشانی قدس سرہ الربانی وغیرہ ائمہ نے فرمایا: اگر یہ بات تحقیق ہوجائے تو اس سے نماز ناجائز ہوگی تو کیا وجہ کہ ان علما کا خود مشاہدہ نہ تھا۔ لہٰذا ہنوز معاملہ تحقیق طلب رہا۔

اسی طرح تواتر کے بھی یہ معنی کہ اس قدر جماعتِ کثیر خاص اپنے معاینہ سے بیان کرے، نہ یہ کہ کہنے والے تو ہزاروں ہیں مگر جس سے پوچھیے سنا بیان کرتا ہے کہ اس صورت میں اگر اصل مخبر کا پتا نہیں تو وہی افواہ بازاری ہے ورنہ انتہائے خبر اس مخبر پر رہے گی اور ناقلین درمیان سے ساقط ہوجائیں گے صرف نظر اس اصل کے حال پر اقتصار کرے گی۔

یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کا ہے کہ اکثر اس قسم کی خبریں عوام یا کم علموں کے نزدیک متواترات سے ملتبس ہوجاتی ہیں حالانکہ عند التحقیق تواتر کی بو نہیں۔

الحاصل جب خبرِ معتبرِ شرعی سے ثابت ہوجائے کہ شراب اس ترکیب کا جز ہے تو برف کی حرمت ونجاست میں کلام نہیں اور علی العموم اس کے تمام افراد ممنوع ومحذور۔ اور یہ احتمال کہ شاید اس فرد خاص میں نہ پڑی ہو محض مہمل ومہجور کہ یہ ماھو محذور میں یقین نوعی کلی ہے اور ایسی جگہ یہ احتمالات یک لخت مضمحل وغیر کافی (دیکھو ضابطہ کلیہ کی تحریر اور ضابطہ (۸) کی صدر تقریر) یہاں تک کہ ایسی شے کا دوا میں بھی استعمال ناروا۔ مگر جب اس کے سوا

دوا نہ ہو اور یقین کامل ہو کہ اس سے قطعاً شفا ہوجائے گی جیسے بحالتِ اضطرار پیاسے کو شراب پینا یا بھوکے کو گوشتِ مردار کھانا شرع مطہر نے جائز فرمایا کہ اس سے پیاس اور اس سے بھوک کا جانا یقینی ہے نہ مجرد قول اطبا کہ ہرگز موجبِ یقین نہیں، بارہا اطباّ نسخے تجویز کرتے اور ان کے موافق آنے پر اعتماد کلی رکھتے ہیں پھر ہزار دفعہ کا تجربہ ہے کہ ہرگز ٹھیک نہیں اترتے بلکہ کبھی بجائے نفع مضرت کرتے ہیں اور قرابادین کی بالاخوانیاں کون نہیں جانتا یہاں تک کہ اکذب من قرابادین الاطباء (فلاں) اطبا کی قرابادین سے زیادہ جھوٹا ہے۔) مثل ہوگئی، علی الخصوص اس بارے میں ڈاکٹروں کا قول تو بدرجہ اولیٰ قابل قبول نہیں کہ نہ انہیں دین اسلام کے حلال وحرام کا غم واہتمام، نہ اس ملک والوں کی معرفتِ مزاج وطرقِ علاج وتدقیقِ علل وتحقیقِ علامات میں حذاقتِ کامل ومہارتِ تام۔

اور اگر ایسی خبر سے ثبوت نہیں تو غایت درجہ اس قدر کہ بحکم تورّع واجتنابِ شبہات احتراز کرے مگر تحریم وتنجیس کا حکم بے دلیل شرعی ہرگز روا۔

یہ تو اصل حکم فقہی ہے اور واقع پر نظر کیجیے تو اس خبر کی کچھ حقیقت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، نہ اس پانی میں جسے منجمد کرتے ہیں شراب ملانے کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے تو برف پر حکمِ جواز ہی ہے۔ ہاں انگریزی دواؤں میں جتنی دوائیں رقیق ہوتی ہیں جنہیں ٹنچر کہتے ہیں ان سب میں یقیناً شراب ہوتی ہے وہ سب حرام بھی ہیں اور ناپاک بھی، نہ ان کا کھانا حلال، نہ بدن پر لگانا جائز، نہ خریدنا حلال نہ بیچنا جائز۔

کما حققناہ فی فتاوٰنا: ان اسبارتو وھی روح النبیذ خمر قطعا بل من اخبث الخمور فھی حرام ورجس نجس نجاسۃ غلیظۃ کالبول.

(ترجمہ: ہم نے اپنے فتاویٰ میں یہ تحقیق کی ہے کہ اسپرٹ شراب ہے بلکہ یہ سب سے زیادہ خبیث شراب ہے تو یہ حرام بھی ہے اور پیشاب کی طرح نجاستِ غلیظہ بھی۔) (نظام)

مسلمان اسے خوب سمجھ لیں اور ڈاکٹری علاج میں ان ناپاکیوں نجاستوں سے بچیں خصوصاً سخت آفت اس وقت ہے کہ ان علاجوں میں قضا آجائے اور مسلمان اس حالت

میں مرے کہ معاذ اللہ اس کے پیٹ میں شراب ہو، والعیاذ باللہ رب العٰلمین۔ اسی طرح بے شک اس شکر کا ہڈیوں سے صاف کیا جانا ایسا یقینی امر ہے جس کے انکار کی گنجائش نہیں مگر:

اوّلاً غور واجب کہ اس تصفیہ میں ہڈیوں پر شکر کا صرف مرور وعبور ہوتا ہے بغیر اس کے کہ ان کے کچھ اجزا شکر میں رہ جاتے ہوں جس طرح پانی کو کوئلوں اور ہڈیوں سے متقاطِر کر کے صاف کرتے ہیں کہ برتن میں نتھرا پانی شفاف آجاتا ہے اور استخواں کا کوئی جز اس میں شریک نہیں ہونے پاتا جب تو اس شکر کی حلّت کو صرف ان ہڈیوں کی طہارت درکار ہے اگرچہ حلال وماکول نہ ہوں۔

(۲) ہڈیوں سے شکر کی صفائی اور ضابطۂ کلیہ پر تطبیق:

اور درصورت مرور ظاہر یہی ہے کہ منافذ کو تنگ کرتے اور بطور تقاطر رس کو عبور دیتے ہوں کہ ازالہ کثافت کی ظاہراً یہی صورت ہڈیوں پر صرف بہاؤ میں نکل جانا غالباً باعثِ تصفیہ نہ ہوگا تو اس تقدیر پر درصورتِ نجاستِ استخوان نجاستِ عصیر وحرمتِ شکر میں شک نہیں ورنہ (۳۴) بلا ریب طیب وحلال۔

روسر کی جس شکر کا حال تحقیقاً معلوم ہو کہ یہ بالخصوص کیوں کر بنی ہے اس کے تفاصیل احکام ہماری اس تقریر سے ظاہر اور استخواں کی طہارت، نجاست اور حلت وحرمت کا حکم پہلے معلوم ہو چکا (دیکھو ضابطہ: ۵۵)۔

ثانیاً: کیف ما کان ان خیالات پر مطلق شکر روسر کو نجس وحرام کہہ دینا صحیح نہیں بلکہ مقامِ اطلاق میں طہارت وحلّت ہی پر فتویٰ دیا جائے گا تاوقتیکہ کسی صورت کا خاص حال تحقیق نہ ہو کہ اس قدر سے تمام افراد کی نجاست وحرمت پر یقین نہیں صرف ظنون وخیالات ہیں جنہیں شرع اعتبار نہیں فرماتی (دیکھو ضابطہ: ۵۷)

مانا کہ بنانے والے بے احتیاط ہیں، مانا کہ انہیں نجس وطاہر وحرام وحلال کی پرواہ نہیں، مانا کہ ہڈیوں میں وہ بھی پائی جاتی ہیں جن کے اختلاط سے شے حرام یا نجس ہو جائے مگر نہ سب ہڈیاں ایسی ہی ہیں بلکہ حلال وطاہر بھی بکثرت۔ نہ بنانے والوں کو خواہی نخواہی

التزام کہ خاص ایسے ہی طریقہ سے صاف کریں جو موجب تحریم وتنجیس ہو، نہ کچھ ناپاک یا حرام ہڈیوں میں کوئی خصوصیت کہ انہیں تصفیہ میں زیادہ دخل ہو جس کے سبب وہ لوگ انھی کو اختیار کریں اور جب ایسا نہیں تو صرف اس قدر پر یقین حاصل ہوا کہ ہڈیوں سے صاف کرتے ہیں کیا ممکن نہیں کہ وہ ہڈیاں طاہر وحلال ہوں۔

دیکھو اگر آدمی کو جنگل میں ایک چھوٹا سا گڑھا پانی سے بھرا ملے اور اس کے کنارے پر اَقدامِ وحوش کا پتا چلے اور پانی بھی جانور کے پینے سے کنارہ پر گرا دیکھے بلکہ فرض کیجیے کہ جانور بھی جاتا ہوا نظر پڑے مگر بوجہ بعد یا ظلمتِ شب پہچان میں نہ آئے تو اس سے خواہی نخواہی یہ ٹھہرا لینا کہ کوئی درندہ یا خاص خنزیر ہی تھا اور پانی کو ناپاک جان کر اس سے احتراز کرنا ہرگز حکم شرع نہیں، بلکہ وسوسہ ہے۔ مانا کہ جنگل میں سباع وخنزیر بھی ہیں، مانا کہ وہ بھی انہیں پانیوں سے پیتے ہیں، مانا کہ یہ جانور جو جاتے دیکھا ممکن کہ سؤر ہو مگر کیا ممکن نہیں کہ کوئی ماکول اللحم جانور ہو۔

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ بے پرواہ ہیں پھر نفس شکر میں سوا ظنون کے کیا حاصل اس سے بدرجہا زیادہ ہیں وہ بے احتیاطیاں اور خیالات جو بعض مسائل سابقۃ الذکر میں متحقق (دیکھو ضابطہ: ۶۱) بلکہ جہاں بوجہ غلبہ وکثرت وفور وشدت بے احتیاطی غلبہ ظن غیر ملتحق بالیقین حاصل ہو وہاں بھی علما تنجیس وتحریم کا حکم نہیں دیتے صرف کراہت تنزیہی فرماتے ہیں (دیکھو ضابطہ: ۶۲) پھر ما نحن فیہ تو اس حالت کا وجود بھی محل نظر، کون کہہ سکتا ہے کہ اکثر ناپاک وحرام ہڈیاں ہی ڈالتے ہوں گے اور طیب وطاہر شاذ ونادر۔

یا اتنا یقین ہوا کہ وہ اپنی بے پرواہی کو وقوع میں لاتے اور ہر طرح کی ہڈیاں ڈالتے ہی ہیں پھر یہ تو نہیں کہ دائماً صرف وہی طریقہ برتتے ہیں جو نجس وحرام کر دے اور جب یوں بھی ہے اور یوں بھی تو ہر شکر میں احتمال محفوظی تو ہرگز حکم نجاست وحرمت نہیں دے سکتے۔ (دیکھو ضابطہ: ۶۳)

بلکہ جب تک کسی جگہ کوئی وجہ وجیہ رَیب وشبہہ کی نہ پائی جائے تحقیقات کی بھی حاجت نہیں، بلکہ جہاں تحقیق پر کوئی فتنہ یا ایذائے اہل ایمان یا ترکِ ادبِ بزرگان یا پردہ

دریِ مسلمان یا اور کوئی محذور سمجھے وہاں تو ہرگز ان خیالات وظنون کی پابندی نہ کرے۔ (دیکھو ضابطہ:٦٦)

ہاں بے شک جو شخص اپنی آنکھ سے دیکھ لے کہ خاص مردار یا حرام ہڈیاں لی گئیں اور اس کے سامنے شکر میں اس طور پر ملادی گئیں کہ اب جدا نہیں ہوسکتیں یا بچشم خود معائنہ کرے کہ بالخصوص ناپاک استخواں لائے گئے اور اس کے روبرو رس میں بے حالت جریان شامل ہوئے اور وہی رس منعقد ہوکر شکر بنا تو بالخصوص یہی شکر جو اس کے پیشِ نظر یوں بنی اس پر حرام جس کا نہ کھانا جائز نہ کھلانا جائز۔ نہ لینا جائز نہ دینا جائز۔ یوں ہی جس خاص شکر کی نسبت خبر معتبر شرعی سے جس کا بیان ضابطہ (٦٠) میں آئے گا ایسا برتاؤ درجہ ثبوت کو پہنچے اور معتمد بیان کرنے والا کہے میں پہچانتا ہوں یہ خاص وہی شکر ہے جس میں ایسا عمل کیا گیا تو اس کا استعمال بھی روا نہ رہے گا بغیر ان صورتوں کے ہرگز ممانعت نہیں۔

اور اگر اس نے خود دیکھا یا معتبر سے سنا مگر جب بازار میں شکر بکنے آئی مخلوط ہوگئی اور کچھ تمیز نہ رہی تو پھر حکمِ جواز ہے اور خریداری واستعمال میں مضائقہ نہیں جب تک کسی خاص شکر پر پھر دلیل شرعی قائم نہ ہو (دیکھو ضابطہ:٦٤)

یہ ہے حکمِ شرع۔ اور حکم نہیں مگر شرع کے لیے، **صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ وبارک وسلم.** آمین!......**خاتمہ رزقنا اللہ حسنہا آمین**

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے اس شکر کے بارے میں ہرصورت پر وہ واضح وبین کلام کیا کہ کسی پہلو پر حکمِ شرع مخفی نہ رہا اب اہلِ اسلام نظر کریں۔

● اگر یہاں ان صورتوں میں سے کوئی شکل موجود ہو جن پر ہم نے حکمِ حرمت ونجاست دیا تو وہی حکم ہے۔ ● ورنہ مجرد ظنون واوہام کی پابندی محض تشدّد دونا واقفی، نہ بے تحقیق کسی شے کو حرام وممنوع کہہ دینے میں کچھ احتیاط، بلکہ احتیاط اباحت ہی ماننے میں ہے جب تک دلیل خلاف واضح نہ ہو۔ (دیکھو ضابطہ:٥٨)

ہم یقین کرتے ہیں کہ ان خیالات وتصوّرات کا دروازہ کھولا جائے گا تو ہندیوں (ساکنانِ ہند) پر دائرہ نہایت تنگ ہوجائے گا ایک روسر کی شکر کیا ہزار ہا چیزیں چھوڑنی پڑیں گی:

● گھوسیوں کا گھی ● تیلیوں کا تیل ● حلوائیوں کا دودھ ● ہرقسم کی مٹھائی ● کافر عطاروں کا عرقِ شربت کیا بلا ہے اور ان کی طہارت پر بے تمسّک باصل کونسا بینۂ قاطعہ ملا ہے اس دائرہ کی توسیع میں امت پر تضییق اور ہزاروں مسلمانوں کی تاثیم وتفسیق ہے جسے شرع مطہر کہ کمال یسر وسماحت ہے ہرگز گوارا نہیں فرماتی صلی اللہ تعالیٰ علی صاحبہ وبارک وسلم۔

فی الحاشیة الشامیة: فیه حرج عظیم لانه یلزم منه تأثیم الأمّة (۳۵)اھ.

(درمختار کے حاشیہ شامی میں ہے کہ اس میں حرج عظیم ہے کیوں کہ اس میں امت کو گنہ گار بنانا لازم آتا ہے۔) (نظام)

فقیر غفرلہ اللہ تعالیٰ، نے آج تک اس شکر کی صورت دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد، مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا، نہ جو مسلمان استعمال کریں انہیں آثم خواہ بیباک جانتا ہے، نہ تو ورع واحتیاط کا نام بدنام کرکے عوام مومنین پر طعن کرے، نہ اپنے نفس ذلیل مُہین، رذیل کے لیے ان پر ترفّع وتعلّی روا رکھے۔

تنبیہ:

فقیر غفر اللہ تعالیٰ نے ان مقدمات میں جو مسائل ودلائل تقریر کیے جو انہیں اچھی طرح سمجھ لیا ہے اس قسم کے تمام جزئیات مثلاً بسکٹ، نان پاو، رنگت کی پڑیوں، یورپ کے آئے ہوئے دودھ، مکھن، صابون، مٹھائیوں وغیرہا کا حکم خود جان سکتا ہے۔ غرض ہر جگہ کیفیتِ خبر وحالتِ مخبر وحاصل واقعہ وطریقہ مداخلت حرام ونجس وتفرقہ ظن ویقین ومدارج ظنون وملاحظہ ضابطۂ کلیہ ومسالکِ ورع ومدارات خلق وغیرہا امور مذکورہ کی تنقیح ومراعات کرلیں پھر ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی جزئیہ ایسا نہ نکلے گا جس کا حکم تقاریر سابقہ سے واضح نہ ہوجائے۔

[**یقول العبد الضعیف:** آج کل دوسرے ممالک سے جو مختلف قسم کے مطعومات اور مشروبات مثل پزّہ، میگی، تھمسپ، کوکا کولا، وغیرہ آتے ہیں یا اپنے ہی ملک میں تیار ہوتے ہیں اور ان کے اجزا کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا انھیں ضوابط کلیہ سے

سب کے احکام واضح ہو جاتے ہیں۔] (۳۶)

ضابطہ (۵۴):

جس غیر اختیاری کے مبادی اس نے باختیار پیدا کیے اس میں معذور نہ ہوگا جیسے شراب کہ اس سے زوال عقل اس کا اختیاری نہیں مگر جبکہ اختیار سے پی تو زوال عقل اور اس پر جو کچھ مرتب ہو سب اسی کے اختیار سے ہوا۔ (۳۷)

یا جیسے نماز کا وقت آنے کے بعد سو گیا اور وقت گزرنے کے بعد آنکھ کھلی تو گنہ گار ہوگا کہ نیند سے بیدار ہونا اگرچہ اپنے اختیار میں نہیں، لیکن نیند و عدم بیداری کا سبب اس نے اپنے اختیار سے پیدا کیا۔ (نظام)

تیسرا باب- فقہا سے منقول ضابطے:

ضابطہ (۵۵):

ہڈیاں ہر جانور یہاں تک کہ غیر ماکول و نا مذبوح کی بھی مطلقاً پاک ہیں جب تک ان پر ناپاک دسومت (چکنائی) نہ ہو سوا خنزیر کے کہ نجس العین ہے اور اس کا ہر جزو بدن ایسا ناپاک ہے کہ اصلاً صلاحیتِ طہارت نہیں رکھتا۔

اور دسومت میں قیدِ ''ناپاکی'' اس غرض سے ہے کہ مثلاً جو جانور خونِ سائل نہیں رکھتے ان کی ہڈیاں بہر حال پاک ہیں اگرچہ دسومت آمیز ہوں کہ ان کی دسومت بوجہ عدمِ اختلاطِ دم خود پاک ہے تو اس کی آمیزش سے استخواں کیوں کر ناپاک ہو سکتے ہیں۔

فی تنویر الابصار والدرالمختار وردالمحتار: شعر المیتة غیر الخنزیر وعظمُها وعصبها وحافرها وقرنها الخالیة عن الدسومة (قید للجمیع کمافی القهستانی. فخرج الشعر المنتوف ومابعده اذاکان فیه دسومة) ودم سمک طاهر (۳۸) انتهت ملخصة. (۳۹)

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے ''خنزیر کے علاوہ ہر مردار کے بال، ہڈّی، پٹّھے، کُھر اور سینگ جو چکنائی سے خالی ہوں پاک ہیں۔ (''چکنائی سے خالی ہونے''

کی قید سب کے ساتھ ہے جیسا کہ قہستانی میں ہے تو اکھاڑے ہوئے بال اور ہڈّی وغیرہ میں اگر چکنائی ہو تو وہ اس حکم سے خارج و ناپاک ہیں) نیز مچھلی کا خون پاک ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۵۶):

مگر حلال و جائز الاکل صرف جانور ماکول اللحم، مذکّٰی یعنی مذبوح بذبحِ شرعی کی ہڈیاں ہیں حرام جانور اور ایسے ہی جو بے ذکاۃِ شرعی (۴۰) مر جائے، یا کاٹا جائے بجمیع اجزائه حرام ہے اگرچہ طاہر ہو کہ طہارت مستلزمِ حلت نہیں جیسے سنکھیا بقدر مضرت اور انسان کا دودھ بعدِ عمرِ رضاعت اور مچھلی کے سوا جانورانِ دریائی کا گوشت وغیر ذلک کہ سب پاک ہیں اور باوجود پاکی حرام۔

فی الحاشیة الشامیة: اذاکان جلد حیوان میت مأکول اللحم لایجوز اکله وهو الصحیح لقوله تعالیٰ: حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ [المائدة: 3/5] وهذا جزء منها. وقال (۴۱) علیه الصلاۃ والسلام: ''انما یحرم من المیتة اکلها'' امّا اذاکان جلد مالایؤکل فانه لایجوز اکلها اجماعا. بحر عن السراج (۴۲) اه ملخصا. (۴۳)

حاشیہ شامیہ میں ہے: جب کھال ایسے مردار جانور کی ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہے تو بھی اس کا کھانا جائز نہیں اور یہی صحیح ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: '' تم پر مردار حرام کیا گیا'' اور یہ اس کا جز ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مردار سے صرف اس کا کھانا حرام ہوتا ہے۔'' اور اگر کھال ایسے جانور کی ہو جس کا گوشت نہیں کھایا جاتا تو بالاجماع اس کا کھانا جائز نہیں۔ بحر الرائق بحوالہ سراج۔ (نظام)

وفیها: تحت قوله: ''والمسک طاهر حلال'' زاد قوله ''حلال'' لانه لایلزم من الطهارة الحل کما فی التراب'' منح (۴۴) اھ۔

نیز حاشیہ شامیہ میں ہے کہ درمختار میں مشک کو ''طاہر و حلال'' کہا کیوں کہ طاہر ہونے سے حلال ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ مٹی پاک ہے مگر حلال نہیں۔ منح۔ (نظام)

وفی الغنیة شرح المنیة عن القنیة: حیوان البحر طاهر و ان لم

يؤكل حتى خنزير البحر ولو كان ميتة (۴۵) اھ۔ (۴۶)

اور غنیّۃ شرح منیہ میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ دریائی جانور پاک ہیں اگر چہ انہیں کھایا نہ جاتا ہو۔ یہاں تک کہ دریائی خنزیر بھی، اگر چہ مردار ہو۔ (نظام)

ضابطہ (۵۷):

شریعتِ مطہرہ میں طہارت وحلّت اصل ہیں (۴۷) اور ان کا ثبوت خود حاصل کہ اپنے اثبات میں کسی دلیل کے محتاج نہیں اور حرمت ونجاست عارضی ہیں کہ ان کے ثبوت کو دلیل خاص درکار اور محض شکوک وظنون سے ان کا اثبات ناممکن کہ طہارت وحلت پر بوجہ اصالت جو یقین تھا اس کا زوال بھی اس کے مثل یقین ہی سے متصور، نرا ظنِ لاحق یقینِ سابق کے حکم کو رفع نہیں کرتا۔ یہ شرع شریف کا ضابطہ عظیمہ ہے جس پر ہزار ہا احکام متفرع (ہوتے ہیں۔ ن) یہاں تک کہ کہتے ہیں تین چوتھائی فقہ سے زائد اس پر مُبتنی (ہیں) اور فی الواقع جس نے اس قاعدہ کو سمجھ لیا وہ صدہا وساوسِ ہائلہ وفتنہ پردازیِ اوہامِ باطلہ ودست اندازیِ ظنونِ عاطلہ سے امان میں رہا۔

حدیث صحیح میں حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ايّاكم والظن فان الظن اكذب الحديث (۴۸) رواه الائمة مالك والبخاری ومسلم و ابوداؤد والترمذی عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه.

بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ اسے ائمہ حدیث امام مالک، بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ (نظام)

اور یہ نفیس ضابطہ نہ صرف اسی قسم کے مسائل میں، بلکہ ہزار ہا جگہ کام دیتا ہے جب کسی کو کسی شے پر منع وانکار کرتے اور اسے حرام یا مکروہ یا ناجائز کہتے سنو جان لو کہ بارِ ثبوت اس کے ذمّہ ہے جب تک دلیل واضح شرعی سے ثابت نہ کرے اس کا دعویٰ اسی پر مردود (ہوگا) اور جائز ومباح کہنے والا بالکل سبکدوش کہ اس کے لیے تمسک باصل موجود (ہے)، علما فرماتے ہیں یہ قاعدہ نصوص علیہ احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا افضل الصلاۃ والتحیۃ وتصریحات جلیہ حنفیہ وشافعیہ

وغیرہم عامہ علما وائمہ سے ثابت (ہے) یہاں تک کہ کسی عالم کا اس میں خلاف نظر نہیں آتا۔

فی الطريقة المحمدية وشرحها الحديقة الندية للعلامة عبدالغنی النابلسی قدس سره القدسی: الاصل فی الاشياء الطهارة لقوله سبحنه وتعالیٰ: » هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَ لَكُم مَّا فِی الۡأَرۡضِ جَمِيۡعًا « (۴۹) واليقين لايزول بالشّك والظن، بل يزول بيقينٍ مثله– وهذا اصل مقرر فی الشرع، منصوص عليه فی الاحاديث، مصرّح به فی كتب الفقهاء من الحنفية والشافعية وغيرهم . ولم ارفيه مخالفا من احد من العلماء اصلا. فاذا شكّ وظنّ فی طهارة ماء اوطعام اوغيرذلك مماليس بنجس العين فذلك الشیء طاهر فی حق الوضوء و حلّ الكل وسائر التصرفات وكذا اذاغلب الظنّ علی نجاسته. اه ملتقطا (۵۰)۔

علّامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی کی ''حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ'' میں ہے کہ اشیا کی اصل طہارت ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لیے پیدا فرمایا، اور یقین، شک وگمان سے زائل نہیں ہوتا بلکہ اپنے جیسے یقین سے زائل ہوتا ہے۔

یہ شریعت کا مسلّمہ قاعدہ ہے، نصوصِ احادیث اور حنفی وشافعی ودیگر فقہا کی کتابوں میں اس کی صراحت ہے، میں نے اس میں کسی عالم کا اختلاف نہ دیکھا، لہٰذا جب پانی، کھانے یا اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طہارت میں جو نجس العین نہیں ہے شک پیدا ہو تو یہ حکم ہوگا کہ یہ چیز پاک ہے اور اس سے وضو کرنا جائز ہے، اسے کھانا حلال اور اس میں دوسرے تصرفات مثلا کپڑے وچادر، وغیرہ کو پہننا، اوڑھنا وغیرہ مباح ہوگا۔ یوں ہی جب اس کی نجاست کا ظنِ غالب ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۵۸):

احتیاط اس میں نہیں کہ بے تحقیقِ بالغ وثبوتِ کامل کسی شے کو حرام ومکروہ کہہ کر شریعتِ مطہرہ پر افترا کیجیے بلکہ احتیاط اباحت ماننے میں ہے کہ وہی اصل متیقن اور بے

حاجت مبیّن خود مبیَّن -سیدی عبدالغنی بن سیدی اسمٰعیل قدّس سرہما الجلیل فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی الله تعالیٰ باثبات الحرمة اوالکراهة اللذین لابدلهما من دلیل، بل فی القول بالاباحة التی هی الاصل وقد توقف النبی صلی الله تعالی علیه وسلم مع انه هو المُشرّ ع فی تحریم الخمرِ امّ الخبائث حتی نزل علیه النص القطعی(۵۱) و آثره ابن عابدین فی الاشربة مقررا.(۵۲)

(احتیاط اس بات میں نہیں کہ حرمت یا کراہت جن کے لیے دلیل ناگزیر ہے کو ثابت کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا باندھا جائے بلکہ احتیاط اباحت کے قول میں ہے کیوں کہ اباحت اصل ہے، نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شارع ہونے کے باوجود، تمام خبائث کی جڑ شراب کو حرام قرار دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ آپ پر قرآن حکیم کی نص قطعی نازل ہوگئی۔اھ

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشروبات کے باب میں اسے برقرار رکھتے ہوئے اختیار فرمایا۔(نظام)

ضابطہ(۵۹):

بازاری افواہ قابل اعتبار اور احکام شرع کی مناط ومدار نہیں ہوسکتی بہت خبریں بے سروپا ایسی مشتہر ہوجاتی ہیں جن کی کچھ اصل نہیں، یا ہے تو بہ ہزار تفاوت- اکثر دیکھا ہے ایک خبر نے شہر میں شہرت پائی اور قائلوں سے تحقیق کیا تو یہی جواب ملا کہ سنا ہے- نہ کوئی اپنا دیکھا بیان کرے، نہ اس کی سند کا پتا چلے کہ اصل قائل کون تھا جس سے سن کر شدہ شدہ اس اشتہار کی نوبت آئی، یا ثابت ہوا تو یہ کہ فلاں کا فریا فاسق منتہائے اسناد تھا۔

پھر معلوم ومشاہد کہ جس قدر سلسلہ بڑھتا جاتا ہے خبر میں نئے نئے شگوفے نکلتے آتے ہیں زید سے ایک واقعہ سنیے کہ مجھ سے عمرو نے کہا تھا، عمرو سے پوچھیے تو وہ کچھ اور بیان کرے گا، بکر سے دریافت ہوا تو اور تفاوت نکلا۔

مسلم فی مقدمة الصحیح: عن عامر بن عبدة قال: قال عبدالله: ان الشیطان لیتمثَّل فی صورة الرجل فیأتی القومَ فیحدثهم بالحدیث من الکذب فیتفرقون فیقول الرجل منهم سمعت رجلا اعرف وجهه ولاادری مااسمه یحدث(۵۳)۔

امام مسلم نے مقدمہ صحیح مسلم میں حضرت عامر بن عبدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: شیطان آدمی کی شکل میں لوگوں کے پاس آکر ان سے جھوٹی بات بیان کرتا ہے پھر وہ منتشر ہوجاتے ہیں تو ان میں سے کوئی کہتا ہے میں نے ایک آدمی سے یہ بات سنی، میں اس کو چہرے سے پہچانتا ہوں لیکن اس کا نام نہیں جانتا۔

علما فرماتے ہیں افواہی خبر اگر چہ تمام شہر بیان کرے، سننے کے قابل نہیں، نہ کہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

الفاضل المصطفی الرحمتی فی صوم حاشیة الدر المختار: لامجردُ الشیوع من غیر علمٍ بمن اشاعه کماقد تَشِیع اخبار یتحدث بهاسائر اهل البلدة ولایُعلم من اشاعَها کماورد: " ان فی اٰخر الزمان یجلس الشیطٰن بین الجماعة فیتکلم بالکلمة، فیتحدثون بها ویقولون لاندری مَن قالها."

فمثل هذا لاینبغی ان یسمع، فضلا عن ان یثبت به حکم(۵۴) اه ملخصا.

درمختار کے حاشیہ ردالمحتار میں فاضل مصطفیٰ رحمتی علیہ الرحمہ کا یہ قول منقول ہے کہ محض خبر پھیلنا کہ شائع کرنے والے کا علم نہ ہو استفاضہ نہیں ہے، جیسے کچھ بے بنیاد خبریں لوگوں کی زبان پر عام ہوجاتی ہیں لیکن شائع کرنے والے کا علم نہیں ہوتا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آخری زمانے میں شیطان ایک جماعت کے درمیان بیٹھ کر کچھ باتیں کرے گا تو وہ اسے بیان کریں گے اور کہیں گے کہ ہم اس کے قائل کو نہیں جانتے، تو اس قسم کی بات کو سننا بھی مناسب نہیں، چہ جائیکہ اس سے کوئی حکم ثابت کیا جائے۔

ضابطہ(۶۰):

حلت،حرمت،طہارت،نجاست احکامِ دینیہ ہیں،ان میں کافر کی خبر محض نامعتبر۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَن يَجْعَلَ اللّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا(۵۵)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اللہ تعالیٰ ہرگز مسلمانوں پر کافروں کوراہ نہ دے گا۔

بلکہ مسلمان فاسق، بلکہ مستور الحال کی خبر بھی واجب القبول نہیں، چہ جائے کافر۔

قال اللہ تعالیٰ:»یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا«(۵۶)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اے ایمان والو!اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو اس کی تحقیق کرو۔

درمختار میں ہے:**شرط العدالة فی الدیانات کالخبر عن نجاسة الماء فیتیمم ولایتوضأ ان اخبربها مسلم عدل منزجرعما یعتقد حرمته ویتحرّیٰ فی خبر الفاسق والمستور اه ملخصا (۵۷)**۔دیانات وعبادات کے باب میں خبر کے معتبر ہونے کے لیے عدالت شرط ہے جیسے پانی کے ناپاک ہونے کے بارے میں اگر کوئی مسلمان عادل جوحرام امور سے باز رہنے والا ہو،خبر دے تو تیمّم کرے، وضونہ کرے۔اور فاسق ومستورالحال کی خبر کے بارے میں تحرّی کرے۔(نظام)

وفی العالمگیریة عن الکافی: لا یقبل قول المستور فی الدیانات فی ظاهر الروایات وهو الصحیح(۵۸)اھ۔اور عالمگیریہ میں کافی سے نقل کیا کہ ظاہر روایات کے مطابق دیانات میں مستور الحال کا قول قبول نہ کیا جائے یہی صحیح ہے۔(نظام)۔

ہاں فاسق ومستور میں اتنا ہے کہ ان کی خبر سن کر تحری واجب ہے، اگر دل پر ان کا صدق جمے تو لحاظ کرے جب تک دلیلِ اقویٰ معارض نہ ہو اور کافر میں اس کی بھی حاجت نہیں مثلاً:

☆ پانی رکھا ہو، کافر کہے ناپاک ہے تو مسلمان کو روا کہ اس سے وضو کرلے۔

☆ یا گوشت خریدا ہو، کافر کہے اس میں لحم خنزیر ملا ہے مسلمان کو اس کا کھانا حلال

اگر چہ اس کا صدق ہی غالب ہو اگر چہ اس کی یہ بات دل پر کچھ جمتی ہوئی ہو کہ جو خدا کو جھٹلاتا ہے اس سے بڑھ کر جھوٹا کون۔

☆ پھر ایسے کی بات محض واہیات، البتہ احتیاط کرے تو بہتر، وہ بھی وہاں جب کچھ حرج نہ ہو۔

وفی الهندیةعن التاتارخانیة: رجل اشتری لحما فلما قبضه فأخبره مسلم ثقة انه قدخالطه لحم الخنزیر لم یسعه ان یاکله(۵۹)اھ۔

اور فتاویٰ ہندیہ میں تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے کہ کسی شخص نے گوشت خرید کر اس پر قبضہ کرلیا،تب اسے کسی صالح مسلمان نے خبر دی کہ اس میں خنزیر کا گوشت ملا ہوا ہے تو اسے کھانا جائز نہیں۔(نظام)

قلت: ومفهوم المخالفة معتبر فی الکتب کماصرّح به الائمة والعلماء. وفی ردالمحتار عن الذخیرة:انّه فی الفاسق یجب التحری وفی الذمی یستحب(۶۰)اھ۔

میں کہتا ہوں کتب علما میں مفہوم مخالف معتبر ہے جیسا کہ ائمہ وعلما نے اس کی تصریح کی، ردالمحتار میں ذخیرہ سے منقول ہے کہ فاسق کی خبر میں تحرّی واجب ہے اور ذمی کے بارے میں مستحب ہے۔(نظام)

وفی شرح التنویر عن شرح النقایة والخلاصة والخانیة:امّا الکافر اذاغلب صدقه علی کذبه فاراقته أحبّ(۶۱)اھ

اور شرح تنویر میں شرح نقایہ، خلاصہ اور خانیہ سے ہے کہ کافر کے سچ بولنے کا گمان غالب ہو اور (وہ پانی کو ناپاک بتائے) تو اسے بہادینا زیادہ پسندیدہ ہے۔(نظام)

ضابطہ(۶۱):

کسی شے کا محل احتیاط سے دور، یا کسی قوم کا بے احتیاط وشعور اور پروائے نجاست وحرمت سے مہجور ہونا اسے مستلزم نہیں کہ وہ شے یا اس قوم کی استعمالی خواہ بنائی ہوئی چیزیں مطلقاً ناپاک، یا حرام وممنوع قرار پائیں کہ اس سے اگر یقین ہوا تو ان کی بے احتیاطی پر، اور بے

احتیاطی مقتضیِ وقوعِ دائم نہیں، پھر نفس شے میں سوا ظنون وخیالات کے کیا باقی رہا جنہیں اَمثالِ مقام میں شرع مطہر لحاظ سے ساقط فرما چکی **کماذکرنا فی المقدمۃ الثانیۃ.**

(۱) دیکھو کیا کم ہے ان کنوؤں کی بے احتیاطی جن سے کفار فجار، جہال گنوار، نادان بچّے، بے تمیز عورتیں سب طرح کے لوگ پانی بھرتے ہیں پھر شرع مطہر ان کی طہارت کا حکم دیتی اور شرب ووضو روا فرماتی ہے جب تک نجاست معلوم نہ ہو۔

اقول: وھذا امر مستمر من لدن الصدر الاول الی زماننا ھذا لایعیبہ عائب ولاینکرہ منکر فکان اجماعاً.

اقول: یہ بات صدر اول یعنی عہد صحابہ سے ہمارے زمانے تک جاری ہے کوئی اس پر عیب نہیں لگاتا اور نہ کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو اجماع ہوا۔ (نظام)

(۲) خیال کرو اس سے زیادہ ظنون وخیالات ہیں ان جوتوں کے بارے میں جنہیں گلی کوچوں ہر قسم کی جگہوں میں پہنے پھرے پھر علما فرماتے ہیں کہ جوتا کنویں سے نکلے اور اس پر کوئی نجاست ظاہر نہ ہو تو کنواں طاہر ہے، اگرچہ تطییباً للقلب دس، بیس ڈول تجویز کیے گئے۔

فی الطریقۃ والحدیقۃ عن التاتارخانیۃ: سئل الامام الخجندی عن رکیۃ وھی البئر وجدفیھاخف ای نعل تلبس ویمشی بھا صاحبھا فی الطرقات لایدری متی وقع فیھا ولیس علیہ اثر النجاسۃ، ھل یحکم بنجاسۃ الماء؟ قال: لا اھ ملخصا. (۶۲)

طریقہ محمدیہ اور حدیقہ ندیہ میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ امام خجندی سے ایک کنویں کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس میں جوتا پایا گیا جس کو پہن کر آدمی راہ چلتا ہے، یہ معلوم نہیں کہ جوتا اس میں کب گرا اور اس پر نجاست کا نشان بھی نہیں تو کیا پانی کے ناپاک ہونے کا حکم دیا جائے گا؟

انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: نہیں۔ (نظام)

بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے

اصحاب جو جوتے پہن کر راستوں پر چلتے انھیں کو پہنے ہوئے نماز بھی پڑھ لیتے تھے، چناں چہ امام احمد بن حنبل (۶۳) امام بخاری (۶۴) امام مسلم (۶۵) امام ترمذی (۶۶) وامام نسائی (۶۷) نے اس مضمون کی احادیث تخریج کی ہیں۔

(۳) غور کرو کیا کچھ گمان ہیں بچّوں کے جسم وجامہ میں کہ وہ احتیاط کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، پھر فقہا حکم دیتے ہیں کہ جس پانی میں بچّہ ہاتھ یا پاؤں ڈال دے پاک ہے جب تک نجاست کی تحقیق نہ ہو۔

فی المتن والشرح المذکورین: کذلک حکم الماء الذی ادخل الصبی یدہ فیہ لان الصبیان لایتوقون النجاسۃ لکن لایحکم بھابالشک والظن حتی لوظھرت عین النجاسۃ اواثرھا حکم بالنجاسۃ(۶۸) اھ ملخصا.

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں ہے:

یہی حکم اس پانی کا ہے جس میں بچّے نے ہاتھ ڈال دیا کیوں کہ بچّے نجاست سے بچا نہیں کرتے لیکن شک اور گمان کی بنیاد پر پانی کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا، ہاں اگر عینِ نجاست یا اس کا اثر ظاہر ہو جائے تو نجاست کا حکم دیا جائے گا۔ (نظام)

(۴) لحاظ کرو کس درجہ مجال وسیع ہے روغن کتان میں جس سے صابن بنتا ہے اس کی کلسیاں کھلی رکھی رہتی ہیں اور چوہا اس کی بو پر دوڑتا اور جیسے بن پڑے پیتا اور اکثر اس میں گر بھی جاتا ہے پھر ائمہ ارشاد فرماتے ہیں ہم اس بنا پر روغن کو ناپاک نہیں کہہ سکتے کہ یہ فقط ظن ہیں کیا معلوم کہ خواہی نخواہی ایسا ہوا ہی۔

فیھما عن التاتارخانیۃ عن المحیط البرھانی: قدوقع عند بعض الناس ان الصابون نجس لانہ یتخذ من دھن الکتان ودھنُ الکتان نجس لان اوعیتہ تکون مفتوحۃ الرأس عادۃ والفارۃُ تقصد شربھا وتقع فیھا غالبا ولکنا معشر الحنفیۃ لانفتی بنجاسۃ الصابون لانالانفتی بنجاسۃ الدھن لان وقوع الفارۃ مظنون ولانجاسۃ بالظن(۶۹) اھ ملخصا.

طریقہ محمدیہ وحدیقہ ندیہ میں تاتارخانیہ ومحیط برہانی کے حوالے سے ہے کہ بعض

لوگوں کے نزدیک صابن ناپاک ہے کیوں کہ وہ کتان کے تیل سے بنایا جاتا ہے اور کتان کا تیل ناپاک ہے کیوں کہ اس کے برتن عام طور پر کھلے ہوتے ہیں اور چوہے اس کو پینے کے قصد سے جاتے اور اکثر اس میں گر پڑتے ہیں لیکن ہم گروہِ احناف صابن کے ناپاک ہونے کا فتویٰ نہیں دیتے کیوں کہ تیل کی نجاست پر ہمارا فتویٰ نہیں ہے اس لیے کہ چوہے کا گرنا محض ایک گمان ہے اور گمان سے نجاست ثابت نہیں ہوتی۔ (نظام)

(۵) نظر کرو کتنی ردی حالت ہے ان کھانوں اور مٹھائیوں کی جو کفار وہنود بناتے ہیں کیا ہمیں ان کی سخت بے احتیاطیوں پر یقین نہیں، کیا ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کی کوئی چیز گوبر وغیرہ نجاسات سے خالی نہیں، کیا ہمیں نہیں معلوم کہ ان کے نزدیک گائے بھینس کا گوبر اور بچھیا کا پیشاب نظیف طاہر، بلکہ طھور ومطہر، بلکہ نہایت مبارک ومقدس ہے کہ جب طہارت ونظافت میں اہتمام تمام منظور رکھتے ہیں تو ان سے زائد یہ فضیلت کسی شے سے حاصل نہیں جانتے پھر علما ان چیزوں کا کھانا جائز رکھتے ہیں۔

فی ردالمحتار عن التاتارخانية : طاهر ما يتخذه اهل الشرک او الجَهَلة من المسلمين كالسمن والخبز والاطعمة والثياب(۷۰) اه ملخصا.

ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے منقول ہے کہ جو چیز مشرکین اور جاہل مسلمان بناتے ہیں مثلاً گھی، روٹی، کھانے اور کپڑے وغیرہ وہ سب پاک ہیں۔ (نظام)

بلکہ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بکمال رافت ورحمت وتواضع ولینت وتالیف واستمالت کفار کی دعوت قبول فرمائی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الامام احمد عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان يهوديا دعا النبی صلی الله تعالیٰ عليه وآله وسلم الی خبز شعير واهالة سَنخة فأجابه (۷۱).

امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جَو کی روٹی اور پرانے تیل کی دعوت دی آپ نے قبول فرمائی۔

(۶) نگاہ کرو مشرکوں کے برتن کون نہیں جانتا جیسے ہوتے ہیں وہ انھی ظروف میں شرابیں پئیں، سور چکھیں، جھٹکے کے ناپاک گوشت کھائیں، پھر شرع فرماتی ہے

جب تک علم نجاست نہ ہو حکم طہارت ہے۔

فی الحديقة: اوعيةُ المشرکين كاليهود والنصارى والمجوس فانّها لا تخلو عن نجاسة لكن لايحكم بها بالاحتمال والشک(۷۲) اه ملخصا.

حدیقہ میں ہے کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے برتن اکثر پاک نہیں ہوتے لیکن محض احتمال اور شک کی بنا پر اس کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (نظام)

یہاں تک کہ خود صحابہ کرام حضور سید العٰلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے غنیمت کے برتن بے تکلف استعمال کرتے اور حضور منع نہ فرماتے۔

احمدُ فی المسند و ابوداود فی السنن عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه، قال: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فنصيب من آنية المشركين واسقيتهم ونستمتع بهافلا يعيب ذلک عليهم(۷۳).

امام احمد نے مسند میں اور امام ابوداؤد نے سنن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جاتے تو ہمیں مشرکین کے برتن اور مشکیزے ملتے اور ان سے ہم فائدہ حاصل کرتے اور اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسے ہمارے لیے معیوب نہ جانتے۔ (نظام)

قال المحقق النابلسی: ای ننتفع بالأنية والاسقية من غير غَسلها فلايعيب علينا فضلا عن هو دليل الطهارة وجوازِ الاستعمال(۷۴) اه ملخصا.

محقق نابلسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ہم ان برتنوں اور مشکیزوں کو بغیر دھوئے استعمال کرتے تو آپ ہمارے لیے معیوب نہ سمجھتے، روکنا تو الگ بات ہے۔ یہ طہارت اور جوازِ استعمال کی دلیل ہے۔ (نظام)

اقول: بل قدصحّ عن النّبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم التوضؤ من مَزادة مشركةٍ–وعن امير المؤمنين عمر رضی الله تعالیٰ عنه من جرّةِ نصرانيةٍ مع علمه بأن النصارى لايتوقون الانجاس بل لانجس عندهم الادم الحيض كما فى مدخل الامام ابن الحاج.

الشیخان فی حدیث طویل عن عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ توضَّؤا من مزادۃِ امرأۃٍ مشرکۃ.

میں کہتا ہوں: بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ نے مشرکہ عورت کے بڑے مشک سے وضو فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی عورت کے گھڑے سے وضو کیا حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ عیسائی نجاست سے نہیں بچتے بلکہ ان کے نزدیک خونِ حیض کے علاوہ کوئی چیز ناپاک نہیں، جیسا کہ امام ابن الحاج کی مدخل میں ہے۔ امام بخاری ومسلم نے ایک طویل حدیث میں حضرت عمران بن حصین سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے ایک مشرکہ عورت کے بڑے مشک سے وضو کیا۔ (نظام)

(۷) تامل کرو کس قدر معدنِ بے احتیاطی، بلکہ مخزنِ ہر گونہ گندگی ہیں، کفار، خصوصاً ان کے شراب نوش کے کپڑے، علی الخصوص پاجامے کہ وہ ہر گز استنجے کا لحاظ رکھیں، نہ شراب، پیشاب وغیرہا نجاسات سے احتراز کریں پھر علما حکم دیتے ہیں کہ وہ پاک ہیں اور مسلمان بے دھوئے پہن کر نماز پڑھ لے تو صحیح وجائز جب تک تلوّث واضح نہ ہو۔

فی الدرالمختار: ثیاب الفَسَقَۃ واھل الذمۃ طاھرۃ(۷۵)- وفی الحدیقۃ: سراویل الکَفَرَۃ من الیھود والنصاری والمجوس یغلب علی الظن نجاستہ لانھم لایستنجون من غیر ان یأخذ القلب بذلک فتصح الصلاۃ فیہ لان الاصل الیقین بالطھارۃ(۷۶) اہ ملخصا.

درمختار میں ہے: فاسقوں اور ذمی غیر مسلموں کے کپڑے پاک ہیں اور حدیقہ ندیہ میں ہے کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے پاجامے کے ناپاک ہونے کا گمان غالب ہے کیوں کہ وہ استنجا نہیں کرتے لیکن جب اس پر یقین نہیں تو وہ پاجامے پہن کر نماز صحیح ہے کیوں کہ اصل طہارت کا یقین ہے۔ (نظام)

بلکہ عہدِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے آج تک مسلمین میں متوارث کہ لباسِ غنیمت میں نماز پڑھتے ہیں اور ظنون ووَساوس کو دخل نہیں دیتے۔

فی الحلیۃ: التوارث جار فیما بین المسلمین فی الصّلٰوۃ بالثیاب المغنومۃ من الکَفَرَۃ قبل الغَسل.(۷۷) اہ

حلیہ میں ہے کہ مسلمانوں میں یہ تعامل سلف وخلف سے چلا آرہا ہے کہ غیر مسلموں سے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے کپڑوں کو دھونے سے پہلے ان میں نماز پڑھتے ہیں۔ (نظام)

یہ سات نظیریں ہیں اور ان سب کی وجہ وہی ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے کہ طہارت وحلّت اصل ومتیقّن۔ اور ازالہ یقین کو یقین ہی متعین۔

ولہٰذا عادتِ علمائے دین یوں ہے کہ حکمِ طہارت کے لیے ادنیٰ احتمال کافی سمجھتے ہیں اور اس کا عکس ہر گز معہود نہیں کہ محض خیالات پر حکمِ نجاست لگادیں۔ دیکھو گائے بکری اور ان کی اَمثال اگر کنویں میں گر کر زندہ نکل آئیں قطعاً حکمِ طہارت ہے حالانکہ کون کہہ سکتا ہے کہ ان کی رانیں پیشاب کی چھینٹوں سے پاک ہوتی ہیں مگر علما فرماتے ہیں کہ محتمل ہے کہ اس سے پہلے کسی آبِ کثیر میں اتری ہوں اور ان کا جسم دھل کر صاف ہو گیا ہو۔

ضابطہ (۶۲):

شدّتِ بے احتیاطی جس کے باعث اکثر احوال میں نجاست وآلودگی کا غلبۂ وقوع وکثرتِ شیوع ہو بیشک باعثِ غلبۂ ظن ہے اور ظنِ غالب شرعاً معتبر اور فقہ میں مبنائے احکام ہے۔ مگر اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانبِ راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق واعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کر دے اور محض ناقابلِ التفات سمجھے گویا اُس کا عدم ووجود یکساں ہو۔

ایسا ظنِ غالب فقہ میں ملحق بیقین ہے کہ ہر جگہ کار یقیں دے گا اور اپنے خلاف، یقینِ سابق کا پورا مزاحم ورافع ہوگا اور غالباً اصطلاحِ علما میں غالبِ ظن واکبر رای اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔

فی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر: الشکُّ لغۃً:

مطلق التردد ، وفی اصطلاح الاصول : استواء طرفَیِ الشیء وهو الوقوف بین الشیئین بحیث لایمیل القلب الی احدهما. فان ترجّح احدهما ولم یطرح الآخر فهو ظن. فان طرحه فهو غالب الظن وهو بمنزلة الیقین وان لم یترجّح فهو وهم.(۷۸)

غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر میں ہے:

☆ شک،لغت میں مطلق ''تردّد'' کو کہتے ہیں اور اصولِ فقہ کی اصطلاح میں کسی چیز کے اثبات یا نفی دونوں طرفوں کا برابر ہونا۔اور ''برابر ہونے'' سے مراد ہے دو چیزوں کے درمیان یوں پس وپیش میں پڑ جانا کہ دل،ان میں سے کسی کی طرف بھی نہ جھکے۔

☆ لیکن اگر ان میں سے ایک کی طرف دل جھک جائے اور وہ راجح ہو جائے مگر دوسری کو بھی نہ چھوڑے تو وہ ظن ہے۔

☆ اور اگر دوسری کو چھوڑ دے تو یہ ظنِ غالب ہے جو یقین کے درجہ میں ہے۔

☆ اور اگر کسی جانب ترجیح نہ ملے تو وہم ہے۔(نظام)

دُوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک نہ جمے اور جانب مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے، بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے اگر چہ بضعف وقلّت۔

یہ صورت نہ یقین کا کام دے، نہ یقینِ خلاف کا معارضہ کرے بلکہ ''مرتبۂ شک وتردّد'' ہی میں سمجھی جاتی ہے،کلماتِ علما میں کبھی اسے بھی ظنِ غالب کہتے ہیں اگر چہ حقیقۃً یہ مجرد ظن ہے، نہ غلبۂ ظن۔

فی الحدیقة الندیة: غالب الظن اذا لم یاخذ به القلب فهو بمنزلة الشک. والیقین لایزول بالشک(۷۹) اھ

حدیقہ ندیہ میں ہے کہ جب ظن غالب پر دل نہ جمے تو وہ شک کے درجے میں ہوتا ہے۔اور یقین،شک کی وجہ سے زائل نہیں ہوتا۔(نظام)

ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر وافضل جانتے ہیں نہ کہ اُس پر عمل واجب ہوجائے۔ دیکھو کافروں کے پاجامے، مشرکوں کے برتن، اُن کے پکائے

کھانے بچّوں کے ہاتھ پاؤں وغیرذٰلک وہ مقامات جہاں اس قدر غلبہ وکثرت ووفور وشدّت سے نجاست کا جوش کہ اکثر اوقات وغالبِ احوال تلوث وتنجس ہے،جس کے سبب اگر طہارت کی طرف ایک بار ذہن جاتا ہے تو نجاست کی جانب دس،بیس دفعہ (جاتا ہے) مگر از آنجا کہ ہنوز ان میں کسی چیز کو بے دیکھے تحقیق طور پر ناپاک نہیں کہہ سکتے اور قلب قبول کرتا ہے کہ شاید پاک ہوں لہذا علمانے تصریح کی کہ اس پانی سے وضو اور اُس کھانے کا تناول اور اُن برتنوں کا استعمال اور ان کپڑوں میں نماز صحیح وجائز ہے۔اور فاعل زنہار آثم ومستحق عقاب نہیں۔اور اُس غلبۂ ظن کا یہی جواب عطا فرمایا کہ اکثر احوال یوں سہی، پر تحقیق وتیقن تو نہیں پھر اصل طہارت کا حکم کیونکر مرتفع ہو،البتہ باعتبار غلبہ وظہور،احتراز افضل وبہتر اور فعل، مکروہ تنزیہی یعنی مناسب نہیں کہ بےضرورت ارتکاب کرے اور کیا تو کچھ حرج بھی نہیں۔

فی الطریقة المحمدیة وشرحها: لکن هنا ۔ ای فی حالِ غلبة الظن من غیر ان یأخذ به القلب ۔ لیُستحب الاحتراز عنه ویُکره تنزیها استعماله کسراویل الکفرة وسؤر الدجاجة المخلاة والماء الذی ادخل الصبی یده فیه واوانی المشرکین .

وقال فی الذخیرة:یکره الأکل والشرب فی اوانی المشرکین قبل الغَسل لأن الغالب الظاهر من حال أوانیهم النجاسة فانهم یستحلون شرب الخمر و أکل المیتة ولحم الخنزیر ویشربون ذلک ویأکلون فی قصاعهم و أوانیهم فیکره للمسلمین الأکل والشرب فیها قبل الغسل ثلاث مرات. اه ملخصًا(۸۰)

طریقہ محمدیہ اوراس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:غلبۂ ظن ہو اور دل اس پر نہ جمے تو قابل اجتناب چیز سے احتراز مستحب ہے اور اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے جیسے کفار کے پاجامے، آزاد گھومنے پھرنے والی مرغی کا جوٹھا، وہ پانی جس میں بچّے نے ہاتھ ڈال دیا اور مشرکین کے برتن۔

ذخیرہ میں فرمایا:''مشرکین کے برتنوں میں دھونے سے پہلے کھانا پینا مکروہ ہے

کیوں کہ ان کے برتن غالباً نجس ہوتے ہیں ان کا ظاہر حال یہی ہے کیوں کہ وہ شراب پینے اور مردار وخنزیر کا گوشت کھانے کو حلال جانتے، اسے کھاتے پیتے اور اپنے پیالوں اور دوسرے برتنوں میں استعمال کرتے ہیں لہٰذا ان کو تین بار دھونے سے پہلے مسلمانوں کو ان کا استعمال مکروہ ہے۔ (نظام)

ضابطہ (۶۳):

کسی شے کی نوع وصنف میں بوجہِ ملاقاتِ نجس یا اختلاطِ حرام، نجاست وحرمت کا تیقن اس کے ہر فرد سے منع واحتراز کا موجب اسی وقت ہوسکتا ہے جب معلوم ومحقق ہو کہ یہ ملاقات واختلاط بروجہِ عموم وشمول ہے۔

مثلاً جس شے کی نسبت ثابت ہو کہ اس میں شراب یا شحم خنزیر پڑتی ہے اور بنانے والوں کو اس کا التزام ہے تو اس کا استعمال کلیۃً ناجائز وحرام ہے اور وہاں اس احتمال کو گنجائش نہ دیں گے کہ ہم نے یہ فرد خاص مثلاً خود بنتے ہوئے نہ دیکھی، نہ خاص اس کی نسبت معتبر خبر پائی ممکن کہ اس میں نہ ڈالی گئی ہو کہ جب علی العموم التزام معلوم ہے تو یہ احتمال اسی قبیل سے ہے جسے قلب قابلِ قبول والتفات نہیں جانتا اور بالکل متضائل ومضمحل مانتا ہے اور ہم پہلے کہہ چکے کہ ایسا احتمال کچھ کارآمد نہیں، نہ وہ ظنِ غالب کو مساواتِ یقین سے نازل کرے۔ تو اصل طہارت کا یقین اس غلبۂ ظن سے ذاہب وزائل ہوگیا۔

مگر یہ کہ اس فرد خاص کی محفوظی کسی ایسے ہی یقین سے واضح ہوجائے تو البتہ اس کے جواز کا حکم دیا جائے گا ولہذا علمانے فرمایا: ''دیبائے فارسی ناپاک اور اس سے نماز محض ناجائز کہ وہ اس کی چمک بھڑک زیادہ کرنے کو پیشاب کا خلط کرتے ہیں اور پھر دھوتے یوں نہیں کہ رنگ کٹ جائے گا۔''

في الدر المختار: ديباج أهل فارس نجس لجَعلِهم فيه البولَ لبريقه (۸۱) اھ ترجمہ: درمختار میں ہے کہ اہل فارس کا دیباج (ریشمی کپڑا) ناپاک ہے کیوں کہ وہ اس میں چمک پیدا کرنے کے لیے پیشاب استعمال کرتے ہیں۔ (نظام)

وفي الحلية عن البدائع: قالوا في الديباج الذي ينسجه أهل فارس: أنّه لا تجوز الصلاة فيه؛ لأنهم يستعملون فيه البول عند النسج ويزعمون أنه يزيد في تزيينه ثم لايغسلونه، فان الغَسل يفسده (۸۲)

ترجمہ: اور حلیہ میں بدائع سے منقول ہے انہوں نے کہا اہل فارس جو دیباج بُنتے ہیں اس میں نماز جائز نہیں کیوں کہ وہ بنتے وقت اس میں پیشاب استعمال کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس سے اس کی زینت میں اضافہ ہوتا ہے پھر وہ اسے دھوتے نہیں کیوں کہ دھونے سے وہ خراب ہوجاتا ہے۔ (نظام)

اور اگر ایسا نہیں، بلکہ صرف اتنا محقق ہو کہ ایسا بھی ہوتا ہے نہ کہ خاص ناپاک وحرام میں کوئی خصوصیت ہے جس کے باعث قصداً اس کا التزام کرتے ہیں تو اس بناپر ہرگز ہرگز حکمِ تحریم وتنجیس علی الاطلاق روا نہیں اور یہاں وہ احتمالات قطعاً مسموع ہوں گے کہ جب عموم نہیں تو جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں ممکن کہ افرادِ محفوظہ سے ہو اور اصل متیقن طہارت وحلّت، تو شکوک وظنون ناقابلِ عبرت۔

دیکھو کیا ہم کو مطعوم وملبوس وظروفِ کفار کی نسبت یقینِ کامل نہیں کہ بے شبہہ اس میں ناپاک بھی ہیں، پھر اس یقین نے کیا کام دیا اور ان اشیا کا استعمال مطلق حرام کیوں نہ ہوا۔ وجہ وہی ہے کہ ان کے طعام ولباس وظروف پر عمومِ نجاست معلوم نہیں اور جب ان میں طاہر بھی ہیں اگرچہ کم ہوں تو کیا معلوم کہ جس فرد کا ہم استعمال چاہتے ہیں ان میں سے نہیں۔

مجمع الفتاویٰ وغیرہ میں تصریح کی کہ ''ہمارے ملک میں جو کھالیں پکائی جاتی ہیں نہ ان کے گلوں سے خون دھوئیں، نہ پکانے میں نجاستوں سے بچیں، پھر ویسے ہی ناپاک زمینوں پر ڈال دیتے ہیں اور بعد کو دھوتے بھی نہیں (دیکھو نوع کی نسبت کس درجہ وضاحت وصراحت کے ساتھ وقوع نجاست بیان فرمایا) بایں ہمہ حکم ناطق دیا کہ وہ بے دغدغہ پاک ہیں ان کے خشک وتر سے موزے بناؤ، کتابوں کی جلدیں بناؤ، پانی پینے کو مشک، ڈول بناؤ کچھ مضائقہ نہیں۔''

في الطريقة عنه: وفيها في الغنى وغيرها عن القنية: الجلود التى تدبغ في بلادنا ولايغسل مذبحها ولا تتوقّى النجاسات فى حال دبغها ويلقون

علی الأرض النجسة، ولایغسلونها بعد تمام الدبغ فهی طاهرة، یجوز اتخاذ الخفاف منها و اتّخاذ غلاف الکتب والقراب والدلاء رطبا ویابسا(۸۳)

طریقۂ محمدیہ میں مجمع الفتاویٰ سے نیز اسی میں غنیّۃ سے اور غنیّۃ میں قنیہ وغیرہ سے نقل کیا کہ ہمارے ملک میں جو کھالیں پکائی جاتی ہیں (آخر تک اوپر کی خط کشیدہ عبارات اس کا ترجمہ ہیں۔نظام)۔

ایسی صورت میں ائمہ نے یہی حکم عطا فرمایا کہ ہر فرد خاص کو ملاحظہ کریں گے اور نوع کی نسبت جو اجمالی یقین ہے اسے تمام افراد میں مساوی نہ مانیں گے مثلاً:

کفار، خصوصاً اہلِ حرب کو ہم یقیناً جانتے ہیں کہ انہیں پروائے نجاسات نہیں اور بیشک وہ جیسی چیز پاتے ہیں استعمال میں لاتے ہیں۔

''پھر وہ پوستین کہ دارالحرب سے پک کر آئے علما فرماتے ہیں اسے دیکھنا چاہیے کہ •اس کا پکنا نجس چیز سے تحقیق ہو تو بے دھوئے نماز ناجائز •اور طاہر سے ثابت ہو تو قطعاً جائز •اور شک رہے تو دھونا افضل، نہ کہ استعمال گناہ وممنوع ٹھہرے۔''

فی الدرالمختار: مایخرج من دارالحرب کسنجاب ان علم دبغه بطاهر فطاهر اوبنجس فنجس وان شک فغ.سله افضل اه ومثله في المنية وغيرها(۸۴)

(۲) یونہی خود منقح مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بچّہ جب پانی میں اپنا ہاتھ یا پاؤں ڈال دے تو خاص اس بچّہ کے ہاتھ پاؤں دیکھیں •اگر ڈالتے وقت نجاست ثابت ہو تو ناپاک •اور پاکی ظاہر ہو تو طاہر •اور کچھ نہ کھلے تو صرف مستحب ہے کہ اور پانی استعمال کریں اور اگر اسی سے وضو کر لے نماز پڑھ لے تاہم بے شبہہ جائز۔(۸۵)

خاص ضابطہ کی تصریح لیجئے سیدنا امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **بـه نـأخذ مـالم نعرف شيأ حراما بعينه. وهو قول ابی حنيفة وأصحابه(۸۶) اه . نقله الامام الاجل ظهير الدين في فتاواه وغيره في غيرها.**

ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں جب تک ہمیں عین کسی چیز کے حرام ہونے کا علم نہ ہو جائے۔یہی قول امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔امام اجل ظہیر الدین نے اپنے فتاویٰ میں اور دوسرے فقہا نے اپنی اپنی کتابوں میں سے نقل کیا ہے۔(نظام)

بالجملہ ایسی صورت میں حکم کلی یہی ہے کہ نوع کی نسبت غیر کلی یقین، منع کلی کا موجب نہیں، بلکہ خصوص افراد کا لحاظ کریں گے۔

ضابطہ(۶۴):

جب بازار میں حلال وحرام مطلقاً، یا کسی جنسِ خاص میں مختلط ہوں اور کوئی مُمیِّز وعلامتِ فارقہ نہ ملے تو شریعت مطہرہ خریداری سے اجتناب کا حکم نہیں دیتی کہ آخر ان میں حلال بھی ہے تو ہر شے میں احتمالِ حلت قائم ہے اور رخصت واباحت کو اسی قدر کافی۔

یہ دعویٰ بھی ہماری تقریرات سابقہ سے واضح ہے اور خود مَلاذِ مذہب ابوعبداللہ شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مبسوط میں- کہ کتب ظاہر الروایۃ سے ہے- اس پر نص فرمایا۔

في الأشباه عن الأصل: اذااختلط الحلال بالحرام في البلد،فانّه يجوز الشراء و الأخذ الّا أن تقوم دلالة على أنه من الحرام(۸۷) اه.

اشباہ میں کتاب الاصل (مبسوط) سے ہے کہ جب شہر میں حلال وحرام مخلوط ہو جائیں تو بھی سامان کا خریدنا اور لینا جائز ہے مگر یہ کہ اس کے حرام ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو جائے۔(نظام)

وفی الحموية: كون الغالب في السّوق الحرامَ لايستلزم كونَ المشتریٰ حراما لجواز كونه من الحلال المغلوب والأصل الحل(۸۸) اه.

اور حمویہ (غمز العیون) میں ہے کہ بازار میں مالِ حرام زیادہ ہو اور مال حلال کم، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خریدی ہوئی چیز حرام ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ مالِ حلال سے ہو جو بازار میں کم پایا جاتا ہے اور اشیا میں اصل حلت ہے۔(نظام)

ضابطہ(۶۵):

یہ احتمال حل پر عمل کا قاعدہ نظر بہ فروع فقہیہ اس صورت سے مخصوص ہے کہ وہ

سب اشیا جن میں وجود حرام کا تیقن اوران میں سے ہرفرد کے تناول میں تناول حرام کا احتمال ہے اس تناول کرنے والے کی ملک میں نہ ہوں ورنہ ان میں سے کسی کا استعمال جائز نہ ہوگا۔مگر تین صورتوں سے:

ایک یہ کہ وجہ حرمت جب صالحِ ازالہ ہوتو ان میں کسی سے اسے زائل کردیا جائے کہ اب بقائے مانع میں شک ہوگیا اور یقینِ مجہول المحل ۔جس کا محل خاص بالتعیین معلوم نہ ہو۔ ایسے شک سے زائل ہوجاتا ہے مثلاً چادر کا ایک گوشہ یقیناً ناپاک تھا اور تعین یاد نہ رہے۔کوئی سا کونا دھولے پاکی کا حکم دیں گے۔

ضابطہ(۶۶):

حضرت حق جل وعلا نے ہمیں یہ تکلیف نہ دی کہ ایسی ہی چیز کو استعمال کریں جو واقع میں طاہر وحلال ہو کہ اس کا علم ہمارے حیطۂ قدرت سے ورا۔

قال اللہ تعالیٰ:»**لا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا**«(۸۹)ارشادِ باری تعالیٰ ہے:''اللہ تعالیٰ کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

نہ یہ تکلیف فرمائی کہ صرف وہی شے برتیں جسے ہم اپنے علم ویقین کی رو سے طیب وطاہر جانتے ہیں کہ اس میں بھی حرج عظیم ہے اور حرج مدفوع بالنص۔

قال تعالیٰ:»**وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِیْ الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ** «(۹۰)وقال تعالیٰ:**یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلاَ یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ** (۹۱)۔(اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی'') نیز فرمایا:(''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے،تنگی نہیں چاہتا۔'')

یہ دین بحمد اللہ آسانی وسماحت کے ساتھ آیا جو اسے اس کے طور پر لے گا اس کے لیے ہمیشہ رفق ونرمی ہے اور جو تعمق وتشدد کو راہ دے گا یہ دین اس کے لیے سخت ہوتا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہی تھک رہے گا اور اپنی سخت گیری کی آپ ندامت اٹھائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان الدین یسر ولن یشادّ الدین أحد الّاغلبه فسدّدوا وقاربوا

وابشروا.(۹۲)

الحدیث اخرجه البخاری والنسائی عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه وصدره عند البهیقي في شعب الایمان بلفظ:

"الدین یسر ولن یغالب الدین أحد الّاغلبه" (۹۳)

بے شک یہ دین آسان ہے اس دین میں جو بھی سختی کی راہ اپنائے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔لہٰذا میانہ روی اختیار کرواور قریب رہواور بشارت دو۔

اس حدیث کو امام بخاری اور امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا،اور شعب الایمان میں بیہقی کے الفاظ یہ ہیں:''دین آسان ہے اور جو شخص بھی دین پر غالب آنے کی کوشش کرے گا دین اس پر غالب آجائے گا۔''(نظام)

و أخرج أحمد والنسائي وابن ماجة والحاكم باسناد صحیح عن ابن عباس – رضی الله تعالیٰ عنهما–عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ایّاکم والغلوفی الدین فانما هلک من کان قبلکم بالغلوفی الدین(۹۴)۔

امام احمد،نسائی،ابن ماجہ اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''دین میں غلو سے بچو کہ تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔''(نظام)

بلکہ صرف اس قدر حکم ہے کہ وہ چیز تصرف میں لائیں جو اپنی اصل میں حلال وطیب ہو اور اسے مانع ونجاست کا عارض ہونا ہمارے علم میں نہ ہو لہٰذا جب تک خاص اس شئے میں جسے استعمال کرنا چاہتا ہے کوئی مظنۂ قویہ حظر وممانعت کا نہ پایا جائے تفتیش وتحقیقات کی بھی حاجت نہیں مسلمان کو روا کہ اصل حل وطہارت پر عمل کرے اور یمکن ویحتمل وشاید ولعل کو جگہ نہ دے۔

فی الحدیقة: لاحرمةالامع العلم، لأنّ الاصل الحلّ ولایلزمه السؤال عن شیء حتی یطلع علی حرمته ویتحقق بها فیحرم علیه اه ملخصا.

وفیها عن جامع الفتاوی: لایلزم السؤال عن طهارة الحوض مالم یغلب علی ظنّه نجاسته وبمجرد الظن لایمنع من التوضء لان الاصل في الاشیاء الطهارة(۹۵) اه

حدیقہ ندیہ میں ہے کہ علم ہونے پر ہی حرمت کا حکم ہوگا کیوں کہ اشیا میں اصل حلت ہے اور بندے پر کسی چیز کے بارے میں یہ تفتیش لازم نہیں ہے کہ وہ حرام ہے یا حلال۔ یہاں تک کہ حرمت کی تحقیق کر کے اسے اپنے اوپر حرام کر لے۔

نیز اسی میں جامع الفتاوی سے ہے کہ جب تک حوض کی نجاست کا ظن غالب نہ ہو اس کی طہارت کے بارے میں پوچھ تاچھ لازم نہیں اور محض نجاست کے گمان پر حوض سے وضو کرنا ممنوع نہیں کیوں کہ اصل اشیا میں طہارت ہے۔ (نظام)

فی البحر (فروع) في الخلاصة معزيا الى الاصل: يتوضأ من الحوض الذى يخاف فيه قذرًا ولايتيقنه ولايجب ان يسأل اذا لحاجة اليه عند عدم الدليل والاصل دليل يطلق الإستعمال.(۹۶)

بحر الرائق میں ''فروع'' کے عنوان کے تحت ہے کہ خلاصہ میں کتاب الاصل کے حوالے سے ہے کہ جس حوض کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہو مگر یقین نہ ہو اس سے وضو کر سکتا ہے، اور اس کے بارے میں تفتیش واجب نہیں کیوں کہ اس کی حاجت دلیل نہ ہونے کے وقت ہے۔ اور یہاں دلیل ''اصل طہارت'' موجود ہے جو استعمال کی اجازت دیتی ہے۔ (نظام)

والله سبحانه الموفق والمعين. وبه نستعين في كل حين. وصلى اللّٰه تعالىٰ على سيدالمرسلين وخاتم النبيين محمد واٰله وصحبه أجمعين وعلينا معهم برحمتك يا أرحم الراحمين. اٰمين اٰمين الٰه الحق اٰمين.

والله تعالىٰ أعلم. وعلمه أتم. وحكمه أحكم.

حواشی

(۱) اس مقالہ میں اسم جلالت ''اللہ'' کے عدد کے مطابق ۶۶ فقہی ضابطے جمع کیے گئے ہیں اور بھی بہت ضابطے باقی ہیں۔ محمد نظام الدین رضوی، برکاتی

(۲) القرآن الحکیم، الحشر: ۵۹، آیت: ۷۔

(۳) القرآن الحکیم، النساء: ۴، آیت: ۸۰۔

(۴) القرآن الحکیم، النجم: ۵۳، آیت: ۳، ۴۔

(۵) رسالہ: **أنفَس الفِكر فى قربان البقر**، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۱، ص: ۶۱۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۶) القرآن الحکیم، الفتح: ۲۴۸، آیت: ۸ و ۹۔

(۷) القرآن الحکیم، الفرقان: ۲۵، آیت: ۲۳۔

(۸) القرآن الحکیم، الغاشیہ: ۸۸، آیت: ۳ و ۴۔

(۹) رسالہ: تمہید ایمان بآیات قرآن، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۸، ص: ۲۸۶، ۲۸۷، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔ وص: ۱۲، ۱۳، مطبوعہ: رضائے خواجہ پبلیکیشن، اجمیر شریف۔

☆ یہ دونوں (۱، ۲) ضابطے کتاب اللہ سے ماخوذ ہیں ہم نے حصول برکت کے لیے ان ضابطوں سے اپنے مقصود کا آغاز کیا ہے، ساتھ ہی اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس نوع کے ضابطے اسی طرح کے ہیں۔ کوئی عالم ان ضابطوں کو جمع کرنا چاہیں تو یہ مثالیں ان کے لیے مشعل راہ ہوں گی۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۱۰) القرآن الحکیم، البقرۃ: ۲، آیت: ۲۳۸۔

(۱۱) رسالہ: المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۸، ص: ۲۱۴، مطبوعہ سنی دار الاشاعت، مبارک پور ۰ ایضاً، ج: ۱۴، ص: ۲۹۶، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۱۲) یہ حدیث صحابیِ رسول حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی۔ مشکوۃ المصابیح، ص: ۱۸۲، الترغیب والترہیب، ص: ۱۷۶، ج: ۱، مجمع الزوائد، ص: ۲۲۲، ج: ۵ وص: ۲۶، ج: ۲۔

(۱۳، ۱۴) یہ حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ حِلیۃ الأولیاء لأبی نعیم، ص: ۴۲، ج: ۳، اور صرف حدیث اخیر حضرت عُمر و عبد اللہ بن عمر رضی

اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سے مروی ہے، **مجمع الزوائد**، ص: ۲۲۸، ج: ۵، وص: ۲۲۱، ج: ۵، اور امام نسائی نے یہی حدیث حضرت عرفجہ بن شریح اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی

(۱۵) • رسالہ: المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۱۴، ص: ۲۹۱، ۱۹۳، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی (ملتقطا)، ایضاً، ج: ۸، ص: ۲۱۱، ۲۱۳، ۲۱۴، سنی دار الاشاعت، مبارک پور)

(۱۶) حاشہ اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام۔ ص: ۱۳۵۔

(۱۷) پوری آیت کریمہ یہ ہے: **وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا** اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے، ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (سورۃ النساء: ۴، آیت: ۱۱۵)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ طریق مسلمین ہی صراط مستقیم ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (خزائن العرفان)

(۱۸) **حلية الأولياء لأبى نعيم**، ص: ۴۲، ج: ۳ و **مجمع الزوائد**، ص: ۲۲۸، ج: ۵ و ص: ۲۲۱، ج: ۵ ونسائی۔

(۱۹) **اصول الرشاد لِقَمعِ مبانی الفساد**، ص: ۱۷۷، ۱۷۸، مبحث سوم، قاعدہ: ۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

(۲۰) رسالہ: **شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر** مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۶، ص: ۵۱۷، ۵۱۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲۱) حدیث میں وارد ہے کہ لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرو۔

ؔ اقامۃ القیامۃ، ص: ۲۰، رواہ مسند وقال: رواہ الحاکم وقال: صحیح علی شرط الشیخین۔ ۱۲ محمد نظام الدین رضوی۔

(۲۲) **شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر**، مترجم، شمامہ رابعہ، نفحہ ۱۰، ص: ۳۰۷ تا ص: ۳۱۱، رضا اکیڈمی، ممبئی • ومشمولہ: فتاوی رضویہ، ج: ۶، ص: ۵۱۹، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی۔

(۲۳) پانی میں کسی شے کے ملنے کی تین صورتیں اور ان کے احکام: ظاہر ہے (۱) کہ پانی فی نفسہ ایسا ہی ہے جسے بے جرم سے تعبیر کیا گیا، اب اُس میں دوسری شی جِرم دار ملنے کی تین صورتیں ہیں: (۱) استہلاک (۲) اختلاط (۳) امتزاج۔

استہلاک: یہ کہ وہ شی اس میں مل کر گم ہو جائے، پانی سے اُس کا جِرم ظاہر نہ ہو جیسے چھنا ہوا شربت کہ اُس میں شکر کے اجزاء ضرور ہیں مگر ان کا جرم اصلا محسوس نہ رہا، اُسے بہایئے تو خالص پانی کی طرح اُس کے سب اجزاء پھیل جائیں گے، کہیں دَل نہ رہے گا تو رقت بحال خود باقی ہے اگر چہ رقت اضافیہ میں ضرور فرق آئے گا کہ مخلوط و نامخلوط یکساں نہیں ہو سکتے۔

اختلاط: یہ کہ اُس کا جرم کُلًّا یا بعضاً باقی رہے مگر پانی کو جرم دار نہ کرے، بہانے میں اس کے اجزا الگ رہ جائیں اور پانی اُنہیں چھوڑ کر خود پھیل جائے جیسے بے چھنا شربت جس میں شکر یا بتاشوں کے کچھ ریزے رہ گئے ہوں۔ ان ریزوں کو اختلاط تھا اور جس قدر گھُل گئے اُن کا استہلاک، مگر ان میں کوئی پانی کے اجزا پھیلنے کو مانع نہ ہوا۔

امتزاج: یہ کہ پانی اور وہ شی مل کر ایک ذات ہو گئے ہوں، پانی اُسے چھوڑ کر نہ بَہ سکے، بلکہ ہر جگہ وہ اس کے ساتھ گھال میل رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مجموع مرکب تمام وکمال نہ پھیل سکے گا اور ضرور جرم دار شی کی طرح ختم سیلان پر بھی دَل رکھے گا۔

پہلی دو صورتوں میں پانی اپنی رقت پر ہے۔ اول پر تو ظاہر، کہ وہاں کوئی جرم محسوس ہی نہ ہوا اور دوم پر جرم جُدا ہے اور پانی جُدا تو پانی بدستور رقیق ہی رہا جیسے کنکریلی یا سنگلاخ زمین میں تالاب کا پانی یا جس لوٹے میں پتھّر لوہے کے ٹکڑے ڈال دیے جائیں کوئی عاقل نہ کہے گا کہ اس سے پانی ہی رقیق نہ رہا۔ بخلاف صورت سوم کہ بلا شُبہ رقت زائل اور طبیعت متبدل ہوئی۔ زوال طبع سے یہی مراد ہے واللہ

الحمد۔(رسالہ: الدقة و التبيان لعلم الرقة و السيلان ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲،ص:۴۹۷،امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

(۲۴) رسالہ: عطاء النبی لافاضة أحكام ماء الصبی (ترتیب میں کچھ فرق کے ساتھ)،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۲،ص:۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱ ،امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

(۲۵) مَد: وہ پانی ہے جو درخت یا پتھر سے ٹپکے۔۱۲محمد نظام الدین رضوی

(۲۶) آبِ کثیر نجاست کے پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا جب تک اُس کا کوئی وصف نہ بدلے اور ظاہر ہے کہ رنگ یا مزہ اُسی وقت بدلیں گے جب اُس نجس کے اجزاء پانی میں خلط ہوں اور یہاں وہ صورت مفروض ہے کہ خلط نہ ہو، ہاں اگر کوئی نجس چیز اس درجہ قوی الرائحہ ہو کہ صرف اس کی مجاورت بلا خلط سے آبِ کثیر کی بُو بدل جائے تو نجس ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲منہ۔

(۲۷) رسالہ: الدقة و التبيان لعلم الرقة و السيلان ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۲،ص: ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰،امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲۸) رسالہ: الدقة و التبيان لعلم الرقة و السيلان ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج: ۲،ص: ۵۷۰، ۵۷۱، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۲۹) القرآن الحکیم، النساء: ۴، آیت: ۳۴۔

(۳۰) رسالہ: قوانين العلماء فی متيمم علم عند زيد ماء ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص: ۲۹۷، ۲۹۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۳۱) رسالہ: قوانين العلماء فی متيمم علم عند زيد ماء،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۳۶۸تا۳۷۶ کے منتخب حواشی، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۳۲) صحیح البخاری، ج:۲،ص:۶۲۲، كتاب المغازی، باب سرية عبد الله بن حذافه، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور

صحیح البخاری، ج:۲،ص:۱۰۵۷، كتاب الاحكام، باب السمع و الطاعة

للامام ما لم تكن معصية، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور۔

صحیح البخاری، ج:۲،ص:۱۰۷۸، كتاب اخبار الآحاد ، باب ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور۔

الصحيح لمسلم ، ج:۲،ص:۱۲۵، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاۃ الأمراء فی غیر معصیۃ، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور۔

سنن النسائی، ص:۸۰۶، كتاب البيعة ، باب جزاء من أمر بمعصية فأطاع، بيت الأفكار الدولية، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور۔

سنن أبی داوٗد، ص:۲۹۶، كتاب الجهاد، باب فی الطاعة ، بيت الأفكار الدولية، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکفور۔

(۳۳) فواتح الرحموت، مسئلۃ: للتواتر شروط، المطبعة الاميريه بولاق مصر ج:۲،ص:۱۱۸/ وایضاً ص:۱۴۹، ۱۵۰ ج:۲، دار النفائس، الریاض۔

(۳۴) یعنی اگر ہڈیاں ناپاک نہ ہوں یا رس اپنے بہاؤ میں اُن پر گزرجاتا ہوا ۱۲منہ۔

(۳۵) ردالمحتار مطلب فيمن وطئ من زفت اليه، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج:۴، ص:۲۶/ ایضاً ج:۶ ص:۳۷، کتاب الحدود، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

(۳۶) قوسین کی عبارات راقم الحروف کا اضافہ ہیں۔۱۲محمد نظام الدین رضوی۔

(۳۷) رسالہ: المحجة المؤتمنة فی آية الممتحنة ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۱۱، ص:۵۳۷،مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۳۸) ردالمحتار مع تنویر الابصار والدرالمختار: ج:۱،ص:۳۵۹ تا ۳۶۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

(۳۹) رسالہ: الأحلی من السكر لطلبة سكر روسر ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۴۰) یعنی بشرطے کہ محتاج ذکاۃ ہو، نہ سمک و جراد کہ انکا استثنا معلوم ومعروف ۱۲منہ

(۴۱) اقول اخرجه احمد و البخاری و مسلم و ابوداؤد و النسائی و الترمذی بالفاظ متقاربة كلهم عن ابن عباس و ابن ماجة عن ام

المومنین میمونة رضی اللہ تعالیٰ عنھم ۱۲ منه.

(۴۲) ردالمحتار مطلب فی أحکام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی، ج:ا،ص:۱۳۶/ ایضًا، ج:ا،ص:۳۵۶، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

(۴۳) رسالہ:الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۴، ۴۵۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۴۴) ردالمحتار مطلب فی أحکام الدباغة مطبوعہ مجتبائی دہلی، ج:ا،ص:۱۳۹/ ایضًا ج:ا،ص:۳۶۴، مطلب فی المسک والزبادوالعنبر ،دارالکتب العلمیہ ۔

(۴۵) غنیة المستملی ،قبیل ستر العورة ،سہیل اکیڈمی لاہور،ص:۲۰۸/ ایضًا ص:۲۰۸، المکتبة العربیة، بھنڈی بازار ممبئی۔

(۴۶) رسالہ:الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۵، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۴۷) یعنی سوابعض اشیاء کے جن میں حرمت اصل ہے جیسے دماء وفروج ومضار ۱۲ منہ۔

(۴۸) صحیح البخاری، باب ما ینھیٰ عن التحاسد والتدابر، ج:۲،ص:۸۹۶، مجلس البرکات، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک فور

(۴۹) القرآن الحکیم، سورۃ البقرۃ:۲، آیت:۲۹۔

(۵۰) الـحدیقة الندیة ، بیان اختلاف الفقھا فی أمر الطھارة والنجاسة، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ج:۲،ص:۷۰۱،۷۱۱۔ • رسالہ:الأحلی من السکر لطلبة سکر روسر ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص:۵۴۶، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

(۵۱) ردالمحتار ،کتاب الاشربۃ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر، ج:۵،ص:۳۲۶/ ایضاً ج:ا، ص:۴۳، دارالکتب العلمیہ ، بیروت۔

(۵۲) رسالہ: الأحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص:۵۴۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف۔

(۵۳) مقدمة الصحیح لمسلم ،ج:ا،ص:۱۰، مجلس البرکات، مبارک پور۔ رسالہ:الأجلی من السکر لطلبة سکر روسر ،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۴۷، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

(۵۴) ردالمحتار، کتاب الصوم، مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر، ج:۲،ص:۱۰۲/ ایضًا ج:۳، ص: ۳۵۹، مطلب ما قالہ السبکی الخ، دار الکتب العلمیۃ ، بیروت۔ • رسالہ: الأحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص:۵۴۸، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

(۵۵) القرآن الحکیم، النساء:۴، آیت:۱۴۱۔

(۵۶) القرآن الحکیم، الحجرات:۴۹، آیت:۶۔

(۵۷) درمختار ،کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ج:۲،ص:۲۳۷/ تنویرالابصار و درمختار المطبوعان مع ردالمحتار، ج:۹،ص:۴۹۸-۴۹۹، دارالکتب العلمیہ ، بیروت

(۵۸) الفتاوی الہندیہ، کتاب الکراھیۃ، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور، ج:۵،ص:۳۰۹۔

(۵۹) الفتاوی الہندیۃ ،کتاب الکراہیۃ، مطبوعہ نورانی کتب خانہ، پشاور ج:۵،ص:۳۰۹

(۶۰) ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر، ج:۵،ص:۲۴۴/ ایضًا ردالمحتار، ج:۹،ص:۵۰۰، دارالکتب العلمیہ ، بیروت

(۶۱) درمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، مطبوعہ مجتبائی دہلی، ج:۲،ص:۲۳۷/ ایضًا درمختار المطبوع مع ردالمحتار ج:۹،ص:۴۹۹، دارالکتب العلمیہ ، بیروت۔ رسالہ: الأحلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص:۵۴۹، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

(۶۲) الحدیقۃ الندیہ، ج: ۲،ص: ۶۷۴، الصنف الثانی من الصنفین، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد/ ایضًا ج:۲،ص:۴۶۰، دارالحدیقہ۔

(۶۳) مسند أحمد بن حنبل، عن أبی سعید الخدری، ج:۳،ص:۹۲، دارالفکر، بیروت۔

(۶۴) صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب الصلاۃ فی النعال، ج: ا،ص: ۵۶، مجلس البرکات، مبارکفور۔

(۶۵) صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب جواز الصلاۃ فی النعلین ، ج:۱،ص:۲۰۸،مجلس البرکات،مبارکفور۔

(۶۶) جامع الترمذی،ج:۱،ص:۵۳، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الصلاۃ فی النعال، مجلس البرکات،مبارکفور۔

(۶۷) سنن النسائی، کتاب القبلہ ،الصلاۃ فی النعلین ،ص:۹۹،حدیث:۷۷۵، بیت الأفکارالدولیۃ۔

(۶۸) الحدیقۃ الندیہ، النور الرابع فی بیان اختلاف الفقہاء مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ج:۲،ص:۱۱۷/ ایضا، ج:۲،ص:۴۸۶، دارالحدیقہ۔

(۶۹) الحدیقۃ الندیہ، الصنف الثانی من الصنفین فیماوردعن ائمتنا الحنفیۃ ،مطبوعہ نوریہ رضویہ،فیصل آباد، ج:۲،ص:۶۷۵/ ایضاً، ج:۲،ص:۴۶۰،دارالحدیقہ۔

(۷۰) ردالمحتار، کتاب الطہارۃ،مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر، ج:۱،ص:۱۱۱/ ایضًا، ج:۱،ص: ۲۸۳،۲۸۴،مطلب فی ندب مراعات الخلاف۔دارالکتب العلمیہ ، بیروت۔

(۷۱) مسنداحمد بن حنبل عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطبوعہ دارالمعرفۃ،المکتب الاسلامی بیروت ،ج:۳،ص:۷۰/ایضًا،ص:۹۲۸،حدیث نمبر:۱۳۲۳۳،بیت الافکارالدولیہ

(۷۲) الحدیقۃ الندیۃ ، بیان اختلاف الفقہاء فی أمر الطہارۃ والنجاسۃ ،مطبوعہ نوریہ رضویہ،فیصل آباد، ج:۲،ص:۱۱۷/ ایضًا ج:۲،ص:۴۸۶،دارالحدیقہ۔

(۷۳) سنن ابی داؤد، باب فی استعمال آنی أھل الکتاب ،مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور، ج:۲،ص:۱۸۰/ ایضًا، ج:۲،ص:۵۳۶،دارالحدیقہ۔

(۷۴) الحدیقۃ الندیۃ ، بیان اختلاف الفقہاء فی أمر الطہارۃ والنجاسۃ الخ مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ج:۲،ص:۱۲۷/ ایضًا، ج:۲،ص:۴۸۶،دارالحدیقہ۔

(۷۵) درمختار، فصل الاستنجاء،مطبوعہ مجتبائی دہلی ، ج:۱،ص:۵۷/ ایضًا درمختار ، ج:۱،ص: ۵۶۵،دارالکتب العلمیہ ، بیروت۔

(۷۶) الحدیقۃ الندیۃ ، بیان اختلاف الفقہاء فی أمر الطہارۃ والنجاسۃ ،مطبوعہ نوریہ

رضویہ فیصل آباد، ج:۲،ص:۱۱۷/ ایضًا ج:۲،ص:۴۸۶، دارالحدیقہ۔

(۷۷) حلیۃ المحلی رسالہ: الأ حلی من السکر لطلبۃ سکر روسر،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳، ص:۵۵۴، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

(۷۸) غمزالعیون والبصائرشرح الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الثالثۃ من الفن الأ ول، ج:۱، ص:۸۴،مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ،کراچی۔

(۷۹) الحدیقۃ الندیۃ، بیان اختلاف الفقہاء فی أمر الطہارۃ والنجاسۃ، مطبوعہ نوریہ رضویہ فیصل آباد، ج:۲،ص:۱۱۷/ ایضًا، ج:۲،ص:۴۸۶، النوع الرابع فی بیان اختلاف الفقہاء، دارالحدیقہ۔

(۸۰) الحدیقۃ الندیۃ، ج:۲،ص:۴۸۶-۴۸۷،النوع الرابع فی بیان اختلاف الفقہاء۔ رسالہ: الأ حلی من السکر لطلبۃ سکر روسر،مشمولہ فتاوی رضویہ، ج:۳،ص:۵۵۵، ۵۵۶،۵۵۷،۵۵۸، ملتقطاً،امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

(۸۱) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار ج: ۱،ص: ۶۶۵، باب الأ نجاس، دار الکتب العلمیہ ، بیروت۔

(۸۲) بدائع الصنائع ، فصل فی بیان مقدار مایصیر به المحل نجساً الخ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ج:۱،ص:۸۱/ ایضًا، ج:۱،ص: ۲۳۶-۲۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت۔

(۸۳) الطریقۃ المحمدیۃ مع الحدیقۃ الندیۃ ، الصنف الثانی من الصنفین ،مطبوعہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد، ج:۲،ص:۶۸۲/ ایضًا، ج:۲،ص:۴۶۵،دارالحدیقہ۔

(۸۴) درمختار، کتاب الطہارۃ،مطبوعہ مجتبائی دہلی، ج:۱،ص:۳۸/ ایضًا ج:۱،ص:۳۵۹، دارالکتب العلمیہ بیروت(ترجمہ اوپر واوین کے درمیان۔ پھر وہ پوستین کہ دار الحرب سے الخ)

(۸۵) السیرۃ الأ حمدیہ للعلامۃ محمد رومی احمدی بحوالہ تاتارخانیہ وکتاب الاصل للامام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ۔

(۸۶) فتاوی ہندیۃ ، باب فی الہدایا والضیافات ، مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ، ج: ۵ ،ص: ۳۴۲۔

(۸۷) الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الثانیۃ من الفن الأول، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ، کراچی، ج: ۱،ص: ۱۴۸

(۸۸) حمویۃ المعروف بہ غمز العیون مع الاشباہ ، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی،ص: ۱۴۸۔

(۸۹) القرآن الحکیم، البقرۃ ۲، آیت: ۲۸۶

(۹۰) القرآن الحکیم، الحج ۲۲، آیت: ۷۸

(۹۱) القرآن الحکیم، البقرۃ: ۲، آیت: ۱۸۵

(۹۲) صحیح البخاری، باب الدین یسر، ج: ۱،ص: ۱۰/ ایضًا ج: ۱،ص: ۱۰، مجلس البرکات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور۔

(۹۳) شعب الایمان، القصد فی العبادۃ ، حدیث ۳۸۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ج: ۳،ص: ۴۰۱

(۹۴) سنن النسائی، باب التقاط الحصی، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ج: ۲، ص: ۴۸/ ایضًا، ج: ۲،ص: ۴۰۔

(۹۵) شعب الایمان، باب فی المطاعم، حدیث ۵۸۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ، بیروت، لبنان، ج: ۵،ص: ۶۷۔

(۹۶) البحر الرائق ، کتاب الطہارۃ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ج: ۱،ص: ۸۶/ ایضًا ج: ۱، ص: ۱۵۷، دار الکتب العلمیہ ، بیروت۔

امام احمد رضا اور اسلامی ریاضی وہیئت

مولانا قمر الحسن بستوی، امریکہ

انسانی زندگی پر نظر ڈالنے سے اس کے علم کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی زندگی گزارنے میں کن کن علم کا ضرورت مند ہے۔ معاشرتی زندگی گزارنے کے لئے سماجی علوم کی ضرورت ہے اور سماج کے ارتقاء پر نظر ڈالنے سے علم سیاست ابھر کر نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔ ضروریات زندگی کی قدروں کو دیکھ کر صنعتوں کے علم کی طرف نظر جاتی ہے مگر ان سب سے الگ اس کی زندگی کے روز اول سے جس علم کا سراغ ملتا ہے وہ ہے ریاضی کا علم۔ تمام علوم پر جس طرح علم ریاضی محیط ہے اسی طرح تمام علوم سے قدیم بھی ہے۔ قیاسی طور پر اگر اس پہلو پر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ واقعۃً علم ریاضی قدیم ترین ماخذ علم ہے۔ آج اس ترقی کے دور میں علم کی ساری حرکتیں سمٹ کر ریاضی کے گرد جمع ہو چکی ہیں۔ ابتدا میں ریاضی کا تصور کس طرح ابھرا ہوگا اور اس نے ترقی کی کتنی راہیں ہموار کی ہوں گی اور کیسے کیسے راہِ ترقی پر گامزن ہوئی ہوگی یہ ایک لمبی تاریخی بحث ہے۔ تہذیب کے ساتھ ساتھ علوم کا ارتقاء ہوتا ہے اسی طرح ریاضی بھی تہذیب کے ارتقا کے ساتھ ساتھ بلند معیار ہوتی چلی گئی ہے۔ جیسا طارق حنیف نے اپنے مقالہ ''ریاضی کی داستان'' میں اس کا کچھ اس طرح اظہار خیال کیا ہے۔

''جیسے تہذیب ترقی کرتی گئی گنتی، حساب کتاب اور ناپ تول کی اہمیت پہلے سے کچھ زیادہ محسوس کی جانے لگی۔ اس کے بعد جس قدیم ترین نظام کا تاریخ سے پتہ چلتا ہے وہ آج سے ۵۰۰۰ سال قبل مسیح مصر اور میسوپوٹیمیا کے لوگوں نے استعمال کیا۔

کسانوں نے زمین کی تقسیم بھی مروجہ گنتی کے اعتبار سے کی۔ وہ ''ایک'' کے لئے خط کھینچتے تھے اور دس اور اس سے بالا اعداد کے لئے علیحدہ علیحدہ خطوط کھینچتے تھے۔ اس کے ایک ہزار سال بعد رومیوں نے ایک سے لے کر چار تک اعداد ایجاد کئے مگر پانچ دس اور پچاس کے لئے وہ اعداد کے بجائے الفاظ استعمال کرتے تھے۔'' (تہذیب الاخلاق علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ماہ دسمبر ۸۶ء صفحہ ۳۷)۔

اس طرح ریاضی ابتدائی مرحلوں سے آہستہ آہستہ گزرتی رہی۔ دنیا کے ماہرین علوم اپنے اپنے خیالات اور جولانی طبع کا مظاہرہ کرتے رہے مگر ان کی تمام علمی ترقی فقط اعداد مفردہ تک محدود ہو کر رہ چکی تھی۔ مرکبات کے لئے ان کے پاس کوئی تمثیلی عمل نہ تھا جس سے مفردات ہی کی طرح وہ مرکبات کو بھی لکھ یا پڑھ سکتے۔ اسی اثناء میں جب کہ مصر اور دیگر ممالک اپنی علمی ترقی کو علم کی جولان گاہ میں لا کر دادِ علم حاصل کر رہے تھے۔ بھارت کی سرزمین پر قدیم ریاضی کا علم ایک نیا موڑ لے رہا تھا اور اعداد مرکبہ کی تشکیل کر رہا تھا۔ بھارت کے دانشوروں نے مرکب عدد کے لئے جس اہم اور خصوصی نیز سب سے بڑی گنتی کا سراغ لگایا وہ صفر تھا۔ صفر کی ایجاد کے بعد ترقی کے تمام راستے کھل گئے اور علم ریاضی ایک ایسے میدان میں قدم رکھ چکا تھا جہاں تمام علوم جمع ہونے والے تھے۔ فقط ایک صفر نے بہت ساری مشکلوں کو حل کر دیا تھا طارق حنیف نے مقالہ مذکور میں مزید کہا:

''مرکزی امریکہ کے باشندے جنہیں'' ''میاز'' کہتے ہیں صرف نقطے اور اعداد سے کوئی نیا عدد لکھ سکتے تھے لیکن اسی دوران ہندوستان کے لوگوں کا دھیان اس طرف گیا جس طرف کسی کا دھیان ابھی نہ گیا تھا یعنی انہیں احساس ہوا کہ صفر کے لئے بھی کوئی نشان ہونا چاہیئے۔''

کچھ اور آگے چل کر پھر موصوف نے کہا: کہ

''اگر چہ ہندوستان کے لوگوں نے ایک تا نو مختلف نشان مقرر کر رکھے تھے مگر جس بات نے ان کو مشہور کیا وہ یہ تھی کہ وہ خالی کالم کو صفر سے ظاہر کرتے ہیں اس ایجاد نے ریاضی کے بہت سے عددی مسائل کو حل کر دیا۔ ہندوستان کے ریاضی داں اعداد کو کسر میں لکھتے تھے اور قوسین بھی استعمال کرتے تھے۔ اور ویسے ہی آج تک ہم استعمال کرتے کرتے چلے

آرہے ہیں۔ ۸۰۰ قبل مسیح میں یہ حضرات صفر کی ایجاد کا مژدہ لے کر بغداد پہنچے۔ بغداد اس وقت علم وحکمت کا سب سے بڑا اسلامی دار الخلافہ تھا۔ یہاں ہندوستان کے ریاضی دانوں کے کام اور اقلیدس کی جیومیٹری کا مسلمانوں نے عربی میں ترجمہ کیا۔'' (تہذیب الاخلاق دسمبر ۱۹۸۶ء، ص ۳۹، ۳۷)۔

چنانچہ ریاضی کا دائرہ عمل بڑھتا رہا اور جب اسلامی فکر ونظر نے شعبہ ہائے زندگی میں ارتقاء کی نمو بخشی تو اس کی طرف مزید التفات کیا گیا۔ اور بغداد کے دار الخلافہ میں تو مامون کے عہد میں زبردست کام ہوا۔ علوم عقلیہ جو یونانی ورثہ تھے اس کی تعریب کی گئی یہاں تک کہ اقلیدس کو بھی عربی میں ترجمہ کر کے اس سے بھرپور فائدہ حاصل کیا گیا: نیز بعض مشکل گوشوں کو جن میں طوالت کارفرما تھی اس کے لئے اشاریے متعین کئے گئے اور اسلامی اداروں میں اس کو خوب خوب رواج دیا گیا۔ جس سے تسخیر کائنات کا ایک نیا دیباچہ شروع ہو چکا تھا جس نے آگے چل کر ترقی کے بہت سے نئے اصول وضع کئے اور مستقبل کو ہموار کر لیا۔ بقول طارق حنیف: ''اسلامی دار العلوم میں طلباء یونانی جیومیٹری، ہندوستانی ریاضی اور فلکیات کے علاوہ اور رقبہ کے علم کا مطالعہ کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ریاضی کا علم یورپ کی طرف پھیلنا شروع ہوا۔ ۱۴۰۰ قبل مسیح یورپ نے عربی ریاضی کو اچھی طرح سیکھ لیا اور اس کو عمومی طور پر سکھانے کے لئے اسکول کھول دیئے۔ نصابی کتابیں لکھی گئیں جن میں پہاڑے اور کئی دوسرے مفید گُر بتائے گئے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ جمع۔ تفریق۔ تقسیم اور ضرب کے نشانات بتائے گئے۔ مگر عربی ریاضی کے یورپ پہنچنے سے پہلے ہندو اور مسلمان ریاضی دانوں نے عددی سوالات حل کر لیا تھا اور ان کے حل کے لئے قوانین بھی مرتب کے لئے تھے۔''
(تہذیب الاخلاق دسمبر ۸۶ ص ۳۹، ۳۷)

مسلمانوں نے علم ریاضی میں وہ ترقی کی جس کو دیکھ کر دنیا عش عش کر اٹھی ''الجبرا'' ایجاد کیا جس نے علم ریاضی کے دھارے کو ایک نئی سمت موڑ دیا اور جدید ایجاد میں نتِ نئے کام انجام پانے لگیں۔ پھر تو حال یہ ہوا کہ سائنسی علوم کے دروازے کھل گئے جس نے تسخیر کائنات کا عزم مصمم کر لیا۔

بھارت اپنے علم وفن کے اعتبار سے تقریباً ہر زمانے میں مرکز نگاہ رہا ہے۔ دوسری صدی ہجری کی نصف آخر کی ابتدائی دہائیوں میں جبکہ بغداد علوم وفنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور ساری دنیا یہاں تک کہ تمام دنیائے عیسائیت بھی علم کی بھیک مانگنے کے لئے دستِ گدائی پھیلائے ہوئے تھی اس وقت بھی ہندوستان اپنے فن طبابت علم تصوف اور علمِ ریاضی میں ساری دنیا سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا تھا اور اس کے طبی و ریاضی ذخیرے میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ یونان کا قدیم ترین علمِ حکمت ہندوستان میں ثریا کی برابری کر رہا تھا۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی کے نصف آخر کی ابتدائی دہائیوں میں ہندوستان کے افق پر ایک ایسا آفتاب طلوع ہوا جس سے نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ وہ ذات تھی مولانا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی۔

فاتح قومیں مفتوحین کی تہذیب وتمدن اور اس کے علمی ورثہ کو باطل کر کے یا تو اپنے علوم کی گہری چھاپ چھوڑ جاتی ہیں یا پھر ان کو علم سے بے بہرہ بنا کر غلامی کی زنجیر میں کس دیتی ہیں تاکہ علم کی طاقت جب باقی نہ رہے گی تو مغلوب قوم کبھی سر نہیں اٹھا سکے گی۔ یہی سب کچھ بھارت میں بھی ہوا۔ جہاں علوم عقلیہ ونقلیہ کے موج مارتے سمندر تھے اور جو کبھی بغداد اور خوارزم کا ہم پلہ کہا جاتا تھا۔ انگریزوں کی بالادستی اور دسیسہ کاری نے اس کے ذوقِ علم کو چھین کر کنگال بنا دیا۔ اور حصول علم پر پابندی لگا کر عوام کو بے موت مارنے کا ہتھکنڈہ استعمال کیا۔ پھر کیا تھا۔ احساس کمتری بڑھتا گیا علمی فقدان روز بروز زیادہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آیا جب کہ ننانوے فیصد عوام گوہر علم سے ہاتھ جھاڑ چکے تھے۔ اور جہالت کا طوق گردن میں لٹک چکا تھا۔ جناب شبیر احمد خاں غوری صاحب ایم اے، ایل. ایل. بی (سابق رجسٹرار عربی و فارسی سرشتۂ تعلیم اتر پردیش) اپنے موقر مقالہ "اسلامی ریاضی وہیئت کا آخری دانائے راز مولانا احمد رضا خاں بریلوی" میں رقم طراز ہیں کہ:

"مگر ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد جب برطانوی استعمار نے اس ملک کی سیاست پر مضبوطی سے پنجے گاڑ لئے تو پھر اس استعمار کو مزید مستحکم بنانے کے لئے مفتوحین کے علوم کے ساتھ ہمت شکن بے اعتنائی برتی تاکہ وہ اپنے شاندار ثقافتی ماضی

سے متاثر ہو کر سر نہ اٹھا سکیں۔" (ضیا میگزین ۱۹۸۵ء علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ص ۷۷)

علومِ عقلیہ ونقلیہ، قدیمہ وجدیدہ سب پر امتناعی حکم لگ چکا تھا۔ مگر خاکستر میں دبی ہوئی چنگاری کو پھر احساس کی ہوا نے شعلۂ جوالہ بنا دیا اور طبقاتی طور پر دو نظریئے ابھر کر سامنے آئے۔ کچھ نے صرف علوم نقلیہ کو بچا کر دین متین کی حفاظت کرنا اپنا فرض منصبی سمجھا یہ گروہ مدارس عربیہ کے علماء واساتذہ کا تھا جہاں علوم عقلیہ کی طرف برائے نام توجہ کی گئی اور ریاضی وہیئت کو چند ابتدائی اصول تک محدود رکھ کر نصاب میں شامل کیا گیا۔ تدریب اور مشق کو فروگزاشت کر دیا گیا جس سے یہ علوم مدارس میں رہتے ہوئے بھی صفر ہو گئے۔ کچھ نے علوم عقلیہ کی طرف توجہ کی اس نے نقل کو ہاتھ بھی نہیں لگایا اور دینی پہلو کو نظر انداز کرتے ہوئے نصاب کی ترتیب ہوئی یہ گروہ کالجز اور اسکول کا تھا علم نظری مدارس سے اٹھتا چلا گیا یہاں تک کہ ۱۸۵۶ء [جو امام احمد رضا کی پیدائش کا سال ہے] میں مدارس عربیہ ریاضی وہیئت سے قریب قریب خالی ہو چکے تھے۔ یہ ایسا انحطاطی دور تھا جس کی مسموم فضا میں اسلامی ریاضی وہیئت کا تصور ارتقائی نہ صرف مجنونانہ بلکہ احمقانہ تھا۔ جناب شبیر احمد غوری صاحب نے مقالہ مذکور میں فرمایا کہ:

"غرض دوستوں کی دلسوزی اور بیگانوں کی نیش زنی دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ نکلا کہ ان علوم کی تعلیم بمنزلۂ صفر ہو کر رہ گئی۔ مدارس عربیہ میں نام کے لئے خلاصۃ الحساب اور تحریر اصول اقلیدس مقالہ اولیٰ اور ہیئت میں تصریح اور شرح چغمنی مشمول رہیں مگر عملی تعلیم نہ ہونے کے برابر ہو گئی۔" (ضیا میگزین، ص ۷۸)

اس زبوں حالی کے ماحول میں اگر ریاضی وہیئت وغیرہ علومِ نظریہ وعقلیہ پر کوئی شخص اپنے انیق تحقیقی خیالات کا اظہار کرتا اتو اندھیرے میں چمکتی ہوئی خنک صبح کے مرادف ہوتا۔ یہی وہ انحطاطی دور تھا جس میں امام احمد رضا نے آنکھ کھولی تھی۔ ماحول کی گہری چھاپ نفسیاتی طور پر مزاج پر پڑتی ہے اور انسان ماحول کی نذر ہو کر رہ جاتا ہے مگر اس قحط زدہ دور میں بھی امام احمد رضا نے علومِ نظریہ وعقلیہ کو زندہ کر کے نہ صرف فروغ دیا بلکہ اس میں تجدیدی کارنامے انجام دیئے۔ طرّہ یہ کہ ماحول کی گھٹی ہوئی فضا میں علم ریاضی کا جو

سرمایہ ہاتھ لگا وہ کوئی گنج گراں مایہ نہ تھا بلکہ اساتذہ سے کسب علم میں آپ کا ریاضی کا سرمایہ انتہائی مختصر اور ابتدائی تھا۔ اس کے باوجود بھی ریاضی و ہیئت پر قلم اٹھا تو ایسا نہیں کہ صرف انہیں چند ابتدائی اصول پر سسک کر دم توڑ دیتا بلکہ اشہب قلم کی تگ ودو اور رفتار قیاس سے کہیں زیادہ تیز ثابت ہوئی حد تو یہ ہے کہ جن علوم کو سیکھا نہیں تھا ان میں بھی دریا بہا دیئے۔

غوری صاحب کی زبانی سماعت کرتے چلئے۔ فرماتے ہیں کہ:

''ریاضی و ہیئت میں فاضل بریلوی کی تعلیم اپنے پدر بزرگوار کے فیض تلمذ کا نتیجہ تھی جس کی تفصیل انہوں نے اپنی مایۂ ناز تصنیف ''الکلمۃ الملہمۃ'' میں دی ہے۔ فرماتے ہیں۔''

''فقیر کا درس بحمدہ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے چار دن کی عمر میں ختم ہوا اس کے بعد چند سال تک طلبہ کو پڑھایا۔ فلسفۂ جدیدہ سے کوئی تعلق ہی نہ تھا، علومِ ریاضیہ و ہندسیہ میں فقیر کی تمام تحصیل جمع وتفریق، ضرب، تقسیم کے چار قاعدے کہ بہت بچپن میں اس غرض سے سیکھے تھے کہ فرائض میں کام آئیں گے۔ اور صرف شکل اول تحریر اقلیدس کی وبس۔ جس دن یہ شکل حضرت اقدس حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ من معجزات سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین .خاتم المحققین سیدنا الوالد قدس سرہ الماجد سے پڑھی اور اس کی تقریر حضور میں کی۔ ارشاد فرمایا کہ تم اپنے علوم دینیہ کی طرف متوجہ رہو ان علوم کو خود حاصل کر لو گے۔''

''یہ تھی کل کائنات ریاضی و ہیئت میں اساتذہ سے تحصیل کی۔ شیخ بوعلی سینا کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے بھی اپنے استاذ سے ریاضی و ہیئت کی بہت کم تعلیم حاصل کی تھی مگر بعد میں اپنے ذاتی مطالعہ سے اس میں چار چاند لگا لئے۔ مگر فاضل بریلوی کا معاملہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ علومِ دینیہ میں انہماک اتنا تھا کہ کسی اور طرف توجہ کی فرصت ہی نہیں ملی، خود فرماتے ہیں:

''آج ۴۵ برس سے زائد ہوئے کہ بحمدہٖ تعالیٰ فلسفہ کی طرف رخ نہ کیا نہ اس کی کسی کتاب کو کھول کر دیکھا۔''

لیکن اس عدم التفات و اعتناء کے باوجود شفیق استاد کی پیش گوئی پوری ہوئی چنانچہ فرماتے ہیں:

''اللہ عز وجل اپنے مقبول بندوں کے ارشاد میں برکتیں رکھتا ہے حسب ارشاد سامی بعونہ تعالیٰ فقیر نے حساب وجبر ومقابلہ ولوگارثم وعلم مربعات وعلم مثلث کروی وعلم ہیئت قدیم و ہیئت جدید، زیجات وارثماطیقی وغیرہا میں تصنیفات فائقہ اور تحریرات رائقہ لکھیں اور صدہا قواعد وضوابط خود ایجاد کئے تحدثاً بنعمۃ اللہ تعالیٰ بحمد اللہ تعالیٰ اسی ارشاد اقدس کی تصدیق تھی ''کہ ان کو خود حاصل کر لو گے۔'' (ضیاء میگزین ص ۷۹۔۷۸)

مذکورہ بالا تحریر کے پیش نظر منکسرانہ تسلیم کے بعد جب ہم ان کی ریاضی اور دیگر علوم کے متعلق ان کی تصنیفات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں کہ ایسے قحط زدہ اور انحطاطی دور میں آپ نے نہ صرف اس علم کو اجاگر فرمایا بلکہ بالفاظ دیگر زندہ بھی کیا ہے۔ حاشیۂ رسالۂ لوگارثم، حاشیۂ جامع بہادر خانی، حاشیۂ رسالہ علم مثلث کروی، تعلیقات علی الزیج الایلخانی اور حاشیۂ تحریر اقلیدس۔ جیسی نابغۂ روز گار تصنیفات زبان حال سے واشگاف انداز میں اعتراف حقیقت کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ کنج خمولی میں بیٹھ کر وہ بھی دینی امور کی بے پناہ مشغولیت کے باوجود یہ انیق تحریریں جنہیں دیکھ کر ہر صاحب نظر انگشت بدنداں ہو جائے جب کہ کسی فن کی ادنیٰ غیر استدلالی تصنیف کے لئے عمیق مطالعہ، وسعت نظر اور فکر پردازی جیسے کتنے اسباب کے فراہمی کی ضرورت پڑتی ہے اور یہاں قلم اٹھا تو چلتا ہی رہا۔ جناب شبیر احمد صاحب ایم اے (ٹرپل) نے اپنے مختصر انگریزی مقالہ ''مولانا امام احمد رضا بریلوی'' ان دی آئز آف ہنر کریٹکس'' کے صفحہ ۲ پر امام احمد رضا فاضل بریلوی کے علم ریاضی وفلسفہ کی مہارت تامہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ترجمہ: وہ (امام احمد رضا) بہت بڑے محقق، فلسفی اور ریاضی داں تھے دینیات سائنس اور علم ریاضی میں ان کی خدمات بہت معلوماتی ہیں۔''

''جامع بہادر خانی'' مولوی غلام حسین جونپوری کی مایۂ ناز تصنیف ہے۔ جس میں مصنف نے علم کا دریا بہا دیا ہے۔ امام احمد رضا نے اس پر وقیع حاشیہ تحریر فرمایا اور ریاضی کے بجھے ہوئے چراغ کو روغن فکر بخش کر اس کی لو کو تیز کر دیا۔ صاحبان فکر ونظر کے لئے مستقبل کے راستے ہموار کئے اور اسلامی ریاضی کو شعور وآگاہی کی نئی انجمن فراہم کی۔ اس

کے حاشیہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ محشی کا ادراکاتی تصور اور فکری بلوغ کس قدر رسا تھا۔ بقول غوری صاحب کہ:

''جامع بہادر خانی'' اسلامی ہند کی ریاضیاتی عبقریت کا ذروۂ کمال ہے اور فاضل بریلوی نے اس پر تعلیقات لکھیں۔ ظاہر ہے اس اہم کتاب پر تعلیقات لکھنے کی جرأت وہی فاضل روزگار کر سکتا تھا جو اس کتاب کے مصنف کا مثیل و نظیر ہو۔ بقول مرزا غالبؔ:

اے اسدان مہ جبینوں کے لئے
چاہنے والا بھی اچھا چاہیے

(ضیاء میگزین ص ۷۹)

اسی طرح کی تعلیقات خواجہ نصیر الدین طوسی کی نابغۂ روزگار تصنیف زیج ایلخانی پر تحریر فرمایا جو تعلیقات علی الزیج الایلخانی کے نام سے مشہور ہوئی۔ زیج ایلخانی ریاضی و ہیئت میں منفرد مقام رکھتی ہے۔ زیجات میں اس کو سنگ میل کا درجہ حاصل ہے، مابعد کی عمومی زیجات اسی کی روشنی میں ترتیب پاتی رہیں جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام احمد رضا کی مشکل پسند اور سخت کوش طبیعت نے اسی کو اپنایا اور اس پر انتہائی محققانہ تعلیقات تحریر فرمائیں۔ جناب غوری صاحب نے اس سخت کوشی اور مشکل پسندی پر رائے زنی کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ:

''فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت نے اپنے اظہار خیال کے لئے اسی عظیم ہیئتی شاہکار کو منتخب کیا۔

چھانٹا وہ دل کہ جس کی ازل میں نمود تھی
پسلی پھڑک اٹھی نگہ انتخاب کی

اس انتخاب کی اہمیت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب ہم فاضل بریلوی کی ریاضی و ہیئت میں علمی سرگرمیوں کو اس ماحول میں پرکھیں۔ جب کہ ان کے بیشتر معاصرین یا تو ریاضی و ہیئات کے معضلات کو متروک التعلیم قرار دے کر علم و حکمت کی ترقی کو آگے بڑھانے کے بجائے پیچھے ڈھکیل رہے تھے یا پھر زیادہ سے زیادہ صاحبان مطابع کی فرمائش سے حواشی

لکھ رہے تھے اس طرح فاضل بریلوی کی ریاضیاتی عبقریت اپنے حریفانہ پنجہ شکن کو بزبان حال للکار رہی تھی:

من بسی دیوان شعر تا زیاں دارم زبر
تو نہ دانی خواند الاھی بصحنک فاصجین

(ضیاء میگزین ص، ۸۱)

جدید ترقیاتی فکر و نظر نے حرکت اور تبدیلئ حرکت کے لئے ریاضی کے اصول موضوعہ سے کیلکیولس [Calculus] تیار کیا جس سے فلک اور سیاروں کی حرکت و تبدیلی حرکت کا سراغ لگایا۔ صاحبان توقیت و ریاضی کے درمیان عرصۂ قدیم سے سیاروں کی تقسیم کا مسئلہ چلا آرہا ہے۔ ان کی حرکت ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کیسی ہے؟ کیا سبھی حرکت کرتے ہیں؟ ثوابت کون ہیں اور سیارے کون؟ ثوابت کی حرکتیں ہیں تو کیسی ہیں؟ ان کی حرکت کب کتنی ہوگی؟ ان کی وضعیں تبدیل ہوتی ہیں کہ نہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جو آج تک مختلف فیہ ہیں۔ کوئی ان کی حرکت پر قیاس آرائی کرتا ہے تو کوئی غیر متحرک ہونے کا قول کرتا ہے۔ کیلکیولس کے ترقی یافتہ دور نے بھی ان کی حرکتوں کی نسبت اپنے خیال کا اظہار کیا ہے ماقبل کے قدیم سائنس دانوں نے اپنی زیجات کے دائرۂ عمل میں جو کچھ حل کیا انہیں کا حصہ تھا۔ کیونکہ ان کی ساری توانائیاں کسی ایک فن کو زندہ کرنے پر صرف ہو جاتی تھیں۔ لیکن امام احمد رضا کا معاملہ اس سے الگ تھلگ تھا۔ ان کے یہاں کوئی زیج نہ تھی کہ وہ اس سے سیاروں کی حرکت و تبدیلی حرکت کا جائزہ لیتے۔ صرف قلم تھا اور فکر و بصارت کی دور بینی جس سے زیج کا کام بھی لیا اور کیلکیولس کا کام بھی۔ باوجود اس کے ثوابت کی حرکت و عدم تو اپنی جگہ، آپ نے ان کی حرکت ثابت کی اور ہر ایک حرکتوں کی مقدار بھی بیان فرمائی۔ جناب غوری صاحب نے تقابلی جائزہ لیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''نظام الدین اعرج ہوں، یا ان کے پیش رو اور جانشین الغ بیگ (بلکہ ملا فرید اور امام الدین ریاضی مصنف تصریح شرح تشریح الافلاک) کے زمانہ تک ستاروں کی سیارات اور ثوابت میں تقسیم کے قائل تھے۔ سیارہ وہ ستارہ ہے جو حرکت کرتا رہتا ہے اور

ثوابت وہ ستارے ہیں جو اپنی جگہ ثابت رہتے ہیں۔ یا کم از کم دوسرے ثابت ستاروں کی نسبت سے اپنی اوضاع تبدیل نہیں کرتے۔ چنانچہ شرح تذکرہ میں ہے۔''

''سموا کواکبہ ثوابت، اما لقلۃ حرکتھا الثانیۃ اولثبات اوضاعھا ابداً یعنی اوضاع بعضھا الی بعض فی القرب والبعد والمحاذات اولان القدماء ماوجدوھا متحرکۃ بغیر الحرکۃ السریعۃ الشاملۃ.''

(فلک الثوابت) کے ستاروں کو ثوابت تین وجھوں سے کہتے ہیں یا تو ان کی حرکت ثانیہ بہت ہی قلیل ہے (نہ ہونے کے برابر ہے) یا نزدیکی اور دوری اور آمنے سامنے ہونے کے اندر ان میں سے بعض کی وضع دوسرے کی نسبت ثابت رہتی ہے (بدلتی نہیں ہے) یا پھر متقدمین نے انہیں حرکت سریعہ (جو جملہ اجرام فلکی کو شامل ہے اور جس کے نتیجہ میں سبھی اجرامِ فلکی گردش کرتے ہیں) کے علاوہ کسی اور حرکت کے ساتھ متحرک نہیں پایا۔''

اس آخری بات کو قاضی زادہ رونی نے ''شرح چغمنی'' میں واضح کر دیا ہے۔ **''الاقدمون و منھم ارسطولم یجدوھامتحرکۃ بغیر الحرکۃ الیومیۃ وکانوا یعتقدون انھا بفلک الثوابت.''**

حکمائے قدیم جن میں (خصوصیت سے قابل ذکر) ارسطو ہے ان کے ستاروں کو حرکت یومیہ کے علاوہ کسی اور حرکت کے ساتھ متحرک نہیں پایا اور ان کا عقیدہ تھا کہ وہ فلک الثوابت ہے۔

بقول مصنف (جامع بہادر خانی) یہ صورت حال الغ بیگ کی زیج جدید کے مرتب ہونے تک رہی۔ بلکہ یہی کیفیت ۱۷۳۰ء تک رہی جبکہ راجہ جے سنگھ کی سرپرستی میں زیج محمد شاہی مرتب ہو رہی تھی چنانچہ اس میں خاتمہ کی فصل ہفتم میں لکھا ہے:

''کواکبے کہ آنرا درعرف منجمین ثوابت گویند وا اینہا درحقیقت ثابۃ نیستند وآنکہ حرکت جمیع اینہا یک مقدار نیست بلکہ اختلاف دارند۔''

جن ستاروں کو نجومیوں کی اصطلاح میں ثوابت کہتے ہیں وہ حقیقت میں ثابت نہیں ہیں اور یہ بات (بھی ہے کہ) ان سب کی حرکت ایک سی نہیں ہے بلکہ وہ اختلاف

رکھتے ہیں۔

لیکن زیج محمد شاہی میں اس سے زیادہ تفصیل نہیں ہے مگر فاضل بریلوی کی جستجو نے مزید تفصیل بھی ڈھونڈ لی۔

''الکلمۃ الملھمۃ'' میں فرماتے ہیں کہ یہ ثوابت صرف متحرک ہی نہیں بلکہ ان کی حرکتیں بھی مختلف ہیں، ثوابت کی چال باہم مختلف مرصود ہوئی ہے۔ زیج اجد میں بیاسی ثوابت کی چال منضبط کی ہے۔

''کوئی ۶۳ برس میں ایک درجہ طے کرتا ہے جیسے عرقوب الدّارمی۔ کوئی ۶۴ میں جیسے نسر واقع۔ کوئی ۶۵ میں جیسے راکب الدامی۔ کوئی ۶۶ میں جیسے سہیل یمانی، نسر طائر، جوی الفرقد۔ کوئی ۶۷ میں جیسے نیر الفلکہ۔ یوں ہی ۸۲ برس تک اختلاف ہے۔''

جب ایک درجہ میں ۱۹ برس کا تفاوت ہے تو پورے دورے میں تقریباً سات ہزار برس کا فرق ہوگا''۔ (ضیاءِ میگزین ص ۸۵،۸۴،۸۳)۔

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ کنج خمولی میں بیٹھ کر دن رات مشاغل دینیہ میں انہماک کے باوجود آپ کے قلم اور فکر کا دائرۂ عمل کتنا وسیع تھا کہ جن مسائل پر قدیم مفکرین سر دھنتے اور اختلافات کرتے رہے ان کو آپ نے نہ صرف حل فرمایا بلکہ اس کی تہہ میں پوشیدہ جدت کا حسین سراغ بھی لگا کر چھوڑا۔ اور حرکت تو اپنی جگہ ہر ایک کی حرکت کا تعین بھی فرمایا۔ علم جدید کی فکری ژولیدہ سری کا ہر عقدۂ لاینحل آپ کے شعور کے ناخن نے کھول کر رکھ دیا۔ تعمق نظری اور فکر پردازی کے میدان عمل میں آپ نے نہ صرف زوایائے تخیلات کو باطل کیا بلکہ ابطال کے بعد صحت کا حسین اسلامی لباس بھی پہنایا۔

آپ کی ہمہ دانی اور عبقریت کا اعتراف جدید وقدیم ہر نظریہ والے نے کیا۔ فقہی تشخص اور عقلی تحیز دونوں آپ کے وجود کے ساتھ لازم بین تھے۔ یہ ایک واضح اور روشن حقیقت ہے کہ ان کی مہارت تامہ علم ریاضی و ہیئت وغیرہ علوم جدیدہ میں بھی اپنی مثال آپ تھی، یہی وجہ تھی کہ فن ریاضی کے ماہرین نے بھی ان کے سامنے گھٹنا ٹیک دیا اور اعتراف حقیقت کرتے ہوئے آپ کو وقت کا عظیم ماہر ریاضی بتایا۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ

ڈاکٹر سر ضیاء الدین کا انتہائی مشہور ہے:

۱۹۱۱ء میں امام احمد رضا کی ریاضی دانی کا دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین جنہوں نے جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی تھی اور علم ریاضی میں صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے یورپ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے فن ریاضی سے متعلق علم المربعات کا ایک سوال رام پور سے شائع ہونے والے ''دبدبۂ سکندری'' نامی ایک اخبار میں شائع کرایا کہ کوئی ریاضی داں اس کا جواب دے۔ جب وہ اخبار امام احمد رضا کی نگاہوں سے گزرا تو انہوں نے اس کا جواب شائع کرایا۔ اور ساتھ ہی ایک سوال بھی قائم کر دیا جو جواب کے ساتھ شائع ہوا۔ جب ڈاکٹر صاحب موصوف کی نگاہوں سے ان کے سوال کا جواب اور پھر ساتھ میں ایک سوال گزرا تو وہ ششدرہ گئے کہ ایک مولوی جس نے یونیورسٹی تو بہت بڑی بات ہے کسی کالج کا بھی منہ نہیں دیکھا صرف گوشۂ خلوت میں چٹائی نشیں رہ کر عمر گزار دیتا ہے اس کا یہ جواب اور پھر ساتھ میں سوال۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے امام احمد رضا کے سوال کا جواب شائع کرایا لیکن امام احمد رضا نے ان کے جواب کو غلط ثابت کر کے ڈاکٹر صاحب کو مزید ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اب ڈاکٹر صاحب کو امام موصوف سے ملنے کی آرزو دل میں چٹکیاں لینے لگیں لیکن مغربی اثرات نے ان کو دیر پا نہیں رکھا۔

اسی اثناء میں ڈاکٹر صاحب کو علم ریاضی کے ایک اہم مسئلہ پر غور وخوض کرنے کے بعد حل نہ ہونے کی صورت میں جرمنی کا سفر کرنے کا ارادہ ہوا۔ جب وہ اپنی پوری تیاریاں کر چکے تو یونیورسٹی کے صدر شعبۂ دینیات پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری سے ڈاکٹر صاحب کی ملاقات ہوئی۔ پروفیسر صاحب امام احمد رضا سے بہت متاثر اور ان کے عقیدت مند تھے۔ بات بات میں جرمنی جانے کا تذکرہ نکل پڑا۔ پروفیسر صاحب نے فاضل بریلوی سے ملنے کی ترغیب دی لیکن ڈاکٹر صاحب کا ضمیر مغربی تمدن سے اتنا متاثر تھا کہ پہلے جھجکے لیکن اصرار پیہم پر ملنے کے لئے تیار ہو گئے۔ سید صاحب کے ہمراہ بریلی پہنچے۔ فاضل بریلوی نے ضیافت کے فرائض انجام دیئے۔ اس کے بعد آنے کا سبب دریافت کیا تو ڈاکٹر

صاحب نے اس غیر نیچل مسئلہ کو سامنے رکھا جس کے لئے وہ جرمنی کا سفر کرنا چاہ رہے تھے اور اس کے حل میں کتنی راتیں آنکھوں آنکھوں میں کاٹ دی تھیں۔ ادھر سوالات ہوئے اُدھر تر کی بہ تر کی اس کا جواب ملتا گیا اور ایسے حسن تفہیم سے سمجھایا کہ ڈاکٹر صاحب عش عش کرا ٹھے۔ (مفہوم ماخوذ از ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' از پروفیسر مسعود احمد۔)

پھر کچھ دیر باتیں رہیں اور ریاضی سے متعلق مختلف مسئلوں پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ اسی درمیان کسور اعشاریہ متوالیہ کی قوت کا تذکرہ آیا اور ڈاکٹر صاحب نے اس کے متعلق اظہار خیال کیا کہ:

''(کسور اعشاریہ متوالیہ) تیسری قوت تک ہے۔ اس پر حضور (اعلیٰ حضرت) نے میرے (سید ایوب علی) اور قناعت علی کی طرف اشارہ کیا کے فرمایا کہ میرے یہ دو بچے ہیں انہیں جس وقت کا سوال دیں یہ حل کر دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب متحیر ہو کر ہم دونوں کو دیکھنے لگے۔ (رسائل رضویہ ص ۲۴۰)

ایک مرتبہ مولوی محمد حسین میرٹھی (موجد طلسمی پریس) نے ۱۹۲۹ء میں شملہ میں قیام کے دوران ڈاکٹر ضیاء الدین سے مولانا بریلوی اور ان کی ملاقات کا حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ:

''میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصہ سے ریسرچ کیا۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں'' (حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی ص ۱۰۹)۔

اسی ملاقات کے دوران فاضل بریلوی نے کچھ اشکال مختلفہ جو خود انہوں نے بنائیں اور ترتیب دی تھیں ڈاکٹر صاحب کو دکھائی گئیں تو وہ دنگ رہ گئے۔ بقول سید ایوب علی صاحب:

''بعد نماز کچھ باہمی گفتگو رہی حضور (اعلیٰ حضرت) نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں اکثر اشکال مثلث اور دوائر کے بنے تھے ڈاکٹر صاحب کو دکھایا ہم لوگوں نے دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نہایت حیرت اور استعجاب سے اسے دیکھ رہے تھے اور بالآخر فرمایا''۔ میں نے

اس علم کو حاصل کرنے میں غیر ممالک کے اکثر سفر کئے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں میں تو اپنے آپ کو بالکل طفل مکتب سمجھ رہا ہوں۔'' (رسائل رضویہ ص ۲۴۰)

علم ریاضی کے نقش مربع کا بھرنا بہت ہی مشکل ہے۔ بہت بڑے بڑے اور ماہرین اس کو زیادہ سے زیادہ پانچ چھ طریقہ سے بمشکل بھرنا جانتے ہیں لیکن فاضل بریلوی اس نقش کو دو ہزار تین سو طریقہ سے بھرتے تھے۔ علم ریاضی سے علم توقیت کا بڑا گہرا تعلق ہے۔ آپ علم توقیت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے۔ بیرونِ ممالک سے شائقین آپ کے پاس اس کے حصول کے لئے آتے تھے اور آپ کے خوانِ علم سے لقمہ اندوزی کرتے تھے۔ آپ نے بعض ایسے زائچے بنائے تھے جو ماہرین علم توقیت کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا کرتے تھے۔ یہ بھارت کا وہ عبقری تھا جس نے علم ریاضی خواہ قدیم ہو یا جدید یا علم ہیئت سب کو جلا بخشی اور بوریہ نشینی کے باوجود ان فنون کو اتنا اجاگر کیا کہ مستشرقین یورپ بھی انگشت بدنداں رہ گئے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

فاضل بریلوی اور عربی شاعری

پروفیسر محمد اسحاق قریشی
گورنمنٹ کالج، فیصل آباد (پاکستان)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ ایک مستند عالم دین، صاحب نسبت صوفی، قابل اعتماد فقیہہ اور لائق اتباع راہنما تھے جن کے علم وفضل نے ایک عالم کو یقین کی نعمت عطا کی اور جن کے دل زندہ نے ہر قلب سلیم کو جذب وکیف کی لذت سے آشنا کیا، جن کی فقاہت نے دورِ جدید کے چیلنج کو قبول کیا اور جن کی بصیرت و مستقبل بینی نے ملت اسلامیہ کو اپنے اور پرائے میں پہچان کرنے کی صلاحیت بخشی۔ آپ کے ہمہ جہتی کردار نے ہر انسان کو متأثر کیا، وقت کے ساتھ ساتھ یہ اثر آفرینی دو آتشہ ہوتی جارہی ہے۔ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ مستقبل قریب میں اس محسن کے احسانات کا ادراک تیز تر ہوجائے گا۔ متنوع اوصاف کی حامل یہ ذات ہر کسی کو دعوت نظارہ دے رہی ہے، شرط صرف حوصلے اور صلاحیت کی ہے آج یہ کیفیت ہے کہ علماء، اساتذہ اور محققین کی ایک کثیر جماعت آپ کے علمی شہ پاروں کا کھوج لگانے میں مصروف ہے جو پہلو پسند ہے وہ اسے ہی مقصود نظر بنا رہا ہے۔ اس تمام بوقلمونی کے باوجود جب آپ کی شخصیت کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ایک حقیقت نمایاں طور پر سامنے آتی ہے کہ اس تنوع میں ایک وحدت ہے اس ہمہ جہتی کا ایک مرکز ہے اور اس ذات کا ایک ہی حوالہ ہے۔ مظاہر کثیر ہیں مگر داخل کے آئینہ خانہ میں ایک ہی وجود جلوہ ریز ہے وجود ایک ہے مگر اس کی جہتیں لامحدود ہیں۔ جلوہ ایک ہے مگر جلوہ ریزیاں بے حساب ہیں، فاضل بریلوی علیہ الرحمہ ہر رنگ ایک ہی کی بات کرتے ہیں۔ آپ کے تفسیری

استخراجات ہوں یا فقہی استدلالات، گفتگو کا کلامی پہلو ہو یا نگارشات کا جدلیاتی رخ آپ کے نثری کارنامے ہوں یا شعری جواہر پارے، ایک لگن، ایک خیال اور کیف ہے جو قارئین اور سامعین کے دلوں کو ایک سمت کھینچے چلا جارہا ہے منزل ایک ہے راستے مختلف، محبوب ایک ہے اظہار کے پیرائے متعدد، یہ منزل، یہ محبوب وہ ذات ہے جو ساری کائنات کی تخلیق کا سبب اور ہر ایک کی توجہ کا مرکز ہے، فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی تعلیمات کا قاری ایک لمحہ بھی اس وجود سے غافل نہیں رہ سکتا اس لیے کہ نثر و نظم کا ہر اسلوب اور بیان وکلام کا ہر اشارہ مدینہ منورہ کی جانب رخ کیے ہوئے ہے۔ یہ قاری کی خوش بختی ہے کہ وہ ہر لمحہ دربار گہربار میں حاضر رہتا ہے، علم کے ساتھ یقین کی منزل اسے آسودگی عطا کرتی ہے لفظوں میں نہاں جذبے اور حرفوں میں لپٹی ہوئی محبت اس کے قلب و نظر کو بالیدگی عطا کرتی ہے اور وہ اس کیف مسلسل میں اپنے آقا کی حضوری میں ہوتا ہے یہ لمحات زندگی کی معراج اور عمل کا حاصل ہے۔

مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی محبت وعقیدت ان کی تحریر میں نمایاں ہے مگر ان کی شاعری میں اس کا اظہار نمایاں تر ہے اور مسحور کن بھی کہ اس سے دل سپیدہ کو جلا ملتی ہے۔ عشق و محبت کے یہ زمزمے کوثر و تسنیم کی پھوار کی طرح شعور و آگہی کو معطر کردیتے ہیں۔ نعت کہنے والوں کی کمی نہیں۔ بہت سے خوش نصیب ایسے ہیں کہ جنہوں نے مدح رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی کا محور بنالیا ہے۔ ہر مدح نگار محترم ہے کہ وہ ایک عظیم مشن میں شریک ہے لیکن فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی نعت میں جو جاذبیت اور کشش ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے، آپ کا کوئی شعر یا مصرعہ جب کہیں سے گوش نواز ہوتا ہے تو سامع اس کی شناخت میں غلطی نہیں کرتا اس لیے کہ ہر مصرعہ مہکتا ہے اور ہر شعر صاحب شعر کی طرف توجہ دلاتا ہے، یہ منفرد انداز لفظی حسن کا مرہون منت نہیں اس باطنی کیف کا غماز ہے جو صاحب کلام کے دل میں موجزن ہے۔ باطن کی سرمستی لفظوں میں تحلیل ہوگئی ہے اور شعر دل کے جذبوں کا امین اور باطن کا عکاس ہوتا ہے، ماہرین کہتے ہیں کہ فاضل بریلوی کے ہر شعر میں سوز محبت کے ساتھ شریعت اسلامیہ کی پاسداری کا خصوصی اہتمام ہے میں

سمجھتا ہوں کہ یہ اہتمام داخل کا پرتو ہے جب محبوب دل میں مسند نشین ہو اور ذاتِ محبوب دل کی دھڑکنوں میں جاگزیں ہو تو آداب محبت سکھائے نہیں جاتے، محبت کی پختگی اور عشق کا کمال خود راہبری کرتے ہیں شاعر پھر لفظ تلاش نہیں کرتا بلکہ مناسب الفاظ خود باوضو ہو کر اترنے لگتے ہیں، فاضل بریلوی کی شاعری ایسے ہی معطر جذبوں اور مطہر خیالات کی حامل ہے، ہر اس دل کی آواز ہے جو درِ حبیب پر ہر دم سرنگوں ہے جہاں سر کے جھکنے یا نہ جھکنے کو نہیں دیکھا جاتا باطن کے سجدوں کی بات ہوتی ہے۔

مدح رسالت مآب ﷺ اسی فطری جذبے کا سب سے ارفع اظہار ہے، یہ اپنی مخصوص ہیئت اور عناصر ترکیبی کے حوالے سے منفرد ہے۔ یہ خالص جذبوں اور معطر خیالات کا وہ حسین مرقع ہے جو سراسر محترم اور ہمہ تن مقدس ہے یہ مدح نگار کے ضمیر کی آواز ہے جو سامع کو ہر نوع متاثر کرتی ہے، یہ عام مدیح کی طرح نہ آسان ہے اور نہ ہر کسی کے بس کی بات ہے بلکہ یہ تو ایک مشکل ترین صنف ہے، تاریخی عمل بتاتا ہے کہ وہ شعراء جو ہر کس و ناکس کی مدح میں مبالغے اور غلو کی تمام حدیں پار کر رہے تھے اور جنہیں رائی کا پہاڑ بنانے کا فن بھی آتا تھا مدح ممدوح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے ژولیدہ بیان ثابت ہوئے کہ ایک شعر بھی نہ کہہ سکے۔ وجہ یہ تھی کہ سفلی جذبات اور مادی خواہشات کے دام میں اسیر اس روحانی سربلندی کے قابل نہ ٹھہرے تھے۔ پاکیزگی خیالات کے حوالات سے نعت عام انداز مدیح سے قطعاً مختلف ہے اس لیے اسے عام مدحیہ شاعری کا جز و خیال کرنا اور اسی کے پیمانے سے ناپنا اس فن شریف سے انصاف نہ ہوگا، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نعت کا موضوع وہ ذات ہے جو دیگر ممدوحین سے بلند تر اور عظیم تر ہے وہ ایسے خصائص عالیہ سے متصف ہے جہاں نہ شراکت ممکن ہے اور نہ کما حقہ اس کا بیان مدح نگار کے بس میں ہے۔ رسول معظم ﷺ کی ذات کا ہر رخ قلب شاعر کو تحریک دیتا ہے یہ تو شاعر کا اپنا ظرف ہے حوصلہ ہے کہ وہ جمال جہاں آرا کے کن کن گوشوں سے کسب فیض کی استطاعت رکھتا ہے۔ نعت مفروضی تصویر کشی نہیں اور نہ واقعات شماری ہے بلکہ ایسا ذاتی عمل ہے جس میں ذات محبوب کا عکس جمیل دل پر نقش ہو جاتا ہے نعتیہ شاعری ممدوح کی سیرت گری نہیں اپنے باطن

کا عکس ہے اور وہ باطن جہاں ممدوح بصد حسن و زیبائی مسند نشیں ہے موضوعات مدح کو جب شاعر اپنے داخل کے حوالے سے محسوس کرتا ہے اور اس کا قلبی تناظر اس احساس کو فعال قوت بنا دیتا ہے تو نعت وجود میں آتی ہے اگر عقیدت و محبت کا سوز نہیں اور مدح دل کی آواز نہیں تو یہ منظوم سیرت نگاری ہوگی نعت نہیں۔

نعت کی حدود کا تذکرہ کرتے ہوئے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض حمد میں ایک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب حد بندی ہے۔''

اس حد بندی کے عناصر یہ ہیں۔

''ممدوح یکتا اور بے مثال ہے، مدح کے مضامین میں یکسانی کا احتمال ہے کہ مقصودِ نظر ایک ہے وہ ذات جس کا ذکر ہر کہیں ہوتا رہا ہے، ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ مدح نگار کا امتحان ہے کہ وہ کون سا گوشہ انتخاب کرتا ہے تاکہ نعت اس کے داخل کی آواز بنے اور صرف عروضی جمع تفریق بن کر نہ رہ جائے۔

ممدوح ہمہ صفت موصوف ہے ممدوح اگرچہ ایک ہے مگر اس کی ذات اس قدر لا محدود اور لامتناہی ہے کہ بہت کچھ کہنے کے بعد بھی کہنے کی گنجائش باقی رہتی ہے اس لیے کہ نعت گو کو سیرت کے مطالعہ کا ذوق چاہیے اور صفات کی کثرت کا احساس بھی۔

مدح میں اعتراف عجز چاہیے نعت گو کو اپنی پوری توانائیاں خرچ کرنے کے بعد بھی عجز کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ذات موصوف کا حق بھی یہی ہے اور احترام ذات کا تقاضا بھی یہاں ہر مدح خام اور ہر بیان کوتاہ ہے۔ علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے۔

وانسب إلی زاته ما شئت من شرف   وانسب الی قدره ما شئت من عظم
فان فضل رسول الله لیس له   حد فعیوب عنه ناطق بفم

☆ ادب واحترام کا خیال ہر لحہ دامن گیر رہنا چاہیے، موضوع نازک بھی ہے اور عظیم بھی، نازک یوں کہ یہاں جنبش لب یا لغزش قدم پر دنیا وعقبیٰ کی تباہی کا خطرہ ہے قرآنی تعلیمات کے مطابق اس دربار میں۔

☆ صوتی آہنگ عاجزانہ ہو اور آواز پست رہے۔

☆ طرز خطاب میں انکسار اور تواضع ہے۔

☆ پکار بے باکانہ نہ ہوکر یہ سوءِ ادب ہے۔

☆ اسم ذات سے ندا غیر محمود ہے کہ خود پروردگارِ عالم نے یوں نہیں پکارا۔

☆ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے متعلقین کی عزت وحرمت کا احساس بھی دامن گیر رہے۔

☆ تشبیب عربی قصائد کا ابدائیہ رہی ہے اس بارے میں علماء مختلف الخیال رہے کہ یہ نعتیہ قصائد کا سرنامہ بن سکتی ہے یا نہیں، دلائل دونوں جانب موجود ہیں مگر یہ بہر حال تسلیم ہے کہ اس سے قاری کے ذہن میں موضوع کی عظمت کے تصور کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے، جذبات عشق منھ زور ہو کر نعت کی نورانی فضا کو مکدر نہ کریں بلکہ صرف ذات محبوب کے حواشی کے طور پر آئیں اور 'غبار ناقہ' سے 'محمل لیلیٰ' کا سراغ ملے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ایک پر گو شاعر تھے انہیں اصنافِ سخن کی حدود و قیود کا بھی احساس تھا اور شعر کی اثر آفرینی کا بھی۔ اردو، فارسی اور عربی میں ان کی شعری کاوشیں دنیائے ادب سے خراج عقیدت وصول کر چکی ہیں، بہت سے ماہرین فن آپ کی اردو شاعری کے حوالے سے تحقیقی مقالے مرتب کر چکے ہیں آپ کے شعری ذوق اور ادبی عظمت کو ہر صاحب فن نے فراہا ہے، ہماری گفتگو چونکہ صرف عربی شعر کے بارے میں ہے اس لیے ان تمام فنی وادبی محاسن سے صرف نظر کرتے ہوئے ہم عربی شاعری کے تناظر میں اپنی گزارشات پیش کررہے ہیں۔ عربی شاعری میں نعتیہ روایت اس قدر قدیم ہے جس قدر قدیم ذات رسالت مآب ﷺ کا تذکرہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نعت نے اسلامی

معاشرے میں ایک برتر صنفِ سخن کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور یہ عقیدت ومحبت کا سلسلہ عصر حاضر تک عرب دنیا میں اپنی عظمت منوا رہا ہے، غیر عرب اسلامی دنیا میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ مدّح رسالت پناہ ﷺ کی سطوت قائم ہوئی، ہر دل مضطر کی پکار نعت کے قالب میں ڈھلی اور غیریت زبان کے باوجود عربی نعتیہ شاعری کا رواج عام ہوا، ترکستان، ایران، افغانستان میں ترکی اور فارسی شاعری کے ساتھ عربی شاعری بھی ارتقا پذیری رہی، برصغیر پاک وہند میں یہ سعادت ان لوگوں کو حاصل ہوئی جو صاحبان علم بھی تھے اور جنہیں صوفیا کی محافظ میں رسائی بھی حاصل تھی، صفائے قلب نعتیہ شاعری کا جوہر ہے جن کے بغیر نعت کہی ہی نہیں جا سکتی اس لیے برصغیر میں یہ صنف لطیف صوفیاء کی مجالس میں پروان چڑھی۔ عبد المقتدر تھانسیری، مولانا احمد شریحی، شیخ حامد جمالی، شیخ محمد یعقوب حرفی، مولانا فیض احمد بدایونی، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبد العزیز دہلوی، غلام علی آزاد بلگرامی، مولانا محمد حسن سنبھلی، شاہ عبد القادر بدایونی، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا خیر الدین وہ برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کی توجہ سے عربی شعر کو جلا ملی اور عربی نعتیہ شاعری کا وجود برقرار رہا۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ اسی گروہ کا نمائندہ نام ہے جن کی شاعری کا سارا سرمایہ نعتیہ شاعری پر مشتمل ہے۔ عجمی ماحول میں زندگی گزارنے والے علماء اپنی ذاتی کاوشوں سے اس رابطے کو قائم رکھ سکے تھے یہ محنت طلب کام تھا مگر باطنی کیف اور ذوق فراواں ان مشکلات سے کامیاب گزرنے میں معاون رہے، شاعری کو دو حوالوں سے ناپا جا سکتا ہے۔ کمیت کے پیمانے سے یا کیفیت کے حوالے سے، فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی عربی شاعری برصغیر کے بہت سے بزرگوں سے تعداد شعر کے لحاظ سے زیادہ ہے، اگرچہ آپ کی عربی شاعری پر کوئی مستقل تالیف سامنے نہیں آئی مگر پھر بھی جو کچھ ان کی تحریروں میں بکھرا ہوا ملتا ہے وہ ایک مستقل دیوان کا حجم ضرور رکھتا ہے۔ اب تک جو اشعار دستیاب ہو چکے ہیں ان کے مطابق مراثی تقاریظ، مدحیہ کلام اور مناظرانہ انداز شعر کا مجموعۂ چار سو شعر کے قریب ہیں جب کہ نعتیہ شاعری کی مناسبت سے ۳۵۳ر اشعار موجود ہیں اس طرح آپ کے عربی اشعار کی مجموعی تعداد ۷۵۱ر شعر ہے اور یہ تعداد

ایک عربی دیوان کے عمومی حجم سے بھی زیادہ ہے۔ کمیت کے اعتبار سے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ عربی زبان وادب کے طلبہ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں کہ برصغیر میں اس حد تک پرگو شاعر کم دیکھنے میں آئے۔ عربی شعر کے حوالے سے محققین کو اس جانب اپنی تحقیقات کا رخ موڑنا چاہیے۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے کلام کا داخلی مطالعہ یہ حقیقت واضح کرتا ہے کہ اس میں جا بجا قدیم عربی شاعری سے مولانا کا شغف نمایاں ہے، علماء فن جانتے ہیں کہ مطالعہ علمی پیش رفت کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے، علامہ اقبال کی شاعری میں ایسے حوالے ہر کہیں موجود ہیں بعض اساتذہ نے اس ذہنی ربط کا سراغ لگانے کی بھی کوشش کی ہے آپ نے مولانا فضل الرسول بدایونی علیہ الرحمۃ کی مدح میں ۳۱۳ر اشعار پر مشتمل قصیدہ لکھا، یہ نویز قصیدہ عربی قصائد میں اپنی فصاحت وبلاغت اور روانی کی بناء پر بلند مقام رکھتا ہے، اس میں الفاظ کا دروبست اور خیالات کا بہاؤ اس قدر منضبط ہے کہ پورا قصیدہ ایک اکائی بن گیا ہے اس کی ابتدا میں عربی قصائد کے مشتملات کی مناسبت سے تشبیب کہی گئی ہے اور قدیم عربی قصائد کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ''کتاب الحماسہ'' میں جعفر بن عبد الحارثی کے اشعار کو بڑی اہمیت حاصل ہے، آپ نے اپنے قصیدے میں اس کا ماہرانہ انداز میں ذکر کیا اور بعض عمدہ اضافے کئے فرماتے ہیں۔

بانت وما لا نت قبانت لوعتی　　　یا خیبتی فی الصبور والکتمان
راحت از مة راحتی من راحتی　　　و کذاک کل مودع الاخذان
ولت وما و الت فوالت عبرتی　　　لم لا اهیم اذا الحبیب جفانی

مولانا کی شاعری میں تشبیب کا حوالہ تو ضرور ہے مگر آپ کبھی بھی اپنے مقصود نظر سے غافل نہیں ہوتے یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو محبوب کائنات ﷺ سے غیابت کا ایک لمحہ بھی گوارا نہیں اس لیے اگر کہیں روایت قصیدہ کو نبھایا تو صرف اس حد تک کہ ان کے اشعار کا ماضی سے رشتہ نہ ٹوٹ جائے چنانچہ فرماتے ہیں۔

ما کان هذا دیدنی الکنه　　　تشبیب شعرٍ لا دوا لشبان

مولانا کی نعتیہ شاعری کا مرکزی نقطہ توسل واستغاثہ ہے آپ کے یہاں شعری حکایت کا تصور نہیں ہے آپ جو کچھ کہتے ہیں اسے اپنے دل کی آواز اور روح کی پکار بناتے ہیں، ان کا رجحان طبعی خود سپردگی اور جاں دادگی کا غماز ہے۔ کیف آمیز وجدانی احساسات نے ان کی شاعری کو والہانہ پن عطا کیا ہے آپ جس زبان میں بھی اظہار کرتے ہیں یہی طرز ادا اپناتے ہیں، بے ساختہ پکار آپ کی شاعری کا امتیازی وصف ہے مولانا کے استغاثے میں زندگی کی بے چینیوں سے سکون کی تلاش، شراعداء سے حفاظت کا سامان اور آخرت میں توسل وشفاعت کی تمنا شامل ہے دنیا کے مصائب سے پناہ کی خواہش کے ضمن میں مدینہ منورہ کی حاضری، تصوراتی حضوری اور فراق کی چبھن کے مضامین بیان کیے گئے ہیں، یہ حصہ آپ کے وجدان کا مظہر ہے، آپ بھری دنیا سے منہ موڑ کر ایک دربار کے ژلہ ربا ہونے میں راحت پاتے ہیں۔ سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ان کا کوئی ممدوح نہیں اس لیے ان کی عقیدت ومحبت توحید مست ہے، دوئی اور شراکت کا کوئی شائبہ اس وحدتِ فکر کو داغدار نہیں کرتا آپ صرف اپنے کریم کے گدا ہونے میں سکون پاتے ہیں اور مدح اہل دول، ان کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ کاسہ لیسی کی ہر جہت سے محفوظ رہنا وہ کارنامہ ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی، علوم دینیہ کی مہارت اور تعلیمات اسلامیہ کی محبت نے آپ کو سیرت اور حواشی سیرت کے لاتعداد موضوع مہیا کر دیے تھے موضوعات کی کثرت اور خیالات کی بہتات نے کلام میں حکایاتی انداز پیدا نہیں ہونے دیا، واقعہ نگاری سے اجتناب اور احترام میں بسی ہوئی شرمیلی آنکھ نے آپ کو منفرد وصف عطا کر دیا ہے۔ شریعت کی مطابقت نے شعر کو مقدس اور صاحب شعر کو محترم بنا دیا ہے۔ سیرت نگاری یا فضائل شماری ان کی شاعری کا ہدف نہیں بلکہ واقعات سیرت کے قلبی تاثر اور فضائل وخصائل کے داخلی وجدان کا اظہار مقصود ہے، واقعات ہوں یا فضائل یہ خارج کی بات نہیں بلکہ آپ کے لوح قلب پر منعکس خیاپاشیاں ہیں ہ ان کی پرچھائیاں اشعار کے آئینوں میں جگمگا رہی ہیں، مولانا کے یہاں موضوعات مدح محرکات نفس میں ڈھل گئے ہیں اس لیے ان کی مدحیہ شاعری میں جذبات کی فراوانی اور خیالات کی سرشاری عطر بیز ہے دربار رسالت صلی اللہ

علیہ وسلم میں پناہ طلبی ان کا خاص موضوع ہے اس لیے والہانہ پکار بھی ہے اور قلب مضطر کا استغاثہ بھی ؎

رسول اللہ انت بعثت فینا   کریماً رحمۃً حصنا حصینا

تخوفنی العدیٰ کیداً متینا   اجرنی یا امان الخائفینا

اس کرم ورحمت پر انہیں اس قدر اعتماد ہے کہ ان کے استغاثے کامل سپردگی کا مظہر بن گئے ہیں، پکار کی شدت اور طرز ادا کی انفرادیت دیکھئے فرماتے ہیں ؎

رسول اللہ انت المستجار   فلا احشی الاعاری کیف جارو

بفضلک ارتجی ان عن قریب   تمدّق کیدھم والقوم باروا

ایک مقام پر جب کہ وہ مقام مصطفیٰ ﷺ کی صیانت کے لیے شمشیر بے نیام نظر آتے ہیں اپنی قوت اور دشمنوں پر یلغار کی شدت کا حوالہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کو قرار دیتے ہیں۔

ولذ برسولہ فلیاذ ہ الحق   وعا ھدہ من اللہ العھود

جوار لا یضام رلا یرام   ورکن لا یھد ولا یھید

یہی یقین مختلف پیرایوں میں بیان ہوا ہے کہیں تو انداز بیانیہ ہے جیسے۔

رسول اللّٰہ انت لنا الرجاء   و فضلک واسع وجداک جعد

اور کبھی سامعین کو یہی بات نصیحت کے انداز میں بتاتے ہیں تا کہ ان میں اعتماد اور حوصلہ پیدا ہو۔

حبیب اللہ من تقر بہ حفظا   فکل کریھۃ عنہ بعید

اور فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے ہمیشہ سے یہی دربار انسانیت کی پناہ گاہ اور حفاظت گاہ رہا ہے اور قیام تک یہ فیض جاری رہے گا۔ مولانا کو اپنے نظریات اور معتقدات پر اس قدر یقین ہے کہ حوادث زمانہ کا کوئی جبر انہیں متزلزل نہیں کر سکتا۔ یہ صرف لفظ نہیں بلکہ ان میں پرخلوص جذبوں کا بحر بے کنار موجزن ہے......۔

فرماتے ہیں:

بک استغاثة الانام فی البلا   تکشف عنهم کل مابه بلوا

مزید فرمایا

ما ذال خیرا من سواه فائل   کلا و لا یرجی بغیره نائل

یہ حتمی فیصلہ اس لیے ہے کہ

منه الرجا منه العطاء منه المدد   فی الدین و الدنیا والاخری للبک

اس اعتماد کا سبب صرف ان کا ذاتی حوالہ نہیں وہ روایات اور شواہد ہیں جو احادیث کی کتب میں مذکور ہوئے اور جن کی صورت کا ہر کسی نے اعتراف کیا ہے۔ اس لیے فرماتے ہیں۔

وکل خیر من عطاء المصطفیٰ   صلی علیه الله مع من یصطفیٰ

الله یعطی والحبیب القاسم   صلی علیه القامة والاکارم

مولانا کا وظیفہ حیات ہی یہی ہے کہ وہ سرکار گردوں پناہ کے حضور استغاثے پیش کرتے رہیں، بیانیہ انداز ان کے اعتماد کا مظہر ہے اور ندائیہ انداز طلب ان کی وارفتگی کا آئینہ دار ہے ان کی دعا میں بھی یہی حوالہ معتبر ہے کہ یہی قبولیت کا واحد ذریعہ ہے حضور حق میں اپنا آقا ومولا کا توسل ان کی شاعری کا امتیازی صف ہے اور یوں حمد اور نعت میں قرب کی منزل پیدا ہوتی ہے فرماتے ہیں ۔

الهی الیک بالحبیب توسلی   به فاغفر اللهم زیتی و زلتی

اپنی مشہور حمد میں جو ستر اشعار پر پھیلی ہوئی ہے فرماتے ہیں۔

فإلی العظیم توسلی   بکتابه وبأحمد

و بمن أتی بکلامه   وبمن هدی و بمن هدی

و بطیبة و بمن حوت   وبمنبر و بمسجد

کبھی توسل کے حصار کو بھی توڑ کر اپنے آقا کے حضور خود حاضر ہو گئے اور خطاب میں بے پناہ جوش در آیا۔

یا مالک الناس النبی المصطفیٰ   اشفع بعبدک دافعا لبلاء

انہیں محبوب کائنات ﷺ کے عفو وکرم سے امید ہے کہ آپ اپنی سرشت حیا کے صدقے ان کی لاج رکھ لیں گے اس لیے بسا اوقات طلب خفی پر اکتفا کرتے ہیں۔

ا اُذکر حاجتی عن من کفانی   حیاؤک ان شیمتک الحیاء

رسول الله فضلک لا یحصیٰ   ولا بجودک السامی الانتهاء

فان اکرمتنا دنیا و أخری   ولیس بحرک تنقصه دلاء

مولانا اس وارفتگی میں اس ذات اقدس ﷺ کی مدح کے ترانے گاتے اور خصائص عالیہ شمار کرتے جاتے ہیں لیکن فضائل وشمائل کا تذکرہ تمہید ہوتا ہے ان کی اپنی روداد غم کے تذکرے کی، اس لیے صرف مدح آپ کے ہاں نہیں ملتی، انہوں نے ذات رسالت مآب ﷺ کا دور سے مشاہدہ نہیں کیا، نہ ظاہر میں نہ تصور میں بلکہ آپ انہیں اپنے قلب وجگر میں جاگزین پاتے ہیں اس لیے عرضداشت کا رنگ سرگوشی کا سا ہے اور جہاں پکارہے تو وہ سرافرازی قسمت کا بے ساختہ اظہار ہے، ہمہ وقت قرب کا تصور مدام سلام کا خیال ابھارتا ہے اس لیے مولانا کبھی ان کے کرم کی بھیک مانگتے ہیں تو کبھی جذبوں کے ہدایا نظر کرتے ہیں ۔

وافضل الصلوٰة الزاکیات علی   خیر البریه منجی الناس من سقر

وہ ایسا درود پیش کرنے کی خواہش رکھتے ہیں جو ہر دم ہو اور جسے کبھی ختم ہونا نصیب نہ ہو۔

صلاة لا تحد ولا تعد   ولا تغنی و إن فنیت ابود

سلام لا یمن فلا یمانی   ولا یبلی متی بلیت عهود

اسی لیے حمد میں بھی یہی تصور دامن گیر رہتا ہے کہ درود کو خالق کا حوالہ حاصل رہے تا کہ اس کا دوام حتمی قرار پائے، دعا میں بھی محبوب ابداد قرار ﷺ پر درود کا خیال مرکز دعا بنا رہتا ہے، فرماتے ہیں۔

وصلاته دوما علیٰ   خیر الانام محمد ﷺ

وادم صلاتک والسلام   علی الحبیب الاجود

ماغر رت ورقا علی   بان کخر مغرد

ان کا ایمان ہے کہ کوئی پسند کرے یا نہ کرے منکسر المزاج مومن کا حق ہے کہ ایسے موقعوں پر سراپا احترام بن جائے اور احتراماً قیام کرے تا کہ حضوری کا تصور بھی رہے اور عاجزانہ حاضری کا خیال بھی۔

فحق خضوع الوجه رغماً لكاره   وإن ينهضن الاشراف عند سماعه

قياماً صفو فا او حبشيا على الركب

فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی شاعری کا محور جذبۂ عشق ہے، ایسا جذبہ جو اپنے اظہار میں مؤدب ہے ان کا لہجہ متواضع اور ان کا انداز خطاب ملتجیانہ ہے، لفظوں میں متانت اور طرز ادا میں انکسار ہے، ذاتی احکام ہر لحہ پیش نظر رہتے ہیں تو دربار نبوی کا جمال ہر دم حوصلہ بڑھاتا ہے۔ جذب وانجذاب کا یہ سلسلہ ہمہ وقت ان کی شاعری میں موجزن ہے محبت وعقیدت کی اس فضا میں اس لمحہ ارتعاش پیدا ہوجاتا ہے جب کسی جانب سے ذات ممدوح کے احترام میں کمی کا احساس ابھرتا ہے، ان کی بے پناہ محبت دفاعِ ذات رسالت میں شمشیر برّاں بن جاتی ہے ایسے میں ان کا والہانہ پن دیدنی ہوتا ہے، ہر جانب سے للکارتے ہیں اور ہر جملہ پسپا کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اردو اور فارسی کلام میں ایسے مناظر کثرت سے نظر آتے ہیں مگر عربی شاعری تو ان کے اپنے ذوق کی تسکین کے لیے ہے کہ اس کے سامعین عوام نہیں اس لیے یہاں ایسے لمحات کم آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ عربی شاعری میں جب مقام مصطفوی کا تحفظ بھی مقصود ہے تو پھر بھی لہجہ عالمانہ رہا ہے جب کہ اردو فارسی میں کہیں کہیں معلمانہ کیفیت بھی پیدا ہوئی ہے۔

مولانا کی شاعری کا مجموعی جائزہ یہ واضح کر دیتا ہے کہ ان کی نعت پر قرآنی ادب کا سایہ ہے۔ کہیں بھی جوش محبت بے راہ نہیں ہوتا اور کسی مقام پر بھی شعر جذبوں سے خالی ہو کر صرف عروضی کرشمہ سازی دکھائی نہیں دیتا۔ شعر حدود شریعت میں رہتے ہوئے بھی معطر خیالات کا امین ہے اسلام کا مقصود ہر آن راہنما ہے نہ کہیں شعری ضرورت راہ راست سے بہکاتی ہے اور نہ سرمستی بے قابو ہونے پر اکساتی ہے جوش و ولولہ بے حد وحساب عقیدت،

کامل محبت اور تزلہ ربائی کا شوق فراواں اپنی بہار تو دکھاتا ہے مگر انگشت نمائی کا موقعہ فراہم نہیں کرتا مولانا کی شاعری اسلامی نظریات کی حامل شاعری کا بہترین نمونہ ہے کہ جس میں شریعت اور شریعت گلو در گلو ہیں اور یہی آپ کی شاعری کا نقطۂ کمال ہے۔

کہتے ہیں کہ شاعر کو شعر گوئی کا ملکہ فیاض فطرت عطا کرتی ہے وہ شعر کہتا نہیں شعر اس سے ہو جاتا ہے، مولانا ایسے ہی مطبوع اور فطری شاعر تھے کہ شعر ان پر نازل ہوتے تھے۔ اس وہبی کمال کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنے مطالعے اور محنت سے شرعی علوم پر بھی مکمل دسترس حاصل کر لی تھی، انہیں شعر کے تمام جوانب کا احساس رہتا تھا لفظی مناسبت اور معنوی حسن ان کے شعری ذوق کے بنیادی عناصر تھے، ایک ایک لفظ منتخب ہے اور معانی کا ہر پہلو ذوق جمال کے معیار پر تلا ہوا ہے حتی کہ کسی دوسرے سے کچھ سنتے تو نامحبوب خیال یا نامانوس لفظ پر فوراً گرفت فرماتے، یہ خیال کبھی محو نہ ہوتا کہ دربار گہر بار میں تحائف پسندیدہ ہونے چاہئیں، مولانا احمد بخش تونسوی علیہ الرحمۃ نے ۱۱۴/اشعار کا ایک مدحیہ قصیدہ برائے اصلاح حاضر کیا تو بیماری کے باوجود اور کتب حوالہ کی عدم دستیابی کے باوصف ۱۰۱ شعروں میں ترمیم واصلاح فرمائی ۲۶/اشعار بدل دیے اور اپنی جانب سے اضافہ کر دیا اصلاح کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ لغوی، صرفی، نحوی اور عروضی کوئی پہلو بھی نظر انداز نہیں ہوا اور سب سے بڑھ کر قیام کی عظمت کے خیال سے مجموعی تاثر کی بھی اصلاح فرمائی، مولانا عقائد میں جھول اور نظریات میں رعایت کے قائل نہ تھے اس لیے جہاں ایسا محسوس ہوا فوراً ترمیم کی مثلاً ایک شعر تھا۔

ان كنت عونا لى ايا ما لكى   من قدرك الاعلىٰ فلا يقلل

اس میں اولاً عونا لی کو عون العبد بنایا تا کہ معاونت سرکار محدودیت کا شکار نہ ہو پھر ایا مالکی کو یا مالکی کیا اور آخر پر من قدرک الموفود لا یقلل کر دیا۔ حاشیہ پر ترمیم کی وجہ یہ لکھی۔

''ایا و هیا و همزه کے ساتھ اللہ ورسول کو ندا مجھے پسند نہیں، یونہیں اردو میں او کے ساتھ سخت گراں گزرتی ہے اور معمولات جزا کی ف پر تقدیم نہیں ہوتی۔''

محبوب کائنات ﷺ کو ہر لحہ قریب تر جاننے والے پر بعید کی ندا گراں گزرتی

ہے۔ایک اور شعر ہے ۔

لکننی ابنی شغفت بہ　　حیاً ولکن قدیتا ھل

اس شعر کو مکمل طور پر بدل دیا اور لکھا

مولای لی ابن قد شغفت بہ　　حیأ ولکن ارایھمل

وجہ یہ ارشاد فرمائی ''ابنی میں ہمزہ وصل ہے اور یہاں فاعلن نا مطبوع اور تساہل غالباً متعدی بنفسہ نہیں اور تاسیس تھی اور پہلا 'لکن' بے محل تھا۔''

اس پورے قصیدے میں آپ کی ترمیم اور اصلاحی مشورے اتنے جان دار ہیں کہ یوں محسوس ہوتا ہے ایک ایک لفظ آپ کے تنقیدی شعور کے معیار پر پرکھا گیا ہے۔ مولانا کو نہ لفظی بے کیفی پسند ہے اور نہ معنوی تضاد اور بے ربطی، اپنے خط میں مجموعی رائے دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہے:

''فقیر نہ عروضی ہے نہ لغوی، فنون ادب میں درسیات بھی نہ پڑھیں نہ یہاں پہاڑ پر کوئی کتاب لغت ادب وعروض کی حاضر، اپنے ذوق پر جو خیال میں آیا عرض کیا۔''

مولانا کا یہ ذوق بھی قرآن وحدیث سے ہی عطا ہوا تھا اس لیے فرماتے ہیں۔

''میرے نزدیک حتی الامکان احتیاج تاویل سے بچنا چاہیے کہ حدیث میں فرمایا

''ایاک ومایعتذر منہ۔''

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کا فارسی شاعری میں حصہ

ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی

استاذ-شعبۂ تاریخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

ہندوستان پر ترک مسلمانوں کی باضابطہ حکومت ۱۲۰۶ء میں قائم ہوئی۔ چونکہ ان کی زبان فارسی تھی اس لیے انہوں نے اس کو یہاں کی سرکاری زبان (Official Language) قرار دیا۔ ظاہری بات ہے کہ غالب قوم کی تہذیب وتمدن کا اثر مغلوب قوم کی تہذیب وتمدن پر ہوتا ہے اس لیے اس کے اثرات یہاں کی تہذیب وتمدن پر ہونے لازمی تھے جو ہوئے بھی جس کے نتیجے میں باشندگان ہند نے بلا تفریق مذہب وملت فارسی زبان سیکھی اور اپنی اپنی طبیعت وصلاحت کے مطابق اس میں علمی وادبی کارنامے انجام دیے مگر اس کے یہ اثرات صرف علمی، ادبی اور سیاسی میدان تک محدود نہیں تھے بلکہ دینی ومذہبی علوم پر بھی ہوئے۔ اس لیے مسلم علما اور دانشوروں نے اس کی طرف توجہ کی اور اسلامی علوم کو اس زبان میں منتقل کرنے لگے چنانچہ اس زبان میں قرآن کریم وحدیث پاک کے ترجمے ہوئے۔ تفسیریں لکھی گئیں اور فقہ وتصوف پر کتابیں، رسالے اور تذکرے لکھے گئے بایں وجہ برصغیر ہندو پاک میں اسلامی علوم کا بہت بڑا ذخیرہ اس زبان میں جمع ہوا جب کہ غیر منقسم ہندوستان کے عہد وسطی کی تاریخ وتمدن کا پورا سرمایہ اس زبان میں موجود ہے۔

۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد جب انگریز یہاں برسر اقتدار آئے

تو انگریزی زبان نے فارسی کی جگہ لے لی مگر ہندی زبان جو یہاں کی عوامی اور رابطے کی زبان تھی اس نے عربی وفارسی کی آمیزش سے ایک نئی مشکل اختیار کی جسے اردو کا نام دیا گیا چونکہ اس نو مولود زبان کا ڈھانچہ (رسم الخط) اور پہناوا واوڑھاوا (الفاظ وتراکیب) فارسی زبان سے مستعار تھا اس لیے باشندگانِ ہند کو اسے اپنانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی انہوں نے نہ صرف اسے اپنایا بلکہ فروغ بھی دیا۔ جس کے نتیجے میں آج ہندو پاک میں مسلمانوں کا خاطر خواہ علمی، مذہبی اور تمدنی سرمایہ اس زبان میں پایا جاتا ہے۔

البتہ اٹھارہویں صدی عیسوی کے علماء دانشوران اور شعراء نے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے اور انہیں صفحۂ قرطاس پر لانے کے لیے دونوں زبانوں (فارسی، اردو) کا سہارا لیا اور ان دونوں زبانوں میں اپنی نگارشات وتصنیفات قلمبند کیں۔

اس صدی کے وہ علماء ودانشوران جن کی تصنیفات، تالیفات اور تخلیقات دونوں زبانوں میں پائی جاتی ہیں ان میں مولانا محمد حسن قتیل لاہوری (وفات ۱۸۱۷ء) حضرت نیاز بریلوی (وصال ۱۸۳۵ء) غالب دہلوی (وفات ۱۸۶۸ء) علامہ اقبال (وفات ۱۹۳۸ء) اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان (وصال ۱۹۲۱ء) قابل ذکر ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ اپنے زمانے (۱۹۲۱-۱۸۵۶ء) کے ایک مایۂ ناز عالم فقیہہ، محدث، مفسر، مدرس، مقرر، شاعر، ماہر علم ہیئت وتوقیت وریاضی اور کثیر التصانیف صنف تھے۔ علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

’’اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی پیدائش اور نشو ونما اس خاندان میں ہوئی جو علمی و عملی خاندان تھا جہاں درس وتدریس وعظ وتقریر اور سب سے زیادہ تصنیف وتالیف انشاء وتحریر کا دستور تھا‘‘ (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص ۵۰۹)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کو اپنے خاص فضل وکرم سے نوازا تھا اور خاص قسم کی ذہانت واستعداد عطا فرمائی تھی۔ جس کو آپ نے پورے طور پر بروئے کار لایا اور علوم عقلیہ ونقلیہ پر دسترس پائی۔ نیز بیک وقت چار زبانوں (عربی -فارسی-اردو-ہندی) پر قدرت حاصل کی جس کا ثبوت آپ کی تصانیف سے ملتا ہے مگر جیسا

کہ میں نے عرض کیا کہ اٹھارہویں صدی عیسوی میں اردو زبان کا چلن عام ہو چکا تھا اس لیے اس زمانے کے علماء فضلا زیادہ تر علمی وادبی اور مذہبی کارنامے اس زبان (اردو) میں انجام دینے لگے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی افادہ عامہ کی خاطر اس زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا جس کی وجہ سے آپ کی زیادہ تر تصانیف اردو زبان میں پائی جاتی ہیں اور کلام بھی فارسی کی بہ نسبت اردو میں زیادہ پائے جاتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ جیسی عظیم المرتبت شخصیت ان کے علمی فضل وکمال اور محاسن کلام پر مجھ جیسے کم علم اور کم سوادطالب علم کو گفتگو کرنے کی مجال کہاں؟ اس لیے کہ ع

چراغ وہ کجا شمع آفتاب کجا؟

ویسے بھی میں شاعر ہوں نہ نقد ونظر کے فن سے واقف ہوں جو شاعری پر نقد وتبصرہ کر سکوں۔ البتہ شعر پڑھنے اور سننے کا شوق رکھتا ہوں اور اس کے معانی ومفاہیم تھوڑا سمجھ لیتا ہوں۔ شاید اسی بنا پر حضرت سید نجیب میاں صاحب قبلہ ایڈیٹر ’’اہل سنت کی آواز‘‘ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی فارسی شاعری پر کچھ لکھنے کا حکم فرمایا۔ ناچیز نے حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اور اسے حضور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت سمجھ کر کچھ لکھنے کی ہمت جٹائی ہے ع گر قبول افتذ ہے عز وشرف

حسان الہند امام فکر وفن حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے کلام کے مکالمہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شاعری عام اور روایتی شاعری نہیں ہے بلکہ یہ دل کی شاعری ہے کسی جگر سوختہ کی شاعری ہے جس کا محور عش رسول ہے اور یہ عشق رسول آپ کے پورے وجود میں رچا بسا نظر آتا ہے جس کا اظہار آپ کے ہر ہر شعر اور اس کے ہر ہر لفظ سے ہوتا ہے۔ یہ وہ شاعر ہے جس نے اپنے معشوق حقیقی (نبی کریم ﷺ) کے علاوہ حصول مال ودولت کی خاطر کسی دنیاوی حکمران کی مدح نہیں کی۔ اس سلسلے میں حضرت علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں ’’میں نے علماء کرام کو اور مشائخ عظام کی جہاں تک زیارت کی اور معززین دنیا کو میں نے دیکھا اکثر یہی پایا کہ ان کی تعریف کیجئے تو خوش اور جہاں کسی بات پر اعتراض کیا تو اس درجہ خفا ہوئے کہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ ان سب میں اول نمبر جسے مستثنیٰ دیکھا وہ

ذات گرامی صفات اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کی تھی اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کے سب کام محض اللہ تعالیٰ کے لیے تھے نہ کسی کی تعریف سے مطلب، نہ کسی کی ملامت کا خوف تھا''۔

خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں ؎

نہ مرا نوش ز تحسین نہ مرا نیش طعن
نہ مرا گوش بمدحی نہ مرا ہوش ذمی
منم و کنج خمولی کہ نگنجد دروی
جز من و چند کتابی و دوات و قلمی

(حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص-۱۶۱)

ترجمہ: نہ مجھے تحسین کی لذت سے سروکار، نہ طعن وتشنیع کے ڈنک کی پرواہ، نہ مجھے کسی مدح کا شعور، میں ہوں اور گمنامی کا ایک گوشہ ہے جس میں سوائے میرے اور چند کتاب دوات اور قلم کے کسی اور کی کوئی گنجائش نہیں۔

دوسری جگہ آپ ارشاد فرماتے ہیں ؎

پیشہ میرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو
ہاں! شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولا کا خوف
لو زینہ میں سیر تو نہ بھایا مجھ کو

(حدائق بخشش)

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا دستیاب شعری سرمایہ دیوان بنام حدائق بخشش ہے یہ دو حصوں میں ہے، حصہ اول میں اردو کلام ہیں اور حصہ دوم میں اردو و فارسی کلا ہیں۔ پیش نظر دیوان (حدائق بخشش) قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ بریلی شریف سے شائع ہوا ہے جس کے مدون و مرتب علامہ ڈاکٹر شررمصباحی صاب ہیں۔ شرر صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی اور عمدگی کے ساتھ اسے تدوین کیا ہے۔ حقیقت میں یہ کام انہیں کے حصے کا تھا جو انہوں نے انجام دیا۔ شررمصباحی صاحب مدرسہ کے فن عروض پر مہارت رکھتے ہیں اور تین زبانوں (عربی

، فارسی، اردو) پر یکساں قدرت رکھتے ہیں اس لیے حدائق بخشش کا یہ مطبوعہ نسخہ دوسرے نسخوں کی بہ نسبت زیادہ درست ہے، راقم نے اسی نسخہ سے اپنے مقال میں اشعار نقل کیے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے گو کہ مختلف اصناف سخن مثلاً قصیدہ، مثنوی، حمد رب کائنات، نعت سرور کائنات ﷺ اور منقبت اولیاء کرام ہے۔ آیئے ان پر ایک نگاہ ڈالتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے دستیاب مجموعہ فارسی کلام درج ذیل ہیں:

۱- دیوان صنائع وبدائع: یہ آپ کے عربی وفارسی اشعار پر مشتمل دیوان ہے۔ حیات اعلیٰ حضرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان مسودے کی شکل میں ہے جو ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے اور چونکہ راقم کی وہاں تک رسائی نہیں ہوسکی اس لیے اس پر تفصیلی گفتگو نہیں کی جاسکی۔

۲- دیوان القصائد: یہ حمد ونعت، مناجات، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور قطعہ پر مشتمل دیوان ہے جو فارسی زبان میں ہے۔

اصناف سخن میں نعت گوئی ایک ایسی صنف ہے جس پر طبع آزمائی کرنا سب کے بس کی بات نہیں ہے۔ خود اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں ''نعت لکھنا بہت مشکل کام ہے تلوار کی دھار پر چلنا ہے، ذکرا تنا بڑھا کہ الوہیت میں پہنچ گیا تو مارا گیا اور شمہ برابر تنقیص ہوئی تو مارا گیا (حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، ص ۳۴۹)۔

اسی بات کو مغلیہ عہد کا ایک ایرانی فارسی گوشاعر عرفی شیرازی (وفات ۹۹۹ھ) کہتا ہے ؎

عرفیؔ مشتاب این رہ نعت است نہ صحر است
ہشدار کہ رہ بر دم تیغ ست قدم را

اے عرفی جلدی مت کرو یہ نعت پاک کی راہ ہے صحرا کی نہیں، خبردار رہ، اس لیے کہ یہ تلوار کی دھار پر قدم رکھنا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ جس طرح اپنی عملی زندگی میں پابند شرع نظر آتے ہیں اسی طرح اپنی تحریر تقریر اور شاعری میں بھی پابند شرع نظر آتے ہیں۔ آپ کی پوری شاعری میں کہیں بھی کوئی لفظ خلاف ادب اور خلاف شرع نظر نہیں آتا ہے۔

عام طور پر شعراء اپنے محبوب کی تعریف کرتے ہوئے رخ وعارض کو گل آنکھوں کو نرگس، جسم کو سرو وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہیں لیکن اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے معشوق حقیقی کے لیے ان لفظوں کو بطور تشبیہ نہیں لاتے ہیں بلکہ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سب کے سب چیزیں تو مصطفیٰ جان رحمت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے رخ تابان کے عکس اور جسم اطہر کے پسینے کی خوشبوؤں سے پیدا ہوئی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ۔

ز عکست ماہ تابان آفریدند
ز بوی تو گلستان افریدند
برای جلوۂ یک گلبن ناز
ہزاراں باغ و بستان آفریدند

آپ ﷺ کے مقام ومرتبہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

امی شافع تر داماناں وی چارہ دردِ نہاں
جان دل و روحِ رواں یعنی شہ عرش آستاں
امی مسندت عرش بریں وی خادمت روح امین
مہر فلک ماہ زمین شاہ جہاں زیب جناں

آپ ﷺ کے حسن وجمال کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کائنات کی تمام چیزیں آپ کے حسن پر قربان نظر آتی ہیں۔

آئینہ ہا حیران تو شمس و قمر جویان تو
سیار ہا قربان تو شمعت فدا پروانہ سان
گل مست شد از بوی تو بلبل فدائی روی تو
سنبل نثار موی تو طوطی بیادت نغمہ خوان

سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے یوں عرض گزار ہوتے ہیں۔

یا خدا بہر جناب مصطفیٰ امداد کن
یا رسول اللہ از بہر خدا امداد کن

یا شفیع المذنبین یا رحمۃ للعٰلمین
یا امان الخائفین یا ملتجی امداد کن

دراصل یہ شجرۂ طیبہ سے ماخوذ اشعار ہیں جسے آپ نے ۱۳۰۴ھ میں نظم فرمایا اس کے اندر کل اشعار ۱۲۶ ر ہیں بارگاہ رسالت مآب میں اپنی بیکسی کا اظہار کر کے مدد کے طلب گار ہوتے ہیں تو یہ کہتے ہیں ۔

بکار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ
شہا بیکس نوازی کن طبیبا! چارہ سازی کن
مریض درد عصیانم اغثنی یا رسول اللہ
چو محشر فتنہ انگیزد بلای بے امان خیزد
بجویم از تو درمانم اغثنی یا رسول اللہ
رضایت سائل بے پر توئی سلطان لا تنہر
شہا بہر ازیں خوانم اغثنی یا رسول اللہ

اس کے بعد حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کی بارگاہ میں پہنچ کر نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

السلام احمدت صہر و برادر آمدہ — حمزہ سردار شہیدان عم اکبر آمدہ
احمد رونق کا شانہ و بانوی تو — گوشت وخون تو بلحمش شیر وشکر آمدہ

رافضیوں پر لعنت وملامت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ناصبی را بغض تو سوی جہنم رہ نمود — رافضی از حب کاذب در سقر آمدہ

اس کے بعد بارگاہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ میں استعانت طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔

مرتضیٰ شیر خدا مرحب کشا خیبر کشا — سرورا لشکر کشا مشکل کشا امداد کن
وی بحضرت روز حسرت روبنصرت جان بسوز — شکر این نصرت بیک نظرت شہا امداد کن

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں ۔

یا شہید کربلا یا دافع کرب و بلا — گل رخان شہزادگان گلگون قبا امداد کن
ای حسین ای مصطفیٰ راراحت جان نورعین — راحت جان نور عینم دہ بپا امداد کن
جان حسن ایمان حسن ای کان حسن ای شان حسن — ای جمالت لمع شمع من رای امداد کن

اکسیر اعظم:

یہ سیدنا حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی مدح میں ایک طویل قصیدہ ہے جس میں آپ کے فضائل وکمال کو بڑی تفصیل سے فارسی میں نظم کیا گیا ہے۔ یہ قصیدہ ۱۳۰۲ھ میں نظم ہوا اور اس کے اندر تقریباً ۱۰۹ /اشعار ہیں پھر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ۱۳۰۳ھ میں اس کی شرح فارسی نثر میں کی جس کا مجید معظم نام رکھا۔

مولانا محمد احمد مصباحی صاحب سابق صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ نے اکسیر اعظم اور مجید معظم کا اردو زبان میں ترجمہ کر کے اس کا نام تاب منظم رکھا ہے۔ یہ کتاب اصل عبارت مع ترجمہ المجمع الاسلامی مبارکپور یو. پی سے ۲۰۱۲ء میں شائع ہوئی ہے۔ ترجمہ عمدہ اور کاوش قابل ستائش ہے۔ جگہ بہ جگہ حسب ضرورت مولانا موصوف نے نوٹس بھی لگائے ہیں۔ علامہ محمد احمد مصباحی صاحب ایک مستند عالم دین کہنہ مشق مدرس اور تین زبانوں (اردو، عربی، فارسی) سے بخوبی آشنا ہیں۔ مذکورہ صفات آپ کے ترجمہ سے عیاں ہوتی ہیں، مقدمہ میں مصباحی صاحب نے قصیدہ کی تعریف اور اس کے اجزاء ترکیب پر تفصیلی گفتگو کی ہے جو شعر وادب سے دلچسپی رکھنے والے کے لیے مفید ہے، اس قصیدہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی شاعری کا جوہر نکھر کر آیا ہے۔ دراصل یہ قصیدہ ہندوستان کے ایک مشہور صوفی شاعر شیخ جمالی (وفات ۱۴۳۵ء) کے قصیدہ کی زمین میں کہا گیا معلوم ہوتا ہے، شیخ جمالی کا قصیدہ جس کی ردیف ''توئی'' ہے حمد یہ ہے جو حمد باری تعالیٰ ہے جس کا مطلع ہے۔

ای از تو روشن چشم جان در جان جان بینا توئی
وی آشکارا و نہاں پنہاں توئی پیدا توئی

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا قصیدہ مدحیہ ہے جو غوث پاک کی مدح میں ہے۔ جس کے چند اشعار بطور نمونہ یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

ای کہ صد جان بستہ در ہر گوشہ درمان توئی
دامن افشانی و جان بارد چرابے جان توئی

اے وہ ذات کہ جس کے ہر گوشہ دامن سے سینکڑوں جانیں لپٹی ہوئی ہیں وہ تیری ہی ذات ہے۔ جب تم (اپنے) دامن کو جھاڑتے ہو تو جان کی بارش ہوتی ہے پھر تم کیوں بے جان نظر آتے ہو۔

آن حسین استی کہ جان حسن می نازد بتو
می ندانم از چہ مرگ عاشقی جویان توئی

تم ایسے حسین ہو کہ جس پر حسن کی جان ناز کرتی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ پھر کس وجہ سے تم موت عشق کے طلب گار ہو۔

باغہا گشتم بجان تو کہ بی ما ناستی
یارب! آن گل خود چہ گل باشد کہ بلبل سان توئی

تیری جان کی قسم میں نے بہت سے باغوں کی سیر کی مگر تم بے مثل ہو، یارب وہ خود گل کیسا ہوگا جس پر تم بلبل کی طرح فدا ہو۔

پیر پیران میر میران ای شہ جیلان توئی
انس جان قدسیان وغوث انس و جان توئی

پیروں کے پیر، میروں کے میر اے شاہ جیلان وہ تم ہو، قدسیوں کی جانوں کے لیے انس اور انسانوں۔ جنوں کے فریادرس تم ہو۔

سر توئی سرور توئی سر را سر و سامان توئی
جان توئی جاناں توئی جان را قرار جان توئی

تم ہی سر ہو، تم ہی مسرور ہو، سر کار سر وسامان تم ہی ہو، جان تم ہو جانان تم ہو قرار جان تم ہو۔

ظل ذات کبریا و عکس حسن مصطفیٰ
مصطفیٰ خورشید و آن خورشید را لمعان توئی

تم ذات کبریا کا سایہ ہو اور حسن مصطفیٰ ﷺ کا عکس ہو۔ مصطفیٰ آفتاب ہیں اور اس آفتاب کی چمک تم ہو۔

جب حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان مبارک سے یہ جملہ قدمی ہذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ'' نکلا تمام اولیائے کرام نے اپنی اپنی گردنیں جھکا دیں۔ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے گوش مبارک میں جب یہ آواز پہنچی تو آپ نے فرمایا: بل علیٰ عینی و راسی...... اس پورے واقعے کو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ دو شعر میں اس طرح قلمبند کرتے ہیں ؎

آنکہ پایش بر رقاب اولیای عالم ست
وآنکہ این فرمود حق فرمود باللہ آن توئی

وہ جس کا قدم دنیا کے اولیاء کی گردن پر ہے اور جس نے یہ فرمایا۔ حق فرمایا۔ خدا کی قسم وہ تم ہی ہو۔ ؎

بہر پایت خواجۂ ہندان شہِ کیوان جناب
بل علی عینی و راسی گوید آن خاقان توئی

ہندوستان کے خواجہ زحل کا بلند مقام رکھنے والے بادشاہ نے تمہارے لیے بل علیٰ عینی وراسی (بلکہ میری آنکھوں اور سر پر) کہا وہ عظیم بادشاہ تم ہی ہو۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے خواجہ ہند کے لیے لفظ کیوان کا استعمال اس لیے کیا ہے کہ کرۂ ارض کی تقسیم میں ہندوستان ''کیوان آسمان ہفتم کے ستارہ زحل کے حصے میں آتا ہے۔ (تاب منظّم ص۱۴۳، حاشیہ)۔

انیسویں صدی عیسوی میں مسلمان اور اسلام کی حالت زار اور کافروں کے ذریعہ تحقیر وتوہین سے آپ بہت رنجیدہ ہوئے جس کے لیے غوث پاک رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

دین بابای خودت را از سر نو زندہ کن
سیدا آخر نہ عمر سید الادیان توئی

پھر اپنے بابا کا دین زندہ کر، میرے آقا کیا تم سید ادیان (دین اسلام) کی زندگی نہیں ہو۔

کافران توہین اسلام آشکارا می کنند
آہ ای عز مسلمانان کجا پنہاں توئی

کفار دین اسلام کی علانیہ اہانت کر رہے ہیں۔ آہ اے اہل اسلام کی آبرو تو کہاں روپوش ہے۔

اعلیٰ حضرت سلسلہ قادری سے اپنی وابستگی اور اس وابستگی کو اپنے بخشش کا سامان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

قادری بودن رضا را مفت باغ خلد داد
من نمی گفتم کہ آقا مایۂ غفران توئی

قادری ہونے ہی نے رضا کو باغ خلد مفت میں دے دیا، میں نہیں کہہ رہا تھا کہ آقا میرا سرمایۂ بخشش تم ہو۔

نظم معطر:

آپ کا یہ مجموعہ کلام ۶۸ / رباعیوں پر مشتمل ہے۔ ان رباعیوں میں سے پہلی رباعی حمد باری تعالیٰ اور دوسری رباعی نعت سرور کائنات ہے باقی رباعیان حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کی شان میں ہیں۔ ان رباعیوں میں چھ رباعیان صنف مستزاد میں ہیں۔ صنف مستزاد وہ صف سخن ہے جس میں شاعر کسی غزل، رباعی یا نظم کے ہر مصرع یا شعر کے بعد ایسا زائد ٹکڑا لگا دے جو اسی مصرع کے رکن اول اور رکن آخر کے برابر ہو۔ ان رباعیوں میں حروف تہجی کی ترتیب سے قافیہ لانے کا التزام کیا گیا ہے اور اسم عبدالقادر کو ردیف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے بطور نمونہ چند رباعیان نذر قارئین ہے ؎

ای رفعت بخش تاج عبد القادر
پر نور کن سراج عبد القادر

آن تاج و سراج باز برکن یارب
بستان زشہان خراج عبد القادر

....

دین زاد کہ زاد زاد عبد القادر
دل داد کہ داد داد عبد القادر
این جان چہ کنم باد و مرا
جان باد کہ باد باد عبد القادر

....

یارب بجمال نام عبد القادر
یارب بنوال عبد القادر
منگر بقصور و نقص ما قادریان
منگر بکمال تام عبد القادر

رباعی مستزاد ؎

می گفت دلم کہ جان ست عبد القادر - گفتم احسنت
جان گفت کہ دین ماست عبد القادر - گفتم آمنت
دین گفت حیات من ست عبدالقادر - گفتم این جملہ صفات
از ذات بگو کہ آن است عبد القادر - گم شد من و انت

وظیفۂ قادریہ:

دراصل یہ قصیدہ غوثیہ کا فارسی زبان میں منظوم ترجمہ ہے۔ جسے آپ نے ۱۳۲۱ھ میں نظم فرمایا۔ یہ وظیفہ بند کی شکل میں ہے ایک بند کے اندر چھ اشعار ہیں پہلا شعر عربی میں ہے دوسرا شعر فارسی میں جو اس کا ترجمہ ہے پھر دو شعر کہہ کر بند مکمل کیا گیا ہے۔ کل بند کی تعداد ۲۹؍ ہے۔ ذیل میں بطور نمونہ ایک بند پیش کیا جاتا ہے ؎

سقانی الحب کاسات الوصالٖ　　فقلت لخمرتی نحوی تعالٖ

داد عشقم جام وصل کبریا　　پس بگفتم بادہ ام را سویم آ
الصلہ ای فضلہ خوران حضور　　شاہ بر جود ست و صہبا در وفور
بخش کردن گر نہ عزم خسروی ست　　آخر ایں نوشیدہ خواندن بہر چیست

(حدائق بخشش دوم، ص ۲۴)

مثنوی ردامثالیہ:

یہ فارسی زبان میں ۱۹۳؍ اشعار پر مشتمل مثنوی ہے، مثنوی بدعقیدہ، گمراہ اور جاہل لوگوں کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے جیسا بشر ماننے یا اپنے بڑے بھائی جیسا کہنے کے رد میں ہے مثنوی کی ابتدا میں آپ نے ایسے گستاخ و گمراہ لوگوں کے وجود کو باعث ننگ و عار بتلایا ہے اور اہل زمانہ کو اس پر ماتم کرنے کو کہا ہے اس کے بعد آپ نے مولانا روم کا یہ شعر ؎

کار پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

بطور مثال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ کوئی شئے دیکھنے میں ایک جیسی ہو تو وہ باطنی طور پر بھی ویسی ہی ہو۔ پھر اپنی مثنوی کے آخر میں سرور کائنات ﷺ کے مقام و مرتبہ اور فضل و کمال کو بیان فرمایا ہے۔ مثنوی کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

گر یہ کن بلبلان از رنج و غم　　چاک کن اے گل گریبان از الم
سنبلا از سینہ برکش آہِ سرد　　ای قمر از فرط غم شو روی زرد
ہم چو ابر ای بحر در گریہ بجوش　　آسمانا جامۂ ماتم بپوش
کن ظہور ای مہدی عالی جناب　　بر زمین آ عیسی گردون قباب
آہ آہ ز ضعف اسلام آہ آہ　　آہ آہ از نفس خود کام آہ آہ
مردمان شہوات را دین ساختند　　صد ہزاران رخنہا انداختند
آن یکی گویان محمد آدمی ست　　چون من و در وحی اورا برتریست

جز رسالت نیست فرقی درمیان　　من برادر خورد ہاشم او کلان
بادشاہِ عرشیان و فرشیان　　جلوہ گاہ آفتاب کن فکان
وصف او از قدرت انسان و راست　　حاش للہ این ہمہ تفہیم راست

حضرات مشائخ مارہرہ مطہرہ کی مدح میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ کے فارسی کلام:

حضور سید شاہ ابوالبرکات کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

شاہ برکات ای ابو البرکات ای سلطان جود
بارک اللہ ای مبارک بادشاہ امداد کن
عشقی اے مقتول عشق ای خون بہایت عین ذات
ای ز جان بگذشتہ جانان واصلا امداد کن
بی خودا و با خدا آل محمد مصطفیٰ
سیدا حق واجدا یا مقتدا امداد کن
یا ابو الفضل آل احمد حضرت اچھے میاں
شاہ شمس الدین ضیاء الاصفیا امداد کن
ای کہ شمشی و کرامتہای تو مثل نجوم
ای عجب ہم مہر و ہم انجم نما امداد کن
تاجدار حضرت مارہرہ یا آل رسول
ای خدا خواہ و جدا از ماعدا امداد کن
ای عجب غیبی تر از غیب شہود
دیدہ از خود بستی و دیدی خدا امداد کن

اپنے پیر ومرشد حضور سید آل رسول علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

خوشا دلی کہ دہندش ولای آل رسول　　خوشا سری کہ کنندش فدائی آل رسول

گناہ بندہ بخش خدای آل رسول　　برای آل رسول از برای آل رسول
ہزار درج سعادت بر آرد از صدفی　　بہای ہر گہری بہای آل رسول
دوای تلخ مخور شہد نوش و مژدہ نیوش　　بیا مریض بدار الشفای آل رسول
اگر شب است وخطر سخت و رہ نمی دانی　　ببند چشم و بیا بر قفای آل رسول
مرو بمیکدہ کانجا سیاہ کارانند　　بیا بخانقہ نور زای آل رسول
مرا زنسبت ملک است امید آنکہ بہ حشر　　ندا کنند بیاری رضائی آل رسول

حضور سید آل احمد اچھے میاں بن حضرت شاہ حمزہ عینی علیہ الرحمۃ والرضوان کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

ای بدور خود امام اہل ایقان آمدہ　　جان انس وجان جان وجان جانان آمدہ
قامت تو سرو ناز جویبار معرفت　　روی تو خورشید عالمتاب ایمان آمدہ
نامت آل احمد و احمد شفیع المذنبین　　زان دل از دست گنہ پیش تو نالان آمدہ
احمد نوری درین ظلمات رنج و تشنگی　　رہنمائم سوی تو ای آب حیوان آمدہ
ای زلال چشمۂ کوثر لب سیراب تو　　بر در پاکت رضا با جان سوزان آمدہ

حدائق بخشش حصہ دوم کے صفحہ اول پر ایک نعت پاک ہے۔ دراصل یہ اشعار حافظ شیرازی کی غزل پر تضمین ہے۔ حافظ شیرازی (وفات ۷۹۱ھ)۔

فارسی ادب کے مشہور غزل گو شاعر ہیں ان کی غزل کا مطلع ہے ؎

الا یاایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا
کہ عشق آسان نمود اول ولی افتار مشکلہا

ہاں! اے ساقی جام وساغر کا دور چلا اور اسے پیش کر، اس لیے کہ عشق شروع میں تو آسان لگا مگر (بعد میں) مشکلیں بڑھ گیا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے حافظ شیرازی کی غزل کے چند مصرعوں پر مصرع لگا کر نعت پاک کے دس اشعار کہے ہیں۔ آپ کے یہ اشار جہاں ایک طرف عشق رسول اور فکر رسول میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ وہیں دوسری طرف دشمنان رسول کی خبر بھی لی ہے اور وہابیوں

اورنجدیوں پر لعنتیں بھیجی ہیں۔ہم قارئین کے لیے پورا کلام مع ترجمہ پیش کررہے ہیں ۔

الا یا ایها الساقی ادر کاسا و ناو لها (مصرع حافظ)

ہاں!اے ساقی جام وپیالہ کادور چلااوراسے پیش کر

کہ بر یاد شہ کوثر بنا سازیم محفلہا (مصرع اعلیٰ حضرت)

اس لیے کہ ہم نے شاہِ کوثر کی یادمیں محفلیں سجارکھی ہیں۔

بلا بارید حب شیخ نجدی بر وہابیہ (مصرع اعلیٰ حضرت)

شیخ نجدی کے دوست وہابیوں پر بلائیں برسے

کہ عشق آسان نمود اول ولی افتاد مشکلہا (مصرع حافظ)

کیوں کہ شروع میں تو عشق آسان لگا مگراب مشکلیں آن پڑیں ہیں۔

وہابی گرچہ اخفا می کند بغض نبی لیکن (مصرع اعلیٰ حضرت)

وہابی اگرچہ اپنے بغض نبی کو چھپاتا ہے مگر

نہاں کی ماند آن رازی کزو سازند محفلہا

بھلاوہ رازکب چھپ پائے گاجس سے وہ محفلیں سجاتے ہیں۔

توہب گاہ ملک ہند اقامت را نمی شاید (مصرع اعلیٰ حضرت)

ملک ہندکوتوہب گاہ کی آماجگاہ نہیں ہوناچاہیے۔

جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا (مصرع حافظ)

گھنٹی کی آوازآرہی ہے کہ تم اپنےمحمل (کجاوے) کوکس لو۔

صلای مجلسم در گوش آمد بین بیا بشنو (مصرع اعلیٰ حضرت)

مجلس کی آوازمیرے کان میں آئی۔دیکھوآؤسنو۔

جرس مستانہ می گوید کہ بر بندید محملہا (مصرع اعلیٰ حضرت)

گھنٹی کی مدھورآوازآرہی ہے کہ اپنے کجاوے کوباندھ لو۔

مگر دان رو ازیں محفل رہ ارباب سنت رو (مصرع اعلیٰ حضرت)

اس مجلس سے چہرہ مت پھیرواہل سنت کی راہ پرچلو۔

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا (مصرع حافظ)

اس لیے کہ سالک منزلوں کے راہ ورسم سے بےخبرنہیں ہوتا ہے۔

دریں جلوت بیا از راہ خلوت تا خدا یابی (مصرع اعلیٰ حضرت)

خلوت سےاس جلوت میں آتا کہ توخدا کی معرفت حاصل کرے۔

متی ما تلق من تھوی دع الدنیا و اہملہا (مصرع حافظ)

جب تیری محبوب سے ملاقات ہوتو دنیاکوچھوڑدےاوراس کوترک کردے۔

دلم قربانت ای دود چراغ محفل مولد (مصرع اعلیٰ حضرت)

سرائےمحفل کے چراغ کادھواں میرادل تیری جائے پیدائش پرقربان۔

زتاب بعد مشکینت چہ خون افتاد در دلہا مصرع حافظ

تیرے گھنگھرالے بالوں کے خوشبوکی وجہ سے دلوں میں کس قدرخون پڑگیاہے۔

غریق بحر عشق احمدیم از فرحت مولا (مصرع اعلیٰ حضرت)

ہم تو احمد (محمد ﷺ) کے عشق کے سمندر میں ڈوبے ہوئے ہیں پیدا کرنے والے کی مرضی سے

کجا دانند حالِ ما سبک ساران ساحلہا (مصرع حافظ)

ساحلوں کے بےفکرلوگ ہماراحال کب سمجھ سکتے ہیں۔

رضای مست جام عشق ساغر باز می خواہد (مصرع اعلیٰ حضرت)

یہ بےخودرضاعشق کاجام ساغرپھرطلب کررہاہے۔

الا یا ایها الساقی ادر کاسا و ناو لها (مصرع حافظ)

ہوشیار!اے ساقی جام وپیالہ کادورچلااوراسے بڑھا۔

حاصل کلام یہ کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ اپنی طرز کے منفرد شاعر تھے۔ان کی یہ انفرادیت،طرز بیان،اسلوب اورشعری فکر ہرجگہ نظرآتی ہے نیز آپ نے مختلف صنعتوں مثلاً تشبیہ،تجنیس،تمثیل اورسوال وجواب کوجس مہارت سے استعمال کیا ہے کہ صف اول کے استادشعراء میں شمارنظرآتے ہیں،جب کہ آپ نے باضابطہ کسی استاد سے

اصلاح لی اور نہ فن عروض پڑھا، ہاں جن شعراء کے لیے الشعراء تلمیذ الرحمٰن کہا گیا ہے آپ ان میں سے تھے آپ خود فرماتے ہیں ؎

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

آپ نے شاعری کے ذریعہ اللہ اور اس کے رسول سے جس عقیدت و محبت کا اظہار کیا ہے وہ ہمارے لیے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک درس ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

مآخذ

۱- امام احمد رضا- اکسیر اعظم و مجید معظم، ترجمہ- علامہ محمد احمد مصباحی، المجمع الاسلامی، مبارکپور۔

۲- امام احمد رضا- اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی- حدائق بخشش، حصہ اول ودوم، تدوین ڈاکٹر علامہ فضل الرحمٰن شرر مصباحی۔ قادری کتاب گھر اسلامیہ مارکیٹ، بریلی شریف۔

۳- شیخ جمالی- دیوان قصاید جمالی، تدوین ڈاکٹر عبدالسلام جیلانی، فاروقیہ بکڈپو، مٹیا محل، دہلی ۲۰۱۵ء۔

۴- عرفی شیرزای- قصاید عرفی، نول کشور کانپور ۱۸۶۹ء

۵- علامہ ظفرالدین بہاری، حیات اعلی حضرت، مرکز اہل سنت برکات رضا، پوربندر گجرات، ۲۰۰۳ء۔

امام احمد رضا کی شاعری کی ادبی خصوصیات

پروفیسر سید سراج الدین اجملی
شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

پیرائے شاعری میں تخلیقی اظہار بغیر ادبی خصوصیات کے کسی قدر کا حامل نہیں ہوتا۔ یعنی شعر قابل ذکر اور قابل تعریف ہوتا ہی تب ہے جب اسے محاسن سے آراستہ اور بیان وبدیع کے صنائع سے تزین کر کے تحریر کیا جائے۔ اس آراستگی کی متعدد شکلیں ہیں۔ اور با کمال شعراء نے ان شکلوں کو اپنی اپنی استعداد اور توفیق کے بقدر سجا سنوار کر قارئین و سامعین کی ضیافت طبع کے لئے پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک خوبی جو تمام محاسن کے استعمال پر فوقیت رکھتی ہے۔ آزادخیالی یا فکری آزادروی ہے جو شاعر کو اپنے تخلیقی اظہار کے ہنگام میں بے خوف بنا کر اظہار کی نت نئی جہتوں اور راہوں سے روشناس کراتی ہے۔ ان جہتوں کو دریافت کر کے اور ان راہوں کو اپنا کر شاعر مضامین نو کے انبار لگا دیتا ہے اور معنی کی نئی طرفوں کو روشن کرتا ہے۔ یہی خوبی شاعر کو منفرد تخلیق کار بنا کر اس کی الگ شناخت متعین کرنے میں معاونت کرتی ہے۔ اس مقدمہ کا ثبوت ہم اپنے تمام بڑے تخلیق کاروں کے شعری کارناموں میں بیش از بیش پاتے ہیں۔

تخلیقی اظہار کی جتنی صورتیں اصناف کی شکل میں ہمارے ادب میں رائج ہیں ان تمام میں فکری آزادروی بطور عام نظر آتی ہے اور اسے کسی بھی شکل میں معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ شعری اظہار میں دروغ گوئی کو مستحسن سمجھا جاتا ہے۔ ('احسن الشعر اکذب' قدامہ ابن جعفر) اس قول کی روشنی میں مشرقی شعریات کے طلبا شاعری کی تحسین وتنقید اور اس کی تعیین

قدر کا عمل جاری رکھتے ہیں۔ اردو میں مولانا حالی سے پہلے تک یہی نقطۂ نظر شاعری کی تخلیق، تنقید اور مطالعہ میں غالب رجحان کی حیثیت رکھتا تھا۔ مقدمہ شعر وشاعری (۱۸۹۳ء) کی اشاعت کے بعد شاعری میں اصلیت سادگی وغیرہ کی بحث شروع ہوئی اور خیالی دنیا کے بجائے حقیقی دنیا اور اس کے مسائل کو موضوع بنانے کا سلسلہ شروع ہوا۔

یہ ساری گفتگو شاعری کے جن اصناف سے متعلق ہے ان سے الگ بھی ایک صنف شاعری اپنا وجود رکھتی ہے اور اس میں کذب تو کیا امکان کذب اور آثار دروغ کی بھی گنجائش نہیں۔ وہ صنف ہے تقدیسی شاعری، جس کے دائرے میں حمد ونعت ومنقبت جیسے اصناف آتے ہیں۔ جن کے نمونوں سے ہماری تاریخ ادب وشاعری بھری پڑی ہے۔ فہرست شعراء میں بہت کم ہی ایسے ہوں گے جن کے یہاں تقدیسی شاعری کے قابل قدر نمونے نہ مل سکیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ان شعراء نے بھی جن کے یہاں اظہار میں ہر طرح کی آزادی روا ہے۔ تقدیسی شاعری کرتے ہوئے ان مطالبات کو پیش نظر رکھا جو اس صنف کا تقاضا تھے۔ یعنی مزاج کی طہارت اور خیالات کی پاکیزگی۔

تقدیسی شاعری کے نمونوں سے عربی، فارسی اور اردو زبانوں کا دامن مالا مال ہے۔ ان زبانوں میں عام مشاہدہ یہ ہے کہ علم کے کسی اور صیغے میں کمال رکھنے والے صاحبان قلم بھی بحیثیت شاعر اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ (دوسری زبانوں کے علما میں بھی یہ صفت ہوگی، لیکن ان سے ہماری واقفیت نہیں)۔ اردو اور فارسی میں گزشتہ صدی کے آبائی کی دو دہائیوں تک اس سلسلے کا ایک نہایت روشن نام علوم عقلی ونقلی میں اپنے کمالات کے اظہار کے ساتھ ساتھ تقدیسی شاعری میں بھی اپنے نشانات امتیاز ثبت کرتا نظر آتا ہے۔ یہ نام رضا بریلوی یعنی حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی۔

فاضل بریلوی کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے شہرت تو فقیہہ کی حیثیت سے پائی، لیکن علوم عقلی کی متعدد ابعاد اور علوم نقلی میں تفسیر حدیث کے علاوہ لغت، طب، رمل، جفر، ریاضی اور شاعری سمیت متعدد علوم میں اپنی مہارت کا ثبوت اپنی تحریروں کے ذریعہ پیش کر کے ہمہ جہت عالم کی اپنی شناخت کو مدت مدید تک کے لئے قائم کر دیا۔ ایک طالب علم ایسے

صاحبان علم کی فہرست تیار کرنے کی کوشش کرے، جنہوں نے کسی ایک فن کے علاوہ دوسرے فنون اور ایک صیغۂ علم کے علاوہ دوسرے علوم کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہوں تو ایسی کتنی بھی مختصر اور محتاط فہرست بنائی جائے۔ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کا نام اس میں ضرور شامل ہوگا اور اگر ان کا نام ایسی فہرست میں شامل نہ ہو سکے تو اس فہرست کو نامکمل تسلیم کیا جائے گا، یا کم از کم غیر معروضی تو کہا ہی جائے گا۔

ان سطور میں ہمیں مولانا کی شاعری کی ادبی خصوصیات کے حوالے سے کچھ عرض کرنا ہے، ان کی شاعری کی کتاب حدائق بخشش (۱۳۲۵ھ) کی اشاعت پر ۱۱۵ برس کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے قبل سے ہی اس کے مشمولات یعنی کلام فاضل بریلوی کو پسندیدگی اور مقبولیت سے آگے بڑھ کر محبوبیت کا درجہ ہے اور اس سلسلے میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

فاضل بریلوی کا نعتیہ کلام اپنی کیفیت اور مضامین کی ندرت کے سبب سے تو خاصے کی چیز ہے ہی علم وفن شاعری اور علوم بلاغت سے ان کے گہرے شغف کا آئینہ دار بھی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ صنائع جنہیں مستقل اور کل وقتی شعراء بھی کما حقہ نہ برت پائے۔ ایک ایسے شاعر کے کلام میں نہایت حسن کے ساتھ موجود ہیں، جو دوسرے علمی مشاغل میں اپنے انہماک کے باعث شہرت عام ہی نہیں۔ محمد حسین کے بقول ''بقائے دوام'' کی مسند پر متمکن ہے۔ فن شاعری میں فاضل بریلوی کے کمالات کے اظہار کی مثالیں آئندہ سطور میں پیش کی جائیں گی۔ سردست اظہار انکسار وفروتنی کی یہ دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

کس منہ سے کہوں رشک عنادل ہوں میں
شاعر ہوں فصیح بے مماثل ہوں میں
حقا کوئی صنعت نہیں آتی مجھ کو
ہاں یہ ہے کہ نقصان میں کامل ہوں میں

یا

ثنائے سرکار ہے وظیفہ قبول سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا روی تھی کیا کیسے قافیے تھے

یہ اظہارات اس زبان میں کی جانے والی شاعری میں کیے جا رہے، جہاں شاعرانہ تعلی کی بہت طویل روایت ہے اور اس کے شعراء باکمال کے یہاں تعلی کی مثالیں وافر تعداد میں موجود ہیں۔ سردست دو مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سارے عالم پر ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

(میر)

کرتے ہو مجھ کو منع قدم بوس کس لئے
کیا آسمان کے بھی برابر نہیں ہو میں

(غالب)

ان مثالوں کی روشنی میں فاضل بریلوی کے انکسار کو اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے عمداً اردو کے شعراء متقدمین سے اپنی راہ الگ نکالنے کے لیے تعلی کے مقابلے انکسار اور فروتنی کو زیادہ پسند کیا۔

فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری اپنے تخلیقی افور کے حوالے سے بھی اپنی الگ شناخت رکھتی ہے۔ ہم دوسرے باکمال شعراء کو اس میدان میں تبرکاً اظہار کرتے دیکھتے ہیں۔ یا کم از کم ان کے یہاں دریائے مواج کی روانی نہیں دیکھتے، جب کہ فاضل بریلوی کے یہاں اشعار کی کثرت مضامین کا تنوع قافیے کی بوقلمونی اور صنائع وبدائع کا اپنے اپنے موقع کے لحاظ سے زبردست استعمال دیکھ کر منفرد نوعیت کے تخلیقی بہاؤ کا تجربہ ہوتا ہے۔

حدائق بخشش کا آغاز مشہور نعتیہ قصیدے سے ہوتا ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا
نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

۲۵ راشعار کے نعتیہ قصیدے کے بعد وصل دوم وسوم وچہارم در منقبت سیدنا ''شیخ

عبد القادر جیلانی غوث الاعظم'' ۵۷ راشعار اسی ردیف وقافیے میں مسلسل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جو محض حصول ثواب وبرکت کے لیے نعت ومنقبت کے ذیل میں نہیں رکھے جا سکتے، بلکہ محاسن شعری سے بھی مالا مال ہیں۔ مقطع وصل چہارم یعنی اس سلسلۂ ردیف و قوافی کا آخری شعر بزبان فارسی یوں ہے۔

اے رضاؔ چیست غم ار جملہ جہاں دشمنِ تست
کردہ ام مامنِ خود قبلۂ حاجاتے را

غور فرمائیں شہ بطحا تیرا، اعلیٰ تیرا، بندہ تیرا وغیرہ قوافی وردیف کے آخری قافیہ و ردیف کو صنعت تلمیح کا خوب صورت نمونہ فاضل بریلوی نے کتنی بے تکلفی سے بنا دیا ہے۔

اے رضاؔ چیست غم ار جملہ جہاں دشمنِ تست
کردہ ام مامنِ خود قبلۂ حاجاتے را

کلام رضا کے مطالعے کے دوران میں صنائع وبدائع کے استعمال کی مثالوں پر نظر رُکی تو اس حوال سے ایسے اشعار کی کثرت نظر آئی جن میں سے کچھ قارئین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرنے کا جی چاہا۔ اب مثال میں جو اشعار پیش کیے جا رہے ہیں ان میں محاسن کی ہمہ جہتی اور رعایت ومناسبت کے استعمال نے ان اشعار کو قدر اول کی چیز بنا دیا ہے۔ اور ان کے تخلیق کار کی فن شاعری پر ماہرانہ گرفت کا ثبوت بھی فراہم کیا ہے۔ ملاحظہ ہوں اشعار۔

خم ہو گئی ہے پشت فلک طعن زمیں سے
سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا

نہ آسمان کو یوں سر کشیدہ ہونا تھا
حضور خاک مدینہ خمیدہ ہونا تھا

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو
سلام ابروئے شہ میں کشیدہ ہونا تھا

اگرچہ چھالے ستاروں سے پڑ گئے لاکھوں
مگر تمہاری طلب میں تھکے نہ پائے فلک

یہ اہل بیت کی چکی سے چال سیکھی ہے
رواں ہے بے مدد دست آسیائے فلک

دل اپنا بھی شیدائی ہے اس ناخن پا کا
اتنا بھی مہ نو پہ نہ آئے چرخ کہن پھول

انتخاب کے ان چھ کے چھ اشعار میں اگر کلیدی لفظ تلاش کیا جائے تو وہ فلک قرار پائے گا، یعنی تمام اشعار کا بنیادی مضمون فلک سے متعلق ہے۔ پہلے شعر میں پشت فلک کے خم ہونے کا مضمون بیان ہوا ہے۔ جو زمین کے اس طعن سے کہ ہم پر مدینہ ہے۔ حسن تعلیل کی صنعت سے آراستگی شعر کے حسن میں اضافے کا باعث ہے۔ دوسرے شعر میں بھی یہی مضمون پیرائے کی تبدیلی کے ساتھ بہت عمدہ طریقے سے باندھا گیا ہے۔ تیسرا شعر رعایتوں اور مناسبتوں کا طویل سلسلہ رکھتا ہے۔ حسن تعلیل یہ ہے کہ ماہ کامل ہلال اس لئے بنا ہے کہ اسے ابروئے خمدار سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں کشیدہ ہونا تھا۔ ہلال اور ابرو کی رعایت قابل دید ہے۔ چوتھے شعر میں بھی پائے فلک کے محبوب کی راہ میں چلتے چلتے تھک جانے کا مضمون باندھا ہے۔ آسمان کے ستاروں کو عاشق کے پاؤں کے چھالے کہنا تازگی اظہار اور تشبیہ کی ندرت کی مثال تو ہے ہی حسن تعلیل بھی ہے۔ اور نعتیہ شاعری میں مضمون آفرینی کی بین مثال بھی۔

پانچواں شعر منقبت کا ہے، تلمیح کی صنعت تو سامنے کی ہے فلک کی گردش کا سبب اہل بیت کی چکی کی اتباع قرار دینا حسن تعلیل کو بھی قائم کرتا ہے۔ یعنی اس شعر میں صنعت در صنعت کا التزام ہے۔ توجہ طلب بات یہ ہے کہ مسلسل پانچواں شعر بھی فلک کے مضمون کو محیط ہے اور اپنی تازہ کاری کے سبب دامن دل کو اپنی جانب کھینچتا ہے۔

انتخاب کا آخری شعر پھول ردیف کی مشہور نعت کا شعر ہے۔ فلک سے تخاطب

ہے کہ اپنے مہ نو پر اتنا نہ پھول، ہمارا دل بھی شیدائی ناخن پائے سرکار ہے۔ ہلال یا مہ نو اور تراشا ناخن پا میں مناسبت تو ہے ہی 'پھول' ردیف پھولنے کے معنوں میں استعمال کر کے ردیف میں معنی کے امکانات میں اضافے کو عملاً قائم کیا اور یہ کام اکثر اشعار میں بہت خوبی کے ساتھ کیا گیا۔ جس کی ایک مثال پہلے نعتیہ قصیدے کے مقطع میں گزر چکی ہے۔ اسی پھول کی ردیف (جس میں عموماً ردیف 'گل' کو مضمون میں استعمال ہوئی ہے) میں ایک شعر لف ونشر مرتب کی مثال میں کچھ اس طرح ہے ۔

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی
ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول

لف ونشر غیر مرتب کی مثال کے لیے یہ شعر بھی ملاحظہ ہو۔

دل بستہ بے قرار جگر چاک اشکبار
غنچہ ہوں گل ہوں برق تپاں ہوں سحاب ہوں

دیکھوں قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر
یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو

اسی نعت کا ایک اور شعر ردیف میں ''پھول''، معنی گل کے سلسلۂ مضامین کے ساتھ ساتھ پھول بمعنی پھولنے والے مضمون کی طرح ''ہوں'' بمعنی اثبات والے سلسلۂ مضامین کے ساتھ ''ہوں'' بمعنی اقرار میں ''ہاں کہنا'' مضمون کا کس خوب صورتی سے باندھا گیا ملاحظہ ہو ۔

میں تو کہا ہی چاہوں کہ بندہ ہوں شاہ کا
پر لطف جب ہے کہہ دیں اگر وہ جناب 'ہوں'

تجنیس کی مثالیں کلام رضا میں تلاش کرنے کے لئے بہت زیادہ تفحص کی ضرورت نہیں۔ تجنیس تام، ناقص، ناقص وزائد غرض اس صنعت کی اکثر قسموں کے نمونے حدائق بخشش کے صفحات پر بآسانی نظر آجاتے ہیں چند مثالیں ۔

صدقے میں ترے باغ تو کیا لائے ہیں بن پھول
اس غنچۂ دل کو بھی تو ایماں ہو کہ بن پھول

یا

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں در بے بہا دیئے ہیں

مشک بو کوچہ یہ کس پھول کا جھاڑا ان سے
حوریو عنبر سارا ہوئے سارے گیسو

اسی طرح دوسری صنعتوں کا استعمال بھی اپنے مکمل حسن اور روانی شعر میں اضافہ کرنے وحسن شعر کو فزوں کرنے کا باعث بنتا ہے اور فاضل بریلوی کی قدرت شعر گوئی کی منہ بولتی تصویر نظر آتا ہے۔سردست صنعت سیاقۃ الاعداد کا یہ شعر ملاحظہ ہو ۔

ہائے غافل وہ کیا جگہ ہے جہاں
پانچ جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

حدائق بخشش مکمل دو حصوں پر مشتمل ہے۔دوسرے حصے میں بھی پہلے حصے کی طرح آغاز نعتیہ قصیدہ سے ہوا ۔

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

اس قصیدے میں ۵۹/اشعار جن میں حسن بیان،صنائع و بدائع اور استعارے و تشبیہ کی بہار دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔بلا تبصرہ صرف دو اشعار نمونے کے طور پر ملاحظہ ہوں ۔

شمع دل مشکوٰۃ تن سینہ زجاجہ نور کا

تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

سبزۂ گردوں جھکا تھا بہر پا بوس براق
پھر نہ سیدھا ہو سکا کھایا وہ کوڑا نور کا

اوراس کے بعد حسب روایت ۴/وصلوں میں سرکار غوثیت مآب کے فضائل و استعانت وغیرہ سے متعلق ۱۰۰/اشعار ''یاغوث'' ردیف میں اپنی بہار دکھارہے ہیں۔لیکن اس حصۂ دیوان میں نعتیہ قصیدہ سے قبل دیوان حافظ کی اولین غزل کے تتبع میں انھیں ردیف وقوافی میں ۱۰/اشعار بزبان فارسی تحریر کئے گئے ہیں۔مطلع تلمیح کی مثال میں اس طرح ہے ۔

الا یا ایها الساقی ادر کاساً و ناولها
که بر یاد شه کوثر بنا سازیم محفلها

اس مطلع کے مصرع اول ''**الا یا ایها الساقی ادر کاساً و ناولها**'' کے بارے میں مشہور ہے کہ مصرع اصلاً یزید کا ہے۔جسے حافظ شیرازی نے اپنی غزل میں استعمال کیا۔اہل علم جانتے ہیں کہ اس طرح کے استعمالات اصطلاح میں تضمین کہلاتے ہیں۔گویا ایک مطلع میں دو صنعتیں یعنی تضمین اور تلمیح کا استعمال خواجہ حافظ نے بھی کیا اور فاضل بریلوی نے بھی۔خواجہ حافظ کا مقطع ہے ۔

حضوری گر ہمی خواہی از و غائب مشو حافظ
متی ما تلق من تهوی دع الدنیا و امهلها

فاضل بریلوی نے اس مصرع کی تضمین میں جو مصرع کہا اسے خواجہ حافظ کے مصرع کے ساتھ پڑھ کر دونوں باکمالوں کے اظہارات سے لطف اندوز ہونے کی دعوت بلا تبصرہ دی جاتی ہے ۔

دریں جلوت بیا از راہ خلوت تا خدایابی
متی ما تلق من تهوی دع الدنیا و امهلها

اس مضمون میں مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے کلام میں ادبی خوبیاں تلاش کرنے کی کوشش کی گئی۔مثال میں اشعار پیش کر کے ان کے حوالے سے اپنی گفتگو کو

تقویت دی گئی اور فاضل بریلوی کے امتیازات تک رسائی حاصل کرنے کی سعی کی گئی۔
مقدمہ یہ تھا کہ شعری اظہار میں کذب اور مبالغے کو نظر استحسان سے دیکھنے اور اسے اپنا کر مضمون شاعری کو بہتر بنانے کی روایت کے علی الرغم تقدیسی شاعری میں ہر ہر قدم پر پاس شرع اور لحاظ عظمت ممدوح کے پیش نظر ایک قدم بھی چلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت حال میں مضامین کی ندرت، قافیہ کی ہمہ جہتی ردیف کی بوقلمونی اور معانی کے امکانات کو برت کر اعلی درجے کی تقدیسی شاعری کے نمونے پیش کرنے جیسے کار محال کو بہت بے تکلفی کے ساتھ انجام دینا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں۔ اس کے لئے توفیق الٰہی کے ساتھ ساتھ فن شاعری کی تاریخ، علوم بلاغت کی روایت اور محاسن و معائب شاعری کے اعلی درجے کے نمونوں سے کما حقہ واقفیت بھی اشد ضروری ہے۔ جو بھی مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا بحیثیت شاعر مطالعہ کرتے ہوئے ہم ان میں یہ تمام و کمال پاتے ہیں اور اپنے اس اظہار میں انھیں صد فی صد حق پر پاتے ہیں کہ ؎

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیوں کر آئے
لا اسے پیش جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

امام احمد رضا محدث بریلوی کی تصانیف کا اجمالی تعارف

مفتی محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ نے کتنی کتابیں لکھیں؟ ان کی صحیح تعداد آج تک کوئی نہیں لکھ سکا، البتہ ایک ہزار سے زیادہ۔ یا تقریباً ایک ہزار کی بات عام طور پر بیان کی جاتی ہے، مگر جو فہارسِ تصانیف اب تک دستیاب ہوئیں ان میں تمام کتب وحواشی کے تعداد آٹھ سو یا اس سے کچھ زیادہ تک پہنچ سکی ہے۔ لیکن ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس وقت کتنی کتابیں ملتی ہیں؟۔ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ راقم الحروف نے ۲۵ر سال سے جو تتبع اور تلاش کے مراحل طے کیے ہیں ان کے نتیجے میں اب تک کی تعداد ساڑھے تین سو سے آگے نہیں بڑھ سکی۔ باقی کہاں ہیں؟ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمیں جو کتابیں ملیں بحمدہ تعالیٰ ہم نے ان کو ایک سو سے زیادہ جلدوں میں جدید کتابت، ترتیب، تخریج، اور ترجمہ کے ساتھ مکمل سیٹ کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ یہاں ہم انھیں شائع شدہ کتب ورسائل کا اجمالی تعارف پیش کر رہے ہیں۔

''فتاویٰ رضویہ کامل'' جو اب تک شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں سب سے کامل واکمل نسخہ ہے ہمارے ادارے ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف'' سے مکمل تحقیق، تخریج، ترتیب جدید اور خوبصورت کمپوزنگ کے ساتھ ۲۲ر جلدوں میں شائع ہو چکا ہے، اسی کی ترتیب کے اعتبار سے پہلے ہر جلد کا نہایت مختصر اور اجمالی تعارف ملاحظہ کریں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱):

سیدنا اعلیٰ حضرت نے فتاویٰ کی اس جلد میں طہارت کے مسائل کو بیان کیا ہے،

اس میں چند مسائل زیر بحث آئے ہیں، یعنی فتویٰ ہمیشہ قول امام پر ہوتا ہے، رخصت کے بعض مقامات کا ذکر، وضو اور غسل کے سینکڑوں مسائل۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲):

اس جلد میں بھی طہارت ہی کا بیان ہے، اس کے تحت مائے مستعمل کی تعریف، ملاقی اور ملقیٰ کا فرق، پانی دَہ دَر دَہ کی مقدار میں کب کہلائے گا، مائے مطلق کسے کہتے ہیں، بچے نے کوئیں یا نل سے پانی بھرا اس کا حکم کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۳):

اس جلد میں بھی طہارت کا بیان ہے، اس کے تحت تیمّم کا بیان ہے اور پوری تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ کن چیزوں سے تیمّم جائز اور کن سے نہیں۔ نجاستوں کا بیان ہے اور ان سے پاکی حاصل کرنے کے طریقوں پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۴):

اس جلد میں نماز کا بیان ہے اور اس کے بہت سے شرائط کا تذکرہ ہے، انہی میں وقت اور استقبال قبلہ پر بہت خوب تحقیق پیش کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۵):

اس جلد میں بھی نماز کا بیان ہے، اور اس کے تحت نماز کے فرائض ودیگر متعلقہ مسائل کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۶):

اس جلد میں بھی نماز کا بیان ہے، خاص طور پر اس میں مسجد کے احکام، اور جمعہ و عیدین کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۷):

اس جلد میں جنائز کا بیان ہے، اس کے تحت کفن کی تفصیل، نماز جنازہ کی دعائیں، نماز

جنازہ کی تکرار، غائبانہ نماز جنازہ، اور سماع موتی وغیرہ بہت مسائل پر محققانہ گفتگو ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۸):

اس جلد میں زکاۃ، صوم اور حج کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۹):

یہ پوری جلد نکاح کے مسائل پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۰):

اس جلد میں طلاق، قسم اور حدود وتعزیر کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۱):

یہ جلد سیر کے مسائل پر مشتمل ہے، یعنی ملکی حالات کہ ہندوستان دار الاسلام ہے یا دار الحرب، خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت، شخصی احوال یعنی کفر وارتداد وغیرہ کے احکام، موالات ومعاملات کی بحثیں، یہ سب کچھ تفصیل سے اس جلد میں موجود ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۲):

اس جلد میں معاملات کی شرکت، وقف کا بیان، اور خرید وفروخت کے مسائل ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۳):

اس میں کفالت، حوالہ، قضاء ودعویٰ، وکالت واقرار، صلح ومضاربت، اور امانت وعاریت کے احکام نہایت تحقیق سے بیان ہوئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۴):

اس جلد میں ہبہ واجارہ، اکراہ وحجر، غصب وشفعہ، قسمت ومضاربت، صید وذبائح، اور اضحیہ وعقیقہ کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۵):

یہ پوری جلد حظر واباحت یعنی اخلاقی مسائل پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۶):

اس میں بھی اخلاقیات موضوع بحث ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۷):

اس میں بقیہ اخلاقیات، مداینات واشربہ، رہن ووصیت، اور میراث وفرائض کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۸):

یہ جلد عقائد وکلام کے اہم مسائل پر مشتمل ہے اور آپ نے ہر مسئلہ پر نہایت تفصیل اور تحقیق سے لکھا ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۱۹):

اس میں مناقب وفضائل کا بیان ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲۰):

یہ جلد رد ومناظرہ پر مشتمل ہے، چنانچہ اس میں فرقہ اسماعیلیہ وہابیہ، دیوبندیہ، نیچریہ وغیرہ کا رد ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲۱):

یہ جلد بھی رد ومناظرہ ہی پر مشتمل ہے، اور اس میں فرقہ روافض وتفضیلیہ کا رد وابطال ہے۔

فتاویٰ رضویہ (جلد۲۲):

یہ جلد بھی رد ومناظرہ کے تعلق سے ہے، اولاً اس میں قادیانیوں اور فلسفیوں کا رد ہے، اور پھر کچھ مختلف اور منتشر ابواب ہیں جن پر کتاب ختم ہوگئی ہے۔

فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲/جلدوں کے اس سیٹ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ہر جلد کے شروع میں تمام جلدوں کے رسائل کی فہرست دے دی گئی ہے جس سے بہت آسانی کے

ساتھ قارئین تمام جلدوں کے رسائل کسی بھی جلد سے معلوم کر سکتے ہیں۔

۱- أجلى الاعلام أن الفتوىٰ مطلقاً على قول الامام (۱۳۳۴ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی مفتی کو جائز نہیں کہ وہ امام اعظم کے قول کے خلاف فتوے دے، اس لیے صاحبین یا ان میں سے کسی کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، پھر بسا اوقات صاحبین میں سے کسی کے قول پر فتویٰ کیوں دیا جاتا ہے؟ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے سات مقدمے بیان فرمائے ہیں اور خلاصہ کے طور پر آخری بات یہ سامنے آئی کہ جس قول پر فتویٰ ہوتا ہے وہ درحقیقت قول امام ہی ہے، قول صوری نہ سہی قول ضروری تو ضرور ہوتا ہے۔

۲- جلى النص فى أماكن الرخص. (۱۳۳۷ھ):

یہ رسالہ رسم افتا سے متعلق ہے، اس میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ کون کون سی صورتیں ہیں کہ آدمی احکام شریعت میں رخصت پاتا ہے حتی کہ حرام چیزیں بھی حلال ہوجاتی ہیں۔

۳- الجود الحلو فى أركان الوضوء. ۴(۱۳۲ھ):

اس میں اولاً فرض اعتقادی وعملی اور واجب اعتقادی وعملی کی تعریفات ہیں پھر یہ بتایا گیا ہے کہ وضو میں ان چاروں میں سے کون کون سے فرض وواجب ہیں اور کون سے نہیں۔

۴- تنوير القنديل فى أوصاف المنديل. (۱۳۲۴ھ):

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ وضو سے فارغ ہوکر اعضائے وضو کو رومال سے خشک کر سکتے ہیں، اس کی ممانعت میں کوئی حدیث نہیں بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے، البتہ بعض روایات میں آیا ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ حضور نے اس چیز کو پسند نہ فرمایا تو اس کے جوابات آپ نے نہایت شرح وبسط سے دیے ہیں۔

۵- لمع الأحكام أن لا وضوء من الزكام. (۱۳۲۴ھ):

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ زکام سے وضو نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ یہ واضح اور

اجماعی مسئلہ ہے کہ بلغم کی قے خواہ کم ہو یا زیادہ ناقص وضو نہیں، چاہے دماغ سے آئے یا پیٹ سے، اور زکام کی رطوبتیں دماغ سے ہی نازل ہوتی ہیں۔

۶- الطراز المعلم فیما هو حدث من أحوال الدم. (۱۳۲۴ھ):

زخم اور پھوڑا پھنسی وغیرہ سے جو خون اور پیپ ظاہر ہوتے ہیں اور ان میں بہنے کی صلاحیت نہیں تو بالا جماع وہ ناقص وضو نہیں اور مذہب معتمد میں جو حدث نہیں وہ نجس بھی نہیں، لہٰذا جو خون وغیرہ چھلکے یا ابھرے وہ نجس نہیں۔ نجس وہ خون ہے جس میں سیلان پایا جائے۔ اس لیے یہاں تین صورتیں ہیں: چھلکنا۔ ابھرنا۔ بہنا۔ پہلی دونوں میں ناقص وضو نہیں اور تیسری صورت میں بلا شبہ وضو ٹوٹ جائے گا۔

۷- نبه القوم أن الوضوء من أی نوم. (۱۳۲۵ھ):

نیند کب وضو توڑتی ہے اور کب نہیں، اس میں بیان فرمایا کہ نیند دو شرطوں سے ناقض وضو ہوتی ہے، اول یہ کہ دونوں سرین اس وقت خوب جمے نہ ہوں۔ دوسرے یہ کہ ایسی ہیئت پر سویا ہو جو غافل ہو کر نیند آنے کو مانع نہ ہو۔ پھر ان دونوں شرطوں کے عدم تحقق کی بیس صورتیں بیان فرمائیں۔

۸- خلاصة تبیان الوضوء. (۱۳۰۶ھ):

غسل جنابت میں تین فرض ہیں، کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا، اور پورے بدن پر پانی بہانا۔ ان تینوں چیزوں کی وضاحت اور ان میں ہونے والی کوتاہیوں پر تنبیہ اور ہدایت ہے۔

۹- الاحکام والعلل فی أشکال الاحتلام والبلل (۱۳۲۰ھ):

نیند سے بیدار ہوا اور کپڑے یا بدن پر تری پائی، یا خواب دیکھا اور تری نہ پائی تو نہانا واجب ہے یا نہیں، اس کے جواب میں فرمایا یہ مسئلہ کثیر الوقوع اور ہر شخص کو اس کی ضرورت اور کتابوں میں اختلاف بکثرت ہے، پھر آپ نے چھ صورتیں بیان فرمائیں۔

۱۰- بارق النور فی مقادیر ماء الطهور. (۱۳۲۷ھ):

وضو اور غسل میں پانی کی مقدار کیا ہونی چاہیے، احادیث میں صاع، مد اور رطل وغیرہ کا ذکر ہے تو آپ نے سب سے پہلے انہی پیمانوں کی وضاحت فرمائی ہے اور مختصر الفاظ میں بہت سے ناپ تول کی مقداریں متعین فرما دی ہیں۔ جیسے صاع ایک پیمانہ ہے چار مد کا۔ مد کو مَن بھی کہتے ہیں یہ دو رطل کا ہوتا ہے۔ رطل شرعی بیس استار، استار ساڑھے چار مثقال، مثقال ساڑھے چار ماشے۔ اب جدید تول میں دس درہم ۳۳ گرام ۴۶۶ ملی گرام ہیں اور دس درہم برابر ۷ مثقال، تو ایک مثقال ۴ گرام ۹۰۸ ملی گرام ہوا۔ وقس علیٰ هذا.

۱۱- برکات السماء فی حکم اسراف الماء. (۱۳۲۷ھ):

طہارت میں بے سبب پانی خرچ کرنا کیا حکم رکھتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا: ملاحظہ کلمات علما سے اس میں چار اقوال معلوم ہوتے ہیں، ان میں قوی تر دو ہیں اور فضل الٰہی سے امید ہے کہ بعد تحقیق وحصول توفیق اختلاف ہی نہ رہے وباللہ التوفیق۔ پھر ان چاروں اقوال کو شمار کرایا۔

۱۲- ارتفاع الحجب عن وجوه قراء ة الجنب. (۱۳۲۸ھ):

بحالت جنابت قرآن عظیم کی وہ آیات جو ذکر وثنا ومناجات ودعا ہوں اگرچہ پوری آیت ہو جیسے آیۃ الکرسی۔ متعدد آیات کاملہ جیسے سورۂ حشر شریف کی اخیر تین آیتیں، پوری سورۂ الحمد شریف بہ نیت ذکر ودعا بے نیت تلاوت پڑھنا جنب وحائض ونفسا سب کو جائز ہے، اسی لیے کھانے یا سبق کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ سکتے ہیں اگرچہ یہ ایک آیت مستقلہ ہے کہ اس سے مقصود تبرک واستفتاح ہوتا ہے، نہ تلاوت۔

۱۳- الطرس المعدل فی حد الماء المستعمل. (۱۳۲۰ھ):

اس رسالہ میں مائے مستعمل کی تعریف اور پھر اس کی وضاحت ہے، فرماتے ہیں: مائے مستعمل وہ قلیل پانی ہے جس نے یا تو تطہیر نجاستِ حکمیہ سے کسی واجب کو ساقط کیا، یعنی انسان کے کسی ایسے پارۂ جسم کو مَس کیا جس کی تطہیر وضو یا غسل سے بالفعل

لازم تھی، یا ظاہر بدن پر اُس کا استعمال خود کارِ ثواب تھا، اور استعمال کرنے والے نے اپنے بدن پر اُسی امرِ ثواب کی نیّت سے استعمال کیا، اور یوں اِسقاطِ واجب تطہیر یا اِقامتِ قربت کر کے عضو سے جُدا ہوا، اگرچہ ہنوز کسی جگہ مستقر نہ ہوا بلکہ روانی میں ہے۔

۱۴- النميقة الأنقىٰ فی فرق الملاقی والملقیٰ. (۱۳۲۷ھ):

اس رسالہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ اگر بے وضو یا جُنب کا ہاتھ یا اُنگلی یا ناخن وغیرہ لوٹے یا گھڑے میں پڑ جائے تو پانی وضو کے قابل رہتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں:

مکلَّف پر جس عضو کا دھونا کسی نَجاستِ حکمیہ مثلِ حدَث وجَنابت وانقطاعِ حیض ونَفاس کے سبب بالفعل واجب ہے، وہ عضو یا اُس کا کوئی حصہ اگرچہ ناخن یا ناخن کا کنارہ آبِ غیرِ کثیر میں (کہ نہ جاری ہے، نہ دَہ دَردَہ) بے ضرورت پڑ جانا پانی کو قابلِ وضو وغُسل نہیں رکھتا، یعنی پانی مستعمل ہو جاتا ہے، کہ خود پاک ہے اور نَجاستِ حکمیہ سے تطہیر نہیں کرسکتا، اگرچہ نَجاستِ حقیقیہ اس سے دھو سکتے ہیں۔

۱۵- الهنیء النمیر فی الماء المستدیر. (۱۳۳۴ھ):

اس رسالہ میں اس چیز کا بیان ہے کہ: کنویں کا دَور کَے ہاتھ ہونا چاہیے کہ وہ دَہ دَردَہ ہو، اور نَجاست گرنے سے ناپاک نہ ہو سکے؟

اس کے جواب میں فرمایا کہ: اس میں چار قول ہیں، ہر ایک بجائے خود وجہ رکھتا ہے، اور تحقیق جُدا ہے۔

۱۶- رحب الساحة فی میاہ لا یستوی وجهها وجوفها فی المساحة. (۱۳۳۴ھ):

اس میں اس سوال کا جواب ہے کہ حَوض نیچے دَہ دردَہ اور اُوپر کم ہے، بھرے ہوئے میں نَجاست پڑی تو سب ناپاک ہو گیا یا صرف اُوپر کا حصّہ جہاں تک سَو ہاتھ سے کم ہے؟

جواب ہے کہ بعض کے نزدیک اَصلاً ناپاک نہ ہوگا؛ کہ مجموع آبِ کثیر ہے۔ اور بعض کے نزدیک کل ناپاک ہو جائے گا۔

۱۷- هبة الحبیر فی عمق ماء کثیر. (۱۳۳۴ھ):

اس رسالہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ: آبِ کثیر کے لیے (جو مثلِ جاری نجاست قبول نہ کرے) کتنا عُمق درکار ہے؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ہاتھ سے پانی لینے میں زمین نہ کُھل" اِس سے چُلو مراد ہے یا لَپ؟ جواب میں ہے کہ اُس کے عُمق میں گیارہ 11 قول ہیں۔

۱۸- النور والنورق لاسفار الماء المطلق. (۱۳۳۴ھ):

اس رسالہ میں سوال یہ ہے کہ: آبِ مطلق کہ وضو وغسل کے لیے درکار ہے، اُس کی کیا تعریف ہے؟ آبِ مقیّد کسے کہتے ہیں؟ جواب میں فرماتے ہیں: یہ مسئلہ نہایت معرکۃ الآراء ہے، فقیر بتوفیق القدیر اوّل جزئیاتِ منصوصہ ذِکر کرے، (۲) پھر تعریفِ مطلق ومقیّد؛ کہ اَصالۃً ضابطہ جامعہ کلّیہ ہے اور دیگر ضوابط کے لیے معیار، (۳) پھر ضوابطِ جزئیہ متون (۴) پھر ضوابطِ کلیہ متاخّرین، (۵) پھر جزئیاتِ جدیدہ کے اَحکام، وما توفیقی الاّ بالله، علیه توکّلتُ والیه أنیب.

اس رسالہ کے تحت دو ضمنی رسالہ بھی ہیں:

۱۹- عطاء النبی لافاضة أحکام ماء الصبی. (۱۳۳۴ھ):

اس رسالہ میں نابالغ بچے کے بھرے ہوئے پانی کا حکم بیان کیا گیا ہے، یعنی بچے کا بھرا ہوا پانی مملوک بھی ہے اور مباح بھی، تو ایسے پانی کی تین قسمیں ہوئیں: (۱) مباح غیر مملوک- جیسے دریاؤں اور نہروں کا پانی۔ (۲) مملوک غیر مباح۔ جیسے برتنوں کا پانی۔ (۳) مباح مملوک۔ جیسے سبیل یا سقایہ کا پانی۔ نابالغ کا بھرا ہوا پانی اگرچہ مباح ہے مگر مملوک بھی ہونے کی بنا پر اس کلا استعمال جائز نہیں۔ اور اسی مسئلے کی تحقیق وتفصیل میں کثیر صورتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۲۰- الدقة والتبيان لعلم الرقة والسيلان. (۱۳۳۴ھ):

اس رسالہ میں پانی کی رقت وسیلان کے معانی پر جامع اور محققانہ بحث کی گئی ہے۔

۲۱- حسن التعمم لبيان حد التيمم. (۱۳۳۵ھ):

سوال یہ تھا کہ تیمّم کی شرعی تعریف کیا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ کرام سے چھ تعریفات منقول ہیں۔ پھر ان سب کو نہایت تفصیل سے بیان کیا اور آخر میں تعریف رضوی کے نام سے ایک جامع و مانع تعریف فرمائی جس کا نام تعریف رضوی رکھا۔

۲۲- سمح الندرئ فيما يورث العجز من الماء. (۱۳۳۵ھ):

اس رسالہ میں پانی پر قدرت نہ ہونے کی ۱۷۵ صورتوں میں سے ۸۸؍ بیان فرمائی ہیں۔ درمیان میں ایک رسالہ:

۲۳- الظفر لقول زفر. (۱۳۳۵ھ):

آ گیا ہے جس کی وضاحت میں اعلیٰ حضرت خود فرماتے ہیں: واضح ہو کہ امام زفر رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے تینوں ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب کے برخلاف وقت فوت ہونے کے اندیشہ سے تیمّم کو جائز کہتے ہیں۔ ائمۂ ثلاثہ سے ایک روایت مذہب امام زفر کے موافق بھی آئی ہے، متعدد جزئیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کچھ بزرگوں نے اسے اختیار بھی کیا ہے اور کئی محققین نے ان کی دلیل کو تقویت بھی دی ہے۔

۲۴- المطر السعيد على نبت جنس السعيد. (۱۳۳۵ھ):

سیّدنا امام الائمہ امامِ اعظم کے نزدیک ہر اُس چیز سے کہ جنسِ ارض سے ہو تیمّم رَوا ہے جبکہ غیرِ جنس سے مغلوب نہ ہو اور اُس کے غیر سے ہمارے جمیع ائمہ کے نزدیک رَوا نہیں، لہٰذا جنسِ ارض کی تحدید وتعدید درکار۔ اس میں چار مقام ہیں: پھر ان سب کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ یہ رسالہ آپ کی تحقیقات عالیہ کا شاہ کار ہے۔

۲۵- الجد السديد في نفي الاستعمال عن الصعيد. (۱۳۳۵ھ):

جس طرح طہارت سے پانی مستعمل ہو جاتا ہے کہ دوبارہ وضو کے قابل نہیں رہتا تیمّم سے مٹّی بھی یونہی مستعمل ہو جاتی ہے یا نہیں؟ فرماتے ہیں: اقول وباللہ التوفیق: ہم اوپر بیان کر آئے کہ تُراب یعنی جنسِ ارض دو قسم ہے: "حقیقی" جس کا بیان رسالہ "المطر السعید" میں گزرا، اور "حکمی" کہ وہ ہاتھ ہیں کہ بنیّتِ تطہیر جنسِ ارض سے مَس کیے گئے، یہ تُرابِ حکمی ضرور بالاجماع مستعمل ہوتی ہے،

۲۶- قوانين العلماء في متيمم علم عند زيد ماء. (۱۳۳۵ھ):

شرح تعریفِ رضوی کے اِفادۂ پنجم میں ضمناً اس مسئلہ کا ذِکر آیا کہ ’’اگر دوسرے کے پاس پانی پایا اور نہ مانگا، اور تیمّم سے پڑھ لی، پھر مانگا اور اُس نے دے دیا، تو نماز نہ ہوئی، نہ دیا تو ہو گئی‘‘ اس مسئلہ کی تفصیل وتحقیق وہاں لکھی، کہ بجائے خود ایک رسالہ ہو گئی، طُول کے سبب اسے وہاں سے جُدا کیا، اور رسالہ کا حوالہ دیا، یہ وہ رسالہ ہے، وباللہ التوفیق۔

۲۷- الطلبة البديعة في قول صدر الشريعة. (۱۳۳۵ھ):

جواز تیمّم کے لیے پانی سے عجز کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ تھی کہ نہانا ہو اور پانی صِرف وضو کے قابل ہے، تو فقط تیمّم کرے"، یہاں "شرح وِقایہ" امام صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک عبارت نے اِس مسئلہ کو معرکۃ الآرا کر دیا، اُس کے حَواشی کے علاوہ اَور کتب مثل "شرح نقایہ" قُہستانی "دُرر" علّامہ مَولیٰ خُسرو "دُرِّ مختار" وغیرہا میں اُس کی طرف توجہ مبذول ہُوئی، اِس بحث کو بھی وہاں سے جُدا کیا کہ یہ رسالہ ہوا، وباللہ التوفیق.

۲۸- مجلى الشمعة لجامع حدث ولمعة. (۱۳۳۶ھ):

رسالہ الطلبة البديعة میں ’’مسئلہ لمعہ‘‘ کا ذکر آیا اور اس میں تفاصیل کثیرہ ہیں کہ غیر میں نہ ملیں گی۔ ان کے بیان میں یہ رسالہ ہے کہ جب نے بدن کا کچھ حصہ دھویا کچھ باقی رہا کہ پانی نہ رہا، پھر حدث ہوا کہ موجب وضو ہے، اب جو پانی ملے اسے وضو رفع

حدث میں صرف کرے یا بقیہ جنابت کے دھونے میں یا کیا، یہ مسئلہ لمعہ ہے، لمعہ بالضم یہاں وہ حصۂ بدن ہے جو بعد جنابت سیلان آب سے رہ گیا۔ پھر تین تقسیمیں فرما کر احتمالات اور اقسام بیان فرمائے ہیں۔

۲۹- سلب الثلب عن القائلین بطهارة الکلب. (۱۳۱۲ھ):

سوال یہ ہے کہ کتا طاہر العین ہے یا نجس العین؟ اس کے جواب میں فرمایا: ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں یہ جانور سائر سباع کے مانند ہے کہ لعاب نجس اور عین طاہر، یہی مذہب ہے صحیح واصح ومعتمد ومؤید بدلائل قرآن وحدیث ومختار و ماخوذ للفتوی عند جمہور مشائخ القدیم والحدیث ہے۔

۳۰- الاحلیٰ من السکر لطلبة سکر روسر. (۱۳۰۳ھ):

شاہ جہاں پور میں شکر کا ایک کارخانہ بنام روسر لگایا گیا تھا جس میں جانوروں کی ہڈیاں جلا کر اس کے کوئلوں سے شکر صاف کی جاتی تھی، ان ہڈیوں میں یہ کوئی امتیاز نہیں ہوتا تھا کہ یہ حلال جانوروں کی ہیں یا حرام، اس فیکٹری کی شکر کے بارے میں سوال ہوا کہ اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا اور اس کا حکم بیان کر نے سے پہلے دس ضابطے تحریر فرمائے جن کی روشنی میں حکم مسئلہ کو بیان فرما کر صرف اسی مسئلہ میں نہیں بلکہ سیکڑوں مسائل کی گتھیاں سلجھا دیں اور واضح کر دیا کہ ہماری شریعت نہ اس طرح کے اوہام وخیالات پر بنائے کار رکھتی ہے نہ ان کا اعتبار۔

۳۱- جمان التاج فی بیان الصلاة قبل المعراج. (۱۳۱۶ھ):

سوال یہ ہے کہ شب معراج سے قبل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون سی نماز پڑھتے تھے؟ جواب میں فرماتے ہیں:

پیش از اِسرا دو وقت یعنی قبل طلوع شمس وقبل غروب کے نمازیں مقرر ہونے میں علماء کو خلاف ہے، اور اَصح یہ ہے کہ اس سے پہلے صرف قیام لیل کی فرضیّت ثابت، باقی پر کوئی دلیلِ صریح قائم نہیں، تاہم اس قدر یقیناً معلوم کہ معراج مبارک سے پہلے حضور اقدس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نمازیں پڑھتے، نمازِ شب کی فرضیّت تو خود سورۂ مزمّل شریف سے ثابت، اور اُس کے سِوا اَور اوقات میں بھی نماز پڑھنا وارد، عام ازیں کہ فرض ہو یا نفل۔

۳۲- حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین. (۱۳۱۳ھ):

ظہرَین عرَفہ وعشائین مزدلفہ کے سِوا دو نمازوں کا قصداً ایک وقت میں جمع کرنا، سفراً حضراً ہرگز کسی طرح جائز نہیں، یہ رسالہ آپ کی تحقیقات عالیہ کا گنجینہ اور معارف حدیث کا خزینہ ہے۔ دراصل غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے اپنی کتاب ''معیار الحق'' میں اس مسئلہ جمع بین الصلاتین پر کلام کرتے ہوئے احناف کے مسلک کی اس سلسلہ میں تضعیف وتغلیط کی تھی، اور اپنی حدیث دانی کے زعم فاسد میں علم حدیث سے متعلق ایسے گل کھلائے تھے جن کو علم حدیث کا مبتدی طالب علم بھی نہیں بیان کر سکتا، امام احمد رضا قدس سرہ نے ملاجی کے دعوئ محدثی کی اس میں خوب خبر لی ہے۔

۳۳- منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین. (۱۳۰۱ھ):

سوال یہ تھا کہ: اذان میں کلمۂ اشہد اَنّ محمّداً رسول اللہ سُن کر انگوٹھے چومنا، آنکھوں سے لگانا کیسا ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: حضور پُر نور شفیعِ یوم النشور صاحبِ لَولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ پاک اذان میں سُنتے وقت انگوٹھے یا انگشتانِ شہادت چُوم کر آنکھوں سے لگانا قطعاً جائز، جس کے جواز پر مقامِ تبرّع میں دلائلِ کثیرہ قائم، اور خود اگر کوئی دلیلِ خاص نہ ہوتی تو منع پر شرع سے دلیل نہ ہونا ہی جواز کے لیے دلیلِ کافی، جو ناجائز بتائے ثبوت دینا اُس کے ذمّہ ہے؛ کہ قائلِ جواز متمسّک باصل ہے، اور متمسّک باصل محتاجِ دلیل نہیں، پھر یہاں تو حدیث وفقہ وارشادِ علما وعملِ قدیم سلَفِ صلحا سب کچھ موجود۔

۳۴- نهج السلامة فی حکم تقبیل الابهامین فی الاقامة. (۱۳۳۳ھ):

انگوٹھے چومنے کے سلسلہ میں حضرت مولانا احمد مختار صاحب قادری رضوی صدّیقی میرٹھی نے ۲۲ر جمادی الآخرۃ ۱۳۳۳ھ کو ایک فتویٰ "فتاویٰ امدادیہ" معروف بہ

"فتاویٰ اشرفیہ" جلد چہارم سے نقل کر کے بھیجا جس میں سائل نے پوچھا تھا کہ اقامت میں انگوٹھے چومنا جائز ہے یا ناجائز؟ فتاویٰ اشرفیہ میں جواب میں کہا گیا تھا کہ: اوّل تو اذان ہی میں انگوٹھے چُومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور جو کچھ بعض لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے وہ محقّقین کے نزدیک ثابت نہیں، اور اقامت کے بارے میں لکھ دیا کہ: مگر اِقامت میں تو کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اِقامت میں انگوٹھے چُومنا اذان کے وقت سے بھی زیادہ بدعت و بے اصل ہے، اسی واسطے فقہانے اس کا بالکل انکار کیا ہے۔آپ نے اس کے جواب میں یہ رسالہ تحریر فرمایا اور مسئلے کی خوب خوب وضاحت فرمائی۔

۳۵- ایذان الاجر فی اذان القبر. (۱۳۰۷ھ):

اس رسالہ میں سوال ہے کہ بعد دفن قبر پر اذان کا کیا حکم ہے؟ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: بعض علمائے دِین نے میّت کو قبر میں اُتارتے وقت اذان کہنے کو سنّت فرمایا، حق یہ ہے کہ اذانِ مذکور فی السّوال کا جواز یقینی ہے، ہرگز شرعِ مطہّر سے اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں، اور جس امر سے شرع منع نہ فرمائے اصلاً ممنوع نہیں ہوسکتا، قائلانِ جواز کے لیے اسی قدر کافی، جو مدّعیِ ممانعت ہو دلائلِ شرعیہ سے اپنا دعویٰ ثابت کرے۔

۳۶- ھدایة المتعال فی حد الاستقبا ل. (۱۳۲۴ھ):

آپ سے سوال ہوا کہ ہندوستان میں قبلہ کی صحیح سمت کیا ہے؟ اور علی گڑھ کی عید گاہ سے متعلق بے بنیاد اعتراضات کا تذکرہ بھی اس میں تھا۔آپ نے جواب میں سمت قبلہ کے تعلق سے کچھ تمہیدات اور معترضین کے رد وابطال کے بعد پانچ افادات ذکر کر کے جہت قبلہ کی تعیین وتحدید کے چند طریقے تحریر کیے ہیں۔

۳۷- کشف العلة عن سمت القبلة. (۱۳۲۴ھ):

مسلمان دنیا میں جہاں کہیں ہوں نماز ادا کرنے میں قبلہ کی طرف منھ کرنا صحتِ نماز کے لیے شرط ہے، آپ نے اس کتاب میں پوری دنیا کے لیے سمت قبلہ نکالنے کے دس

قاعدے خود ایجاد کیے ہیں، یہ قاعدے نہایت تحقیقی اور نہایت آسان ہیں کہ اتنے تحقیقی اور اتنے آسان قاعدے جو پوری دنیا کے لیے محیط ہوں، دنیا میں موجود ہی نہیں۔امام احمد رضا قدس سرہ خود فرماتے ہیں: الحمدللہ ہمارے یہ دسوں قاعدے تمام زمین زیروبالا، بحروبر، سہل وجبل، آبادی وجنگل سب کو محیط ہوئے کہ جس مقام کا عرض وطول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے۔آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں۔اور تحقیق ایسی کہ عرض وطول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اٹھا دیے جائیں تو کعبہ معظّمہ کو خاص رو برو پائیں۔پہلے لوگ امریکہ میں مخالف سمت کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اسی کتاب کے قواعد کے ذریعہ وہاں سمت قبلہ درست کی جاسکی ہے۔

۳۸- نعم الزاد لروم الضاد. (۱۳۱۵ھ):

۳۹- الجام الصاد عن سنن الضاد. (۱۳۱۷ھ):

ان دونوں رسالوں کا موضوع ضاد کا صحیح مخرج بتانا ہے اور یہ واضح کرنا ہے کہ مخارج کے اعتبار سے ہر حرف دوسرے سے جدا ہے اور قراءت قرآن میں ان مخارج کا لحاظ اور حروف کی صفات لازمہ کا اعتبار ضروری ہے تاکہ قرآن کی تلاوت صحیح طریقہ پر ہو، اور جیسا قرآن نازل ہوتھا ویسا ہی پڑھا جائے۔ان رسالوں میں تجوید وقراءت کے احکام و قواعد پر جامع انداز میں بحث کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ قرآن بے تجوید پڑھنا لحن ہے اور لحن سب کے نزدیک حرام۔

۴۰- النهی الأکید عن الصلاة وراء عِدَی التقلید. (۱۳۰۵ھ):

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ غیر مقلد کے پیچھے نماز جائز نہیں، اگر کبھی مجبوری میں پڑھ لی گئی ہو تو اس کو دوبارہ پڑھے اگرچہ وقت گزر چکا ہو۔اس رسالہ کے مقدمہ میں غیر مقلدین کی بدعات وخرافات کا جائزہ لیا گیا ہے، نیز ان کے مظالم وفتنہ اوران کی تاریخ پر بھی روشنی ڈالی گئی اور بتایا گیا ہے کہ یہ فرقہ گمراہ اور گمراہ گر ہے، ائمہ وفقہا کا دشمن ہے بلکہ

گستاخ رسول بھی ہے اوران کا شجرۂ نامسعود محمد ابن عبدالوہاب نجدی سے ملتا ہے۔

۴۱- القلادة المرصعة فی نحر الأجوبة الأربعة. (۱۳۱۲ھ):

اس رسالہ میں مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی قاسم علی مرادآبادی کے ان فتوی کا رد ہے جوخود آپس میں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ادائے تہجد کی خاطر قیلولہ اس طرح کرے کہ ظہر کی جماعت فوت ہوجائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے، آپ نے جواب میں فرمایا کہ معذور ہے تو اس سے جماعت ساقط ہے، اور یہ کسی کو اپنے ساتھ شامل کرکے اذان وجماعت سے پہلے ہی اپنی جماعت کرلے تو یہ اس کے لیے مکروہ ہے، کیونکہ بہرحال جماعت اولیٰ تو اس کے لیے افضل ہے۔ لہٰذا تہجد فوت ہونے کے خوف سے جماعت کا ترک جائز نہیں۔ پھر اس شخص کو ایسی تدابیر بتائیں کہ جن پر عمل سے جماعت بھی فوت نہ ہو اور تہجد کی ادائیگی بھی ہوسکے۔

۴۲- القطوف الدانية لمن أحسن الجماعة الثانية. (۱۳۱۳ھ):

اس میں بیان فرمایا کہ جماعت ثانیہ کونسی صورتوں میں جائز ہے اور اس کا کیا طریقہ ہونا چاہیے، چنانچہ بارہ صورتیں جواز جماعت ثانیہ کے لیے ذکر فرمائی ہیں۔

۴۳- تیجان الصواب فی قیام الاما م فی المحراب. (۱۳۲۰ھ):

اس رسالہ میں امام کے محراب میں کھڑے ہونے کے تعلق سے بحث ہے، پہلے محراب کے معانی بیان فرمائے ہیں پھر محراب کی دوقسمیں تحریر کی ہیں، ایک حقیقی، دوسری صوری، حقیقی یہ ہے کہ امام مقتدیوں کے وسط میں کھڑا ہو، یہ وسط اور درمیانی مقام ہی محراب حقیقی ہے۔ اور صوری محراب یہی ہے جو آج کل مساجد میں ہوتی ہے، اس کا وجود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد پاک سے لے کر ۸۸ر ھ تک نہیں تھا، اس کا آغاز ولید بن عبدالملک کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کیا جب آپ مدینہ طیبہ کے گورنر تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں فقہا محراب میں کھڑے ہونے کو مسنون فرماتے ہیں اس سے محراب حقیقی مراد ہے، اور جب مکروہ قرار دیتے ہیں تو محراب صوری مراد لیتے ہیں۔

۴۴- اجتناب العما ل عن فتاویٰ الجهال. (۱۳۱۶ھ):

سوال یہ ہے کہ غلبۂ کفار وفتنہ وفساد اور طاعون ووبا کے وقت نماز فجر میں قنوت پڑھنا جائز ہے یا نہیں، دراصل یہ رسالہ ایک بدعقیدہ شخص کے اشتہار بنام ''ضروری سوال'' کے رد میں ہے جس نے قنوت کونماز فجر میں صرف فتنہ وفساد اور غلبۂ کفار کے وقت جائز بتایا تھا اور باقی صورتوں میں مثلاً طاعون اور وبا وغیرہ کے وقت ناجائز کہا تھا۔ جواب میں آپ نے فرمایا: تحریرات مذکورہ نظر سے گزریں۔ ''ضروری سوال'' میں جو حکم اختیار کیا محض خلاف تحقیق ہے، یعنی متون میں عموماً صراحت ہے کہ وتر کے علاوہ میں قنوت نہیں، اور شروح میں جمہور نے فرمایا کہ ہر موقع پر خواہ فتنہ وغلبۂ کفار ہو یا کوئی بلا ومصیبت فجر میں بھی جائز۔ لہٰذا اس بدعقیدہ کا قول غلط ہے جس سے اس کی جہالت واضح ہے۔ پھر آپ نے اس کے ''ضروری سوال'' کا تیس وجوہ سے جائزہ لیا ہے۔

۴۵- أنهار الأنوار فی یم صلاة الأسرار. (۱۳۰۵ھ):

۴۶- أزهار الأنوار من صبا صلاة الأسرار. (۱۳۰۵ھ):

یہ دونوں رسالے نماز غوثیہ کے بارے میں ہیں، آپ نے فرمایا کہ فی الواقع یہ مبارک نماز حضرات عالیہ مشائخ کرام قدست اسرارہم العزیز کی معمول، اور قضائے حاجات وحصول مرادات کے لیے عمدہ طریق مرضی ومقبول، اور حضور پرنور غوث الکونین غیاث الثقلین صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علی جدہ الکریم وعلیہ سے مروی ومنقول، اجلۂ علما و اکابر کملا اپنی تصانیف عالیہ میں اسے روایت کرتے اور مقبول ومقرر لکھتے آئے۔ پھر آپ نے اس نماز کے جائز ومباح ہونے کا ثبوت فراہم کیا اور طریقہ بتایا ہے۔ دونوں رسائل اسی مسئلہ سے متعلق ہیں۔

۴۷- وصاف الرجیح فی بسملة التراویح. (۱۳۱۲ھ):

یہ رسالہ قاری عبدالرحمٰن پانی پتی کے اس فتوے کے جواب میں ہے جس میں

انہوں نے لکھا تھا کہ تراویح میں سورۂ براءت کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ شریف قراءت قرآن کے وقت بلند آواز سے پڑھی جائے ورنہ جن قراء کے نزدیک بسم اللہ سورتوں کا جز ہے ان کے مذہب کے اعتبار سے ۱۱۳؍آیات کم ہوجائیں گیں۔ اس فتوے کی مولوی رشید احمد گنگوہی نے بھی تائید کردی، چنانچہ اعلیٰ حضرت نے یہ رسالہ تحریر فرمایا اور ثابت کردیا کہ بسم اللہ شریف سارے قرآن مجید میں صرف ایک آیت ہے کہ سورتوں میں فصل کے لیے اتاری گئی نہ وہ فاتحہ کی جز ہے اور نہ کسی اور سورت کی۔ تو قرآن عظیم نام ہے ایک سو چودہ سورتوں اور ایک آیت کا کہ وہ بسم اللہ شریف ہے۔

۴۸- التبصير المنجد بأن صحن المسجد مسجد. (۱۳۰۷ھ):

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ مسجد کا صحن بھی مسجد ہی ہوتا ہے، جہاں فقہا مسجد صیفی لکھتے ہیں اس سے یہی صحن مراد ہوتا ہے دراصل مسجد اس زمین اور جگہ کا نام ہے جس کو نماز پنج گانہ کی ادائیگی کے لیے وقف کیا گیا ہو، اور یہ تعریف بلاشبہ مسجد کے صحن کو بھی شامل ہے، مسجد کے لیے عمارت ہونا شرط نہیں، یونہی کوئی چبوترہ یا محدود میدان نماز کے لیے وقف کر دیں تو قطعاً مسجد ہوجائے گا۔

۴۹- مرقاة الجمان فی الهبوط عن المنبر لمدح السلطان. (۱۳۲۰ھ)

سوال یہ تھا کہ خطیب جمعہ کے لیے خطبۂ ثانیہ میں منبر سے ایک سیڑھی اترے اور پھر چڑھ جائے، یہ درست ہے یا نہیں۔ یہ سوال پہلے مولوی محمد عیسی کے یہاں پیش ہوا تو انہوں نے ناجائز وبدعت شنیعہ کہا، پھر اس کا جواب مولوی عبدالرحیم صاحب نے جواز میں دیا۔ یہ دونوں فتوے اعلیٰ حضرت کے پاس آئے تو آپ نے تفصیل سے جواب عنایت فرمایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کسی فعل مسلمین کو بدعت شنیعہ اور ناجائز کہنا ایک حکم اللہ ورسول جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لگانا ہے اور ایک حکم مسلمانوں پر۔ کہ اللہ ورسول نے تو اس کو منع نہیں فرمایا۔ پھر کوئی مسلمان اس کو اپنا کرنا جائز کام کا مرتکب کیسے ہوا۔ پھر اس کے بعد اس سیڑھی اترنے کی وجہ اور اس کی توجیہ ارشاد فرمائی۔

۵۰- رعاية المذهبين فی الدعاء بين الخطبتين. (۱۳۱۰ھ):

آپ سے سوال تھا کہ بعض لوگ دونوں خطبوں کے درمیان جلسہ میں خطیب کو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کو مکروہ وحرام قرار دیتے ہیں، اس کے بارے میں آپ نے جواب فرمایا: امام کے لیے تو اس دعا کے جواز میں اصلاً کلام نہیں جس کے لیے نہی شارع نہ ہونا ہی سند کافی، ممنوع وہی ہے جسے خدا اور سول منع فرمائیں۔ جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اور دوخطبوں کے درمیان اگر مقتدی دل میں دعا مانگیں کہ زبان کو حرکت نہ ہو اور ہاتھ نہ اٹھائیں تو بلاشبہ جائز ہے۔

۵۱- شمائم العنبر فی أدب النداء أمام المنبر. (۱۳۳۳ھ):

۵۲- أوفی اللمعة فی أذان يوم الجمعة. (۱۳۲۰ھ):

ان دونوں رسائل میں مسجد کے اندر اذان پڑھنے کے تعلق سے تفصیلات ہیں۔ فرماتے ہیں: ہمارے علمائے کرام نے فتاوی قاضی خاں، وفتاویٰ خلاصہ وفتح القدیر ونظم وشرح نقایہ برجندی وبحرالرائق وفتاویٰ ہندیہ وطحطاوی علی مراقی الفلاح وغیرہا میں تصریح فرمائی کہ مسجد میں اذان دینا مکروہ ہے۔ یعنی اذان منارے پر یا مسجد کے باہر چاہیے۔ مسجد میں اذان نہ کہی جائے۔ اس میں جمعہ کی اذان ثانی وغیرہا کی تخصیص نہیں ہے۔

۵۳- سرور العيد السعيد فی حل الدعاء بعد صلاة العيد. (۱۳۳۹ھ):

عیدین کی نماز وخطبہ کے بعد دعا کے سلسلہ میں مولوی عبدالحی صاحب نے اپنے فتاوی میں لکھا کہ یہ دعا ثابت نہیں۔ آپ نے عیدین کی مناسبت سے اس دعا کے جواز اور مانعین کے دعوے کی غلطیوں کا بیان دوعیدوں کے عنوان سے کیا۔ اور یہ بتایا کہ مولوی عبد الحی صاحب کے فتوے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عیدین کے بعد دعا کرنا جائز نہیں، وہ صرف عدم ثبوت کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ یہ دعویٰ بھی غلط ہے۔ بلکہ خود احادیث سے ثابت کہ

عیدین کے بعد دعا ہوتی اور اس دعا کی ترغیب خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہاں تک ثابت کہ جو عورتیں نماز کے لائق نہ ہوتیں ان کو بھی دعا میں شرکت کے لیے ہدایات دیتے اور وہ عورتیں بھی نمازیوں سے الگ موجود رہتیں اور دعا میں شریک ہوتیں۔

۵۴- وشاح الجيد فى تحليل معانقه العيد. (۱۳۱۲ھ):

عیدین کے بعد معانقہ کے سلسلہ میں گنگوہی صاحب کے کسی شاگرد نے انکار کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ یہ بدعت و ناجائز ہے۔ البتہ کوئی سفر سے آئے تو اس سے معانقہ جائز ہے۔ آپ نے اس کا جواب لکھ دیا، ان صاحب نے رجوع کر لیا۔ اس کے بعد پھر کسی شاگرد نے یہ مسئلہ چھیڑا، جب جواب دکھایا تو انہوں نے اپنے استاد کے سامنے پیش کر دیا کہ یا تو تصدیق کر دیں ورنہ جواب لکھ دیں، مدت تک انکار کے بعد فتاویٰ عبدالحی سے ایک فتویٰ اپنے ثبوت میں سمجھ کر اور نشانی رکھ کر دے دیا۔ اب آپ نے اس کا تفصیل سے جواب دیا۔ اس میں جواز معانقہ کی شرائط بھی مذکور ہیں اور مطلق معانقہ کے ثبوت میں احادیث و روایات ذکر کی ہیں۔

۵۵- الحرف الحسن فى الكتابة على الكفن. (۱۳۰۸ھ):

اس رسالہ میں خاص طور پر یہ بیان فرمایا ہے کہ کفن پر دعائیں لکھنا فی نفسہ جائز ہے۔ یہ خیال کہ کفن بوسیدہ ہوگا تو جو کچھ لکھا گیا وہ بھی اس کے ساتھ گل جائے گا اور اس طرح اس کی بے حرمتی ہوگی، یہ محض خیال ہی ہے جو لائق اعتبار نہیں۔ اس ضمن میں آپ نے وہ روایات بیان کی ہیں جن میں ذکر ہے کہ معظمات دینیہ میں کفن دیا گیا یا بدن سے متصل رکھی گئیں اور ان کو خلاف تعظیم نہ جانا گیا۔ پھر آپ نے وہ دعائیں تحریر فرمائی ہیں جن کو کفن پر لکھا جانا چاہیے، میت کو اس سے سکون واطمینان حاصل ہوگا، نکیرین کے جواب پر اعانت ہوگی۔

۵۶- المنة الممتازة فى دعوات الجنازة. (۱۳۱۸ھ):

اس رسالہ میں جنازہ پر پڑھی جانے والی دعائیں احادیث کریمہ سے اخذ کر کے

تحریر فرمائی ہیں، یہ تیرہ دعائیں ہیں اور چودہویں دعا کا اضافہ آپ نے خود کیا ہے اور سائل حضرت سید عبد الکریم صاحب سے گزارش کی ہے کہ یہ دعائیں حفظ کر لیں اور مسلمانوں کے جنازے پر پڑھا کریں، ساتھ ہی یہ وصیت بھی فرمائی ہے کہ سید صاحب آپ اگر میرا جنازہ پائیں تو نماز خود ہی پڑھائیں اور یہ سب دعائیں اپنے خالص قادری قلب کے ساتھ خضوع وخشوع سے پڑھیں اور قبر فقیر محتاج پر تلقین کریں۔

۵۷- بذل الجوائز على الدعاء بعد صلاة الجنائز. (۱۳۱۱ھ):

اس رسالہ میں بتایا گیا ہے کہ اموات مسلمین کے لیے دعا کرنا محبوب عمل ہے خواہ نماز جنازہ سے قبل ہو یا بعد۔ دفن سے پہلے ہو یا بعد، بہر حال یہ اچھا طریقہ ہے، اس کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہیں، اور ممنوع نہ ہونا ہی اس کے جواز کے لیے کافی ہے۔ مزید برآں یہ کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے میت کے لیے کھڑے ہو کر دعا فرمائی لہٰذا فقہائے کرام نے لکھا کہ قبر کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا سنت ہے۔

۵۸- النهى الحاجز عن تكرار صلاة الجنائز. (۱۳۱۵ھ):

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے لہٰذا کسی ایک نے بھی پڑھ لی تو نماز ادا ہوگئی اب اس کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں، البتہ جو میت کا ولی ہے اگر نماز جنازہ اس کی اجازت کے بغیر پڑھی گئی تو چونکہ اس کا حق باقی ہے لہٰذا اس کو پڑھنے کا اختیار ہے۔ اسی طرح کسی شخص کو بے نماز پڑھے دفن کر دیا گیا تو فرض ہے کہ اس کی قبر پر نماز پڑھیں جب تک ظن غالب ہو کہ جسم سلامت ہوگا لہٰذا اس کی حد تین دن بیان کی گئی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ کوئی حد معین نہیں، احوال و آثار سے جب تک ظن غالب رہے۔ بہر حال نماز جنازہ کی بالعموم تکرار جائز نہیں۔

۵۹- الهادى الحاجب عن جنازة الغائب. (۱۳۲۶ھ):

نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے ایک خاص شرط یہ ہے کہ جنازہ سامنے ہو، لہٰذا جنازے کے غائب اور غیر موجودہ ہونے کی صورت میں نماز درست نہیں، ائمہ حنفیہ کا اس پر اجماع ہے۔

۶۰- اهلاک الوهابیین علی توهین قبور المسلمین. (۱۳۲۲ھ)

اس رسالہ میں پرانی قبریں کھود کر مکانات بنانے کے تعلق سے سوال ہوا تو اس کے جواب میں یہ رسالہ تصنیف فرمایا جس میں قبروں کی توہین وہابیہ کا شعار بتایا۔

۶۱- بریق المنار بشموع المزار. (۱۳۳۱ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مزارات پر جو روشنی کی جاتی ہے وہ جب کسی مقصد اور فائدے کے تحت ہو تو قطعاً جائز ہے۔ مثلاً قبر سے متصل مسجد ہے کہ اس کی روشنی سے نمازیوں کو آرام ہوگا۔ یا قبریں برسر راہ ہیں تو روشنی سے گزرنے والوں کو فائدہ ہوگا اور اموات کو بھی نفع پہنچے گا، اگر یہ لوگ ان کے لیے ایصال ثواب کریں گے، اور میت کی قوت زائد ہے تو یہ لوگ اس سے فیض پائیں گے، اور اگر ان کی قوت زیادہ ہے تو میت کو ان کے سبب فائدہ حاصل ہوگا۔ اسی طرح روشنی سے ان کو بھی فائدہ ہوگا جو لوگ قبر کے پاس قرآن دیکھ کر پڑھیں گے۔

۶۲- جمل النور فی نهی النساء عن زیارة القبور. (۱۳۳۹ھ):

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ عورتوں کی مزارات پر حاضری منع ہے، خاص طور سے اس زمانہ میں جبکہ رقص ومزامیر کا عام دور دورہ ہے، لہٰذا عورتیں روضہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جائیں، وہاں کے سوا کہیں بھی کسی مزار کی زیارت کے لیے ہرگز نہ جائیں۔ کیونکہ جب عورتوں کو مسجدوں، جمعہ اور جماعتوں سے روک دیا گیا تو پھر زیارت قبور کی ممانعت تو لازمی طور پر ہونا چاہیے۔

۶۳- الحجة الفائحة لطیب التعیین والفاتحة. (۱۳۰۷ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آج کل جو فاتحہ کا طریقہ رائج ہے یہ ایصال ثواب کا ایک طریقہ ہے جو بلا شبہ جائز ومستحسن ہے، چونکہ اہل سنت کے نزدیک اموات مسلمین کو ثواب پہنچانا جائز ہے لہٰذا کھانا سامنے رکھ کر اور ہاتھ اٹھا کر ایصال ثواب کرنا بھی جائز ہوا، رہا یہ کہ اس کے لئے دن معین کرنا اور کوئی خاص وقت مقرر کرنا یہ بعض مصالح کی بنا

پر ہوتا ہے اور شریعت نے اس کو منع نہیں کیا تو اس کے جواز میں بھی کوئی شبہ نہیں۔

۶۴- اتیان الأرواح لدیارهم بعد الرواح. (۱۳۲۱ھ):

اس رسالہ کا موضوع ہے کہ انتقال کے بعد روحیں اپنے سابقہ گھروں کی طرف آتی ہیں خاص طور سے جمعرات، شب براءت اور عید وعاشورہ کے مواقع پر، وہ یہ آرزو لیے ہوتی ہیں کہ ہمارے گھر والے ہمارے نام سے کچھ ثواب ایصال کریں، اگر گھر والے ان کی آرزو پوری کر دیتے ہیں تو وہ خوش وخرم واپس جاتی ہیں ورنہ غمگین حالت میں لوٹتی ہیں۔ ان چیزوں کے ثبوت کے لیے بعض روایات میں ہونا ہی کافی ہے، یہ ضروری نہیں کہ اس کے ثبوت میں دلائل قطعیہ پیش کئے جائیں۔

۶۵- جلی الصوت لنهی الدعوة امام الموت. (۱۳۰۹ھ):

میت کے دفن کے بعد ایصال ثواب کی جو مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں خواہ وہ تیجہ ہو یا دسواں بیسواں اور چالیسواں، کسی بھی موقع پر اعزہ واقربا، اور دوست واحباب کی دعوت کرنا جائز نہیں، کہ دعوت خوشی کے موقع پر ہوتی ہے، یہ کوئی دعوت کا موقع نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کو ایصال ثواب کی دعوت دی جائے، پھر جو احباب واعزہ حاضر ہوئے ان کو اس میں سے کھلانا بھی جائز ہوگا کہ یہ کھانے کی دعوت پر نہیں آئے بلکہ صرف ایصال ثواب کے لیے آئے ہیں۔ اسی طرح اس رسالہ میں ان عورتوں کو بھی تنبیہ کی گئی ہے جو چلا کر سر پیٹتی اور روتی ہیں۔

۶۶- حیاة الموات فی بیان سماع الأموات. (۱۳۰۵ھ):

یہ رسالہ سماع موتی پر ایک تحقیقی دستاویز ہے، مختلف زاویوں سے آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اموات کا سننا حق ہے، مرنے کے بعد روحیں اسی طرح سنتی ہیں جس طرح وہ اپنے جسم کے ساتھ رہ کر سنتی تھیں کہ اصل ادراک تو روح کا خاصہ ہے اور یہ کبھی نہیں مرتی بلکہ قفص عنصری سے نکل کر اس کے سننے اور دیکھنے کی قوت بڑھ جاتی ہے، یہ سب کچھ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

۶۷- الوفاق المتین بین سماع الدفین وجواب الیمین. (۱۳۱۶ھ):

یہ رسالہ دراصل پہلے رسالہ کا تتمہ وضمیمہ ہے، وہ اس طرح کے منکرین سماع موتی

نے اپنے استدلال میں یہ پیش کیا تھا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں سے کلام نہیں کروں گا، پھر مرنے کے بعد اس سے کلام کیا تو اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، جب ایسا ہے تو ثابت ہوا کہ مردے نہیں سنتے، اگر سنتے ہوتے تو قسم ٹوٹ جانا ضروری تھی۔ اس استدلال کو غلط ثابت کرنے کے لیے آپ نے فرمایا کہ معترض اہل سنت کا موقف ہی نہیں جانتا۔ ہمارے ائمہ اس بات کو واضح الفاظ میں بیان کر چکے کہ قسم ٹوٹنے نہ ٹوٹنے کا مدار عرف پر ہے، کسی سے کلام کرنا عرف میں اسی صورت میں بولا اور سمجھا جاتا ہے جب سامنے والا اس کی بات کو سمجھتا اور جواب دینے کا اختیار رکھتا ہو۔ لہٰذا یہ استدلال ہی سرے سے غلط ہے اور منکر غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

۶۸- تجلی المشکاة لانارة أسئلة الزکاة. (......):

یہ رسالہ زکاۃ سے متعلق سات سوالوں کے جوابات کا مجموعہ ہے۔

۶۹- أعز الاکتناه فی رد صدقة مانع الزکاة. (۱۳۰۹ھ):

اس رسالہ میں اس بات کا بیان ہے کہ کسی نے زکاۃ تو ادا نہ کی مگر وہ اپنا مال کار خیر میں صرف کرتا رہتا ہے تو کیا ایسے شخص کا نیک کاموں میں خرچ کرنا قبول ہوگا۔ جواب میں فرمایا زکاۃ فرض تھی اور نہ دی اور نیک کاموں میں خرچ کرتا ہے تو یہ ہرگز مقبول نہیں کہ فرائض کو چھوڑ کر نفل عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو اپنے نیک کاموں میں خرچ کرنے پر ثواب کی امید رکھنا فضول ہے۔ اس لیے پہلے زکاۃ ادا کرے بعد میں خیرات و صدقات دے۔

۷۰- راد التعسف عن الإمام أبو یوسف. (۱۳۱۸ھ):

ہمارے ائمہ مذہب میں امام ابو یوسف کی طرف ایک بے سند روایت منسوب ہے کہ سال گزرنے سے پہلے اپنا تمام مال بیوی کے نام ہبہ کر دیتے اور بیوی کا مال اپنے لیے ہبہ کرا لیتے تاکہ زکاۃ فرض نہ ہو۔ اولاً آپ نے اس قول کی تردید فرمائی اور خود امام ابو یوسف کے قول سے ثابت کر دیا کہ وہ اس طرح کے فعل کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ پھر یہ

بات اگر مان بھی لی جائے کہ امام ابو یوسف ایسا کرنے کو جائز فرماتے تھے تو اس میں اللہ تعالیٰ کے کون سے حکم کی نافرمانی ہوئی۔ جب زکاۃ واجب ہی نہیں ہوئی تو نہ دینے میں کونسا گناہ ہے، کیا انسان پر یہ لازم ہے کہ وہ جب مالک نصاب ہو جائے تو اس کو پورے سال باقی رکھے۔

۷۱- أفصح البیان فی حکم مزارع هندوستان. (۱۳۱۸ھ):

اس رسالہ میں ہندوستان کی زرعی زمینوں کے تعلق سے سوال ہوا کہ زمین دار جب اپنی زمین کی مال گزاری حکومت کو دیتے ہیں تو یہ زمینیں خراجی ہیں یا عشری۔ اسی طرح بٹائی پر جو زمینیں دی جاتی ہیں اس کا عشر کس پر ہے؟ جواب میں فرمایا: ہندوستان میں مسلمانوں کی زمینیں خراجی نہیں سمجھی جائیں گی جب تک کسی خاص زمین کی نسبت خراجی ہونا دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو بلکہ وہ عشری ہیں۔ یا نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔ اور دونوں صورتوں میں ان کا وظیفہ عشر ہے۔ اور بٹائی کے بارے میں فرمایا: زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلہ قرار دیا جائے تو مالک زمین پر صرف بقدر حصہ کا عشر آئے گا۔

۷۲- الزهر الباسم فی حرمة الزکاة علی بنی هاشم. (۱۳۰۷ھ)

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بنو ہاشم کو زکاۃ لینا جائز نہیں، یہ ان کی عزت و کرامت کی وجہ سے ہے کہ زکاۃ کا مال درحقیقت مال کا میل ہوتا ہے، لہٰذا یہ مائے مستعمل کی طرح ہوا جو گناہوں کی ناپاکی کو دھو کر لایا، لہٰذا یہ مال اس لائق نہیں کہ ان طاہر وطیب اہل بیت کو پہنچے، ان کی شان اس سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے، یہ وجہ خود احادیث کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

۷۳- أزکی الهلال بإبطال ماأحدث الناس فی أمر الهلال. (۱۳۰۵ھ)

اس رسالہ میں تار کی خبر پر رویت ہلال ثابت نہ ہونے کا بیان ہے، اس سلسلہ میں آپ نے پانچ تنبیہات کے ذریعہ اس کے غیر معتبر ہونے کی وضاحت کی۔

۷۴- طرق إثبات هلال (۱۳۲۰ھ)

اس رسالہ میں چاند کے ثبوت کے لیے سات طریقوں کو بیان کیا گیا ہے۔ (۱) چاند دیکھنے کی شہادت، (۲) شہادت پر شہادت، (۳) قاضی کی قضا پر شہادت۔ (۴) قاضی کا کسی دوسرے قاضی کو گواہوں کے ذریعہ خط بھیجنا، (۵) خبر استفاضہ، (۶) مہینے کے تیس دن پورے کرنا، (۷) قاضی کی طرف سے اس کے حدود میں اعلان۔

ان کے علاوہ جو طریقے لوگوں نے اپنی طرف سے ایجاد کیے سب غیر معتبر ہیں اوران کی تعداد بھی سات شمار کرائی:

(۱) حکایت رویت، (۲) افواہ، (۳) خطوط واخبار، (۴) تارہ اور جنتری، (۵) قیاسات اور اندازے، (۶) اختراعی یعنی من گھڑت قاعدہ۔

۷۵- قانون رؤيت أهله (۱۳۲۷ھ):

آپ نے یہ کتاب اس موضوع پر تصنیف فرمائی کہ معلوم کیا جا سکے کہ قمری ماہ کی ۲۹؍ تاریخ کو ہلال قابل رویت ہے یا نہیں۔ علمائے اسلام کو قواعد رویت کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے بعض تقریبی قواعد وضع کیے جو بہت مشکل اور طویل تھے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت نے بہت آسان قواعد بیان فرمائے اور بعض آسان قواعد خود بھی ایجاد کیے، مقصد یہ ہے کہ ان قواعد کے ذریعہ اس بات کا اندازہ کیا جا سکے کہ ۲۹؍ تاریخ کو ہلال قابل رویت ہے یا نہیں ہے اگر چہ اس پر بنا کرتے ہوئے روزۂ رمضان وادائیگی حج وعید وقربانی کرنا درست نہیں۔ لیکن اس سے ایک اندازہ ہو جائے گا نیز تاریخ عیسوی سے تاریخ ہجری اور تاریخ ہجری سے تاریخ عیسوی استخراج کرنے میں ان قواعد کی ضرورت پڑتی ہے، مذکورہ اغراض و مقاصد کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید ہے۔

۷۶- البدور الأجلة فی أمور الأهلة. (......):

۷۷- مع شرح الأدلة للبدور الأجلة. (......):

۷۸- مع حاشية رفع العلة عن نور الأدلة. (۱۳۰۴ھ):

یہ تینوں کتابیں چاند کے مسئلہ ہی سے متعلق ہیں۔ پہلی کتاب متن ہے، پھر دوسری اس کی شرح ہے اور تیسری اس کا حاشیہ۔

ان تینوں میں رویت ہلال سے متعلق مسائل کے لیے پندرہ ہلال۔ جن چیزوں کا ہلال کی تحقیق میں کچھ اعتبار نہیں اس کے لیے بیس قمر ہیں۔ ان میں بتایا گیا ہے کہ چاند دیکھنا کب لازم ہے۔ اور اہل ہیئت ونجوم کی باتوں کا اس سلسلہ میں کچھ اعتبار نہیں۔

۷۹- الإعلام بحال البخور فی الصيام. (۱۳۱۵ھ)

مزارات پر لوبان وغیرہ جو سلگائے جاتے ہیں اگر کسی روزہ دار کے منہ میں بغیر قصد اس کا دھواں چلا جائے تو کیا حکم ہے۔ آپ نے فرمایا: متون وشروح وفتاویٰ عامہ کتب مذہب میں جن پر مدار مذہب ہے علی الاطلاق تصریحات روشن ہیں کہ دھواں یا غبار حلق یا دماغ میں اپنے آپ چلا جائے کہ روزہ دار نے بالقصد اسے داخل نہ کیا تو روزہ نہ جائے گا اگر چہ اس وقت روزہ ہونا یاد تھا۔ ہاں اگر بالقصد داخل کرے گا تو ٹوٹ جائے گا۔

۸۰- تفاسير الأحكام لفدية الصلاة والصيام. (۱۳۱۶ھ):

اس رسالہ میں روزے اور نماز کے فدیہ کے تعلق سے بارہ سوالات کے جوابات ہیں جن سے فدیہ کے احکام واضح ہیں۔

۸۱- هداية الجنان بأحكام رمضان. (۱۳۲۳ھ):

اس رسالہ میں صبح صادق وصبح کاذب اور سحر وافطار کے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ دراصل یہ رسالہ ایک ایسے اشتہار کے پس منظر میں لکھا گیا ہے جس میں مسائل ماہ رمضان کا بیان تھا، آپ نے اس اشتہار کی غلطیاں شمار کراتے ہوئے علم توقیت کے ذریعہ صبح صادق اور صبح کاذب کی صحیح معرفت کرائی ہے اور سات نقشوں کے ذریعہ اس کو واضح کیا ہے جس کے ضمن میں پانچ طریقے بیان فرمائے ہیں اور ۳۰؍ وجوہ سے اشتہار کے مندرجات پر گرفت کی ہے۔

۸۲- درء القبح عن درک وقت الصبح. (۱۳۲۶ھ):

سائل نے صبح صادق کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ کیا شریعت میں اس کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے جس کے ذریعہ معلوم کیا جاسکے یا آنکھوں سے دیکھنے پر ہی انحصار ہے۔ آپ نے اس سلسلہ میں نہایت تفصیل وتحقیق سے کام لیا ہے اور بتایا ہے کہ طلوع وغیرہ میں رویت ومشاہدہ ہی اصل ہے۔ پھر بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ جن کا مدار محض رویت ہی پر ہے اور وہ ہلال ہے کہ آج تک اس کا ضابطہ بار بار کی رویت سے بھی نہیں بن سکا۔ اور بعض وہ ہیں کہ ان میں اگر چہ اصل تو رویت ومشاہدہ ہی ہے مگر بار بار کے تجربہ سے ضوابط بنائے گئے اور ان کی روشنی میں اوقات متعین کئے گئے۔ تفصیل کے لئے رسالہ کا مطالعہ کیجئے کہ پڑھ کر خراج تحسین پیش کئے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

۸۳- العروس المعطار فی زمن دعوۃ الافطار. (۱۳۱۲ھ):

اس رسالہ میں دعائے افطار کے تعلق سے سوال کا جواب ہے کہ دعائے افطار میں انسب واحوط یہی ہے کہ بعد افطار پڑھی جائے، اس کے ثبوت میں آپ نے احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں اور الفاظ حدیث سے واضح کیا ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ کو یہی پسند ہے اور پھر اپنی تحقیق انیق کے بارے میں لکھا ہے کہ میں امید کرتا ہوں کہ یہ تحقیق وتفصیل اس تحریر کے غیر میں نہ ملے گی۔

۸۴- صیقل الرین عن أحکام مجاورۃ الحرمین. (۱۳۰۵ھ):

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے کہ سوال بھی عربی ہی میں تھا، رسالہ کا موضوع حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما میں مستقل سکونت اختیار کرنے سے متعلق ہے، آپ نے فقہائے کرام کے ارشادات سے ثابت کیا کہ ان دونوں عظمت والے مقامات کو وطن بنانا محمود وپسندیدہ نہیں کہ ان کا ادب واحترام کما حقہ ادا نہ ہوسکے گا، اگر چہ بعض فقہائے کرام اس کی بلا کراہت اجازت دیتے ہیں مگر آپ نے احتیاطاً امام اعظم کے فرمان کو ترجیح دی ہے۔

۸۵- أنوار البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ. (۱۳۲۹ھ):

اس رسالہ میں آپ نے حج وزیارت کے مسائل وآداب تحریر فرمائے ہیں، اس میں چھ فصول قائم فرمائی ہیں اور آخر میں ایک وصل ہے۔

۸۶- النیرۃ الوضیۃ شرح الجوھرۃ المضیۃ.:

۸۷- حاشیۃ الطرۃ الرضیۃ. (۱۲۹۵ھ):

سیدنا اعلیٰ حضرت ۱۲۹۵ھ میں جب اپنے والدین کریمین کے ساتھ حج وزیارت کے لیے حاضر ہوئے تو مکہ مکرمہ کے عالم اجل حضرت مولانا سید حسین بن صالح جمل اللیل فاطمی امام وخطیب شافعیہ مکہ مکرمہ آپ سے نہایت مشفقانہ پیش آئے اور فرمایا: ہماری ایک منظوم کتاب مناسک حج کے تعلق سے ہے تم اس کی شرح لکھ دو تاکہ وہ عام فہم بھی ہو جائے اور ہندوستان سے آنے والے چونکہ اکثر حنفی ہوتے ہیں لہٰذا اس میں مذہب احناف کی وضاحت بھی کردو، آپ نے بسر وچشم قبول کیا اور یہ شرح تحریر فرمائی۔ آپ نے اس واقعہ کو تفصیل سے کتاب کے شروع میں بیان فرمایا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس کا حاشیہ بھی تحریر فرمادیا۔

۸۸- عباب الأنوار أن لانکاح بمجرد الاقرار. (۱۳۰۷ھ):

اس رسالہ میں اقرار نکاح سے ثبوت نکاح اور اس کے انعقاد کا مسئلہ واضح فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مرد وعورت اپنے نکاح کا اقرار کریں تو اب دوسروں کے لیے کیا حکم ہے جبکہ وہ ان کے نکاح ہونے کے واقعہ کو نہیں جانتے۔ فرمایا: اس میں شک نہیں کہ حکم قضا میں نکاح تصادق مرد وزن سے ثابت ہو جاتا ہے یعنی جب وہ دونوں اقرار کریں کہ ہم زوج زوجہ ہیں یا باہم ہمارا نکاح ہوگیا ہے یا اور الفاظ جو اس معنی کو مؤدی ہوں تو بلاشبہ انہیں زوج زوجہ جانیں گے اور قضاءً تمام احکام زوجیت ثابت ہوں گے بلکہ عندالناس اس سے بھی کمتر امر ثبوت نکاح کو کافی ہے، جب مرد وزن کو دیکھے مثل زن وشوہر ایک مکان میں رہتے اور باہم انبساط زن وشوئی رکھتے ہیں تو ان پر بدگمانی حرام، اور ان کے زوج وزوجہ ہونے پر گواہی دینی جائز، اگر چہ عقد نکاح کا معائنہ نہ کیا ہو۔

۸۹- ماحیة الضلالة فی أنکحة الهند وبنجالة. (۱۳۱۷ھ):

سوال یہ ہے کہ ہندوستان اور بنگال میں نکاح کے تعلق سے یہ طریقہ رائج ہے کہ جب عورت سے اذن لیا جاتا ہے تو وکیل نکاح قاضی کے نام کی صراحت نہیں کرتا اور پھر نکاح خود نہ پڑھا کر قاضی سے پڑھواتا ہے، کیا یہ نکاح درست ہوتا ہے، آپ نے جواب میں فرمایا ہے مذہب راجح میں یہ نکاح فضولی ہوتا ہے، اور مذہب حنفی میں نکاح فضولی کو باطل محض جاننا جہالت ہے۔ نکاح منعقد ہو جاتا ہے اور اجازت پر موقوف رہتا ہے، پھر اجازت جس طرح قول سے ہوتی ہے یونہی اس فعل یا حال سے بھی ہوتی ہے جس سے رضا مندی سمجھی جائے، اور ہمارے بلاد میں یہ طریقہ رائج اور معلوم ہے کہ وکیل خود نہ پڑھائے گا بلکہ دوسرے سے پڑھوائے گا تو کہہ سکتے ہیں کہ اس اذن کے ضمن میں دوسرے کو اذن دینے کا بھی عرفاً اذن مل جانا ثابت ہے، اور وکیل کو جب اذن توکیل ہے تو بے شک اسے اختیار ہے کہ خود پڑھائے یا دوسرے کو اجازت دے۔

۹۰- هبة النساء فی تحقیق المصاهرة بالزنا. (۱۳۱۵ھ):

سوال یہ تھا کہ کسی نے اپنی ساس سے زنا کیا تو بیوی کے بارے میں کیا حکم ہے، آپ نے مذہب حنفی کے مطابق حکم بیان فرماتے ہوئے دلائل سے اس کو مؤید کیا اور فرمایا کہ حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اور عورت سے متارکہ لازم ہوگا، بغیر متارکہ اس کی بیوی دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکے گی، اور اب وطی حرام ٹھہرے گی زنا نہیں قرار دیا جا سکتا کہ نکاح ختم نہیں ہوا۔ اسی حالت میں اولاد پیدا ہوگئی تو وہ ثابت النسب ہوگی مگر زن وشوہر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

۹۱- ازالة العار بحجر الکرائم عن کلاب النار. (۱۳۱۵ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وہابی ہو یا رافضی جو بد مذہب عقائد کفریہ رکھتا ہے اس سے نکاح باطل محض اور زنائے خالص ہے۔ خواہ عورت عقائد کفریہ رکھتی ہو یا مرد، دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے، اس رسالہ میں ان فرقوں کے بہت سے عقائد کفریہ بھی

بیان کیے گئے ہیں۔

۹۲- الجلی الحسن فی حرمة ولدأخی اللبن. (۱۳۳۰ھ):

اس رسالہ میں رضاعت کے ایک مسئلہ کے تعلق سے وضاحت ہے کہ حرمت رضاعت کس کس کے لیے ثابت ہوتی ہے، اس سلسلہ میں فرمایا کہ حرمت رضاعت خاص رضیع کے لیے ثابت ہوتی ہے۔ لہذا دودھ پینے والے پر دودھ پلانے والی اپنے تمام فروع و اصول کے ساتھ حرام قرار پاتی ہے، فروع رضیع پر فروع مرضعہ کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

۹۳- تجویز الرد عن تزویج الأبعد. (۱۳۱۵ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ ولی ابعد ولی اقرب کی غیر موجودگی میں اگر نکاح کر دے تو اجازت پر موقوف رہے گا جب کہ ولی اقرب کی غیبت منقطعہ نہ ہو۔ پھر غیبت منقطعہ کے سلسلہ میں سات اقوال پیش فرما کر قول معتمد بیان کیا ہے کہ جب اس کی رائے معلوم کرنے تک کفو حاضر انتظار نہ کرے اور اس کی اجازت حاصل کرنے تک یہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے خواہ ولی اقرب دور دراز علاقہ میں ہو یا اپنے ہی شہر میں ایسا روپوش ہے کہ پتہ معلوم نہیں یا اس تک کسی وجہ سے رسائی نہ ہو سکے تو یہ صورت بھی غیبت منقطعہ کی ہے۔ پھر یہ بیان فرمایا کہ ولی ابعد سے مراد وہ ولی ہے جو اقرب سے متصل ہے۔ جیسے والد کی غیر موجودگی میں دادا وغیرہ، وقس علیٰ هذا۔

۹۴- البسط المسجل فی امتناع الزوجة بعد الوطی للمعجل. (۱۳۰۵ھ):

اس رسالہ میں مہر معجّل کے سلسلہ میں بیان کیا گیا ہے کہ بیوی شوہر سے جب تک مہر معجّل جس قدر بھی ہو پورا نہ وصول کر لے اس وقت تک اس کو اختیار ہے کہ شوہر کو پاس نہ آنے دے۔ اور یہ بھی اختیار ہے کہ وہ سفر میں لے جانا چاہے تو یہ منع کر دے۔ اس صورت میں یہ ناشزہ بھی نہیں کہلائے گی، پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ حکم مطلقاً ہے خواہ اس سے وطی ہو چکی ہو یا نہیں۔ اس کی رضا سے ایک یا چند بار وطی ہو جانے سے اس کا حق منع ختم نہیں ہو جاتا۔

۹۵- أطائب التهانی فی النکاح الثانی. (۱۳۱۲ھ):

اس میں نکاح ثانی کے احکام مذکور ہیں ،یعنی اگر کوئی عورت یا اس کے اولیا وغیرہم نکاح ثانی سے شدومد کے ساتھ انکار کریں یا کوئی اس کو لازم وفرض قرار دے تو یہ دونوں افراط وتفریط کے شکار ہیں۔نکاح ثانی علی الاطلاق نہ تو حرام محض ہے اور نہ فرض و واجب۔ بلکہ یہ نکاح ثانی بھی مثل نکاح اول کے فرض ،واجب،سنت،مباح اور مکروہ وحرام سب کچھ ہے، پھران سب کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور غلط نظریات کا ردوابطال فرمایا ہے۔

۹۶- رحیق الاحقاق فی کلمات الطلاق. (۱۳۱۱ھ):

اس میں وہ الفاظ بیان کیے گئے ہیں جن سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے۔لہٰذا پہلے آپ نے طلاق بائن کی نوعیت بیان کی ہے اور پھر کثیر تعداد میں الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔فرماتے ہیں: بائن وہ طلاق ہے جس کے سبب عورت فوراً نکاح سے نکل جائے۔اگر بعد نکاح ابھی وطی وجماع کے نوبت نہ پہنچی اگر چہ خلوت ہوچکی ہوتو طلاق دی جائے ،بائن ہی ہوگی کہ طلاق صریح قبل از جماع بائنہ ہی ہوتی ہے۔

۹۷- اکد التحقیق بباب التعلیق. (۱۳۲۲ھ):

اس میں تعلیق طلاق کی ایک صورت کا بیان ہے جس میں ایک دیوبندی مفتی کے فتوے کا رد بلیغ ہے۔صورت مسئلہ یہ تھی کسی نے اپنی بیوی سے مغرب کے وقت میں یہ کہا کہ اگر تو نے عشا کی نماز نہیں پڑھی تو تجھے دوطلاق ہے۔عورت نے عشا کی نماز تو نہ پڑھی مگر فجر کی نماز ادا کی۔فجر کے بعد اس نے رجعت کرلی۔دوسال کے بعد اس نے عورت کو پھر دو طلاقیں دے دیں۔اب کیا حکم ہے۔دیوبندی مولوی نے لکھا کہ پہلے نہ اس کی بیوی پر طلاق ہوئی تھی اور نہ رجعت کی ضرورت تھی۔البتہ یہ بعد کی دوطلاقیں ہوگئیں لہٰذا ان سے رجعت کرے وہ ان کی بیوی ہے۔آپ نے دلائل قاہرہ سے ثابت فرمایا کہ پہلی صورت میں ہی اس کی بیوی نکاح سے نکل گئی تھی ، رجعت کے بعد اس کو ایک کا اختیار تھا، اب مزید اس

نے دودے دیں تو طلاق مغلظہ ہوگئی بے حلالہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہوسکتی۔

۹۸- الجوهر الثمین فی علل نازلة الیمین. (۱۳۳۰ھ):

کسی نے اپنے لڑکے سے ناراضی کے سبب بیوی سے کہا کہ اگر تو اس کو گھر میں چھوڑے رہے گی تو تجھ پر تین طلاق۔اس کے بعد لڑکے کو بیوی نے بدستور رہنے دیا نہ زبان سے منع کیا اور نہ کسی اور طریقے سے۔آپ نے فرمایا کہ اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ پڑگئی، اب بغیر حلالہ اس کے لیے جائز نہیں ہوسکتی، پھر امکانی طور پر ہونے والے دس شبہات پیش فرمائے۔

۹۹- اعلام الاعلام بأن هندوستان دارا الاسلام. (۱۳۱۲ھ):

ملک اور شہر دونوں دوقسموں میں منقسم ہیں: دارالحرب۔دارالاسلام۔سوال یہ ہے کہ ہندوستان ان میں سے کیا ہے؟ جواب میں فرمایا: ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ علمائے ثلثہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذہب پر ہندوستان دارالاسلام ہے ہرگز دارالحرب نہیں کہ دارالاسلام کے دارالحرب ہوجانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعت اسلام کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں، بحمد اللہ یہ بات یہاں قطعاً موجود نہیں ،اہل اسلام جمعہ وعیدین واذان واقامت ونماز باجماعت وغیرہا شعائر شریعت بغیر مزاحمت علی الاعلان ادا کرتے ہیں۔بعض لوگوں کو اس سے اختلاف ہے اور وہ دارالحرب قرار دیتے ہیں، مگر تعجب ہے کہ جب دارالحرب ہے تو استطاعت کے باوجود ہجرت کیوں نہیں کرتے کہ دارالحرب سے ہجرت فرض ہے۔لیکن سود کے جواز کے لیے دارالحرب مانتے ہیں۔استغفر اللہ.

۱۰۰- نابغ النور علی سوالات جبل فور. (۱۳۳۹ھ):

اس رسالہ کے تعارف میں بحرالعلوم فرماتے ہیں:

اس رسالے کا موضوع ہندوستانی سیاست کے چند گرم مسائل ہیں جن کا یہاں

کبھی بہت غلغلہ تھا'' خلافت، اماکن مقدسہ کی حفاظت، ترک موالات اور ہندو مسلم اتحاد و وداد'' یہ تحریکیں اگر سیاسی حربہ کے طور پر استعمال ہوتیں، کسی کی کیا ذمہ داری ہوتی، لیکن جمعیۃ العلما کے مفتیوں نے اس کو مسلمانوں میں محبوب ومقبول بنانے کے لیے بالکل مذہبی رنگ دے دیا تھا اور قرآن وحدیث اور احکام شرعیہ میں دیدہ ودانستہ تحریف کے مرتکب ہوئے اور اس حد تک آگے بڑھ گئے تھے کہ جس نے اس سے ذرا بھی اختلاف کیا اس کو اسلام سے خارج قرار دیا اور اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا، گالیاں دی جاتیں اور انگریز کا پٹھو کہا جاتا۔اعلیٰ حضرت اور جمہور علمائے اہل سنت کو ان مسائل کی شرعی حیثیت سے اختلاف تھا۔وہ کہتے تھے ترکی حکومت بلاشبہ مسلمانوں کی حکومت ہے اور حتی المقدور اس کی مدد واعانت ہر مسلمان کو کرنا چاہیے لیکن اس حکومت کو''خلافت اسلامیہ'' قرار دینا اور اس کی حمایت کے نام پر ایسے افعال خود ادا کرنا اور دوسرے سے کروانا جو سراسر کفر وارتداد ہیں، کہاں کی دانشمندی ہے؟

بلاشبہ قرآن وحدیث میں کافروں سے ترک موالات کا حکم آیا ہے لیکن ترک موالات کے نام پر انگریزی حکومت کا جو بائیکاٹ کیا جارہا ہے وہ ترک موالات ہرگز نہیں۔یہ تو ترک معاملات ہے جس کی ممانعت قرآن وحدیث میں کہیں نہیں۔

۱۰۱- دوام العیش فی الأئمة من قریش. (۱۳۳۹ھ):

خلافت کمیٹی کے مسلم قائدین اس بات پر اصرار کرتے اور اعلان چھاپتے تھے کہ خلافت شرعیہ کے لیے قرشی ہونا شرط نہیں، آپ نے ان کے اس زعم کو باطل قرار دیتے ہوئے یہ کتاب تصنیف فرمائی اور اولاً تاریخ کی روشنی میں واضح فرمایا کہ کبھی کوئی غیر قرشی خلیفہ نہ ہوا ،اس سلسلہ میں آپ نے تاریخی تفصیلات بھی پیش کی ہیں۔پھر احادیث واجماع صحابہ وتابعین سے شرط قرشیت کے روشن ثبوت دیے ہیں۔فصل دوم میں مولوی فرنگی محلی صاحب کے خطبہ صدارت اور فصل سوم میں مسٹر ابوالکلام آزاد کے ہذیانات وتلبیسات کی خدمت گزاری ہے۔

۱۰۲- المحجة المؤتمنة فی آیة الممتحنة. (۱۳۳۹ھ):

تحریک آزادی کے دور میں مسٹر ابوالکلام آزاد اور ان کے ہمنواؤں نے موالات

اور معاملات میں فرق نہ کرتے ہوئے دونوں کو ایک سمجھا اور انگریزوں کے خلاف تحریک میں ان سے معاملات بھی حرام قرار دے کر بائیکاٹ کا اعلان کردیا۔دوسری طرف مشرکین ہند سے موالات اور اتحاد ووداد کا ایسا نعرہ بلند کیا کہ انقیاد تک نوبت پہنچائی۔آپ نے ایسے پرآشوب دور میں ملت اسلامیہ کی قیادت فرماتے ہوئے پروفیسر حاکم علی لاہور کے سوال کے جواب میں یہ معرکۃ الآراء کتاب تصنیف فرمائی جس میں موالات ومعاملات کا واضح فرق بیان فرمایا اور نہایت مستحکم دلائل سے اپنے موقف کو بیان کیا۔

۱۰۳- أنفس الفکر فی قربا ن البقر. (۱۲۹۸ھ):

تحریک آزادی کے موقع پر جن لوگوں نے ہندو مسلم اتحاد کے نعرے لگائے انہیں میں سے کسی نے گاؤکشی کے مسئلہ میں بھی ہنود سے اتفاق کرتے ہوئے گائے کی قربانی پر پابندی لگانے کی کوشش شروع کی۔آپ نے ایسے ماحول میں دینی رہنمائی کا فریضہ ادا فرمایا اور یہ کتاب لکھ کر واضح فرمایا کہ اگرچہ فی نفسہ گاؤکشی واجب نہیں لیکن اگر کوئی اس سے روکے تو گویا مذہب اسلام میں وہ مداخلت کررہا ہے، اس لئے اب گائے کی قربانی واجب ہوگی۔

۱۰۴- تدبیر فلاح ونجات واصلاح (۱۳۳۱ھ):

اعلیٰ حضرت مصلح قوم وملت تھے، انہیں ہر لحہ قوم مسلم کو صحیح راہ پر گامزن کرنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی، لہٰذا جب بھی بے راہ روی اور افراتفری کا ماحول پیدا ہوتا آپ سچی رہنمائی فرماتے۔اس رسالہ میں خاص طور پر مسلمانوں کو معاشی اصلاحات کی طرف راغب کیا ہے اور ان کے سرمایہ کو محفوظ رکھنے بلکہ اس میں ترقی کرنے کے نکات سمجھائے ہیں، اگر واقعی ان نکات پر عمل کرلیا گیا ہوتا تو مسلمانوں کے معاشی حالات آج اس قدر مضبوط ہو تے کہ دیگر اقوام عالم ان کی دست نگر ہوتیں۔

۱۰۵- الرمز المرصف علی سوال مولانا السید آصف. (۱۳۳۹ھ):

مولانا سید آصف قادری کانپوری کا نام اس رسالہ کا جز ہے کہ انہی کے سوال کے جواب میں یہ رسالہ ہے، رسالہ کا موضوع ترک موالات ہے، یعنی کفار ومشرکین سے

موالات ومودت حرام وناجائز ہے خواہ حربی ہو یا غیر حربی، البتہ معاملات جائز ہیں کہ اس میں ان کو رازدار نہیں بنایا جاتا جب کہ ان کو رازدار بنانے کی حرمت وممانعت قرآن کریم کی صریح نص سے ثابت ہے۔

۱۰۶- جوال العلو لتبيّن الخلو. (۱۳۳۶ھ):

اس رسالہ میں اجارے کی ایک صورت کا بیان ہے جو ناجائز وباطل ہے، اس کی تحقیق وتنقیح کے سلسلہ میں خود اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا: مکان یا دکان یا زمین کا مستاجر اپنا اجارہ ہمیشہ باقی رکھنے کو اس میں اپنے مال سے نہ اپنے لیے بلکہ اسی شئی مستاجر سے الحاق اور اس کی حیثیت بڑھانے، یا اس کے فوائد کی تکمیل کے واسطے کچھ زیادت کرے خواہ متصل باتصال قرار۔ یا بے اس کے جیسے عمارت یا کنواں یا روشنی کا سامان۔ یا پانی کا نل وامثال ذلک۔ یا خود نہ کرے مواجر کو اس کے روپے دیدے جو اجرت کے علاوہ ہوں۔ اس مال کے مقابل جو اسے ابقائے اجارہ کا حق ملتا ہے اس کا نام خلو ہے۔ اور یہ باطل وبے اصل ہے۔

۱۰۷- التحرير الجيد فی حق المسجد. (۱۳۱۵ھ):

اس رسالہ میں مسجد کی چیزیں فروخت کرنے کے بارے میں سوال کا جواب ہے۔ آپ نے اس میں یہ تفصیل بیان فرمائی کہ وہ مسجد کی چیزیں کیا ہیں۔ اجزاء، آلات، اوقاف، زوائد۔ پھر ان چاروں کے علاحدہ علاحدہ احکام بیان فرمائے۔ اجزا سے مراد زمین اور وہ عمارت جو کھڑی ہے، اس کی خرید وفروخت کسی حال میں ممکن نہیں مگر جب معاذ اللہ ویران مطلق ہو جائے اور آبادی کی کوئی صورت نہ رہے تو اس کا عملہ بیچ کر دوسری مسجد میں صرف کر سکتے ہیں۔ اسی طرح مسجد دوبارہ تعمیر ہوئی اور عملہ سے کچھ بچا کہ اب کام کا نہیں تو بھی بیچنا جائز ہے۔

۱۰۸- ابانة المتواری فی مصالحة عبد الباری. (۱۳۳۱ھ):

اس میں مسجد کانپور سے متعلق جو مصالحت مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے حکومت سے کی تھی اس میں جو خرابی تھی اس کو آپ نے تفصیل سے بیان کر دیا ہے اور حکم شرع سنا دیا

ہے۔ کانپور کی مسجد کا اصل قصہ مختصراً یہ ہے کہ گورنمنٹ کے حکام کا یہ دعویٰ تھا کہ مسجد کا کچھ حصہ مسجد کے ٹرسٹیان نے حکومت کو دے دیا ہے اور اب یہ خارج مسجد ہے، لہٰذا ان حکام نے اس کو منہدم کر دیا۔ چند دن کے بعد کچھ لوگوں نے اس زمین پر برائے مسجد قبضہ کر کے تعمیر شروع کر دی، پولیس نے روکا، لڑائی ہوئی اور تقریباً تین سو مسلمان قتل ہوئے، کچھ بے قصور وقید ہوئے، گورنمنٹ نے پھر قبضہ کر کے اعلان کر دیا کہ اب قیدی بھی نہیں چھوڑے جائیں گے۔ بعد میں حکومت نے ملکی فوائد کے اعتبار سے یہ پیش کش کی کہ ایسا تصفیہ ہو جائے کہ قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے اور اس جگہ چھت پاٹ کر او پر کا حصہ مسجد کو دے دیا جائے اور نیچے گزرگاہ رہے۔ مسلمانوں نے اس کو نہ مانا اور اسی طرح ردو قدح رہی۔ اس سلسلہ میں جو مصالحت مولانا موصوف نے کی تھی اس میں کچھ پوشیدہ خامیوں پر آپ نے تنبیہ فرمائی اور حکم شرع سے آگاہ فرمایا، لہٰذا یہ کتاب معرض وجود میں آئی۔

۱۰۹- كفل الفقيه الفاهم فی أحكام قرطاس الدراهم. (۱۳۲۴ھ):

۱۱۰- كاسر السفيه الواهم فی ابدال قرطاس الدراهم .

ملقب بلقب تاريخي: الذيل المنوط لرسالة النوط. (۱۳۲۴ھ)

کفل الفقیہ میں اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نوٹ کی کم وبیش بیع کا جزئیہ قدیم کتب فقہ سے کھوج نکالا ہے۔ پھر اس کو دلائل و براہین سے اس طرح مدلل اور مبرہن فرمایا ہے کہ اسے دیکھ کر علمائے حرم کو بھی وجد طاری ہو گیا۔

سب سے پہلے یہ سوال ۱۲۹۴ھ میں شاہ جہاں پور سے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں آیا۔ آپ نے جواز کا حکم دیا۔ اس کے خلاف مولوی عبد الحی صاحب فرنگی محلی کا ایک فتویٰ نظر سے گزرا۔ ۱۳۲۴ھ میں زیارت حرمین شریفین کے سفر میں علمائے حرم میں سے امام حرم حضرت مولانا احمد میر داد اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدادی نے نوٹ سے متعلق بارہ سوالوں پر مشتمل ایک استفتا کیا جس کے جواب میں یہ لاثانی کتاب عالم وجود میں آئی۔ کتاب کی تصویب اور تائید علمائے حرم نے کی جیسے ابو الخیر میر داد، قاضی حنفیہ شیخ صالح

کمال، مفتی حنفیہ حضرت عبداللہ صدیق رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

بعد میں اس مسئلہ میں مولوی عبدالرشید صاحب گنگوہی کے اختلاف پر بھی اطلاع ہوئی۔ تو ایک ذیلی رسالہ ’’کاسر السفیہ الواھم ‘‘ کے ذریعہ ان کے شبہات کو بھی دفع فرمایا۔ اعلیٰ حضرت کے فتوے کی بنیاد یہ ہے کہ ’’نوٹ‘‘ مال ہے اور ثمن اصطلاحی ہے (جیسے مختلف دھاتوں کے سکّے) اس لیے اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو فقہانے ثمن اصطلاحی کا قرار دیا ہے۔ اور مانعین کے فتوے کی بنیاد یہ تھی کہ نوٹ ہنڈی اور تمسک کی طرح ہے، مال ہے ہی نہیں کہ اس کی بیع وشراء کا سوال اٹھے۔ اس کے ذریعہ دراصل بیع ان روپیوں کی ہوتی ہے جو اس پر تحریر ہوتے ہیں۔ اس لیے کمی بیشی سود ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس رسالہ میں اصل دعویٰ پر دلائل کا انبار لگا دیا ہے اور مخالفین کے مزعومہ پر کم وبیش ایک سو بیس ایراد قائم فرمایا ہے۔

۱۱۱- أنصح الحكومة فى فصل الخصومة. (۱۳۲۱ھ):

اس میں ایک شرکت اور میراث کے الجھے ہوئے مسئلہ کا اعلیٰ حضرت نے فیصلہ فرمایا ہے۔

۱۱۲- الهبة الاحمدية فى ولاية الشرعية والعرفية. (۱۳۳۳ھ):

اس میں دنیوی اور دینی حکومت کی تحقیق فرمائی ہے جس سے مجتہدانہ شان جھلک رہی ہے۔ دراصل اس کتاب میں مفتی محمد عبداللہ صاحب کا رد ہے جنھوں نے انگریز جج کو قاضی شرعی قرار دیا تھا جبکہ وہ شرعی اصول کے مطابق فیصلہ کرے، آپ نے اس فتوے کو ملاحظہ فرما کر وہ حدیث تحریر فرمائی جس میں اس چیز کا بیان کہ جب امور شریعت نااہلوں کے سپرد ہوں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس کے بعد آپ نے جو تحقیق فرمائی تو علوم ومعارف کے دریا بہا دیے، سات مقدمات کے ذریعہ اس فتوے کا رد کیا اور پھر زیادت ایضاح کے لیے تیس افادات لکھے جن کے ذریعہ فتوے کی مکمل طور پر تردید واضح کردی۔

۱۱۳- فتح المليك فى حكم التمليك. (۱۳۰۸ھ):

سائل نے تملیک وہبہ میں فرق معلوم کیا تھا آپ نے اس کی تفصیل کا اس طرح

آغاز فرمایا، اصل وضع میں تملیک ہبہ سے عام ہے کہ وہ تملیک اعیان ومنافع وبعوض وبے عوض ومنجز ومضاف للموت سب کو شامل ہے جس کی رو سے بیع وہبہ واجارہ واعارہ ووصایا سب اس کے تحت میں داخل ہیں اور ہبہ خاص تملیک عین بلاعوض کا نام ہے۔ تفصیلات ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ جو کلمات علمائے کرام سے منقح ہوا، اور وہ جو زعم کیا جاتا ہے کہ تملیک کوئی عقد خاص جداگانہ ہبہ سے مباین اور اس کے احکام ہبہ سے علاحدہ ہیں۔ اصلاً قابل تسلیم نہیں کہ قواعد شرع مطہر اس کی مساعدت ہرگز نہیں کرتے۔

۱۱۴- أجود القرى لطالب الصحة فى اجارة القرى. (۱۳۰۲ھ):

زمین داروں کے زمانہ میں بعض زمین دار گاؤں ٹھیکہ پر دے دیا کرتے تھے، اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ گاؤں کے کاشتکاروں کے پاس جو زمین ہوتی وہ بدستور ان کے پاس رہتی بس ٹھیکہ دار اس گاؤں کا ٹھیکہ لے کر خود اپنی نگرانی میں پورے گاؤں کا حاصل اپنے طور پر وصول کرتا۔ اس ٹھیکہ کے بارے میں سوال ہوا، آپ نے فرمایا: یہ ٹھیکہ ناجائز ہے، ہرگز اس کے جواز کی کوئی صورت نہیں۔ پھر اس ٹھیکہ کے تعلق سے ایک اصل کلی بیان فرمائی جس سے مسئلہ کی نوعیت بالکل واضح ہوگئی۔

فرماتے ہیں: اصل کلی یہ ہے کہ جس طرح عقد بیع اعیان پر وارد ہوتی ہے یوں ہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خاص منافع پر ورود پاتا ہے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ ذات شی بدستور ملک مالک پر باقی رہے، اور مستاجر اس سے نفع حاصل کرے، جو اجارہ خاص کسی عین و ذات کے استہلاک پر وارد ہو، محض باطل ہے (ہاں اگر وہ جس کو شرع نے مستثنیٰ کر دیا جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ) وغیر ذلک۔ اسی لیے اگر باغ کو بغرض سکونت اجارہ میں لیا جائز، اور پھل کھانے کے لیے ناجائز، کہ سکونت منفعت اور ثمر عین، گائے کو لادنے کے لیے اجارہ میں لیا جائز، دودھ پینے کو ناجائز، کہ لادنا منفعت ہے اور دودھ عین، حوض سنگھاڑے رکھنے کے لیے اجارہ میں لیا جائز، مچھلیاں پکڑنے کو ناجائز، کہ سنگھاڑے بونا منفعت ہے، مچھلیاں عین۔

۱۱۵- کتاب المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر. (۱۳۱۱ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ منی آرڈر کی جوفیس ادا کی جاتی ہے وہ سود نہیں، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اس فیس کو سود کہا تھا، آپ نے اس کا رد بلیغ فرمایا اور بالکل واضح انداز میں تحریر فرمایا کہ یہ فیس ہرگز سود نہیں، ڈاکخانہ ایک اجیر مشترک کی دوکان ہے جو اجرت حاصل کرنے کے لیے کھولی گئی ہے، یہ فیس روپے کو متعلق شخص تک پہنچانے اور اس کی واپسی رسیدی لانے کی ہے، جس طرح ڈاک ٹکٹ، لفافہ یا کارڈ وغیرہ خریدے جاتے ہیں تو یہ ان کی قیمت بھی ہے اور لانے لے جانے کی اجرت بھی۔ پھر اجارہ وکرایہ کسے کہا جاتا ہے یہی تو ہے۔ پھر آپ نے مزید اور وضاحتیں فرمائی ہیں جن سے گنگوہی صاحب کا مبلغ علم آشکارا ہو گیا ہے۔

۱۱۶- سبل الأصفیاء فی حکم الذبح للأولیاء. (۱۳۱۲ھ):

سوال یہ ہے کہ اولیائے کرام کے نام سے جو جانور مشہور کر دیے جائیں ان پر وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو تو یہ ذبیحہ قطعاً جائز ہے، اس لیے حلال جانوروں میں ان کی حلت وحرمت کا دارومدار ذبح کرنے والے کی نیت پر ہے۔ اگر وقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لے تو حلال رہے گا ورنہ حرام، جیسے کسی مسلمان کا جانور کوئی مجوسی ذبح کر دے تو حرام قرار دیا جائے گا، اور اگر کسی غیر مسلم کا جانور مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کر دے جائز قرار دیا جائے گا حتی کہ وہ جانور جو غیر مسلم بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے ہیں اگر مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کر ڈالے حلال رہے گا اگر چہ نسبت خبیث ہے۔ پھر اولیاء اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور کیوں حرام قرار دیا جاتا ہے۔ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کا خیال باطل ہے۔

۱۱۷- هادی الأضحیة بالشاة الهندیة. (۱۳۱۴ھ):

اس رسالہ میں قربانی کے جانوروں کی انواع کا بیان ہے اور ایک اشکال کا واضح انداز میں تحقیقی جواب دیا گیا۔

۱۱۸- الصافیة الموحیة لحکم جلود الأضحیة. (۱۳۰۷ھ):

اس رسالہ میں قربانی کی کھال کا مصرف بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں وارد

احادیث کی بخوبی وضاحت بھی کی گئی ہے۔

۱۱۹- حک العیب فی حرمة تسوید الشیب. (۱۳۰۷ھ):

اس رسالہ کا موضوع سیاہ خضاب کا حکم بیان کرنا ہے۔ وہ یہ ہے کہ سیاہ خضاب حالت جہاد کے سوا مطلقاً حرام ہے اور اس کی حرمت صریح احادیث سے ثابت ہے۔

۱۲۰- الطیب الوجیز فی أمتعة الورق والابریز. (۱۳۰۹ھ):

سونے چاندی کا استعمال مرد کو حرام ہے مگر یہ مطلقاً نہیں بلکہ بہت سی صورتوں میں اس کا جواز بھی ہے، ایسی بہت سی صورتوں کا ذکر اس رسالہ میں ہے۔

۱۲۱- الحقوق لطرح العقوق. (۱۳۰۷ھ):

اس میں بندوں کے حقوق کی تفصیلات ہیں، انھی میں ماں باپ کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق، اور استاذ کے حقوق بھی خوب وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

۱۲۲- مشعلة الارشاد الیٰ حقوق الأولاد. (۱۳۱۰ھ):

اس رسالہ میں اولاد پر جو ماں باپ کے حقوق ہیں ان کو نمبر وار بیان کیا گیا ہے اور خاص طور پر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یہ بھی والدین کا حق ہے کہ ان کے بعد کوئی گناہ کر کے ان کو ایذا نہ دے، یعنی والدین کا حق یہی نہیں کہ جب تک وہ ہیں ان کی خدمت واطاعت کرے بلکہ بعد انتقال بھی ان کے حقوق باقی رہتے ہیں۔

۱۲۳- النور والضیاء فی أحکام بعض الأسماء. (۱۳۲۰ھ):

اس رسالہ میں بہت سے ایسے ناموں کے بارے میں وضاحت ہے جن کا رکھنا ناجائز وحرام ہے۔ سائل نے ۱۷ر نام پوچھے تھے ان میں دس ناجائز اور ممنوع نکلے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال باطل تھا کہ اگر کسی لفظ سے نام رکھ دیا جائے تو یہ وضع ثانی ہوتی ہے اور اس میں وہ معنی مراد نہیں ہوتے جو اس لفظ کے ہیں، بلکہ اب تو اس لفظ سے مسمی کی ذات مراد ہوتی ہے۔ اس کا آپ نے رد فرمایا۔

۱۲۴- أعجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد. (۱۳۱۰ھ):

اس رسالہ میں حقوق العباد کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ حق عبد کسے کہتے ہیں اور اس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے معاف ہونے کی کیا صورتیں ہیں۔

۱۲۵- مروج النجاء لخروج النساء. (۱۳۱۵ھ):

عورتوں کو اپنے گھر سے کہاں جانا جائز اور کہاں ناجائز ہے، اس سلسلہ میں ایسے اصول وقوائد بیان فرمائے کہ تمام جزئیات کا احاطہ ہوگیا اور سائل نے ۱۵؍سوال کیے تھے انہی کے ضمن میں سب کا جواب بھی ہوگیا مگر پھر بھی مزید وضاحت کے لیے ہر سوال کا علاحدہ جواب بھی مرحمت فرمایا۔

۱۲۶- صفائح اللجین فی کون التصافح بکفی الیدین. (۱۳۰۶ھ):

غیر مقلدین کا طریقہ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا ہے جس کو یہ حدیث کے مطابق بتاتے اور دونوں ہاتھ سے مصافحہ کو خلاف حدیث جانتے اور ناجائز بتاتے ہیں۔ اس رسالہ میں آپ نے اس کا مفصل جواب عنایت فرمایا ہے۔

۱۲۷- أبر المقال فی استحسان قُبلة الاجلال. (۱۳۰۸ھ):

اس رسالہ میں غلاف کعبہ کو بوسہ دینے کے سلسلہ میں سوال تھا آپ نے اس کے جواز واستحسان کے بارے میں اشارہ فرمایا۔ اور اس کو بوسۂ تعظیمی قرار دیا۔

۱۲۸- الزبدة الزکیةلتحریم سجود التحیة. (۱۳۳۷ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ غیر خدا کے لیے سجدۂ تحیت حرام اور سجدۂ عبادت کفر ہے۔ بعض متصوفہ سجدۂ تحیت کے قائل تھے لہٰذا ان کے جواب دیے گئے ہیں اور قرآن وحدیث سے اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے فقہ کی کتابوں سے ڈیڑھ سو نصوص پیش کی گئی ہیں، یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی تحقیق سے متاثر ہوکر غیروں نے آپ کی علمی سطوت کی گواہی دی ہے۔

۱۲۹- الکشف شافیا حکم فونو جرافیا (عربی). (۱۳۲۸ھ):

۱۳۰- الکشف شافیا حکم فونو جرافیا (اردو). (۱۳۲۸ھ):

یہ دو رسالے ہیں، مگر درحقیقت ایک ہی ہے کہ اردو اور عربی دونوں میں آپ نے علاحدہ علاحدہ مستقل تحریر فرمائے، البتہ دونوں کی عبارتوں میں کچھ کمی اور بیشی ہے۔ ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ فونوگرافی سے جو آواز سنی جاتی ہے وہ بعینہٖ متکلم کی آواز ہوتی ہے، لہٰذا فونو کی آواز پر وہی حکم لگایا جائے گا جو اصل کا حکم ہے۔ اگر اصل کا حکم جواز کا ہے تو اس سے سننا جائز ہوگا مگر یہاں تفصیل یہ ہے کہ فونو کے گلاسوں اور پلیٹوں میں ناپاکی ہے تو پھر بھرنا اور سننا دونوں حرام وناجائز ہوگا۔

۱۳۱- انوار المنان فی توحید القرآن. (۱۳۳۰ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ شی کے کتنے وجود ہوتے ہیں، اور قرآن کا اطلاق کتنے معانی پر ہوتا ہے۔

۱۳۲- راد القحط والوباء بدعوة الجیران ومواساة الفقراء. (۱۳۱۲ھ):

دفع بلا کے لیے چندہ کر کے کھانا پکانا اور پھر علما وطلبہ کی دعوت کر کے ان کو کھلانا اور ساتھ ہی خود بھی کھانا جائز ہے یا نہیں۔

آپ نے جواب میں اس عمل کو خوب اور اچھا بتایا اور آٹھ خوبیاں بیان فرمائیں، (۱) فضیلت صدقہ، (۲) خدمت صلحا، (۳) صلہ رحم، (۴) مواساۃ جار، (۵) نیک سلوک سے مسلمانوں خصوصاً غربا کا دل خوش کرنا، (۶) ان کی مرغوب چیزیں ان کے لیے مہیا کرنا، (۷) مسلمان بھائیوں کو کھانا دینا، (۸) مسلمانوں کا کھانے کے لیے مجتمع ہونا۔ پھر ان سب کے ثبوت میں ساٹھ احادیث بیان فرمائیں اور ان سے ۲۵؍فائدے شمار کیے۔

۱۳۳- ھادی الناس فی رسوم الأعراس. (۱۳۱۲ھ):

شادیوں میں بعض رسوم جائز اور بعض ناجائز ہوتی ہیں ان کا تفصیلی بیان اس رسالہ میں ہے۔

۱۳۴- الاجَازاتُ المتِینة لِعُلماء بَکّةٍ والمدینة. (۱۳۲۵ھ):

یہ مجموعہ ہے ان سندوں کا جو امام احمد رضا نے علمائے حرمین شریفین کو اپنے دوسرے سفرحج کے موقع پرعنایت فرمائیں اوران سب کوآپ کے خلف اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں علیہ الرحمہ نے ترجمہ وحاشیہ کے ساتھ جمع فرمایا۔

۱۳۵- لمعة الضحیٰ فی اعفاء اللحیٰ. (۱۳۱۵ھ):

اس میں بیان کیا گیاہے کہ داڑھی رکھنا لازم ہےاورمنڈانا یا حدشرع سے کم کرانا حرام ہے۔آخرمیں داڑھی نہ رکھنےوالوں کی سزاؤں اوروعیدوں کاتفصیلی بیان ہے۔

۱۳۶- خیر الآمال فی حکم الکسب والسوال. (۱۳۱۸ھ):

یہ رسالہ سمندرکوکوزے میں بھرنے کی مثال ہے،سوال یہ تھا کہ کمانا کب فرض، واجب،مستحب،مکروہ اورحرام ہےاورسوال کرنا کب جائزاورکب ناجائز۔آپ نے فرمایا: یہ مسئلہ بہت طویل الذیل ہے،جس کی تفصیل کودفتر درکار، یہاں اس کے بعض صوروضوابط پر اقتصار۔

۱۳۷- مسائل سماع (۱۳۲۰ھ):

اس رسالہ میں قوالی اورمزامیر کے سلسلہ میں تفصیلات اور احکام بیان ہوئے ہیں۔اورمشائخ چشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کےاقوال سےاس بات کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے کہ قوالی مزامیر کے ساتھ جائزنہیں۔

۱۳۸- أعالی الافادة فی تعزیة الهند وبیان الشهادة. (۱۳۲۱ھ):

اس رسالہ میں تعزیہ داری سے متعلق چندفتاویٰ ہیں جن سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوگئی ہے کہ موجودہ مروجہ تعزیہ داری بدعت وناجائز ہے۔

۱۳۹- عطایا القدیر فی حکم التصویر. (۱۳۳۱ھ):

اس رسالہ کا موضوع بحث ذی روح کی تصویر کےحرام ہونے کا حکم ہے،اس کی

اصل وجہ تعظیم ہے،کہ تعظیمِ تصویر کے پیش نظرہی رحمت کے فرشتے نہیں آتے ،ورنہ اگرکوئی تصویرکوموضع اہانت میں رکھے تو پھر جواز کا حکم ہے کہ اس کی علت حرمت تشبہ بھی ہے،اور جب موضع اہانت میں ہےتو تشبہ نہ رہا یعنی مشرکین اور بت پرستوں سے مشابہت کی جو صورت تھی وہ اب مفقود ہوگئی۔

۱۴۰- الحق المجتلیٰ فی حکم المبتلیٰ. (۱۳۳۴ھ):

اس رسالہ میں اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ مذہب صحیح یہ ہے کہ جذام کھجلی وغیرہ کوئی بیماری ایک دوسرے کواڑ کرنہیں لگتی۔ان بیماریوں میں جواشخاص مبتلا ہیں ان سے خلط ملط جائز اوران بیماروں کوجن لوگوں کی تیمارداری کی ضرورت ہےان پرلازم ہے کہ ان کی خدمت کریں اور ہرگزان کواپنے سے علیٰحدہ نہ کریں۔

۱۴۱- تیسیر الماعون للسکن فی الطاعون. (۱۳۲۵ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کے طاعون سے بھاگنا گناہ ہےاور یہ بھاگنے والا ایسے شدید گناہ میں مبتلا ہوتا ہے جیسے جہاد میں پیٹھ دیکر بھاگنے والا۔اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر تندرست لوگ بھاگ جائیں گےتو پھر بیماروں کی دیکھ بھال اور تیمارداری کون کرے گا۔لہٰذا صبرواستقلال سے اپنے مقام پر ثابت قدم رہےاورتقدیرالٰہی پر بھروسہ کرے۔

۱۴۲- کشف حقائق واسرار دقائق (۱۳۰۸ھ):

۱۴۳- نقاء السلافة فی أحکام البیعة والخلافة. (۱۳۱۹ھ):

ایک شخص اپنے لیےقرآن وحدیث کوکافی خیال کرکے بیعت کا منکر ہےاورمرشد کی ضرورت نہیں مانتا،سائل نے لکھا کہ اس جاہلانہ خیال کے لیے ایک فقرہ جواب کا لکھ دیجیے تاکہ وسوسہ شیطانی دل سے دور ہوجائے۔

فرماتے ہیں: قرآن وحدیث میں شریعت،طریقت،حقیقت سب کچھ ہے اور ان میں سب سے زیادہ ظاہر وآسان مسائل شریعت ہیں،ان کی تو یہ حالت ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین ان کی شرح نہ فرماتے تو علماء کچھ نہ سمجھتے۔اورعلمائے کرام اقوال ائمۂ مجتہدین کی

تشریح وتوضیح نہ کرتے تو ہم لوگ ارشادات ائمہ کے سمجھنے سے بھی عاجز رہتے، اور اب اگر اہل علم عوام کے سامنے مطالب کتب کی تفصیل اور صورت خاصہ پر حکم کی تطبیق نہ کریں تو عام لوگ ہرگز ہرگز کتابوں سے احکام نکال لینے پر قادر نہیں، ہزار جگہ غلطی کریں گے اور کچھ کا کچھ سمجھیں گے، اس لیے یہ سلسلہ مقرر ہے کہ عام آج کل کے اہل علم ودین کا دامن تھامیں اور وہ تصانیف علمائے ماہرین کا اور وہ مشائخ فتویٰ کا اور وہ ائمۂ ہدیٰ کا اور وہ قرآن وحدیث کا، جس شخص نے اس سلسلہ کو توڑا وہ اندھا ہے، جس نے دامن ہادی ہاتھ سے چھوڑا عنقریب کسی عمیق کنویں میں گرا چاہتا ہے۔

جب احکام شریعت میں یہ حال ہے تو صاف روشن کے دقائق سلوک اور حقائق معرفت بے مرشد کامل خود بخود قرآن وحدیث سے نکال لینا کس قدر محال ہے، یہ راہ سخت باریک اور بے شمع مرشد نہایت تاریک ہے، بڑے بڑوں کو شیاطین لعین نے اس راہ میں ایسا مارا کہ تحت الثریٰ تک پہنچا دیا، تیری کیا حقیقت کہ بے رہبر کامل اس میں چلے اور سلامت نکل جانے کا ادعا کرے۔ ائمہ کرام فرماتے ہیں: آدمی اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم زاہد کامل ہو اس پر واجب ہے کہ ولی عارف کو اپنا مرشد بنائے بغیر اس کے ہرگز چارہ نہیں۔

۱۴۴- مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء (۱۳۲۷ھ):

زید اور عمرو میں مکالمہ ہوا تو عمرو نے کہا شریعت نام ہے چند فرائض وواجبات و سنن ومستحبات و چند مسائل حلال وحرام کا، اور طریقت نام ہے وصول الی اللہ تعالیٰ کا۔ شریعت ایک قطرہ اور طریقت بحر ناپیدا کنار ہے، وغیرہ وغیرہ، آپ نے عمرو کے ایسے ہذیانات کے جواب میں شریعت وطریقت کے تعلق سے جو تحریر فرمایا وہ ایک طویل بحث اور مثالوں کے ذریعہ ایک دلچسپ تعلیمات وتشریحات کا مرقع ہے۔

۱۴۵- الیاقوتة الواسطة فی عقد قلب الرابطة. (۱۳۰۹ھ):

کوئی شخص تصور شیخ کرے تو اس کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں، جواب میں فرمایا: تصور شیخ بروجہ رابطہ جسے برزخ بھی کہتے ہیں جس طرح حضرات صوفیہ صافیہ قدسنا اللہ تعالیٰ

باسرارہم الوافیہ میں خلفاً عن سلفٍ معمول و ماثور اور ان کی تصانیف منیفہ ومکتوبات شریفہ و ملفوظات لطیفہ میں بتواتر مذکور ومسطور وغیر مستور شرعاً جائز جس کے منع پر شرع سے اصلاً دلیل نہیں، نہ کہ معاذ اللہ شرک وکفر کہنا جیسا کہ زبان زد سفہائے منکرین ہے۔

۱۴۶- برکات الامداد لأهل الاستمداد. (۱۳۱۱ھ):

غیر اللہ سے استعانت کے سلسلہ میں وہابیہ علی الاطلاق یہ کہتے ہیں کہ شرک ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ذات باری تعالیٰ کے حق میں جہاں استعانت کا حصر آیا اس سے استعانت حقیقیہ مراد ہے۔ پھر تفصیل بیان فرمائی۔

۱۴۷- بدر الأنوار فی آداب الآثار. (۱۳۲۶ھ):

کسی وہابی نے تبرکات کا انکار کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی تبرک اور آپ کے آثار شریفہ سے کوئی چیز اصلاً باقی نہیں اور نہ صحابہ کے پاس حضور کے تبرکات میں سے کچھ تھا۔ اور نہ کسی نبی کے آثار سے کچھ تھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ایسا شخص آیات واحادیث کا منکر اور سخت جاہل خاسر یا کمال گمراہ فاجر ہے، اس پر توبہ فرض ہے، اور بعد اطلاع بھی تائب نہ ہو تو ضرور گمراہ بے دین ہے۔

۱۴۸- شفاء الواله فی صور الحبیب ومزاره ونعاله. (۱۳۱۵ھ):

اس رسالہ میں یہ بتا گیا ہے کہ کسی معظم دینی کی تصویر بنا کر بطور تبرک رکھنا بھی حرام وگناہ ہے، یہ شیطان کا دھوکا ہے کہ بسا اوقات نیکیوں کے پردے میں گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔

۱۴۹- حقة المرجان لمهم حكم الدخان. (۱۳۰۷ھ):

حقہ کا رواج مسلمانوں میں زمانہ قدیم سے ہے جس میں عوام وخواص حتی کہ حرمین طیبین کے علمائے کرام کے درمیان بھی رائج اور ان کا بھی معمول ہے، لہٰذا معمولی حقہ شرعاً جائز ہے جس کی ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ البتہ بعض جاہل اس میں غلو کرتے ہیں اور خاص طور پر ماہ رمضان میں نشہ کی حد تک استعمال کرتے ہیں تو یہ بلاشبہ ناجائز ہے۔

۱۵۰- الفقه التسجيلي فی عجين النارجيلی. (۱۳۱۸ھ):

اس رسالہ میں تاڑی وغیرہ نشہ آور رقیق چیزوں کا حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان کا قطرہ قطرہ مثل شراب کے حرام ہے، اس تاڑی سے اگر آٹے کا خمیر کیا جائے تو وہ آٹا اور اس کی روٹیاں بھی ناپاک اور ان کا کھانا جائز نہیں، اسی طرح ان کی خرید وفروخت بھی حرام ہے۔

۱۵۱- الشرعة البهية فی تحديد الوصية. (۱۳۱۷ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ وصیت صرف تہائی مال میں جاری ہوتی ہے، تہائی تک کوئی وارث نہیں روک سکتا اور تہائی سے زیادہ میں بغیر ورثہ کی اجازت کے کسی کو اختیار نہیں۔

۱۵۲- المقصد النافع فی عصو بة الصنف الرابع. (۱۳۱۵ھ):

اس رسالہ میں عصبات کی چاروں قسموں میں سے چوتھی قسم کا بیان ہے۔ اس لیے کہ سائل نے یہ پوچھا تھا کہ عصبہ نسبی کی چوتھی قسم کا ماخذ کیا ہے۔ اور یہ بھی سوال تھا کہ کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میت کا کوئی عصبہ نہ ہو۔ عصبہ کی چار قسمیں ہیں ،فروع میت۔ اصول میت۔ میت کے باپ کے فروع۔ میت کے دادا کے فروع۔ لہٰذا آپ نے چند صورتیں وہ بیان کی ہیں کہ جن میں میت کا کوئی نسبی عصبہ نہیں ہوتا۔

۱۵۳- طيب الامعان فی تعدد الجهات والأبدان. (۱۳۱۷ھ):

وراثت میں تعدد جہات کا بیان ہے اور اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ تعدد جہات کا، فروع میں اعتبار فرماتے ہیں اور امام محمد علیہ الرحمہ تعدد جہات فروع کو، ان کے اصول میں ملحوظ فرماتے ہیں۔

۱۵۴- تجلية السلم فی مسائل من نصف العلم. (۱۳۲۱ھ):

اس رسالہ میں مسائل فرائض کے سلسلہ میں بعض علمائے معاصرین کی غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا ہے۔

۱۵۵- القول النجيح لا حقاق الحق الصريح . (............):

۱۵۶- مع حاشيته" السعی المشكور فی ابداء الحق المهجور. (۱۲۹۱ھ):

ان دونوں میں صفات باری کے عین ذات اور غیر ذات ہونے کی بحث ہے۔ پہلا متن ہے اور دوسرا اس کا حاشیہ۔ متن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ اہم کتاب آپ نے طالب علمی کے زمانہ میں لکھی ہے۔ البتہ حاشیہ ۱۲۹۱ھ میں ۱۹/سال کی عمر میں تحریر فرمایا ہے۔

۱۵۷- الفرق الوجيز بين السنی العزيزو الوهابی الرَّجيز. (۱۳۱۸ھ):

اس میں ۲۹/عقائد اہل سنت کا اجمالی بیان ہے۔

۱۵۸- اعتقاد الاحباب فی الجميل المصطفیٰ والآل والاصحاب (۱۳۱۸ھ):

اس میں اہل سنت کے عقائد تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

۱۵۹- باب العقائد والكلام. (۱۳۳۵ھ):

اس رسالہ میں آپ نے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ اللہ عزوجل کو جاننا بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ مگر یہاں ناواقفوں کو ایک شبہہ گزرتا ہے کہ کافروں کے صدہا فرقے اللہ تعالیٰ کو جانتے بلکہ مانتے بھی ہیں، جس کا جواب کتاب میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۱۶۰- تمہید ایمان بآیات قرآن (۱۳۲۶ھ):

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ایمان رکھنا لازم ہے، اس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ نے نہایت مؤثر انداز میں بیان فرمایا ہے۔

۱۶۱- امورعشرین درعقائد سنیین (............):

آپ نے اس رسالہ میں ایسے بیس امور بیان فرمائے ہیں جن کی تصدیق ہر سنی کے لئے لازم وضروی ہے۔

۱۶۲- ثلج الصدر لایمان القدر. (۱۳۲۵ھ):

یہ رسالہ مسئلہ تقدیر سے متعلق ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عقیدۂ اہل سنت وجماعت یہ ہے کہ انسان نہ پتھر کی طرح مجبور محض ہے اور نہ ہی مکمل طور پر مختار، بلکہ ان دونوں کے درمیان ایک حالت ہے، جس کی حقیقت خداوند قدوس کا راز ہے، جو عمیق دریا ہے، جس میں غور وخوض منع ہے، بس یہ عقیدہ رکھا جائے کہ بے ارادۂ الٰہیہ کچھ نہیں ہوتا بلکہ انسان کے ارادہ پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

۱۶۳- التحبیر بباب التدبیر. (۱۳۰۵ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ تقدیر حق ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر محض بے کار ہے۔ بلکہ دنیا عالم اسباب ہے، رب تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے چیزوں اور کاموں کو اسباب ووسائل سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ سبب کے بعد مسبب کا وجود ہوتا ہے، لہٰذا تقدیر کو بھول کر تدبیر پر پھولنا کفار ومشرکین کی خصلت ہے، اسی طرح تدبیر کو محض بے کار جاننا کھلی گمراہی اور پاگل پن ہے۔

۱۶۴- الهداية المباركة فی خلق الملائكة. (۱۳۱۲ھ):

اس میں فرشتوں کی پیدائش کا بیان ہے کہ روزانہ بے شمار فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔

۱۶۵- أنوار الانتباه فی حل نداء یارسول الله. (۱۳۰۴ھ):

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہنا حق ہے، اس کو شرک و بدعت بتانے والے گمراہ ہیں، اسی طرح یا غوث، یا شیخ عبد القادر اور دیگر اولیائے کرام کو

پکارنا بھی جائز بلکہ مستحسن ہے اور مشائخ سلف سے منقول اور ان کا اس پر عمل رہا ہے، انھوں نے اس کی تعلیم دی ہے، ساتھ ہی استمداد واستعانت کا مسئلہ بھی اسی سے حل ہو جاتا ہے کہ بلاشبہ جائز ہے۔

۱۶۶- اسماع الأربعين في شفاعة سيد المحبوبين. (۱۳۰۵ھ):

اس رسالہ میں شفاعت کے تعلق سے چالیس احادیث کا بیان ہے، سائل نے پوچھا تھا کہ شفاعت کا ثبوت کس حدیث سے ہے تو آپ نے اس پر تعجب کا اظہار فرمایا اور تحریر فرمایا کہ مسلمان اور مدعیان سنت، اور ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت۔ یہ تو ایسا مسئلہ ہے کہ زنان واطفال بلکہ دہقان وجہال بھی ایسے عقیدے سے خبردار ہیں اور خدا کا دیدار اور محمد کی شفاعت ایک ایک کی زبان پر جاری ہے۔ جل جلاله وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم.

۱۶۷- منبه المنية بوصول الحبيب الى العرش والروية. (۱۳۲۰ھ):

شب معراج حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دیدار الٰہی کے بارے میں سوال تھا۔ آپ نے احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ اور اخبار تابعین سے جواب عطا فرمایا اور عرش اعظم بلکہ اس سے آگے تشریف لے جانے کی تحقیق پیش فرمائی ہے۔

۱۶۸- شرح المطالب فی مبحث ابی طالب. (۱۳۱۶ھ):

اس کتاب میں موضوع بحث یہ ہے کہ حضور کے چچا ابو طالب ایمان لائے تھے یا نہیں۔ آپ نے آیات واحادیث سے ثابت فرمایا ہے کہ ابو طالب آخر وقت تک ایمان نہیں لائے اور یونہی بغیر ایمان دنیا سے رخصت ہو گئے۔

۱۶۹- الصمصام على مشكك فی آية علوم الأرحام. (۱۳۱۵ھ)

ماں کے پیٹ میں کیا ہے، اس سلسلہ میں جو آیات کریمہ آئیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اس رسالہ میں ان کی تفسیر اور ایک پادری کے شبہہ کا مسکت جواب آپ نے قلم بند فرمایا ہے اور سمندر کو کوزے میں بھرنے کی مثال قائم فرمائی ہے۔

۱۷۰- فتاویٰ کرامات غوثیہ (.........):

اس مجموعہ میں چند فتاویٰ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت پر مشتمل ہیں۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ کی روح شب معراج حاضر ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے کاندھے پر پاؤں اقدس رکھ کر براق پر سوار ہوئے،اس کے سلسلہ میں بیان فرمایا: اس میں کوئی امر نہ عقلاً اور نہ شرعاً مہجور اور کلمات مشائخ میں ماثور۔

۱۷۱- ازاحة العیب بسیف الغیب. (۱۳۳۰ھ):

علم غیب رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ میں وہابیہ کی طرف سے چند شبہات پیش کیے گئے تھے،آپ نے ان سب کے جواب میں فرمایا: علم غیب کی نفی میں اگر کوئی دلیل پیش کرے تو اس میں چار باتوں کا لحاظ ضروری ہے: اول آیت قطعی الدلالۃ۔یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو۔دوم واقعہ ہو تو نزول قرآن کے مکمل ہونے کے بعد کا ہو۔سوم دلیل سے راساً عدم حصول علم ثابت ہو۔چہارم صراحۃً نفی علم کرے۔

۱۷۲- خالص الاعتقاد مع تمهید رماح القهار علی کفر الکفار. (۱۳۲۸ھ):

اس کتاب میں آپ نے ایک سو بیس دلائل سے علم غیب رسول کو ثابت کیا ہے اور منکرین کے غلط پروپیگنڈے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے باطل افتراؤں کا بخوبی رد فرمایا ہے۔

۱۷۳- انباء المصطفیٰ بحال سر واخفیٰ. (۱۳۱۸ھ):

علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم کے سلسلہ میں اس رسالہ کے شروع میں آپ نے واضح فرمادیا ہے کہ آپ کو ماکان و مایکون کا علم دیا گیا اور پھر اس کی قدرے تفصیل بیان فرما کر آیات احادیث سے اس کو مؤید کیا ہے۔

۱۷۴- ماحیة العیب بعلم الغیب. (............):

اس رسالہ میں علم غیب کے منکرین کی خبر گیری ہے جنھوں نے صراحۃً حضور نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علم غیب کے سلب کلی کا قول کیا تھا،ان میں سر فہرست میاں جی عین القضاۃ ہیں جن کو ایک معنی کے اعتبار سے آپ نے عین القذاۃ فرمایا ہے۔

۱۷۵- تجلی الیقین بأن نبینا سید المرسلین. (۱۳۰۵ھ):

اس کتاب میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام مخلوق سے افضل اور سید المرسلین ہونے کے سلسلہ میں دس آیتوں اور ایک سو پچیس احادیث سے بے مثال تحقیق فرمائی ہے اور اس عقیدہ کو قطعی ایمانی یقینی اذعانی اور اجماعی بتایا ہے۔

۱۷۶- الأمن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء. (۱۳۱۱ھ):

درود تاج میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دافع البلاء کہا گیا ہے،اس پر وہابیہ کو اعتراض ہے اور وہ شرک قرار دیتے ہیں تو آپ نے اس کتاب میں ساٹھ آیات اور تقریباً تین سو احادیث سے اس کے جواز کو ثابت فرمایا ہے۔

۱۷۷- منیة اللبیب أن التشریع بید الحبیب. (۱۳۱۱ھ):

اس رسالہ میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شارع اسلام ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت سے مسائل میں اختیار عطا فرمایا تھا کہ آپ ان کے بارے میں اپنے اختیار سے جس کو چاہیں حرام فرمادیں اور جس کو چاہیں حلال فرمادیں۔یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف قانون داں ہی نہیں تھے بلکہ قانون ساز بھی تھے۔

۱۷۸- شمول الاسلام لأصول الرسول الکرام. (۱۳۱۵ھ):

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین مومن موحد تھے یا نہیں۔اسی طرح آپ کے والدین سے اوپر حضرت آدم علیہ السلام تک جو وسائط ہیں ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔آپ نے واضح انداز میں ثابت فرمایا کہ آپ کے ابوین کریمین سے لے کر حضرت آدم تک جو انبیائے کرام ہیں ان کے بارے میں تو کیا سوال باقی وہ واسطے جو نبی نہیں تھے وہ بھی سب کے سب کفر وشرک سے منزہ تھے،آیات واحادیث اس پر

گواہ ہیں۔

۱۷۹- صلات الصفافی نور المصطفیٰ. (۱۳۲۹ھ):

یہ رسالہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور ہونے کے سلسلہ میں ہے جس میں آپ نے ثابت فرمایا ہے کہ حضور کا نور ہر مخلوق سے پہلے پیدا ہوا اور پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور سے تمام مخلوق پیدا فرمائی۔

۱۸۰- نفی الفیء عمن استنار بنوره كل شیء. (۱۲۹۶ھ):

اس رسالہ میں آپ نے بیان فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، ائمہ اعلام اور علمائے کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور پھر اس کی حکمت بھی بیان فرمائی ہے۔

۱۸۱- قمر التمام فی نفی الظل عن سید الأنام. (۱۲۹۶ھ):

اس رسالہ میں بھی آپ نے احادیث اور اقوال ائمہ سے ثبوت پیش کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔

۱۸۲- هدى الحيران فی نفی الفیء عن سید الأكوان. (۱۲۹۹ھ):

اس رسالہ میں بھی سایہ کی نفی سے متعلق روایات پر محدثانہ کلام ہے اور ان اصول کی خبر گیری ہے جن کی آڑ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سایہ ماننے والے اپنی بھر پور کوشش کرتے آئے ہیں۔

۱۸۳- فقه شهنشاه وأن القلوب بيد المحبوب بعطاء الله. (۱۳۲۶ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شہنشاہ کہہ سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عطا سے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قلوب انسانی پر تصرف حاصل تھا۔

۱۸۴- تنزيه المكانة الحيد رية عن وصمة عهد الجاهلية. (۱۳۱۲ھ):

اس رسالہ میں بیان ہوا ہے کہ امیر المومنین مولی المسلمین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ

وجہہ الکریم کا دامن پاک کبھی بتوں کی پوجا سے داغ دار نہیں ہوا، آپ آٹھ دس سال کی عمر میں ہی مشرف باسلام ہو گئے تھے۔

۱۸۵- جمع القرآن وبم عزوه لعثمان. (۱۳۲۲ھ):

اس رسالہ میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ قرآن کی اصل جمع وترتیب تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی ہو گئی تھی مگر یہ یک جا نہ تھا۔ پھر صدیق اکبر کے زمانہ میں باقاعدہ اس کی جمع وتدوین ہوئی۔ پھر اس صحیفہ کی تدوین وترتیب ایک مصحف کی شکل میں حضرت عثمان غنی کے زمانہ میں ہوئی اور اس کی چند نقلیں کرا کے بلاد اسلام میں اس کو محفوظ کر دیا گیا۔ اس لیے حضرت عثمان غنی کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔

۱۸۶- طرد الأفاعی من حمى هاد رفع الرفاعی. (۱۳۳۶ھ):

اس رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سیدنا سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ثابت کرنا بلا دلیل ہے اور واقعے کے خلاف ہے لیکن اس کے باوجود سید احمد کبیر رفاعی بلا شبہ اکابر اولیائے کرام سے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ علاحدہ علاحدہ وقتوں میں آپ دونوں حضرات کے لیے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دست اقدس روضہ انور سے باہر آیا اور آپ حضرات نے دست بوسی اور مصافحہ کیا۔

۱۸۷- اراء ة الأدب لفاضل النسب. (۱۳۲۹ھ):

اس رسالہ میں آپ نے بیان فرمایا ہے کہ مدار نجات تقویٰ پر ہے محض نسب پر نہیں، مگر پھر بھی شریعت مطہرہ نے بہت سے احکام میں نسب کے فرق کو معتبر رکھا ہے اور امامت کبریٰ وخلافت شرعیہ کے لیے تو خاص طور سے قریش کو ذکر فرمایا ہے۔ اسی طرح سادات کرام کو جو فضیلت حاصل ہے وہ بھی نسب کے اعتبار سے ہی ہے۔

۱۸۸- الكوكبة الشهابية فی كفريات أبی الوهابية. (۱۳۱۲ھ):

اس کتاب میں وہابیہ کے امام الطائفہ اسماعیل دہلوی کے اقوال کفریہ، اس کی رسوائے زمانہ کتاب ''تقویۃ الایمان'' سے نقل فرما کر شمار کرائے ہیں، جن کی تعداد ستر ہے۔ آخر

میں فرمایا: بالجملہ ماہ نیم ماہ ومہر نیم روز کی طرح ظاہر وزاہر کہ اس فرقہ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعیلیہ اوراس کے امام نافرجام پر، جزماً وقطعاً یقیناً اجماعاً بوجوہ کفر لازم، اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحاب فتویٰ اکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پر، یہ سب کے سب مرتد کافر، باجماع ائمہ ان سب پر اپنے تمام کفریات ملعونہ سے بالتصریح توبہ ورجوع اور ازسرنو کلمہ اسلام پڑھنا فرض و واجب، اگر چہ ہمارے نزدیک، مقام احتیاط میں، اکفار سے کف لسان ماخوذ ومختار ومرضی و مناسب، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم.

۱۸۹- سل السیوف الھندیة علی کفریات بابا النجدیة. (۱۳۱۲ھ):

اس رسالہ میں بھی امام الطائفہ دہلوی کے تعلق سے تقویۃ الایمان اور اس کی دوسری کتاب ''صراط مستقیم'' سے سات کفریات گنائے ہیں اوران کی تفصیل بھی بیان کی ہے۔اورآخر میں تحریر فرمایا: یہ حکم فقہی متعلق بکلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں بے حد برکتیں ہمارے علمائے کرام عظمائے اسلام معظمین کلمہ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر کہ یہ کچھ دیکھتے وہ کچھ سخت وشدید ایذائیں پاتے اس طائفہ تائفہ کے پیر وپیرو سے ناحق ناروایات پر سچے مسلمانوں خالص سنیوں کی نسبت حکم کفر وشرک سنتے ، ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں بایں ہمہ نہ شدت غضب دامن احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی، نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے سکوت کریں گے جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ فقیر غفراللہ تعالیٰ لہ نے اس مبحث کا قدر بیان آخر رسالہ ''سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح'' میں کیا اور وہاں بھی باآنکہ اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھتر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا۔ حکم کفر سے کف لسان ہی کیا۔ بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصاً ان کے پیشوا کا حال مثل یزید پلید علیہ ما علیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مرید اوران کے امام عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں اوران حضرات

سے یہ سب کلمات کفر اعلیٰ درجۂ تواتر پر ہیں، پھر اگر چہ ہم برائے احتیاط تکفیر سے زبان روکیں ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمہ کرام فقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بوجوہ کثیرہ کفر لازم، والعیاذ باللہ القیوم الدائم.

۱۹۰- سبحان السبوح عن عیب الکذب المقبوح. (۱۳۰۷ھ):

اس رسالہ کا موضوع باب عقائد کا ایک مسئلہ ''امکان کذب'' ہے، بہت پہلے ابن حزم ظاہری نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنا لڑکا پیدا کرسکتا ہے، کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرسکے تو بندہ کی قدرت خدا سے بڑھ جائے گی کہ بندہ تو ایسا کرسکتا ہے جب کہ خدا مجبور ہے۔ بہت دنوں بعد ابن حزم کا یہی پس خوردہ مولوی اسماعیل دہلوی نے یوں اگلا کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے پر قادر ہے، اگر خدا جھوٹ بولنے پر قادر نہ ہو تو اس کی قدرت بندوں سے گھٹ جائے گی کہ خدا تو جھوٹ نہیں بول سکتا اور بندہ بول سکتا ہے۔

اعلیٰ حضرت سے بھی اس مسئلہ میں سوال ہوا، آپ نے اللہ تعالیٰ کی سبوحیت وقدوسیت کے سلسلہ میں ایسا تحقیقی بیان قلم بند فرمایا کہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ نے تمام تر تحقیقات کے ضمن میں ایک اصول ایسا بیان فرمادیا ہے جو سیکڑوں دلائل پر بھاری ہے، فرماتے ہیں: یونہی صفت خلق کا تعلق محال یا واجب سے نہ ہوگا، صرف ممکن سے ہوگا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت کا کچھ قصور نہیں کہ ان امور سے متعلق نہیں ہوئی، قصور ان امور کا ہی ہے کہ صفت الٰہی کے لائق نہیں۔

اسی طرح جھوٹ اس لائق ہی نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت بن سکے، تو اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفت کا قصور نہیں بلکہ قصور اس جھوٹ کا ہے، لہذا جھوٹ پر قدرت نہ ہونے سے ہرگز یہ لازم نہیں آیا کہ اگر وہ جھوٹ نہ بول سکے تو عاجز ہوگیا۔ عاجز تو جب کہلاتا جب یہ جھوٹ اس کی صفت بننے کی صلاحیت رکھتا۔ لہذا وہابیہ جو یہ مغالطہ دیتے ہیں یہ سراسر دھوکا ہے۔ اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے اللہ تعالیٰ کے جھوٹ سے پاک ہونے پر دوسو دلائل قائم فرمائے ہیں۔

۱۹۱- دامان باغ سبحان السبوح. (۱۳۰۷ھ):

یہ سبحان السبوح کا ایک ذیلی رسالہ ہے۔

۱۹۲- القمع المبین لآمال المکذبین. (۱۳۲۹ھ):

اس رسالہ میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی ایک عبارت کو بنائے استدلال بنا کر کہا گیا تھا کہ اگر جھوٹ بالذات ممتنع ہوتا تو دنیا میں کوئی جھوٹ نہ بول سکتا حالانکہ ایسا نہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ ممتنع بالغیر ہے۔اور ممتنع بالغیر ممکن بالذات کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے کہ دونوں میں تنافی نہیں۔لہٰذا یہ اللہ تعالیٰ کے کمال کے منافی ہونے کے واسطے سے ممتنع ہے تو ممتنع بالغیر ہوا جو امکان ذاتی کے منافی نہ ہوا۔تو معاذ اللہ باری تعالیٰ کے لیے کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے۔آپ نے اس استدلال کی دھجیاں اڑادی ہیں اور علامہ سیالکوٹی کی عبارت کی تشریح بھی نہایت عمدہ پیرائے میں کردی ہے۔

۱۹۳- حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین. (۱۳۲۴ھ):

اعلیٰ حضرت نے مرزا غلام احمد قادیانی، قاسم نانوتوی، رشید احمد گنگوہی، خلیل احمد انبیٹھوی اور اشرف علی تھانوی کے اقوال کفریہ قطعیہ التزامیہ متعینہ پر بحث فرمائی اور ان کا کفر صریح وقطعی ہونا ثابت فرما کر ان پر اور ان کے اتباع پر کافر ومرتد ہونے کا حکم شرعی صادر فرمایا۔اس کی تصدیق علمائے حرمین نے فرمائی، انہیں تصدیقاتِ جلیلہ کے مجموعہ کا یہ تاریخی نام ہے۔

۱۹۴- فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۳۱۷ھ):

آپ نے تحریک ندوہ کے مقاصد اور خرابیوں اور گمراہیوں کے سلسلہ میں ایک فتویٰ تحریر فرمایا اور تصدیق کے لیے علمائے حرمین شریفین زادھما اللہ شرفاً وتعظیماً کی خدمت میں بھیجا، ان سب حضرات نے اس کی تصدیق کی اور تقاریظ تحریر فرمائیں۔ یہ انہیں تمام مضامین کا مجموعہ ہے۔

۱۹۵- الجبل الثانوی علی کِلیۃ التھانوی. (۱۳۳۷ھ):

اس رسالہ میں مولوی اشرف علی تھانوی کے مرید کا وہ واقعہ سوال میں ہے جس

میں اس نے، خواب میں کلمہ اشرف علی رسول اللہ پڑھا اور درود میں بھی اشرف علی کا نام ہی لیا۔اس پر تھانوی جی نے اس کی مدح کی۔آپ نے نہایت جامع انداز میں حکم سنایا کہ ایسا شخص کافر ہے اور جو اس کی تائید وتحسین کرے وہ بھی کافر ومرتد ہے۔کلمہ کفر میں زبان کی لغزش نہیں سنی جاتی، بطور قصد یا بلا قصد جب بھی کلمہ کفر زبان پر جاری ہوگا قائل کو کافر کہا جائے گا اور جو اس سے راضی ہو، اس کی تائید کرے وہ بھی اسی کی طرح کافر ہے۔

۱۹۶- دفع زیغ زاغ-رامی زاغیان (۱۳۲۰ھ):

۱۹۷- نطق الھلال بارخ ولاد الحبیب والوصال. (۱۳۱۷ھ):

اس رسالہ کا موضوع حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ اور وصال اقدس کی تاریخوں کی تحقیق ہے۔اگر چہ تاریخ، مہینہ اور دن کے بارے میں مختلف اقوال ہیں مگر قول مشہور کے مطابق ولادت مبارکہ ۱۲؍ربیع الاول شریف اور شمسی تاریخ کے اعتبار سے ۲۰؍اپریل ۵۷۱ء ہے۔

۱۹۸- اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تھامہ. (۱۲۹۸ھ):

اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مجلس میلاد پاک میں قیام مستحب ومستحسن ہے کہ اس سے تعظیم رسول کا اظہار ہوتا ہے اور اس میلاد میں سلام کے بارے میں علما ومشائخ کا اتفاق بھی ہے اور عمل بھی، جو اس کو بدعت وناجائز کہتا ہے وہ غلط کہتا ہے، آپ نے اس میں ایسے دلائل وشواہد بیان فرمائے ہیں کہ ان کو ملحوظ خاطر رکھ کر منصف مزاج فیصلہ کرے تو بہت سے اختلافی اور نزاعی امور طے ہوجائیں۔

۱۹۹- ابحاث اخیرہ (۱۳۲۸ھ):

یہ وہ رسالہ ہے کہ جس نے وہابیوں، دیوبندیوں کے مناظرہ کی رٹ اور تعلیوں کو خاک میں ملادیا، خورجہ کے دیوبندیوں نے دعوت مناظرہ دی تھی، بے چارے اپنے طواغیت کی چال بازیوں سے ناواقف تھے دعوت مناظرہ دے بیٹھے، اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مضمون حقائق مشحون بصیغہ رجسٹری ارسال فرمادیا، جس کا تاریخی نام ''ابحاث اخیرہ'' ہے، اس

کے پہنچتے ہی تھانوی واجودھیا باشی وچاند پوری وغیرہ کو سانپ سونگھ گیا اور آج تک اس کی تابشوں سے دیابنہ ملاعنہ کی آنکھیں خیرہ ہیں اور قیامت تک اس کا جواب ان سے ممکن نہیں۔

۲۰۰- الدلائل القاهرة على الكفرة النياشرة. (۱۳۳۵ھ):

کاٹھیاواڑ گجرات کے علاقہ میں، ایک مجلس تعلیمی ترقی کے لیے قائم ہوئی، جس کے محرک علی گڑھ کالج سے متعلق لوگ تھے، ان میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد پروفیسر علی گڑھ بھی تھے اور اس میں تمام لوگوں کو بلا رعایت سنی ہر کلمہ گو رافضی، وہابی نیچری، قادیانی، چکڑالوی وغیرہم کو شریک کیا جا رہا تھا، اس میں سنی مسلمان بھی اپنے مال ودولت سے پیش پیش تھے، سائل نے اس میں شمولت وشرکت سے متعلق استفتا کیا، آپ نے جواب میں فرمایا: ایسی مجلس مقرر کرنا گمراہی اور اس میں شرکت حرام ہے، پھر احادیث اور صحابہ وتابعین کے واقعات سے اپنے موقف کو ثابت فرمایا۔ اس پر کثیر علمائے کرام ومفتیان اسلام کی تصدیقات ہیں۔ ان میں کلکتہ، جبل پور، بہار، کان پور، حیدر آباد، سیتا پور، احمد آباد، آگرہ، کاٹھیاواڑ، سورت، ملتان، مراد آباد، پیلی بھیت، شاہ جہاں پور، رام پور، میرٹھ، اور پنجاب کے علمائے کرام کے ناموں کی صراحت ہے۔

۲۰۱- رد الرَفَضة. (۱۳۲۰ھ):

اس رسالہ میں روافض زمانہ کے عقائد واحوال کا تذکرہ اور ان سے متعلق شرعی احکام کا ذکر ہے، اس میں ان کے دو واضح کفر بیان کیے ہیں۔ پہلا کفر تو یہ ہے کہ روافض، قرآن کو ناقص بتاتے ہیں۔ ان میں کوئی کہتا ہے کہ کچھ سورتیں امیر المؤمنین عثمان غنی ذو النورین یا دیگر صحابہ یا اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے گھٹا دیں۔ بہر حال جو قرآن کریم میں تصرف بشری کا دخل مانے یا اس کا احتمال ہی جانے بالاجماع کافر مرتد ہے کہ صراحۃً قرآن کریم کی تکذیب کر رہا ہے۔ دوسرا کفر یہ ہے کہ ان میں کا ہر متنفس سیدنا امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ودیگر ائمہ طاہرین کو حضرات انبیاء ومرسلین علیہم الصلاۃ والتسلیم سے افضل بتاتا ہے۔ اور جو ایسا عقیدہ رکھے باجماع مسلمین کافر بے دین ہے۔

۲۰۲- الأدلة الطاعنة فی أذان الملاعنة. (۱۳۰۶ھ):

روافض نے اذان میں ایک اضافہ کیا کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو خلیفہ رسول اللہ بلا فصل کہنا شروع کیا، سائل نے ان کے اس قول کے بارے میں سوال کیا کہ کیا یہ تبرا ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: یہ کلمہ مغوضہ مغضوبہ خالص تبرا ہے اور اس کا سننا بمنزلہ تبرا سننے کے نہیں بلکہ حقیقۃً تبرا سننا ہے۔ والعیاذ باللہ رب العلمین. پھر آپ نے اذان کے کلمات خود روافض کی کتابوں سے نقل فرما کر یہ واضح کر دیا کہ یہ کلمہ جو انہوں نے ائمہ ثلاثہ پر تبرا کرنے کے لیے اذان میں اضافہ کیا خود ان کی کتابوں میں نہیں۔ ان کی کتابیں ''شرائع الاسلام'' اس کی شرح ''مدارک''، ''لمعہ دمشقیہ'' وغیرہا اس بات کی صراحت کر رہی ہیں کہ یہی اذان جو معروف ہے صحیح ہے نہ اس میں کچھ بڑھایا جائے نہ گھٹایا جائے۔

۲۰۳- غاية التحقيق فی امامة العلی والصديق. (۱۳۳۱ھ):

اس میں سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی مرتضیٰ کی خلافت وجانشینی کے بارے میں سوال تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس کو اپنا جانشین بنایا۔ جواب میں فرمایا جانشینی دو طرح کی ہے: ایک جزئی مقید، کہ کسی مخصوص جگہ یا خاص کام کے لیے عارضی طور پر متعین کرنا۔ ایسا بہت سے صحابہ کے لیے واقع ہوا۔ دوسرے کلی مطلق، کہ اپنے بعد کسی کو جانشینی کے لیے خاص کرنا۔ ایسا معین طور پر کسی کو نامزد نہیں فرمایا، ورنہ وصال اقدس کے بعد کسی کے بارے میں صحابہ میں سے کوئی ضرور اس کی شہادت دیتا حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

۲۰۴- مطلع القمرين فی ابانةسبقة العمرين. (۱۲۹۷ھ):

یہ کتاب حضرات شیخین سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی افضلیت کے موضوع پر تحریر فرمائی ہے۔ دراصل آپ کی یہ کتاب ایک ضخیم اور تفصیلی کتاب کی تلخیص ہے جو آپ نے غالباً ۲۲، ۲۳، سال کی عمر میں نوے اجزا پر لکھی تھی، اس کا نام ہے ''منتهى التفصيل لمبحث التفضيل''۔ اس کتاب کی ضخامت کے پیش نظر

آپ نے خیال کیا کہ لوگ اس کے مطالعہ سے قاصر رہیں گے لہذا اس کو مختصر کیا۔ اصل کتاب تو آج تک دستیاب نہیں ہو سکی لیکن افسوس یہ ہے کہ تلخیص کا بھی ناقص نسخہ ملا جو ہم نے مرتب کر کے اپنی اکیڈمی سے شائع کر دیا ہے۔

۲۰۵- الزلال الأنقیٰ من بحر سبقة الأتقیٰ. (۱۳۰۰ھ):

یہ کتاب سیدنا صدیق اکبر کی افضلیت مطلقہ پر نہایت اہم کتاب ہے جس میں فرقہ تفضیلیہ کے چند شبہات کے جوابات خوب شرح وبسط کے ساتھ تحریر فرمائے ہیں اور ثابت فرمایا ہے کہ آیت (سیجنبها الا تقیٰ) میں اتقیٰ سے مراد سیدنا صدیق اکبر ہی ہیں۔

۲۰۶- قوارع القهار علی المجسمة الفجار. (۱۳۱۸ھ):

اس رسالہ میں ان گمراہوں کا رد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم مانتے ہیں اور وہ تمام لوازم اس کے لیے ثابت قرار دیتے ہیں جو جسم کے لیے ضروری ہیں حالانکہ اللہ رب العزت جسم وجسمانیت سے پاک ہے، لہٰذا اس کے لیے مکان وجہت، جلوس وقعود وغیرہ ماننا گمراہی و بددینی ہے۔ بظاہر جن آیات سے یہ صفات ثابت ہیں وہ سب آیات متشابہات ہیں جن کے معنی مراد اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی جانتے ہیں، ہمیں ان کی حقانیت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

۲۰۷- الفضل الموهبی فی معنی اذا صح الحدیث فهو مذهبی. (۱۳۱۳ھ):

جب حدیث صحیح مل جائے اور وہ حنفی مذہب کے کسی مسئلہ کے خلاف ہو تو امام اعظم کا یہ فرمانا کہ وہی میرا مذہب ہے۔ اس قول کا کیا مطلب ہے؟ اس کی وضاحت میں آپ نے محدثین اور فقہا کے درمیان صحت حدیث کا مطلب بیان فرمایا ہے اور پھر قول امام کی صحیح توجیہ بیان فرمائی ہے۔

۲۰۸- أطائب الصیب علی أرض الطیب. (۱۳۱۸ھ):

یہ کتاب سیدنا اعلیٰ حضرت کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو آپ نے ایک غیر

مقلد مولوی طیب مکی کے جواب میں رام پور ارسال فرمائے تھے، طرفین کے خطوط اس میں جمع کر دیے گئے ہیں اور مکی صاحب کے خطوط سے ان کی علمی بے بضاعتی عیاں ہے۔ آپ نے تقلید کے موضوع پر نہایت جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے جس سے مکی صاحب کو انکار تھا مگر وہ آپ کے مکاتیب کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

۲۰۹- النیر الشهابی علی تدلیس الوهابی. (۱۳۰۹ھ):

اس رسالہ میں ان لوگوں کا رد ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایک امام کی تقلید لازم نہیں بلکہ جب چاہے کسی بھی امام کے مسئلہ پر عمل کر سکتا ہے۔ آپ نے تقلید شخصی کی لازمیت کا ثبوت دیتے ہوئے ایسے لوگوں کی جہالت فاحشہ کو طشت از بام کر دیا ہے۔

۲۱۰- السهم الشهابی علی خداع الوهابی. (۱۳۲۵ھ):

رحیم بخش لاہوری کی کتاب جس کا نام اس نے ''اسلام کی دوسری کتاب'' رکھا ہے اس میں لفظ ''اہل حدیث'' کے تعلق سے ایک وضاحت پیش کی ہے اور غیر مقلدین کو اس لفظ کا مصداق قرار دیا ہے۔ آپ نے اس کے رد و ابطال میں یہ رسالہ لکھا اور فرمایا: ایسا ہرگز نہیں، بلکہ ہمارا ان سے اصول دین میں اختلاف ہے اور یہ ہرگز اہل حدیث نہیں بلکہ کھلے غیر مقلد اور لا مذہب ہیں۔

۲۱۱- حجب العوار عن مخدوم بهار. (۱۳۳۹ھ):

یہ رسالہ حضرت مخدوم بہار شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی، ایک عبارت سے دفع شبہات کے لیے تصنیف فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں ضمناً روایت اخبار کے قیمتی اصول افادہ فرمائے ہیں۔

۲۱۲- المبین ختم النبیین. (۱۳۲۶ھ):

یہ رسالہ اسلام کے ایک بنیادی عقیدہ ''ختم نبوت'' پر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں پوری امت مسلمہ اس عقیدے پر متفق رہی، کہ محمد عربی صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد، اب کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا۔ قرآن کا یہی فرمان (ولٰکن رسول اللہ و خاتم النبیین) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہی ارشاد (لا نبی بعدی، و ختم بی النبیون) اور اسی معنی پر پوری امت کا اجماع قائم رہا۔

۲۱۳- السوء والعقاب علی المسیح الکذاب. (۱۳۲۰ھ):

اس رسالہ میں مسیح قادیان مسٹر غلام احمد قادیانی کے اقوال وافعال کفریہ اور ان کا شرعی حکم بیان کیا ہے۔

۲۱۴- قهر الدیان علی مرتد بقادیان. (۱۳۲۳ھ):

۲۱۵- الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی. (۱۳۴۰ھ):

۲۱۶- جزاء اللہ عدوہ بابائه ختم النبوة. (۱۳۱۶ھ):

یہ تینوں رسائل بھی قادیانی کے رد میں لکھے گئے ہیں، البتہ تیسرا رسالہ ”جزاء اللہ عدوہ“ خاص عقیدہ ختم نبوت پر ایک مبسوط اور مستقل کتاب ہے جس میں سیکڑوں دلائل سے اس عقیدہ کی وضاحت کی گئی ہے۔

۲۱۷- مقامع الحدید علی خد المنطق الجدید. (۱۳۰۴ھ):

المنطق الجدید نامی کتاب میں فلاسفہ کے مزعومات ومزخرفات بیان کیے گئے تھے، جو سراسر اسلام کے خلاف تھے، ان کے بارے میں آپ سے سوال ہوا تو یہ کتاب تصنیف فرمائی اور دلائل نقلیہ وعقلیہ سے، اس کتاب کے ہذیانات وخرافات کو طشت از بام کیا اور علما وطلبہ کو ہدایت کی کہ بغیر رد وابطال ہرگز اس طرح کے مزعومات نہ پڑھے جائیں اور نہ پڑھائے جائیں۔

۲۱۸- نزول آیات فرقان بسکون زمین وآسمان (۱۳۳۹ھ):

۲۱۹- معین مبین بہر دور شمس وسکون زمین (۱۳۳۸ھ):

فلاسفہ قدیم وجدید کی تھیوریاں بیشتر امور میں آپس میں متصادم ہیں۔ قدیم

فلاسفہ کہتے تھے کہ افلاک نو ہیں اور یہ حرکت میں ہیں اور زمین ساکن ہے، جدید تحقیقات والے کہنے لگے آسمان کا کوئی وجود نہیں اور زمین حرکت میں ہے، سیدنا اعلیٰ حضرت نے ان دونوں کے مزعومات کو قرآن وحدیث کے خلاف بتایا اور اسلامی نظریہ پیش کیا کہ زمین و آسمان دونوں موجود ہیں اور ساکن، شمس وقمر اور دیگر سیارے گردش میں ہیں۔ دونوں رسالے اسی موضوع پر ہیں۔

۲۲۰- فوز مبین در رد حرکت زمین (۱۳۳۸ھ):

یہ حرکت زمین کے رد میں اعلیٰ حضرت کی عظیم الشان کتاب ہے۔ بعض سائنس دانوں کا نظریہ ہے کہ زمین کی حرکت محوری سے دن ورات کا تبادلہ اور حرکت مداری سے موسم کا تبادلہ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ نظریہ آیات قرآنیہ اور بہت سی احادیث کے خلاف ہے، اس لیے ۱۰۵ر دلائل سے اس نظریہ کا ابطال کیا۔

۲۲۱- الکلمة الملهمة فی الحکمة المحکمة لوهاء الفلسفة المشئمة. (۱۳۳۸ھ)

فلسفۂ قدیم کے بہت سے نظریات اسلام کے مخالف بلکہ کفریات پر مشتمل ہیں، اور فلسفہ کی کتابیں مدارس میں اس لیے پڑھائی جاتی ہیں کہ طلبہ فلسفہ کی گمراہیوں سے آگاہ رہیں، اور ان کے فریب پر مشتمل دلائل سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اس کتاب میں اعلیٰ حضرت نے فلسفہ کے ان گمراہ کن اور کفریات پر مشتمل نظریات کا نہایت مستحکم دلائل و براہین سے رد بلیغ فرمایا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ فلسفہ قدیم کی ضلالتوں سے نجات دلاتا ہے اور اسلامی عقیدے کو استحکام عطا کرتا ہے۔

۲۲۲- الزمزمة القمریة فی الذبّ عن الخمریة. (.......):

قصیدۂ غوثیہ کی عربیت کے سلسلہ میں بعض لوگوں نے کلام کیا اور اس میں ادبی اور فنی غلطیوں کا دعویٰ کیا۔ آپ سے مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے گزارش کی کہ

اس سلسلہ میں مخالفین کا کچھ جواب لکھا جائے تا کہ ہم اس کو قصیدے کی اپنی شرح میں بطور مقدمہ شامل کرلیں۔آپ نے فیض قادریہ سے مستفیض ہوتے ہوئے ایسا جواب لکھا کے وہ ایک رسالہ کی شکل اختیار کرگیا۔

۲۲۳- السنية الأنيقة فی فتاویٰ افريقه. (۱۳۳۶ھ):

یہ آپ کے چند فتاوی کا مجموعہ ہے جن کے سوالات براعظم افریقہ سے موصول ہوئے تھے، آپ نے ان سب کے جوابات عنایت فرمائے اور مجموعہ کا یہ نام رکھا جو''فتاوی افریقہ'' کے نام سے مشہور ہے۔

۲۲۴- أجلی نجوم الرجم بر ایڈیٹر "النجم" (...........):

اس کتاب میں حنفی مقتدی کی نماز شافعی امام کے پیچھے کب ہوجائے گی اور کب نہیں ہوگی اس کا تفصیلی بیان ہے،اور مولوی عبدالشکور کاکوروی ایڈیٹر رسالہ ''النجم'' کی کتاب ''علم الفقہ'' کا رد ہے کہ اس نے اس مسئلہ میں جمہور کے قول کے خلاف مقتدی کی نماز کے درست ہونے کا مسئلہ لکھا تھا۔

یہاں تک ان رسائل کا اجمالی تعارف ہوا جو''فتاویٰ رضویہ کامل ۲۲؍جلدوں'' میں ہیں۔فتاویٰ رضویہ کا یہ سیٹ اور تمام رسائل علاحدہ سے پچاس جلدوں میں ''امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف'' سے شائع ہوچکے ہیں۔

۲۲۵- الدولة المكية بالمادة الغيبية. (۱۳۲۴ھ):

یہ وہ عظیم کتاب ہے جس نے عرب وعجم کے علمائے کرام اور مشائخ عظام کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔اس لیے کہ دوسرے حج کے موقع پر ۱۳۲۴ھ میں،آپ نے علم غیب کے موضوع پر صرف ۸؍گھنٹے میں، کتابوں کی مدد کے بغیر، علمائے مکہ مکرمہ کی فرمائش پر،اس کتاب کو عربی زبان میں تصنیف فرمایا۔ پھر اس کتاب کو شریف مکہ کے دربار میں پڑھا گیا،جس کے نتیجے میں وہابیہ منکرین علم غیب کو حرمین شریفین ''زادهما الله تعالىٰ شرفاً وتعظيماً'' میں ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، جس کی کسک آج تک وہابیہ محسوس کررہے

ہیں۔علمائے حرمین اور دیگر علمائے عرب نے اس پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھیں جو آج بھی کتاب کی زینت ہیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت نے اس کے بعد ہندوستان واپس تشریف لاکر اس پر قیمتی حواشی تحریر فرمائے، جیسے "الفيوض المكية" اور "انباء الحی" ان سب کا مجموعہ مع ترجمہ ہماری اکیڈمی سے تحقیق وتخریج اور جدید ترتیب کے ساتھ تین جلدوں میں شائع ہوچکا ہے۔

ان تمام کتب ورسائل کے علاوہ بھی تقریباً ۲۵؍رسائل اور ۲۵؍عربی کتابوں پر تعلیقات وحواشی اکیڈمی سے شائع ہوئے ہیں لیکن ان سب کا تعارف اس وقت صفحات کی تنگ دامانی کے پیش نظر مشکل ہے۔آئندہ کبھی اس موضوع پر مستقل تفصیلات پیش کی جائیں گی، ان شاء الله تعالىٰ.

امام احمد رضا اور تصوف

مولانا محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

امام احمد رضا کے تصوُّف پر گفتگو سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تصوُّف کا اجمالی تعارف کرادوں تاکہ اصل موضوع پر کماحقّہ روشنی پڑ سکے۔ یہ تعارف بھی قصداً امام احمد رضا کی تصنیف ''مَقالِ عُرَفا'' سے اخذ کیا گیا ہے تاکہ اصل موضوع کی مزید تقویت کا سامان ہو سکے۔

عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدّس سرہ فرماتے ہیں:

التصوف انما هو زبدة عمل العبد باحكام الشريعة ۔تصوف کیا ہے؟ بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ص:۴)[۱]

سیدی ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضَبِّی قدّس سرّہ فرماتے ہیں:

التصوّف تَصفِية القُلُوبِ، وَ اِتِّبَاعُ النّبِيِّ صلّى الله تعالىٰ عليه وسلم في الشريعة۔ تصوُّف اِس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہو۔ (الطبقات الکبری للامام الشعرانی ص:۱۸)[۲]

تصوُّف طریقت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اور طریقت اُس راہ کا نام ہے جو خدا تک پہنچانے والی ہو۔ اب خدا تک پہنچانے والی راہ کون ہے؟ اُسے سیّدنا غوثِ اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانِ فیض ترجمان سے سنیے۔

اَقرَبُ الطُّرُقِ اِلَى اللهِ تَعَالىٰ لُزُومُ قَانُونِ العُبُودِيّة وَ الاِستِمسَاكُ بِعُرُوَةِ الشَّرِيعَةِ. اللہ عزّ وجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانونِ بندگی کو لازم پکڑنا

اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے۔ (**بهجة الاسرار للعلامة ابى الحسن على الشطنوفى** ص:(۵۰)[۳]

ہر صوفیِ کامل درجۂ ولایت پر فائز ہوتا ہے اور ہر ولی صوفیِ کامل ضرور ہوتا ہے۔ ولی کون ہے؟ اس کی تعریف میں بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن قرآنِ کریم ارشاد فرماتا ہے: **الَّذِيْنَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُون** ۔ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کے کمال سے سرفراز ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ولایت کے لیے کرامت لازم ہے۔ مگر کرامت دو طرح کی ہے ایک وہ جس میں کسی دھوکے کا دخل نہیں ہوسکتا۔ دوسری وہ جس میں استدراج اور شعبدہ کا شبہہ ہوسکتا ہے۔ تو اصل کرامت وہی ہے جو شبہہ سے پاک ہو۔ اسی لیے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

كَرَامَةُ الْوَلِيِّ اِستِقَامَةُ فِعلِه عَلىٰ قَانُونِ قَوْلِ النَّبِيّ صَلَّى الله تعالىٰ عَلَيهِ وَ سَلَّمَ. ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک اترے۔ (بہجۃ الاسرار شریف ص:۳۹، طبع مصر)[۴]

حضرت شیخ اکبر محی الدین محمد بن العربی قدّس سرّہ فرماتے ہیں:

ایک کرامت تو حِسّی ہوتی ہے جسے عوام بھی جانتے ہیں۔ جیسے ہوا میں اُڑنا، پانی پر چلنا، گذشتہ وآئندہ حالات کی خبر دینا، سیکڑوں منزل بیک قدم طے کر لینا۔ دوسری کرامت معنوی ہوتی ہے جسے صرف خواص پہچانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ:

''اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بُری عادتوں سے بچنے کی توفیق پائے۔ تمام واجبات ٹھیک وقت سے ادا کرنے کا التزام رکھے۔''

ان کرامتوں میں مکر واستدراج کو دخل نہیں۔ اور وہ کرامتیں جنھیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکرِ نہاں کی مداخلت ہوسکتی ہے۔ کرامات معنویہ میں مکر واستدراج کی مداخلت نہیں۔ (فتوحات مکیہ ج:۲، ص:۴۸۷)[۵]

علمائے باطن کے ان ارشادات کی روشنی میں تصوُّف، صاحبِ تصوُّف، کرامت، صاحبِ کرامت اور ولی کا اجمالی نقشہ ذہن میں آ جاتا ہے کہ اصل تصوُّف تصفیۂ قلب اور

اتباعِ شریعت ہے۔ حقیقی اور اعلیٰ کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ سچّا ولی وہی ہوگا جو سید الکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی میں سچّا ہو۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالۂ مبارکہ قشیریہ (ص:۳۰) میں سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدّس سرّ ہما کا فرمان نقل کرتے ہیں:

مَنْ اَلْزَمَ نَفْسَه، اٰدَابَ الشَّرِيْعَةِ نَوَّرَ الله قَلْبَه، بِنُوْرِ الْمَعْرِفَةِ وَ لَا مَقَامَ اَشْرَفُ مِنْ مَّقَامِ مُتَابَعَةِ الْحَبِيْبِ فِي اَوَامِرِه وَاَفْعَالِه وَاَخْلَاقِه . جو اپنے اوپر آدابِ شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نورِ معرفت سے روشن کر دے گا۔ اور کوئی مقام اِس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔[۶]

حضرت بایزید بَسطامی قدّس سرہ' فرماتے ہیں:

اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض و واجب، مکروہ وحرام اور محافظتِ حدود وآدابِ شریعت میں اس کا حال کیسا ہے؟ (قشیریہ ص:۱۸)[۷]

یہاں تک تصوُّف وولایت اور صوفی وولی کا مختصر تعارف تھا، اب میں چاہتا ہوں کہ ان اقوال کی روشنی میں امام احمد رضا قدّس سرّ ہ' کا صاحبِ تصوف، حاملِ طریقت، صاحبِ کرامت اور ولیِّ کامل ہونا اِجمالاً ثابت کرلیا جائے پھر کچھ تفصیلات پیش ہوں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے ہی سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ انھوں نے پوری زندگی شریعت پر سختی سے عمل کیا۔ ہر فرض و واجب کی محافظت اور اتباعِ سنّت وشریعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیا، جس کے نتیجے میں ان کا قلبِ مبارک ایسا پاکیزہ اور مزکّیٰ و مصفّیٰ ہو چکا تھا کہ نورِ معرفت کی تابندگی اوائل زندگی ہی میں نظر آنے لگی۔

امام احمد رضا ۱۲۹۴ھ میں جب مُحِبّ رسول مولانا عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمہ کے ایما پر اپنے والد گرامی عمدۃ المحققین مولانا نقی علی خاں قدّس سرہ کی معیت میں مارہرہ

شریف سدنا شاہ آلِ رسول مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بیعت سے شرف یاب ہوئے تو اسی وقت والد گرامی کے ساتھ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔ حضرت مولانا سید شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن اربابِ سلوک اور اہلِ ایصال مُرشدین کرام میں سے تھے جو اپنے مُسترشدین ومُریدین کو ریاضت ومجاہدہ کی سخت منزلوں سے گزارتے، ان کے قلوب کا بھرپور تزکیہ وتصفیہ کرتے پھر جب انھیں سجادۂ مشیخت اور مسندِ ارشاد پر جلوہ آرائی کے قابل دیکھتے تو خلافت واجازت سے سرفراز کرتے۔ مگر امام احمد رضا قدّس سرہ اور ان کے والد گرامی کو بلا ریاضت ومجاہدہ، بیعت کے ساتھ ہی خلافت بھی دے دی گئی یہ اس بارگاہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ تھا۔

حضرت ''خاتم الاکابر'' (۱۲۹۶ھ) سیدنا شاہ آل رسول کے ولی عہد، پوتے اور خلیفۂ باکمال سیدنا ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمہ نے عرض کیا۔ حضور آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے۔ ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا:

اور لوگ میلا کچیلا، زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں اس کے تزکیہ کے لیے ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مصفّیٰ ومزکّیٰ قلب لے کر آئے، انھیں ریاضت و مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگیا۔ مزید فرمایا:

''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروز حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟ مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ اُس وقت میں ''احمد رضا'' کو پیش کروں گا۔''

حضرت ولی عہد موصوف (معروف بہ میاں صاحب) سے یہ بھی فرمایا: دیکھو اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں، ان دونوں عالموں (مولانا عبدالقادر بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں علیہما الرحمہ) کو دکھالی جائیں اور یہ جیسے اصلاح کریں قبول کی جائے پھر اشاعت ہو۔

۱۲۹۴ھ میں امام احمد رضا کی عمر صرف بائیس سال تھی لیکن ان کا قلب مبارک

ایسا روشن و مزکّیٰ ہو چکا تھا کہ اُس بارگاہ عالی میں ایسی قدر دانی و عزّت افزائی ہوئی۔ ایک تو فوراً خلافت عطا کی گئی۔ دوسرے یہ عظیم امتیاز ملا کہ روز قیامت احکم الحاکمین کی بارگاہ میں اپنی کمائی پیش کرنے کا موقع آیا تو ''احمد رضا کو پیش کروں گا''۔ تیسرے یہ کہ توجہ تشبیہی سے نوازے گئے۔ امام احمد رضا اپنے مرشد کے ساتھ خانقاہ کے دروازۂ سنگینی سے برآمد ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سیّدنا آل رسول مارہروی عنفوان شباب میں رونق افروز ہیں۔ داڑھی کی سپیدی اور سیاہی سے سیدنا آل رسول اور مولانا احمد رضا میں امتیاز کیا جا سکا۔[۸]

جب ابتدا کا یہ حال و کمال ہے تو انتہا کا عروج و ارتقا کیا ہوگا؟ اصل تو مرشد کی عنایت ہے جس کے بغیر راہِ سلوک طے نہیں ہوتی اور مرشد نے اُسی دن اُسی وقت توجہ تشبیہی اور دوسری عنایات سے یہ عیاں کر دیا کہ ہم نے احمد رضا کو سب معارف و حقائق سپرد کر دیے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام احمد رضا نے باضابطہ طریقت کی تعلیم حاصل نہ کی۔ خود فرماتے ہیں جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا، تعلیمِ طریقت حضور پرنور پیر و مرشدِ برحق سے حاصل کی، ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبلِ وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری اپنے ابنُ الابن و ولی عہد و سجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ (حیات اعلیٰ حضرت ص ۴۴-۴۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت پیر و مرشد مولانا سید آل رسول قدّس سرہ نے بھی کمالِ اعتنا کے ساتھ تا حیات تعلیم طریقت سے نوازا اور وقتِ وصال بھی خیال رکھا کہ یہ عنایت اپنے ولی عہد حضرت میاں صاحب قدّس سرّہ کو سپرد کی۔ اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا نے وہ منازلِ سلوک بھی طے فرمائے جو بے مرشد کامل طے نہیں ہوتے۔ ولہ الحمد والمِنّۃ۔

اب میں امام احمد رضا کے تصوّف پر مفصّل گفتگو کرنے کے لیے چاہتا ہوں کہ اس مقالہ کو تین حصّوں میں تقسیم کروں اور ہر ایک کے شواہد الگ الگ پیش کروں۔

تصوُّفِ اعتقادی:

جس میں یہ بیان ہوگا کہ امام احمد رضا اعتقادیات میں عُرفائے کاملین اور صوفیۂ واصلین ہی کے مسلک پر کاربند رہے۔ یاد رہے کہ اعتقاد صرف خیال و ادراک کا نام نہیں بلکہ اعتقاد ایک عمل بھی ہے لیکن خاص عملِ قلب ہے یعنی دل کا کسی نظریہ کو راسخ و مضبوط طور پر قبول کر لینا اور اس کے اذعان و یقین سے سرشار ہو جانا۔ آپ امام احمد رضا کے اعتقادیات میں وہی سرشاری اور وہی یقین و اذعان پائیں گے جو خاص عرفا اور اہل دل کا حصّہ ہے۔

تصوُّفِ عملی:

اس سے مراد صوفیہ کے قلبی اعمال اور اُن کا وَرع و تقویٰ ہے جسے رب العٰلمین نے اپنے اولیا کا علامتی نشان بتایا ہے۔ الَّذِیۡنَ آمَنُوا وَ کَانُوا یَتَّقُونَ.

تصوُّفِ علمی:

امام احمد رضا نے فنّ تصوُّف میں جو گراں قدر حقائق و معارف بیان کیے ہیں اور اہلِ سلوک کی جو عظیم رہنمائی فرمائی ہے وہ سب ''تصوف علمی'' یا ''تعلیماتِ تصوُّف'' سے عبارت ہیں۔

تصوُّفِ اعتقادی

وحدۃ الوجود:

صوفیۂ کرام اور اہلِ عرفان ''لا موجودَ اِلّا الله'' کے قائل ہوتے ہیں ان کی نظر میں خدا کے ماسوا سب معدوم ہیں موجود وہی ذاتِ احد ہے۔ اہلِ ظاہر نے ہمیشہ یہی کہا کہ یہ معنی عقولِ متوسّطہ کی دنیا سے ماورا ہے اور عقلاً اس کا ادراک ہونا ممکن نہیں۔ لیکن علامہ فضلِ حق خیرآبادی غالباً وہ پہلے عالمِ ربانی ہیں جنھوں نے اپنے رسالہ ''الروض المجود فی وحدۃ الوجود'' میں اس مسئلہ کی حقانیت پر دلیلِ عقلی قائم کی اور فرمایا: یہ دلائل، عقولِ متوسطہ ہی کی دنیا میں ہیں جنھیں کوئی فلسفی رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

پورا رسالہ قابلِ دید ہے ترجمہ کے ساتھ مکتبہ قادریہ لاہور سے دوسری بار شائع ہو

چکا ہے۔ علامہ نے اپنے حاشیہ قاضی مبارک میں بھی جا بجا اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور بہت کچھ تفصیل بھی فرمائی ہے۔

امام احمد رضا اپنی زندگی بھر وحدۃ الوجود کی حقانیت کے معتقد رہے اور متعدد تصانیف میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

مرتبۂ وجود میں صرف حق عزّ وجلّ ہے کہ ہستی حقیقتاً اُسی کی ذاتِ پاک سے خاص ہے۔ وحدتِ وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حدذات میں اصلاً وجود وہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔ **کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ** اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من وتو زید وعمر و ہر شے خدا ہے۔ یہ اہلِ اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔ اور پہلی بات اہلِ توحید کا مذہب ہے جو اہلِ اسلام وایمان حقیقی ہیں۔[9]

دوسری جگہ ایک تقریبی مثال سے یہ مسئلہ اور اس میں تین فرقوں کا بیان قدرے تفصیل سے لکھا ہے، فرماتے ہیں:

ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے، جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شے کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلّی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے۔ بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی۔ ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی۔ بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی۔ کسی میں خوشنما کسی میں بھونڈی۔

یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا ان میں عکس ہے خود واحد ہے ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلّی ان سے منزہ ہے۔ ان کے الٹے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وَ لِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔ اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم کے ہوئے۔

اوّل:

ناسمجھ بچے انھوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی

موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اُس کے تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ تو عین یہ بھی اور وہ بھی۔ مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم۔ اور اپنی نادانی سے یہ نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے۔ یہ سب اسی کے عکس ہیں۔ اگر اس سے حجاب ہو جائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدومِ محض ہو جائیں گے۔ ہو کیا جائیں گے، اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں، حقیقتاً بادشاہ ہی موجود ہے باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم- اہلِ نظر وعقلِ کامل:

وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود ایک بادشاہ کے لیے ہے۔ موجود ایک ہی ہے۔ یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حدّ ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے اس تجلّی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا! عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں۔ اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی۔ یہ ناقص ہیں وہ تام۔ یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک۔ یہ کوئی کمال نہیں رکھتے۔ حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع۔ تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں۔ لاجرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے۔ اور یہ صرف اس تجلّی کی نمود۔ یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم:

عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے، اُن ناسمجھ بچّوں سے بھی گئے گزرے۔ انھوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی۔ جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی۔ تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہٖ ان کے سروں پر بھی ہے۔ انھوں نے عقل ودانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں۔ اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب ونقائص جو نقصانِ قوابل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا مؤرِد کر دیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز، محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے، کا جو عین ہے قطعاً انھیں ذمائم سے متصف ہے۔ **تعالَی اللہُ عمّا یقولُ الظّٰلمون علوًّا کبیرا۔**

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجودِ حقیقی احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک ظل ہے پھر آئینہ میں انسان کی صرف سطحِ مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کے صفات مثلاً کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات وقدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا۔ لیکن وجودِ حقیقی عزَّ جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفسِ ہستی کے سوا ان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کا باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت ہوئی وہ سمجھ لیے کہ ؎

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انھوں نے صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں۔ (۱) حقیقی ذاتی کہ متجلی کے لیے خاص ہے اور (۲) ظلی عطائی کہ ظلال کے لیے ہے۔ اور حاشا! یہ تقسیم اشتراکِ معنی نہیں، بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حقِ حقیقت وعینِ معرفت۔ وللہ الحمد۔[۱۰]

صفاتِ باری:

صفاتِ باری سے متعلق بھی اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ مسلکِ عرفا کی حقانیت کے قائل ہیں، متکلمینِ اہل سنت، صفاتِ باری سے متعلق یہ لکھتے ہیں کہ وہ نہ عینِ ذات ہیں نہ غیرِ ذات اور صوفیۂ کرام انھیں عین ذات مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیۂ کرام جب لاموجود اِلّا اللہ کے قائل ہیں تو صفاتِ باری کو غیرِ ذات یا لاعین، لاغیر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جب سارا عالم ان کی نظر میں وجودِ واحد کا پرتو ہے تو خود صفاتِ باری کو لاعین کہنا ان کے مذہب سے بہت دور ہے۔

امام احمد رضا قدّس سرہ جس ماحول میں کلام فرماتے تھے وہ عوام اہلِ سنت اور اہلِ ظاہر کا ماحول تھا، اس مقام پر انھوں نے متکلمین کی طرح صفاتِ باری کو لاعین ولاغیر ہی بتایا ہے۔ مگر المعتقد المنتقد (۱۲۷۰ھ) للعلامۃ فضل رسول البدایونی کے حاشیہ "المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد" (۱۳۲۰ھ) میں مسلکِ صوفیہ کی کامل تحقیق فرمائی ہے۔ اور آخر میں فرماتے ہیں۔

فالّذي نعتقده في دين الله تعالىٰ اَنّ له عزّ و جلّ صفاتٍ اَزليةً قديمة،

و هي الكمالات الحاصلة للذات بنفس الذات فلا مصداق لهااِلّا الذات، فلها حقيقة بهاهي هي .وهي المعاني القائمةالقديمة المقتضيحقيقُ للذات بهاهي وماهي اِلّا عين الذات، من دون زيادةاَصلاً ، فافهم و تثبت، و اِيّاك اَن تزلّ ، فاِن المقام مزلةالاَقدام ، و بالله التوفيق و به الاعتصام. (ملخصًا)[۱۱]

کلامِ الٰہی:

کلامِ الٰہی جو صفت باری ہے اس کے بارے میں اپنی تحقیق "المستند المعتمد" میں پھر "الکشف شافیا حکم فونوجرافیا" میں تحریر فرمائی ہے۔ حاشیہ المعتقد میں فرماتے ہیں:

ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ نفسی اور لفظی کی تقسیم متاخرین نے معتزلہ کو خاموش کرنے اور پست عقول کو سمجھانے کی خاطر کی ہے جیسے کہ متاخرین نے متشابہات میں تاویل کی راہ اختیار فرمائی ہے اور مذہب وہی ہے جس پر ائمۂ سلف ہیں کہ کلام باری واحد ہے جس میں اصلاً کوئی تعدد نہیں۔[۱۲]

یہاں اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

وہی قرآن جو باری تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذاتِ پاک سے ازلاً ابداً قائم و مستحیل الانفکاک ہے وہی ہماری زبانوں سے متلو، ہمارے کانوں سے مسموع، ہمارے اوراق میں مکتوب، ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ نہ یہ کہ کوئی اور جدا شَے قرآن پر دال ہے۔ نہیں نہیں یہ سب اسی کی تجلیاں ہیں حقیقتاً وہی متجلی ہے۔ بغیر اِس کے کہ وہ ذاتِ الٰہی سے جدا ہو۔ یا رِکسوتوں (لباسوں) کے حدوث سے اُس کے دامنِ قِدَم پر کوئی داغ آیا ہو یا ان کے تکثُّر سے اس کی طرف تعدُّد نے راہ پایا ہو۔

دمبدم گر لباس گشت بدل
شخصِ صاحب لباس را چہ خلل

عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدّس سرّہ میزان الشریعۃ الکبری میں فرماتے ہیں:

(ترجمہ) اہل سنّت نے قرآن مکتوب کو حقیقتاً کلام اللہ ہی قرار دیا ہے اگر چہ اس کا نطق ہماری زبان سے واقع ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بولنے یا کسی کتاب میں لکھنے کی گنجائش نہیں۔ ملخصاً۔ [۱۳]

حاشیہ المعتقد میں فرماتے ہیں:

عَرَفَ هٰذا مَنْ عَرَفَ وَ مَنْ لَمْ يَقْدِرْ عَلى فَهْمِه فَعَلَيْه اَن يُؤمِنَ بِه كَمَا يُؤمِنُ بالله و سائر صفاته من دون اِدراکِ الكنه۔ [۱۴]

اس پر ایمان لانا بھی ایک علم ہے۔ ملفوظات میں حضرت شیخ اکبر اوراکابر فن کا قول نقل فرماتے ہیں:

علم باطن کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے عالموں کی تصدیق کرے۔ اگر نہ جانتا ان کی تصدیق نہ کرتا۔ پھر حدیث بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں صبح کر کہ تو خود عالم ہے یا علم سیکھتا ہے یا علم کی باتیں سنتا ہے یا ادنیٰ درجہ یہ کہ عالم سے محبت رکھتا ہے اور پانچواں نہ ہونا کہ ہلاک ہوجائے گا۔ [۱۵]

”**الکشف شافیا حکمَ فونو جرافیا**“ (اردو) میں کلام باری کی بحث میزان الشریعۃ الکبریٰ کی عبارت پر ختم ہے۔ محرّم ۱۳۳۰ھ میں محافظ کتب حرم مکہ مولانا سید اسماعیل مکی علیہ الرحمہ جب بریلی تشریف لائے تو ان کی فرمائش پر اعلیٰ حضرت قدس سرّہ نے ”الکشف شافیا“ کی تعریب فرمائی۔ اس وقت وحدتِ کلام باری پر تفصیلی گفتگو کی، یہاں تک کہ ایک مستقل رسالے کی شکل ہوگئی۔ اسے ”**اَنوار المنان في توحيد القرآن**“ (۱۳۳۰ھ) سے موسوم کیا۔ یہ رسالہ الکشف شافیا (عربی) المجمع الاسلامی مبارک پور سے ۱۹۹۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اور المعتقد المنتقد مع المستند المعتمد کے آخر میں بھی اسے شامل کر دیا گیا ہے۔ اشاعت المجمع الاسلامی سنہ ۱۹۹۹ء۔ اہل علم کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

مقامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا:

مقامِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے متعلق امام احمد رضا قدّس سرّہ نے اپنی تصانیف میں بہت کچھ لکھا ہے اہلِ نظر کے یہاں حقیقتِ محمدیہ، وجوب وامکان کے درمیان برزخ

ِ کبریٰ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

جس طرح مرتبۂ وجود میں صرف ذاتِ حق ہے باقی سب اسی کے پرتوِ وجود سے موجود۔ یوں ہی مرتبۂ ایجاد میں صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ ہے، باقی سب پر اسی کے عکس کا فیض وجود۔ مرتبۂ کون میں نور احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے۔ اور مرتبۂ تکوین میں نور احمدی آفتاب اور سارا جہاں اس کے آبگینے۔ و في هذا اقول:

خالقُ کلِّ الوریٰ ربُّك لا غيره
نورك كلُّ الوریٰ غيرك لم لَيْسَ لَنْ
اَيُ لم يوجدُ ۔ و ليس موجودا ۔ و لن يّوجدَ اَبدا

نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جس طرح عالم اپنی ابتداے وجود میں محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا کچھ نہ بنتا۔ یوں ہی ہر شے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعۃً فنائے محض ہوجائے۔

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی، جان ہے تو جہان ہے [۱۶]

اسی مضمون کو قدرے اختصار کے ساتھ کشف حقائق میں لکھا ہے۔ اور **سلطنة المصطفیٰ في ملكوت كل الوریٰ** میں مزید تفصیل کا حوالہ دیا ہے۔ صلاتُ الصّفا میں بھی علماے ربانیین وعرفاے کاملین کے بعض اقوال نقل فرمائے ہیں۔

حدائق بخشش میں فرماتے ہیں:

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شان عزّت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
یہی ہے اصلِ عالم مادّہ ایجادِ خلقت کا
یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

غور کیجیے کس قدر ذوق وعرفان سے لبریز اور حقیقت ومعرفت سے بھرپور کلام فرمایا ہے۔

مزید فرماتے ہیں:

کوئی کیا جانے کہ کیا ہو عقل عالم سے ورا ہو
کنزِ مکتوم ازل میں درِّ مکنونِ خدا ہو
سب سے اوّل سب سے آخر۔ ابتدا ہو انتہا ہو
تھے وسیلے سب نبی تم اصل مقصود ہُدیٰ ہو
سب تمھاری ہی خبر تھے تم مؤخر مبتدا ہو

تجلّی الیقین بانّ نبیّنا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ) وغیرہ رسائل میں احادیث کریمہ اوراقوال علما سے ثابت فرمایا ہے کہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اول وآخر، ظاہر وباطن اور ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدّس سرہ (م۱۰۵۲ھ) نے مدارج النبوۃ کے دیباچہ میں بھی اسے ذکر کیا ہے۔

علمِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا:

اس بارے میں بھی امام احمد رضا قدّس سرّہ نے خاص صوفیہ وعُرفا کا مسلک اختیار فرمایا ہے وہ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام ماکان و ما یکون کا عالم مانتے ہیں۔ اوراصحابِ معرفت سے اس پر بہت سے دلائل اپنی تصانیف خالص الاعتقاد، الفیوض الملکیہ وغیرہ میں پیش کرتے ہیں۔ خالص الاعتقاد میں فرماتے ہیں:

''ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علما میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے، آیا وہ روزِ اوّل سے یومِ آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے؟

بہت اہلِ ظاہر جانب خصوص گئے ہیں۔ اور عام علماے باطن اوران کے اتباع سے بکثرت علماے ظاہر نے آیات واحادیث کوان کے عموم پر رکھا۔ ہمارا مختار قولِ اخیر ہے جو عام عرفاے کرام و بکثرت اَعلام کا مسلک ہے، اس بارے میں بعض آیات واحادیث

واقوالِ ائمہ فقیر کے رسالہ ''انباء المصطفیٰ'' میں ملیں گے۔ اور ''اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ماکان ومایکون'' (۱۳۱۸ھ) وغیرہ رسائل فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر ووافر ہیں۔ اور اقوالِ اولیاے کرام وعلماے عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفترِ عظیم درکار ہے۔[۱۷]

بہت سے دلائل واقوالِ ائمہ پیش کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

یہ کہنا آسان تھا کہ احمد رضا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم غیب کا قائل ہو گیا اور یہ عقیدہ کفر کا ہے، مگر نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک دامنوں سے وابستہ ہے، احمد رضا کا سلسلۂ اعتقاد علما، اولیا، ائمہ، صحابہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اللہ رب العٰلمین تک مسلسل ملا ہوا ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔[۱۸]

امام احمد رضا یہ راسخ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آقاے کائنات علیہ الصلوات والتحیات اپنے امتیوں کے دِلی ارادوں، نیتوں اورعزائم وخطرات سب سے آگاہ ہیں۔ اس میں سرکار کی حیات ووفات کا کچھ فرق نہیں، اس مضمون کو متعدد مقامات پر اکابر علما کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی لیے وہ اپنی شاعری میں خاص وارداتِ قلب بیان کرتے ہیں۔ محض شاعرانہ مبالغہ آمیزی اور مضمون بندی کو بارگاہِ رسالت میں جرمِ عظیم قرار دیتے ہیں۔ شیر بیشۂ اہل سنّت کے برادرِ خُرد مولانا محبوب علی خاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کا کوئی کلام ایسا نہیں جو صرف قال ہو، حال نہ ہو۔ بلکہ جو کچھ فرمایا ہے سراسر حال ہے۔ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے دوسرے دیکھنے والے بھی بحمدہ تعالیٰ موجود ہیں کہ ایک حافظ صاحب جو حضور پرنور امام اہل سنّت قدّس سرّہ کے مخلصین میں سے تھے کچھ کلام بغرضِ اصلاح سنانے کے لیے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی، سنانا شروع کیا۔ درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یا رسول اللہ! میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں۔ کھانا، پینا، سونا سب موقوف ہو گیا

ہے۔ کسی وقت مدینہ طیبہ کی یاد دل سے علاحدہ نہیں ہوتی۔

اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں۔ اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمائیے جھوٹ اور کون سی سرکار میں؟ جنھیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں اور نیتوں پر اطلاع ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے ماکان وما یکون کا کوئی ذرہ نہ چھپایا۔ اس کے بعد اس قسم کے اشعار کٹوا دیے۔

اختیارِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا:

اس بارے میں امام احمد رضا قدّس سرہ عرفائے کاملین کے مسلکِ راست پر سختی سے گامزن ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں کہ حق جلّ وعلا نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان، سب ان کے ہاتھوں کے مطیع، ان کے ارادے کے زیر فرمان کر دیے۔ جسے چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ ان مباحثِ قدسیہ کے جاں فزا بیان فقیر کے رسالہ ''سلطنة المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ'' (۱۲۹۷ھ) میں بکثرت ہیں۔ وللہ الحمد۔[۱۹]

عارف باللہ عاشق رسول اللہ حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی قدّس سرہ بھی فرما چکے ہیں:

معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست۔ ہر چہ خواہد، ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد!

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیا و ہر چہ می خواہی تمنا کن[۲۰]

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

وہ متعدد اکابر سے اسے نقل فرماتے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو شخص ہر حال میں اپنے آپ کو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ملک نہ سمجھے وہ سنّتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلاوت سے آشنا نہ ہو۔[۲۱]

اسی عقیدے کے تحت عرض کرتے ہیں:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیبِ تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

وہ عالم آخرت میں ان کی سیادت وحاجت روائی کا منظر آج سے زیادہ عیاں طور پر دیکھ رہے ہیں۔

ما و شما تو کیا کہ خلیلِ جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنّا نظر کی ہے

فرماتے ہیں:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

یہاں امام احمد رضا قدّس سرہ کا ایک حقیقت آموز کلام پیش کرتا ہوں جو علمی بھی ہے اور عرفانی بھی۔ اور بارگاہِ رسول میں ان کا حق آشنا عقیدہ واضح کرنے کے لیے کافی ووافی بھی۔

فرماتے ہیں:

میرے ایک وعظ میں ایک نفیس نکتہ مجھ پر اِلقا ہوا تھا۔ اُسے یاد رکھو کہ جملہ فضائلِ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے معیارِ کامل ہے۔

وہ یہ کہ کسی منعم کا دوسرے کو کوئی نعمت نہ دینا چار ہی طور پر ہوتا ہے۔

(۱) یا تو دینے والے کو اُس نعمت پر دسترس نہیں۔ (۲) یا دے سکتا ہے مگر بُخل مانع ہے۔ (۳) یا جسے نہ دی وہ اس کا اہل نہ تھا۔ (۴) یا وہ اہل بھی ہے مگر اس سے زائد اُسے کوئی اور محبوب ہے اُس کے لیے بچا رکھی۔

الوہیت ہی وہ کمال ہے کہ زیرِ قدرت ربانی نہیں۔ باقی تمام کمالات تحت قدرت الٰہی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین، ہر جَواد سے بڑھ کر جَواد۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر فضل وکمال کے اہل۔ اور حضور سے زائد اللہ عزّ وجل کو کوئی محبوب نہیں۔ لازم ہے کہ الوہیت کے نیچے جتنے فضائل، جس قدر کمالات، جتنی نعمتیں، جس قدر برکات ہیں مولیٰ عزّ وجلّ نے سب اعلیٰ وجہِ کمال پر حضور کو عطا فرمائیں۔[۲۲]

اسی لیے عارفِ ربانی حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں ع

ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر وتمام

اعلیٰ حضرت رقم طراز ہیں:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا
نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا
تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

زمین وزماں تمھارے لیے مکین ومکاں تمھارے لیے
چنین وچناں تمھارے لیے بنے دوجہاں تمھارے لیے
اَصالتِ کل، امامتِ کل سِیادتِ کل، اِمارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل خدا کے یہاں تمھارے لیے

تعظیمِ رسول:

جب دل میں محبوب کی عظمت اور آقا کی محبت جلوہ آرا ہو تو دل تعظیم کے لیے خود ہی بے قرار ہوگا۔ یہی عشق وعرفان کا تقاضا ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام سرکار کے آبِ وضو کے لیے اس طرح ٹوٹے پڑتے تھے گویا اس تبرک کے لیے جنگ ہو جائے گی، موے مبارک کو حرزِ جان بنا کر رکھتے۔ گھمسان کی لڑائی میں بھی اگر کھو جائے تو اپنی جان سے بے پروا ہو کر اس کی تلاش میں لگ جائیں اور جب تک مل نہ جائے، دم نہ لیں۔

تمام عرفا واولیا اسی اعتقادِ عظمت وتعظیم کے ساتھ اپنی پوری زندگیوں میں کاربند رہے۔ امام مالک علیہ الرحمہ نے تعظیم رسول کے پیش نظر مدینہ طیبہ میں کبھی سواری نہ کی۔ اس کے لیے انھیں کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ بس یہی دلیل کافی تھی کہ خدا ورسول نے اس تعظیم سے منع نہیں فرمایا ہے۔

امام احمد رضا فرماتے ہیں:

بوجہ اطلاق آیات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی حَسَن ومحمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لیے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں! اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بیشک ممنوع ہوگا جیسے حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانوروں کو ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا، اسی لیے علامہ ابن حجر مکی ''جوہر منظّم'' میں فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امرِ مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے۔[۲۳]

بارگاہِ رسالت میں حاضری کا ادب کوئی امام احمد رضا قدّس سرہ کے قلبِ حق آشنا سے پوچھے۔ دیکھیے، وہ کیا فرماتے ہیں:

جب حرم محترم مدینہ میں داخل ہو، اَحسَن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے، روتا سر جھکائے، آنکھیں نیچی کیے چلے۔ ہو سکے تو برہنہ پائی بہتر۔ بلکہ

جاے سر است ایں کہ تو پامی نہی
پاے نہ بینی کہ کجا می نہی

جب درِ مسجد پر حاضر ہو صلاۃ وسلام عرض کر کے قدرے توقف کرے گویا سرکار سے اذنِ حضوری کا طالب ہے۔ اس وقت جو ادب و تعظیم واجب ہے مسلمان کا قلب خود واقف ہے۔ زنہار زنہار! اس مسجدِ اقدس میں کوئی حرف چلّا کر نہ کہے۔ یقین جان کہ وہ مزار اعطر وانور میں بحیاتِ ظاہری، دنیاوی حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے۔ ائمہٗ دین فرماتے ہیں: حضور ہمارے ایک ایک قول وفعل بلکہ دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔

اب وہ وقت آیا کہ دل کی طرح رخ بھی اس پاک جالی کی طرف ہو گیا، جو اللہ تعالیٰ کے محبوبِ عظیم الشان کی آرام گاہ رفیع المکان ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتا، کانپتا بید کی طرح تھرتھراتا، ندامتِ گناہ سے عرقِ شرم میں ڈوبا قدم بڑھا۔ خضوع و وقار، خشوع وانکسار کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کر۔ سوا سجدہ و عبادت کے جو بات ادب و اجلال میں اکمل ہو بجالا۔ زنہار جالی شریف کے بوسہ ومَس سے دور رہ کہ خلاف ادب ہے۔ اب نہایت ہیبت و وقار کے ساتھ مجرا وتسلیم بجالا۔ بہ آوازِ حزیں وصورتِ درد آگیں و دلِ شرمناک وجگرِ صد چاک معتدل آواز سے، نہ نہایت نرم و پست، نہ بہت بلند وسخت، عرض کر:

السلام علیک اَیّها النبیّ و رحمة الله و برکاته

السلام علیک یا رسول الله ، السلام علیک یا خیرَ خلق الله.

السلام علیک یا شفیع المذنبین.

السلام علیک و علیٰ اٰلک و اَصحابک اَجمعین. [۲۴]

تصوّفِ عملی:

شاید آپ کو احساس نہ ہوا ہو کہ میں تصوّفِ اعتقادی سے آگے بڑھ کر تصوّفِ عملی کا ذکر چھیڑ چکا ہوں۔ امام احمد رضا قدّس سرّہ کے ذوق وکیف کی یہ جو حالتیں ذکر ہوئیں سراسر عملی ہیں۔ اعتقاد میں بھی عملِ قلب ہوتا ہے مگر خاص تعظیم واجلال میں جو عملِ قلب ہے

وہ محض اذعان واعتقاد سے زائد ایک خالص عمل ہے۔ چوں کہ سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا سے متعلق تصوّفِ اعتقادی کا ذکر تھا جس میں عقیدۂ تعظیم بھی شامل تھا تو ضمناً اعتقاد کے بعد عمل کا بھی ذکر کر دیا تاکہ یہ بحث وہیں مکمّل ہو جائے۔

اب اتمامِ کلام کے لیے اسی نوع کا ایک اور عمل یہیں ذکر کرتا چلوں وہ ہے:

عشقِ رسول:

امام احمد رضا کی اس کیفیتِ دل وجاں سے عالم آگاہ ہے، ان کے عشق کا چرچا غیر کی محفل میں بھی ہے، انھوں نے عشق کا وہ درس دیا کہ دنیا سیکھا کرے اور عملاً عشقِ رسول کو اس طرح پیش کیا کہ دنیا دیکھا کرے۔ اس باب میں ان کی کون کون سی اَدا یاد کی جائے اور اس کی کتنی صورتیں بیان کی جائیں، اس عشق کے جلوے ان کی نثر میں بھی ملتے ہیں، نظم میں بھی۔ یہاں نظم سے چند اشعار اور نثر سے ایک اقتباس پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

وہ بات پھر آپ اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیں کہ امام احمد رضا کی شاعری سراسر حال ہے، ان کا کلام وارداتِ قلب کا اظہار ہے۔ وہ بارگاہِ رسول میں جھوٹے احوال دِکھانے سے ہر طرح متنفر و بیزار ہیں۔ وہ اپنے آقا کو اپنی ہر کیفیت وحقیقت سے آگاہ و خبردار جانتے ہیں۔

غالب نے عشقِ مجازی میں کہا تھا ع

جس کو ہو جان ودل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟

مگر عشق کا جمال وکمال عشقِ مجازی میں کہاں؟ اس لیے حقیقی عشق والے نے یوں کہا:

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں

رخصتِ قافلہ کا شور غش سے ہمیں اُٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

وہ دردِ عشق ہی میں لطفِ دوا پاتے ہیں:

جان ہے عشقِ مصطفےٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں

سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں

وہ داغِ عشق کو قبر کی تاریکیوں کا اُجالا سمجھتے ہیں:

لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سُنی تھی چراغ لے کے چلے

اس کے بعد بھی وہ اپنے عشق کا محاسبہ کرتے ہیں۔ان کے نزدیک ان کے عشق میں ابھی کمی ہے،فرماتے ہیں: مجنوں کو عشق مجازی تھا تو سگِ دیارِ لیلیٰ کے قدم چومے۔کیا ایسا نصیب تیرا بھی ہے؟

رضاؔ کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ! کہ اتنا دماغ لے کے چلے

مگر حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا قدّس سرہ دیارِ مدینہ سے ہر آنے والے مومن کا پاؤں چومتے، خواہ وہ ان سے کتنا ہی فروتر ہو۔اور اگر کوئی بتاتا کہ دربار پر حاضر نہ ہوا، حرم مکہ ہی سے واپس چلا آیا تو اس سے مُنہ پھیر لیتے۔خود آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:مَنْ حَجَّ وَ لَمْ یَزُرْنِي فَقَدْ جَفَانِي۔

جس نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا تو اس نے مجھ پر زیادتی کی۔میرے ساتھ بدخلقی و بدسلوکی کی۔جس نے محبوب آقا کے ساتھ بدسلوکی کی ہو اس کے ساتھ ایک سچّا عاشق و محبّ خندہ روئی سے کیسے پیش آسکتا ہے۔

امام احمد رضا آتشِ عشق کو آتشِ جہنم سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چُھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

سوزِ دروں سے ان کا دل سُلگتا تھا اور خاص قلوبِ عرفا و اولیا کی طرح دل سوزِ

عشق سے کباب ہو چکا تھا ؎

اے دل یہ سُلگنا کیا، جلنا ہے تو جل بھی اُٹھ
دم گُھٹنے لگا ظالم، کیا دھونی رمائی ہے

....

تو نے تو کر دیا طبیب آتشِ سینہ کا علاج
آج کے دودِ آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

وہ اپنے آقا کے سوا کسی کی دریوزہ گری کے لیے قطعاً رضا مند نہیں۔ان کی غیرتِ عشق ملاحظہ ہو۔

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

جن کے ٹکڑوں سے پلے ان کے سوا کوئی نظروں پہ چڑھتا ہی نہیں۔مانگیں تو کس سے مانگیں؟

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا مُنہ کیا دیکھیں
کون نظروں پہ چڑھے دیکھ کے تلوا تیرا
کس کا مُنہ تکیے، کہاں جایئے، کس سے کہیے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

اپنے آقا کی شان اور ان کی عطا پر اذعان دیکھیے ؎

کون دیتا ہے دینے کو مُنہ چاہیے   دینے والا ہے سچا ہمارا نبی
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے   بے کسوں کا سہارا ہمارا نبی

....

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں   ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

علم مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کے بارے میں یہ صرف اعتقاد ہی نہیں عمل بھی ہے۔وہ

فریاد کر چکے ہیں اور اس یقین کے ساتھ کہ آقا کو خبر ہے۔

کانٹا مِرے جگر سے غمِ روزگار کا ــــ یوں کھینچ لیجیے کہ جگر کو خبر نہ ہو

شہرِ رسول سے ان کی محبت کا عالم دیدنی ہے:

عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو! ــــ مکّہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر وشر کی ہے
ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ ــــ اُو پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم وسر کی ہے
اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاکِ پاک ــــ حسرت ملائکہ کو جہاں وضعِ سر کی ہے

اکابر علما کے درمیان ایک بڑے معرکہ آرا مسئلہ کا فیصلہ بالکل عارفانہ وعاشقانہ تیور میں فرماتے ہیں جس کے بعد مخالف کے لیے کچھ اور بولنے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ فرماتے ہیں:

طیبہ نہ سہی افضل، مکّہ ہی بڑا، زاہد!
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اس بارگاہ میں زخمِ دل اور دل کو بھی چہکنے پھڑکنے کی اجازت نہیں دیتے، انھیں بھی درسِ ادب دے رہے ہیں:

دیکھ او زخمِ دل آپے کو سنبھال ــــ پھوٹ بہتے ہیں تپکنے والے
ارے یہ جلوہ گہِ جاناں ہے ــــ کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

پھر اپنے قدم پہ نظر جاتی ہے:

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ــــ ارے سر کا موقع ہے اُو جانے والے

ان کی کسرِ نفسی اور آقا کی شفاعت ورحمت کا یقین دونوں یکجا ملاحظہ ہوں:

سَنکی وہ دیکھ بادِ شفاعت کہ دے ہوا ــــ یہ آبرو رضا ترے دامانِ تر کی ہے
دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیش تر ــــ دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں
سب نے صفِ محشر میں للکار دیا ہم کو ــــ اے بے کسوں کے آقا اب تیری دہائی ہے

تصوّف میں بڑا سخت مقام محاسبۂ نفس ہے اسے امام احمد رضا کی امیدِ رحمت کے ساتھ یکجا دیکھیے:

آنکھ تو اُٹھتی نہیں، دیں کیا جواب ــــ ہم پہ بے پُرسش ہی رحمت کیجیے
زاہد! اُن کا میں گنہگار وہ میرے شافع ــــ اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

ان کا حج نفل، زیارتِ روضۂ انور کا طفیلی ہو گیا ہے:

اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے ــــ اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا، طیبہ ہی کہا ــــ **پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے**

غیرتِ عشق:

وہ اپنے آقا کے سوا کسی بڑی سے بڑی حکومت کے آگے جھکنے کو تیار نہیں۔ کسی نے انگریز گورنمنٹ کو سرکار کہہ دیا تو غیرتِ عشق پکار اٹھی:

بجز سرکار، سرِکار ایجاد ــــ سروکارے بہ سرکارے ندارم

انھیں حیرت ہے کہ دنیا والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ میرے آقا کے ہوتے ہوئے اپنی دنیا کے تاج داروں کو آقا کہہ رہے ہیں؟

کیا بھول ہے اُن کے ہوتے کہلائیں ــــ دنیا کے یہ تاج دار آقا
ان کے ادنیٰ گدا پہ مٹ جائیں ــــ ایسے ایسے ہزار آقا

یہ بھی ان کی غیرتِ عشق ہی کا نتیجہ ہے کہ اگر مدح کی ہے تو صرف اپنے آقا کی یا ان کے آل واصحاب کی، ان کے اولیا اور علما کی۔ کسی غیر سے انھیں نیازمندانہ تعلقِ خاطر کبھی نہ ہو سکا۔ کفار تو کفار مسلم نوابوں کی منقبت لکھنا بھی گوارا نہیں۔ ان کی وہ نعت اور اس کا واقعہ مشہور ہے کہ بعض حضرات نے فرمائش کر ڈالی کہ نواب نان پارہ ایسے ایسے اوصافِ حسنہ کا حامل ہے آپ بھی اس کی کوئی منقبت لکھ دیں۔ جواباً امام احمد رضا نے اپنے آقا کی نعت لکھی جس کے مقطع میں نان پارہ کو الٹ کر باندھا۔ فرماتے ہیں:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا پڑے اِس بلا میں مِری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مِرا دین پارۂ ناں نہیں

مطلع ہے:

وہ کمالِ حسن حضور ہے کہ گمانِ نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

تصوّفِ عملی میں نہایت سخت مقام یہ ہے کہ آدمی کے نفس میں تعریف پر عُجب و خود بینی پیدا ہو جائے۔ اور مذمت پر جوشِ غضب اور جذبۂ انتقام اُبھر آئے۔ سالک کے لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔ امام احمد رضا کا یہ دوہرا مجاہدہ ہے۔ ایک عظیم مجاہدہ تو دشمنانِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا سے قلمی مقابلہ اور ان کی گمراہیوں کا ردو ابطال ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس خدمت کے سبب حرمین شریفین کے اکابر علما کی زبان وقلم سے مدح سن کر اپنے نفس کو عُجب سے بچانا اور دشمنوں سے گالیاں سن کر غضب وانتقام سے بچانا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ امام احمد رضا قدس سرہ دونوں مجاہدے بڑی کامیابی سے سر کرتے ہیں، تحدیثِ نعمت کرتے ہوئے، فرماتے ہیں:

> حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظمِ اکابر کی ان عظیم مدحوں پر اتراتا ہے بلکہ اپنے رب کے حُسنِ نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لیے۔ کیسا تو نے اس ناچیز کو اُن عظمائے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔ نہ (یہ بندہ) ان دشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں پریشان ہوتا بلکہ شکر بجالاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقابل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزّت کی حمایت کرے۔ گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتّوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے۔[۲۵]

ایک مرید معتقد حاضر تھے ڈاک میں ایک گالیوں بھرا خط نکلا۔ وہ پڑھ کر غصّے سے سُرخ ہو گئے، عرض کیا یہ شخص میرے قریب کا رہنے والا ہے، اس پر مقدمہ دائر کر کے اسے قرار واقعی سزا دِلائی جائے۔ اعلیٰ حضرت نے اندر سے بہت سارے تعریفی خطوط لاکر ان کے سامنے رکھ دیے وہ پڑھ کر پھولے نہ سمائے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا پہلے ان تعریف

کرنے والوں کو انعام واکرام سے مالا مال کر لیجیے پھر گالی دینے والے کو سزا دلائیے اور جب محبّ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو دشمن کو نقصان پہنچانے کی بھی فکر نہ کیجیے۔

یہ تھا امام احمد رضا کا حسنِ نیت، اخلاصِ عمل، جہاد فی الدین، اور کردار وعمل کا وہ کمال جس نے علمائے عصر کی اونچی اونچی صفوں میں انھیں ممتاز تر کر دیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی اسی شان سے جلوہ گر ہوں گے۔

تعظیمِ سادات:

عشق کی صداقت اور پختگی جبھی ہے کہ جس چیز کو بھی محبوب سے نسبت ہو اس سے محبت رکھے۔ اور اس کا احترام بجالائے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ وتابعین اور دوسرے اسلاف کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت کی محبت وتعظیم میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ یہی نہیں بلکہ آثار وتبرکات کی تعظیم کا بھی انھوں نے عملی ثبوت فراہم کیا ہے۔ انہی عرفا کے اتباع میں امام احمد رضا کی زندگی بھی تعظیم سادات کے شواہد سے لبریز ہے۔ انھیں اپنے آقا سے نسبت رکھنے والی، چلتی پھرتی یہی یادگاریں، نصیب تھیں اس لیے ان کی عزت و تکریم میں کوئی کمی کیسے روا رکھتے، آل نبی کے بارے میں فرماتے ہیں ؎

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہاں مختصراً چند واقعات کی روشنی میں ان کی تعظیمِ آلِ رسول کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو دیدۂ عبرت وبصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

(۱) مولانا سید شاہ ابو سلمان محمد عبد المنان قادری ایک بار ملاقات اور کچھ مسائل حل کرنے کے لیے آئے تھے ان کا بیان ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے تو آپ نے بڑی عزّت بخشی اور جملہ شکوک چند منٹوں میں اس طرح رفع کر دیے کہ گویا شکوک کبھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاقِ کریمانہ نے روک رکھا۔ اِن دنوں میں اس فقیر نے بہت کچھ فیوض وبرکات حاصل کیے رخصت ہوتے

وقت کچھ روپے جو الہ آباد کی آمد و رفت میں صرف ہو سکتے ہیں بلکہ کچھ زائد ہی مرحمت فرمائے، میں نے انکار کیا تو فرمایا یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں، انھیں لے لیجیے تو فقیر نے وہ رقم لے لی۔ بعد وصال چند بار عرس میں حاضری ہوئی اس وقت بھی اعلیٰ حضرت کی روحانیت نے اپنے فیوض و برکات سے محروم نہ رکھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت، ص:۲۰۶)

مولانا موصوف خاص خانقاہی بزرگ ہیں ان کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف وطریقت میں بھی انھوں نے اعلیٰ حضرت کا پایہ بلند دیکھا، ورنہ اہلِ طریقت صرف اہلِ ظاہر سے کب متاثر ہوتے ہیں؟

(۲) لاعلمی میں ایک سیدزادے اعلیٰ حضرت کے یہاں ملازم ہوگئے۔ جب سیادت کا علم ہوا تو گھر والوں کو تاکید کر دی کہ شہزادے سے خدمت نہ لی جائے اور جو کچھ دینے کا وعدہ ہو چکا ہے بطور نذر پیش کیا جائے نہ بطور اجرت۔ کچھ دنوں بعد وہ سیدزادے چلے گئے کیوں کہ بے محنت رقم لینا پسند نہ آیا۔

(۳) جب میلاد شریف وغیرہ کا تبرک تقسیم ہوتا تو سادات کرام کو دوہرا حصہ دیا جاتا۔ ایک بار سید محمود جان صاحب کو غلطی سے ایک ہی حصّہ پہنچا۔ اعلیٰ حضرت کو علم ہوا تو تلافی میں باصرار پوری ایک سینی پیش کی۔ اور اپنے خادم کے ذریعہ ان کے گھر تک بھجوائی۔

(۴) ایک سید صاحب کی آواز کانوں میں پڑی ''دلواؤ سیّد کو'' اسی دن اخراجات کی رقمیں مولانا حسن رضا خاں نے لاکر دی تھیں۔ پورا بکس لے جاکر پیش کیا، جس میں چھوٹے بڑے نوٹ، اٹھنّیاں، چونّیاں روپے پیسے دو سو کے قریب تھے۔ سید صاحب بغور دیکھتے رہے اور صرف ایک چونّی لے لی۔ اعلیٰ حضرت نے کہا: حضور! سبھی حاضر ہے، فرمایا: بس! اس کے بعد گھر والوں کو تاکید کر دی کہ جب سید صاحب نظر آئیں ایک چونّی حاضر کر دی جائے۔ انھیں مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

تعظیم سادات سے ان کی زندگی کی صبح وشام معطر ہے، کوئی لکھے تو کہاں تک لکھے، ان کا جلوہ ان کے صاحبزادے مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کی

زندگی میں سیکڑوں حضرات بچشم خود ملاحظہ کر چکے ہیں۔ عشقِ رسول ہو تو تعظیم آل رسول خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، ساداتِ کرام تو جزو بدن ہیں، امام احمد رضا نے آثار مبارکہ کی تعظیم میں بھی رسالے لکھے ہیں۔ بدرالانوار في آداب الآثار (۱۳۲۶ھ) اور ''شفاء الواله في صُوَرِ الحَبيب و مَزارِه و نِعاله'' قابلِ دید ہیں۔ صرف عشق ومحبّت ہی نہیں بلکہ علم وشریعت کی زبان میں بھی آثار کی تعظیم کو مدلل فرمایا ہے اور عام طور سے جو شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں اُن کا اِزالہ فرمانے کے ساتھ بہت سے آداب ومسائل اور افراط وتفریط کے مابین حدود شرعیہ بھی لکھی ہیں۔

مجاہدہ:

ایک بار مجاہدہ کا ذکر آیا تو فرمایا: اس کے لیے اسّی (۸۰) برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے۔ اور صدقِ نیت کے ساتھ مشغولِ مجاہدہ ہو تو امدادِ الٰہی خود کارفرما ہوتی ہے۔ عرض کیا گیا: یہ تو اگر اسی کا ہو رہے تو ہوسکتا ہے۔ دنیوی ذرائعِ معاش اور دینی خدمات سب چھوڑنا پڑیں گی۔ فرمایا: اس کے لیے یہی خدمات مجاہدات ہیں بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ۔

امام ابواسحٰق اسفرائنی جب انھیں مبتدعین کی بدعات کی اطلاع ہوئی، پہاڑوں پر ان اکابر علما کے پاس تشریف لے گئے جو ترکِ دنیا و مافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو، اور امتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتنوں میں ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ امام یہ آپ ہی کا کام ہے، ہم سے ہو نہیں سکتا۔ امام وہاں سے واپس آئے اور بدمذہبوں کے رد میں نہریں بہائیں۔[۲۶]

امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے: ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا، پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی۔ نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتّے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار

کرتا رہتا ہے۔ مانیں، نہ مانیں یہ ان کا کام۔ فرمایا کہ

بھونکے جاؤ بس اس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان۔ جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں۔ اور اسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عُزلت نشین ہو گیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے نہ اس کی آنکھوں کو، نہ اس کے کانوں کو۔ اس سے کہیے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے۔ اور چاروں طرف سے موسَل کی مار پڑ رہی ہے۔[۲۷]

اب آپ امام احمد رضا کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انھوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے۔ پوری زندگی خدمتِ دین اور پیارے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں کو ہوشیار کرنے اور رہزنانِ دین کی گالیاں سننے میں بسر کی ہے جس کا نقشہ اس سے پہلے والے عنوان میں پیش کر چکا ہوں اور یہ سلسلہ بعد وصال بھی جاری ہے۔ ایک طرف ان کی تصانیف سے حفاظتِ دین و مسلمین ہوتی جا رہی ہے تو دوسری طرف مخالفین کی طرف سے گالیوں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے۔ یہی وہ عظیم مجاہدہ تھا کہ ان کے مرشد طریقت نے کسی اور ریاضت کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ خلافت و اجازت کے ساتھ تمغۂ امتیاز بھی بخش دیا کہ ''روزِ قیامت اگر احکم الحاکمین نے فرمایا: آلِ رسول تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔''

علامہ ابن الجوزی صفۃ الصفوۃ میں حضرت سفیان بن عیینہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں: **اَرفع الناس منزلۃ من کان بین اللہ و بین عبادہ و ھم الانبیاء و العلماء**۔ لوگوں میں سب سے بلند رتبہ وہ حضرات ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں۔ یہ انبیا ہیں اور علما[۲۸]۔

ایک صحرا نشیں خلوت گزیں عابدِ مرتاض صرف اپنے کو نارِ جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے اور ایک مخلص و بے ریا صاحبِ ہمّت و مجاہدہ عالم ربانی ایک جہان کو عذابِ آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے بھلا یہ اُس سے کم کیوں کر ہو سکتا ہے یقیناً یہ اس سے افضل و اعلیٰ ہے بشرطے کہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے اس کا مقصود ذاتِ احد اور خوشنودیِ خدا و

رسول ہو اور یہ شرط تو خلوت گزیں عابد مرتاض کے لیے بھی ہے۔ **ذٰلک فضلُ اللہ یؤتیہ مَن یَّشاء**۔

اب میں چاہتا ہوں کہ امام احمد رضا کے تصوّف عملی کے کچھ اور نظائر پیش کر دوں، ما سبق میں ضمناً ان کے عشقِ رسول، تعظیم رسول، محاسبۂ نفس، غیرتِ عشق اور مجاہدۂ علمی و عملی وغیرہ کا بیان آ چکا ہے۔

ایمان ویقین:

ولی اور صوفی کامل کے لیے لازمی شرط ایقان و ایمان میں عامۃ الناس سے زیادہ کامل ہونا ہے۔ اسی کو قرآن نے ''الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ'' میں ذکر فرمایا ہے یہ رسوخ و یقین امام احمد رضا کی پوری زندگی میں نظر آتا ہے۔ ان کے افکار و عقائد یقین کی محکم بنیادوں پر قائم ہیں۔ خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی۔ مگر جو عقیدۂ حقہ وہ رکھتے ہیں اس میں راسخ و مستحکم ہیں اور یہ استحکام صرف علم سے ہرگز پیدا نہیں ہوتا۔ اُس کے لیے عرفان ضروری ہے۔

اس عنوان پر میں نے اپنی کتاب میں قدرے تفصیل سے لکھا ہے اور متعدد شواہد پیش کیے ہیں۔ یہاں صرف ایک واقعہ درج کرتا ہوں۔

امام احمد رضا قدّس سرّہ بہت سے علوم وفنون کی طرح علم نجوم کے بھی ماہر تھے۔ عموماً اہل نجوم اپنے ظنّی علم پر اتنا وثوق و اعتماد رکھتے ہیں کہ خدا کی قدرت کو بھول جاتے ہیں۔ مگر امام احمد رضا کی کیفیت کچھ اور رہی ہے۔

مولانا محمد حسین صاحب بریلوی (موجد طلسمی پریس) کے والد مولانا غلام حسین صاحب جو علوم نجوم میں بڑے کمال کے حامل تھے ستاروں کی شناخت اور اس کے نتائج نکالنے میں کافی ملکہ تھا۔ عمر میں اعلیٰ حضرت قدّس سرہ سے بڑے اور ان کے والد ماجد قدّس سرّہ کے ملنے والوں میں تھے۔

یہ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت نے دریافت کیا: فرمائیے بارش کا کیا اندازہ ہے؟ کب تک ہوگی؟ انھوں نے ستاروں کی وضع

سے زائچہ بنایا اور فرمایا:

اس مہینے میں پانی نہیں ہے، آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت کی طرف بڑھایا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: اللہ کو سب قدرت ہے چاہے تو آج ہی بارش ہو۔ انھوں نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ فرمایا: محترم! میں سب دیکھ رہا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ستاروں کے واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔

پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑے آسان طریقہ پر سمجھایا۔ سامنے کلاک لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت نے ان سے پوچھا: وقت کیا ہے؟ بولے سوا گیارہ بجے ہیں، فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے: پون گھنٹہ۔ فرمایا: اس سے پہلے؟ کہا: ہرگز نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلیٰ حضرت اٹھے اور بڑی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے کہا تھا ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ بولے: اس کی سوئی کھسکا دی ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ بجتے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: اسی طرح رب العزت قادر مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن کیا، ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا فرمانا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھائی۔ اور فوراً پانی برسنے لگا۔ [۲۹]

کیا قدرتِ خداوندی پر ایسا ایمان و یقین کسی ماہر نجوم میں مل سکتا ہے۔ اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالم ظاہر کے یہاں دستیاب ہوسکتی ہے؟ یہ واقعہ بیّن دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت صرف عالم ہی نہیں بلکہ عارف اور صوفی کامل بھی تھے۔

یہ تو قدرتِ الٰہیہ پر ایمان و یقین کی بات ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہونا چاہیے اگر بالکل ہی نہ ہو تو مومن ہی کہاں اور اگر اس حد تک نہ ہو تو مومن ضرور ہے مگر عارف اور کامل الایمان ہرگز نہیں۔

تقویٰ:

امام احمد رضا کی پوری زندگی شریعتِ مصطفیٰ و سنت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی

پابندی سے آراستہ ہے۔ ان کے تقویٰ کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔ چند واقعات پیش کرتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ تقویٰ ہی نہیں ورَع کی منزلِ بلند پر فائز تھے اور اِنْ اَوْلِیَاءُ ہٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ کے مطابق متقی کامل اور ولیِ عارف تھے۔

امام احمد رضا کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا، اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی، دوسرے عمر مبارک کا آخری حصّہ اور ضعف و مرض کی شدّت۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخِ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت دیتی ہے کہ قضا کرے لیکن امام احمد رضا کا فتویٰ اپنے لیے کچھ اور ہی تھا جو درحقیقت فتویٰ نہیں تقویٰ تھا۔ انھوں نے فرمایا: بریلی میں شدّتِ گرما کے سبب میرے لیے روزہ رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے۔ یہاں سے نینی تال قریب ہے بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ میں وہاں جانے پر قادر ہوں لہٰذا میرے اوپر وہاں جاکر روزہ رکھنا فرض ہے چناں چہ رمضان وہیں گزارے اور پورے روزے رکھے۔

۲۵ رصفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے، مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے۔ مگر امام احمد رضا جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچاتے جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔

میں نے ''جمل النور فی نهی النساء عن زيارة القبور'' کے حاشیہ میں اپنے استاذ محترم حضور حافظ ملّت مولانا شاہ عبد العزیز مرادآبادی علیہ الرحمہ (۱۳۱۲ھ - ۱۳۹۶ھ) کی روایت سے لکھا ہے:

ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا جماعت کا وقت ہوگیا۔ طبیعت پریشان، ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضر مسجد ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ آج صحت و طاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترکِ نماز اور ترکِ جماعت کے ماحول میں یہ واقعہ ایک عظیم درسِ عبرت ہے۔ [۳۰]

ایک بار امام احمد رضا قدّس سرّہ اپنے علاقۂ زمین داری میں سکونت پذیر تھے۔

درد قولنج کے سخت دورے ہوا کرتے تھے۔ ایک دن تنہا تھے، فرماتے ہیں: ظہر کے وقت درد شروع ہوا۔ اسی حالت میں جس طرح بَنا وضو کیا۔ اب نماز کو کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ ربّ عزّ و جلّ سے دعا کی اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مدد مانگی، مولیٰ عزّ وجلّ، مضطر کی پکار سنتا ہے، میں نے سنتوں کی نیت باندھ دی۔ درد بالکل نہ تھا، سلام پھیرا، اسی شدت سے تھا، فوراً اٹھ کر فرضوں کی نیت باندھی درد جاتا رہا، جب سلام پھیرا وہی حالت تھی۔ بعد کی سنتیں پڑھیں، درد موقوف، اور سلام کے بعد پھر بدستور۔ میں نے کہا: اب عصر تک ہوتا رہ۔ پلنگ پر لیٹا کروٹیں لے رہا تھا کہ درد سے کسی پہلو قرار نہ تھا۔[۳۱]

خواہ یہ کہیے کہ حالت نماز میں درد یکسر اٹھالیا جاتا تھا یا یہ کہیے کہ توجہ الی اللہ اور استغراقِ عبادت کے باعث درد کا احساس نہ ہوتا تھا۔ بہرصورت امام احمد رضا کی مقبولیتِ بارگاہ اور ذوقِ عرفانی کی دلیل کافی ہے۔

اس طرح کے واقعات میں کہاں تک جمع کروں جب کہ ان کی پوری زندگی ان ہی حالات و کیفیات سے آراستہ و پیراستہ ہے۔

تواضع اور محاسبۂ نفس:

تصوُّف کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اپنے کو سب سے حقیر سمجھے۔ نفس کے خیالات و حرکات کا برابر محاسبہ کرتا رہے۔ اسی لیے ہم بڑے بڑے اولیائے کاملین کو دیکھتے ہیں کہ وہ خوفِ خاتمہ سے کانپتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور برابر اپنے کو گنہگار ہی کہتے لکھتے رہتے ہیں اور ان کا یہ کہنا نہ تو صرف زبانی ہوتا ہے اور نہ یہ کہ ان کا گناہ ہمارے جیسا گناہ ہوتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ان کا عرفان ہماری معرفت سے بدرجہا زائد ہوتا ہے اور ہمارے خوفِ خدا کو ان کی خشیتِ الٰہی سے کوئی نسبت نہیں۔ ہم صریح گناہ کر کے بھی نہ خدا سے ڈریں، نہ رسول سے اور خلق سے شرمائیں مگر ان کا حال ہی کچھ اور ہے۔ وہ جتنی بھی عبادت کرتے ہیں اپنے رب کے حضور اسے کچھ نہیں سمجھتے اور یہی خیال رکھتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا۔ اولیا تو اولیا سید الانبیا علیہ وعلیہم التحیۃ والثناء برابر استغفار کیا کرتے تھے جب کہ انبیا سے گناہ کا صدور محال ہے۔ دوسری طرف اولیا کا حال یہ بھی ہے کہ اگر بارگاہِ ذوالجلال کے

ادب اور شریعت کے حکمِ اولیٰ واَحَب کے خلاف بھی ان سے کچھ ہو جاتا ہے تو اسے بہت بڑا گناہ سمجھتے رہتے ہیں۔ ہم نے صفۃ الصفوۃ للامام ابن الجوزی میں اکابر اولیا کے اس طرح کے بے شمار واقعات پڑھے۔

ایک بار بازار میں آگ لگی جس میں حضرت سَرِیّ سَقَطی کی بھی دوکان تھی، انھیں خبر ہوئی تو دیکھنے گئے، کسی نے بتایا: آپ کی دوکان محفوظ ہے زبان سے نکلا ''الحمد للہ'' پھر فوراً اپنا محاسبہ کیا کہ اور مسلمانوں کی دوکانیں جل گئیں، تیری بچ گئی تو یہ الحمد للہ کہنے کا کیا موقع تھا؟ ایک موقع پر فرمایا: اس ''الحمد للہ'' پر تیس سال سے استغفار کر رہا ہوں۔[۳۲]

اس واقعہ سے اندازہ کر لیں کہ ان کے گناہ اور استغفار کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔

اما احمد رضا قدّس سرّہ کی پاک زندگی میں صوفیہ کا یہ عملی جوہر بھی بڑی آب وتاب سے نظر آتا ہے۔ ان کے ارشاد سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفس کا کیسا سخت محاسبہ رکھتے تھے اور بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے کو کیسا کچھ کہا کرتے تھے۔ اور بلاشبہہ اس میں تصنُّع اور بناوٹ کو کچھ دخل نہ تھا کہ اس کا حکم تو عُجب و کبر سے بھی سخت ہوگا۔ جو خدا کا خوف رکھتا ہو کبھی جھوٹے انکسار و تواضع کا مرتکب نہ ہوگا۔

فرماتے ہیں:

نفس یہ کیا ظلم ہے جب دیکھو تازہ جرم ہے
ناتواں کے سر پر اتنا بوجھ بھاری واہ واہ

خصوصاً جہاں شفاعتِ سرکار کا ذکر لاتے ہیں وہاں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی گنہ گاری کا تذکرہ کچھ عجیب انداز میں کرتے ہیں۔

دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیش تر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

خشک ہے خون کہ دشمن ظالم
سخت خوں خوار ہے کیا ہونا ہے

ارے او مجرمِ بے پروا دیکھ
سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے
کام زنداں کے کیے اور ہمیں
شوقِ گلزار ہے کیا ہونا ہے

بعض بے خرد نوافل گزار ایسے ہیں کہ دوسروں کو ترکِ نفل پر بہت بُرا کہتے ہیں غیبتیں بھی کرڈالتے ہیں۔ اس ارتکابِ حرام سے تو اُس نفل و مستحب کا ترک ہی اچھا تھا۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں روسر کی شکر کا مسئلہ پیش آیا۔ بڑا ہی عالمانہ ومحققانہ جواب سپرد قلم فرمایا، جس سے فی الجملہ اس شکر کی حلّت ثابت ہوتی ہے، کسی کو شبہہ ہوسکتا تھا کہ شاید آں جناب خود استعمال فرماتے ہوں اس لیے اتنی کاوش فرمائی۔ اس لیے آخر میں رقم طراز ہیں:

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے آج تک اس شکر کی صورت نہ دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد۔ مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا۔ نہ جو مسلمان استعمال کریں (ان کو) آثم خواہ بے باک جانتا ہے۔ نہ تورُّع و احتیاط کا نام بدنام کرکے عوام مومنین پر طعن کرے۔ نہ اپنے نفس ذلیل مہین رذیل کے لیے ان پر ترفّع وتعلّی روا رکھے۔ و باللہ التوفیق۔[۳۳]

آخری جملہ بار بار پڑھیے، انکسار و تواضع کا کامل نمونہ بھی ہے اور درسِ عبرت بھی۔

اخلاص اور حسنِ نیت:

ظاہری اعمال کی پابندی بہت سے لوگوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ خوارج و وہابیہ اور فرقۂ معتزلہ میں ایک سے ایک عابدِ مرتاض اور زاہدِ متقشف دیکھے جاسکتے ہیں لیکن صحت ایمان کے بعد حسنِ عمل اسی وقت کارآمد ہے جب اس کی بنیاد للّٰہیت اور خلوصِ نیت پر ہو، امام احمد رضا کے خانگی معاملات، علمی خدمات اور عملی مجاہدات میں یہی اخلاص جلوہ فرما تھا۔

حضرت جنید بغدادی نے صاحب اولاد ہونے کے باوجود اپنے خادم سے فرمایا دریا اس پار رہنے والے درویش کی خدمت میں کھانا دے آؤ اور دریا سے کہہ دینا: میں اس کا

بھیجا ہوا ہوں جو کبھی بیوی کے پاس نہ گیا، دریا راستہ دے دے گا۔ واپسی کے وقت درویش نے کھانا کھا کر فرمایا جاؤ، دریا سے کہہ دینا میں اس کے پاس سے آیا جس نے کبھی کھانا نہ کھایا تو دریا راستہ دے دے گا۔ اور واقعی اس نے دونوں بار راستہ دے دیا۔ ان کی حیرت پر حضرت سید الاولیا نے فرمایا: ہمارا کوئی کام اپنے لیے نہیں ہوتا۔

یہ اخلاص اور حسن نیت کے نتائج اور ثمرات ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

لاکھوں مسائل و احکام فرقِ نیّت سے متبدّل ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: انما الاعمال بالنیات و انما لکل امرء ما نویٰ۔ علمِ نیت ایک عظیم واسع علم ہے جسے علماے ماہرین ہی جانتے ہیں۔ عوام بے چارے فرق پر مطلع نہ ہو کر ان کے افعال کو اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگا دیتے اور ”کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر“ کے مورد بنتے ہیں۔[۳۴]

سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ولایت کی تین علامتیں ہیں: (۱) ہر چیز میں اللہ عزّ وجلّ ہی سے نیازمندی و استغنا باللہ۔ (۲) ہر چیز میں قناعت باللہ۔ (۳) ہر چیز میں رجوع الی اللہ۔

یہ نقشہ امام احمد رضا قدّس سرّہ کی زندگی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ امام احمد رضا قدّس سرہ مولانا عبد السلام جبل پوری علیہ الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

ڈھائی سال سے اگر چہ امراض درد کمر و مثانہ وسرو غیرہا امراض کالازم ہو گئے ہیں۔ قیام وقعود، رکوع وسجود بذریعہ عصا ہے۔ مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت عطا فرمائی ہے۔ کثرتِ اَعدا روزافزوں ہے اور حفظِ الٰہی تفضیلِ نامتناہی شاملِ حال ہے۔ و الحمد للہ رب العلمین۔

بایں ضعفِ بدن وقوتِ محن وکثرتِ فتن بحمد اللہ تعالیٰ اپنے کاموں سے معطّل نہیں۔ اللہ ورسول جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا ظاہری معین ومددگار عنقا ہے اور ان کے سوا کسی کی حاجت بھی کیا ہے؟[۳۵]

یہ وہی استغنا باللہ، قناعت باللہ، اور رجوع الی اللہ ہے جسے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علاماتِ ولایت بتایا۔ حقیقت یہی ہے کہ لذّتِ آشنائی نے ان کو دونوں عالم سے بے نیاز کر دیا تھا۔ خود فرماتے ہیں:

مالِ دنیا تو کوئی چیز نہیں ہے سرمد
آنکھ اٹھا کر نہ کبھی دیکھوں سوئے ملک ابد
سب یہ الفت کی بدولت ہے غنائے بے حد
حبّذا آفریں اے دولتِ عشقِ احمد
میں گدائی کے بھی پردے میں سکندر نکلا

وہ اپنی دینی خدمات پر کبھی اجرتِ دنیا کے طالب نہ ہوئے۔ بعض حضرات نے ناواقفی میں استفتا کے ساتھ یہ بھی پوچھ دیا کہ فتوے کی فیس کیا ہوگی؟ جواباً تحریر فرمایا:

یہاں بحمد اللہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی، کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا اور نہ لیا جائے گا بعونہ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست ہمت ہیں جنھوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی۔ بھائیو! وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو سارے جہاں کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے۔ [۳۶]

ہزار ہا فتاویٰ میں نے کھنگالے، بہت سی ضمنی باتیں جو خطوط میں ہوتی ہیں آ گئی ہیں مگر کسی جگہ یہ نہ ملا کہ جواب کے لیے لفافہ یا ٹکٹ نہ تھا، اس لیے جواب نہ گیا، یا دیر ہوئی۔ نہ کسی کو یہ تنبیہ ملتی ہے کہ جواب کے لیے ٹکٹ رکھا کریں، برخلاف اس کے ایسا ضرور ملتا ہے کہ بعض علم دوست حضرات کا شوق دیکھ کر بلا طلب ان کے پاس رجسٹری سے کتاب عاریۃً بھیج دی۔ اور لکھ دیا کہ بعد مطالعہ بیرنگ واپس کر دیں، یہ ایسی کتاب کے لیے ہوتا جس کا ایک ہی نسخہ ہو، ورنہ مفت ہدیہ کر دیتے۔ خود فتاویٰ کے ضمنی الفاظ سے میں نے یہ حالات دریافت کیے۔

مسلمانوں کی حاجت برآری ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مولانا مقبول احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ کو ایک بزرگ نے تعویذ دیا اور شرف آفتاب میں کندہ کر کے پہننے کی

ہدایت کی۔ انھیں شرف آفتاب بتانے والا کوئی نہ ملا تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو خط لکھا، خط پہنچنے کے دوسرے دن سے شرف آفتاب شروع ہو کر چوبیس گھنٹے میں ختم ہو جانے والا تھا، کارڈ لکھتے تو یقیناً وقت گزرنے کے بعد پہنچتا اور پھر ایک سال کے بعد ہی ان کا کام ہو پاتا۔ اس لیے فوراً ٹیلی گرام سے جواب دیا۔ صرف اس لیے کہ ایک مسلمان طالب علم کی دینی حاجت یا دنیاوی جائز ضرورت پوری ہو جائے اور اسے ایک سال انتظار کی زحمت نہ جھیلنی پڑے۔ [۳۷]

برخلاف اس کے خود علما و مشائخ کو کسی کام کے لیے لکھتے تو جواب کے لیے ٹکٹ رکھتے۔ بسا اوقات اپنے تلامذہ و خدام کو بھی رجسٹری یا پارسل وغیرہ کے خرچ بھیجتے جب کہ مریدین و مخلصین کو اپنے شیخ کے لیے خود اپنی جیب سے ہزار ہا ہزار خرچ کر دینے میں کوئی بار محسوس نہیں ہوتا۔

عموماً لوگ بزرگوں کے یہاں بھی دنیاوی حاجتیں لے کر جاتے ہیں۔ خصوصاً کسی کے بارے میں صحیح علم ہو گیا کہ یہ ولی اللہ ہیں تو پھر اس کے یہاں دنیاوی حاجتوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے، مگر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ میں کبھی کسی بزرگ کے یہاں حاجتِ دنیا لے کر حاضر نہ ہوا۔

بریلی میں ایک مجذوب بشیر الدین رہتے تھے۔ ان کے یہاں بچپن میں حاضر ہوئے۔ دریافت فرمایا: مقدمہ کے لیے آئے ہو؟ عرض کیا: مقدمہ تو ہے مگر میں اس کے لیے نہیں آیا، صرف دعائے مغفرت وسعادت کا طالب ہوں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ وہ دعا دیتے رہے۔

منیٰ کی مسجد خیف میں ایک صاحبِ باطن کے ذکر قلب سے حدیث کے مطابق شہد کی مکھیوں جیسی آواز محسوس کر کے ان کی طرف قدم بڑھایا تو کسی حاجتِ دنیا کے لیے نہیں بلکہ صرف دعائے مغفرت کے لیے، وہ بھی صاحبِ کشف تھے۔ قدم بڑھاتے ہی دعا کرنے لگے۔ اللھم اغفر لاخي هذا . اللھم اغفر لاخي هذا (اے اللہ! میرے اس بھائی کی مغفرت فرما) اعلیٰ حضرت نے سمجھ لیا کہ کام ہو گیا۔ اب ان کے اوقات میں مخل ہونا زیبا نہیں اور واپس آئے۔

امام احمد رضا کی زندگی کو جس قدر گہری نظر سے دیکھا جائے گا۔ اس طرح کے آبدار

موتیوں کی جلوہ ریزیاں عام ہوتی نظر آئیں گی۔ان جلووں کو کوئی کہاں تک سمیٹے۔مطالعہ حیران ہے اور زبان وقلم قاصر۔مختصر یہ کہ اخلاص اور للّٰہیت نے ان کے قلب وذہن کو پوری طرح معطر کر رکھا تھا۔ان کی نظر ذاتِ اَحَد سے جدا نہیں ہوتی۔ **و له الحمد و المنّة**۔

بارگاہِ قادریت:

سلوک وتصوُّف اور ارادت وطریقت میں ضروری ہے کہ اپنے آقائے نعمت سے بھر پور تعلقِ خاطر ہو۔جبھی فیضانِ قلب ونظر سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔امام احمد رضا اپنے مرشد گرامی سے سچی عقیدت رکھتے ہیں یہاں تک کہ اپنی علمی تصانیف کو بھی ان ہی کا فیض قرار دیتے ہیں۔رسالہ ”**حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین**“جوفنّ حدیث میں امام احمد رضا کی وسعتِ نظر اور کامل دستگاہ کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اس کے آغاز میں اپنے استاذ گرامی والد ماجد قدّس سرّہ کے ساتھ مرشدِ برحق کا ذکر بھی عجب والہانہ انداز میں لاتے ہیں۔ اسی طرح اوپر کے تمام مرشدوں کا جہاں بھی تذکرہ کرتے ہیں بڑی ممنونیت وعزت کے ساتھ کرتے ہیں۔لیکن سلسلۂ قادریہ کے مرشدین اپنے مرید سے یہی فرماتے ہیں کہ ہم نے تیرا ہاتھ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے دست پاک میں دیا۔اس لیے اس سلسلہ والوں کے اصل مرشد وشیخ ،سیدنا عبد القادر جیلانی ہی ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دیگر اکابر کی طرح حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور امام احمد رضا قادری بھی اس سرکار سے نسبتِ غلامی کا بڑا پُر کیف اظہار فرماتے ہیں۔اعلیٰ حضرت نے بے شمار موقعوں پر فرمایا اور متعدد مقامات پر لکھا کہ یہ آستانِ قادریت کی غلامی کا صدقہ ہے۔

مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری برکاتی مدراسی حیدرآبادی نے اطلاع دی کہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری قصیدۂ غوثیہ کی شرح لکھ رہے ہیں۔اور بعض لوگ اس قصیدے کی عربیت پر کلام رکھتے ہیں۔ان کا رد بھی اچھی طرح کر رہے ہیں۔آپ اس قصیدے کی نسبت اور عربیت سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟اعلیٰ حضرت نے جواب میں اولاً اس کی نسبت کی صحت ثابت کی، پھر اس کی عربیت سے متعلق دس نکات تحریر فرمائے۔جن میں یہ مان کر کہ ممکن ہے اس کی عربیت میں کمی ہے بطور تنزُّل کلام کیا۔اور نکتہ ثانیہ میں اکابر علما واُدَبا کی تیس عبارتیں پیش کیں جن میں

قواعد عربی کی رعایت نہ تھی، وہ بھی نثر میں۔جواب کے آخر میں فرماتے ہیں:

> الحمد للہ کلام اپنے منتہیٰ کو پہنچا اور ارتیابِ مُرتاب اپنی سزا کو۔مگر ابھی تو یہیں حضرت معترض کی مزاج پُرسی کرنی ہے۔ ذرا مہربانی فرما کر اپنے اعتراضاتِ تفصیلی سے اطلاع دیں اور اس وقت جواب تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں۔ ہاں ہاں! اصلاً نہ شرمائیں۔ جہاں تک اعتراض خاطر میں آئیں، سب ایک ایک کر کے بیان فرمائیں۔کچھ اٹھا رکھنے کی تکلیف ہرگز نہ اٹھائیں۔ہم بھی تو جانیں کہ قصیدۂ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں جن کی بنا پر یہ شورا ٹھائے ہیں۔ابتدا میں فرماتے ہیں:

> فقیر اپنے مجموعۂ فتاوی کی جمع وتہذیب، رسائل والد ماجد کی تبییض وترتیب، رسائل کثیرہ کی ترصیف اور کئی رسائل جدیدہ کی تصنیف میں مشغول تھا۔قصد کیا یہ نہایت اجمال چند سطر میں ایک مختصر جواب حاضر کرے۔ ۲۵/ذی الحجہ (۱۳۰۶ھ) روز جمعہ مبارکہ کو اس طرف عزم کیا۔سرکار فیض بار حضرت قادریت مدار۔علیہ رضوان الغفار کا نام پاک سرکار اقدس سے نظرِ اوّل میں وہ جوشِ فیضان ہوا کہ عنانِ قلم روکتے روکتے ایک مُوجز رسالے کا سامان ہوا۔[۳۸]

محدث اعظم مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی قدّس سرّہ فرماتے ہیں: اعلیٰ حضرت نے مجھے کار افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی۔اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحہ غوثیہ کر کے دست کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا کہ شاید کسی حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے۔لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے، سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرّہ

زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت اس ذرّے کو نوکِ زبان سے اٹھا رہے ہیں... اس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت ومحبت میں ڈوب گئے۔ (یہ واقعہ رزق کی تعظیم کے ساتھ بارگاہِ غوثیت کے اعزاز کا بھی پتہ دیتا ہے۔۱۲م) اب میں سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ کچھ نہیں یہ آپ کے جدّ امجد (سرکار غوثیت) کا صدقہ ہے وہ مجھے خاموش کر دینے کے لیے ہی نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دِلانا مقصود تھی بلکہ درحقیقت اعلیٰ حضرت غوث پاک کے ہاتھ میں چوں قلم دردستِ کاتب تھے۔[۳۹]

اس کے دوسرے شواہد بھی ہیں، بچپن سے بارگاہِ قادریت کا ادب ملحوظ رہا۔ چھ برس کی عمر میں معلوم ہوگیا کہ بغداد شریف کس سمت ہے اس وقت سے تا زندگی ادھر کبھی پاؤں نہ پھیلایا۔ سمتِ قبلہ کا احترام تو آدابِ شرع میں داخل ہے مگر سمتِ مرشد کا ادب بارگاہِ عشق کا حصہ ہے۔

اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد کے ساتھ ایک سواری بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔[۴۰]

حقیقت بھی یہی ہے کہ امام احمد رضا قدّس سرّہ کو بارگاہِ قادریت سے وہ عقیدت والفت تھی جو ایک سچے قادری کا حق ہے اور اس سرکار کی وہ عظمت وعزت ان کے پیشِ نظر تھی جو حضور غوثیت مآب کو سرکار مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا کی طرف سے کرامت ہوئی۔ عرض کرتے ہیں:

ترا ذرّہ مہِ کامل ہے یا غوث — ترا قطرہ یمِ سائل ہے یا غوث
کوئی سالک ہے یا واصل ہے یا غوث — وہ کچھ بھی ہو ترا سائل ہے یا غوث
کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا — رضا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث
واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا — اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا — اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

بحر و بر، شہر وقریٰ، سہل وحَزن، دشت وچمن — کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا

ارشادِ غوثِ اعظم:

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَ شَمْسُنا۔اَبداً علیٰ اُفُقِ الْعُلیٰ لاتَغْرُبُ۔

کی ترجمانی فرماتے ہیں:

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے — افقِ نور پہ ہے مِہر ہمیشہ تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدّام — باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا
مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر — کون سی کِشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

بعض لوگ اولیا میں سے دوسرے محبوبوں کو بھی سیدنا غوثِ اعظم قدّس سرہ کا ہمسر جانتے، ان کا رد فرماتے ہیں۔

اور محبوب ہیں، ہاں پر سبھی یکساں تو نہیں — یوں تو محبوب ہے ہر چاہنے والا تیرا

بعض بزرگوں سے ایسے کلمات صادر ہوئے جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ خود کو غوث اعظم سے بھی برتر سمجھتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد ہے۔ جس سے بھی اس قسم کے کلمات ادا ہوئے یا تو براہِ سُکر یا بوجہِ ناواقفی۔ ہوش اور علم میں آنے کے بعد سب نے اعتراف کیا، اس پر واقعات بھی بیان فرمائے ہیں۔[۴۱] یہاں بھی اشارہ کرتے ہیں:

مشائخ میں کسی کی تجھ پہ تفضیل — بحکمِ اولیا باطل ہے یا غوث
سُکر کے جوش میں جو ہیں وہ تجھے کیا جانیں — خضر کے ہوش سے پوچھے کوئی رتبہ تیرا

عجز و نیاز کا منظر بھی دیکھیں:

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد

ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا
تیری عزّت کے نثار، اے مرے غیرت والے
آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بَردہ تیرا

استمداد واستعانت کرتے ہوئے عرض گزار ہیں:

جلا دے دیں، جلا دے کفر و الحاد — کہ تو محیی ہے تو قاتل ہے یا غوث
ترا وقت اور پڑے یوں دین پر وقت — نہ تو عاجز نہ تو غافل ہے یا غوث
تو قوت دے، میں تنہا، کام بسیار — بدن کمزور، دل کاہل ہے یا غوث
عدو بددین، مذہب والے حاسد — تو ہی تنہا کا زورِ دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کردے — کہ بدتر دِق سے بھی یہ سِل ہے یا غوث

فضل غوثیت کے منکروں اور شانِ قادریت میں ہرزہ سرائیاں کرنے والوں کی طرف یوں التفات ہے:

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے — یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
سَمِّ قاتل ہے خدا کی قسم ان کا انکار — منکرِ فضلِ حضور آہ یہ لکھا تیرا

سرکارِ غوث اعظم کا ارشاد ہے: "تکذیبُکم لي سَمٌّ قَاتِلٌ لادْیانِکم و سببٌ لِذَھابِ دُنیاکم و اُخرا کُمۡ۔" میرے ارشاد کو خلاف بتانا تمھارے دین کے لیے زہرِ قاتل اور تمھاری دنیا وعقبیٰ کی بربادی کا سبب ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ [۴۲]۔ اسی طرف اشارہ ہے:

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی — دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا
حکم نافذ ہے ترا، خامہ ترا، سیف تری — دم میں جو چاہے کرے، دَور ہے شاہا تیرا

نسبتِ قادری اور غیرتِ نسبت کا اثر بھی امام احمد رضا پر ویسا ہی تھا جو اکابر اولیا کو اپنے شیوخ کی بارگاہوں میں ہوتا۔ ایک بار عرض کیا گیا: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جو بزرگوں میں ہیں) فرمایا: "جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے یَا زروق کہہ کر ندا

کرے۔ میں فوراً اس کی مدد کروں گا۔" اعلیٰ حضرت نے فرمایا: "مگر میں نے کبھی اِس قسم کی مدد نہ طلب کی، جب کبھی میں نے استعانت کی یا غوث ہی کہا۔ یک درگیر، محکم گیر۔ میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ میں حاضر ہوا اِحاطہ میں مزامیر وغیرہ کا شور مچا تھا، طبیعت منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا: حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اِس شور وشغب سے مجھے نجات ملے۔ جیسے ہی پہلا قدم روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا سب یکدم چپ ہو گئے، میں سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے، قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا پھر وہی شور وغل تھا پھر اندر قدم رکھا پھر وہی خاموشی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تصرف ہے۔ یہ بیّن کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی بجائے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسم مبارک کے "یا غوثاہ" زبان سے نکلا۔ وہیں میں نے اکسیر اعظم (۱۳۰۲ھ) قصیدہ درشانِ غوث اعظم بھی تصنیف کیا۔ [۴۳]

اس قصیدے میں عرض کرتے ہیں:

سر توئی سرور توئی سر را سرو ساماں توئی
جاں توئی جاناں توئی جاں را قرارِ جاں توئی

سیدنا غوث اعظم نے بغداد میں جب برسرِ منبر فرمایا تھا: میرا یہ قدم ہر ولیُّ اللہ کی گردن پر ہے، تو اولیائے روے زمین کی طرح حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی جواب دیا۔ "بل علیٰ عیني و راسي، بلکہ میرے چشم وسر پر" اس کیفیت کو بھی نظم فرمایا ہے:

بہر پایت خواجۂ ہنداں شہِ کیواں جناب
بل علیٰ عینی و راسی گوید آں خاقاں توئی
بندہ ات، غیرت بَرد، گر بر درِ غیرت رود
وَر رَود چوں بنگرد ہم شاہِ آں ایواں توئی

قصیدہ اکسیر اعظم (۱۳۰۲ھ) کی ایک فارسی شرح مجیر معظم (۱۳۰۳ھ) خود اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ نے لکھی تھی۔ قصیدہ اور فارسی شرح کی اولین اشاعت راقم کے اردو ترجمہ

’’تابِ منظّم‘‘ (۱۴۳۳ھ) کے ساتھ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء میں المجمع الاسلامی مبارک پور اور رضا اکیڈمی ممبئی سے ہو چکی ہے۔

اس تفصیل کا مدعا یہ ہے کہ بارگاہِ قادریت سے متعلق اعلیٰ حضرت نے جو عرض کیا ہے کہ ؂

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

یہ صرف شاعرانہ دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ انھوں نے ناموسِ غوثیت کی حفاظت اور فضائل قادریت کے اظہار واعلان میں کوئی فروگذاشت روا نہ رکھی، وہ ان کی محبت میں اعدا کی کوئی پروانہ کرتے تھے، البتہ دوستوں کے اعتقاد واعتماد کے تحفظ کی خاطر ہر شبہہ واعتراض کا شافی جواب دینا اپنا فرض منصبی ضرور سمجھتے تھے وہ تو فرماتے ہیں:

دِل اعدا کو رضا تیز نمک کی دُھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

اس کے بعد چوتھا قصیدہ کہتے ہیں جس کا مقطع ہے:

اے رضا چیست غم ار جملہ جہاں دشمنِ تست
کردہ ام مامنِ خود قبلۂ حاجاتے را

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد مبارک کے مطابق وہ اس پر کامل اعتماد رکھتے ہیں کہ ان کے اقوال کی تکذیب اور ان کے احوال کا انکار اپنی عاقبت کی بربادی ہے اشعار میں بھی اس طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ اسی اعتماد واعتقاد کا ثمرہ ہے کہ مشکل مسائل میں حضرت قادریت سے ان پر فیوض وعلوم کی بارش ہوتی کہ اثر خامہ دیکھتے رہیے۔ اس بارشِ فیض کا خود بھی ذکر فرماتے ہیں۔ رسالہ ’’اَنھار الانوار مِنْ یمّ صلاۃِ الاسرار‘‘ کے آخر میں رقم طراز ہیں:

یہ ہے جو اسے گدائے سرکارِ فیض بارِ قادریہ پر، برکات ونعماتِ حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فائض ہوا ع

گر قبول افتد زہے عزّ وشرف

گدائے بے نوا، فقیر ناسزا، اپنے تاجدار عظیم الجود، عمیم العطا کے لیے نعمت وکرم بے علّت سے اس صلے کا طالب کہ عفو وعافیت وحسنِ عاقبت کے ساتھ اس دار ناپائیدار سے رخصت ہوتے۔ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتولِ زہرا کے لختِ جگر، علی مرتضیٰ کے نورِ نظر، حسن وحسین کے قُرۂ بصر، محیِ سنتِ ابی بکر وعمر **صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب و علیھم و سلم** یعنی حضور غوثِ صمدانی، قطب ربانی، واہبُ الآمال ومُعطی الامانی حضور پرنور غوثِ اعظم، قطبِ عالم، محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی **رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ و جعل حِرزنا فی الدارین رِضاہ** کی محبت وعشق و عقیدت واتباع واطاعت پر جائے۔ اور جس دن ’’یَوْمَ نَدْعُو کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ‘‘ کا ظہور ہو یہ سراپا گناہ، زیر لوائے بے کس پناہ، سرکار قادریت ظلِّ الٰہ جگہ پائے۔ **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر**[۴۴]

اسی نسبت وعقیدت کا صلہ تھا کہ اربابِ باطن کو سرکار غوثیت سے یہی بتایا گیا کہ ہمارا نائب بریلی میں احمد رضا ہے۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ نواسنج ہیں ؂

تمھیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں
امام اہلِ سنّت نائب غوث الوریٰ تم ہو

تصوُّفِ علمی اور تعلیماتِ تصوُّف:

یہ باب پہلی دونوں قسموں سے زیادہ وسیع نظر آتا ہے کیوں کہ تعلیمات میں تصوّف اعتقادی اور تصوُّف عملی دونوں کی تشریحات وتوضیحات ملتی ہیں۔ خاص فنِ تصوف میں بھی امام احمد رضا قدس سرہ کی تصنیفات ہیں۔ جن میں سے صرف تین چار ہماری نظر سے گزر سکی ہیں۔

(۱) **کشف حقائق واسرار ودقائق ۱۳۰۸ھ:** یہ رسالہ بعض مشکل اشعار کی نہایت

آسان اور سادہ شرح پر مشتمل ہے۔

(۲) **الیاقوتة الواسطة فی قلب عقد الرابطة ۱۳۰۹**ھ: یہ رسالہ سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثنا، اولیاے کرام اور اپنے مرشد و شیخ کی طرف روحانی توجہ اور ان سے رابطۂ قلبی قائم کرکے کسب فیض سے متعلق ہے۔ مشائخ اور اولیاے کرام کے نزدیک یہ طریقہ رائج و معمول ہے، بعض حضرات کو اس سے انکار ہوا تو اس کے جواز و ثبوت میں یہ مختصر، جامع اور علمی و تحقیقی رسالہ سپرد قلم فرمایا۔ مطبع اہلِ سنّت بریلی سے کئی بار شائع ہوا۔

(۳) **اَنھار الاَنوار من یمِّ صلاۃِ الاَسرار ۱۳۰۵**ھ: یہ رسالہ صلاۃ الاسرار معروف بہ نماز غوثیہ کے ثبوت اور بہت سے اسرار و دقائق کے بیان میں ہے۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں شامل ہے۔

(۴) **اَزھار الاَنوار مِنْ صبا صلاۃِ الاَسرار ۱۳۰۵**ھ: نمازِ غوثیہ کے طریقہ اور اسرار و نِکات کے بیان میں رقم فرمایا گیا۔ یہ بھی فتاویٰ رضویہ جلد سوم میں شامل ہے۔

ان کے علاوہ دیگر علمی تصانیف میں جو مضامینِ تصوّف جا بجا آ گئے ہیں ان کا شمار نہیں۔ اور سب کی جمع و ترتیب بہت مشکل ہے۔ فن تصوف کی مشہور کتب احیاء العلوم۔ ابریز شریف۔ حدیقۂ ندیہ وغیرہ کے حواشی بھی تحریر فرمائے ہیں۔ علم تکسیر و جفر جو خاص علوم مشائخ و اولیاے کرام سے ہیں ان میں بھی مفید و جلیل تصنیفات ہیں۔ خصوصاً فن تکسیر میں تو ایجاد کا درجہ رکھتے تھے۔

میں یہاں تکمیل اقسام کے لیے چند افادات کا ذکر کرتا ہوں جو حضرات مزید تحقیق چاہیں وہ خود اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کی تصانیف کی طرف رجوع کریں۔

(۱)

الدولۃ المکیۃ میں وحدت وجود و شہود و معبود سے متعلق رقم طراز ہیں: حقیقی وجود صرف اللہ کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لَبِید شاعر کا یہ قول ہے: ''اَلَا کُلُّ شیءٍ مَا خَلَا اللّٰہ بَاطِلٌ''۔ ہمارے

نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمۂ لا اِلٰہ اِلاّ اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں۔ اور اخصّ الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں اور جو مقامِ نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور سب حق ہے۔ مدارِ ایمان اوّل پر ہے، مدارِ صلاح دوم پر، کمالِ سلوک سوم پر، اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظِّ کامل عطا فرمائے۔ اپنے احسان و کرم سے۔ آمین۔[۴۵]

اہلِ حق اور صوفیۂ کرام کا مشہور عقیدہ ہے۔ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ۔ علامہ فضل حق خیرآبادی نے ''الروض المجود فی وحدۃ الوجود'' کے آخر میں اس پر دل چسپ بحث کی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: تشبیہ محض کفر ہے اور تنزیہ محض گمراہی۔ اور تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدۂ حقہ اہلِ سنت ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ یہ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے۔ تشبیہ محض تو یہ ہوئی کہ وہ ہماری ہی طرح ایک جسم ہے، یہ کفر ہے۔ تنزیہ محض یہ کہ دیکھنے سننے میں اس کو بندوں سے مشابہت لازم آتی ہے لہٰذا اس کا بھی انکار کر دیا جائے کہ خدا دیکھتا سنتا ہے یہ کچھ اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ گمراہی ہے۔

اصل صحیح عقیدہ یہ ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس کی مثل کوئی شے نہیں۔ یہ تنزیہ ہوئی اور ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ وہی سننے دیکھنے والا ہے۔ یہ تشبیہ ہوئی۔ مگر جب سننے دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں۔ وہ بے آلات کے سنتا دیکھتا ہے۔ یہ نفی تشبیہ ہوئی کہ بندوں سے جو وہم مشابہت ہوتا ہے اس کو مٹایا تو ماحصل وہی نکلا۔ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ۔[۴۶]

(۲)

علم رسالت وغیرہ سے متعلق تصوف اعتقادی کے بیان میں گزر چکا ہے کہ امام احمد رضا کا عقیدہ اور ان کی تعلیمات صوفیہ و عارفین کے مسلک حق و تحقیق کے عین مطابق ہیں اور وہ ہمیشہ اس پر سختی سے کاربند رہے۔ جہاں بھی ذکر کیا اس سے سرِمو انحراف گوارا نہ ہوا۔

اب میں نماز سے متعلق بعض لطائف ونکات کا تذکرہ کرتا ہوں جسے ان شاء اللہ تعالیٰ اربابِ ذوق وعرفان قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ہوسکا تو بعض الفاظ کی تسہیل وتلخیص بھی کروں گا۔رقم طراز ہیں:

نماز کے اکثر افعال واحکام اُن اسرار وحِکَم پر مبنی ہیں جن کا مدار حقیقتاً صرف اہلِ قلوب کے روشن وبلند احوال پر ہے۔عوام بھی صورتِ احکام میں اُن کے شریک ہیں۔مثلاً

(۱) دن والی نماز میں اِخفا واجب ہوا اور

(۲) رات والی میں جَہر کہ رات آیتِ لطف ہے اور اس کی تجلّی لطیف۔اور دن آیتِ قہری ہے اور اس کی تجلّی شدید۔پھر قرآن، کلامِ الٰہی کی تجلی جہری تجلّیِ سِرّی سے بہت قوی وگرم۔لہٰذا اعتدال وتعدیل کے لیے تجلّی قہری کے ساتھ ٹھنڈی تجلّی رکھی گئی اور تجلّی لطفی کے ساتھ گرم۔

(۳-۴) جمعہ وعیدین میں دن ہونے کے باوجود جَہر کا حکم ہوا کہ بوَجہِ کثرتِ حاضرین اُنس حاصل اور دہشت زائل۔اور قلب بوجہِ شہودِ خلق شہودِ تجلّی سے قدرے ذاہل (غافل) بھی ہوگا۔ساتھ ہی ایک ہفتہ کی تقصیرات جمع ہوکر حجاب میں ایک قسم کی قوت پیدا کرتی ہیں، تو گاہے گاہے یہ علاج مناسب ہوا جو اپنی حرارت سے اُسے گلا دے۔جیسے اَطِبّا خطوطِ دقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادراً ابغرضِ مشق وتمرین اُسے علاج سمجھتے ہیں۔

(۵) نمازِ کسوف میں گو جماعت کثیر اور وقفہ طویل ہے پھر بھی اِخفا ہی رہا کہ وہ وقتِ تخویف وتجلّی جلال ہے اور وقفہ طویل ہے۔جہر نہ ہوسکے گا۔

(۶) اسی لیے ہمارے نزدیک نمازِ جنازہ میں اصلاً قرأت نہیں کہ یہ ہیبتِ عظیم وتجلّیِ جلال، تجلّیِ شدید قرآنی سے جمع نہ ہو۔اور جو قرأت کہتے ہیں وہ بھی جہر نہیں رکھتے کہ شدت پر شدت بڑھ جائے گی۔

(۷) شب کو آٹھ رکعت تک ایک نیت سے جائز۔اور دن کو چار سے زیادہ منع کہ سنتِ الٰہیہ ہے تجلّی شیئاً فشیئاً وارد کرتے اور ہر ثانی میں اوّل سے قوی بھیجتے ہیں تو تجلّی گرم نہاری کے ساتھ چار سے آگے تاب نہ آئے گی۔

(۸) اسی لیے ہر دو رکعت پر جلسۂ طویلہ کا حکم ہوا کہ خوب آرام پالے۔

(۹) اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد ضروری ہوئی۔کہ لطفِ جمال سے حظ اٹھالے۔

(۱۰) اور پچھلی رکعتوں میں قرأت معاف کہ تجلّیات بڑھتی جائیں گی شاید دشواری ہو۔

(۱۱) اور منفرد پر جہر واجب نہیں کہ بوجہِ تنہائی دہشت وہیبت زیادہ ہوتی ہے عَجَب نہیں کہ تاب نہ لائے تو اُسے اُس کے حال ووقت پر چھوڑنا مناسب۔

(۱۲-۱۳) رکوع وسجود میں قرأتِ قرآن ممنوع ہوئی کہ ان کی تجلّی، تجلّیِ قیام سے سخت اشد، دوسری تجلّی شدید قرأت مل کر افراط ہوگی۔

(۱۴) نیز قعود میں قرأت ممنوع ہوئی کہ وہ آرام دینے کے لیے رکھا گیا۔تجلّی قرآنی کی شدت مل کر اسے مقصود سے خالی کردے گی۔

(۱۵) اسی لیے رکوع کے بعد قومہ کا حکم ہوا کہ اس تجلّی قوی سے آرام لے کر تجلّیِ اَقویٰ کی طرف جائے ورنہ تاب نہ لائے گا۔

(۱۶) اسی بنا پر بین السجدتین اطمینان سے بیٹھنا واجب کیا گیا کہ تجلّیِ سجدۂ ثانیہ اور اشدّ واعظم ہوگی۔پے در پے اشد بر اشد آنے سے بُنیانِ بشری نہ منہدم ہوجائے۔

عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی قدس سرّہ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں نقل فرماتے ہیں کہ:

حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک مرید نے سجدہ کیا جسم گھلنا شروع ہوا یہاں تک کہ گوشت پوست ہڈی پسلی کسی شے کا نشان نہ رہا۔صرف ایک بوند پانی کی زمین پر پڑی رہ گئی۔حضور غوث اعظم نے روئی کے پھوئے سے اٹھا کر زمین میں دفن کردی۔اور فرمایا سبحان اللہ! تجلّی کے سبب اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا۔

قسمت نِگر کہ کُشتۂ شمشیر عشق یافت
مَرگے کہ زِندگاں بدُعا آرزو کُنند [۴۷]

(۳)

کہا جاتا ہے کہ بغیر پیر کے فلاح نہیں۔اور جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان

ہے۔ ان دونوں باتوں سے متعلق افریقہ سے حاجی اسمٰعیل میاں نے سوال کیا۔ اس کا جواب امام احمد رضا قدّس سرّہ نے جس بسط وتحقیق کے ساتھ لکھا ہے وہ خاص ان ہی کے قلم کا حصہ ہے۔ یہاں اس کا ایک عمدہ خلاصہ رقم کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ہاں! اولیاے کرام کے ارشاد سے دونوں باتیں ثابت ہیں۔ اور عن قریب ہم ان دونوں کو قرآن عظیم سے استنباط کریں گے۔ یہ مقام بہت تفصیل وتوضیح چاہتا ہے۔ **فاقول و باللّٰہ التوفیق.**

فلاح دو قسم ہے:

اول: انجام کار رستگاری اگر چہ معاذ اللہ سبقتِ عذاب کے بعد ہو۔ یہ عقیدۂ اہل سنت میں ہر مسلمان کے لیے لازم۔ اور کسی بیعت و مریدی پر موقوف نہیں۔ اس کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے۔ بلکہ ابتداے اسلام میں کسی دور دراز پہاڑ یا گمنام ٹاپو کے رہنے والے غافل، جن کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی اور دنیا سے صرف توحید پر گئے بالآخر ان کے لیے بھی یہ فلاح ثابت۔

دوم: کامل رستگاری، و بے عذاب دخولِ جنت ہو۔ اس کے دو پہلو ہیں:

اول: وقوع، یہ مذہب اہلِ سنت میں محض مشیتِ الٰہی پر ہے۔ جسے چاہے ایسی فلاح عطا فرمائے، اگر چہ لاکھوں کبائر کا مرتکب ہو۔ اور چاہے تو ایک گناہِ صغیرہ پر گرفت کرے اگر چہ لاکھوں حسنات رکھتا ہو (اگر چہ وہ ایسا کرے گا نہیں۔ لقولہ تعالیٰ: **وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی (31) الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ** یہ عدل ہے اور وہ فضل. **یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ.**

دوم: امید، یعنی انسان کے اعمال، افعال، اقوال، احوال ایسے ہونا کہ اگر انھیں پر خاتمہ ہو تو کرمِ الٰہی سے امیدِ واثق ہو کہ بلا عذاب داخلِ جنت کیا جائے۔ یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم ہے۔

یہ پھر دو قسم:

اول: فلاح ظاہر- حاشا، اس سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہر داروں کو مطلوب، جن کی نظر صرف اعمالِ جوارح پر مقصور۔ ظاہر احکام شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزّہ کر لیا اور متقی مُفلح بن گئے۔ اگر چہ باطن ۱- رِیا ۲- عُجب ۳- حسد ۴- کینہ ۵- تکبر ۶- حُبِّ مدح ۷- حُبِّ جاہ ۸- محبّتِ دنیا ۹- حُبِّ شہرت ۱۰- تعظیم اُمَرا ۱۱- تحقیرِ مساکین ۱۲- اِتباعِ شہوات ۱۳- مُداہنت ۱۴- کفرانِ نِعَم ۱۵- حرص ۱۶- بُخل ۱۷- طولِ اَمَل ۱۸- سُوءِ ظن ۱۹- عنادِ حق ۲۰- اِصرارِ باطل ۲۱- مکر ۲۲- غدر ۲۳- خیانت ۲۴- غفلت ۲۵- قَسوت ۲۶- طمع ۲۷- تملُّق ۲۸- اعتمادِ خلق ۲۹- نسیانِ خالق ۳۰- نسیانِ موت ۳۱- جرأت علی اللہ ۳۲- نفاق ۳۳- اتباعِ شیطان ۳۴- بندگیِ نفس ۳۵- رغبتِ بطالت ۳۶- کراہتِ عمل ۳۷- قلّتِ خشیت ۳۸- جزع ۳۹- عدمِ خشوع ۴۰- غضب للنفس ۴۱- تساہل فی اللہ وغیرہا مُہلِکاتِ آفات سے گندہ ہو رہا ہو۔

بلکہ فلاح ظاہر یہ کہ دل و بدن دونوں پر جتنے احکامِ الٰہیہ ہیں سب بجالائے۔ نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے، نہ کسی صغیرہ پر مُصر رہے، نفس کے خصائلِ ذمیمہ اگر دفع نہ ہوں تو معطّل رہیں اُن پر کاربند نہ ہو۔ مثلاً دل میں بُخل ہے تو نفس پر جبر کر کے ہاتھ کشادہ رکھے۔ حسد ہے تو محسود کی برائی نہ چاہے۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ کہ یہ جہادِ اکبر ہے اور اس کے بعد مؤاخذہ نہیں بلکہ اجرِ عظیم ہے۔

یہ فلاحِ تقویٰ ہے، آدمی اس سے سچا متقی ہو جاتا ہے۔ ہم نے فلاحِ ظاہر بایں معنیٰ کہا کہ اس میں جو کچھ کرنا، نہ کرنا ہے اس کے احکام ظاہر و واضح ہو چکے ہیں۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔

دوم: فلاح باطنی- کہ قلب و قالب رذائل سے مُتخلّی اور فضائل سے مُتحلّی کر کے بقایاے شرکِ خفی دل سے دور کیے جائیں۔ یہاں تک کہ لا مقصودَ اِلّا اللہ۔ پھر لا مشہودَ اِلّا اللہ۔ پھر لا موجودَ اِلّا اللہ متجلّی ہو۔ یعنی اوّلاً ارادۂ غیر سے خالی ہو۔ پھر غیر نظر سے معدوم۔ پھر حقّ حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اُسی کے لیے ہے، باقی سب ظِلال و پرتو۔ یہ مُنتہاے

فلاح، وفلاحِ احسان ہے۔ فلاحِ تقویٰ میں تو عذاب سے دوری اور جنت کا چین تھا۔ اور فلاحِ احسان اُس سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر، کسی قسم کا اندیشہ وغم بھی ان کے پاس نہیں آتا۔ **أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ** بہرحال اِس فلاح کے لیے (جس میں نجاتِ بے عذاب کی امید پہلے ہی سے پیدا ہو) ضرور پیر ومرشد کی حاجت ہے۔ چاہے قسم اول کی ہو، یا دوم کی۔ (یعنی فلاحِ ظاہر وفلاحِ تقویٰ ہو یا فلاحِ باطن وفلاحِ احسان ہو۔)

اقول: اب مُرشد بھی دو قسم ہے:

اول: عام کہ کلام اللہ وکلام الرسول وکلامِ ائمہٴ شریعت وطریقت وکلامِ علمائے دین، اہلِ رشد وہدایت ہے۔ اسی سلسلہٴ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی، کلامِ علما۔ علما کا رہنما، کلامِ ائمہ۔ ائمہ کا مرشد، کلامِ رسول۔ رسول کا پیشوا، کلام اللہ۔ جلّ وعلا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلّم۔

فلاحِ ظاہر ہو خواہ فلاحِ باطن اُسے اِس مرشد سے چارہ نہیں۔ جو اس سے جدا ہے بلاشبہہ کافر ہے یا گمراہ۔ اور اس کی عبادت برباد وتباہ۔

دوم: **خاص** کہ بندہ کسی عالم سنی صحیح العقیدہ، صحیح الاعمال، جامعِ شرائط بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔

یہ مرشدِ خاص جسے پیر وشیخ کہتے ہیں پھر دو قسم ہے:

اول: شیخ اتصال۔ یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پرنور سیدُ المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہوجائے۔ اُس کے لیے چار شرطیں ہیں:

(۱) شیخ کا سلسلہ بہ اِتّصالِ صحیح حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا ہو، بیچ میں منقطع نہ ہو کہ منقطع ذریعہ سے اتصال ناممکن ہے۔

۱- بعض لوگ بلا بیعت، محض بزعمِ وراثت، اپنے باپ دادا کے سجّادے پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یا

۲- بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی، بلا اِذن مرید کرنا شروع کردیتے ہیں۔ یا

۳- سلسلہ ہی وہ کہ قطع کردیا گیا، اُس میں فیض نہ رکھا گیا، لوگ براہِ ہوس اُس میں

اِذن وخلافت دیتے چلے آتے ہیں۔ یا

۴- سلسلہ فی نفسہ صحیح تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بوجہِ انتفائے بعض شرائط، قابلِ بیعت نہ تھا۔ اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے۔

اِن صورتوں میں اِس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا۔ بیل سے دودھ۔ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مَت جُدا ہے۔

(۲) شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو۔ بدمذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا، نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک۔ آج کل بہت بد دینوں، بلکہ بے دینوں حتی کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکر ودشمن اولیا ہیں- بدکاری کے لیے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار، خبردار۔ احتیاط، احتیاط

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہ ہر دستے نباید داد دست

(۳) عالم ہو- **اقول:** علم فقہ اُسی کی اپنی ضرورت کے قابل، کافی۔ اور لازم کہ عقائدِ اہل سنت سے پورا واقف۔ کفر واسلام، ضلالت وہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو۔ ورنہ آج بدمذہب نہیں کل ہوجائے گا۔ **فَمَن لَّمْ يَعْرِفِ الشَّرَّ فَيُوْمًا يَقَعُ فِيْهِ.**

صدہا کلمات وحرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے، اور جاہل براہِ جہالت اُس میں پڑجاتے ہیں۔ اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ اُن سے قول یا فعلِ کفر صادر ہوا۔ اور بے اطلاع توبہ ناممکن، تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے۔ اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے، توبہ بھی کرے مگر وہ جو سجّادہٴ مشیخت پر ہادی ومرشد بنے بیٹھے ہیں ان کی عظمت جو خود اُن کے قلوب میں ہے کب قبول کرنے دے۔ **وَإِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ.**

اور اگر ایسے ہی حق پرست ہوئے اور مانا تو کتنا؟ اتنا کہ آپ توبہ کرلیں گے۔ قول وفعلِ کفر سے جو بیعت فسخ ہوگئی اب کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں اور شجرہ اُس جدید شیخ کے نام سے دیں، اگرچہ شیخِ اول ہی کا خلیفہ ہو۔ یہ اُن کا نفس کیوں کر گوارا کرے۔ نہ اِسی پر راضی ہوں گے کہ آج سے سلسلہ بند کریں، مرید کرنا چھوڑ دیں۔ لاجَرم، وہی سلسلہ کہ ٹوٹ

چکا جاری رکھیں گے۔ لہٰذا عالمِ عقائد ہونا لازم۔

(۴) فاسق مُعْلِن نہ ہو- اقول: اس شرط پر حصولِ اتصال کا توقف نہیں، کہ مجرد فسق باعثِ فَسخ نہیں۔ مگر پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق کی توہین واجب۔ دونوں کا اجتماع باطل۔

دوم: شیخِ ایصال- کہ شرائطِ مذکورہ کے ساتھ مَفاسدِ نفس، ومکائدِ شیطان، ومَصائدِ ہَوا سے آگاہ ہو۔ دوسرے کی تربیت جانتا ہو، اور اپنے متوسّل پر شفقتِ تامّہ رکھتا ہو، کہ اس کے عیوب پر اُسے مطلع کرے، اُن کا علاج بتائے، جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں، حل فرمائے۔ نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب۔ عوارف شریف میں فرمایا: یہ دونوں قابلِ پیری نہیں۔ اقول: اس لیے کہ اول خود ہنوز راہ میں ہے اور دوسرا طریقِ تربیت سے غافل۔

بلکہ مجذوب سالک ہو۔ یا سالک مجذوب۔ اور اول اولیٰ ہے اقول: اس لیے کہ وہ مراد ہے اور یہ مرید۔

پھر **بیعت** بھی دو قسم ہے۔ اول بیعتِ برکت۔ کہ صرف تبرّک کے لیے داخلِ سلسلہ ہو جانا۔ آج کل عام بیعتیں یہی ہیں۔ وہ بھی نیک نیتوں کی، ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اَغراضِ فاسدہ کے لیے ہوتی ہے، وہ خارج از بحث ہیں۔

اس بیعت کے لیے شیخِ اتصال کہ شرائطِ اربع کا جامع ہو بس ہے۔ اقول: بےکار یہ بھی نہیں۔ مفید اور بہت مفید، اور دنیا وآخرت میں بکارآمد ہے۔ محبوبانِ خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا، اُن سے سلسلہ متصل ہو جانا، فی نفسہ سعادت ہے۔

اوّلاً: ان خاص خاص غلاموں، سالکانِ راہ سے اِس امر میں مُشابہت۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔ جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ انھیں میں سے ہے۔

ثانیاً: اُن غلامانِ خاص کے ساتھ ایک سِلک میں مُنسلک ہونا ع

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان کا رب عزّ وجل فرماتا ہے: ھُمُ القَومُ لَا یَشْقیٰ بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ۔ وہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔

ثالثاً: محبوبانِ خدا آیۂ رحمت ہیں وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں۔ بہجۃ الاسرار شریف میں ہے:

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کی گئی: اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو، اور اُس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو کیا وہ حضور کے مُریدوں میں شمار ہوگا؟

فرمایا: جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے اللہ اسے قبول فرمائے گا، اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اُسے توبہ دے گا، اور وہ میرے مُریدوں کے زمرے میں ہے۔ الخ

دوم: بیعتِ ارادت: کہ اپنے ارادہ واختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے آپ کو شیخِ مرشد، ہادیِ برحق، واصل بحق کے ہاتھوں میں بالکل سپرد کر دے۔ اُسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک ومتصرف جانے، اس کے چلانے پر راہِ سلوک چلے، کوئی قدم بےاس کی مرضی کے نہ رکھے۔ اِس کے لیے اُس کے بعض احکام، یا اپنی ذات میں خود اُس کے کچھ کام، اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں اُنھیں افعالِ خضر علیہ الصلاۃ والسلام کے مثل سمجھے۔ اپنی عقل کا قصور جانے، اُس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اپنی ہر مشکل اُس پر پیش کرے، غرض اُس کے ہاتھ میں مُردہ بدستِ زندہ ہو کر رہے۔

یہ بیعتِ سالکین ہے اور یہی مقصودِ مشائخ مرشدین ہے، یہی اللہ عزّ وجلّ تک پہنچاتی ہے۔ یہی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لی ہے، جسے سیدنا عُبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللہِ صَلّی اللہُ تعالیٰ علیہ وسَلَّمَ عَلی السَّمْعِ وَ الطَّاعَۃِ فِي العُسْرِ وَ الْیُسْرِ وَ الْمُنْشَطِ وَ الْمُکْرَہِ وَ اَنْ لَا نُنَازِعَ الاَمْرَ اَھْلَہٗ.

ہم نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی و دشواری ہر خوشی وناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحبِ حکم کے کسی حکم میں چوں وچرا نہ کریں گے۔

جب یہ اقسام معلوم ہو لیے اب حکم مسئلہ کی طرف چلیے۔ مطلق فلاح کے لیے مرشدِ عام کی قطعاً ضرورت ہے۔ فلاحِ تقویٰ ہو یا فلاحِ احسان اِس مرشد سے جُدا ہوکر ہرگز نہیں مل سکی اگرچہ مرشدِ خاص رکھتا بلکہ خود مرشدِ خاص بنتا ہو۔

اقول: پھر اس سے جدائی دو طرح ہے: **اول** صرف عمل میں۔ جیسے کسی کبیرہ کا مرتکب، یا صغیرہ پر مُصر۔ اور اس سے بدتر ہے وہ جاہل کہ علما کی طرف رجوع ہی نہ لائے۔ اور اس سے بدتر وہ کہ باوصفِ جَہل، ذی رائے بنے، اَحکامِ علما میں اپنی رائے کو دخل دے، یا حکم کے خلاف اپنے یہاں کے باطل رواج پر اڑے، اور اُسے حدیث وفقہ سے بتا دیا جائے کہ یہ رواج بے اصل ہے جب بھی اُسی کو حق کہے۔

بہرحال یہ لوگ فلاح پر نہیں۔ اور بعض بعض سے زائد ہلاک میں ہیں۔ مگر صرف ترکِ عمل کے سبب نہ بے پِیرا ہو۔ نہ اُس کا پیر شیطان جبکہ اولیا وعلماے دین کا سچے دل سے معتقد ہو، اگرچہ شامتِ نفس نافرمانی پر لائے کہ بیعت جس طرح باعتبار پیر خاص دو قسم تھی یوں ہی باعتبار مرشد عام بھی۔ اگر اُس کے حکم پر چلتا ہے، بیعتِ ارادت رکھتا ہے ورنہ بیعت برکت سے خالی نہیں کہ ایمان واعتقاد تو ہے۔ تو گنہگار سنی اگر کسی پیر جامعِ شرائطِ اربعہ کا مرید ہے فبہا ورنہ بوجہِ حُسنِ اعتقاد مرشد عام کے مُنتسِبوں میں ہے۔ اگرچہ نافرمانی کے باعث فلاح پر نہیں۔

دوم: منکر ہوکر جدائی۔ مثلا:

(۱) وہ ابلیسی مسخرے کہ علماے دین پر ہنستے اور ان کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں۔ انھیں میں ہیں، وہ جھوٹے مدعیانِ فَقر جو کہتے ہیں کہ عالموں فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خبیثوں، صاحب سجادہ، بلکہ قطبِ وقت بننے والوں کو یہ لفظ کہتے سنے گئے کہ عالم کون ہے؟ سب پنڈت ہیں، عالم تو وہ جو انبیاے بنی اسرائیل کے معجزے دکھائے۔

(۲) وہ دہریے مُلحِد فقیر وولی بننے والے کہ کہتے ہیں: شریعت راستہ ہے، ہم تو پہنچ گئے ہیں، راستے سے کیا کام۔ ان خبیثوں کا رد ہمارے رسالے ''مقالِ عرَفا باعزازِ شرع وعلما'' میں ہے۔

(۳) وہ جاہل اجہل، یا ضال اضَل کہ بے پڑھے، یا چند کتابیں پڑھ کر بزعمِ خود عالم بن کر ائمہ سے بے نیاز ہو بیٹھے۔ جیسا قرآن وحدیث ابوحنیفہ وشافعی سمجھتے تھے اپنے زعم میں یہ بھی سمجھتے ہیں بلکہ اُن سے بھی بہتر کہ انھوں نے قرآن وحدیث کے خلاف حکم دیے، یہ اُن کی غلطیاں نکال رہے ہیں، یہ گمراہ، بددین، غیر مقلدین ہوئے۔

(۴) اس سے بدتر وہابیت کی اصل علّت تفویت الایمان پر سر منڈا بیٹھے، اُس کے مقابل قرآن وحدیث پسِ پُشت پھینک دیے۔ اللہ ورسول جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اس ناپاک کتاب کے طور پر معاذ اللہ مشرک ٹھہریں۔ اور یہ اللہ ورسول کو پیٹھ دے کر اسی کے مسائل پر ایمان لائیں۔

(۵) اُن سے بدتر ان میں کے دیوبندی کہ انھوں نے گنگوہی ونانوتوی وتھانوی اپنے احبار ورُہبان کے کفر کو اسلام بنانے کے لیے اللہ ورسول کو سخت سے سخت گالیاں قبول کیں۔

(٦) قادیانی (۷) نیچیری (۸) چکڑالوی (۹) روافض (۱۰) خوارج (۱۱) نواصب (۱۲) معتزلہ وغیرہم۔

بالجملہ جملہ مرتدّین یا ضالّین، معاندینِ دین کہ سب مرشدِ عام کے مخالف ومنکر ہیں یہ اشد ہالک ہیں۔ اور ان سب کا پیر یقیناً شیطان۔ اگرچہ بظاہر کسی کی بیعت کا نام لیں۔ بلکہ خود پیر وولی وقطب بنیں۔

فلاح تقویٰ - **اقول**: اس کے لیے مرشدِ خاص کی ضرورت بایں معنی نہیں کہ بے اس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے۔ جیسا کہ اوپر گزرا، فلاح ظاہر ہے، اس کے احکام واضح ہیں، آدمی اپنے علم سے، یا علما سے پوچھ پوچھ کر متقی بن سکتا ہے۔ اعمالِ قلب میں اگرچہ بعض دقائق ہیں مگر محدود، اور کتب ائمہ مثل امام ابوطالب مکی وامام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہما میں مشروح، تو بے بیعت خاص بھی اس کی راہ کشادہ اور اس کا دروازہ مفتوح۔

یہ جب کہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو ہم اوپر بیان کر آئے کہ غیر متقی سُنّی بھی بے

پیرا نہیں۔ متقی کیوں کر بے پیرا، یا معاذ اللہ مُرید شیطان ہوسکتا ہے، اگر چہ کسی خاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کہ یہ جس راہ میں ہے اُس میں مرشدِ عام کے سوا مُرشدِ خاص کی ضرورت ہی نہیں، تو جتنا پیرا اُسے درکار ہے، حاصل ہے۔

تو اولیا کا قولِ دوم کہ: ''جس کے لیے شیخ نہیں، اس کا شیخ شیطان ہے'' اس سے متعلق نہیں ہوسکتا۔ اور قول اول کہ: ''بے پیرا فلاح نہیں پاتا'' تو بداہۃً اُس پر صادق نہیں۔ فلاحِ تقویٰ بلاشبہہ فلاح ہے۔ اگر چہ فلاحِ احسان اُس سے اعظم واَجلّ ہے۔

اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے: **اِن تَجتَنِبُوا کَبَآئِرَ مَا تُنهَونَ عَنهُ نُکَفِّر عَنکُم سَیِّئَاتِکُم وَنُدخِلکُم مُّدخَلًا کَرِیمًا** اگر تم گناہوں سے بچے تو ہم تمھاری برائیاں مٹادیں گے اور تمھیں عزت والے مکان میں داخل فرمائیں گے۔

یہ بلاشبہہ فوزِ عظیم ہے:

اقول: بات یہ ہے کہ تقویٰ عموماً ہر مسلمان پر فرضِ عین ہے اور اس فلاح یعنی عذاب سے رستگاری کے لیے بفضل الٰہی حسب وعدہ صادقہ کافی ووافی۔ احسان- یعنی سلوکِ راہِ ولایت- اعلیٰ درجے کا مطلوب ومحبوب ہے مگر اُس کی طرح فرض نہیں، ورنہ اولیا کے سوا کہ ہر دور میں صرف ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں، باقی کروڑ ہا کروڑ مسلمان ہزار ہا علما وصلحا سب- معاذ اللہ- تارکِ فرض وفُسّاق ہوں۔ اولیا نے بھی کبھی اس راہ کی عام دعوت نہ دی، کروروں میں سے معدودے چند کو اس پر چلایا۔ اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس بار کے قابل نہ پایا، واپس فرمایا۔ فرض سے واپس کرنا کیوں کر ممکن تھا۔

عوارف شریف میں ہے: ''خرقۂ تبرک ہر ایک کو دیا جاسکتا ہے۔ اور خرقۂ ارادت اسی کو دیا جائے گا جو اس کا اہل ہو۔ نااہل سے اس راہ کے شرائط کا مطالبہ نہ کریں گے۔ صرف اتنا کہیں گے کہ شریعت کا پابند رہ۔ اور اولیا کی صحبت اختیار کر کہ شاید اس کی برکت اُسے خرقۂ ارادت کا اہل کردے۔''

تو ظاہر ہوا کہ اس کا ترک نافیِ فلاح نہیں۔ نہ کہ معاذ اللہ مُرید شیطان کرے۔

اکابر علما وائمہ میں ہزار ہا وہ گزرے جن سے یہ بیعتِ خاصّہ ثابت نہیں، یا کی، تو آخر عمر میں،

بعد حصولِ مرتبہ امامت، اور وہ بھی بیعتِ برکت جیسے امام ابن حجر عسقلانی نے سیدی مدین قدّس سرّہ کے دست مبارک پر۔

اقول: ہاں جو اُس کا ترک بوجہِ انکار کرے، اُسے باطل ولغو جانے، وہ ضرور گمراہ وبے فلاح ومرید شیطان ہے جب کہ انکار مطلق ہو۔ اور اگر اپنے عصر ومصر میں کسی کو بیعت کے لیے کافی نہ جانے تو اُس کا حکم اختلافِ منشا سے مختلف ہوگا، اگر یہ اپنے تکبر کے باعث ہے تو **اَلَیسَ فِی جَهَنَّمَ مَثوًی لِّلمُتَکَبِّرِینَ** کیا جہنم میں متکبروں کا ٹھکانا نہیں۔ اور اگر بلاوجہ شرعی اپنی بدگمانی کے باعث سب کو نااہل جانے تو یہ بھی کبیرہ ہے اور مرتکبِ کبیرہ مفلح نہیں۔ اور اگر اُن میں وہ باتیں ہیں کہ اشتباہ میں ڈالتی ہیں اور یہ بنظرِ احتیاط بچتا ہے، تو الزام نہیں۔ **اِنَّ مِنَ الحَزمِ سُوءَ الظَّنِّ . دَع مَا یُرِیبُکَ اِلیٰ مَا لَا یُرِیبُکَ.**

فلاحِ احسان کے لیے بے شک مُرشدِ خاص کی حاجت ہے، اور وہ بھی شیخِ ایصال کی۔ شیخِ اتصال اس کے لیے کافی نہیں۔ اور اس کے ہاتھ پر بھی بیعتِ ارادت ہو، بیعتِ برکت یہاں بس نہیں۔

اس راہ میں وہ شدید باریکیاں، وہ سخت تاریکیاں ہیں کہ جب تک کامل مکمل اس راہ کے جملہ نشیب وفراز سے آگاہ وماہر حل نہ کرے، حل نہ ہوں گی۔ نہ کتبِ سلوک کا مطالعہ کام دے گا، کہ یہ دقائق، تقویٰ کی طرح محدود نہیں جن کا ضبط کتاب کر سکے۔

اور وہ پرانا دشمن، مکّار، پُرفن ابلیسِ لعین ہر وقت ساتھ ہے۔ اگر بتانے والا، آنکھیں کھولنے والا، ہاتھ پکڑنے والا، مدد فرمانے والا ساتھ نہ ہو تو خدا جانے کس کھوہ میں گرائے، کس گھاٹی میں ہلاک کرے۔ ممکن ہے کہ سلوک درکنار معاذ اللہ ایمان تک ہاتھ سے جائے۔

مُرشدِ عام میں سب کچھ ہے: **مَا فَرَّطنَا فِي الکِتٰبِ مِن شَيءٍ**، ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی۔ مگر احکامِ ظاہر عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ جس کے سبب عوام کو علما، علما کو ائمہ، ائمہ کو رسول کی طرف رجوع فرض ہوئی کہ **فَاسئَلُوا اَهلَ الذِّکرِ اِن کُنتُم لَا تَعلَمُونَ** ذکر والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ یہی حکم یہاں بھی ہے۔ اور یہاں اَهلَ الذِّکر وہ مُرشدِ خاص بہ اَوصافِ مذکورہ ہے۔

تو جو اس راہ میں قدم رکھے اور (۱) کسی کو پیر نہ بنائے۔ (۲) کسی مُبتَدِع (۳) کسی جاہل کا مرید ہو، جو پیرِ اتصال بھی نہیں (۴) ایسے پیر کا مرید ہو جو صرف پیرِ اتصال ہے، قابلِ ایصال نہیں اور اُس کے بھروسے پر یہ راہ طے کرنا چاہے۔ (۵) شیخِ ایصال ہی کا مرید ہو مگر خود رائی برتے، اُس کے احکام پر نہ چلے، تو یہ شخص اس فلاح کو نہ پہنچے گا۔ اور اِس راہ میں ضرور اُس کا پیر شیطان ہوگا جس سے دور نہیں کہ اسے اصل فلاح بلکہ نفسِ ایمان سے دور کردے۔ **والعیاذ باللہ رب العٰلمین.**

اقول: بلکہ اس کا نہ ہونا ہی تعجب ہے، یہ نہ سمجھو کہ غلطی پڑے گی تو اِسی قدر کہ اِس راہ میں بہکے گا، یہ فرض نہ تھی کہ اس کے نہ پانے سے اصل فلاح نہ رہے۔ نہیں نہیں، عدُوِّ لعین تو دشمنِ ایمان ہے، وقت وموقع کا منتظر ہے، وہ کرشمے دکھاتا ہے جن سے عقائدِ ایمانی پر حرف آتا ہے۔ آدمی ایک بات سنے ہوئے ہے اور اب آنکھوں سے اس کے خلاف دیکھے تو کس قدر مشکل ہے کہ اپنے مشاہدے کو غلط جانے، اور اُسی اعتقاد پر جمار ہے۔ حالانکہ **لیس الخبر کالمُعاینة** شنیدہ کے بُوَد مانندِ دیدہ۔ پیرِ کامل چاہیے کہ اِن شبہات کا کشف کرے۔

ثم اقول: غالب یہی ہے کہ بے پیر اِس راہ کا چلنے والا ان آفتوں میں گرفتار ہوجاتا ہے اور گرگِ شیطان اُسے بے راعی کی بھیڑ پاکر نوالہ کرلیتا ہے۔ اگرچہ ممکن کہ لاکھوں میں ایک ایسا ہو جسے جذب ربانی کفایت وکفالت کرے، اور بے توسط پیر اُسے مکائدِ نفس وشیطان سے بچا کر نکال لے جائے۔ اُس کے لیے مرشدِ عام مرشدِ خاص کا کام دے گا۔ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کے مرشدِ خاص ہوں گے کہ بے توسط نبی کوئی وُصول ممکن نہیں، مگر یہ ہے تو نہایت نادر ہے اور نادر کے لیے حکم نہیں ہوتا۔

ثم اقول: بے مرشدِ خاص اس راہ میں قدم رکھنے والوں میں بڑا خوش نصیب وہ ہے کہ ریاضتیں، چِلّے، مجاہدے کرے اور اُس پر اَصلاً فتحِ باب نہ ہو، راہ ہی نہ کھلے، جس کی دشواریاں پیش آئیں، یہ اپنی فلاحِ تقویٰ پر قائم رہے گا دو شرط سے: ایک یہ کہ اُس کا مجاہدہ اُسے عُجب نہ دلائے، اپنے آپ کو اوروں سے اچھا نہ سمجھنے لگے، ورنہ فلاحِ تقویٰ سے بھی

ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ دوسرے یہ کہ عظیم محنتوں کے بعد محرومی کی تنگ دلی اُسے کسی عظیم امر میں نہ ڈال دے کہ کوئی کلمہ سخت کہہ بیٹھے، یا دل سے منکر ہوجائے کہ اِس وقت فلاح درکنار اُس کا پیر شیطان ہوجائے گا۔

اور اگر اپنی تقصیر سمجھا اور تذلل وانکسار پر قائم رہا تو اس حکم سے مستثنیٰ رہے گا، یوں کہ جب راہ نہ کھلی تو راہ چلا ہی نہیں، اور اس کے مثل ہوا جو فلاحِ تقویٰ پر مقتصر رہا۔

اقول: قرآن کریم کے لطائف لامتناہی ہیں اس بیان سے آیۂ کریمہ:

یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّٰهَ وَابْتَغُواْ إِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُواْ فِیْ سَبِیْلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن کے مبارک جملوں کا حُسنِ ترتیب واضح ہوا، یہ فلاح احسان کی طرف دعوت ہے۔ اس کے لیے تقویٰ شرط ہے تو اوّلاً اس کا حکم فرمایا کہ: اتَّقُواْ اللّٰهَ ۔ اب کہ تقویٰ پر قائم ہوکر راہِ احسان میں قدم رکھنا چاہتا ہے، اور یہ عادتًا بے وسیلۂ شیخ ناممکن ہے لہٰذا دوسرے مرتبہ میں قبلِ سلوک تلاش پیر کو مقدم فرمایا: **وَابْتَغُواْ إِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ** ۔ اس لیے کہ الرَّفِیْقَ ثُم الطَّرِیق ۔ اب کہ سامان مہیا ہولیا، **اصل مقصود** کا حکم دیا کہ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِه ۔ اس کی راہ میں مجاہدہ کرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْن تا کہ فلاحِ احسان پاؤ۔

ثم اقول: یہاں سے ظاہر ہوا کہ اس راہ میں فلاح، وسیلہ پر موقوف کہ اِسے اُس پر مرتب فرمایا۔ تو ثابت ہوا کہ ’’یہاں بے پیر افلاح نہ پائے گا‘‘ اور جب فلاح نہ پائے گا خاسر ہوگا۔ تو حزبُ اللہ سے نہ ہوا۔ حزبُ الشیطان سے ہوگا۔ کہ رب عزّ وجلّ فرماتا ہے: **أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّیْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُوْن** ۔ سُنتا ہے! شیطان ہی کا گروہ خاسر ہے۔ **أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** سُنتا ہے! اللہ ہی کا گروہ فلاح والا ہے۔

تو دوسرا جملہ بھی ثابت ہوا کہ: ’’بے پیرے کا پیر شیطان ہے۔‘‘ جس کا بیان ابھی گزرا۔ **نسأل اللہ العفو والعافیة.**

یہ چند نمونے ہیں اُس عالم ربانی کی تعلیماتِ تصوُّف کے۔ مزید رشحاتِ قلم جمع کیے جائیں تو مقالہ بہت طویل ہوجائے گا۔ لیکن جو کچھ پیش ہوا دیدۂ انصاف کے لیے کافی ہے۔ معارف کا ایک سمندر ہے جو امام احمد رضا کے قلم سے رواں ہوتا چلا جا رہا ہے۔

یہ حضرات ''اقول'' اس وقت لکھتے ہیں جب اپنی تحقیق اور اپنی ایسی بات بیان کرنی ہوتی ہے جو اگلے حضرات کے قلم سے تحریر نہ ہوئی۔ علم تصوُّف میں بھی امام احمد رضا قدّس سرہ کی اپنی تحقیقات آپ نے گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں یہ ان کا وہ وصفِ خاص ہے جو اکابر صوفیہ کی صفوں بھی انھیں نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔

اسی طرح علم جفر میں ان کے چند رسائل جو مرکزی مجلس رضا لاہور نے اصل مخطوطات کا عکس لے کر شائع کیے ہیں ان میں بھی امام احمد رضا کی ذاتی تحقیقات کافی مقدار میں ہیں۔ علم جفر خاص علوم اولیا میں سے ہے اور خاص فضل ربانی جس کی دستگیری کرے وہی اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ورنہ محنتیں کرتا رہے کچھ حل نہیں ہوتا۔ اب جس نے نہ صرف یہ کہ اُسے حل کیا ہو بلکہ کثیر خود ساختہ مصنفینِ جفر کی غلطیاں ثابت کی ہوں اور بے شمار اپنی تحقیقات رقم کی ہوں اُس کا پایہ کتنا بلند ہوگا؟ اور وہ اس فن کا کیسا جلیل القدر امام ہوگا؟ اہلِ علم اچھی طرح اس کا اندازہ کر سکتے ہیں بشرطے کہ سینہ قبول حق کے لیے آمادہ اور عناد وتعصّب سے خالی ہو۔

حواشی

(۱) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما ۱۳۲۷ھ از امام احمد رضا قدس سرّہ طبع دہلی ص:۳۰۔

(۲) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما ۱۳۲۷ھ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ، ص:۲۱۔

(۳) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما ،ص:۱۶۔

(۴) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما ،ص:۱۵۔

(۵) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما ،ص:۲۷۔

(۶) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما ،ص:۲۰

(۷) مقال عرفا باعزاز شرع وعلما ،ص:۱۸

(۸) ترجمانِ اہل سنت پیلی بھیت شمارہ پنجم تا دہم۔ اور دوسری کتب وروایات۔

(۹) کشف حقائق واسرار دقائق ۱۳۰۸ھ مطبوعہ الہ آباد ص:۱۵۔

(۱۰) فتاوی رضویہ ششم ص:۱۳۳ و۱۳۴۔ اشاعت مبارک پور

(۱۱) المستند المعتمد بناء نجاۃ الابد (۱۳۲۰ھ) ص:۴۹ طبع استانبول۔

(۱۲) ایضًا ص:۳۶، مترجماً۔

(۱۳) الکشف شافیا حکم فونو جرافیا ۱۳۲۸ھ مطبوعہ کان پور ص:۲۶ تا ۲۹ تلخیصًا۔

(۱۴) المستند المعتمد ص:۳۶۔

(۱۵) الملفوظ مطبوعہ دہلی۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ ج:۱، ص:۷، ملخصاً۔

(۱۶) الملفوظ مطبوعہ دہلی۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ ج:۱، ص:۷، ملخصاً۔

(۱۷) خالص الاعتقاد ۱۳۳۸ھ۔ اشاعت مکتبۂ مشرق بریلی ص:۲۶-۲۷، تلخیصًا۔

(۱۸) خالص الاعتقاد ص:۵۱۔

(۱۹) الامن والعُلٰی لناعتی المصطفٰی بدافع البلاء، ص:۸۷، طبع بریلی۔

(۲۰) اشعۃ اللمعات ج:۱، ص:۳۹۶، نول کشور۔ لکھنؤ۔

(۲۱) الامن والعُلٰی ص:۹۲، طبع لاہور۔

(۲۲) الملفوظ ج:۲، ص:۴۰۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ، میرٹھ۔

(۲۳) اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامہ ۱۲۹۹ھ مطبوعہ بریلی بحیات مصنف بار اول ص:۲۹ ملخصاً۔

(۲۴) النیّرۃ الوضیّۃ شرح الجوہرۃ المضیئۃ (تصنیف ۱۲۹۵ھ) اشاعت مکتبہ قادریہ لاہور ص:۴۴ تا ۴۶ ملخصًا۔

(۲۵) خلاصہ فوائد فتاویٰ ۱۳۲۴ھ۔ طبع چہارم بریلی ص ۴۹-۵۰ ملخصاً۔

(۲۶) الملفوظ ۱۳۳۸ھ ج:۱، ص:۸، اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ۔

(۲۷) الملفوظ ج:۳، ص:۳۸۔ ایضًا۔

(۲۸) صفۃ الصفوۃ ج:۲، ص:۱۳۱، دائرۃ المعارف حیدر آباد

(۲۹) حیاتِ اعلیٰ حضرت از ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ۔

(۳۰) مزارات پر عورتوں کی حاضری ص: ۱۳، مجلس اشاعت طلبہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ۔ اعظم گڑھ

(۳۱) ملفوظات ج: ۲، ص: ۷۹

(۳۲) صفۃ الصفوۃ ج: ۲، ص: ۲۱۵، دائرۃ المعارف حیدر آباد

(۳۳) فتاویٰ رضویہ ج: ۲، ص: ۱۰۹، ۱۱۰

(۳۴) فتاوی رضویہ ج: ۳، ص: ۵۹۶۔ اشاعت مبارک پور

(۳۵) اکرام امام احمد رضا از مفتی برہان الحق علیہ الرحمہ مرتبہ پروفیسر مسعود احمد ص ۱۲۸، ۱۲۹۔

(۳۶) ص: ۲۳۰، فتاویٰ رضویہ سوم اشاعت مبارک پور

(۳۷) حیات اعلیٰ حضرت ص: ۵۰۔

(۳۸) الزمزمۃ القمریۃ فی الذبّ عن الخمریۃ۔ اشاعت نوری کتب خانہ لاہور

(۳۹) خطبۂ صدارت جشن ولادت اعلیٰ حضرت منعقدہ ناگ پور ۱۳۷۹ھ، تجلیات امام احمد رضا نمبر ناگ پور۔

(۴۰) ملفوظات سوم ص: ۱۶۹ اشاعت میرٹھ۔

(۴۱) ملفوظات ج: ۳، ص: ۷۵–۷۶ اشاعت میرٹھ

(۴۲) ملفوظات ج: ۳، ص: ۷۵–۷۶ اشاعت میرٹھ

(۴۳) ملفوظات ج: ۳، ص: ۵۹، اشاعت میرٹھ

(۴۴) فتاوی رضویہ ج: ۳، ص: ۵۴۸، اشاعت مبارک پور۔

(۴۵) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ ۱۳۲۸ھ اشاعت وطباعت بریلی ص: ۳۲۴۔

(۴۶) ملفوظات ج: ۴، ص: ۶۷–۶۸ تلخیصًا۔

(۴۷) امام احمد رضا قادری، فتاوی رضویہ ج: ۳، ص: ۵۴۲،۵۴۱، اشاعت مبارک پور۔

امام احمد رضا اور جدید علوم وفنون

ڈاکٹر محمد سجاد عالم رضوی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ تاریخ، پریسڈینسی یونیورسٹی، کولکاتا

اعلی حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ایک تاریخ ساز شخصیت کے حامل تھے۔ آپ بیک وقت ایک باعمل عالم، باکمال صوفی، صاحب نظر فقیہ، قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ بہت سے نقلی وعقلی علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے۔ قرآن فہمی، حدیث دانی، فقہ وفتاوی کی جانکاری، علوم اسلامیہ اور علوم جدیدہ وقدیمہ پر ان کی حیرت انگیز دسترس ان کی شائع شدہ تصانیف سے ابھر کر سامنے آتی ہے۔ یہ تصانیف ان کی قدآور شخصیت کو مزید اجاگر کرتی ہیں۔ برصغیر پاک وہند کے علاوہ دنیا کے متعدد اداروں میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان پر تحقیقی کام ہوئے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے دینی اور علمی کارناموں کی بدولت وہ شہرت اور مقبولیت حاصل کی ہے کہ علم کے شائقین نے ان کی نگارشات کو اپنی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ بہت سے ارباب علم ودانش نے آپ کے علمی وادبی کارناموں اور مختلف علوم وفنون پر بے پناہ صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''قدیم وجدید علوم'' میں آپ کے علمی جواہر پارے دنیائے علم ودانش سے خراج تحسین پا رہے ہیں۔ اس مضمون میں جدید علوم وفنون کے حوالے سے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے علم وکمال اور افکار وخیالات کا ایک مختصر جائزہ پیش ہے۔

عرف عام میں قدیم علوم میں وہ علوم وفنون شمار ہوتے ہیں جو مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل ہوتے ہیں۔ جب کہ وہ علوم وفنون جو اسکولوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں

میں سیکھے اور سکھائے جاتے ہیں ان کو عصری اور جدید علوم کے خانے میں رکھا جاتا ہے۔ ان دونوں کے لیے الگ الگ نظام تعلیم اور تعلیمی ادارے ہیں۔ ان دونوں میں فرق و امتیاز کرنے کے لیے قدیم و جدید، دینی و دنیاوی اور روایتی وعصری کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ اس مضمون میں اسی عرفی اصطلاح کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ قدیم علوم میں قرآن کریم، حدیث وسنت، فقہ وشریعت کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور انہیں دینی علوم کہا جاتا ہے جب کہ جدید یا عصری علوم میں انگریزی زبان، سائنس، میڈیکل، انجینئرنگ، ٹکنالوجی، قانون، سوشیالوجی، ریاضی وغیرہ کے علوم وفنون شمار کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس فرق وامتیاز میں کچھ اہل علم کو کلام ہے۔ کیونکہ اس تقسیم کو قبول کرنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دینی علوم ایک فرسودہ روایت کا حصہ ہیں۔ اور ایک ایسا فکری وذہنی اور نفسیاتی ماحول بنتا ہے کہ آج کی ضرورت تو وہ علوم وفنون ہیں جو جدید اور عصری کہلاتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس تاثر کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ ذہن بنانے کی ضرورت ہے کہ ایک مسلم کے لیے بحیثیت مسلم زندگی گزارنے کے لیے اس جدید دور میں بھی دینی تعلیم ایک بنیادی ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ اس حقیقت کو بھی اجاگر کرنے کی ضرورت ہے کہ جدید علوم وفنون کی نظریاتی بنیادیں ''جدیدیت'' اور ''مابعد جدیدیت'' کی تحریکوں سے جڑی ہیں جو یورپ میں نشأۃ ثانیہ اور اصلاح کے تناظر میں ابھریں اور اس نے سیاست، معاشیات، سماجیات کے ساتھ ساتھ مذہب کو بھی متأثر کیا۔ جدیدیت دراصل ان نظریاتی، تہذیبی، سیاسی اور سماجی تحریکوں کا نام جو ۱۷ویں اور ۱۸ویں صدیوں کے درمیان یورپ میں روایت پسندی اور کلیسائی استبداد کے ردعمل میں پیدا ہوئیں۔ اس دور میں پادریوں نے قدیم یونانی فلسفہ اور عیسائی معتقدات کے امتزاج سے کچھ خودساختہ نظریات قائم کر رکھے تھے اور ان نظریات کے خلاف اٹھنے والی کسی بھی آواز کو وہ مذہب کے لیے خطرہ سمجھتے تھے۔ شاہی حکومتوں کے ساتھ مل کر انہوں نے ایک ایسا استبدادی نظام برپا کیا تھا جو کسی بھی علمی وفکری نظریہ ورائے کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھے۔ جنوبی اٹلی اور صقلیہ میں انسان دوستی (humanism) کی

جدید تحریک پیدا ہوئی۔ اس طرح سے کلیسائی ظلم وجبر کے ردعمل کی صورت میں جدیدیت کی تحریک شروع ہوئی۔ اس نے مذہبی عصبیتوں، روایت پسندی اور تنگ نظری کے خاتمہ کو اپنا مقصد بنایا۔ ردعمل کی شدت نے اس تحریک کو دوسری انتہا پر پہنچا دیا۔ اور روایت پرستی اور عصبیت کے خلاف جدوجہد کا نتیجہ مذہب اور مذہبی معتقدات کے انکار کی شکل میں سامنے آیا۔ جدیدیت کی بنیاد اس نقطۂ نظر پر تھی کہ یہ دنیا اور کائنات عقل، تجربے اور مشاہدات کے ذریعے قابل دریافت ہیں اور اس کے تمام حقائق تک رسائی ان طریقوں سے ممکن ہے۔ اس لیے حقائق کی دریافت کے لیے کسی اور سرچشمہ کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ اس کا کہیں وجود ہے۔ صرف وہی حقائق ہی قابل اعتبار ہیں جو عقل، تجربے اور مشاہدے پر کھرے ثابت ہوں۔ جدیدیت کے علم برداروں نے عقل کی لامحدود بالادستی اور واحد سرچشمۂ علم ہونے کے تصور کو عام کیا۔ اور مابعد الطبیعاتی اور مذہبی معتقدات کا اس وجہ سے انکار کر دیا کہ وہ ان معیارات پر نہیں اترتے۔ یہ افکار عقل پرستی کہلاتے ہیں اور جدیدیت کی بنیاد ہیں۔ اس طرح سے جدیدیت وہ روشن خیالی اور انسان دوستی ہے جو کسی بھی ہستی کی بالادستی اور روایت کو مسترد کرتی ہے اور صرف عقل، مشاہدہ اور تجربے سے حاصل علوم کو ہی لائق اعتناء سمجھتی ہے۔ یہ اس مفروضے پر قائم ہے کہ سچائی اور معنی کا واحد منبع خودمختار فرد کی عقل ہے۔

اس تحریک نے مذہبی محاذ پر الحاد اور تشکیک کو جنم دیا۔ اس کے علم برداروں نے یا تو مذہب کا انکار کر دیا، یا پھر اس کو عقل کے تابع بنا دیا اور مذہبی حقائق کو بھی دیگر عقلی مفروضات کی طرح قابل تغیر قرار دیا۔ سیاسی طور پر اس تحریک نے انسانی حریت، فکر و اظہار کی آزادی، حقوق انسانی، عوام کے اقتدار اعلی اور جمہوریت اور قوم پرستی کے تصورات کو عام کیا۔ معاشی محاذ پر صنعت، آزادانہ معیشت اور کھلے بازار کی پالیسوں کی حمایت کی گئی اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام ابھر کر سامنے آئے۔ اخلاقیات کے میدان میں اس تحریک نے افادیت پسندی (utilitarianism) کی تبلیغ کی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ اخلاقی قدروں کا تعلق افادیت سے ہے۔ جو رویہ سماج کے لے فائدہ مند ہے وہ جائز ہے اور جو سماج کے لیے نقصاندہ ہیں وہ ناجائز رویے ہیں۔ اس تصور نے قدیم جنسی اخلاقیات اور خاندان کے

روایتی ادارے کی افادیت کو متأثر کیا۔ اسی سے نسائیت (feminism) کی تحریک پیدا ہوئی جو مرد وزن کی مساوات کی علم بردار تھی اور عورتوں کو ہر حیثیت سے مردوں کے مساوی مقام دلانا اس کا نصب العین تھا۔ جدیدیت کو روشن خیالی اور نشأۃ ثانیہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ اور بڑی سیاسی طاقتوں اور ملکوں کی پشت پناہی سے روشن خیالی کا منصوبہ ایک عالمی منصوبہ بن گیا۔ چنانچہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں مغربی ممالک کا ایجنڈا تیسری دنیا میں روایت پسندی سے مقابلہ کرنا اور جدیدیت کو فروغ دینا قرار پایا۔ آزادی، جمہوریت، مساوات مرد وزن، سائنسی طرز فکر، سیکولرزم وغیرہ جیسی قدروں کو دنیا بھر میں عام کرنے کی کوشش کی گئیں۔ معاشی فکر کے معاملے میں مغرب سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت پسند نظام کے درمیان بٹا ہوا رہا مگر سیاسی، سماجی اور نظریاتی سطح پر جدیدیت کے افکار بالاتفاق جدید مغرب کے رہنما افکار بنے رہے۔ جن کی دنیا بھر میں اشاعت اور نفاذ کے لے ترسیل واشاعت کے علاوہ ترغیب وتنفیذ کے تمام جائز وناجائز طریقے اختیار کیے گئے۔

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ جدیدیت کے علم برداروں نے اپنے مخصوص افکار پر جس شد ومد کے ساتھ اصرار کیا اور ان کے نفاذ کے لیے جس طرح طاقت اور اقتدار کا استعمال کیا، اس نے فکری استبداد کی وہی صورت حال پیدا کردی جو عہد وسطی کے یورپ میں مذہبی روایت پسندی نے پیدا کی تھی اور جس کے ردعمل میں جدیدیت کی تحریک برپا ہوئی تھی۔ اس کے نتیجے میں جو ردعمل سامنے آیا اس کو ''مابعد جدیدیت'' کہا گیا۔ اس مابعد جدیدیت کے علم بردار کسی منظّم فکر اور تحریک کے قائل نہیں ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ یہ کسی نظریے کا نام نہیں ہے بلکہ اس عہد کا نام ہے جس سے ہم گزر رہے ہیں اور ان کیفیتوں کا نام ہے جو اس عہد کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر امور میں مابعد جدیدیت کے مفکرین ایک خیال نہیں رکھتے ہیں اور علمی حلقوں میں بھی یہ اصطلاح مختلف معنوں میں استعمال ہوتی رہتی ہے۔ کچھ لوگ اس کو ''عظیم بیانات'' (meta-narratives) پر یقین نہ کرنے کا نام دیتے ہیں۔ اس کے مطابق جدیدیت نے عقل کی بالادستی، آزادی، جمہوریت، ترقی، کھلی منڈی اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت پسندی جیسے خیالات کو عالم گیر سچائی کی

حیثیت سے پیش کیا تھا۔ جو ایک کھلا فریب تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ان ساری خودساختہ حقیقتوں کی قلعی کھل گئی ہے۔ اب اس دور میں اس طرح کے عظیم بیانات کی عمارت ڈھادی گئی ہے۔ مابعد جدیدیت کے مطابق دنیا میں کسی آفاقی سچائی کا وجود نہیں ہے۔ مابعد جدیدیت کے علم بردار بھی دوسری انتہا پر جاکر عالمی یا آفاقی سچائی کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں چاہے سچائی ہو یا کوئی اخلاقی قدر، حسن وخوبصورتی کا احساس ہو یا کوئی ذوق یہ سب اضافی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا تعلق انفرادی پسند وناپسند اور حالات سے ہے۔ یعنی ایک ہی بات کسی مخصوص مقام پر یا مخصوص صورتوں میں سچ اور دوسری صورتوں میں جھوٹ ہوسکتی ہے۔ دنیا میں کوئی ایسی بات نہیں جو ہمیشہ اور ہر مقام پر سچ ہو۔ اس تحریک کے علم بردار سرمایہ داری، جمہوریت، اور اشتراکیت جیسے نظریات کے سخت ناقد ہیں جو اپنے خیالات کو عالم گیر سچائی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ مذہبی عقائد اور تصورات کے بھی منکر ہیں۔ کیونکہ مذاہب کا دعوی بھی یہی ہے کہ ان کے معتقدات کی حیثیت اٹل حقائق کی ہے۔ مابعد جدیدیت کے ماننے والے سائنس کو بھی حتمی سچائی کی حیثیت سے قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کے مطابق جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس کی حیثیت سچائی کی نہیں ہے۔ اس کے علم برداروں کا خیال ہے کہ ہم وہی دیکھتے ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں اور ہم وہی دیکھتے ہیں جو مخصوص وقت اور مخصوص مقام پر مخصوص احوال خود کو دکھانا چاہتے ہیں۔ وہ دنیا کو حقیقی اور ٹھوس اشیا اور مناظر کی بجائے ایسے عکسوں (images) اور مظاہر (representations) سے عبارت سمجھتے ہیں جو غیر حقیقی اور غیر محسوس ہیں۔ اس طرح سے یہ تحریک عظیم بیانات کے فکری استبداد، ساخت (structure) اور طرز کی وحدت کے روایتی سانچوں کی شکست وریخت اور منطق کی مرکزیت اور اس طرح کے دیگر مصنوعی طور پر مسلط کردہ نظاموں کو اٹھا کر پھینک دینے کا عمل ہے۔

مابعد جدیدت کا ایک اثر یہ ہے کہ افکار، نظریات اور آئیڈیالوجی سے لوگوں کی دلچسپی نہایت کم ہوگئی ہے۔ جدیدیت کے دور میں انسان مخصوص افکار ونظریات سے وفاداری رکھتا تھا اور ان کی تبلیغ واشاعت کے لیے پرجوش وسرگرم رہتا تھا۔ مابعد جدید دور

کے انسان کے پاس نہ کوئی متفقہ فکر ہے نہ کوئی متعین اصول۔ اسی لیے مابعد جدید دور میں انسان کی بحث وگفتگو یا تو روزمرہ کے عملی مسائل پر ہوتی ہے یا روابط وتعلقات کی جذباتیت پر۔ مختلف فیہ اور متنازع فیہ مسائل میں وہ باہم متضاد خیالات میں ہر خیال کو بیک وقت درست سمجھتا ہے۔ ان کی تنقیح اور درست فیصلے سے اسے کوئی دلچسپی نہیں۔ مذہبی معاملات میں وحدت ادیان کا نظریہ بہت ہی قدیم ہے۔ مابعد جدیدیت نے اس طرز فکر کو تقویت دی ہے۔ اب دنیا بھر میں لوگ بیک وقت سارے مذاہب کو سچ ماننے کے لیے تیار ہیں۔ اور بین المذاہب مکالمات ومباحث سے لوگوں کی دلچسپی روبہ زوال ہے۔ جب کہ دوسری طرف الحاد ومذہب بیزاری کی شدت بھی ختم ہورہی ہے۔ چونکہ الحاد بھی ایک 'دین' ہے یا ایک 'دعوی' ہے۔ اس لیے مابعد جدید دور کا انسان اسے بھی ایک مسلک کے طور قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قدروں کی اضافیت کے نظریے نے سماجی اداروں اور انطباعی عوامل کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ خاندانی نظام اور شادی بیاہ کے بندھنوں کا انکار ہے نہ اقرار۔ عفت، ازدواجی وفاداری اور شادی کے بندھن مابعد جدیدیت کے علم برداروں کے نزدیک ''عظیم بیانات'' ہیں۔ اسی طرح جنسوں کی بنیاد پر علیحدہ رول کو بھی آفاقی نہیں مانتے ہیں۔ نہ صرف مرد وعورت کے درمیان تقسیم کار کے روایتی فارمولوں کے وہ منکر ہیں بلکہ جنسی زندگی میں بھی مرد وعورت کے جوڑے کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں۔ شادی مرد اور عورت کے درمیان بھی ہوسکتی ہے اور مرد اور مرد اور عورت اور عورت کے درمیان بھی۔ مرد اور عورت شادی کے بغیر ایک ساتھ رہنا پسند کریں تو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ایک ساتھ بھی نہیں رہنا ہے تو صرف تکمیل خواہش کا معاہدہ بھی ہوسکتا ہے۔ یہ سب ذاتی پسند اور ذوق کی بات ہے۔ فیشن، لباس اور طرز زندگی ہر معاملے میں کوئی بھی ضابطہ بندی گوارا نہیں کرتے۔ سماج کو کسی بھی رویے کو ناپسند کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی مادرزاد برہنہ رہنا چاہے تو سوسائٹی اس پر بھی اعتراض نہیں کرسکتی۔ سیاسی محاذ پر مابعد جدیدیت کے ماننے والے قوموں کے وجود اور قوم پرستی کا انکار کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قومی مفاد اور قومی فرائض بھی ''عظیم بیانات'' ہیں۔ اگر کوئی علاقہ، قبیلہ یا گروہ ریاست کے اقتدار سے خوش

نہیں تو ریاست کو اس پر زبردستی کا کوئی حق نہیں۔ تعلیم، سائنس، ٹکنالوجی، ترقی، معاشیات، سیاسیات، سماجیات، آرٹ اور علوم وفنون میں مابعد جدیدیت ہر طرح کے نظم اور پابندی کے خلاف ہیں۔ جدیدیت نے ان محاذوں پر جو اصول تشکیل (construction) دیے تھے مابعد جدیدیت ان کی ردتشکیل (deconstruction) کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح مابعد جدیدیت کی تحریک نے سوسائٹی میں ہر جگہ اقتدار اعلی کے نظریے پر قائم افسرشاہی اور ضابطوں اور اصولوی کی سخت گیری کو چیلنج کیا۔ نظام مراتب (hierarchy) اور بندشوں کے مقابلے میں آزادی، اختیارات کی مرکزیت (centralization) کے مقابلے میں غیر مرکزیت (decentralization) اور ضابطے اور اصول کے مقابلے میں انفرادی پسند اور آزادی کے احترام وغیرہ اس تحریک کی نمایاں خصوصیت ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: مابعد جدیدیت کا چیلنج اور اسلام از سید سعادت اللہ حسینی اور۔

Islam and Modernity: Kye Issues and Debates, eds. Muhammad Khalid Masud, Armando Salvatore and Martin van Bruinessen.

جدیدیت کی عقلیت پرستی اور مابعد جدیدیت میں سچائی کی اضافیت کے نظریات اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہیں۔ اسلام عقل انسانی کو اہمیت دیتا ہے لیکن اس کے نزدیک وہ حقائق حتمی اور قطعی ہیں جن کا سرچشمہ وحی الہی ہے۔ اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ و الرضوان کے زمانے میں ہندوستان میں انگریزوں نے اپنا استعماری نظام قائم کرلیا تھا۔ انہوں نے جو تعلیمی نظام متعارف کرایا تھا اس میں جدیدیت کے یہ عناصر موجود تھے۔ اور انہوں نے جو نصاب تعلیم تجویز کیا تھا اس کے اغراض ومقاصد بھی یہی تھے کہ لوگوں کو ان کے مذہبی معتقدات سے دور رکھا جائے۔ تھامس بنگٹن میکاؤلی نے کہا تھا: ''ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہئے جو ہم اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان ترجمان کا کام کرے اور یہ ایسی جماعت ہونی چاہئے جو خون اور رنگ میں تو ہندوستانی ہو مگر مزاج، رائے، زبان اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔'' انگریزوں کی تعلیمی پالیسی سے نام نہاد مسلمانوں کا ایک

طبقہ متأثر ہوا۔ اورانہوں نے انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان جدید اقدار کو بھی قبول کرلیا جو یورپ سے آئی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب بیزاری اور الحاد اور عقلیت پسندی کے اثرات پھیلنے لگے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان علیہ الرحمۃ والرضوان کو اللہ تبارک وتعالی نے دینی علوم اور عقلی علوم میں مہارت تامہ اور ناقدانہ اور مجتہدانہ بصیرت عطا فرمائی تھی۔ ان کے ذریعے انہوں نے ان غیر اسلامی عقائد و اعمال اور نظریات کی اصلاح کی جو الحاد اور لادینیت کو فروغ واستحکام بخش رہے تھے۔ خود اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے ان علوم وفنون کی تعداد پچپن بتائی ہے جن میں ان کو مہارت تھی۔ ان میں سے بعض علوم آپ نے اساتذہ کرام سے حاصل کیے اور بعض علوم اساتذہ فن کی کتب سے محض مطالعہ سے حاصل کیے۔ جن علوم پر آپ کو عبور تام تھا ان میں تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، معانی، بیان، بدیع، سلوک، طب، ریاضی، طبعیات، فلکیات، ارضیات، ہئیت، منطق، فلسفہ، جبر ومقابلہ، لوگارثم، توقیت، مرایا ومناظر، جفر، جغرافیہ، ارثماطیقی، زیجات اور دیگر علوم شامل ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الاجازات المتینۃ لعلمائے بکۃ والمدینہ)۔ ان میں تقریبا ہر علم پر آپ کی کوئی نہ کوئی تصنیف یا فتوی موجود ہے۔ یہ آپ کے تبحر علمی پر دلیل ہیں۔ وہ علوم وفنون جو آج کل جدید سائنس کے نام سے پڑھائے جاتے ہیں ان میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی مہارت اور کمال پر متعدد اہل علم نے تحقیقی کام کئے ہیں۔ تفصیل کے لیے دیکھیں مولانا محمد شہزاد قادری ترابی کی کتاب بعنوان امام احمد رضا اور سائنسی تحقیق، زاویہ پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۲ اور جناب عمر شہزاد کے ایم فل کا مقالہ بعنوان ’’مولانا احمد رضا خان کی علم الطبعیات میں خدمات کا جائزہ اور جدید سائنسی نظریات سے تقابل‘‘، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی. یونیورسٹی، فیصل آباد، ۲۰۱۰-۲۰۱۲)۔

علوم عقلیہ میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی تحریروں اور تصانیف کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم وفنون میں وحی الہی اور فرمان رسول ﷺ کے بالمقابل عقل انسانی کی بالادستی تسلیم نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے وہ سائنس کے بہت سے مزعومات اور مفروضات کی تردید کرتے ہیں۔ اوراسی کے ساتھ اسلامی تعلیمات کو ان مفروضات کی

روشنی میں پیش کرنے کے خلاف ہیں۔ کیونکہ علوم عقلیہ میں نظریات بالعموم بدلتے رہتے ہیں۔ سائنس خود ترقی پذیر ہے۔ مشاہدات اور تجربات کے نتائج ایک ہی اصول اور ایک ہی نہج پر نہیں رہتے ہیں۔ اس لیے عقل، تجربہ اور مشاہدہ معیار صداقت نہیں بن سکتے۔ بلکہ جن قوموں نے موجودات اور مشاہدہ کو معیار صداقت بنایا وہ دین سے بیگانہ ہوگئے۔ ذیل میں دینی اور عقلی علوم کے سلسلے میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے افکار وخیالات پیش کئے جارہے ہیں۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے سوال کیا گیا تھا کہ حدیث ’’ **طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ** ‘‘ (ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے) میں عموماً ہر علم مراد ہے یا کوئی علم خاص مقصود ہے۔ اگر خاص ہے تو وہ کون سا علم ہے۔ اس کے جواب میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے لکھا ہے کہ ’’حدیث **طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ** کہ بوجہ کثرت طرق وتعدد مخارج حدیث حسن ہے، اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلب علم کی فرضیت ہے۔ تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو اور فرض عین نہیں مگر ان علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو۔ ان کا اعم واشمل واعلی واکمل واہم واجل علمِ اصولِ عقائد ہے۔ جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے۔ اور انکار ومخالفت سے کافر یا بدعتی۔ والعیاذ باللہ تعالی۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا تعلم ہے۔ اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں۔ پھر علمِ مسائل نماز یعنی اس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور ادا کرسکے۔ پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم، مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ، صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج، نکاح کیا چاہے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائل بیع وشراء، مزارع پر مسائل زراعت، موجر ومستاجر پر مسائل اجارہ، وعلی ھذا القیاس ہر اس شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے۔ اور انھیں میں سے ہیں مسائل حلال وحرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے۔ اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیرہا اور ان کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر وریاء وعجب وحسد وغیرہا اور ان کے معالجات کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض

سے ہے۔جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یونہی بعینہٖ ریاء سے نماز پڑھنے والا انہیں مصیبتوں میں گرفتار ہے۔**نسأل اللّٰہ العفو والعافیة.** تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔'' (فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص: ۶۲۳۔۶۲۴)

تاہم اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ اتنا علم حاصل کرنا تو فرض عین ہے۔مگر بہت سے علوم وفنون ایسے ہیں جو فرض کفایہ، واجب، مسنون یا پھر مستحب کے خانے میں شمار کیے جاسکتے ہیں۔مگر شرط یہ ہے کہ وہ علوم اسلامی تعلیمات ومعتقدات کے مخالف نہ ہوں۔''غرض اس حدیث میں اسی قدر علم کی نسبت ارشاد ہے۔ہاں آیات و احادیث دیگر کہ فضیلت علماء وترغیب علم میں وارد، وہاں ان کے سوا اور علوم کثیرہ بھی مراد ہیں جن کا تعلم فرض کفایہ یا واجب یا مسنون یا مستحب۔اس کے آگے کوئی درجہ فضیلت وترغیب اور جو ان سے خارج ہو ہرگز آیات واحادیث میں مراد نہیں ہوسکتا۔اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ وہ علوم جو آدمی کو اس کے دین میں نافع ہوں خواہ اصالۃً جیسے فقہ وحدیث وتصوفِ بے تخلیط، وتفسیر قرآن بے افراط وتفریط، خواہ وساطۃً مثلاً نحو وصرف ومعانی وبیان کہ فی حد ذاتہ امر دینی نہیں مگر فہمِ قرآن وحدیث کے لیے وسیلہ ہیں۔'' (فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص:۶۲۶)۔

اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان مزید فرماتے ہیں کہ جو علم وراثت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے وہ یہی علم دین ہے۔اور یہی علم محمود اور فضیلت والا ہے۔اور اسی کے جاننے والے کے لیے عالم ومولوی کے لقب کے مستحق ہیں۔اسی کے ساتھ آپ یہ بھی کہتے ہیں دوسرے علوم کو بقدر توسل اور بقصد توسل اگر سیکھا جائے تو وہ بھی مورد فضائل ہیں۔''فقیر غفرلہ اللہ تعالی قرآن وحدیث سے صدہا دلائل اس معنی پر قائم کرسکتا ہے کہ مصداق فضائل صرف علوم دینیہ ہیں وبس۔ان کے سوا کوئی علم شرع کے نزدیک علم نہ آیات واحادیث میں مراد۔اگرچہ عرف ناس میں یا باعتبار لغت اسے علم کہا کریں۔ہاں آلات و وسائل کے لیے حکم مقصود کا ہوتا ہے ۔مگر اسی وقت تک کہ وہ بقدر توسل و تقصد [بقصد] توسل سیکھے جائیں۔اس طور پر وہ بھی مورد فضائل ہیں۔جیسے نماز کے لیے گھر سے جانے والوں کو حدیث میں فرمایا کہ وہ نماز میں ہے جب تک نماز کا انتظار کرتا ہے۔نہ

یہ کہ انہیں مقصود قرار دے لیں اور ان کے توغل میں عمر گزار دیں۔نحوی، لغوی، ادیب، منطقی کہ انہیں علوم کا ہو رہے اور مقصود اصلی سے کام نہ رکھے زنہار عالم نہیں کہ جس حیثیت کے صدقہ میں انہیں نام ومقامِ علم حاصل ہوتا جب وہی نہیں تو یہ اپنی حد ذات میں نہ ان خوبیوں کے مصداق تھے نہ قیامت تک ہوں۔ہاں اسے یہ کہیں گے کہ ایک صنعت جانتا ہے۔جیسے آہنگر ونجار۔اور فلسفی کے لیے یہ مثال بھی ٹھیک نہیں کہ لوہار بڑھئی کو ان کا فن دین میں ضرر نہیں پہنچاتا، اور فلسفہ تو حرام ومضر اسلام ہے۔اس میں منہمک رہنے والا اجہل جاہل، اجہل بلکہ اس سے زائد کا مستحق ہے۔**لا حول و لاقوۃ الا باللہ العلی العظیم.** ہیہات ہیہات اسے علم سے کیا نسبت۔علم وہ ہے جو مصطفے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ترکہ ہے۔نہ وہ جو کفار یونان کا پس خوردہ۔'' (فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص:۶۲۸)[...........]''اسی طرح وہ ہیئت جس میں انکار وجود آسمان وتکذیب گردش سیارات وغیرہ کفریات وامور مخالفہ شرع تعلیم کیے جائیں وہ بھی مثل نجوم حرام وملوم اور ضرورت سے زائد حساب یا جغرافیہ وغیرہما داخل فصولیات ہیں۔نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں۔علم تین ہیں۔قرآن یا حدیث یا وہ چیز جو وجوب عمل میں ان کی ہمسر ہے۔(گویا اجماع وقیاس کی طرف اشارہ فرماتے ہیں) اور ان کے سوا جو کچھ ہے سب فضول۔**اخرجہ ابو داؤد و ابن ماجہ والحاکم عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالی عنہما** ۔[------] یہ مجمل کلام ہے۔باقی تفصیل مقام کے لیے دفتر درکار۔جسے منظور ہو احیاء العلوم وطریقۂ محمدیہ و حدیقۂ ندیہ ودر مختار ورد المحتار وغیرہ اسفار علماء کی طرف رجوع کرے۔**و فیما ذکرنا کفایة لاھل الدرایة واللہ سبحانہ و تعالی اعلم و علمہ جل مجدہ اتم و احکم**۔'' (فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص:۶۲۹۔۶۳۰)

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے نظریہ علم میں بنیادی اہمیت دینی علوم کی تعلیم وتعلم کو ہے۔اس کو حاصل کرنا فرض عین ہے۔ان کے علاوہ علوم آلات اور وسائل کی طرح ہیں۔اگر وہ دین ودنیا میں اسلامی زندگی گزارنے کے لیے مفید اور کارآمد ہیں اور اس سلسلے میں ان کی حاجت وضرورت ہے تو ان کی تعلیم کی

اجازت ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ان علوم وفنون کی بنیاد عقل محض پر نہ ہو اور ان کی وجہ دین کے معتقدات، اللہ تعالی کے وجود، اس کی خالقیت و مالکیت اور اس کے اختیار اور ارادہ کا انکار نہ ہو۔ درس نظامی میں شامل فنون عقلیہ مثل منطق وحکمت وریاضی وغیرہ کے بارے میں سوال کے جواب میں اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں: ''نفس منطق ایک علم آلی وخادم علم اعلی الاعالی ہے۔ اس کے اصل مسائل یعنی مباحث کلیات خمسہ وقول شارح وتقاسیم قضایا وتناقض وعکوس وصناعات خمس کے تعلم میں اصلاً حرج شرعی نہیں۔ نہ یہ مسائل شرع مطہر سے کچھ مخاصمت رکھیں۔ بیان کرنے والے دائمہ کی مثال میں **کل شئ معلوم لله دائما** کی جگہ **کل فلک متحرک دائما** لکھیں تو یہ ان کی تقصیر ہے، منطق کا قصور نہیں۔ ائمہ مؤیدین بنور اللہ المبین اپنی سلامت فطرت عالیہ کے باعث اس کی عبارات واصطلاحات سے مستغنی تھے۔ تو ان کے غیر بے شک ان قواعد کی حاجت رکھتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کو نحو وصرف ومعانی بیان وغیرہا علوم کی احتیاج نہ تھی کہ یہ ان کے اصل سلیقہ میں مرتکز تھے۔ اس سے ان کے غیر کا افتقار منتفی نہیں ہوتا۔ ولہذا امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی نے فرمایا: **من لم یعرف المنطق فلا ثقة له فی العلوم اصلا.** (جو کوئی علم منطق سے نا آشنا ہے اس کے علوم نا قابل اعتماد ہیں۔) بہت ائمہ کرام نے اس سے اشتغال رکھا بلکہ اس میں تصانیف فرمائیں۔ بلکہ اسفار دینیہ مثل کتب اصول فقہ واصول دین کا مقدمہ بنایا۔ ردالمحتار میں ہے: **اما منطق الاسلامیین الذی مقدماته قواعد اسلامیة فلا وجه للقول بحرمته بل سماه الغزالی معیار العلوم و قد الف فیه علماء الاسلام و منهم المحقق ابن الهمام فانه اتی منه ببیان معظم مطالبه فی مقدمة کتابه التحریر الاصولی.** (اہل اسلام کی منطق کو حرام کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ اس کے مقدمات قواعد اسلامیہ ہیں۔ بلکہ امام غزالی نے تو معیار العلوم (علوم کے پرکھنے کی کسوٹی) قرار دیا ہے۔ اور اس میں علمائے اسلام نے سیکڑوں تصنیفات کی ہیں۔ انہی میں سے محقق بن ہمام بھی ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''التحریر الاصولی'' کے مقدمہ میں اس کا ایسا بیان فرمایا جس کے

مطالب عظیم ہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص: ۶۳۱۔۶۳۲)

اسی کے ساتھ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان یہ بھی کہتے ہیں کہ ان علوم وفنون کی تحصیل میں اعتدال برتنا چاہئے اور صرف ضرورت اور حاجت کی حد تک اس میں مشغولی ہونی چاہئے۔ وہ لکھتے ہیں: ''ہاں علم آلی سے بقدر آلیت اشتغال چاہیے۔ اس میں منہمک ہو جانے والا سفیہ جاہل اور مقاصد سے محروم وغافل ہے۔ اسی طرح بہت اجزائے حکمت مثل ریاضی، ہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وارثماطیقی وسیاحت ومرایا ومناظر وجرثقیل وعلم مثلث کروی ومثلث مسطح وسیاست مدن وتدبیر منزل ومکائد حروب وفراست وطب وتشریح وبیطرہ وبیزرہ وعلم زیجات واسطرلاب وآلات رصدیہ ومواقیت ومعادن ونباتات وحیوانات و کائنات الجو وجغرافیہ وغیرہا بھی شریعت مطہرہ سے مضادت نہیں رکھتے بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں بکار آمد ہیں۔ اگرچہ مقاصد اصلیہ کے سوا، حاجت سے زیادہ کسی شے میں توغل فضولی وبیہودگی ہے۔ **ومن حسن إسلام المرء ترکه ما لایعنیه.** (کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی امور کو ترک کردے)۔ خصوصا علم طب کا مفید ومحمود ومحتاج الیہ ہونا تو ظاہر۔ یونہی فرائض کے لیے ضروری حساب اور ہمیں معرفت صحیحہ اوقات طلوع فجر کاذب وصادق وشمس وضحوۂ کبری و استواء وظل ثانی غایۃ الارتفاع ومثل اول وثانی وغروب شمس وشفق احمر وابیض کہ نماز وسحری و افطار وغیرہا امور دینیہ ومسائل شرعیہ میں ان کی سخت حاجت عامہ کو بروجہ تحقیق بقدر قدرت بشری بے علم زیجات یا آلات رصدیہ نامتصور۔ ان کی ناواقفی سے بہت لوگ سخت غلطیوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ مثلاً اذہان عامہ میں جما ہوا ہے کہ جس وقت توپ چلی اور جس گھڑی میں بارہ بجے استواء ہوگیا، جب تک وقت ظہر نہ آیا تھا۔ اور اس کے بعد شروع ہوگیا۔ حالانکہ دونوں غلط۔ بعض موسموں میں ہنوز توپ چلنے، بارہ بجنے میں پاؤ گھنٹہ یا زائد باقی ہوتا ہے کہ وقت ظہر ہوگیا۔ اور بعض میں سوا بارہ بجے بھی وقت ظہر نہیں ہوتا۔ اوقات سحری وافطار میں عوام جہال کی جنتریوں یا ناواقف پڑھے لکھوں کی فہرستوں پر عمل کرتے اور بلاوجہ بزعم احتیاط دونوں جانب تعجیل سحور وتاخیر افطار سے ترک سنت مؤکدہ حضور پرنور سید عالم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم پر مصر رہتے ہیں۔بعض حضرات بنام حفظ سنت تاخیر سحور وتعجیل افطار میں حد سے متجاوز ہو کر صحت و بطلان صوم کو حالت شک میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ سب علم زیجات سے ناواقفی پر مبنی ہے۔(فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص:۶۳۳-۶۳۳)(......)''تو مطلقاً علوم عقلیہ کے تعلیم و تعلم کو ناجائز بتانا یہاں تک کہ بعض مسائل صحیحہ مفیدہ عقلیہ پر اشتمال کے باعث توضیح وتلویح جیسے کتب جلیلہ عظیمہ دینیہ کے پڑھانے سے منع کرنا سخت جہالت شدیدہ و سفاہت بعیدہ ہے۔ہاں اکثر طبعیات و عامہ الہیات فلاسفہ مخذولین صدہا کفر صریح وشرک جلی پر مشتمل مثلاً زمان وحرکت وافلاک وہیولی وصورت جرمیہ ونوعیہ وسفسطات وانواع موالید و نفوس کا قِدَم اور خالقیت عقول مفارقہ وانکار فاعل مختار وعلم جزئیات وحشر اجساد وجنت ونار و احالہ خرق افلاک واعادۂ معدوم وصدور کثیر عن الواحد وغیرہا اوران کے سوا اور اجزاء وفروع فلسفہ بھی کفریات صریحہ ومحرمات سے مملو ہیں۔مثلاً علم طلسمات ونیرنجات وجزء التاثیر من علم النجوم واحکام زائچۂ عالم وزائچۂ موالید وتسیرات وفردارات وسیمیا وغیرہا یہ تو درس میں داخل نہیں۔طبعیات والہیات پڑھائے جاتے ہیں۔''(فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص:۶۳۴)۔

اسی کے ساتھ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ان علوم عقلیہ کی تحصیل میں چند اموراور شرائط پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ان کی رعایت عقیدہ وایمان کی حفاظت کے لیے اور الحاد و لادینیت کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے۔آپ فرماتے ہیں:''**فاقول و باللہ التوفیق** (پھر میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق حاصل ہوتی ہے۔)انصافا ان کی تعلیم وتعلم زہر مہلک و نار محرق ہے مگر بچند شروط:اولاً۔انہماک فلسفیات وتوغل مزخرفات نے معلم کے نور قلب کو منطفی اور سلامت عقل کو منتفی نہ کر دیا ہو کہ ایسے شخص پر خود ان علوم ملعونہ سے یک لخت دامن کشی فرض اور اس کی تعلیم سے ضر راشد کی توقع۔ثانیاً۔وہ عقائد حقہ اسلامیہ سنیہ سے بروجہ کمال واقف و ماہر اور اثبات حق وازہاق باطل پر بعونہ تعالیٰ قادر ہو ورنہ قلوب طلبہ کا تحفظ نہ کر سکے گا۔ثالثاً۔ وہ اپنی اس قدر کو بالتزام تام ہر سبق کے ایسے محل ومقام پر استعمال بھی کرتا ہے۔ ہرگز کسی مسئلہ باطلہ پر آگے نہ چلنے دے جب تک اس کا بطلان متعلم کے ذہن نشین نہ کر دے۔غرض

اس کی تعلیم کا رنگ وہ ہو جو حضرت بحرالعلوم قدس سرہ الشریف کی تصانیف شریفہ کا۔رابعاً۔متعلم کو قبل تعلیم خوب جانچ لے کہ پورا سنی صحیح العقیدہ ہے اور اس کے قلب میں فلسفہ ملعونہ کی عظمت و وقعت متمکن نہیں۔خامساً۔اس کا ذہن بھی سلیم اور طبع مستقیم دیکھ لے۔بعض طبائع خواہی نخواہی زیغ کی طرف جاتے ہیں۔حق بات ان کے دلوں پر کم اثر کرتی اور جھوٹی جلد پیر جاتی ہے۔**قال اللہ تعالیٰ وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا.وان یرو سبیل الغی یتخذوہ سبیلا.** (اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:اگر درستی اور ہدایت کی راہ دیکھیں تو اس پر نہیں چلتے۔اور اگر گمراہی کی راہ دیکھ لیں تو اس پر چلنے لگتے ہیں۔) بالجملہ گمراہ ضال یا مستعد ضلال کو اس کی تعلیم حرام قطعی ہے۔(............) سادساً۔معلم ومتعلم کی نیت صالحہ ہو نہ اغراض فاسدہ۔سابعاً۔تنہا اسی پر قانع نہ ہو بلکہ دینیات کے ساتھ ان کا سبق ہو کہ اس کی ظلمت اس کے نور سے متجلی ہوتی رہے۔ان شرائط کے لحاظ کے ساتھ بعونہ تعالیٰ اس کے ضرر سے تحفظ رہے گا۔اور اس تعلیم وتعلم سے انتفاع متوقع ہوگا کہ:**علمت الشر لا للشر لکن لتوقیہ فمن لم یعرف الشر فیوما یقع فیہ** (میں نے شر کو اس سے بچنے کے لیے معلوم کیا نہ کہ شر کے لیے۔پھر کچھ شر کو نہیں پہچانتا تو کسی نہ کسی دن اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔) تشحیذ اذہان ہوگی۔ضلالات فلسفہ کے رد پر قدرت ملے گی۔بہت بد مذہب کہ مناظرات میں کفار فلاسفہ کا دامن پکڑتے ہیں ان کی دنداں شکنی ہو سکے گی۔انہیں اغراض سے درس نظامی میں یہ کتب رکھی گئی تھیں کہ اب شدہ شدہ از کجا تا کجا نوبت پہنچی۔یہاں تک کہ بہت حمقا کے نزدیک یہی جہالات باطلہ علوم مقصودہ قرار پا گئیں،جس کی شناعت کا قدرے بیاں فقیر نے اپنے رسالہ **مقامع الحدید علیٰ خد المنطق الجدید** میں کیا۔وباللہ التوفیق۔واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔کلامِ قدماء واصول فقہ کی سمجھ میں طبعیات والٰہیات فلسفہ کی اصلاً حاجت نہیں۔ **و قال اللہ تعالی و اوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا.** (اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:لوگو! وعدہ پورا کیا کرو۔بے شک وعدہ کے بارے میں پوچھ ہوگی۔ہاں منطق بلاشبہ مفید وکارآمد اور اکثر جگہ محتاج الیہ ہے۔میبذی وصدرا وشمس بازغہ وامثالہا کے استثناء سے درس عامہ میں

جوعقلیات خالصہ یا نقلیات ممتزجہ صغریٰ وکبریٰ وایساغوجی وقال اقول ومیر ایساغوجی وقطبی و شرح تہذیب ومیبذی وجلالی وحاشیہ جلالی وحاشیہ سیدزاہد وحاشیۃ الحاشیہ مولانا بحرالعلوم وسلم وملاحسن وحمد اللہ وقاضی ورسالہ قطبیہ وشرح سیدزاہد وحاشیہ غلام یحیٰ وشرح عقائد نسفی وجلالی وخیالی و تحریری اقلیدس وتصریح شرح تشریح وشرح چغمینی ومسلم الثبوت وشرح مواقف ومیرزاہد امور عامہ پڑھائی جاتی ہیں فہم کلام واصول ونیز تشحیذ اذہان وتمرین عقول کے لیے بس ہیں۔ (فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص::۶۳۲۔۶۳۷)۔

ایک علاقے کے ایک دینی مدرسے، جس میں علم دین مثل حفظ قرآن شریف و ناظرہ وضروریات دین ودنیوی جوکہ ضروری ہیں، کی تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری تھا اور ایک دوسرے مدرسے جس کو عرضی دے کر سرکاری کروایا گیا تھا کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے لکھا ہے کہ ضروریات دین کا علم حاصل کرنے کے بعد اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا علوم وفنون کو پڑھنا یا پڑھانا مباح ہے بشرطیکہ ان میں کوئی مخالف شرع امر کی تعلیم نہ ہو: ’’علم دین سیکھنا اس قدر کہ مذہب حق سے آگاہ ہو وضو، غسل، نماز، روزے وغیرہا ضروریات کے احکام سے مطلع ہو۔ تاجر تجارت، مزارع زراعت، اجیر اجارے، غرض ہر شخص جس حالت میں ہے اس کے متعلق احکام شریعت سے واقف ہو، فرض عین ہے۔ جب تک یہ حاصل کرے جغرافیہ، تاریخ وغیرہ میں وقت ضائع کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں ہے: **طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة.** (ہر مسلمان مرد وعورت پر علم کی تلاش فرض ہے۔) جو فرض چھوڑ کر نفل میں مشغول ہو حدیثوں میں اس کی سخت برائی آئی۔ اور اس کا وہ نیک کام مردود قرار پایا۔ کما بیناہ فی الزکوۃ من فتاوانا۔ ن (جیسا کہ ہم نے اسے اپنے فتاوی کی بحث زکوۃ میں تفصیلاً بیان کردیا ہے۔) نہ کہ فرض چھوڑ کر فضولیات میں وقت گنوانا۔ غرض یہ علوم ضروریہ تو ضرور مقدم ہیں اور ان سے غافل ہو کر ریاضی، ہندسہ، طبعیات، فلسفہ یا دیگر خرافات وفلسفہ پڑھنے پڑھانے میں مشغولی بلاشبہ متعلم ومدرس دونوں کے لیے حرام ہے۔ اور ان ضروریات سے فراغ کے بعد پورا علم دین فقہ حدیث، تفسیر، عربی زبان اس کی صرف، نحو، معانی، بیان، لغت، ادب وغیرہا

آلات علوم دینیہ بطور آلات سیکھنا سکھانا فرض کفایہ ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین.** (پھر ایسا نہ ہوا کہ ان کے گروہ میں سے ایک جماعت نکلتی تاکہ لوگ دین کی سمجھ حاصل کرتے۔) یہی علوم علم دین ہیں اور انہیں کے پڑھنے پڑھانے میں ثواب اور ان کے سوا کوئی فن یا زبان کچھ کار ثواب نہیں۔ ہاں جو شخص ضروریات دین مذکورہ سے فراغت پاکر اقلیدس، حساب، مساحت، جغرافیہ وغیرہا وہ فنون پڑھے جن میں کوئی امر مخالف شرع نہیں تو ایک مباح کام ہوگا۔ جب کہ اس کے سبب کسی واجب شرعی میں خلل نہ پڑے۔‘‘ (فتاوی رضویہ، جلد۲۳؛ص:۶۴۷۔۶۴۸)

علوم وفنون کی تعلیم وتعلم کے لیے یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں ایک استفتا اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے پاس آیا تھا۔ اس میں مندرجہ ذیل سوالات تھے۔ آج کل مسلمان جو تکمیل یونیورسٹی کو کوشش کرتے ہیں اور چندہ فراہم کرتے ہیں وہ ثواب ہے یا نہیں؟ آیا تکمیل یونیورسٹی دینی ضروریات سے ہے یا نہیں؟ اس مد میں جو روپیہ دیا جائے وہ صدقہ جاریہ میں محسوب ہوگا یا نہیں؟ اس یونیورسٹی میں اہل سنت شامل ہوسکتے ہیں یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے لکھا کہ اگر اس یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم اہل سنت و جماعت کے مطابق ہو تو اس میں شریک ہونا جائز ہے ورنہ نہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ’’اگر یہ بات قرار پائے اور اسکے افسر عہدہ داران اس کا پورا ذمہ قابل اطمینان کریں کہ اس کا حصہ دینیات صرف اہل سنت وجماعت کے متعلق رہے گا جن کے عقائد مطابق علمائے حرمین طیبین ہیں۔ انھیں کی کتب نصاب میں ہوں گی۔ انھیں کے علماء مدرسین ہوں گے۔ انھیں کی تربیت میں طلباء رہیں گے۔ غیروں کی صحبت سے ان کو بچایا جائے گا۔ روپیہ جو اہلسنت سے لیا جائے گا۔ صرف اسی کام میں صرف کیا جائے گا۔ اس وقت اہل سنت کو اس میں داخل ہونا جائز اور باعث ثواب ہوگا۔ اور جو کچھ اس میں دیا جائے صدقہ جاریہ ہوگا۔ رہا اس کی تکمیل میں کوشش اور چندہ فراہم کرنا وہ صرف اتنی بات پر بھی ثواب نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس میں ہر مذہب کی تعلیم باقی ہے۔ وہ روپیہ اس لیے جمع نہیں کرتے کہ دین حق کی تعلیم ہو بلکہ حق و ناحق دونوں کی تعلیم کو [ہو]۔ سنیوں کے بچوں کو تعلیم ہوگی کہ قرآن مجید بعینہ محفوظ ہے۔ اس

میں کسی قسم دخل بشری سے ایک نقطہ کی کمی بیشی ہوئی نہ ہوسکتی ہے۔ کوئی غیر نبی کسی نبی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تقدیر کی بھلائی برائی سب اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اور اس پر کچھ واجب نہیں۔ وہ جو چاہے کرے۔ ہمارا اور ہمارے افعال نیک و بد کا وہی اکیلا خالق ہے۔ اس کا دیدار روز قیامت حق ہے۔ خلفائے اربعہ کی امامت برحق ہے۔ ان میں اللہ عزوجل کے یہاں سب سے زیادہ عزت وقربت والے صدیق اکبر ہیں، پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی پھر علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ انھیں بلکہ صحابہ میں سے کسی کو برا کہنے والا جہنمی مردود و ملعون ہے۔ اور شیعہ کے بچوں کو تعلیم ہوگی کہ یہ قرآن بیاض عثمانی ہے۔ اس میں سے کچھ آیتیں سورتیں صحابہ نے گھٹا دیں۔ بعض الفاظ کچھ کم کر دیئے جیسے ائمة ھی ازکی من ائمة کی جگہ امة ھی اربی من امة بتا دیا۔ مولا علی وائمۂ اطہار اگلے انبیاء علیہم الصلوۃ و السلام سے افضل ہیں۔ تقدیر کی برائی خدا کی طرف سے نہیں۔ بندہ کے لیے اصلح کرنا، لطف سے پیش آنا خدا پر واجب ہے۔ خدا اس کے خلاف نہیں کرسکتا۔ اپنے اعمال کے ہم خود خالق ہیں۔ خدا کا دیدار حق نہیں۔ خلفائے اربعہ میں تین معاذ اللہ ظالم غاصب ہیں۔ ان کو سخت سے سخت برائی سے یاد کرنا، گالیاں دینا بڑے ثواب کا کام ہے۔ پھر وہ خود اعلان کرتے ہیں کہ سب سے زائد اہتمام سائنس کی تعلیم کا ہوگا۔ سائنس میں وہ باتیں ہیں جو عقائد اسلام کے قطعا خلاف ہیں۔ بچوں کی تربیت دینے، تہذیب و انسانیت سکھانے کے لیے دنیا بھر میں کوئی مسلمان نہ رہا۔ عرب، مصر، روم، شام حتی کہ حرمین شریفین کے علما ومشائخ میں کوئی اس قابل نہیں۔ ہاں کمال مہذب وشیخ تربیت و پیر افادت بننے کے لائق یورپ کے عیسائی ہیں۔ ان کو اس قدر بیش قرار تنخواہیں ان روپوں سے دی جائیں گی کہ وہ یہاں رہنے پر مجبور ہوں۔ ان کی صحبت وتربیت میں مسلمانوں کے بچے رکھے جائیں گے۔ ان کے اخلاق و عادات سکھائے جائیں گے۔ ایسی صورت میں حال ظاہر ہے۔ ابتداء میں کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے کو بہت سنبھل سنبھل کر بنا بنا کر مقاصد دکھائے گئے ہیں۔ ان میں تو یہ حالت ہے۔ آئندہ جو کارروائی ہوگی رویش ببین حالش مپرس (اس کا چہرہ دیکھ لیکن اس کا حال نہ پوچھ۔)۔ سالہا سال سے جو علی گڈھ کالج انہیں مقاصد کے لیے قائم ہے اس کے

ثمرات ظاہر ہیں کہ مسلمانوں کو نیم عیسائی کر چھوڑا۔ اس کے اکثر تعلیم یافتہ اسلام وعقائدِ اسلام پر ٹھٹھے اڑاتے ہیں۔ ائمہ وعلما کو مسخرہ بتاتے ہیں۔ خودغرضی وخود پسندی دنیا طلبی دین فراموشی یہاں تک کہ داڑھی وغیرہ اسلامی وضع سے تنفران کا شعار ہے۔ جب ادھورے کے یہ آثار ہیں تکمیل کے بعد جو ثمرات ہوں گے آشکار ہیں۔ ع ''قیاس کن زگلستان او بہارش را''۔ (اس کے باغ سے اس کی بہار کا اندازہ کر لیجئے۔) وباللہ العصمۃ (اور اللہ تعالےٰ ہی کی مدد سے بچاؤ ہوسکتا ہے۔) واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۲۳؛ ص: ۷۸۴۔۷۸۶)

اس طرح سے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کسی ایسے ادارے کے قیام کو جائز نہیں کہتے ہیں جہاں اہل سنت و جماعت کے عقائد کے مخالف تعلیم دی جائے اور جہاں اسلام وعقائد اسلام کا مذاق اڑایا جائے یا فرق باطلہ کی تعلیم دی جائے۔ یا اس تعلیم سے دہریت ونیچریت کو فروغ ملے۔ لیکن اگر اس ادارے میں یہ نقائص نہ ہوں تو ایسے ادارے بنائے جاسکتے ہیں۔ اسی لیے وہ انگریزی تعلیم اور انگریزی زبان کی تعلیم کو بشروط جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: ''غیر دین کی ایسی تعلیم کہ تعلیم ضروری دین کو روکے مطلقاً حرام ہے۔ فارسی ہو یا انگریزی یا ہندی، نیز ان باتوں کی تعلیم جو عقائد اسلام کے خلاف ہیں جیسے وجود آسمان کا انکار یا وجود جن وشیطان کا انکار یا زمین کی گردش سے لیل ونہار یا آسمانوں کا خرق والتیام محال ہونا یا اعادۂ معدوم ناممکن ہونا وغیرہ ذلک عقائد باطلہ کہ فلسفہ قدیمہ جدیدہ میں ہیں، ان کا پڑھنا پڑھانا حرام ہے۔ کسی زبان میں ہو۔ نیز ایسی تعلیم جس میں نیچریوں دہریوں کی صحبت رہے، ان کا اثر پڑے، دین کی گرہ سست ہو یا کُھل جائے۔ اور اگر جملہ مفاسد سے پاک ہو تو علوم آلیہ مثل ریاضی و ہندسہ وحساب و جبر ومقابلہ وجغرافیہ وامثال ذلک ضروریات دینیہ سیکھنے کے بعد سیکھنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ کسی زبان میں ہو اور نفس زبان کا سیکھنا کوئی حرج نہیں رکھتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (فتاوی رضویہ، جلد ۲۳؛ ص: ۷۰۶)

اعلی حضرت مزید فرماتے ہیں: ''ذی علم مسلمان اگر بہ نیت رد نصاری انگریزی پڑھے اجر پائے گا۔ اور دنیا کے لیے صرف زبان سیکھنے یا حساب اقلیدس جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں۔ بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہو کر اپنے دین وعلم سے غافل نہ

ہوجائے۔ ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے حرام ہے۔ اس طرح وہ کتابیں جن میں نصاریٰ کے عقائد باطلہ مثل انکار وجود آسمان وغیرہ درج ہیں ان کا پڑھنا بھی روانہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔'' (فتاویٰ رضویہ، جلد۲۳؛ ص:۵۳۳)

اسی طرح سے اسلامی عقائد وخیالات پر ثابت قدمی اور استقامت اور مسلمانی وضع پر قائم رہنے کے بعد اور ضروری دینی تعلیم کے حصول کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و الرضوان سائنس وفلسفہ کی تعلیم کی مشروط اجازت بھی دیتے ہیں: ''سائنس وغیرہ فنون و کتب پڑھنا جن میں انکار وجود آسمان وگردش آفتاب وغیرہ کفریات کی تعلیم ہو حرام ہے۔ اور وہ نوکری جو خود حرام یا حرام میں اعانت ہے۔ اس کی نیت سے پڑھنا بھی حرام اور اگر جائز فنون اور جائز نوکری کے لیے پڑھے تو جائز ہے۔ جب کہ اس میں انہماک نہ ہو کہ اپنے ضروریات دین وعلوم فرض کی تعلیم سے باز رکھے۔ ورنہ جو فرض سے باز رکھے حرام ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے دین واخلاق ووضع پر اثر نہ پڑے۔ اسلامی عقائد و خیالات پر ثابت ومستقیم اور مسلمانی وضع پر قائم رہے۔ ان سب شرائط کے اجتماع کے بعد جائز ہے۔ رہی اس سے عزوجاہ دنیوی کی طلب، طلب جاہ خود ناجائز ہے اگرچہ عربی زبان و اسلامی علوم سے ہو نہ کہ وہ جاہ کہ استقامت علی الدین کے ساتھ کم جمع ہو۔ **قال اللہ تعالیٰ ایبتغون عندھم العزۃ فان العزۃ للہ جمیعا.** واللہ تعالیٰ اعلم۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیا وہ ان کے ہاں عزت تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ سب عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد۲۳؛ ص:۷۰۹۔۷۱۰)۔ لاہور سے مولوی حاکم علی صاحب نے زمین کی حرکت کے حوالے سے ایک استفتا کیا تھا اور حرکت زمین پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو ہم خیال بننے کے گزارش کی تھی۔ اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے لکھا ہے کہ ''دیباچہ میں جو آپ نے دلائل حرکت زمین کتب انگریزی سے نقل فرمائے الحمد للہ ان میں سے کوئی نام کو تام نہیں سب پادر ہوا ہیں۔ زندگی بالخیر ہے تو آپ ان شاء اللہ تعالیٰ ان سب کا ردّ بلیغ فقیر کی کتاب فوز مبین میں فصل چہارم میں دیکھیں گے۔ بلکہ وہ آٹھ سطریں جو میں نے اول میں لکھ دی ہیں کہ یورپ والوں کو طرز استدلال اصلاً نہیں آتا۔

انہیں اثبات دعوی کی تمیز نہیں۔ ان کے اوہام جن کو بنام دلیل پیش کرتے ہیں یہ یہ علتیں رکھتے ہیں۔ منصف ذی فہم مناظرہ دان کے لیے وہی ان کے رد میں بس ہیں کہ دلائل بھی انہیں علتوں کے پابند ہوتے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ آپ جیسے دیندار وسنی مسلمان کو تو اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہے کہ ارشاد قرآن عظیم ونبی کرم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ومسئلہ اسلامی واجماع امت گرامی کے خلاف کیونکر کوئی دلیل قائم ہوسکتی۔ اگر بالفرض اس وقت ہماری سمجھ میں اس کا رد نہ آئے جب بھی یقیناً وہ مردود اور قرآن وحدیث واجماع سچے۔ یہ ہے بحمد اللہ شان اسلام۔ محبّ فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات ونصوص میں تاویلات دور از کار کرکے سائنس کے مطابق کرلیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی نہ سائنس نے اسلام۔ وہ مسلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے خلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ دلائل سائنس کو مردود وپامال کردیا جائے۔ جابجا سائنس ہی کے اقوال سے اسلامی مسئلہ کا اثبات ہو۔ سائنس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی۔ اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس داں کو باذنہ تعالیٰ دشوار نہیں۔ آپ اسے بچشم پسند دیکھتے ہیں۔ ع **وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ** (رضامندی کی آنکھ ہر عیب کو دیکھنے سے عاجز ہوتی ہے۔) اس کے معائب مخفی رہتے ہیں۔ مولیٰ عزو جل کی عنایت اور حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت پر بھروسا کرکے اس کے دعاوی باطلہ مخالفۂ اسلام کو بنظر تحقیر ومخالفت دیکھئے۔ اس وقت ان شاء اللہ العزیز القدیر اس کی ملمع کاریاں آپ کھلتی جائیں گی۔ اور جس طرح اب دیوبندیہ مخذولین پر مجاہد ہیں یونہی سائنس کے مقابل آپ نصرت اسلام کے لیے تیار ہوجائیں گے۔ ع **ولکن عین السخط تبدی المساویا.** (لیکن ناراضگی کی آنکھ عیبوں کو عیاں کرتی ہے۔) مولوی قدس سرہ المعنوی فرماتے ہیں:

دشمن راہِ خدارا خواردار   دز درا منبر منہ، بردار دار

(اللہ تعالیٰ کے راستے کے دشمن کو ذلیل رکھ، چور کے لیے منبر مت بچھا۔ بلکہ اس کو سولی پر رکھ۔) ربّ کریم بجاہ نبی رؤف رحیم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم ہمیں اور آپ اور

ہمارے بھائیوں اہل سنت خادمان ملّت کو نصرتِ دینِ حق کی توفیق بخشے اور قبول فرمائے۔ آمین! (فتاوی رضویہ، جلد ۲۷؛ ص: ۲۲۷۔۲۲۸)۔

اسی طرح سے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فلسفہ جدیدہ اور قدیمہ کے افکار و نظریات سے متأثر ہونے والوں کو دعوت فکر دیتے ہیں کہ ''دیکھو ایسا نہ ہو کہ فلسفۂ مُزَخرَفہ تمہارے دلوں پر زنگ جمادے کہ پھر علوم حقہ صادقہ ربانیہ کی گنجائش نہ رہے گی۔ کہتے یہ ہو کہ اس کے آنے سے وہ خود آجائیں گے۔ حاشا! جب یہ دل میں پیر گیا وہ ہرگز سایہ تک نہ ڈالیں گے کہ وہ محض نور ہیں اور نور نہیں چمکتا مگر صاف آئینہ میں۔ عزیزو! اسی زنگ کا ثمرہ ہے کہ منہمکانِ تفلسف علومِ دینیہ کو حقیر جانتے اور علمائے دین سے استہزاء کرتے۔۔ بلکہ انہیں جاہل اور لقب علم اپنے ہی لیے خاص سمجھتے ہیں۔ (جلد فتاوی رضویہ جلد ۲۷؛ ص: ۱۹۱) (..........) عزیزو! میں نہیں کہتا کہ منطق اسلامیاں۔ ریاضی، ہندسہ وغیرہا اجزائے جائزہ فلسفہ نہ پڑھو۔ پڑھو مگر بقدر ضرورت۔ پھر ان میں انہماک ہرگز نہ کرو۔ بلکہ اصل کار علوم دینیہ سے رکھو۔ راہ یہ ہے۔ اور آئندہ کسی چیز پر جبر نہیں۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ (اور اللہ تعالی جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔'' (جلد ۲۷: ص: ۱۹۲۔۱۹۳)

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان دینی علوم اور عقلی علوم میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ تاہم ان علوم وفنون میں اپنی خداداد ناقدانہ اور مجتہدانہ بصیرت کو آپ نے ان افکار ونظریات کی تردید واصلاح میں استعمال کیا جو ایمان وعقیدے کے مخالف تھے اور الحاد ولادینیت کو فروغ دے رہے تھے۔ آپ کے نظریۂ تعلیم میں دینی علوم کو مرکزیت حاصل ہے۔ اس کے بعد حاجت اور ضرورت کے مطابق ان علوم و فنون کو حاصل کرنے اجازت دیتے ہیں جو شریعت مطہرہ کے مخالف نہیں اور جو دینی امور و معاملات میں مفید اور کارآمد ہیں۔ ان علوم وفنون کی افادیت کے پیش نظر بقدر ضرورت اور بقصد توسل اور بقدر توسل ان کی تحصیل میں کوشش کی جاسکتی ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی رائے میں علوم عقلیہ اور سائنسی علوم کی تحصیل ایمان وعقیدے کے مخالف ان سائنسی نظریات کی تردید کے لیے بھی حاصل کی جاسکتی ہے جن کی بنیاد صرف عقل پر ہو۔ اعلی

حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فلسفہ اور سائنس کی ظنیات ومفروضات کو دین کی یقینیات پر ترجیح دینے کے قائل نہیں۔ جو لوگ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے نظریات سے متأثر ہو کر اور جدید مغربی اقدار سے مرعوب ہو کر عقلیت پرستی کے دام فریب کے شکار ہوئے ہیں وہ اسلامی عقائد ومعمولات کی بے جا تاویلات کر کے ان کو جدید اقدار اور سائنس سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کو اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان دعوت فکر وعمل دیتے ہیں۔ جو لوگ جدید سائنس کو پسندیدگی اور مرعوبیت کے احساس کے ساتھ دیکھے ان سے اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کہتے ہیں کہ وہ ان مسائل میں اسلامی نقطۂ نظر کو واضح کریں جن میں سائنس کو اسلام سے اختلاف ہے۔ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان تلقین کرتے ہیں کہ مسلمان اپنے دلوں پر فلسفہ وسائنس کا زنگ نہ لگنے دیں بلکہ ایمان وعقیدے پر استقامت کے ساتھ ان علوم وفنون کو سیکھیں اور پھر اللہ تبارک وتعالی کی عنایت اور رسول کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی اعانت پر بھروسا کر کے سائنسی طرز استدلال کی خامیوں کو اجاگر کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب کوئی سائنس کے مفروضات اور دلائل اور اس کی بنیادوں اور معیارات کا علم رکھے۔ اس لیے علمائے کرام اور ارباب فکر و دانش سے یہ عرض ہے کہ قدیم وجدید علوم کی تقسیم کو تسلیم نہ کریں۔ اور اس سازش کو کامیاب نہ بنائیں جو مسلم معاشرہ کے اجتماعی شعبوں کو دین سے الگ کرنے کے لیے کی جارہی ہیں۔ اس لیے کہ قرآن وسنت صرف ماضی کے علوم نہیں ہیں۔ بلکہ حال اور مستقبل کے علوم بھی ہیں۔ اور دین اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو نسل انسانی کے لیے بالعموم اور امت مسلمہ کے لیے بالخصوص دینی ومذہبی، اخلاقی وروحانی، فکری ونفسیاتی اور تہذیبی ومعاشرتی رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ اسی لیے مسلمانوں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ضروری دینی علوم کی تکمیل کے بعد جدید علوم وفنون کو بھی سیکھیں، ان کی نظریاتی بنیادوں کو جانیں اور ذہنی وفکری محاذوں پر الحاد ولادینیت کے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی صلاحیتوں اور لیاقتوں کو مستحکم ومضبوط کریں۔ اللہ تبارک وتعالی ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔ آمین!

’’المستند المعتمد‘‘ اور امام احمد رضا کی تحقیق نگاری

مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی
الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ہمارے بہت سے محققین علمائے کرام نے عقائد و کلام میں اپنی گراں قدر تحقیقات کا بیش بہا سرمایہ امت مسلمہ کو عطا فرما کر ان کے ایمان و اسلام کا تحفظ فرمایا اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ’’المعتقد المنتقد‘‘ ہے جسے سیف اللہ المسلول، اسد السنۃ، حضرت علامہ شاہ فضل رسول قادری عثمانی بدایونی علیہ الرحمہ نے ایسے ماحول میں تصنیف فرمایا جبکہ نجدی فتنہ نے سر اٹھایا اگر چہ اس سے پیشتر حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے ’’تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ‘‘ اور ’’امتناع النظیر‘‘ جیسے گراں قدر علمی شاہکار کے ذریعے اس فتنہ کی سرکوبی فرمائی اور اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ خود حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ اس حقیقت کو کشا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اور وہ (حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ) ایسے شخص ہیں جنھوں نے سرزمین ہند میں نجدیوں کی بدعتوں اور ان کے مفاسد کو مجروح کیا اور آخری شخص ہیں جنھوں نے ان کے عقائد کے کھوکھلے فساد کو بیان کیا تو اہل یقین کے دل مطمئن ہوئے اور شک و تردد والوں کو یقین حاصل ہوا اور اللہ تعالی نے ان کے سبب بہت سے گمراہوں کو ہدایت دی اور ان کا احسان تمام مسلمانوں پر ہے اور ان کے لیے رب العالمین کے پاس بڑا اجر ہے‘‘۔ (المعتقد المنتقد ص: ۲۶۵، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

حضرت علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے اپنی اس کتاب مستطاب میں نہ صرف علم کلام کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھایا اور اسلامی عقائد بیان فرمائے بلکہ نجدی فتنہ کا رد بلیغ

بھی فرمایا جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

’’اور نجدیوں نے خاتم الانبیاء کے بعد دوسرے نبی کے ممکن ہونے کا قول کیا قدرت باری کے عام اور شامل ہونے سے استدلال کرتے ہوئے اور یہ تو کھلا مغالطہ اور صاف سفسطہ ہے، اس لیے کہ قدرت کا شمول و عموم ممکنات و جائزات ہی کے لیے ہے اور ممتنع ذاتی و مستحیل عقلی ان امور سے نہیں جن سے قدرت متعلق ہو‘‘۔ (المعتقد المنتقد ص: ۲۶۲، ۲۶۳، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

اس قضیہ کو مزید مبرہن فرمانے کے بعد نبی پاک ﷺ کے بعد کسی نئے نبی کے امکان کے امتناع ذاتی اور استحالہ عقلی کو روشن کرتے ہوئے نتیجۃً ارشاد فرمایا:

’’تو خاتم النبیین کے بعد کسی اور نبی کا ظہور ممتنع ذاتی و محال عقلی ہونا ظاہر ہے اور خاتم النبیین کا امکان اور مطلق نبی کا امکان، خاتم النبیین کے بعد کسی اور نبی کے ممتنع ذاتی و محال عقلی ہونے سے مانع نہیں‘‘۔ (المعتقد المنتقد ص: ۲۶۳، رضا اکیڈمی ممبئی)

مزید نجدی فتنہ کا ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

’’اور نجدی خاتم الانبیا کے ساتھ کثرت ثواب اور قرب رب الارباب میں عامۃ المومنین کی مساوات کے جواز کے قائل ہوئے اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ کوئی شخص خاتم النبیین سے افضل ہوسکتا ہے اور نجدیوں کی بساط (بستر) بچھانے والوں نے اس معاملہ میں مبالغہ کیا اور اللہ تعالی اس کو ہدایت دے اور ان کا حال کرّامیہ سے برا ہے‘‘۔ (المعتقد المنتقد، ص: ۲۶۷، رضا اکیڈمی ممبئی)

اس باطل نظریہ کے رد میں علمائے کرام کے اقوال ذکر فرمانے کے بعد فرمایا:

’’اور جب علمائے اہلسنت نے اس کا رد کیا اور اس کے رد میں ’’شفا‘‘ کی عبارت ذکر کی تو وہ فرّاش (نجدیوں کا بستر بچھانے والا یعنی اسماعیل دہلوی) اس کے جواب کے لیے ایسی بات کے درپے ہوا جس سے وہ رسوا ہوا اور اس کے موافق شرمندہ ہوئے اور اس کے مخالف نے اسے مجروح کیا اور الحمدللہ ہم اپنی کتاب ’’تلخیص الحق‘‘ میں اس کا عیب ظاہر کر کے فارغ ہو چکے ہیں‘‘۔ (المعتقد المنتقد ص: ۲۶۹، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

شفاعت کے متعلق آپ نے تفصیلی بحث فرما کر نجدی عقیدہ کا ذکر فرمایا:

’’اور نجدیوں نے شفاعت کے معاملے میں اہلسنت و جماعت سے اختلاف کیا اور اعتزال کے ساتھ بدحواسی اور بدعقیدگی کی چند انواع کو ملایا انھوں نے کہا کہ شفاعت بالوجاہت ممکن نہیں اور اس کا اعتقاد کفر ہے۔ اور یوں ہی شفاعت بالمحبت۔ رہ گئی شفاعت بالاذن تو ان کے معتمد نے ’’تقویۃ الایمان‘‘ میں اس کی تمثیل کی تصریح اس طرح کی‘‘۔ (المعتقد المنتقد ص: ۲۷۵، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ نے اس نجدی فتنہ کی بیخ کنی اور اسلامی عقائد کی توضیح کے لیے اس کتاب میں علم کلام کے قدیم مباحث پر اکتفانہ فرمایا بلکہ اپنے زمانہ کے بعض باطل فرقوں، ان کے نت نئے فتنوں اور اسلام مخالف باطل عقیدوں کا ذکر فرما کر ان کا روشن رد فرمایا یہ کتاب اگرچہ مختصر اور جامع تھی مگر ان سب کے باوجود تشریح وتوضیح، تنبیہ وتیدا سا اور تفصیل وتحقیق طلب تھی جیسا کہ اصحاب علم وفن اور ارباب فکرونظر پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں خودا? ی? من اٰیات رب العالمین، معجزہ من معجزات سید المرسلین، مجدد اعظم، امام اہل سنت، سیدنا اعلی حضرت، امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

’’دوران طباعت اگر ضرورت ہوئی کسی مشکل کی ایضاح، یا مجمل کی تشریح، یا کسی گنجلک کے معنی بیان، یا مطلق، میں قید لگانے یا اس جیسی اور باتوں کی جو متون کے لیے لازمی ہیں یا بعض ایسے مسائل جن میں لوگوں کے گمان کا جولان ہوا ان میں تحقیق حق کی یا بعض ان لوگوں کی لغزش قلم پر تنبیہ کی جن سے مصنف نے اس کتاب میں کچھ نقل کیا ہے۔ میں نے کچھ حروف لکھے اور میں نے جو کچھ تعلیق لکھی وہ تھوڑی ہیں‘‘۔

مزید آگے فرماتے ہیں:

’’یہ حاشیہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو الفاظ میں کم اور اس کے باوجود انشاء اللہ تعالی عظیم مضامین والا معرض ظہور میں آیا اس کا نام میں نے ’’المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد (۱۳۲۰ھ) رکھا کہ حاشیہ کا علم ہو اور مادۂ تاریخ کی علامت‘‘۔ (خطبۂ شرح المستند المعتمد

ص: ۱۰۴، ۱۰۵، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کی یہ عظیم الشان کتاب تو اپنی مثال آپ تھی ہی مگر امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی گراں قدر تعلیق کے ذریعہ اس کتاب کی افادیت میں نہ صرف اضافہ کیا بلکہ اس کی عظمت ورفعت اور شان وشوکت کوا? فتاب نصف النہار سے زیادہ واضح فرمایا آپ نے اسگراں قدر تعلیق میں علم کلام کے اہم گوشوں کو خوب اجاگر فرمایا، مشکل مقامات کی توضیح وتشریح، لغزش قلم پر تنبیہ اور تحقیق حق فرمایا اور اپنے زمانہ کے سات باطل فرقوں کا ذکر فرما کر ان کے عقائد وافکار کا روشن رد فرمایا۔ رافضی، مرزائی، نیچری، وہابی، دیوبندی، وغیرہ کے باطل عقائد کا مفصل ذکر فرمایا اور ان کے باطل عقائد کے بطلان پر ایسی مہر فرمادی کہ آج تک مخالفین کو مجال دم زدن نہیں آپ خود فرماتے ہیں:

’’یہ ساتوں طائفے سب کے سب باتفاق مسلمین کافر، مرتد، اسلام سے خارج ہیں بزازیہ، دررغرر، فتاویٰ خیریہ، مجمع الانہر، درمختار وغیرہ معتمد کتابوں میں ان جیسے کفار کے بارے میں فرمایا: جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بلاشبہ کافر ہے اور شفا شریف میں فرمایا: ہم اس کو کافر جانتے ہیں جو مسلمانوں کے سوا کسی اور دین کے ماننے والے کو کافر نہ جانے، یا اس کے کفر میں توقف یا شک کرے۔ اور بحر الرائق وغیرہ میں فرمایا: جو بدمذہبوں کی بات کو اچھا کہے یا یہ کہے کہ وہ بامعنی کلام ہے: یا یہ کہے کہ: اس کلام کا صحیح معنی ہے اگر اس قائل کی وہ بات کفریہ ہو تو اچھا کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ اور امام ابن حجر نے ’’اعلام‘‘ میں فصل کفر میں فرمایا: ہمارے ائمہ اعلام کا متفق علیہ فتویٰ یہ ہے کہ جو کلمہ? کفر بولے کافر ہو جاے? گا اور ہر وہ شخص جو اس بات کو اچھا جانے یا اس سے راضی رہے کافر ہے‘‘۔

اس کتاب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے۔ محققین علمائے کرام کی نظروں میں سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اور حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ کے اس متن اور آپ کی گراں قدر تعلیق کی جو حیثیت ہے وہ احاطہ قلم اور گرفت تحریر سے باہر ہے۔ ملک کی عظیم ترین درسگاہ جامعہ اشرفیہ مبارک

پور اور دیگر علمی دانش کدوں اور اسلامی اداروں میں لازمی مضمون کے طور پر یہ کتاب داخل نصاب اور داخل درس ومطالعہ ہے۔ ہمارے یہاں عقائد وکلام کی جو کتابیں داخل نصاب ہیں ان میں بعض بہت قدیم ہیں جو فلسفا رنہ دقیق بحثوں کے رد وابطال سے خالی نہیں بہت سے طلبہ ان دقیق مباحث میں الجھ کر رہ جاتے ہیں ا؟ ج ارتداد کا فتنہ زور وشور پر ہے فتنہ ؟ ارتداد کے مقابلہ اور مخالفین کے دنداں شکن جواب کے لیے باب المرتدین بھی داخل درس ہونا چاہیے نسیم الریاض، البحر الرائق، فتح القدیر، رد المحتار، وغیرہ کتب میں اس کے مستقل ابواب اور اس پر مفصل مباحث ہیں مگر ان میں سے قول محقق ومنقح وراجح نکالنا حد درجہ مشکل امر ہے مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی اس تعلیق میں اس پر خاص روشنی ڈالی، تحقیق حق فرمایا اور قلم کی لغزش پر تنبیہ فرمائی۔ ایک مقام پر کفر اور تکفیر میں تحقیق حق اور توضیح فرق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اور حق تحقیق کفر اور تکفیر میں وہ فرق ہے جس کی طرف ہم نے بارہا اشارہ کیا تو کفر اللہ کے نزدیک تکذیب یا اہانت کے تحقق سے متحقق ہوگا اور اس کے ساتھ اصلا ثبوت کی شرط نہیں چہ جایکہ قطعی ہونے کی، چہ جایکہ ضروری ہونے کی اور تکفیر اسی صورت میں درست ہے جبکہ ہمارے نزدیک یقینی طور پر ثابت ہو کہ وہ شخص جھٹلانے والا یا توہین کرنے والا ہے اور یقین ضروریات کیسوا کسی چیز میں نہیں، اس لیے کہ غیر ضروریات میں اس کو یہ پہنچتا ہے کہ وہ کہہ دے کہ یہ مسئلہ میرے نزدیک ثابت نہیں اور رہی وہ صورت جبکہ ثابت ہونے کا اقرار کرے پھر منکر ہو جائے تو بے شک اس کا جھٹلانا معلوم ہوگا، اس وقت تکفیر میں توقف کی کوئی وجہ نہیں، اس لیے کہ مدار تکفیر کا علم موجود ہولیا تو حق اس وجہ پر جس کی ہم نے تقریر کی، حنفیہ کے ساتھ ہے تو اس نکتے کو یاد رکھو، اس لیے کہ یہ اہم ہے''۔ (المستند المعتمد ص:۳۸۴، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

جن امور دین پر اجماع امت ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ امور اجماعی ہیں ان کی مخالفت سے باز رہنا شرط ہے حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ایسے امور میں یہ قید لگائی گئی کہ ان میں دلیل قطعی وارد ہو سیدنا اعلیٰ حضرت امام

احمد رضا قدس سرہ اس مقام کی تحقیق فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ اکثر حنفی قطعی امر کیا نکار پر تکفیر کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تصریح ''رد المحتار'' وغیرہ میں ہے اور یہی حنفی حضرات اور ان کے ہمنوا لوگ اجماعی بات کے انکار پر تکفیر فرماتے ہیں: بشرطیکہ وہ اجماعی امر روایت اور دلالت کی رو سے قطعی ہو اور نص کی موجودگی کی حاجت نہیں اور محققین اسی کے انکار پر تکفیر کرتے ہیں جس کا ضروریات دین سے ہونا معلوم ہو۔ اور اس کی معرفت میں خاص اور ایسے عوام جو خواص کے صحبت یافتہ ہوں شریک ہوں، اب اگر اجماعی مسئلہ ایسا ہو تو اس کا منکر کافر ہے ورنہ نہیں اور ان لوگوں کے نزدیک بھی کسی نص کی موجودگی کی حاجت نہیں، اس لیے کہ بہت سے ضروریات دین وہ ہیں جن پر نص نہیں جیسا کہ ''اعلام'' وغیرہ کے مطالعہ سے ظاہر ہے تو وجود نص کی قید دونوں قول پر رائیگاں ہے تو یہ نکتہ جان رکھو۔ (المستند المعتمد ص:۳۶۲، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

''المعتقد المنتقد'' میں ہے: ''علما نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ تصدیق قلبی جو مفہوم ایمان کا جز یا اس کی تمام حقیقت ہے وہ علوم ومعارف کے باب سے ہے یا کلام نفسی کے باب سے؟ اس مسئلے پر علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے تفصیلی بحث فرمائی مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ نے محققانہ بحث فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اقول: اس کلام میں میرے خیال میں دقیق تامل ہے'' آپ نے اس مقام کی مفصل محقق بحث فرما کر خاتمہ بحث میں فرمایا:

''ایمان کو علم ومعرفت بمعنی یقین یا کلام نفسی ٹھہرانا ان میں سے ہر ایک اپنے ظاہری معنی پر خلاف تحقیق ہے، ہاں اگر یہ اصطلاح کر لی جائے کہ یقین اذعانی کو کلام نفسی سے تعبیر کیا جائے اور اس کی طرف مصنف علام کا کلام مشیر ہے، اس لیے کہ انہوں نے آئندہ کلام میں کہا: ''یہی وہ معنی ہے جس کو کلام نفسی سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اب اس کے نکتے کو سمجھو اور شکر گزار رہو۔ وللہ الحمد''۔ (المستند المعتمد ص:۳۷۴، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

حضرت ملا علی قاری رحمہ الباری نے بارگاہ رسالت کے آداب واجبہ کی تفصیل فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: بارگاہ رسالت میں برے لفظ سے اجتناب کرے اور قبیح

عبارت جیسے لفظ جہل، کذب ومعصیت سے پرہیز کرے مگر اس تعلیم آداب کے باوجود آیت کریمہ: ''ووجدک ضالا فھدیٰ'' کے تحت یہ فرمایا:

''یعنی آپ کو اللہ نے تفاصیل ایمان سے جاہل (بے خبر) پایا جیسا کہ اس تفسیر کی خبر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دیتا ہے: ''ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان'' (سورہ شوریٰ آیت: ۵۲ اس سے پہلے نہ تم کتاب جانتے تھے نہ احکام شرع کی تفصیل (کنز الایمان)۔

مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ بارگاہ رسالت کے آداب واجبہ کے تحت حضرت ملا علی قاری کیا اس کلام کے تحت فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ملا علی قاری پر رحم فرمائے (آپ نے) جس سے منع فرمایا اسی میں پڑے ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ یوں کہتے یعنی ''تم کو پایا کہ اب تک تمہارے پاس ایمان کی تفاصیل کا علم نہ آیا تو تم کو راہ دی اور تم کو عطا کیا'' کیا آپ نے نہ دیکھا کہ آپ کے رب نے کس طرح فرمایا: ''ما کنت تدری'' یہ نہ فرمایا: ''تم جاہل تھے'' تو پاکی ہے اس ذات کی جس نے محمد ﷺ کی شان بڑھائی''۔ (المستند المعتمد ص:۳۳۹-۳۴۰، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

یہ ہے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا حزم و احتیاط، کمال ادب و اکرام، حسن تعبیر اور تعمق فکر و نظر۔

''المعتقد المنتقد'' میں حضور اقدس سید عالم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے متعلق حضرت ملا علی قاری کا یہ ارشاد مذکور ہے:

قاضی عیاض نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ایک شخص سے کہا: ہمارے لیے ایک ایسا منشی دیکھو جس کا باپ عربی ہو تو اس کے ایک کاتب نے کہا: نبی ? کے باپ کافر تھے، تو حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا: تم نے یہ مثال ٹھہرائی، پھر اسی وقت اسے معزول کر دیا اور کہا: تو میرے لیے کبھی نہ لکھ، ملا علی قاری نے فرمایا کہ یہ اس بات کے موافق ہے جو امام اعظم نے کہی: رسول اللہ کے والدین کی کفر پر وفات ہوئی یہاں تک کہ انھوں نے فرمایا: لیکن ایسی بات کو مقام تنقیص میں ذکر کرنا جائز نہیں۔ (المعتقد المنتقد ص:۲۲۶، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اس مقام پر ملا علی قاری کا رد کرتے

ہوئے ''الفقہ الاکبر'' میں امام اعظم کی طرف از راہ فریب غلط انتساب کو داشگاف کرتے ہوئے اور بر تقدیر صحت اس کلام کی تصحیح کرتے ہوئے اور واضح قرائن سے مزین کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''یہ بات ہمارے آقا امام اعظم سے ثابت نہیں، علامہ سید طحطاوی رضی اللہ عنہ نے ''درمختار'' پر اپنے حاشیہ میں باب نکاح الکافر میں فرمایا: اس کے لفظ یہ ہیں ''اس قول میں بے ادبی ہے اور جو شایاں ہے وہ یہ ہے کہ آدمی یہ عقیدہ رکھے کہ حضور ﷺ کے والدین کفر سے محفوظ تھے اور اس بابت کلام ذکر کیا یہاں تک فرمایا: اور فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ حضور ﷺ کے والدین کی کفر پر موت ہوئی تو یہ بات امام اعظم کی طرف از راہ فریب منسوب کی گئی ہے، اور اس بات کی طرف یہ امر رہنمائی کرتا ہے کہ معتمد نسخوں میں اس کا کچھ ذکر نہیں، ابن حجر مکی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا: اور جو معتمد نسخوں میں موجود ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کا قول ہے نہ کہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی کا، اور اگر یہ تسلیم کر لیں کہ امام اعظم نے ایسا فرمایا تو اس کا معنی یہ ہے کہ زمانہ؟ کفر میں ان دونوں کو موت آ؟ئی اور یہ اس کا مقتضی نہیں کہ وہ دونوں کفر سے متصف تھے''۔

اقول: اور اس عبارت کے لیا یک دوسرا قرینہ ہے اس جیسی عبارت کچھ نسخوں میں ہے اور کچھ میں نہیں، اور وہ عبارت ہے امام اعظم کا وہ قول: اور رسول اللہ ? نے ایمان پر انتقال فرمایا'' اور خود علامہ قاری نے کتاب کی طرف اس فقرہ کی نسبت کی صحت میں شک کیا''۔ (المستند المعتمد ص:۲۲۶، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

اس کے بعد آپ نے ''اقول'' فرما کر مزید دلائل و شواہد و قرائن سے اس قضیہ کو مبرہن فرما کر عرش تحقیق تک پہنچایا اور فرمایا کہ ایک حدیث جسے بہت سارے حفاظ حدیث نے صحیح بتایا اور جس نے اس میں طعن کیا اس کی طرف التفات نہ کیا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے لیے دونوں کو زندہ فرمایا تو دونوں حضور پر ایمان لائے۔

اقول: اور یہ زندہ فرمانا اسی لیے ہوا تا کہ حضور پر ایمان لانے کی فضیلت وہ دونوں پائیں اور اس امت سے ہوں جو ساری امتوں سے بہتر ہے۔ رہا نفس ایمان

(توحید) تو ان دونوں کو پہلے سے حاصل تھا اس کے بعد ''منح الروض'' میں ملاعلی قاری کی مذکور عبارت پر مفصل کلام فرما کر خاتمہ بحث میں فرمایا:

''اس امام جلیل (خاتم الحفاظ امام جلال الدین سیوطی) رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کو ایسی قاہر دلیلوں سے ثابت فرمایا کہ اگر انھیں مضبوط پہاڑوں پر رکھ دیا جائے تو ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ اور اس باب میں اس ناتواں بندے کا ایک رسالہ جس کا نام اس نے ''شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام'' (۱۳۱۵ھ) رکھا علما نے اس مسئلے میں جو ذکر فرمایا اس کے علاوہ، اس میں مزید وہ ذکر کیا جو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے مجھے بخشا، اور میری تمنا ہے کہ مجھے آپ کا (اس مسئلہ کے لیے ملاعلی قاری کا تصنیف کردہ مستقل) رسالہ مل جائے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں مجھ پر وہ کھولے جو کافی اور شافی ہے۔ مختصر یہ کہ ہمارے لیے حضور ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے اسلام کے بارے میں بحمد اللہ تعالیٰ وہ روشن دلیلیں ظاہر ہوئیں جن میں کسی کے لیے مجال سخن نہ رکھے اور نہ شک وشبہ کا کوئی مقام چھوڑا اور ہم سے لوگوں کا اختلاف پوشیدہ نہیں لیکن بات یہ ہے کہ جب اللہ کی نہر آ جائے تو معقل کی نہر باطل ہو جاتی ہے وللہ الحمد''۔ (المستند المعتمد ص: ۳۲۹، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

المعتقد المنتقد میں ہے:

''اہل سنت کا آخرت میں رویت باری کے وقوع پر اتفاق ہے اور دنیا میں وقوع رویت کے بارے میں اہل سنت نے اختلاف کیا صاحب کنز نے کہا کہ حضور ﷺ کے حق میں دیدار الٰہی کا تحقق درجۂ صحت کو پہنچا اور یہ جمہور اہل سنت کا قول ہے اور یہی صحیح ہے اور یہی ابن عباس، انس اور ایک قول پر ابن مسعود، ابوہریرہ، ابوذر، عکرمہ حسن، احمد بن حنبل اور ابوالحسن اشعری کا ہے۔ اور بعض نے توقف کیا جیسا کہ سعید بن جبیر احمد بن حنبل اپنے دو قولوں میں سے ایک میں۔''

اس مقام کی تحقیق انیق کرتے ہوئے اور سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول روشن کرتے ہوئے سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اور تحقیق یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے لیے دیدار الٰہی کا واقع ہونا قطعاً مانتے تھے اور اس کے بارے میں ان سے ایک مرتبہ سوال ہوا تو فرمایا:

حضور نے اللہ کو دیکھا، دیکھا، دیکھا، دیکھا یہاں تک کہ ان کی سانس ٹوٹ گئی مگر یہ کہ عام مجلسوں میں اسے چھپاتے تھے عوام پر مشقت کی وجہ سے تا کہ ان کے اقدام ان اوہام سے جن کی طرف وہ ذہن کو کھینچتے ہیں یعنی جہت و مقابلہ و لوازم اجسام۔ نہ پھسلیں''۔ (المستند المعتمد ص: ۱۷۴، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

عقائد وکلام کی کتابوں میں عام طور پر کلام اللہ کی دو قسمیں کی گئیں: کلام لفظی و کلام نفسی۔ اور کلام نفسی کو قدیم صفت باری تعالیٰ اور کلام لفظی کو حادث بتایا گیا مگر سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اور ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ کلام کی نفسی اور لفظی دو قسمیں بتانا اس خیال کی طرف متاخرین، معتزلہ کو خاموش کرنے یا پست اذہان کو سمجھانے کے لیے مائل ہوئے جیسا کہ متشابہات میں تاویل کا مسلک ان لوگوں نے اس لیے اختیار کیا اور مذہب تو وہی ہے جس پر ائمہ سلف ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام واحد ہے اس میں اصلا تعدد نہیں، نہ کبھی رحمٰن سے منفصل ہوا اور نہ ہرگز منفک ہوگا، نہ اس کلام نے کسی دل میں اور نہ کسی زبان میں اور نہ کسی اوراق میں اور نہ کانوں میں حلول کیا۔ اس کے باوجود جو ہمارے سینوں میں محفوظ وہی کلام ہے اور ہمارے دہن سے جس کی تلاوت ہوتی ہے وہ وہی کلام ہے اور جو ہمارے مصحف میں لکھا ہے وہی کلام ہے اور ہمارے کانوں سے جو سنا جاتا ہے وہی ہے اس کے سوا کچھ نہیں، کسی کو یہ جائز نہیں کہ اس محفوظ تلاوت شدہ نوشتہ، سنے جانے والے کلام کو حادث کہے، حادث تو ہم ہیں اور ہمارا حفظ اور ہماری زبان اور ہماری تلاوت، ہمارے ہاتھ اور ہماری کتابت اور ہمارا سننا حادث ہے۔ اور قرآن قدیم قائم بذاتہ تعالیٰ وہی تجلی فرماتا ہے ہمارے دلوں پر مفہوم کے لباس میں، ہماری زبانوں پر ملفوظ کی شکل میں، ہمارے مصاحف پر منقوش کے لباس میں اور ہمارے کانوں پر مسموع کے جامہ میں وہی مفہوم ہے، منطوق، منقوش اور مسموع ہے کوئی شئی دیگر نہیں جو اس پر دلالت کرتی ہو اور یہ سب کچھ بغیر اس کے کہ

وہ کلام اللہ سبحانہ تعالیٰ سے منفصل ہو یا حوادث سے متصل یا جو چیزیں مذکور ہوتیں ان میں سے کسی چیز میں حلول کرے اور قدیم کیسے حادث میں حلول کریگا، حالاں کہ حادث کا قدیم کے ساتھ وجود نہیں وجود تو قدیم ہی کا ہے اور قدیم سے جو حادث ہوا اس کی اضافت اس کی طرف تکریم کے لیے ہے اور یہ معلوم ہے کہ یہ تجلی کا تعدد، ذات متجلی کے تعدد کو مقتضی نہیں

دم بدم لباس گر لباس گشت بدل
شخص صاحب لباس راچہ خلل

(المستند المعتمد ص:۱۴۲-۱۴۳، رضا اکیڈمی ممبئ)

''المعتقد المنتقد'' میں حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے حضور اقدس سید عالم ﷺ کے بارے میں تحریر فرمایا: ''آپ تمام جانداروں اور بے جانوں کی طرف مبعوث ہوئے۔ علما فرماتے ہیں کہ ان دونوں کا مکلّف ہونا ان کے حسب حال ہے یعنی ذکر یا تسبیح یا ان دونوں کے مثل کام۔ ان حضرات علمائے کرام کی دلیل یہ ہے کہ کوہ، پتھر اور درخت نے حضور کی رسالت کی گواہی دی۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: لیکون للعٰلمین نذیرا'' اور خود حضور اقدس سید عالم ﷺ نے فرمایا: ''میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا''۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سارے عالم کی طرف حضور اقدس ﷺ کی رسالت کی تحقیقاور مخالفین رسالت عامہ کے قول کی قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے تزییف فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''مصنف قدس سرہ کا اس قول کے دلائل کو ذکر کرنا اس کو اختیار فرمانے کی علامت ہے، اس لیے کہ تعلیل (دلیل ذکر کرنا) اس قول کو معتمد ماننے کی دلیل ہے۔ اور یہی قول ہمارے نزدیک مختار ہے اور اسی کے ہم قائل ہیں اور ہمیں مذکورہ آیت کریمہ اور مذکورہ حدیث جو صحیح مسلم میں مروی ہے کافی ہے، اس لیے کہ عمومات شرعیہ بے دلیل مخصوص نہیں ہو سکتے اور دلیل یہاں کہاں؟ اور غیر ذوی العقول کی طرف مبعوث نہ ہونے کی یہ وجہ بتانا کہ وہ ذی عقل نہیں یہ شرع کی یقینی دلیلوں کی مقطوع (کٹی ہوئی) اللہ تبارک وتعالیٰ

فرماتا ہے: وان من شئی الا یسبح بحمدہ '' (سورۃ بنی اسرائیل آیت/۴۴) اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے (کنز الایمان) اور اس تسبیح کو بزبان حال تسبیح پر محمول کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان سے مردود ہے کہ فرمایا: '' ولکن لا تفقھون تسبیحھم '' (سورۃ بنی اسرائیل آیت/۴۴) ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے (کنز الایمان) اور طبرانی وغیرہ کی حدیث میں جو یعلی ابن مرہ سے مروی ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: سرکش جن اور انسانوں کے سوا ہر شی ء جانتی ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں ''اور امام ابن حجر نے (اپنی کتاب) افضل القریٰ میں اس پر نص فرمایا کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام مخلوقات یہاں تک کہ مصنوعات جیسے تلوار اور اس جیسی چیزوں سے محمد ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں محمد ﷺ پر حسن ایمان نصیب فرمائے''۔ (المستند المعتمد ص:۲۵۹، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

علامہ علی قاری نے حضور ﷺ کے ارشاد: ''میں سب اگلوں اور پچھلوں سے افضل ہوں'' کے بیان میں فرمایا: ''ظاہر یہ ہے کہ اولین وآخرین میں لام استغراق کا ہے اور یہ کہ حضور ﷺ تمام مخلوقات سے بالاتفاق افضل ہیں''۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ اس مقام پر ملا علی قاری کی لغزش پر تنبیہ اور تحقیق حق کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''یہ ظاہر کہنے کا محل نہیں بلکہ یہی (یعنی لام کا استغراق کے لیے ہونا) اہل بصیرت کے نزدیک یقینی ہے۔ اور گویا علامہ قاری کو اس قول سے دھوکہ ہوا جو متاخرین معتزلہ سے واقع ہوا تو انہوں نے اجماع کو درجہ یقین سے نازل سمجھ لیا اور اسی کی طرف ان کا کلام مشیر ہے اور لغزش ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی سب جہانوں پر فضیلت قطعی اجماعی ہے بلکہ قریب کہ ضروریات دین سے ہو، اس لیے کہ میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں سے کوئی اس سے بے خبر ہو، تو جانو اور اس پر قائم رہو''۔ (المستند المعتمد ص:۲۶۶، ۲۶۷، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: ''لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا '' (سورۂ نور آیت ۶۳۱) رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرا لو جیسا

تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے (کنز الایمان) حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے اس آیت کریمہ کو ذکر فرما کر اس کی توجیہ میں فرمایا:

''یعنی ان کی آواز پر اپنی آواز بلند کر کے یا ان کے ناموں سے ان کو ندا کر کے تو یا محمد یا احمد نہ کہو بلکہ یوں کہو: یا نبی اللہ، یا رسول اللہ انہیں جیسے کلمات کے ساتھ اللہ سبحانہ نے انہیں مخاطب کیا یہ معنی مجاہد اور قتادہ نے ذکر کیے اور دونوں وجھوں کے اجتماع سے کوئی مانع نہیں۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ ان دونوں وجھوں کے اجتماع سے مانع نہ ہونے اور ہر وجہ کے مفاد آیت ہونے کی علت اور اس کا شاہد ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یعنی ہر وجہ مفاد آیت ہے، اس لیے کہ قرآن اپنی تمام وجوہ پر حجت ہے جیسا کہ اس پر امام رازی وغیرہ نے نص فرمایا۔

اقول: اور اس کا شاہد اول سے لے کر آخر تک تمام علما کا عمل ہے، اس لیے کہ وہ آیت سے ان کی توجیہات پر حجت لاتے ہیں اور ان کو اس بات سے یہ امر مانع نہیں کہ آیت میں دوسری وجوہ بھی موجود ہیں، علاوہ ازیں اگر ہم ایک معین توجیہ کو امر استدلال پر منحصر کر دیں تو اکثر قرآن کا اہمال لازم آئے گا، اس لیے کہ اکثر آیات قرآن متعدد وجوہ رکھتی ہیں جیسا کہ سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نص فرمائی تو اس تقریر کو یاد رکھو، اس لیے کہ یہ اہم فائدہ مند ہے''۔ (المستند المعتمد ص:۲۹۰، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

''آزر'' سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کے والد ہیں یا چچا؟ قرآن کریم میں ''اب'' کا لفظ وارد ہے: (وإذ قال إبرٰهيم لأبيه اٰزر اتتخذ اصناما آلهة؛ وإذ قال إبرٰهيم لأبيه يٰابت لم تعبد ما لا يسمع و لا يبصر و لا يغنى عنك شيئا) اس سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ "آزر" چچا نہ تھے حضرتِ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمہ نے نصوص میں وارد لفظ "اب" کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے باپ "آزر" کو یہ کہ کر الزامی دلیل دی کہ [اے میرے باپ کیوں ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے) (کنز الایمان)۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے

اس مقام پر یہ افادہ فرمایا کہ مصنف علام کی مراد لفظ "اب" سے حقیقی باپ نہیں بلکہ چچا ہے کہ چچا پر باپ کا اطلاق شائع ومتعارف ہے آپ اس اطلاق کی تحقیق قرآن کریم اور حدیث پاک کے روشن نص سے فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں:

''یعنی اپنے چچا کو جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے قول: (إلٰه اٰبائک ابرٰهيم و إسمٰعيل) (سورۃ البقرۃ/آیت ......) (جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آبا ابراہیم واسماعیل کا) (کنز الایمان) میں کلمہ "اب" کا اطلاق اسماعیل پر ہوا حالاں کہ وہ یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں۔ اور اسی قبیل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ میرا باپ اور تیرا باپ (دوزخ میں ہے) یعنی سرکار فرما رہے ہیں کہ میرے چچا ابو طالب الخ''۔ امام اہل سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (المستند المعتمد (مترجم) ص:۱۳۹، (رضا اکیڈمی ممبئی)۔

قضا کی کتنی قسمیں ہیں؟ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے اس کی تفصیل فرمائی کہ دو قسمیں ہیں: مبرم اور معلق اور فرمایا کہ مبرم حقیقی نہیں بدلتی اور معلق کا تغیر ممکن ہے اور اسی قسم سے وہ ہے جو سلطان العارفین سیدنا عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ الربانی نے اپنے قول سے مراد لی اور اسی قبیل سے وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قضا کو کوئی چیز رد نہیں کر سکتی مگر دعا اور اس کے ہم معنیٰ ارشادات ایسا ہی ''کنز'' میں ہے اور قضائے مبرم کے رد کا دعویٰ باطل ہے۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس مقام کی تحقیق انیق فرمائی اور تحدیث نعمت کے طور پر آخر میں فرمایا: اس کو یاد رکھو، اس لیے کہ شاید یہ تمہیں ہمارے سوا کسی اور سے نہ ملے اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

اقول: (میں کہتا ہوں) ابو الشیخ نے کتاب الثواب میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا کی کثرت کرو، اس لیے کہ دعا قضائے مبرم کو ٹال دیتی ہے اور دیلمی نے ''مسند الفردوس'' میں ابو موسیٰ اشعری اور ابن عساکر نے نمیرا بن اوس اشعری سے مرسلاً دونوں نے نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام سے روایت کیا فرمایا: دعا اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، ساز و

سامان والا ہے جو قضا کو مبرم ہونے کے بعد ٹال دیتا ہے۔ اور اس مقام کی تحقیق اس طور پر جو مجھے ملک علام نے الہام کی یہ ہے کہ احکام تشریعیہ جیسا کہ آگے آئیں گے دو وجھوں پر ہیں: پہلا مطلق جس میں کسی وقت کی قید نہیں جیسا کہ عام احکام، دوسرا وقت کے ساتھ مقید ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: (**فإن شهدوا فامسكوهن في البيوت حتى يتوفٰهن الموت أو يجعل اللّٰه لهن سبيلا**)(سورۃ النساء: آیت......) (پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو عورتوں کو گھر میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اٹھا لے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے) (کنز الایمان) تو جب قرآن میں زنا کی حد نازل ہوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے (یہ حکم) لو بیشک اللہ نے ان عورتوں کے لیے سبیل مقرر فرمائی (الحدیث) اس کو مسلم وغیرہ نے عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا اور مطلق علم الٰہی میں یا تو مو، بد ہوتا ہے یعنی ہر زمانے کے لیے یا مقید کسی خاص زمانے کے لیے اور یہی اخیر حکم وہ ہے جس میں نسخ آتا ہے، گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ حکم بدل گیا، اس لیے کہ مطلق (جس میں کسی وقت کی قید نہ ہو) کا ظاہر مو، بد یعنی ہمیشہ کے لیے ہونا ہے یہاں تک کہ کچھ اذہان کی طرف اس خیال نے سبقت کی کہ نسخ حکم کو اٹھا دینے کا نام ہے اور ہمارے اور محققین کے نزدیک وہ حکم کی مدت بیان کرنا ہے اور احکام تکوینیہ بھی اسی طرح برابر ہیں تو ایک وہ جو صراحتہً مقید ہو جیسے ملک الموت علیہ الصلاۃ والسلام سے کہا جائے کہ فلاں کی روح فلاں وقت قبض کر مگر یہ کہ فلاں اس کے حق میں دعا کرے تو اس وقت میں قبض نہ کر اور دوسرا مطلق علم الٰہی میں نافذ ہونے والا اور یہی حقیقتاً مبرم ہے اور قضا کی ایک قسم وہ ہے جو مثلاً کسی کی دعا سے ٹل جائے اور وہ معلق مشابہ مبرم ہے تو (یہ قسم) مخلوق کے گمان میں مبرم ہوتی ہے، اس لیے کہ اس میں قید وقت کا اشارہ نہیں اور واقع میں (کسی شرط پر) معلق ہوتی ہے اور حدیث شریف میں یہی مراد ہے۔ رہا مبرم حقیقی تو (وہ مراد نہیں) اس لیت کہ اللہ تعالی کی قضا (مبرم) کو کوئی ٹالنے والا اور اس کے حکم کو کوئی باطل کرنے والا نہیں ورنہ جہل باری تعالیٰ لازم آئے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے اس کو یاد رکھو، اس لیے کہ شاید یہ تمہیں ہمارے سوا کسی اور سے نہ ملے۔ اللہ ہی توفیق دینے والا ہے''۔ (المستند المعتمد (مترجم) ص:۱۷۱، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے ''المعتقد المنتقد''میں شفاعت کے ضروری عقائد ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت یا شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سے بعض گنہ گاروں کو معاف فرمائے گا اگرچہ ان میں سے بعض کو عذاب بھی دے اور ان میں سے جس گنہ گار کو عذاب دے گا وہ زیادہ دن دوزخ میں نہ رہے گا بلکہ وہ ضرور دوزخ سے نکالا جائے گا شفاعت کرنے والوں کی شفاعت یا اپنی معصیت کی مقدار کے مطابق پورا عذاب پانے کے بعد اس کا محل جنت ہوگا۔

امام اہل سنت مجدد دین وملت سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس مقام کی تحقیق انیق فرمائی اور قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں یہ روشن فرمایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی مومن کو پورا عذاب اصلاً نہ دیا جائیگا اور کبھی کسی کریم نے پوری سزا نہ دی جیسا کہ فرماتے ہیں:

اقول: بلکہ ان شاء اللہ تعالیٰ پورا عذاب اصلاً نہ دیا جائے گا، اور کبھی کسی کریم نے پوری سزا نہ دی، کیا تم اللہ کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خُلق کو نہیں دیکھتے کہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:"عرف بعضہ وأعرض عن بعض" (سورۃ التحریم/آیت:......) (تو نبی نے اسے کچھ جتایا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی) (کنز الایمان)۔ تو سب کریموں میں بڑے کریم جل جلالہ کے بارے میں تمہارا کیا گمان ہے؟ اور احادیث صحیحہ میں ہے: مومنین دوزخ سے نکالے جائیں گے تو شفیع، رفیع کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت سے نکلیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہر شخص کو نکالے گا جس نے کلمہ طیبہ پڑھا ہو، اور یہ اللہ عزوجل کے آزاد کردہ بندے کلائیں گے جیسا کہ امام احمد، نسائی، دارمی، ابن خزیمہ، اور سعید بن منصور کی روایتوں میں حضرت انس سے مروی ہے، امام احمد، ابن حبان، ابن منیع اور بغوی کی روایت میں جندیات میں اور سعید کی روایت میں جابر ابن عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہما سے مروی ہے، اب اگر اللہ نے پورا عذاب دیا تو آزاد کب کیا؟ بلکہ اس نے پورا عذاب دے کر چھوڑا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب قیدی اپنی میعاد پوری کر لیتا ہے پھر قید سے نکالا جاتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ چھوڑ دیا گیا، یہ نہیں کہتے کہ آزاد کر دیا گیا، اور اللہ تعالیٰ اکرم

الاکرمین ہے والحمد للہ رب العالمین۔ امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہ۔ (المستند المعتمد (مترجم) ص:۲۱۶، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہٗ سے افادہ کرتے ہوئے فرمایا: کہ ’’طائفہ‘‘ کا کم سے کم مصداق ایک ہے اس مذہب کے مطابق جو مختار ہے کہ ''طائفہ ''لغۃً ایک پر صادق آتا ہے اسکی تحقیق امام اہل سنّت، مجدد دین وملّت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کرتے ہوئیفرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين) (سور?التوبہ، آیت ۱۲۲) (تو کیوں نہ ہو کہ ان کے گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں) (کنزالایمان) فرض (کفایہ) ایک شخص کے کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ان نعف عن طائفة منكم) (سورۃ التوبہ، آیت ۶۶) (اگر ہم تم میں سے کسی کو معاف کریں) (کنزالایمان) اور معاف صرف ایک کو کیا۔ اور ابن ابی حاتم نیا بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت کی تفسیر میں حدیث تخریج کی انہوں نے فرمایا: طائفہ کا مصداق: ایک مرد اور چند لوگ دونوں ہیں۔ اور عبد بن حمید نے انہیں صحابی سے حدیث روایت کی فرمایا: طائفہ ایک مرد ہے اور اس سے زیادہ بھی۔ المستند المعتمد (مترجم) ص:۲۱۷، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا: اس بات کا اعتقاد واجب ہے کہ انبیا صرف مرد ہی ہوتے ہیں۔ کوئی عورت نبی نہ ہوئی جس پر اللہ عزوجل کا ارشاد (وما أرسلنا من قبلك الا رجالا نوحي اليهم) (سورۃ یوسف، آیت......) (اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے)۔ (کنزالایمان) اس پر روشن ناطق ہے اور اس باب میں اہل ظاہر کا اختلاف ہے کہ وہ مریم کی نبوت کے قائل ہوئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فرمان: (فأرسلنا إليها روحنا) (سورۃ مریم، آیت......) (تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا)۔ (کنزالایمان) اور (يٰمريم إن اللّٰه اصطفٰى) (آل عمران، آیت......) (اے مریم بے شک اللہ نے تجھے چن لیا) (کنز

الایمان) دونوں آیتوں سے انہوں نے استدلال کیا اور اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مریم کو شریعت کی وحی نہ ہوئی، اس لے کہ مذکورہ آیات میں وحیِ شریعت پر دلالت نہیں اور امام رازی اور قاضی بیضاوی نے اس بات پر اجماع نقل کیا کہ حضرت مریم نبی نہیں اور مخالف کے تفرد کی پروا نہ کی۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ اس مقام کی تحقیق انیق فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

’’یعنی اس آیت میں کوئی ایسا کلمہ نہیں جو اس پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مریم کو شریعت کی وحی کی، ہاں اس میں فضیلتوں کا بیان ہے۔ اظہر فضیلت نبوت نہیں اور نہ نبوت کو مستلزم، اس لیے کہ آیت میں تو جبریل علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجنے کا ذکر ہے تا کہ انہیں ستھرا بچہ بخشے۔ اور یہ بھیجنا شریعت کے ساتھ نہیں اور ملائکہ کا کسی سے بات کرنا اور نیک کاموں کی طرف رہنمائی کرنا نبیوں کے ساتھ خاص نہیں، ہاں ملائکہ کو ان کی شکل میں دیکھنا اور ان کا کلام سننا ان دونوں باتوں کا اقتران غیر نبی کے لیے نہیں ہوتا۔ اب اگر غیر نبی ان کو دیکھے تو اس وقت ان کا کلام نہ سنے گا اور اگر ان کا کلام سنیں تو ایسے وقت میں ان کو ان کی شکل میں نہ دیکھے جیسا کہ اس پر امام الطائفہ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے نص فرمائی، رہا چن لینا تو اس کا عموم اللہ کے نیک بندوں کے لیے ظاہر ہے، اور یوں ہی مریم کو تمام عورتوں پر بزرگی؛ اس میں بھی مقصد (اثبات نبوت) پورا نہیں مگر جب تک کہ بعض عورتوں کی نبوت ثابت نہ ہو اور پہلا مسئلہ تو یہی ہے۔ امام اہل سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ‘‘۔ المستند المعتمد (مترجم) ص:۲۵۳، رضا اکیڈمی ممبئ)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

’’قاضی عیاض نے فرمایا: یوں ہی ہم غالی رافضیوں کے کافر ہونے کا یقین کرتے ہیں ان کے اس قول میں کہ ائمہ انبیا سے افضل ہیں۔ ملا علی قاری نے فرمایا: اور یہ صریح کفر ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قول سے مستفاد ہے: (اللّٰه يصطفى من الملٰئكة رسلاً و من الناس) (سورۃ الحج: آیت......) (اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں

سے رسول اور آدمیوں میں سے](کنزالایمان)''۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہٗ نہایت اختصار کے ساتھ جو تنبیہ فرماتے ہیں وہ عقائد حقہ واضحہ کے عین مطابق ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

''ایسا ہی علامہ ملا علی قاری کی شرح شفا کے نسخہ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس عقیدے کا کفر ہونا اللہ تعالی کے قول سے مستفاد ہے مراد واضح ہونے کے باوجود لفظ ''یستفاد'' سے تعبیر نا مناسب ہے''۔(المستند المعتمد (مترجم) ص:۲۶۶، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا: حضور کی امت میں سے کوئی بلکہ تمام انبیا آپ کی جاہ ومنزلت سے مستغنی نہ ہوئے اور جب تک آپ شفاعت کا دروازہ نہ کھولیں گے کوئی شفاعت نہ کرسکے گا ایسا ہی ''معتمد'' میں ہے۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت اس مقام کی تحقیق انیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: خدائے ذوالعرش کی بارگاہ میں بلاواسطہ شفاعت صرف قرآن عظیم اور نبی کریم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے ہے اور کے لیے نہیں یہ معنی حدیثوں سے موکد ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اور یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول: انا صاحب شفاعتھم (میں انکی شفاعت کا مالک ہوں) کے معانی میں سے ایک معنی ہے۔ دوسرا معنی جو لطیف تر اور شریف تر ہے وہ یہ ہے کہ خدائے ذوالعرش کی بارگاہ میں بلاواسطہ شفاعت قرآن عظیم اور اس حبیب امیدگاہ کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے باقی شفیع یعنی ملائکہ، انبیا، اولیا، علما، حفاظ، شہدا، حجاج اور صلحا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شفاعت کریں گے ان کی رسائی انہیں تک ہوگی، ان کی شفاعت انہی کے حضور ہوگی جن کا ذکر ان حضرات نے کیا ہو اور جن کا ذکر نہ کیا ہوان سب کے لیے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اپنے رب کے نزدیک شفاعت کریں گے اور ہمارے نزدیک یہ معنی احادیث سے موکد ہے وللہ الحمد۔ امام اہل سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ''۔(المستند المعتمد (مترجم) ص:۲۷۰، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اکثر متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ حشر صرف جسمانی ہے بنا بریں کہ روح ایک جسم لطیف ہے، اور ائمہ: امام غزالی، ماتریدی، راغب حلیمی کا مذہب یہ ہے کہ حشر جسمانی اور روحانی ہے اس بنا پر کہ روح جو ہر مجرد عن المادہ ہے جسم نہیں اور نہ روح کوئی ایسی قوت ہے جو بدن میں حلول کیے ہوئے ہو بلکہ جسم سے تدبیر وتصرف کا تعلق رکھتی ہے۔ چوں کہ اکثر متکلمین کے مذہب سے بظاہر یہ ایہام ہوتا ہے کہ وہ حشر روح کا انکار کرتے ہیں جو یقیناً کفر ہے، اس لیے کہ جسم اور روح ہر ایک کا حشر ضروریات دین سے ہے، اس لیے آپ نے اکثر متکلمین کے مذہب کی تحقیق وتوضیح فرمائی اور یہ روشن فرمایا کہ اکثر متکلمین کے نزدیک "حشر صرف جسمانی ہے" کا معنی حشر روح کا انکار نہیں جو یقیناً کفر ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

''متن میں یہ قول کہ حشر فقط جسمانی ہے۔ حشر روح کے انکار کے معنی پر نہیں، اس لیے کہ حشر روح کا انکار یقیناً کفر ہے جس طرح حشر اجسام کا انکار کفر ہے اس لیے کہ ہر ایک کا دین کی باتوں سے ہونا بالضرورت ثابت ہے بلکہ یہ قول اس بنا پر ہے کہ روح بھی ان متکلمین کے نزدیک جسم لطیف ہے تو جسم وروح میں ہر ایک کا حشر ان کے نزدیک حشر جسم ہی ہے۔(المستند المعتمد (مترجم) ص:۳۴۴، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری کا حکم کفر کے متعلق کلام نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ ملا علی قاری نے یہ فرمایا کہ اگر کوئی (کفریہ) جملہ اسکے الفاظ کو جان بوجھ کر بولے اور اس کے معنی کا معتقد نہیں ہے ممکن ہے کہ اس سے وہ جملہ بغیر اکراہ صادر ہوا بلکہ اس کی مرضی سے وہ کلمہ اس کی زبان سے نکلا تو اس کے قائل پر حکم کفر ہے اس قول پر بنا کرتے ہوئے جو بعض علما کے نزدیک مذہب مختار ہے کہ ایمان: تصدیق و اقرار کا مجموعہ ہے تو زبان پر اس کلمہ کے جاری کرنے کے سبب اقرار انکار سے بدل گیا۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس مقام کی تحقیق فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ قول مختار پر اس قول کی بنا رکھنے کی حاجت نہیں بلکہ دونوں مذہبوں (ایمان صرف تصدیق قلبی ہیا ور زبان سے اقرار شرط ہے اور ایمان

تصدیق واقرار دونوں کا مجموعہ ہے) پر وہ بات کفر ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

اقول: قول مختار پر اس قول کی بنا رکھنے کے حاجت نہیں بلکہ دونوں مذہبوں پر وہ بات کفر ہے،اس لیے کہ دین کی کسی بات کا انکار خوشی سے زبان پر لانا یقیناً تصدیق کے ساتھ نہیں مل سکتا اگر چہ اقرار شطر(جزو ایمان) نہ ہو بلکہ اگر چہ شرط نہ ہو اور بے شک علما نے اس کے کافر ہونے کی تصریح فرمائی اور میں نے اس امر کی تحقیق اپنے رسالہ:"**البارقة اللمعا علی طائع نطق بکفر طوعاً**" میں کی۔(المستند المعتمد (مترجم)ص:۳۱۲،رضا اکیڈمی ممبئ)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے مختلف معانی کا احتمال رکھنے والے کلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی زبان پر ایسا مجمل یا مشکل لفظ لائے جسے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دوسرے پر محمول کرنا ممکن ہے یا اس مشکل ومجمل لفظ کی مراد میں تردد ہے کہ اس میں مکروہ معنی سے سلامتی اور برے معنی مراد ہونے دونوں کا احتمال ہے تو ایسے قائل کے بارے میں مجتہدین کا اختلاف ہے:بعض مجتہدین نے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرمت وآبرو کی حفاظت کو ترجیح دی اور اس قائل کے حکم قتل کی جسارت کی اور بعض نے خون کی حرمت کو عظیم جانا اور اس قائل کے قول میں مکروہ معنی سے سلامتی کے احتمال کے سبب حد قتل کو شبہ سے ٹالا۔حضرت ملا علی قاری نے فرمایا کہ جس مسئلہ میں ہماری گفتگو ہے اس میں حضور اقدس کی آبرو کی حفاظت اور شبہات کے سبب حد قتل کو ٹالنا ان دونوں باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ ایسے قائل سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے اگر توبہ کرلے تو چھوڑا جائے ورنہ قتل کیا جائے تو اس صورت میں اشکال اٹھ جائے گا اور جواب وسوال سے احتمال زائل ہو جائے گا۔

امام اہل سنت،مجدد دین وملت،سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ملا علی قاری علیہ رحم؟ الباری کے دونوں باتوں کے جمع کی تحسین پھر اس پر استدراک فرماتے ہوئے فرمایا کہ دونوں باتوں کو وہاں جمع کرنا ممکن ہے جہاں قائل کی طرف رسائی ہو جیسا کہ ارقام فرماتے ہیں:

''اور ملا علی قاری نے جو کچھ فرمایا اس میں حسن وخوبی سے کام لیا ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو لیکن یہ حکم وہاں ہے جہاں قائل کی طرف رسائی ہو ورنہ سلامتی اس میں زیادہ ہے کہ وہ بات نہ کہو جو تم نہیں جانتے اور اس کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔اور گمان سے بچو اس لیے کہ کوئی گمان گناہ ہے''۔(المستند المعتمد (مترجم)ص:۳۱۴،رضا اکیڈمی ممبئ)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے عقیدہ میزان کا ذکر کیا اور یہ فرمایا کہ وہ برحق یعنی ثابت ہے جس پر دلائل سمعیہ قطعیہ دلالت کرتے ہیں لہٰذا اس کی تصدیق واجب ہے لیکن کیا ہر مکلّف کے اعمال تولے جائیں گے؟ تو قرطبی نے تنبیہ کی کہ وزن اعمال سب کو عام نہیں کہ سب کیا عمال تولے جائیں اور اپنے دعوے پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بطور شاہد ذکر کیا:(**یعرف المجرمون بسیم?م فیوخذ بالنواصی والاقدام**)(سورۃ الرحمٰن،آیت:......)(مجرم اپنے چہرے سے پہچانے جائیں گے تو ماتھا اور پاؤں پکڑ کر جہنم میں ڈالے جائیں گے)۔(کنزالایمان)۔

امام اہل سنت،مجدد دین وملت،سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس آیت کریمہ کی دلالت کو روشن فرمایا اور اس سے زیادہ صاف اور صریح اللہ تبارک وتعالیٰ کا قول ذکر کیا اور اس پر وارد ہونے والے استدراک کو ذکر فرما کر اس کا جواب ذکر فرمایا جیسا کہ فرماتے ہیں:

''آیت نے اس پر دلالت کی کہ انکی پہچان ان کی علامت سے ہوگی،ان کے امتحان اور ان کے کاموں کو تولنے کی حاجت نہ ہوگی اور ان کی پہچان اور انہیں دوزخ میں ڈالنے کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہوگا،اس لیے کہ "**فیوخذ**" پر فائے تعقیب داخل ہے،جو بلا مہلت صدور فعل کا فائدہ دیتا ہے۔

اقول: اور زیادہ صاف اور صریح اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ قول ہے کہ جس میں ارشاد ہوا:[**اولئک الذین کفروا بایٰت ربہم ولقائہ فحبطت اعمالہم فلا نقیم لہم یوم القیٰمہ وزنا**](سورۃ الکہف،آیت:......)(یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں اور اس کا ملنا نہ مانا تو ان کا کیا سب اکارت ہے سو ہم ان کے لیے قیامت کے دن

کوئی تول نہ قائم کریں گے) (کنزالایمان)۔مگر یہ کہ اس آیت کو اس معنی کی طرف پھیرا جائے (لا یجعل لهم یوم القیامه قدرا) (یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی قدر نہ فرمائے گا) اور یہ تاویل معنیٰ مجازی ہے جس کی طرف بے دلیل پھیرا نہیں جاتا۔امام اہل سنّت رضی اللہ تعالیٰ۔ہے''۔(المستند المعتمد (مترجم) ص:۳۵۰،رضا اکیڈمی ممبئی)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صحیح حدیث میں یہ آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:"صنفان من أمتي ليس لهم من الاسلام نصيب: المرجئة والقدرية" میری امت کی دو صنفیں ایسی ہیں جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں مرجیہ اور قدریہ۔

اس حدیث کو بخاری وترمذی نے ابن عباس اور طبرانی نے معجم اوسط میں ابوسعید خدری سے بسند حسن روایت کیا تو اس حدیث حسن پر صحیح کا اطلاق کیسے صحیح ہے؟

امام اہلسنت، مجدد دین وملت، سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس مقام کی تحقیق فرمائی اور یہ واضح فرمایا کہ حدیث حسن پر صحیح کا اطلاق کوئی نئی بات نہیں جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو بخاری نے تاریخ میں، ترمذی نے بسند حسن ابن عباس سے اور ابن ماجہ نے مذکورہ صحابی اور جابر بن عبداللہ دونوں سے روایت کیا اور طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن ابوسعید خدری سے اور خطیب نے تاریخ میں ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا اور حسن پر صحیح کا اطلاق کوئی نئی بات نہیں۔پھر حسن مختلف طرق سے لامحالہ درجۂ صحت میں پہنچ جاتا ہے اور ابونعیم کی حدیث حضرت انس اور طبرانی کی معجم اوسط کی حدیث حضرت واثلہ اور حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہم سے بایں لفظ کہ میری امت کی دو صنفیں قیامت کے دن میری شفاعت سے محروم ہوں گی، وہ مرجیہ اور قدریہ ہیں یہ روایت صالح معتبر ہے اور اس میں ضعف کے سبب جو کمی تھی پوری ہوگئی''۔ (المستند المعتمد (مترجم) ص:۲۱۵،رضا اکیڈمی ممبئی)۔

اسی طرح علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ صحیح حدیث میں

ہے:"القدرية مجوس هذه الأمة" قدریہ اس امت کے مجوسی ہیں آپ نے اس حدیث کی تصحیح ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ یہ حدیث ہمارے اصول پر صحیح ہے اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں اگرچہ صحیح لغیرہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ ابن عمر، جابر، اور سہل بن صعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ابن عدی، حاکم، بغوی وغیرہم نے ابن عمر سے ایسی سند سے روایت کیا جو ہمارے اصول پر صحیح ہے اور دارقطنی نے حذیفہ اور ابن عدی نے جابر اور خطیب نے سہل ابن صعب رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا تو اس کے صحیح ہونے میں کوئی شک نہیں اگرچہ صحیح لغیرہ ہی سہی، اور اس حدیث کا تتمہ ابوداود وغیرہ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ لوگ اگر بیمار ہوں تو ان کی عیادت کو نہ جاؤ اور اگر مرجائیں تو ان کی میت پر حاضر نہ ہو''۔(المستند المعتمد (مترجم) ص:۱۶۸،رضا اکیڈمی ممبئی)۔

اسی طرح علامہ بدایونی قدس سرہٗ نے یہ حدیث پاک ذکر کی:إذا ذكر القدر فأمسكو۔جب تقدیر کا ذکر ہو تو اپنی زبانیں روک لو یعنی اس پر ایمان رکھو اور اس میں بے جا بحث سے باز رہو۔آپ نے اس حدیث کے بارے میں یہ افادہ فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کو ابن عدی نے کامل میں، امیر المومنین عمر فاروق اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبداللہ ابن مسعود اور ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا اور یہ حدیث حسن ہے جیسا کہ اس پر امام سیوطی نے ''جامع صغیر'' میں تنبیہ فرمائی اور باب میں کثیر احادیث ہیں۔امام اہل سنّت رضی اللہ تعالیٰ عنہ''۔ (المستند المعتمد (مترجم) ص ۱۶۸،رضا اکیڈمی ممبئی)۔

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی قدس سرہٗ نے اللہ عزوجل کی بے مثلی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ سبحانہٗ اپنی ذات وصفات وافعال میں کسی حادث کے مشابہ ومماثل نہیں جس پر روشن شاہد اللہ سبحانہٗ کا یہ محکم ارشاد ہے:(ليس كمثله شيء) (اس جیسا کوئی نہیں) (کنزالایمان)۔علامہ بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا: اس آیت میں ''مثلہ''

سے اللہ سبحانہ کی ذات مقدسہ مراد ہے جیسا کہ بطور محاورہ بولا جاتا ہے: تم جیسا ایسا نہیں کرتا یعنی تم۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ''مثلہ'' سے اس کی صفت مراد ہے یعنی اللہ سبحانہ کی صفت کی طرح کوئی چیز نہیں اور ایک قول یہ ہے کہ آیت مبارکہ میں مبالغہ مراد ہے یعنی اگر اس کا مثل فرض کیا جائے تو پھر کیسا گمان ہوگا؟ دراں حالے کہ اسکا مثل موجود نہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ ''کمثلہ'' میں کاف زائد ہے تو اسکا یہ معنی ہوگا کہ اس کی طرح کوئی چیز نہیں۔

امام اہل سنت، مجدد دین وملت، سیدنا علی حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس آیت محکمہ کی ایسی توجیہ فرمائی جس پر آیت مبارکہ یہ دعویٰ مع دلیل ہے اور اس پر نہ کاف زائد ہے اور نہ کوئی تاویل جیسا کہ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں: میرے نزدیک یہ بات ظاہر ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ آیت کریمہ گویا دعویٰ مع دلیل ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی واجب الوجود ہے اس کا انتفا محال ہے اگر اسکا مثل ہوتا تو وہ بالبداہتہ اپنے مثل کا مثل ہوتا لیکن اللہ کے مثل کا مماثل موجود نہیں تو واجب ہے کہ اس کے لیے مثل نہ ہو ورنہ واجب الوجود کا انتفا لازم آئے گا۔ اور انتفا ے واجب الوجود محال ہے۔ اور بعبارت دیگر یوں کہیں کہ اللہ کے صفات وہ ہیں کہ عقل دو کے درمیان اشتراک قبول نہیں کرتی اور اگر اللہ سبحانہ کا مثل ہوتا تو ضرور ان صفات سے مصف ہوتا۔ پھر مثل کا مثلیت سے منزہ ہونا صراحۃً باطل ہے تو اب لازم ہوا کہ اللہ تعالی کا مثل اصلاً نہیں۔ لہذا اس توجیہ پر نہ کاف زائد ہے اور نہ کوئی تاویل اور مراد تنزیل کو اللہ عزوجل ہی جانتا ہے۔ امام اہل سنت رضی اللہ تعالی عنہٗ'' (المستند المعتمد (مترجم) ص: ۱۲۶، رضا اکیڈمی ممبئی)۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی تعلیقات وتحقیقات کے یہ چند گوشے ناظرین کرام کی خدمت میں پیش ہیں، جن سے علم عقائد وکلام میں امام احمد رضا قدس سرہٗ کی عبقریت، انفرادیت، کمال اور بلندی شان کا اذعان کامل ہوتا ہے اور اس قضیہ کی روشن تصدیق ہوتی ہے: ''کم ترک الاولون للآخرین '') اگلوں نے بعد والوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ رکھا ہے)۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے اس کتاب میں بہت سے مقامات پر تفصیلی تعلیقات و

تحقیقات ارقام فرمائے ہیں، جنہیں بخوفِ طوالت ذکر نہ کیا، بلکہ آپ کی تعلقات کا مختصر اور ملخص حصہ ذکر کیا ہے۔ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ان تحقیقات وتدقیقات سے بہت سی اہم تصنیفات خالی ہیں جن سے عاقل، ذی فہم، منصف مزاج، صاحب الرائے کے لیے یہ فیصلہ بہت ہی آسان ہے، کہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ایک تحقیق بہت ساری تصنیفات پر بھاری ہے، امام احمد رضا کی انہیں گراں قدر تحقیقات وتنقیحات کو دیکھ کر امام احمد رضا قدس سرہٗ کے زمانہ کے اکابر علما ومشائخ، علماے عرب وعجم بالخصوص علماے حرمین شریفین واکابر سادات، مشائخ مارہرہ مقدسہ نے امام احمد رضا کی عظمتوں، رفعتوں، شوکتوں اور بلندیوں کا پرچم لہرایا، آپ کی تحقیقات کو اعتماد کی نگاہوں سے دیکھا اور اس بات کی تاکیدی وصیت فرمائی کہ امام احمد رضا کی نظر ثانی کے بعد ہی کوئی کتاب شائع کی جائے اور نہ جانے کن کن کلمات خیر سے یاد فرمایا۔ یہ امام احمد رضا کے معتمد، مستند اور مقبول عند اللہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔

آج جبکہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے جشن صد سالہ کے موقع پر امام احمد رضا کے پیرخانہ مارہرہ مقدسہ سے شائع ہونے والے رسالہ ''اہل سنت کی آواز'' کے ذریعہ امام احمد رضا کی دینی خدمات کے اعتراف میں آپ کی بارگاہ میں محبتوں کا خراج پیش کیا جارہا ہے، مسرتوں کے پھول نچھاور کیے جارہے ہیں اور عظمتوں کا پرچم لہرایا جارہا ہے۔ اکابر سادات، مشائخ مارہرہ بالخصوص سیدی سرکار آل رسول مارہروی اور سیدی سرکار ابوالحسین احمد نوری رحمۃ اللہ تعالی علیہما کی روح کس قدر خوش ہورہی ہوگی اسے قید تحریر میں نہیں لایا جاسکتا اور نہ زبانِ مقال سے بیان جاسکتا ہے۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب کریم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل محبتوں کا یہ چراغ روز افزوں روشن تر رکھے اور یہ رشتہ محبت صبح قیامت تک قائم رکھے۔ **اللٰھم زد فزد آمین بجاہ النبی الامین الکریم علیہ و علی آلہ و صحبہ اجمعین۔**

امام احمد رضا کی قومی وعالمی مقبولیت

مولانا محمد اسلم رضا میمن شیوانی تحسینی
مدیر ادارۂ اہل سنت کراچی، پاکستان

اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے نیک بندے بھی ہیں کہ جن کے لیے قدرتی طور پر ہماری زبانوں سے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مبارک الفاظ نکلتے، اور دل خود بخود ان کی طرف کھنچنے لگتے ہیں۔ دلوں کی یہ کشش محبوبیتِ الٰہی کے باعث ہے۔ کئی بزرگوں کو ہم نے دیکھا تک نہیں، مگر ہمارے دلوں میں ان کی انتہائی محبت وعقیدت ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ ''مسلم شریف'' میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: ''**ان اللہ إذا احب عبدا دعا جبریل فقال: إني احب فلانا فاحبہ**''۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے، تو حضرت جبریل سے فرماتا ہے کہ میں فُلاں سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو! رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: **فیحبہ جبریل، ثم ینادي في السماء فیقول: إن اللہ یحب فلانا فاحبوہ، فیحبہ اھل السماء**۔ ''جبریل اس محبت کرنے لگتے ہیں اور آسمان میں اعلان کردیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے، تم سب بھی اس سے محبت کرو! چنانچہ تمام فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **ثم یوضع لہ القبول في الأرض**[1]۔ ''پھر زمین میں اس کی مقبولیت پھیلا دی جاتی'' یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دل اس بندے کی طرف مائل ہو جاتے ہیں گویا اس کی ذات مخلوق کے قلوب لیے مقناطیس کی طرح ہو جاتی ہے ایسی ہی ایک عظیم ہستی ماضی قریب میں گزری جسے دنیا سردارِ عرب وعجم مجدّدِ وقت امام احمد رضا کے نام سے یاد کرتی ہے۔

امام کی قومی مقبولیت:

امام اہلِ سنّت کی قومی مقبولیت کا عالَم تو یہ ہے کہ برِّصغیر پاک وہند میں اہلِ اسلام کی واضح اکثریت، سنّی مسلمان کی پہچان ہی امام کی ذات اوران کے شہر بریلی سے ہے اور یہاں یہ بات واضح مسلّمات سے ہے کہ اہلِ سنّت وہی ہیں جو امام احمد رضا کے مسلک پر ہیں لوگ انہیں بریلوی کہتے ہیں۔ یہی وہ عقیدہ ومسلک ہے جسے دنیائے عرب میں تصوّف یا صوفی اِزم کہا جاتا ہے۔

امام کی عالمی مقبولیت:

جبکہ امام اہلِ سنّت کی عالمی شہرت ومقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج پوری دنیا میں کہیں بھی کسی بھی سطح پر، جب برصغیر کے مسلمانوں کے بارے میں کوئی موضوع چھڑتا ہے تو عرب وعجم اور اہلِ مغرب میں سے ہر ایک یہ واضح فرق کرتا بھی ہے اور جانتا مانتا بھی ہے کہ آخر کون سا مسلمان؟ بریلوی (اہلِ تصوّف، Peaceful) یا کوئی اور؟ اس واضح تفریق سے پتا چلتا ہے کہ دنیا بھر کے اہلِ نظر امام اہلِ سنّت اور ان کے ہم مسلک مسلمانوں کے بارے میں کیا افکار رکھتے ہیں۔

یہ وہ باتیں ہیں جو حقیقت وبداہت پر مبنی ہیں، ان کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں بلکہ صرف حالاتِ حاضرہ پر ایک طائرانہ نظر ہی کافی ووافی ہے، یقین نہ آئے تو تجربہ کر لیجیے!

امّت کو ہر دور میں مجدد کی ضرورت ہوتی ہے:

ہمیشہ سے سنّت الٰہی رہی کہ وہ اپنے بندوں کی رشد وہدایت، درسِ توحید اور تعلیمِ عبادات کے لیے مناسب موقع پر کچھ نفوسِ قدسیہ کو منصبِ نبوت ورسالت کے ساتھ بھیجتا رہا جنہیں دنیا رسول اور پیغمبر کے نام سے جانتی مانتی ہے۔ ربِّ ذوالجلال نے ان نفوسِ قدسیہ کو جہاں نا قابلِ تسخیر اور محیّر العقول معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا وہیں اس عہد کے حیرت انگیز اعجاز نما علوم وفنون میں بھی وہ کمال بخشا جسے دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی۔

نبوت ورسالت کا یہ سلسلہ جب مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ تک پہنچ کر مکمل ہوا تو

رب کریم نے امت مصطفیٰ ﷺ کی رہنمائے علمائے ربانیین کے سپرد فرما دی۔ انہیں علمائے دین میں سے کچھ نفوس قدسیہ کو باری تعالیٰ نے خاص فضیلت عطا فرمائی اور حدیث پاک میں ان کے متعلق ارشاد ہوا: ''من یجدد لها دینها'' [۲] ''جو امت کے لیے اس کے دین کو تازہ کر دیا کرے گا''، جسے اصطلاحِ شرع میں مجدد کے معظم لقب سے جانا جاتا ہے۔ یہ مجدد دین کرام چوں کہ تجدید و احیائے دین علی منہاج النبوۃ فرماتے ہیں، اس لیے ان حضرات کو بھی رب کریم نا قابل تسخیر علوم وفنون میں، ایسا باکمال بنا کر بھیجتا ہے کہ وہ اپنی صدی کے پیش آمدہ تمام تر مسائل کی الجھی گتھیوں کو سلجھا کر رکھ دیتے ہیں، جب کہ اس صدی کی بڑی بڑی عبقری شخصیات بھی محوِ حیرت ہوتی ہیں۔

یعنی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مجدّد ایسا شخص ہوگا جو جملہ مروّجہ علوم وفنون پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ، عصری علوم کا بھی ماہر ہو، مثلاً سائنس (SCIENCE)، الکٹرانک (ELECTRONIC)، ہیئت و ہندسہ، خلا و بسیط، فلکیات وارضیات وغیرہ پر بھی ویسا ہی ملکۂ راسخہ ہو، جادّۂ دینیات کے اصول وفُروع اور نئے مسائل کے استنباط پر مہارتِ تامّہ ہوتی ہے تاکہ وہ سمتِ قبلہ کے انحراف کے تعلق سے بجائے شمال کے جنوب، یا بجائے جنوب کے شمال نہ بتا دیا کرے، تصویر کو عکس یا عکس کو تصویر سمجھ کر یکساں حکم نافذ نہ کر دے، قیاسِ فقہی اور قیاسِ لُغوی کو ایک ہی نہ سمجھ لیا کرے، نوادرات کو مبنائے قیاس نہ ٹھہرا دے اور چاند پر پہنچے ہوئے مسافر کے مشاہدہ پر رویتِ ہلال کا حکم نافذ نہ کر دے، وغیرہ وغیرہ۔

الغرض مجدّد وہ ہوگا، جسے اپنے دَور کی تمام اِیجادات کے بارے میں بھرپور معلومات ہو اور وہ اصولِ شرع کے مطابق ان کا ایسا واضح حکم بیان کر سکے جس میں کچھ شک وشبہ باقی نہ رہے [۳]۔

چودھویں صدی کے عظیم مجدّد امام احمد رضا:

یقیناً امام احمد رضا جو اپنے زمانے کے مجدّدِ اعظم ہیں، آپ کی ہمہ گیر شخصیت ہر زاویہ سے بے نظیر و بے مثال ہے۔ ہیئت، ہندسہ، توقیت ومساحت، جبر ومقابلہ، مثلّثِ کروی، مثلّثِ مسطح غرض کہ اپنی صدی کے جملہ علوم وفنون میں وہ نہ صرف یکتائے روزگار بلکہ

فقید المثال نظر آتے ہیں۔ امریکی منجم نے جب تمام سیارگان کے اجتماع کی بنیاد پر قیامت کی پیشین گوئی کی، تو اسی بطلِ جلیل امام احمد رضا ''علمِ ہیئت'' کی رو سے اس منجم کی بنیاد اجتماعِ سیارگان کو منتشر کر کے رکھ دیا۔ جب دنیا کے آباد اور غیر آباد حصّوں کی بات آئی، تو بذریعہ مثلّث کروی ہر خشک وتر، دشت وجبل اور صحرا وجنگل میں سمتِ قبلہ سے متعلق ایسے ضابطے بیان فرمائے، کہ ایک مستقل کتاب بنام ''کشف العلّة عن سمت القبلة'' لکھ دی۔ یہی نہیں بلکہ بذریعہ زیج علوبین (زحل ومشتری) کے چار (۴) قرانوں میں سے قرانِ اعظم کی بنیاد پر قربِ قیامت کی پیشین گوئی بھی فرما دی۔ یہی وہ کمالات تھے جن کے سبب آپ کی صدی کے بڑے بڑے جابر گردن کشاں آپ کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور تھے۔

سب یہ صدقہ ہے عرب کے جگمگاتے چاند کا　　نام روشن اے رضا! جس نے تمہارا کر دیا
زمانے بھر میں تمہارا ہی نام روشن ہے　　رضا یہ نعتِ نبی نے بلندیاں بخشیں

اہل حق اہل سنّت کے مسلّم امام ومجدّد سیّدنا اعلیٰ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی عالمی مقبولیت اور آپ سے اہل حق کی عقیدت ومحبت کا یہ عالم ہے کہ معلومات اور عالمی سنی رابطہ کے مطابق سرکار اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین وملّت کا عرس سراپا قدس، ''یوم رضا''، ''یومِ امام احمد رضا''، ''امام احمد رضا کانفرنس''، ''امامِ اہل سنّت کانفرنس'' کی صورت میں، نہ صرف پاک وہند اور بنگلہ دیش، بلکہ متعدد ایشیائی، افریقی، یورپی اور عرب ممالک میں تزک واحتشام سے منایا جاتا ہے۔ جشن عید میلاد النبی ﷺ اور سیّدنا غوثِ اعظم کی بڑی گیارہویں شریف کے بعد مسلمانانِ عالَم کی بڑی اور عالمی، دینی و روحانی تقریبات میں سے ایک عرسِ اعلیٰ حضرت بھی ہے۔ پاک وہند میں تو ماشاء اللہ عرسِ قادری رضوی کی یہ مبارک تقریبات ایک ایک شہر میں کئی کئی جگہ فیض بخش عام ہوتی ہیں، جو آپ کی مقبولیتِ عامّہ کی بیّن دلیل ہے ؏

اے رضا روز ترقی پہ ہے چرچا تیرا　　اَوج اعلیٰ پہ چمکتا ہے ستارا تیرا
اہل سنّت کے دلوں میں ہے محبت تیری　　دشمنِ دیں کو سدا رہتا ہے کھٹکا تیرا

اور یہ حقیقت بھی واضح ہے ؏

مدّت ہوئی ہے آپ کو پردہ کیے ہوئے   لیکن ہر ایک بزم میں چرچا رضا کا ہے

بحمدہ تعالیٰ ہمارے ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کراچی سے پشاور تک چلے جائیں، جگہ جگہ، شہر بہ شہر ''جامعہ قادریہ رضویہ''، ''جامعہ غوثیہ رضویہ''، ''جامعہ چشتیہ رضویہ''، ''جامعہ نقشبندیہ رضویہ''، ''جامعہ حنفیہ رضویہ''، ''جامعہ اویسیہ رضویہ''، ''جامعہ برکاتیہ رضویہ''، ''جامعہ نوریہ رضویہ''، ''جامعہ سعیدیہ رضویہ'' کی صورت میں ہزاروں مدارس و جامعاتِ اہلِ سنّت آپ کے نامِ گرامی سے منسوب نظر آئیں گے جو آپ کی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہے ع

احمد رضا کے فیض کے ہیں در کھلے ہوئے   برکاتِ مصطفیٰ کے ہیں پرچم لگے ہوئے

اور یہ بھی ایک بامشاہدہ حقیقت ہے کہ ع

وادی رضا کی کوہِ ہمالہ رضا کا ہے   جس سمت دیکھیے وہ علاقہ رضا کا ہے

اور کیوں نہ ہو؟ کہ امامِ اہلِ سنّت نے ہوش سنبھالنے سے تادمِ اخیر اپنی ساری زندگی دینِ اسلام کی خدمت اور سنّیت کی اِشاعت میں صرف کی اور تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ر کتابیں لکھیں جن میں ''فتاویٰ رضویہ'' سب سے ضخیم ہے۔ علمی تحقیق کے اعتبار سے اردو زبان میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔ آپ کے بارے میں علّامہ اقبال نے فرمایا تھا: ''وہ بے حد ذہین اور باریک بیں عالمِ دین تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ وَر، اور پاک و ہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دَورِ متاخرین میں ان جیسا طبّاع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا''۔[۴]

تصانیف امام احمد رضا

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن:

امامِ اہلِ سنّت نے قرآن مجید کا اردو ترجمہ فرمایا، جس کو عالمِ اسلام ''کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن'' کے نام سے جانتا ہے۔ اس ترجمہ کو اب تک انگریزی (میں تین بار)، ہندی، سندھی، گجراتی، ڈچ، بنگلہ، پشتو وغیرہ زبانوں میں ڈھالا جاچکا ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی مقبولیت:

امام اہلِ سنّت کے ہاں علاوہ ردِّ وہابیہ و دیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے، کارِ فتویٰ اس درجہ وافر تھا، کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد رہتا، شہر و دیگر بلاد واَمصار، جملہ اَقطارِ ہندوستان و بنگال، و پنجاب و ملیبار و برہما و ارکان و چین و غزنی و امریکہ و افریقہ حتیٰ کہ سرکار حرمین شریفین محترمین سے استفتا آیا کرتے اور ایک وقت میں پانچ پانچ سو استفتا جمع ہوجاتے تھے۔ اس کی واضح دلیل ان فتاویٰ کے مطالعہ سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

حدائق بخشش (نعتیہ دیوان):

سیّدی اعلیٰ حضرت کا نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' اردو نعتیہ شاعری کا ایک اہم سنگِ میل ہے، جس نے اپنے بعد آنے والے تمام نعت گو شعرا کو ادب و احترام اور تعظیم کا راستہ دکھایا۔ اس دیوان کی نعتیں آج بھی ہند و پاک وغیرہ میں سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے۔ ''حدائقِ بخشش'' کا قصیدۂ سلامیہ ع

مصطفیٰ جانِ رحمت پے لاکھوں سلام   شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

اطرافِ عالم میں جہاں جہاں اہلِ اردو پائے جاتے ہیں، وہاں بہت ہی مشہور اور مقبولِ خاص و عام ہے، اس کا انگریزی ترجمہ پروفیسر غیاث الدّین مرحوم (U.K) نے کیا، جسے ''رضا اکیڈمی'' (U.K) نے شائع کیا۔ اس کا عربی ترجمہ منظوم فاضلِ جلیل ڈاکٹر حسین مجیب مصری نے کیا، جسے ''دار الثقافۃ'' نے مصر سے ۱۹۹۹ء میں شائع کیا۔

عالم عرب میں آپ کی مقبولیت:

یوں تو عالم عرب میں امام احمد رضا کا پہلا تعارف اس وقت ہوا، جب وہ ۱۲۹۵ر ہجری بمطابق ۱۸۷۸ء میں اپنے والدِ ماجد علّامہ مفتی نقی علی خان قادری کے ہمراہ حج بیت اللہ کے لیے حرمین شریفین پہلی بار حاضر ہوئے۔ اس موقع پر حرم مکّہ مکرّمہ کے امامِ شافعیہ اور وقت کی عظیم شخصیت حضرت مفتی سیّد حسین بن صالح جمل اللیل مکّی (متوفّٰی ۱۳۰۵ہجری بمطابق ۱۸۸۷ء) نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے (مسجدِ حرام میں بعد فراغتِ

نمازِ مغرب) امام احمد رضا کا ہاتھ پکڑا، اور ان کی پیشانی دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے: ''إنی لأجد نور الله فی هذا الجبين'' ''میں اس پیشانی میں اللہ تعالیٰ کا نور دیکھ رہا ہوں''۔[۵]

امام اہلِ سنّت کے اس پہلے سفر کے موقع پر آپ کی علمی بصیرت کو دیکھتے ہوئے، شیخ حسین بن صالح کے علاوہ مفتی شافعیہ سیّد احمد زَینی دَحلان (متوفّی ۱۲۹۹ ہجری بمطابق ۱۸۸۱ء)، مفتی حنفیہ شیخ عبدالرحمٰن سراج مکّی (متوفّی ۱۳۰۱ء ہجری بمطابق ۱۸۸۳ء) ودیگر بہت سے اکابر واعاظم علمانے تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کیا جازات واسانید سے آپ کو نوازا۔

امام اہلِ سنّت کی مندرجہ ذیل عربی تصانیف نے علمائے اسلام، خصوصاً علمائے عرب میں ان کے علمی وقار اور فقہ وحدیث اور علومِ اسلامیہ میں آپ کے بلند مقام کو روشناس کرانے میں اہم کردار ادا کیا:

۱ – الدولة المكية بالمادة الغيبية (۱۳۲۳ھ)

۲ – إنباء الحي أن كلامه المصون تبيان لكل شئ (فی مسألة العلوم الخمسة) (۱۳۲۶ھ)

۳ – كفل الفقيها لفا همفيأ حكما مقر طا سالدر اهم (۱۳۲۴ھ)

۴ – الإجازات المتينة لعلماء بكة و المدينة (۱۳۲۴ھ)

۵ – المعتمد المستند (۱۳۲۰ھ)

۶ – فتاوى الحرمين بر جف ندوة المين (۱۳۱۶ھ)

۷ – حُسام الحرمين على منحر الكفر و المين (۱۳۲۴ھ)

۸ – أجلى الإعلام أنّ الفتوى مطلقاً على قول الإمام (۱۳۳۴ھ)

۹ – الكشف شافيا حكم فونو جرافيا (۱۳۲۸ھ)

۱۰ – الزلال الأنقى من بحر سبقة الأتقى (۱۳۰۰ھ)

۱۱ – صيقل الرين عن أحكام مجاورة الحرمين (۱۳۰۵ھ)

۱۲ – الصافية الموحية لحكم جلد الأضحية (۱۳۰۷ھ)

۱۳ – هادف الأضحية بالشاة الهندية (۱۳۱۴ھ)

۱۴ – شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر (۱۳۳۲ھ)

۱۵ – الظفر لقول زفر (۱۳۳۵ھ)

۱۶ – الجبل الثانوي على كلية التهانوي (۱۳۳۷ھ)

امام اہلِ سنّت نے ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں دوسری بار حج کیا، پھر مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ ایک ماہ تک مدینہ طیّبہ میں رہ کر بارگاہِ رسالت ﷺ سے فیض پاتے رہے۔ مکّہ معظّمہ اور مدینہ طیّبہ کے بڑے بڑے علماء نے آپ کے علمی کمالات اور دینی خدمات سے متأثر ہو کر آپ کے دستِ حق پرست پر شرفِ بیعت کیا اور آپ کو اپنا استاد و پیشوا مانا، یوں آپ کی بہت پذیرائی ہوئی، جس کا تحریری نمونہ پیشِ خدمت ہے۔

امام احمد رضا خان مشاہیر کی نظر میں:

۱– مکّہ مکرّمہ کے مفتی شافعیہ اور شیخ العلما شیخ محمد سعید بابصیل[۶] نے امام احمد رضا کتاب ''الدولۃ المکیۃ'' پر تقریظ کے بعد لکھا: ''یہ وہ ہے جو مجھے اس امامِ کامل کی مددگاری میں میسّر آیا''۔[۷]

۲– مکّہ مکرّمہ کے مفتی حنفیہ شیخ محمد صالح ابنِ علّامہ شیخ صدیق کمال[۸] نے امام احمد رضا کتاب ''الدولۃ المکیۃ'' پر تقریظ کے آخر میں لکھا: ''الٰہی! اس استاذِ کبیر اور عالمِ کمال ماہر کی عمر میں فزونی و برکت و درازی عطا کر؛ تاکہ وہ ہر سخت جاہل گمراہ کے حق میں اُچھوا ور کانٹا ہو''۔[۹]

۳– خطبا وائمہ کے سردار مسجدِ حرام میں مدرّس شیخ احمد ابوالخیر بن عبداللہ مرداد[۱۰] نے لکھا: ''علّامہ، عقیل، ذکی، بلند ہمّت، اپنے زمانہ میں تمام مؤلّفین کا سردار اور خود اپنے معاصرین کی گواہی سے تمام مصنّفینّ کا امام ہے''۔[۱۱]

۴– شیخ عبداللہ بن صدقہ زینی دَحلان جیلانی مکّی[۱۲] نے اس امام کے بارے میں لکھا: ''ایسی تصنیفوں والا جو اس کی وسعتِ نظر اور کثرتِ مادّۂ علمی اور عظمتِ قدرت پر دلیل ہیں وہ امام جس نے کوئی بند دروازہ نہ چھوڑا جس کے قلعے نہ کھول دیے ہوں،

اور کوئی مشکل کام نہیں جس کے معنی واضح نہ کر دیے ہوں، جناب استاذ فاضل اور بلند ہمت کامل ہیں''۔[۱۳]

۵- شیخ محمد جمال بن محمد امیر بن حسین مالکی[۱۴] نے تحریر فرمایا: ''عالم علّامہ یکتا ہے اور سردار عالم کبیر کمال معظّم، ہمارے استاذ حضرت احمد رضا خان''۔[۱۵]

۶- شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی[۱۶] نے لکھا: ''اس زمانہ کے علمائے محققین کا بادشاہ ہے اور اس کا کلامِ مبارک حق صریح ہے، حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب ہمارے سردار اور ہمارے مولیٰ خاتم المحققین اور سنّی علما کے پیشوا ہیں، اللہ تعالی ان کی بقا سے مسلمانوں کو متمتع رکھے! ان کی حمایت فرمائے! انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے! اللہ انہیں اور ہمیں نبیوں اور صِدّیقوں کے گروہ میں محشور فرمائے!''۔[۱۷]

۷- شیخ علی بن احمد محضار[۱۸] نے تحریر فرمایا: ''علّامہ کامل استاذِ فاضل احمد رضا خان، جن کے سبب سے خدا نے اس زمانہ میں مسلمانوں کی فریادرَسی فرمائی''۔[۱۹]

۸- شیخ عبدالحمید بن محمد عطّار[۲۰] نے لکھا: ''حضرت علّامہ مدقّق، درّاکۂ محقّق، مولانا الہمام، احمد رضا خان، جو ہندوستان کے علمائے اَعلام میں ایک مشہور شخصیت ہیں''۔[۲۱]

۹- شیخ سید یوسف عطا بغدادی[۲۲] نے فرمایا: ''ہمارے مولیٰ فاضل، صاحب عرفان، میرے سردار شیخ احمد رضا خاں صاب قادری''۔[۲۳]

۱۰- شیخ محمد امین سوید مشقی[۲۴] نے فرمایا: ''علامہ کبیر فہامہ شہیر، کامل محقق ومدقق شیخ احمد رضا خان''۔[۲۵] (الخ)

۱۱- شیخ محمد مشقی[۲۶] نے فرمایا: ''سالکوں کے مرشد، اللہ تعالیٰ کی عنایت حاصل کرنے والے، عالم فاضل، شیخ احمد رضا خاں ہندی بریلوی، اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل وکرم سے جنت کا ساکن بنائے۔ آمین[۲۷]

۱۲- علوم وطریقت کے شیخ، یاسین احمد خیالی[۲۸] نے امام احمد رضا کی تعریف کرتے ہوئے لکھا: ''وہ محدثین کے امام، ملحدین کی گردنوں کے لیے تلوار، یگانۂ روزگار اور یکتائے زمانہ ہیں، یعنی مولانا شیخ، کامل بزرگ سردار، احمد رضا خان''۔[۲۹]

۱۳- علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی[۳۰] نے تحریر فرمایا: ''امام علامہ شیخ احمد رضا خان

ہندی، ایک امام کبیر علامۂ اجل ہیں، اللہ ان سے راضی رہے! اور اپنی عنایتوں سے ان کو راضی کرے!''۔[۳۱] (الخ)

۱۴- مولانا سیّد محمد عثمان قادری[۳۲] نے فرمایا: ''یگانۂ روزگار، یکتائے زمانہ، فاضل کامل، عالم عامل، بدعت کی بیخ کنی کرنے والے، سنّت کی مدد کرنے والے، محقّق ومدقّق، اس زمانے کے بزرگ امام، مولانا حاجی سیّدی احمد رضا خان''۔[۳۳] (الخ)

۱۵- مولانا عابد حسین مالکی[۳۴] نے فرمایا: ''جبکہ اس فتنوں اور عالمگیر شر کے زمانہ میں، اللہ تعالی نے اس دینِ متین کو زندہ کرنے کی اُسے توفیق بخشی، جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا، وہ جو سیّدِ عالم ﷺ کے وارثوں میں سے ہے، علمائے مشاہیر کا سردار اور معزز فاضلوں کا مایۂ افتخار، دینِ اسلام کی سعادت، نہایت محمود سیرت، ہر کام میں پسندیدہ صاحبِ عدل، عالمِ باعمل، صاحبِ احسان، حضرت مولیٰ احمد رضا خان''۔[۳۵]

۱۶- مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہّان[۳۶] نے فرمایا: ''رسوخ والے فاضلوں کا خلاصہ، علّامۂ زماں، یکتائے روزگار، جس کے لیے علمائے مکّہ معظّمہ گوائی دے رہے ہیں کہ وہ سردار ہے، بے نظیر ہے، امام ہے، میرے سردار اور میرے جائے پناہ، حضرت احمد رضا خان بریلوی''۔[۳۷]

۱۷- علّامہ مولانا محمد کریم اللہ مدنی[۳۸] اپنی عینی شہادت بیان کرتے ہیں کہ ''میں سالہا سال سے مدینہ منوّرہ میں مقیم ہوں، سرزمینِ ہند سے ہزاروں لوگ آتے رہتے ہیں، ان میں علماء وصلحاء اور اتقیاء سب ہی ہوتے ہیں، میرا مشاہدہ ہے کہ یہ لوگ مدینہ طیّبہ کی گلیوں میں پھرتے رہتے ہیں، کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا (کہ کونسی شخصیت ہے)، اور امام احمد رضا کی شان دیکھی، کہ بڑے بڑے علماء اور اکابرین صلحاء آپ کو دیکھتے ہی لپکتے چلے آرہے ہیں اور تعظیم بجالانے میں عجلت کر رہے ہیں''۔[۳۹]

۱۸- شیخ عبدالقادر کردی مکّی[۴۰] کی تحریر: ''حضرت مولانا فاضل، بے مثال لوگوں کے پیشوا، میرے سردار عبدالمصطفیٰ احمد رضا، ان کی عمر شریف اور فضائل طویل ہوں، آمین''۔[۴۱]

۱۹- مکتوبِ علّامہ جلیل سیّد اسماعیل خلیل[۴۲] نگران کتب خانہ حرمِ پاک: ''ہمارے سردار امام احمد رضا نے اپنے فتاویٰ کے چند اوراق بطورِ نمونہ ہمیں بھیجے تھے ہم اللہ-عزّ شأنہ- سے امید کرتے ہیں کہ آپ کو ان فتاویٰ کی جلد تکمیل کے لیے اوقات میں برکت فرما

کر آسان کرے؛ کیونکہ یہ فتاویٰ قابلِ اعتناء ہیں (اللہ تعالیٰ اسے آپ کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے!) اللہ کی قسم! میں حق کہتا ہوں کہ اگر امام ابوحنیفہ ان فتاویٰ کو ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور مؤلف کو اپنے شاگردوں میں شامل فرماتے''۔[۴۳]

۲۰- سیّدِ جلیل مولانا سیّد مامون برّی مدنی[۴۴] کا مکتوب: ''یہ خط ان کی طرف لکھا جاتا ہے جو استاذ، فائق، علاّمہ، جائے پناہ، بہت سمجھ دار وتیز فہم ہیں، جن کا طلسماتی قلم فریفتہ کرتا ہے، جن کے کلمات کی نزاکت نسیمِ سَحر پر فوقیت رکھتی ہے، وہ ایسے بلند کمالات والے ہیں جن کی حقیقت کسی تحریر وحد میں متصور نہیں، حق تو یہ ہے کہ کہا جائے: وہ اپنے زمانے میں یکتا ہیں، کیوں نہ ہو کہ ان کا فضل پہاڑ کی چوٹی پر جلائی جانے والی آگ سے بھی زیادہ روشن ہے اور یہ شعر ان کی مسلّمہ عالی ہمتوں سے آگاہ کرنے والا ہے وہ زبانِ حال سے خود نغمہ سرا ہیں: ''مجھے یہ سب پہچانتے ہیں: گھوڑے (کہ میں شہسوار ہوں)، راتیں (کہ ان میں جاگ کر خدا کو یاد کرتا ہوں)، بیابان (کہ ان میں تلاشِ محبوب میں سرگرداں رہتا ہوں)، تلوار و نیزہ (کہ ان سے مصروف جہاد ہوں) اور کاغذ وقلم (کہ عقائدِ اسلامیہ اور مسائلِ شرعیّہ لکھتا ہوں)''ان سے میری مراد حضرت جناب مکرّم ومحترم، یکتائے زمان، شیخ سیّدی احمد رضا خان ہیں''۔[۴۵]

۲۱- مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری نے ''مدرسۃ الحدیث'' پیلی بھیت کے ایک اجلاس منعقدہ ۱۳۰۳ھ/ہجری میں علم الحدیث پر، آپ کی ایک محققانہ اور پر مغز تقریر سن کر، اپنا یہ تاثر بیان کیا کہ ''اگر اس وقت میرے والد ماجد مولانا علی احمد محدث سہارنپوری محشّی ''بخاری'' ہوتے تو وہ آپ کے تبحرِ علمی کی دل کھول کر داد دیتے اور انہیں اس کا حق بھی تھا''۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری بانی ''دارالعلوم ندوۃ العلماء نے بھی اس بات کی تائید فرمائی۔[۴۶]

۲۲- دورانِ حج دینی وعلمی موضوعات پر تبادلہ خیالات اور آپ کی بعض کتب ورسائل کے مطالعہ کے بعد علمائے حرمین شریفین پر جو تاثّر قائم ہوا، اس بارے میں ''ابوالحسن علی ندوی'' کے والد عبدالحی ندوی تحریر کرتے ہیں کہ ''وہ حضرات آپ کے وفورِ علم، فقہی متون ومسائلِ خلافیہ پر دِقّتِ نظر، وسعتِ معلومات، سرعتِ تحریر اور ذکاوتِ طبع سے حیران رہ گئے''۔[۴۷]

۲۳- یوسف بنوری (دیوبندی) کے والد محمد زکریا نے سیّد امیر شاہ گیلانی سے کہا کہ

''اگر احمد رضا خان بریلوی ہندوستان میں فقہِ حنفی کی خدمت نہ کرتے، تو حنفیت شاید اس علاقے میں ختم ہو جاتی''۔[۴۸] ع

مسلکِ حق کی ضمانت ہے تیرا نام رضا!   شانِ تحقیق ادا کر گیا خامہ تیرا!
تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اس سے سوا تم ہو!   قسیمِ جامِ عرفاں اے شہ احمد رضا تم ہو!

لقبِ مجدّد:

علمائے عرب وعجم نے آپ کو مجدّد کے لقب سے پکارا جن میں درج ذیل حضرات سرِ فہرست ہیں:

۱- شیخ سیّد اسماعیل بن خلیل (نگران کتب خانہ حرمِ پاک) نے فرمایا: ''ہمارے شیخ علاّمہ مجدّد جو علی العموم تمام استادوں کے شیخ ہیں مولوی حضرت احمد رضا خان''۔[۴۹] (الخ)

۲- ''مکہ معظّمہ'' میں حنفیہ کے مفتی شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سراج[۵۰] نے امامِ احمد رضا کے بارے میں تحریر فرمایا: ''بعد ازاں اللہ جل جلالہٗ ہی کے لیے حمد ہے کہ اس نے زمانوں اور شہروں میں علماء پیدا کیے اور ان سیدین کی تجدید فرمائی اور ان کے دلوں میں وہ راز اور انوار ودیعت کیے، جن سے ان کے نفوس پورے اِیضاح، اور ان کے قلوب کمال تحقیق ویقین کے مرتبے کو پہنچے اور بیشک انہیں علماء میں سے ہے وہ کبیر العلم، کثیر الفہم، بلند ہمّت اور معتمد، کامل الادراک، سن لو! بیشک وہ مشہور علماء کا بادشاہ ہے، جس نے تجربہ کار کہنے والے کی یہ بات ٹھیک کر دکھائی کہ ''اگلے پچھلوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ گئے''۔[۵۱]

۳- سید حسین ابن علاّمہ سیّد عبد القادر طرابلسی[۵۲] تحریر فرماتے ہیں: ''علاّمہ، کمال ماہر، اور فہامہ مشہور، حامیٔ ملّتِ محمدیّہ طاہرہ، مجدّدِ مائۃ حاضرہ میرے استاذ وپیشوا حضرت مولانا احمد رضا خان ہیں''۔[۵۳]

۴- سید احمد بن علی مہاجر[۵۴] مدینہ منوّرہ نے درج فرمایا: ''محقق ومدقّق، فاضلِ کامل، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ، مجدّدِ مائۃِ حاضرہ، ہمارے شیخ واستاذ، مولانا مولوی احمد رضا''۔[۵۵] الخ۔

۵- مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی امام اہلِ سنّت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''امام، بزرگ، محقّق، نکتہ رَس، سیّدی ومَلاذی، اس زمانے کے مجدّد، عبد المصطفیٰ (ان پر

روح ودل فدا) یعنی مولانا احمد رضا خان سلّمہٗ اللہ تعالیٰ''۔[۵۶]

۶- علّامہ موسیٰ بن علی شامی ازہری احمدی[۵۷] نے امامِ اہلِ سنّت کے بارے میں فرمایا: ''اماموں کے امام، اس امّت کے دین کے مجدّد جو یقین کے نور اور قلوب کے انوار کی تائید سے آراستہ ہیں، یعنی شیخ احمد رضا''۔[۵۸] (الخ)

۷- مولانا ضیاء الدین احمد مہاجر مدنی[۵۹] نے فرمایا: ''امامِ اہلِ سنّت، مجدّدِ دین وملّت، منفرد ویکتائے زمانہ، امام ہمام، علّامہ شاہ عبد المصطفیٰ احمد رضا بالیقین اس صدی کے مجدّد، فی الواقع اسلام کے ستون اور پابندِ سنّت تھے، سیّدنا ''اعلیٰ حضرت''، عظیم البرکت اپنے اوصافِ دینیہ وخدماتِ علمیہ اور عظیم تجدیدی کارناموں سے موصوف ایک بطلِ جلیل تھے''۔[۶۰]

جس طرح عالمِ اسلام کے ان علمائے کرام نے آپ کی عظمت وامامت اور آپ کے مجدّد ہونے کا اقرار کیا ایسے ہی ہندو پاک کے جلیل القدر علمائے اہلِ سنّت نے بھی آپ کے ان اوصاف کا اعتراف کیا۔ جن حضرات کو تفصیل درکار ہو وہ ''الدّولۃ المکیۃ''، ''حسام الحرمین'' اور ''الصّوارم الهندیّة''[۶۱] کی تقریظات، و''حيـاة المـوات في بيـان سمـاع الأمـوات''، ''فتاوى الحرمين برجف ندوة المين'' اور امام احمد رضا کی دیگر تصنیفات ملاحظہ فرمائیں!

یہ بھی ایک کھلی حقیقت ہے کہ اکابرِ دیوبند میں مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی خلیل انبیٹھوی، مولوی محمود الحسن دیوبندی اور مولوی انور شاہ کشمیری نے امام اہل سنّت کا زمانہ پایا، مگر ان میں سے کوئی بھی آپ کی کسی ایک کتاب کا علمی وتحقیقی جواب نہ دے سکا ؏

تیرے اَعداء میں رضا کوئی بھی منصور نہیں
بے حیا کرتے ہیں کیوں شور بپا تیرے بعد

امامِ اہل سنت سرکار اعلیٰ حضرت کا قلم حقیقت

کلکِ رضا ہے، خنجرِ خونخوار برق بار
اعدا سے کہہ دو خیر منائیں، نہ شر کریں

کہ رضا کا قلم گستاخانِ رسالت اور منکرینِ شانِ نبوّت کے لیے خنجرِ خونخوار ہے، جب چلتا ہے تو بجلیاں گراتا ہے کہ اَعدائے دین اپنی خیر منائیں۔ امام اہلسنّت، مجدّدِ دین و ملّت نے جو کچھ لکھ دیا، اس کا جواب کون کہاں سے لائے گا! سرکار اعلیٰ حضرت نے اہلِ توہین واہلِ تنقیص دشمنانِ صحابہ کرام ومنکرینِ اہلِ بیت ومعاندینِ اولیاء اللہ کی جو علمی وتحقیقی گرفت فرمائی اور جس انداز سے شرعی اَحکام واضح فرمائے، ان کا مدمقابل وحریف اور مخاطب ہزار کذب بیانیوں اور دروغ گوئیوں سے کام لے مگر حقیقت نہیں چھپا سکتا؛ کیونکہ ؏

پڑ گیا ہے پشت پر اَعداء کے اب کیا جائے گا
تیرے کوڑے کا نشاں احمد رضا خاں قادری
چیر کر اَعداء کا سینہ دل سے گزری آر پار
تیرے نیزے کی سناں احمد رضا خاں قادری

سب سے بڑی فیصلہ کن بات یہ کہ امامِ اہلِ سنّت سیّدنا اعلیٰ حضرت کے خلاف، یہ نت نئے مصنّفین وخود ساختہ مناظرین نے ہزاروں اِلزام تراشیوں کے طوفان اٹھائے، مگر آپ پر کوئی شرعی حکم، شرعی فتویٰ نہیں لگا سکے۔ ہزار اِلزام تراشیوں کے باوجود آپ کو مؤمن، مسلمان، صاحبِ ایمان اور عاشقِ رسول مانتے رہے۔ آپ کی اقتدا میں نماز کو جائز قرار دیا، آپ کے عقیدت مندوں، آپ کے متّبعین کو مسلمان جانا اور مانا۔ اس کا واضح و ناقابلِ تردید ثبوت اور مدلّل شواہد متعدد تصانیف میں اشرف علی تھانوی، خلیل انبیٹھوی، رشید احمد گنگوہی، انور کشمیری، ادریس کاندھلوی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، منظور سنبھلی، مفتی عزیز الرحمٰن، مفتی اعظم دیوبند خیر محمد جالندھری، ثناء اللہ امرتسری فاضل دیوبند غیر مقلّد وغیرہم کی مستند ومعتبر کتب ورسائل اور فتاویٰ کی صورت میں موجود ہیں۔ جب سیّدنا اعلیٰ حضرت کو مومن، مسلمان، عاشقِ رسول مان لیا، آپ کی اقتداء میں جوازِ نماز کا قول کیا، تو جملہ اعتراضات والزامات خود بخود کالعدم ہو گئے اور ان کی کوئی حیثیت واہمیت باقی نہ رہی۔

مسئلہ توہین وتکفیر:

یہاں پر ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ ہمارا حریف ومدمقابل گروہ، سیّدنا اعلیٰ

حضرت کے ایمان واسلام اور علم وفضل کی شہادت دینے اور اقرار کرنے کے باوجود ''تحذیر الناس''، ''براہینِ قاطعہ''، ''حفظ الایمان''، فتویٰ اِمکان ووقوعِ کذب کی توہین وتنقیص آمیز گستاخانہ عبارات پر مجدّدِ اعظم سیّدنا اعلیٰ حضرت کے دیے ہوئے حکم شرعی سے بہت نالاں ہے اور امام اہل سنّت پر (معاذ اللہ) تکفیرِ مسلمین کا اِلزام بھی لگاتے ہیں حالانکہ ان حضرات پر تکفیر کا حکمِ شرعی دینے والے سیّدنا اعلیٰ حضرت تنِ تنہا نہیں، بلکہ ''حسام الحرمین'' اور ''الصوارم الہندیہ'' ملاحظہ ہو! حرمین شریفین اور برصغیر پاک وہند کے سینکڑوں خداترس علماء نے ان توہین آمیز عبارات پر کفر کا حکم دیا ہے اور حق یہ ہے کہ اگر توہین نہ ہوتی تو تکفیر بھی نہ ہوتی ہے ع

نہ توہین ہوتی، نہ تکفیر ہوتی
رضا کی خطا اس میں بتلاؤ کیا ہے؟!

آپ ہی وہ عظیم عبقری شخصیت ہیں، جن پر دنیا بھر کے تقریباً دو درجن سے زائد لوگ، ڈاکٹریٹ (P.H.D) کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں اور کئی حضرات آج بھی مختلف جامعات (Universities) میں امام اہل سنّت پر ایم فِل (M PHIL) اور پی. ایچ. ڈی (P.H.D) کر رہے ہیں۔ برصغیر پاک وہند میں چند دہائیوں میں شاید ہی کسی شخصیت پر اس قدر کثرت سے تحقیقی کام ہوا ہو۔ آپ نے پوری زندگی شریعتِ محمدیّہ کی پیروی اور سنّتِ مصطفیٰ کی ترویج واشاعت میں بسر کی۔ اس کا صلہ یہ ہے کہ آج عالم میں آپ کا اور آپ کی علمی خدمات کا چرچا ہو رہا ہے آپ نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے، جنہیں اہلِ علم ودانش کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

مدح وثناخوانی میں آپ کا مقام ومرتبہ:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اس پیکرِ حق وصداقت، حاملِ علم ومعرفت کا نام ہے، جسے علمنه من لدنا علما۔[۶۲] (ہم نے اسے اپنا علمِ لدنی عطا کیا) کی تعبیر اور انما يخشى الله من عباده العلموا۔[۶۳] (اللہ تعالیٰ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں) کی تصویر اور والرسخون في العلم۔[۶۴] (''پختہ علم والے'') کی تفسیر کہیں

تو بے جا نہ ہوگا۔ مدح وثناخوانی میں آپ حافظ شیرازی، امام بوصیری وجامی کا سا مقام رکھتے ہیں، بلکہ اگر آپ کو ''حسّان الہند'' کہا جائے تو اس میں ہرگز مبالغہ نہیں ہوگا۔

مجدّدِ اعظم سیّدی امام احمد رضا فاضل بریلوی پر پوری دنیا میں تحقیقی کام جاری ہے، اور آپ کے علمی کارناموں کو سراہا جا رہا ہے۔ جن بڑی بڑی شخصیات نے امام اہل سنّت جیسی عظیم ہستی پر قلم اٹھایا، ان میں ایک کا نام پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد ہے، جو ایک معروف علمی شخصیت تھے، آپ نے اعلیٰ حضرت پر جو تحقیقی کتب تصنیف فرمائیں، ان سے پوری دنیا حضرت مسعودِ ملّت کی علمی وتحقیقی قدر ومنزلت کی معترِف ہے۔ آپ نے امام احمد رضا کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ امام احمد رضا پر آپ کی ۳۰ سے زائد تصانیف، اور ۷۰ سے زائد تحقیقی مقالات ومضامین چھپ چکے ہیں۔ آپ عرصۂ دراز تک ''ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا'' کراچی کے سرپرست اعلیٰ بھی رہے[۶۵]۔

امام احمد رضا خان کی خدمات اور ان کے بارے میں ہونے والے عظیم کاموں اور آپ کی شخصیت پر علماء ومشائخ اور مخالفین کے تاثرات، آپ کی قومی اور عالمی مقبولیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں ع

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیے ہیں[۶۵]

حواشی

۱- ''صحيح مسلم'' كتاب البرّ و الصلة، باب إذا أحب الله عبداً...... إلخ، ر: ۲۶۳۷، ص: ۱۱۴۸.

۲- ''سنن أبي داؤد'' كتاب الملاحم، باب ما يذكر في قرن المئة، ر: ۴۲۹۱، ص: ۶۰۲.

۳- ''تحقیقات امام علم وفن'' مجددِ اعظم، ۴۴۷-۴۴۹، ملتقطاً۔

۴- ''معارف رضا'' سالنامہ ۱۹۸۶ء، ص ۱۹۳۔

۵- ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' حج وزیارت (اوّل) ۱/۱۳۳۔

۶- محمد سعید بابصیل حضرمی مکی شافعی، مکہ مکرمہ میں ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۰ء کو پیدا ہوئے، مسجد حرام میں قائم حلقات دروس میں تعلیم حاصل کی، آپ کے اساتذہ میں سب سے اہم نام یسد احمد بن زینی دحلان کا ہے، آپ کے دیگر اساتذہ میں مولانا رحمت الہ کیرانوی کا اسم گرامی شامل ہے۔ آپ کو تعلیم مکمل کرنے کے بعد مسجد حرم میں مدرس تعینات کیا گیا، عثمانی حکومت میں آپ شیخ العلماء بنائے گئے اور پچیس برس سے زائد عرصہ اپنی وفات ۱۳۳۰ھ تک اس مصنب سے وابستہ رہے۔ (امام احمد رضا محدث بریلوی اور علماء مکہ مکرمہ، ص:۲۵۱-۲۵۳، ملتقطاً)۔

۷- ''الدولة المكية'' تقريظ ۲ : الشيخ محمد سعيد بابصيل ، ص ۲۷۵.

۸- صالح بن صدیق بن عبدالرحمٰن کمال حنفی، مدرس مسجد حرام، ''مکہ مشرفہ'' میں ماہ ربیع الاوّل ۱۲۶۳ھ کو پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی، ''قرآن عظیم'' حفظ کیا اور خوب محنت کی، مسجد حرام میں تراویح پڑھائی، بعض متون حفظ کیے، پھر طلب علم کی ابتداء کی، تو خوب محنت کی اور کامیاب ہوئے ابتدائی اپنے والد سے تعلیم حاصل کی، پھر علامہ شیخ عبدالقادر خوقیر حنفی کی صحبت میں رہ کر فقہ کی کئی کتب پڑھیں، جن میں: محقق ابن عابدین کے حاشیہ کے ساتھ ''الدرّ المختار'' شامل ہے، سید احمد زینی دحلان سے تفسیر، حدیث اور عربی وغیرہ پڑھی اور انہوں نے اپنی تمام مرویّات کی اجازت دی، سید عمر شامی بقاعی ثم المکی سے نحو، معانی بیان اور عروض وغیرہ پڑھا اور ان سے فائدہ مند ہوئے، جب علم میں فوقیت حاصل کی اور کمال پایا تو صدر مدرس ومفتی ہوئے، مسجد حرام میں تدریس فرمائی، سال ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی۔
(المختصر من كتاب ''نشر النور والزَّهر'' ر: ۲۳۱، ص: ۲۱۹).

۹- ''الدولة المكية'' تقريظ ۶ : الشيخ محمد صالح ابن العلامة الشيخ صديق كمال مفتى الحنفية بمكة المكرمة، ص ۲۸۱.

۱۰- شیخ احمد بن عبداللہ بن محمد صالح بن سلیمان بن محمد صالح ابن محمد مرداد، سن ۱۲۵۹ھ

میں پیدا ہوئے، اپنے والد اور دیگر علماء سے علوم حاصل کیے، آپ امام، خطیب اور مدرس تھے، پھر سال ۱۲۹۳ھ میں شیخ الخطباء مقرر ہوئے اور اس منصب پر سال ۱۲۹۹ھ تک متمکن رہے، سال ۱۳۳۵ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔
(المختصر من كتاب ''نشر النور والزَّهر'' ص ۳۲).

۱۱- ''الدولة المكية'' تقريظ ۷: رئيس الخطباء والأئمة، المدرس بالمسجد الحرام الشيخ أحمد أبو الخير بن عبد الله مرداد، ص ۲۸۲۔

۱۲- عبداللہ بن صدقہ بن زینی دحلان، شافعی مکّی عالم فلکی، ''مکہ معظّمہ'' میں ۱۲۸۸ یا ۱۲۸۹ھ میں پیدا ہوئے، یہیں پرورش پائی اور قرآن مجید حفظ کر کے نماز تراویح پڑھائی اور مسجد حرام میں امامت کے فرائض انجام دیے، فقہ کے کثیر متون بھی حفظ کیے اور خوب محنت سے علم حاصل کیا اپنے پھوپھا سید عمر شطا، سید بکری شطا اور مفتی مالکیہ شیخ ابد جیسے نامور علماء کی صحبت میں رہ کر جملہ فنون میں متعدد کتب کے ذریعہ علوم سیکھے اور مخلوق خدا کو بذریعۂ درس وتدریس خوب فائدہ پہنچایا، آپ سید احمد بن زینی دحلان کے بھتیجے ہیں۔ آپ کا وصال ۱۳۶۳ھ کو جاوا انڈونیشیا میں ہوا۔
(المختصر من كتاب ''نشر النور و الهر'' ر: ۳۱۵، ص ۲۹۴).

۱۳- ''الدولة المكية'' تقريظ ۹ : الشيخ عبد الله بن محمد صدقه زينى دحلان الجيلانى، ص ۲۸۵، ۲۸۶).

۱۴- جمال بن محمد امیر ابنِ علّامہ شیخ حسین مالکی مکہ مکرّمہ میں مفتی مالکیہ، عالم نبیہ، فاضل نحوی، نجیبِ کامل، مکہ مشرفہ میں ۱۲۵۸ھ کو پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی اور یہاں کے افاضل کی ایک بڑی تعداد سے فیض پایا، طلب علم میں خوب محنت کی اپنے چچا شیخ عابد مفتی مالکیہ کی طویل صحبت پائی اور ان سے علوم معقول ومنقول اور فروع واصول حاصل کیے علامہ شیخ عبدالوہاب بسری ثم المکی شافعی کی صحبت اختیار کی اور ان سے بھی کچھ معقولات پڑھے، جب فائق ہوئے تو مسجد رام میں تدریس فرمائی اور فائدہ پہنچا، تصنیف کا کام انجام دیا، محکمہ مجلس المعارف کے میں ایک نمایاں عہدہ پر فائز رہے، پھر گورنر مکہ سید حسین بن علی کی جانب سے محکمہ

تعزیرات شرعیہ کے صدر متعین ہوئے، مکہ مکرمہ میں سال ۱۳۴۹ھ کو وفات پائی۔
(المختصر من كتاب "نشر النور و الزهر" ر: ١٥٦، ص ١٦٣، ملتقطا).

۱۵- الدولة المكيه، تقريظ ١٤: المدرس و الام بالديار الحرمية و مفتى الالكية الشيخ محمد جال بن محمد الأمير بن حسين، ص ٢٩٦.

۱۶- شیخ محمد مختار بن عطارد جاوی، انڈونیشیا میں پیدا ہوئے، پھر سن ۱۳۲۱ھ میں مکہ مکرمہ کو ہجرت فرمائی اور وہیں ۱۳۴۹ھ میں وفات پائی۔ عارف باللہ، شافعی عالم، ماہر فلکیات مدرس مسجد حرام، آپ کا گھر بھی مدرسہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ عرب وعجم کے اکابرین نے آپ سے استفادہ کیا۔ آپ کی چند تصنیفات کے نام یہ ہیں: علم روایت حدیث واسانید پر "آتحاف السادة المحدثين به مسلسلات الاحاديث الاربعين"، "جمع الشوارد من مرويات ابن عطارد"، "الموارد فى شيوخ ابن عطارد" اور فلکیات پر "تقريب المقصد فى العمل بالربع المجيب". (تاريخ الدولة المكية" ص ١١٤ - ١١٥)۔

۱۷- "الدولة المكية" تقريظ ١٩: الشيخ محمد مختار بن عطارد الجاوي، ص ٣٠٤.

۱۸- شیخ سید علی بن احمد محضار، مسجد نبوی میں مدرس، شافعی عالم، آپ کا خاندان جنوبی یمن کے علاقہ حضرت موت میں آباد حسینی سادات کے اہم گھرانوں میں سے ہے۔ (تاریخ الدولۃ المکیۃ" ص۱۲۱)۔

۱۹- الدولة المكيه، تقريظ ٣٠: شيخ على بن احمد المحضار، ص ٣٢٤.

۲۰- عبدالحمید عطار عالم، اعلی محرر، ۱۳۳۶ھ کو دمشق میں وفات پائی اور مقبرہ حداح میں دفن کیے گئے۔ (نثر الجواہر، ۱/۶۵۰)۔

۲۱- الدولة المكية، تقريظ ٥١: الشيخ عبد الحميد بن محمد أديب العطار الشافعي الدمشقي، ص ٣٧٣.

۲۲- یوسف بن محمد نیب عطا (ت ۱۳۷۱ھ) حدیث کے عالم، بغداد کے جامعہ آل

بیت میں مدرس شعبہ دینیہ العالیہ تھے، آپ کا علم حدیث پر ایک رسالہ بھی ہے۔ (الأعلام ۸/۲۵۳)۔

۲۳- "الدولة المكية"، تقريظ ٥٤: الشيخ السيد يوسف عطاء، ص ٣٨١.

۲۴- محمد امین بن محمد بن علی سوید فقیہ مناظر، علم فرائض کے جانکار دمشق میں ولادت و وفات (ت ۱۳۵۵ھ) تعلیم 'دمشق' اور 'ازہر' میں پائی، 'ترکی'، 'ہند'، 'بخارا'، 'یمن' اور 'مغرب' کی طرف کئی سفر فرمائے، مکہ میں ایک سال تک عامۃ المسلمین کو درس دیتے رہے دمشق کے معہد الحقوق میں تدریس فرمائی تسہیل الحصول علی قواعد الاصول اور 'علوم القرآن' تصنیف فرمائیں۔ (الأعلام، ٦/٤٤، مطتقطاً).

۲۵- "الدولة المكية"، تقريظ ٥٦: الشيخ محمد أمين سويد ادمشقي، ص ٣٨٧.

۲۶- شیخ محمد دمشقی، دمشق میں پیدا ہوئے اور استنبول میں سکونت فرمائی۔ (تاریخ الدولۃ المکیۃ، ص۱۳۳، المکیۃ ص۱۳۳)۔

۲۷- "الدولة المكية، تقريظ ٥٩: الشيخ محمد الدمشقى مولدا، القسطنطنية مسكنا، ص ٣٩١).

۲۸- شیخ یاسین احمد خیاری ۱۲۸۱ھ میں مصر کے شہر منصورہ میں پیدا ہوئے، جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کی، پھر مدینۂ منورہ کی طرف ہجرت کی، قرآن کریم کے حافظ، شافعی عالم، مدینہ منورہ کے شیخ القراء، مسجد نبوی میں مدرس، (ت ۱۳۴۴ھ) (تاریخ الدولۃ المکیۃ، ص۱۲۵)۔

۲۹- "الدولة المكية" تقريظ ٤١: الشيخ ياسين احمد الخيارى، ص ٣٥٦.

۳۰- یوسف بن اسماعیل بن یوسف نبہانی بیروتی شافعی، ادیب، قاضی "فلسطین" کے گاؤں "اجزم" میں ۱۲۶۶ھ کو پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی، جامعہ ازہر 'مصر' میں تعلیم حاصل کی، کچھ عرصہ مدینہ منورہ مقیم رہے، ۱۳۵۰ھ میں وفات پائی۔ ان

کی عمدہ تالیفات سے ہیں: "جامع كرامات اولاولياء" دو جلدیں، "افضل الصلوٰة على سيد السادات"، "حجة الله على العالمين فى معجزات سيد المرسلين"، "الانور المحمدية مختصر المواهب الدنية"، "شواهد الحق فى الاستغاثة بسيد الخلق" ایک ضخیم جلد، یہ ان کی انتہائی بہترین و نفع بخش تالیفات سے ہے اور "سعادة الدارين فى الصلاة على سيد المرسلين". (فهرس الفهارس ۲/۱۱۰۷ – ۱۱۰۹، ملتقطا، و الأعلام ۸/۲۱۸، ملتقطاً).

۳۱- "الدولة المكية" تقريظ ۴۴: الشيخ يوسف بن إسماعيل النبها في المدينة المنورة، ، ص ۳۶۰ ملتقطاً.

۳۲- ان کے تفصیلی احوال نہ مل سکے، فقط ذکر "تاریخ الدولۃ المکیۃ" ۱۳۲ پر ہے۔

۳۳- "الدولة المكية" تقريظ ۵۵: الشيخ السيد محمدعثمان القادري الحيدر آبادي، ص ۳۸۶.

۳۴- عابد حسین مالکی: اہل مکہ کے فقیہ تھے، اپنے والد کے بعد مالکی افتاء کا منصب سنبھالا، اعلاء کلمۃ الحق کی پاداش میں گورنر مکہ سیدعون نے انہیں یہاں سے نکال دیا، تو آپ نے یمن کی جانب سفر اختیار کیا، وہاں سے خلیج عرب منتقل ہوگئے، حجاج کرام کے ساتھ مکہ واس آئے حتیٰ کہ ۱۳۲۲ھ میں گورنر مکہ سیدعون کی وفات کے بعد آپ یہیں قیام پذیر ہوگئے۔ اپنے والد کی "توضیح المناسک" پر تعلیق "ھدایۃ الناسک" اور "رسالۃ فی التوسل" تالیف فرمائی، تاوفات (۱۳۴۱ھ) منصب افتاء پر متمکن رہے۔ (الأعلام ۳/۲۴۲)۔

۳۵- "حسام الحرمين" اللهم المكية والتسجيلات المكية، مفتي المالكية الشيخ عابد بن حسين، ص ۷۶.

۳۶- عبدالرحمٰن ابن مرحوم علامہ احمد وہان بن اسعد حنفی مکی عالم علامہ "مکہ مشرفہ" میں ۱۲۸۳ھ کو پیدا ہوئے، وہیں پرورش پائی، قرآن مجید حفظ کیا، مسجد حرام میں نماز

تراویح پڑھائی، مختلف علوم کے حصول کی ابتداء کی، تو شیخ رحمت اللہ کیرانوی ہندی سے نحو، توحید، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث اور معانی وبیان وغیرہ پڑھا، شیخ عبدالحمید داغستانی کے درس "ترمذی" میں حاضر ہوئے، حضرت شیخ نور پشاوری سے بھی پڑھا اور طویل صحبت پائی، شیخ رحمت اللہ مذکور کے مدرسہ میں ملازمت پا کر دو سال طلبہ کو پڑھایا اور ان کے ہاتھوں کثیر تلامذہ نے فراغت پائی، امیر مکہ سید حسین کی طرف سے مسجد حرام کے ملازم مدرسین علماء میں سے ہوئے تو وہاں بھی تدریس فرمائی اور حکومت وقت کی جانب سے شرعی عدالت کے قاضی کا عہدہ وغیرہ ملازمتیں پیش کی گئیں لیکن آپ نے قبول نہ فرمائیں، آپ نیک، دیندار، صاحب تواضع اور گمنام، لوگوں کے اختلاط سے بے رغبت خلوت نشیں اور مختلف علوم کے ماہر تھے، ہفتہ کی رات ۱۲/ذی قعدہ ۱۳۳۷ھ کو وفات پائی۔ (المختصر من کتاب "نشر النور والزہر" ر: ۲۶۰، ص ۲۴۱، ۲۴۲، ملتقطاً)۔

۳۷- حسام الحرمين على منحر الكفر و المين "اللهم الملكية والتسجيلات المكية، الشيخ عبد الرحمن الدهان، ص ۷۹.

۳۸- آپ پنجاب (پاکستان) کے باشندے تھے، بچپن ہی میں شاہ غلام محی الدین (وفات ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کے دست حق پرست پر مرید ہوئے اور ۱۳۲۳ھ سے کچھ ہی عرصہ قبل پنجاب سے مدینہ منورہ ہجرت کی، جہاں مولانا عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکّی کی شاگردی اختیار کی اور رجب ۱۳۳۱ھ میں زندہ مدینہ منورہ میں ہی تھے۔ (تاریخ الدولۃ المکیۃ، ص ۶۵)۔

۳۹- "الإجازات المتينة" مقدمة، ص ۹۷، ۹۸، من مجموعة رسائل عربية من "الفتاوى الرضوية".

۴۰- ان کے تفصیلی احوال نہ مل سکے، فقط ذکر "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۶۷ پر ہے۔

۴۱- "الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة" ص ۹۹ من مجموعة رسائل عربية من "الفتاوى الرضوية".

۴۲- شیخ سید اسماعیل بن خلیل (ت ۱۳۲۹ھ) کتب خانۂ حرم پاک کے نگراں تھے، شیخ عبد الحق مہاجر الہ آبادی سے شرف تلمذ تھا، امام احمد رضا خاں سے خلافت و اجازت کی سعادت حاصل کی اور ۱۳۲۸ھ میں ملاقات کے لیے بریلی آئے۔ (تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۳۵، و تاریخ الدولۃ المکیۃ، ص ۱۰۴)۔

۴۳- "الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة" كتاب العلامة الجليل السيد اسماعيل أمين مكتبة الحرم المكى، ص ۱۰۰ .

۴۴- ان کے احوال نہ مل سکے، فقط ذکر "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت" ص ۶۷-۷۹، پر موجود ہے۔

۴۵- "الإجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة"، ص ۱۰۶، من مجموعة رسائل عربية من "آلفتاوىٰ الرضوية".

۴۶- "ماہنامہ اشرفیہ" مبارک پور، اپریل ۱۹۷۷ء، مقالہ مولانا محمود احمد قادری۔

۴۷- "نزهة الخواطر" حرف الألف، تحت، ر: ۳۲، المفتي أحمد رضا خان البريلوى ۸/ ۵۰.

۴۸- امام احمد رضا کی فقہی بصیرت، ص ۳۲۔

۴۹- "الدولة المكية" جلائل التقريظات، تقريظ ۱: الشيخ السيد إسماعيل بن خليل، ص ۲۶۹ .

۵۰- شیخ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن سراج ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء کو مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جامعہ ازہر قاہرہ میں تعلیم پائی، پھر ہندوستان آئے اور حیدر آباد دکن وغیرہ شہروں کا دورہ کیا، اور استنبول میں ڈیڑھ سال تک مقیم رہے، عثمانی عہد کے آخری ایام میں مکہ مکرمہ کے مفتی احناف رہے۔ سعودی انقلاب کے دوران اردن ہجرت کی جہاں وزیر اعظم بنائے گئے اور پھر یہیں کے دار الحکومت عمان میں ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء کو وفات پائی۔ (تاریخ الدولۃ المکیۃ"، ص: ۱۰۵، ملتقطاً)۔

۵۱- "الدولة المكية' جلائل التقريظات، تقريظ ۳: الشيخ عبد الله بن عبد الرحمن سراج مفتى الحنفية بمكة، ص ۲۷۶ .

۵۲- سید حسین بن سید عبد القادر شامی مدنی مدرس مسجد نبوی، باکمال، متقی اور متورع، منقول و معقول میں ہم عصر علماء میں ممتاز مقام رکھتے تھے، جفر، نجوم، ہیئت او فاق اور تکسیر میں عالمی شہرت کے حامل تھے، یہاں تک کہ اپنی علمی اور روحانی پیاس بجھانے کے لیے "بریلی شریف" حاضر آئے اور ایک سال سے زیادہ عرصہ یہیں آستانہ عالیہ رضویہ میں قیام فرمایا، علم اوفاق، تکسیر اور جفر میں خصوصی طور پر امام احمد رضا سے اکتساب فرمایا۔ ("تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، ص ۵۸، ۵۹، ملتقطاً)۔

۵۳- "الدولة المكية" جلائل التقريظات، تقريظ ۲۳: الشيخ السيد حسين ابن العلامة المرحوم السيد عبد القادر الطرابلسى المدرس بالمسجد النبوى، ص ۳۰۹ .

۵۴- احمد بن على هندى رامپورى: فقيه حنفى (ت بعد ۱۳۱۳ھ) ان کا: "رسالة في أشراف الكيلانيين الحمويين القاطنين بالهند" مشہور ہے۔ ("الأعلام" ۱/ ۱۷۳ .)

۵۵- "الدولة المكية" جلائل التقريظات، تقريظ ۲۹: الشيخ السيد أحمد على الهندى الرامفورى المهاجر في المدينة المنورة، ص ۳۲۲ .

۵۶- "الدولة المكية" جلائل التقريظات، تقريظ ۳۸: الشيخ محمد كريم الله المهاجر في المدينة المنورة، ص ۳۴۸ .

۵۷- شیخ سید موسی بن علی شامی ۱۳۳۱ھ/ ۱۹۱۳ء میں زندہ) ملک شام کے باشندہ تھے اور جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل کی، پھر مدینہ منورہ ہجرت کر آئے فقہ مالکی کے عالم اور مسجد نبوی میں مدرس تھے۔ (تاریخ الدولۃ المکیۃ، ص ۱۲۴، ملتقطاً)۔

۵۸- "الدولة المكية" جلائل التقريظات، تقريظ ۳۹: الشيخ موسى بن على الشامى الأزهرى الأحمدي الدرديرى المدنى، ص ۳۵۲ .

۵۹- مولانا ضیاء الدین احمد قادری مدنی، متحدہ ہندوستان کے ضلع سیالکوٹ میں ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۷۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبد العظیم تھا۔ آپ کا نسبی سلسلہ سلسلہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق تک پہنچتا ہے، آپ کے اجداد میں مولانا عبد الحکیم

سیالکوٹی بہت ہی معروف عالم گزرے ہیں۔ لاہور سے حصول علم کے بعد حضرت محدث وصی احمد سورتی سے دورہ حدیث مکمل کیا۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت نے آپ کو سلسلے میں داخل فرماتے ہوئے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کی اجازت و خلافت بھی عطا فرمائی، ۱۳۱۸ھ میں بغداد شریف کا قصد کیا جہاں آپ ۹؍برس تک رہے اور کئی بزرگوں سے فیض یاب ہوتے رہے جن میں: شیخ حسین الحسنی الکردی، شیخ مصطفیٰ القادری، شیخ شرف الدین وغیرہم سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی وہاں سے مدینہ منورہ پہنچے اس وقت وہاں حکومت سلطنت عثمانیہ قائم تھی، آپ نے یہاں لگ بھگ ۷۰؍برس گزارے جہاں ہزاروں علماء ومشائخ سے ملاقات ہوئی اور ہر کوئی عالم جو مدینہ منورہ پہنچتا وہ آپ سے ضرور شرف ملاقات پاتا۔ آپ نے طویل عمر پائی اور ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء کو مدینہ پاک ہی میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں حضرت فاطمۃ الزہراء کے مزار مبارک سے چند قدم آگے آپ کو دفنایا گیا۔ (تذکرۂ خلفائے اعلی حضرت، ص۱۴۰-۱۴۳، ملتقطاً)۔

۶۰- ''الصوارم الہندیۃ: مناظر اسلام علامہ حشمت علی خان لکھنوی (ت ۱۳۸۰ھ) کی تالیف ہے، جس میں انہوں نے ہندوستان کے علمائے اہل سنت کی تصدیقات اور ''حسام الحرمین'' پر ان کی تقریظات کو جمع فرمایا۔

۶۱- پ۱۵؍الکہف: ۶۵۔　　۶۲- پ۲۲، فاطر: ۲۸

۶۳- پ۳، آل عمران: ۷

۶۴- ''ماہنامہ تحفظ'' مئی ۲۰۰۹ء، امام احمد رضا خان اور مسعود ملت، ص۲۹۔

۶۵- ''تجلیاتِ امام احمد رضا' از مولانا امانت رسول قادری، مطبوعۃ مکتبہ برکاتی پبلیشرز، کراچی، ص۹۰۔

اشعارِ رضا کی توضیح وتفہیم اور شارح رضویات احسن العلما مارہروی

مولانا غلام مصطفیٰ رضوی

نوری مشن، مالیگاؤں

انیسویں صدی کا اختتام امت مسلمہ کے لیے بڑے چیلنجز لے کر آیا۔ ایمان و عقیدہ اور تہذیب وتمدن پر مخالفین اسلام کی نظر بد لگی ہوئی تھی، اندرونی و بیرونی ہر دو سطح پر اسلام کے گلستاں کو اجاڑنے کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ ایسے حالات میں سب سے زیادہ ناموس وعظمت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ دراصل صدیوں تک اسلامی تاریخ وتہذیب، اسبابِ عروج، تمدن وسیاست کے مطالعہ کے بعد یورپ کے عالی دماغوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ امت مسلمہ کی کامیابی کا راز ان کی اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت اور عشق ہے، جب تک مسلمان اپنی اس متاعِ عظیم کو سنبھال کر رکھے رہیں گے انھیں کوئی پسپا نہیں کرسکتا، اول یہی کیا گیا کہ عشق نبوی کی دولت دلوں سے نکالنے کے لیے فتنے پیدا کیے گئے، خارجی طور پر پادریوں، پنڈتوں، آریہ پیشواؤں اور دوسرے اسلام دشمنوں سے اہانت رسالت کروائی گئی، جب دیکھا کہ خارجی حملے کارگر نہیں ہو رہے تو کئی فتنے داخلی طور پر تیار کیے گئے، ناموس رسالت میں توہین سے مملو کتابیں لکھوائی اور چھاپی گئیں...... بلا مقصد کوئی کام نہیں کیا جاتا...... ایسی اہانت آمیز کتابوں کی تصنیف کے پیچھے بھی کوئی مقصد تھا اور ان کتابوں سے امت مسلمہ میں انتشار کی بنیاد پڑی...... ان میں جو

عبارتیں توہین نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں لکھی گئی ہیں وہ بھی منظّم ومربوط سازش کے تحت ہی ہے......ورنہ کوئی اور بھی موضوع چھیڑا جا سکتا تھا......لیکن! جب دلوں کی دنیا ویران کرنی ہو اور فکروں کو بانجھ بنانا ہو تو صرف ناموس رسالت پر حملہ ہی کافی ہے......اسی لیے اقبالؔ نے کہا تھا کہ:

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

اور اقبالؔ سے کافی پہلے امام احمد رضاؔ نے متاع عشق نبوی علیہ الصلاۃ والسلام کو یوں سنبھال کر رکھنے کی تعلیم از بر کروائی تھی:

جان ہے عشق مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزا ناز دوا اٹھائے کیوں

امام احمد رضا کی زندگی کا مقصد اشاعت دین اور تبلیغ اسلام تھا۔ ایمان جبھی کامل ہوگا جب رسول انام علیہ التحیۃ والثنا کی محبت واحترام کا نقش دلوں پر ثبت ہوجائے۔ امام احمد رضا نے عظمت رسالت اور تعظیم واحترام کے موضوع پر جو کچھ علمی وتحقیقی کام کیا، ان ذخائر سے استفادہ کرنے والا یقینی طور عشق نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبۂ صادق سے شاد کام ہوجاتا ہے۔ اسی جذبۂ صالح کے تحت آپ نے شعر گوئی کی، تصنیف وتالیف کا ذخیرہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

موجودہ عہد میں ارباب علم وادب نے جہاں امام احمد رضا کی تفسیری وفقہی خدمات پر علمی کام انجام دیے، وہیں آپ کی شعری وادبی بصیرت پر بھی روشنی ڈالی، جب کہ دنیا کی درجنوں یونی ورسٹیوں میں آپ پر جو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں لی گئیں ان میں زیادہ تر مقالے ''شعروادب'' کے حوالے سے لکھے گئے۔ ان سب کے باوجود ابھی بہت کام باقی ہے۔ بہت سے جلوے ہیں جو اب بھی پوشیدہ ہیں۔ ارباب علم کی تحقیق کے منتظر ہیں۔

کلام رضاؔ پر مختلف انداز میں تشریح وتفہیم کا کام انجام دیا گیا ہے۔ جن میں مشہور ادیب ومترجم علامہ شمس بریلوی (م ۱۹۹۷ء)، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی (۲۰۱۱ء)، مولانا فیض

احمد اویسی (۲۰۱۰ء)، صوفی اول رضوی، مولانا عبدالستار ہمدانی، مفتی محمد خان قادری وغیرہم نے مقالات ومستقل کتابیں تالیف فرمائیں۔ شارح کلام رضاؔ کی حیثیت سے ایک اور معتبر نام شارح رضویات، حافظ حدائق بخشش حضور احسن العلما مولانا سید مصطفیٰ حیدر حسنؔ میاں مارہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء) کا ہے۔ اس تحریر میں احسن العلما کی اسی خصوصیت کے حوالے سے اختصار میں روشنی ڈالی جائے گی۔

شارح رضویات حضرت احسن العلما علیہ الرحمۃ:

سرزمین ہندستان پر اسلام کی اشاعت وتبلیغ کا مقدس فریضہ زیادہ تر خانقاہوں نے انجام دیا۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری، خواجہ غریب نواز سے لے کر حضور احسن العلما مارہروی تک اولیاے کرام، خانقاہی بزرگوں کا ایک سلسلہ ہے جن کی دینی واصلاحی اور فکری خدمات نے ذہن وفکر میں خوش گوار انقلاب برپا کر کے ایمان کو تازگی عطا کی۔ اس خصوص میں خانقاہ برکاتیہ کا کردار بڑا نمایاں رہا ہے۔ اس خانقاہ سے وابستہ اولیا وعلما نے خدمت علم دین کے سلسلے میں تصنیف وتالیف اور ہدایت وارشاد ہر دو طرح سے کام لے کر ظاہر وباطن دونوں کی آراستگی کا سامان کیا۔ صدیوں پر پھیلی ہوئی اس خانقاہ کی خدمات کا تجزیہ کیا جائے تو ڈاکٹریٹ لیول کا ایک مقالہ تیار ہوجائے۔

احسن العلما اسی خانقاہ کے پروردہ تھے۔ حضرت احسن العلما کی ولادت ۱۰ر شعبان ۱۳۴۵ھ/۱۳ر فروری ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ آپ امام احمد رضا محدث بریلوی کے مرشدان کرام کے سادات گھرانے کے چشم وچراغ تھے۔ والد محترم حضرت سید شاہ آل عبا بشیر حیدر قادری (م ۱۹۸۶ء) عظیم صوفی، عالم، ماہر لسانیات، نقاد اور ماہر علوم جدیدہ تھے۔ ۱۴ر ماہ کی عمر میں آپ کے نانا حضرت سید اسماعیل حسن شاہ جی میاں مارہروی (م ۱۳۴۷ھ) نے بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔ تربیت میں والد ماجد کے علاوہ حضرت تاج العلما مولانا سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی (م ۱۳۷۵ھ) نے اہم رول ادا کیا نیز آپ نے خلافت و اجازت بھی دی اور اپنی سجادگی بھی۔ احسن العلما کے اساتذہ سے متعلق ان کے صاحب

زادۂ گرامی مشہور فکشن نگار سید محمد اشرف مارہروی (انکم ٹیکس کمشنر دہلی) لکھتے ہیں:

’’ان کے اساتذۂ کرام میں حضور تاج العلما، حضرت شیخ العلما مولانا غلام جیلانی علیہ الرحمہ گھوسوی، مفتی سندھ خلیل العلما حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قادری برکاتی، حضرت شیر بیشۂ سنت مولانا حشمت علی صاحب علیہ الرحمہ جیسے نامی گرامی اساتذۂ کرام تھے۔ اردو کے استاد منشی سعید الدین صاحب تھے۔ انگریزی کے کچھ سبق قبلہ ماسٹر سمیع الدین صاحب مدظلہ سے پڑھے............قرآن عظیم کے درس کے اساتذہ میں والدہ محترمہ حضرت سیدہ شہر بانو رحمۃ اللہ علیہا اور حافظ سلام الدین اور حافظ عبدالرحمٰن عرف حافظ کلو رحمۃ اللہ علیہم تھے۔‘‘(۱)

احسن العلما نے خانقاہ برکاتیہ کی علمی و روحانی روایات کو فروغ دیا۔ تصنیف و اشاعت کا کام بھی کیا اور مسند درس و تدریس کو بھی زینت بخشی۔ آپ کے ذریعے سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کی عظیم پیمانے پر اشاعت ہوئی۔ اہل سنت کی اشاعت کے لیے آپ کا ذہن بڑا متحرک و فعال تھا۔ ان سب خوبیوں پر مستزاد یہ کہ آپ نے اپنے عہد میں اہل سنت کی خانقاہی قیادت بھی خوب نبھائی۔ آپ پیکر علم و دانش تھے۔ شعری و ادبی بصیرت سے مالا مال تھے۔ خطابت کی بزم کے مہر درخشاں تھے۔ شارح کلام رضاؔ تھے۔ عموماً آپ اپنی خطابت کے ذریعے اشعار رضاؔ کی تشریح نہایت آسان و سلیس انداز میں فرماتے۔ اس لحاظ سے آپ کے افادات عالیہ، ارشادات و خطبات کو تحریری شکل دے دی جائے تو کلام رضاؔ کی تشریح و تفہیم پر ایک اہم ذخیرہ تیار ہو جائے۔ اس سمت کسی قدر پیش رفت ہوئی ہے اور بعض تقریریں تحریری شکل میں خانقاہ برکاتیہ کے سال نامہ ’’اہل سنت کی آواز‘‘ کے مختلف شماروں میں شایع بھی ہوئیں۔(۲)

امام احمد رضا سے محبت والفت:

یہ اللہ کریم کی شان ہے کہ دین متین کی حفاظت وصیانت کے لیے وہ اپنے مخصوص بندوں کو پیدا فرماتا ہے۔ ان سے تجدید جیسا اہم کام لیتا ہے۔ مجدد دین اسلام کا ایک طویل

سلسلہ ہے جن کی خدمات سے اسلامی تاریخ کے صفحات جگ مگا رہے ہیں۔ امام احمد رضا نے فضلِ الٰہی سے دین کے مقابل پیدا شدہ فتنوں کا سد باب کیا، آپ کا کارِ تجدید بہت سی جہات کو پھیلا ہوا ہے۔ آپ کے عہد میں اسلامی تہذیب وتمدن کو مسلسل نشانہ بنایا جا رہا تھا، عقائد میں بگاڑ کے لیے انگریز کے زیر اثر اندرونی سازشیں الگ بپا تھیں۔ ہر محاذ پر امام احمد رضا نے اسلام کی حفاظت کی یہی وہ اسباب تھے جن کی بنیاد پر امام احمد رضا کے پیر خانہ (خاندان برکات) نے آپ کے مبارک مشن کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ اور آج بھی خانوادۂ برکاتیہ اسی پر گام زن ہے۔

مجدد برکاتیت حضرت میر ابوالقاسم اسماعیل حسن شاہ جی میاں سے لے کر احسن العلما تک تمام اکابر مارہرہ کی سوانح حیات کی ورق گردانی کر لیجیے۔ مسلکِ رضا، فکر رضا، مشنِ رضا، یادِ رضا اور ذکرِ رضا کی فصلِ بہار آراستہ نظر آئے گی۔ ہر جہت سے اکابر مارہرہ نے تعلیمات وافکار رضا کی اشاعت کی ہے۔ احسن العلما کا مشن ہی فکر رضا کی ترویج و اشاعت تھا۔ جانشین احسن العلما حضرت امین ملت ڈاکٹر سید امین میاں قادری (سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ) فرماتے ہیں:

’’حقیقت و معرفت کی شمع بظاہر خاموش ہے مگر ان کا مشن زندہ ہے۔ ان کا مشن ہے ایک نکاتی پروگرام اسلام وسنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت، اس ایک جملے میں گویا سمندر کوزے میں بھر دیا ہے۔‘‘(۳)

اس تناظر میں صاحب زادۂ احسن العلما حضرت شرف ملت سید محمد اشرف میاں مارہروی فرماتے ہیں:

قبل از وصال بھی وہ بیٹوں سے کہہ رہے تھے
احمد رضا سے جو تھی الفت حسن میاں کی

حضرت اشرف میاں احسن العلما کی عشق والفت اور محبت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں وارفتگی کے تناظر میں لکھتے ہیں: ’’اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے حضور احسن العلما کو جو ایک مخصوص والہانہ محبت تھی، وہ بھی غالباً عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دین

تھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی اساس الفت رسول اور عظمت نبی پر قائم ہے، اسی لیے تو احسن العلما علیہ الرحمہ نے وقت آخر سے دو تین دن پہلے اپنے بچوں کو جو وصیت کی وہ یہ کہ:

''مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے ڈٹے رہنا۔ میرا جو مرید اس مسلک سے ہٹ جائے، میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔''

وہ مسلک اعلیٰ حضرت کو عشق رسول، عظمتِ نبی اور اپنے بزرگوں کے اقوال سے جدا نہیں جانتے تھے۔''(۴)

اعلیٰ حضرت سے انسیت اور قلبی تعلق پر حضرت اشرف میاں کا یہ بیان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

''شاعروں میں انھیں سب سے زیادہ کلام امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ کا یاد تھا۔ ان کا شعر سناتے وقت فرماتے: ''سنو! میرے اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا کوئی شعر سناتے۔ کبھی کبھی یوں بھی فرماتے: ''سنو! بریلی والا کیا کہہ رہا ہے۔'' اور یہ کہہ کر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا شعر سناتے۔ اعلیٰ حضرت سے انھیں عشق کی حد تک محبت تھی اور اس کا اظہار وہ خلوت وجلوت، ظاہر وباطن، گفتگو ووعظ غرض یہ کہ ہر مقام پر کرتے تھے۔ اپنے مریدوں کے درمیان بھی اور دوسروں کے درمیان بھی۔ وہ اعلیٰ حضرت کا ذکر ضرورتاً نہیں عادتاً کرتے تھے اور عادتاً بھی نہیں محبتاً کرتے تھے اور محبت پر کسی کا اجارہ نہیں۔ اعلیٰ حضرت کا نام لینے سے پہلے ''چشم وچراغ خاندان برکات'' کا لقب اکثر استعمال فرماتے۔''(۵)

احسن العلما نے اپنی ایک منقبت میں امام احمد رضا کی شان اور آن بان کو جس انداز میں خراج عقیدت پیش فرمایا ہے وہ دیکھنے، پڑھنے اور محسوس کرنے سے تعلق رکھتا ہے، چند اشعار ملاحظہ کریں اور محبت رضا کی تپش کو اور تیز کریں:

چہرۂ زیبا ترا احمد رضا   آئینہ ہے حق نما احمد رضا
علم تیرا بحرِ نا پیدا کنار   ظلِ علم مرتضیٰ احمد رضا
تیرے مرشد حضرت آلِ رسول   ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا
اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ   تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا

سُنیت کی آبرو دم سے ترے   اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا
تیری اُلفت میرے مرشد نے مجھے   دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

اس منقبت میں مارہرہ و بریلی کے اٹوٹ رشتے پر روشنی پڑتی ہی ہے ساتھ ہی کارِ رضا کا جو نقشہ سامنے آتا ہے اس کے آئینے میں فیضانِ مارہرہ کی وہ جھلک دکھائی پڑتی ہے جس سے امام احمد رضا کی عظمتوں کی قندیل مزید فروزاں ہو جاتی ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی کو اپنے پیر خانہ مارہرہ شریف سے بڑی محبت و عقیدت تھی، اور قلبی تعلق تھا، اس کے جلوے تصانیف رضا میں جگہ جگہ نمایاں نظر آتے ہیں، مکاتیبِ رضا میں بھی الفت مارہرہ جلوہ گر ہے، اور حدائق بخشش میں تو حضرت غوث اعظم کے بعد سب سے زیادہ منقبت کے اشعار اکابر مارہرہ کی شان میں ہی نظم ہوئے ہیں۔ کلام رضا پر جو فیضِ نوری مارہروی ہے اس کا ذکر کیسے اچھوتے انداز میں فرماتے ہیں:

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہو گئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

بہر حال خانقاہ برکاتیہ کی مدح میں نثر ونظم رضا کے حوالے سے اگر گفتگو کی جائے تو کثیر صفحات پُر ہو جائیں اور کیفیت یہ ہو ع

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

شارح کلام رضا:

حضرت احسن العلما کی شخصیت بڑی ہمہ جہت اور تہ دار تھی۔ نثر ونظم دونوں میں مہارت رکھتے تھے، ادبی ذوق تھا ہی، خانقاہی مزاج بھی اس میں معاون ہوا۔ اس کے نتیجے میں آپ کے مواعظ وارشادات میں بھی چاشنی عود کر آئی۔ تقریر کا اسلوب بڑا سادہ، عام فہم اور رواں دواں تھا، ایک مشفق استاذ کی طرح بات سمجھا دینا احسن العلما کے خطاب کی خوبی تھی۔ فکر رضا کی اشاعت آپ کے خطاب کا اہم پہلو ہے۔

اشعار رضا کی تشریح کے سلسلے میں یہ بات ملحوظ رہے کہ احسن العلما کے پیش نظر چوں کہ دینی فکر وبصیرت کی اشاعت تھی، اسی لیے آپ کی تشریحات اسی نقطۂ نظر سے دیکھی

جانی چاہیے۔ گرچہ ان تشریحات میں ادبی خصوصیات، فنی مباحث پر بھی ضمناً روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی لکھتے ہیں:

''شعر فہمی ان کا (احسن العلما کا) خاصا تھا۔ اور کلامِ امام اہل سنت (علیہ الرحمۃ والرضوان) کی تشریح میں تو انھیں ملکہ حاصل تھا۔ شاید ایک طویل مضمون تو اسی پر لکھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کلام امام اہل سنت کی شرح کس طرح بیان کی ہے۔'' (۶)

احسن العلما کی بصیرت و دانش ایسی تھی کہ وہ کلامِ رضا پر اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے، کلام کے داخلی وخارجی محاسن، ادبی دروبست، فکری پیغام اور شوکتِ الفاظ وسلاست زبان و بیان سبھی پہلوؤں پر آپ کی نظر تھی، صاحب زادۂ احسن العلما حضرت اشرف میاں فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت اور ان کی دینی خدمات پر، ان کی کتابوں اور ان کتابوں میں بیان کردہ مضامین پر اور اعلیٰ حضرت کی شاعری پر انھیں اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا۔ دور دور سے اسکالر آتے اور ان سے چند گھنٹے گفتگو کرتے، سیر ہو کر واپس جاتے اور اپنے مقالوں کا وزن بڑھاتے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم، سابق چیئرمین شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ نے حضور احسن العلما کو ماہر رضویات ہی نہیں ''شارح رضویات'' بھی کہا ہے۔'' (اہل سنت کی آواز ۱۹۹۵ء کا اداریہ) اور بالکل صحیح کہا ہے۔'' (۷)

احسن العلما نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے اشعار کے توسط سے اللہ کریم کی عظمت، شانِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، عشق ومحبت نبوی، عظمت اولیا کے نقوش دلوں میں بٹھائے ہیں۔ امام احمد رضا نے اپنی نعت گوئی قرآن مقدس کے آئینے میں کی، جس کا اظہار اس شعر میں فرمایا ہے:

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

اسی لیے ہر ہر شعر میں قرآنی فکر عطر بیز ہے، اور اپنے کلام کے توسط سے ایمان کو تازگی فراہم کر دیتے ہیں۔ احسن العلما کی تشریحات کا تجزیہ بھی یہ واضح کرتا ہے کہ اشعار رضا کی تفہیم کے لیے احسن العلما قرآن مقدس، احادیث طیبہ اور روایات اسلاف کی

نہایت عمدہ وضاحت فرماتے ہیں جن سے دینی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اشعار رضا کا مفہوم کم پڑھا لکھا شخص بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے۔

تلفظ اور احتیاط:

امام احمد رضا نے اپنے کلام کے توسط سے بہت سے متروک لفظوں میں نئی جان ڈال دی ہے۔ ادبی دقایق کی گرہیں کھولی ہیں، نکتہ سنجی نے مفہوم کو وسعت عطا کر دی ہے، فنی فضا بڑی نکھری نظر آتی ہے ہمارے امام کے کلام میں، آپ کا ادبی ولسانی رخ سے یہ کارنامہ ہے کہ اردو زبان کو تاثیر بیان عطا کی ہے۔ نئے لب ولہجے سے آشنائی بخشی، غنائیت ونغمگی عطا کی، یہی سبب ہے کہ سخن داں وسخن ساز جب اشعار رضا کا مطالعہ کرتے ہیں تو امام احمد رضا کے منفرد ادبی مقام کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہتے۔ اشعار رضا کو درست تلفظ کے ساتھ پڑھنا بھی اہل علم ہی کا خاصہ ہے۔ احسن العلما چوں کہ شارح کلام رضا تھے اس لیے آپ کلام رضا کے تلفظ کا بھی خاص خیال رکھتے، اگر کوئی تلفظ میں غلطی کرتا تو ایک مشفق استاذ کی حیثیت سے اصلاح فرماتے یوں ہی کلام میں حزم واحتیاط کا لحاظ رکھتے۔ امام احمد رضا کے مشہور قصیدہ کا شعر ہے:

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

اس ضمن میں مذکوہ پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت اشرف میاں تحریر فرماتے ہیں:

یہ قصیدہ تو وہ بہت ہی استغراق اور وجد کے عالم میں پڑھتے اور اس میں استعمال شدہ صِفتوں کی تشریح ایسے دل کش انداز میں فرماتے کہ ہم بچوں کے ذہن میں بھی بات نقش ہو جاتی۔ اعلیٰ حضرت کا شعر اگر کوئی غلط پڑھتا تو نرم انداز میں ضرور ٹوک دیتے، اکثر فرماتے: ''حدائق بخشش سمجھنا تو الگ، پڑھنا بھی ہرایرے غیرے کے بس کی بات نہیں ہے'' اس غلام قادری راقم الحروف نے بھی یہ قطعہ اپنے والد معظم کی اسی بات کی یاد کی چھاؤں میں بیٹھ کر لکھا ہے۔ (یہ قطعہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے حاسدین و

مخالفین کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔):

منارِ قصر رضا تو بلند کافی ہے
تم اس کے پہلے ہی زینے پہ چڑھ کے دکھلا دو
فتاویٰ رضویہ تو اک کرامت ہے
ذرا حدائق بخشش ہی پڑھ کے دکھلا دو (۸)

اور بلاشبہہ یہ احسن العلما جیسے اکابر علما کا ہی وصف ہے کہ وہ ''حدائق بخشش'' کی تفہیم کے ساتھ ہی اس کی شرح کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔

تشریحات کے چند نمونے:

احسن العلما کے خطبات سے بعض اشعار رضاؔ کی تشریح وتوضیح کے چند نمونے ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔ قارئین دیکھیں کہ کس طرح سادہ ودل کش انداز میں وضاحت و صراحت فرماتے ہیں کہ ہر شعر مفہوم ومطلب کے ساتھ حاشیۂ ذہن پر محفوظ ہو جاتا ہے اور تشریح سمجھ لینے کے بعد جو لطف ملتا ہے اسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ان تشریحات کو پڑھتے وقت یہ ذہن میں رہے کہ حضرت احسن العلما ہر جمعہ نماز سے قبل مسجد برکاتی مارہرہ شریف میں خطاب فرمایا کرتے تھے، جس میں سامعین کی استعداد کے پیش نظر گفتگو فرماتے، اور ذہن نشین کرانے کی غرض سے سامعین سے سوال بھی کرتے، انھیں خطبات سے اشعار کی تشریح والے اقتباس اختصار کے ساتھ اپنے موقف کی دلیل میں ہم پیش کیے دیتے ہیں۔

نمونۂ اول:

تو ہے سایہ نور کا ہر عضو ٹکڑا نور کا
سایے کا سایہ نہ ہوتا ہے نہ سایہ نور کا

احسن العلما فرماتے ہیں: ''وہ (آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خود نور مطلق کا سایہ ہیں۔ نور مطلق کون؟ اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ۔ اس کا سایۂ رحمت آپ بن کر تشریف لائے ہیں، تو ہم روز دنیا میں دیکھتے ہیں کہ ہم چلتے ہیں، اٹھتے ہیں، بیٹھتے ہیں، پھرتے ہیں تو ہمارا سایہ پڑتا ہے، لیکن کبھی آپ نے سایے کا بھی سایہ دیکھا ہے؟ پرچھائیں کی پرچھائیں

دیکھی ہے؟ اللہ اکبر! تو یہ تو سایۂ رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔ دوسری بات اور فرمائی علما نے، ایک اور نکتہ بیان فرمایا انھوں نے، کہا دیکھو ایسا ہے کہ جس جگہ آدمی کی پرچھائیں پڑتی ہے اتنی جگہ میں کیا ہوتا ہے؟ (سامعین: اندھیرا ہوتا ہے) اجالا تو نہیں ہوتا ہے نا؟ (سامعین: نہیں) اندھیرا ہوتا ہے۔ اور ان کے یہاں تو اندھیرے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کفر وشرک سب سے بڑا اندھیرا ہے۔ ان کی (آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی) ایک نظر رحمت اٹھ جائے، تو عمر کے بڑے حصے جن کے بیت جاتے ہیں کفر کرتے کرتے لیکن ایک نظر رحمت اٹھی نہیں اور پھر معلوم نہیں کیا سے کیا بن جاتے ہیں۔ (یعنی دل کی دنیا ایمان کے نور سے منور ہو جاتی ہے) اللہ اکبر۔'' (۹)

تبصرہ: نورانیت مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر امام احمد رضا کے شعر کی کیسی عمدہ وضاحت کی، آقاے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کا بے سایہ ہونا آپ کے فضائل سے ہے۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں: ''اب نہ رہے مگر وہ لوگ جنھیں طولِ صحبت روزی ہوا اور حضور کو آفتاب یا ماہ تاب یا چراغ کی روشنی میں ایسی حالت میں دیکھا کہ مجمع بھی کم تھا اور موقع سایہ پر بالقصد نظر بھی کی اور ادراک کیا کہ جسم انور ہم سائیگیِ سایہ سے دور ہے۔'' (۱۰)

نمونۂ دوم:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور
لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروڑوں درود

احسن العلما فرماتے ہیں: ''اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ع
تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور

لوگوں کی پیشانیوں پر سلوٹیں پڑ جاتی ہیں اعلیٰ حضرت کا نام سُن کر لیکن سنی مسلمان کے ماتھے پر سلوٹ نہیں پڑ سکتی، اس کا چہرہ تو پھول کی طرح کھل جائے گا۔ دیکھو میں اتنی دیر سے ان کی (اعلیٰ حضرت کی) نعت پڑھ رہا ہوں لیکن کیا کروں مجبور ہوں، اللہ اکبر! کوئی چیز چھوڑی ہی نہیں ہے اعلیٰ حضرت نے بیان فرمانے سے، فرماتے ہیں:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور
لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروڑوں درود

اب میں تمھیں اس کے معنی بتادوں، تم سے خدا کا ظہور، یہ مصرع بہت صاف ہے۔تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور، لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروڑوں درود، تو یہ لِم اور اِن کیا ہے؟ حافظ صاحب (حافظ شریف برکاتی) بھی پوچھ رہے ہیں مجھ سے کہ یہ کیا دو لفظ، لِم لام میم اور یہ الف نون اِن کیا ہے؟ یہ لِم اور اِن کیا؟ میں بتاؤں آپ کو کہ منطق میں دو دلیلیں بہت مشہور ہیں: ایک ''دلیل لمی'' کہلاتی ہے، اور ایک ''دلیل اِنی'' کہلاتی ہے۔آپ کہیں گے پھر وہی بات کہ دلیل لمی اور دلیل اِنی۔ ہاں! وہی بات سنو، دلیل کے معنی ہیں کھلی ہوئی روشنی، جو حق چیز کو چمکا دے، جو اس کا مدلول ہے جس کے لیے وہ لائی گئی ہے اس کو بالکل صاف صاف بیان کر دے۔ جیسے آپ سب میرے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں آپ کے کان بھی دیکھ رہا ہوں، ناک بھی دیکھ رہا ہوں، ایسے ہی آپ میرے دیکھ رہے ہیں۔ پیٹھ البتہ آپ کی مجھ سے پوشیدہ ہے تو آپ کی بھی نظر سے میری پیٹھ پوشیدہ ہے۔ ادھر کی طرف ہے۔تو دلیل اِنی کہتے ہیں اس کو کہ دلیل سے مدلول پر روشنی پڑے۔اور دلیل لمی کہتے ہیں کہ مدلول سے دلیل پر روشنی پڑے۔ آ گئی بات سمجھ میں؟ اچھا ابھی نہیں آئی تو اب سنو میں مثال دے کر بتاتا ہوں، مثلاً آپ نے کہا **ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود** اگر سورج چمک رہا ہے تو دن موجود ہے۔ بولو بھائی اب آئی سمجھ میں۔وہ تو عربی کا جملہ تھا نہیں سمجھ میں آیا ہوگا۔**ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود** اگر سورج موجود ہے، بولو بھائی اس وقت سورج موجود ہے کہ نہیں ہے؟ (سامعین: ہے) یہ رات ہے کہ دن ہے؟ (سامعین: دن) جمعہ کی نماز رات کو پڑھوگے؟ (سامعین: نہیں) جمعہ کا وہی وقت ہے جو ظہر کا وقت ہے۔ **ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود** اگر سورج چمک رہا ہے تو دن موجود ہے۔معلوم یہ ہوا کہ سورج چمکنا یہ دلیل ہے، کاہے کی؟ دن کے موجود ہونے کی۔تو دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی، آیا سمجھ میں؟ دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی۔اچھا اب تم نے یہ نہیں کہا **ان کانت الشمس طالعة فالنهار موجود**

بلکہ تم نے یہ کہا دن موجود ہے، اس لیے کہ سورج چمک رہا ہے۔ پہلے پھیرے میں تم نے یہ کہا تھا کہ چوں کہ سورج چمک رہا ہے اس لیے دن موجود ہے۔اب اس کو الٹ کر کہا، یہ دلیل لمی ہے۔ وہاں دلیل سے مدلول پر روشنی پڑی اور یہاں مدلول سے دلیل پر روشنی پڑی۔اب اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کرو:

تم سے خدا کا ظہور اس سے تمھارا ظہور
لِم ہے یہ وہ اِن ہوا تم پہ کروڑوں درود

اللہ اکبر! اللہ ہے اس لیے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اس لیے کہ اللہ ہے، جل جلالہٗ وعم نوالہٗ۔ یاد رکھنا اس بات کو۔(۱۱)

تبصرہ: شعر رضا کی شرح میں احسن العلما نے تمثیل سے کام لے کر اصطلاح کی توضیح کی ہے۔اور موجود حقیقی کے مظہر رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود کو حق تعالیٰ کے وجود کی دلیل بتایا ہے۔اس طرح خالق کی موجودگی اور افضل الخلق کی عطاے الٰہی سے موجودگی کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

نمونۂ سوم:

تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم
تیرے بے دام کے بندی ہیں ہزاران عرب

احسن العلما شعر مذکور کے تحت اپنے خطاب میں فرماتے ہیں: ''دونوں جگہ 'دام' استعمال ہوا ہے۔ایک جگہ 'دام' کے معنی 'قیمت' کے ہیں اور ایک جگہ 'دام' کے معنی 'جال' کے ہیں۔تیرے بے دام کے بندے ہیں رئیسان عجم۔تیرے بے دام کے۔دام کوئی نہیں ٹھہرایا آپ نے۔معاذ اللہ آپ نے کوئی جال بھی نہیں پھیلایا۔لیکن جس کو دیکھیے تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ سب جال میں قید ہیں۔(یعنی اسیر محبت ہیں) آپ کی آنکھ (مبارک) دیکھی، آپ کے چہرہ (اقدس) پر نظر پڑی۔ بوجہل نے جب کہا کہ انھیں بند کر دو، انھیں جیل میں ڈال دو تو اس کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا کہ نہیں اس سے بھی کام نہیں چلے گا، ان کا سوشل بائی کاٹ کر دو۔کسی نے کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا، کہا ان کے گھر آنا جانا بند کر دو۔کہا

اس سے بھی کام نہیں چلے گا، کہا ان کے راستے میں کانٹے بچھا دو، تو کسی نے کہا اس سے بھی کام نہیں چلے گا اس لیے کہ تم نے بند کر دیا جیل میں، جیل کی سلاخوں کے پیچھے یہ چلے گئے لیکن جوان کو باہر سے دیکھے گا، کسی کی آنکھ میں پیار تیری زبان میں ہے، کسی کی آنکھ میں جادو تیری زبان میں ہے۔ اللہ اکبر! اگر ایک بات بھی کر لی یا بات بھی نہیں کی، ان کی زبان بھی نہیں ہلی، صرف چہرے پر نظر پڑی تو ان کی صورت پاک پر وہ جاذبیت ہے، وہ کشش ہے۔ عام طور پر لوگ ایسے موقع پر بول دیتے ہیں وہ گل موہنی ہے، لیکن میں احترام رسالت کے سلسلے میں یہ لفظ استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ وہ کشش وہ جاذبیت ہے۔ اللہ اکبر! کہ جو آتا ہے قتل کرنے کے لیے وہ خود قتل ہو کر واپس جاتا ہے۔'' (۱۲)

تبصرہ: احسن العلما نے شعر کی شرح میں وہ عجب دل کش منظر نگاری کی ہے کہ عشق کے قافلے صف در صف نظر آتے ہیں۔ حسد میں لوگ آتے ہیں نبوی عظمت کا چراغ گل کرنے لیکن اک جھلک دیکھ کر قتل (فدا) ہو جاتے ہیں۔ ایمان کی لذت سے آشنا ہو کر اسیر بارگاہِ ناز ہو جاتے ہیں۔ احسن العلما نے سادگی و پرکاری کا عمدہ نمونہ اپنی تشریح میں پیش کیا ہے۔ ہمارے مقررین کو ایسی ہی سادہ تشریح کر کے عوام کی معلومات میں اضافہ کرنا چاہیے۔

نمونۂ چہارم:

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول

احسن العلما شعر مذکور کے تحت فرماتے ہیں: ''کیا بات رضا...... کیا بات رضا ...... یوں تو بہت چمنستان ہیں، موگرا بھی کھل رہا ہے، موتیا بھی کھل رہا ہے، اور سوسن و یاسمن اور بنفشہ اور گل ونسترن سب ہی موجود ہیں، اللہ اکبر! لیکن کہیں ایسا بھی چھوٹا سا گلستاں مل جاتا ہے، بظاہر چھوٹا سا ہے لیکن اس میں اور کوئی پھول ہے یا نہیں ہے لیکن ''گلِ ہزارہ'' لگا ہوا ہے۔ میاں! جب گلاب کھلتا ہے تو سب کی خوش بوئیں ماند ہو جاتی ہیں اور گلاب ہی میں خاصیت ہے کہ زندہ رہتا ہے تو خوش بو دیتا ہے اور مُرجھا جاتا ہے تو بھی خوش بو دیا کرتا ہے۔ بولو بھائی، سچ ہے! (سامعین: سچ ہے) آئی بات سمجھ میں میری! ارے زندہ رہتا ہے، اس کی

پتیاں ہری رہتی ہیں، تازہ رہتی ہیں، تب بھی خوش بو دیتا ہے، اللہ اکبر! اور جب بالکل مُرجھا جاتا ہے، چُڑمُڑ ہو جاتا ہے، عطاروں کے یہاں سے جو گلاب آتا ہے، یونانی دواؤں میں شامل ہوتا ہے وہ خشک ہونے کے بعد بھی خوش بو دیتا ہے۔ سبحان اللہ! یہ گلِ ہزارہ ہی میں خصوصیت ہے، موگرا بھی مُرجھانے کے بعد بے کار ہو جاتا ہے، کوئی خوش بو اس میں نہیں ہوتی۔ اور بہت سے تو ایسے بھی پھول ہیں جن میں کوئی خوش بو ہوتی ہی نہیں ہے، اللہ اکبر! ایسی بات ہے نا؟ (سامعین: جی ہاں) ایک انار ہوتا ہے، ایک گلِ انار ہوتا ہے۔ بولو! گلِ انار میں خوش بو ہوتی ہے؟ اس میں کوئی خوش بو نہیں ہوتی انار کا جو پھل ہوتا ہے اس میں خوش بو ہوا کرتی ہے، لیکن گلِ ہزارہ، گلِ گلاب وہ پورے چمن کی زینت ہوا کرتا ہے۔ تو فرماتے ہیں یہ جو چمنستاں ہے، یہ چمنستانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (ہے):

کیا بات رضاؔ اس چمنستان کرم کی
زہرا ہے کلی جس میں حسین اور حسن پھول'' (۱۳)

(شعر مذکور کے تحت احسن العلما نے آگے حضرت امام حسن و امام حسین کی ولادت، ان پر آقاے دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایات، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نسبت وعظمت کا تذکرہ کیا ہے نیز مزید تشریحی نکات اجاگر کیے ہیں۔ مکمل تشریح سید محمد اشرف میاں برکاتی کی تالیف ''یادِ حسن'' (مطبوعہ دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء) میں ملاحظہ کریں۔

تبصرہ: باغبانی کے ماہرین اس تشریح سے کیا حظ اٹھائیں گے، شعر رضاؔ کی تفہیم میں گلستاں آباد فرما دیا ہے احسن العلما نے، گلِ برکات نے گلشن بریلی کی وہ بہار ایک شعر کی تشریح میں سمو دی کہ طبیعت فرحت وانبساط پاتی ہے اور روح جھوم جھوم اُٹھتی ہے۔ گویا یہ تشریح طبعی ہے، جس میں گلوں کی کیفیات کے تناظر میں حضرات حسنین کریمین اور باغِ نبوت کے سدا بہار پھولوں کی نکہت کا ذکر ایسے انداز میں موجود ہے کہ خشک ذہن بھی تازگی محسوس کریں گے یعنی محبت اہل بیت اطہار سے ایمان کے باغ میں بہار آئے گی۔

تفہیم کے سلسلے میں ایک واقعہ:

۱۹۸۵ء میں احسن العلما نے کراچی میں مشہور مترجم وادیب حضرت شمس بریلوی

(م ۱۹۹۷ء) سے ملاقات کی، اس ملاقات کا مقصد بعض اشعار رضاؔ کی توضیح وتفہیم کے سلسلے میں استفسار تھا۔ حضرت شمس بریلوی نے امام احمد رضا کے کئی ان قصائد پر تشریحی کام کیا تھا جو اصطلاح ہیئت ونجوم، علم فلکیات کے حوالے سے تھے۔ اور کلام رضاؔ کے فنی تجزیہ کے حوالے سے بھی حضرت شمس بریلوی کی خاصی شہرت تھی، ملاقات کے احوال پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری (سکریٹری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) کی زبانی ملاحظہ کریں جو اس محفل ملاقات کے شاہد تھے، موصوف لکھتے ہیں:

''حضرت حسن میاں صاحب علیہ الرحمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا نعتیہ دیوان ''حدائق بخشش'' اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے، اور جابجا صفحات پر نشانیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ حضرت حسن میاں نے فرمایا: شمس صاحب آپ سے اعلیٰ حضرت کے چند نعتیہ اشعار کی تشریح درکار ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر پاک وہند میں صرف آپ ہی ان اشعار کی تشریح کر سکیں گے، کہ آپ ہی نے کلام رضاؔ کا ادبی وتحقیقی جائزہ پیش کیا ہے، میں نے کئی حضرات سے ان اشعار کی تشریح کے سلسلے میں رجوع کیا، مگر مجھے کوئی بھی ان اشعار کے مطالب ومفاہیم سے مطمئن نہ کر سکا۔ حضرت حسن میاں نے سب سے پہلے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا یہ شعر پڑھا اور فرمایا کہ آپ اس کی تشریح فرمائیں:

بلبل و نیل پر و کبک بنو پروانو
مہ و خورشید پہ ہنستے ہیں چراغانِ عرب

حضرت شمس نے بے تامل فرمایا کہ: اعلیٰ حضرت کے اس شعر کا بنیادی خیال اس شعر میں موجود ہے:

کہہ دو یہ کوہ کن سے کہ مرنا نہیں کمال
مر مر کے ہجرِ یار میں جینا کمال ہے

اس شعر میں ایک تلمیح ہے.......... تلمیح یہ ہے کہ ''بلبل'' گل پر فریفتہ ہے۔ نیل پر (فاختہ کے برابر جسم والا بہت ہی خوب صورت پرندہ) آفتاب پر عاشق ہے۔ اور ''کبک'' نیل پر کی طرح بجائے آفتاب کے ماہ تاب پر جان دیتا ہے۔ یہ تینوں عاشقان صادق اپنے

محبوب کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ بلبل تو گل بن پر منڈلاتی ہے اور چکر لگاتے لگاتے بے خود ہو کر گل پر اپنے رُخسار رکھ کر بے ہوش ہو جاتی ہے اور بار بار کے اس عمل سے اس کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے.......... ''نیل پر'' جب آفتاب نصف النہار پر ہوتا ہے تو اس تک پہنچنے کے لیے بے تحاشا پرواز کرتا ہے اور بہ حد تاب وتواں پرواز کرتا ہے اور آخر کار اس پرواز میں اس کا جگر پھٹ جاتا ہے اور فضا سے مردہ زمین پر گرتا ہے۔ ''کبک'' کا بھی یہی حال ہے کہ ماہ تاب پر فریفتہ ہے، ماہ کامل کو دیکھ کر بے ساختہ چیختا ہے یا اس کی طرف پرواز کرتا ہے اور ''نیل پر'' کی طرح آخر کار یہ بھی مر کر زمین پر آ گرتا ہے۔ کبک، نیل پر سے تقریباً دوگناہ اور سہ گناہ بڑا ہوتا ہے، بعض لوگ کبک کو گھروں میں پالتے ہیں اور اس کے پنجرے کو چاندنی سے اس حد تک بچاتے ہیں کہ اس کے پنجرے پر دو تین بستنی چڑھاتے ہیں، اگر چاندنی کی ایک کرن بھی دیکھ لیتا ہے تو پھر بے تحاشا چیختا ہے۔

اس تلمیح کو سامنے رکھتے ہوئے شعر کے مفہوم پر غور کیجیے کہ حضرت رضاؔ فرماتے ہیں کہ اے پروانو! تم شمع محفل پر اس طرح خاموشی سے جان کو قربان کرتے ہو، جان اگر قربان کرنا ہے تو بلبل، نیل پر اور کبک کی طرح قربان کرو، کہ چراغانِ عرب تو مہ وخورشید سے بھی زیادہ فروزاں ہیں، شمع محفل کا کیا ذکر، اس طرح حضرت شمس کئی منٹ تک اس شعر کی تشریح فرماتے رہے..........''(۱۴)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت احسن العلما کو اشعار رضاؔ کی تفہیم وتوضیح سے کس قدر دل چسپی تھی، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شمس بریلوی کی علمی حیثیت احسن العلما کی نظر میں کتنی بلند تھی گویا حضرت شمس بریلوی کی ادبی وعلمی بصیرت پر مہر تصدیق لگا دی ہے احسن العلما نے۔

بہر حال اختصار کے پیش نظر انھیں چند نکات پر موضوع کو سمیٹا جاتا ہے۔ احسن العلما کی وہ تحریریں جو مارہرہ شریف کے کتب خانہ میں محفوظ ہوں گی ان میں بھی یقیناً تفہیم کلام رضاؔ کے پہلو سے مواد ہوگا جس کو سامنے لانے پر اشعار رضاؔ کی تحقیق وتفہیم اور توضیح میں بڑی مدد ملے گی، امید کہ بزم ادب کا کوئی خوشہ چیں اپنے رہوار فکر کو اس موضوع پر موڑ کر علم وادب کے کئی ایسے

جواہر سامنے لائے جن سے نگاہیں خیرہ ہوں اور علمی ذخیرے میں قابل قدر اضافہ ہو۔

خلاصۂ کلام:

احسن العلما کی شخصیت بڑی جامع تھی، ان کی زندگی سراپا درس تھی، خطبا درس لیں، احسن العلما کی سی سادگی اپنائیں، تصنع و بناوٹ سے خطابت کا حسن ماند پڑ جاتا ہے، خطاب کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، احسن العلما اپنے خطاب کے ذریعے اشعارِ رضا کی محض تفہیم ہی نہیں فرماتے بلکہ اسلامی تعلیمات اور سیرت طیبہ کے نقوش، محبت اہل بیت اطہار نیز اولیاے کرام کی عقیدت کا عطر کشید کر دیتے جس سے من کی دنیا میں خوش بو پھیل جاتی اور ایمان کی فصل ہری ہو جاتی، آپ کی گفتگو عالمانہ ہونے کے ساتھ ساتھ صوفیانہ بھی ہوتی جس سے اخلاقی بصیرت بھی مہیا ہوتی، اور خانقاہ برکاتیہ نے تو ہر دور میں کردار سازی کا مقدس فریضہ انجام دیا ہے۔ اشعار رضا کے حوالے سے احسن العلما نے اخلاق و کردار نبوی علیہ التحیۃ والثنا کی وہ تشریح فرمائی کہ جنھیں بزم حیات میں سجا لیا جائے تو ذہن وفکر نور نور ہو جائیں، خیالات کی وادیاں زرخیز ہو جائیں، اور خطیب کی خطابت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ جو بات پیش کی جا رہی ہے اسے عملی طور پر قبول کیا جائے۔

احسن العلما نے اشعار رضا کی شرح کیا فرمائی سیرت طیبہ کے جلوے نکھر کر سامنے آ جاتے ہیں۔ امام احمد رضا نے یہی کیا کہ اپنی نعت کے تناظر میں محبت نبوی کی روح اگلی نسلوں میں منتقل کی، دل کو طیبہ کی یاد میں وارفتہ کر دیا، ایسا کہ قول و فعل سبھی سنت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آئینہ دار ہو گئے، دل و جاں، ہوش و خرد، فکر و نظر سبھی کچھ شہ بطحا کے دیار کی یادوں میں کھو گئے، یہی عشق کی معراج بھی ہے اور منزل مقصود بھی، بقول اعلیٰ حضرت ؎

جان و دل ہوش و خرد سب تو مدینے پہنچے
تم نہیں چلتے رضا سارا تو سامان گیا

امام احمد رضا نے اپنی شاعری کے ذریعے دین حق کی روشن راہ واضح کی، اور اس پر استقامت کے لیے جان ایمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت و تعلق اور روح کا رشتہ

ضروری ہے۔ ایسی محبت جس میں واقعیت ہو۔ امام احمد رضا نے تحقیق و مشاہدہ کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالا کہ اس دور انحطاط میں جب کہ فکروں کا سودا کیا جا چکا تھا، رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی و توہین کی فضاے مسموم ہموار کی جا چکی تھی، عشق و محبت رسول کی متاعِ گراں بہا کی حفاظت اشد ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا کا شعری و نثری سرمایہ عظمت و شان اور تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آئینہ دار ہے۔ آپ کی محتاط شاعری کی توضیح کے لیے بھی علم وسیع درکار ہے، احسن العلما جیسی محتاط شخصیت جن کا علمی استحضار ان کے عہد میں مسلّم تھا، نے اشعار رضا کی تفہیم کا نکھرا اور ستھرا مزاج دیا، راقم نے جتنے نمونے پیش کیے وہ تشریحات کے بعض پیراگراف پر مشتمل ہیں ورنہ ایسے تشریحی نکات بھی موجود ہیں جو ایک ایک شعر کی شرح میں دسیوں صفحات پر محیط ہیں۔ آپ کی بصیرت علم اور رضویات جو بہ طور فرع علم متعارف ہے اس میں مہارت پر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا یہ تبصرہ صداقت کا آئینہ دار ہے:

''(احسن العلما) مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے عاشق زار تھے۔ مسلک اعلیٰ حضرت سے سر مو انحراف کو برداشت نہ کر پاتے، اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے حالات و کوایف کے جزئیات پر کامل عبور تھا میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ اپنے وقت میں سب سے بڑے ''ماہر رضویات'' تھے۔'' (۱۵)

احسن العلما علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کے اشعار کی تشریح و تفہیم کا جو معیاری نمونہ پیش کیا اور واعظین کو خطابت کے لیے اشعار رضا سے استفادے کا سلیقہ بخشا اسے مزید اجاگر کیا جانا چاہیے، خطبا و واعظین ایک ایک شعر کی تشریح احسن العلما کے اسلوبِ تفہیم کے آئینے میں کریں گے تو عام طبقہ بھی منظومات رضا کے علمی دقایق نیز فنی خوبیوں سے آشنا و آگاہ ہو گا، جس سے عشق رسول کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی تپش تیز ہوگی۔

مآخذ ومصادر

(۱) سید محمد اشرف برکاتی، یادحسن، مطبوعہ دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء،ص ۱۹

(۲) پروفیسر ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم مارہروی نے متعدد تقاریر کو تحریری شکل دے کر اشاعت کی ہے۔

(۳) اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ،ص ۲۷۲، اکتوبر ۱۹۹۹ء

(۴) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ،ص ۶۴۲-۶۴۳، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۵) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ،ص ۵۶۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۶) نفس مصدر،ص ۸۷، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۷) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ،ص ۵۶۲، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۸) نفس مصدر، خصوصی شمارہ: اکابر مارہرہ مطہرہ (حصۂ دوم) ،ص ۵۶۴، اکتوبر ۲۰۱۰ء

(۹) نفس مصدر،ص ۸۵، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۱۰) احمد رضا بریلوی، امام، قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام،ص ۲۵، مطبوعہ برکات رضا پور بندر گجرات ۲۰۰۸ء

(۱۱) اہل سنت کی آواز مارہرہ مطہرہ،ص ۱۱۱-۱۱۳، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۱۲) نفس مصدر،ص ۱۰۱-۱۰۲، اکتوبر ۲۰۰۰ء

(۱۳) سید محمد اشرف برکاتی، یادحسن،ص ۳۴۸، مطبوعہ دارالاشاعت برکاتی مارہرہ مطہرہ ۲۰۰۳ء

(۱۴) مجید اللہ قادری، ملفوظات شمس،ص ۴۱ تا ۴۴، مطبوعہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۲۰۰۳ء

(۱۵) سیرت احسن العلما (مجموعۂ مضامین) ص ۲۹، مطبوعہ برکاتی پبلشرز کراچی ۱۹۹۸ء

اعلیٰ حضرت کے پیرومرشد خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہٗ: احوال وافکار

مولانا توفیق احسن برکاتی

استاذ-الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور، اعظم گڑھ

سرزمین مارہرہ (ضلع ایٹہ، یوپی) کے برکاتی افق پر طلوع ہونے والے آفتاب و ماہتاب میں ایک بڑا ممتاز اور یگانہ روزگار نام ’’حضرت سید شاہ آل رسول احمدی برکاتی مارہروی‘‘ کا ہے، جو سراج السالکین حضرت سید شاہ آل برکات ستھرے میاں علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۲۵۱ھ) کے فرزند، شمس العارفین حضرت سید شاہ اچھے میاں علیہ الرحمہ کے بھتیجے اور اسد العارفین سید شاہ حمزہ عینی مارہروی علیہ الرحمہ (متوفی: ۱۱۹۸ھ) کے پوتے ہیں۔

ولادت:

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کی پیدائش ماہ رجب المرجب ۱۲۰۹ھ میں مارہرہ مقدسہ میں ہوئی، آپ کی ولادت پر پورے خاندان میں خوشی منائی گئی، جب یہ خوش خبری آپ کے بڑے چچا جان شمس العارفین حضرت سید شاہ اچھے میاں علیہ الرحمہ کو سنائی گئی تو وہ فرط مسرت سے جھوم گئے اور مسکرا کر فرمایا کہ میں اس نومولود کا نام ’’آل رسول‘‘ تجویز کرتا ہوں۔ والد محترم علیہ الرحمہ کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ اہل خاندان صدقے جا رہے تھے اور والدہ ماجدہ کی دعائیں ہمہ وقت آپ کو ہالے میں لیے رہتی تھیں۔

سلسلہ نسب پدری:

سید شاہ آل رسول احمدی ابن سید شاہ آل برکات ستھرے میاں ابن سید شاہ حمزہ

عینی ابن سید شاہ آل محمد ابن سید شاہ برکت اللہ عشقی [صاحبِ سلسلہ برکاتیہ] ابن سید شاہ اویس ابن سید شاہ عبد الجلیل ابن سید میر عبد الواحد بلگرامی ابن سید شاہ ابراہیم ابن سید شاہ محمد قطب الدین ابن سید شاہ محمد ماہ رُو ابن سید شاہ بڈھ ابن سید شاہ کمال الدین ابن سید شاہ قاسم ابن سید شاہ حسن ابن سید شاہ نصیر ابن سید شاہ حسین ابن سید شاہ عمر ابن سید شاہ محمد [صاحب الدعوۃ الصغریٰ، جد اعلیٰ سادات بلگرام] ابن سید شاہ علی ابن سید شاہ حسین ابن سید شاہ ابو الفرح ثانی ابن سید شاہ ابو فراس ابن سید شاہ ابو الفرح واسطی ابن سید داؤد ابن سید حسین ابن سید یحییٰ بن سید زید سوم ابن سید عمر ابن سید زید دوم ابن سید علی عراقی ابن سید حسین ابن سید علی ابن سید زید شہید ابن سید السادات امام زین العابدین ابن سید الشہداء امام حسین شہید کربلا ابن امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم زوج سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سلسلہ نسب مادری:

آپ کی والدہ ماجدہ کا نام سیدہ فضل فاطمہ تھا جو قاضی سید غلام شاہ حسین [ساکن: قصبہ باڑی، سیتاپور، یوپی] کی صاحب زادی تھیں، ان کا پورا شجرہ نسب یوں ہے:

سید فضل فاطمہ بنت قاضی سید غلام شاہ حسین ابن قاضی سید غلام اولیا ابن قاضی سید حسن ابن قاضی سید عنایت اللہ ابن قاضی سید سکندر ابن قاضی سید دلارے ابن قاضی سید حبیب ابن قاضی سید جمال الدین ابن قاضی سید عالم ابن قاضی سید حبیب ابن قاضی سید کمال الدین ابن سید جمال الدین ابن سید حامد ابن سید ماہ رُو شہید ابن سید شاہ بڈھ ابن سید کمال الدین ابن سید قاسم ابن سید شاہ حسن ابن سید شاہ نصیر ابن سید شاہ حسین ابن سید شاہ عمر ابن سید شاہ محمد (صاحب الدعوۃ الصغریٰ، جد اعلیٰ سادات بلگرام) ابن سید شاہ علی ابن سید شاہ حسین ابن سید شاہ ابو الفرح ثانی ابن سید شاہ ابو فراس ابن سید شاہ ابو الفرح واسطی ابن سید داؤد ابن سید حسین ابن سید یحییٰ بن سید زید سوم ابن سید عمر ابن سید زید دوم ابن سید علی عراقی ابن سید حسین ابن سید علی ابن سید محمد ابن سید عیسیٰ [ملقب بہ موتم الاشبال] ابن حضرت

سید زید شہید ابن امام زین العابدین ابن سلطان الشہداء امام حسین شہید کربلا ابن امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم روج سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا بنت سید الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تعلیم وتربیت:

جب خاتم الاکابر حضرت سید آل رسول مارہروی کی عمر شریف چار سال، چار ماہ کی ہوئی تو خاندان برکاتیہ کے معمول کے مطابق محفل بسم اللہ خوانی منعقد ہوئی، جس میں خاندان کی بزرگ شخصیات اور خلفا و مریدین شریک ہوئے اور ان کی موجودگی میں شمس العارفین سید آل احمد اچھے میاں قدس سرہ نے رسم بسم اللہ خوانی ادا فرمائی اور فرزند کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد اور دیگر بزرگوں سے پائی، پھر حضرت شمس العارفین نے تعلیم وتربیت خاص کی ذمہ داری اپنے ارشد خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبد المجید بدایونی اور مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی کو سونپی، جنھوں نے پوری ذمہ داری کے ساتھ خانقاہ برکاتیہ میں حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کو پڑھایا۔ مزید ہدایہ وغیرہ کتابیں مفتی محمد عوض عثمانی بدایونی ثم بریلوی سے پڑھیں۔

فرنگی محل، لکھنؤ آمد:

خاندانی بزرگوں اور اجل خلفا سے تحصیل علم کے بعد انھیں مزید طلب علم کے لیے فرنگی محل، لکھنؤ بھیجا گیا، تاکہ خانقاہ کے باہر دوسرے اہم علمی مراکز کے علمی وتدریسی ماحول سے کما حقہ واقف ہوسکیں اور ان درس گاہوں میں مسند نشین اعاظم زمانہ کے علمی فیضان سے مالا مال ہوں۔ فرنگی محل کے علما بلگرام و مارہرہ کے علمی وروحانی جاہ وکمال اور ان کی اعلیٰ نسبی کے تقدس سے اچھی طرح آگاہ تھے، صرف آگاہ ہی نہیں، بلکہ ان کے عقیدت مند اور مداح بھی تھے۔

جس وقت حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ لکھنؤ فرنگی محل پہنچے، وہاں حضرت مولانا شاہ انوار الحق ابن ملا احمد عبد الحق قدس سرہ مسند نشین اور خانوادہ فرنگی محل کی سربراہی فرما رہے تھے، انھوں نے حضرت خاتم الاکابر کی عزت افزائی فرمائی اور ان کی تعلیم کا کام بحر العلوم علامہ عبد العلی فرنگی محلی کے تلمیذِ رشید حضرت مولانا عبد الواسع سیدن پوری اور اپنے

فرزند و جانشین مولانا نورالحق فرنگی محلی کے حوالے کیا۔ آپ نے ان جید اساطین علم و فضل سے علم تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، اور علوم عقلیہ کا اکتساب کیا اور حضرت مولانا شاہ انوارالحق فرنگی محلی سے بھی علمی فیض حاصل کیا۔ درسی کتابوں کی تحصیل کے بعد ماہ جمادی الاخرہ ۱۲۲۶ھ کو حضرت شیخ احمد عبدالحق ردولوی علیہ الرحمہ کے عرس پاک کے موقع پر علما و اکابر مشائخ کی موجودگی میں آپ کا امتحان ہوا اور حضرت مولانا شاہ انوارالحق فرنگی محلی اور قبلہ صاحب سجادہ کے دست مبارک سے آپ کی دستار بندی ہوئی اور سند فضیلت عطا ہوئی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بارگاہ میں:

دستار فضیلت کے بعد مارہرہ شریف واپسی کا ارادہ کیا کہ اچانک حضرت اچھے میاں علیہ الرحمہ کا حکم پہنچا کہ دہلی جاکر حضرت سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی خدمت میں رہ کر صحاح ستہ کا دور کرو، کیوں کہ اس وقت ہندستان میں علم حدیث میں دور، دور تک کوئی ان کا ثانی نہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ کے مشائخ مارہرہ سے معتقدانہ روابط تھے۔ مفتی محمود احمد رفاقتی ''ملفوظات عزیزی'' کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں:

''حضرت (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) نے کسی تقریب میں اپنے ایک مرید سے استفسار فرمایا کہ تم نے حضرت اچھے میاں صاحب کو دیکھا ہے، مرید نے عرض کیا، ڈھاکا-تا-دہلی اکثر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ان کی توجہ سے اعتماد حاصل کیا ہوں، ان کے ممتاز و خوب تر افراد کو طبقات میں میں نے ممیّز کیا ہے، اس ضمن میں حضرت شاہ غلام علی قدس سرہ اور بزرگان ڈھاکا کے تھوڑے احوال بیان کیے، حضرت شاہ صاحب قبلہ نے فرمایا: طبقہ ثانیہ میں حضرت شاہ اچھے صاحب کو باعتبار علم و عمل اس کا اہل جانتا ہوں اور دوسرے شاہ نعمت اللہ ساکن پھلواری کو، پھر قدرے ان دونوں کی نسبت و کیفیت اور جامع حالات ارشاد فرمائے۔'' (حیات شاہ آل رسول احمدی، مطبوعہ: بزم اشرفی رفاقتی، مظفر پور، ۱۹۹۵ء، ص: ۷۷، ۷۸)۔

''حیات آل رسول مارہروی'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ محدث الہند کے مشورہ و ہدایت

سے ان کے بعض ممتاز شاگردوں نے مارہرہ حاضر ہو کر حضرت شمس الملۃ والدین قدس سرہ سے بیعت کر کے فیوض سلوک حاصل کیا اور خلافت سے سرفراز ہوئے۔'' (ص: ۷۸)۔

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ العزیز لکھنؤ سے دہلی کے لیے روانہ ہوئے اور شاہ صاحب کی بارگاہ علم میں پہنچ کر انتہائی محنت اور دل چسپی کے ساتھ علم حدیث پڑھنا شروع کیا، درس کے ساتھ دیگر علمی و تربیتی محافل میں بھی شریک ہوتے اور ہمہ وقت ایک نیازمند کی طرح خدمت استاذ میں حاضر رہتے۔ جس کی وجہ سے حضرت سراج الہندان کے مداح بھی تھے اور متاثر بھی، ان کے اخلاق و عادات نے شاہ صاحب کو اپنا اسیر بنالیا تھا، نتیجۃً بہت کم وقت میں استاذ کے علمی و روحانی فیضان کا وافر حصہ حاصل کرلیا، دہلی میں ان کا قیام ایک سال رہا، کتب حدیث کا درس لیا اور سند اجازت بھی پائی، مزید دیگر سلاسل طریقت کی اجازت بھی مرحمت ہوئی۔

مولانا طفیل احمد بدایونی (مصنف: برکات مارہرہ) تحصیل علم کے مختصر احوال یوں بیان کرتے ہیں:

''حضرت صاحب موصوف قدس سرہ ۱۲۰۹ھ میں علی گوہر شاہ عالم بادشاہ دہلی کی حکمرانی کے عہد میں بہ مقام مارہرہ پیدا ہوئے اور اپنے عم کلاں حضرت اچھے میاں صاحب قدس سرہ اور والد بزرگوار حضرت ستھرے میاں صاحب قدس سرہ کے آغوش شفقت اور دامن تربیت میں پرورش پائی، معمولی تعلیم و تعلم کے بعد مختصرات کی تعلیم حضرت صاحب قبلہ قدس سرہ نے مولانا مولوی محمد عبدالمجید صاحب بدایونی و مولانا شاہ سلامت اللہ صاحب کان پوری [خلفائے حضرت اچھے میاں صاحب قدس سرہ] سے اپنی خانقاہ میں حاصل کی، اس کے بعد نواب سعادت علی خاں حاکم اودھ کے زمانۂ حکومت میں [جس کی ابتدا ۱۳ر شعبان المعظم ۱۲۱۲ھ سے ہے] لکھنؤ تشریف لے گئے اور متوسطات اور مطولات کی تعلیم فرنگی محل کے مشہور علما مولوی نور صاحب اور مولوی عبدالواسع صاحب سے پائی اور کچھ تلمذ مولانا انوار صاحب سے بھی حاصل کیا-.... ۱۲۲۶ھ میں آپ دہلی تشریف لے گئے اور شاہ (عبدالعزیز محدث دہلوی) صاحب کو جمیع کتب احادیث سنا کر ان سے سند حاصل کی۔'' (برکات مارہرہ، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، ص: ۸۶، ۸۷)۔

سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے حضرت خاتم الاکابر کا شجرۂ شاگردی یوں ہے: (۱) حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی، (۲) سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، (۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، (۴) حضرت شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم، (۵) حضرت شیخ قشاقی، (۶) حضرت شیخ احمد شتابی، (۷) حضرت شمس الرملی، (۸) حضرت شیخ زین زکریا، (۹) حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی، (۱۰) حضرت شیخ برہان، (۱۱) حضرت شیخ ابراہیم شامی، (۱۲) حضرت شیخ احمد الحجاز، (۱۳) حضرت شیخ سراج حسین زبیدی، (۱۴) حضرت شیخ ابوالوقت سنجری، (۱۵) حضرت شیخ داؤدی، (۱۶) حضرت شیخ خمولی، (۱۷) حضرت شیخ عزیزی، (۱۸) حضرت ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (علیہم الرحمہ)۔

(مولانا طفیل احمد بدایونی، برکات مارہرہ، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، ص: ۸۷)

آپ کے اساتذہ کرام میں خاندانی بزرگوں کے علاوہ حضرت مولانا شاہ عین الحق عبدالمجید بدایونی، مولانا سلامت اللہ محدث کان پوری، مولانا عبدالواسع سیدن پوری، مولانا نورالحق فرنگی محلی، مولانا انوارالحق فرنگی محلی، مفتی محمد عوض بدایونی اور سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہم الرحمہ شامل ہیں، جن کے علمی فیضان سے آپ نے اچھا خاصا حصہ پایا ہے۔ اور پھر تاحیات تشنگان علوم کو وہ علمی وروحانی فیضان تقسیم فرمایا۔ فن طب اپنے والد ماجد اور حکیم فرزند علی خان موہانی سے علماً و عملاً حاصل کیا۔

بریلی حاضری:

(۱۲۲۶ھ کے اخیر میں) حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ دہلی سے واپسی میں شہر بریلی تشریف لائے اور یہاں کے برکاتی غلاموں کے اصرار پر چند دن قیام فرمایا، یہاں حضرت مولانا شاہ نیاز احمد چشتی نظامی فخری کے علم وعرفان کا چرچا تھا، ان کے دل میں بھی مشائخ خانقاہ برکاتیہ کا کافی احترام تھا، جب شاہ نیاز چشتی صاحب نے حضرت خاتم الاکابر کی آمد کی خبر سنی تو باوجود کبرسنی کے اپنی خانقاہ کے باہر آکر ان کا استقبال کیا اور اپنی مسندِ خاص پر بٹھایا۔ دوران گفتگو علم ریاضی کے چند مسائل کا ذکر آیا تو شاہ صاحب نے اس موضوع پر بڑی نفیس تقریر کی جو حضرت خاتم الاکابر کو کافی پسند آئی اور انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ آپ

یہ تقریر، تحریر فرمادیں، جو بعد میں انھوں نے ایک رسالہ میں قلم بند کردیں۔ حضرت خاتم الاکابر کا چند روز وہاں قیام رہا، پھر مارہرہ تشریف لائے۔

بات بس اتنی سی تھی، مگر بعض تذکرہ نگاروں نے حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کے اساتذہ کی فہرست میں بڑے مبالغہ سے قبلہ مولانا شاہ نیاز چشتی بریلوی کا نام بھی شامل کرلیا ہے، لیکن حقیقت کیا ہے اسے تاج العلماء سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے، آپ لکھتے ہیں:

”بعض گستاخ ناواقفوں نے تحریر کیا ہے کہ حضرت شاہ آل رسول قدس سرہ نے کچھ تعلیم علوم باطنی شاہ نیاز احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ بریلوی سے پائی۔ یہ محض دروغ بے فروغ ہے۔ واقعہ صرف اس قدر ہے کہ ہمارے حضرت بریلی شریف تشریف لے گئے۔ شاہ نیاز احمد صاحب سے عندالملاقات اثنائے گفتگو میں بعض مسائل ریاضی کا ذکر آیا، شاہ نیاز احمد نے ان کے متعلق کچھ تقریر کی جو ہمارے حضرت کو اچھی معلوم ہوئی اور ہمارے حضرت کی فرمائش پر شاہ نیاز احمد صاحب نے وہ ایک مختصر رسالہ میں قلم بند کردی جو میرے پاس شاہ نیاز احمد صاحب کے دستخط خاص کی لکھی موجود ہے۔“ [تاریخ خاندان برکات، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۷ء، ص: ۴۶، ۴۷]

سلوک کی تکمیل اور خلافت واجازت:

علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت کے بعد جب مستقل طور پر حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ سرزمین مارہرہ میں جلوہ افروز ہوئے تو حضرت اچھے میاں قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ اب تزکیۂ باطن اور طہارتِ قلب کے لیے آبائی طریقہ پر مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہوجاؤ۔ مرشد ومربی کی اعلیٰ نگاہی اور والد ماجد کی عنایتوں کی چھاؤں میں اب سلوک کی مشق شروع ہوئی، راہ سلوک حد درجہ محنت ومجاہدہ اور کڑی آزمائش کے بعد منزل آشنا ہوتی ہے اور قدم قدم پر مرشد کی روحانی رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے، اور یہاں تو سب کچھ میسر ہے، ایک اچھا مرشد کامل اور خانقاہی ماحول، چناں چہ بہت جلد منازل سلوک تکمیل کو پہنچے اور شمس العارفین حضرت سید شاہ اچھے میاں علیہ الرحمہ نے خاندانی سلاسل کی خلافت واجازت تامہ کاملہ عطا فرمائی اور مسند

نشین ہونے کا حکم فرمایا۔ والد ماجد حضرت ستھرے میاں علیہ الرحمہ نے بھی اپنی خلافت سے نوازا تھا اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے بھی مختلف اجازتیں عطا فرمائی تھیں۔ خاندانی سلاسل کے علاوہ حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کو جملہ سلاسل عالیہ صابریہ کی اجازت حضرت مخدوم صابر صاحب قدس سرہ العزیز نے بھی عنایت فرمائی تھی جس کا تذکرہ ''سراج العوارف'' میں موجود ہے۔ ''برکات مارہرہ''، ص: ۹۴ پر بھی یہی بات درج ہے۔ اور سلسلۂ رزاقیہ کی اجازت استاذ مکرم مولانا نورالحق فرنگی محلی سے ملی۔ حضرت تاج العلماء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''علوم باطنی کی تعلیم اور منازل سلوک اپنے والد ماجد اور اپنے عم مکرم قدس سرہما کی خدمت میں طے فرمائی۔ بیعت آپ کو اپنے عم مکرم حضرت سید شاہ آل احمد قدس سرہ سے اور خلافت واجازت اپنے عم مکرم اور والد معظم دونوں سے تھی اور سلسلۂ رزاقیہ کی اجازت اپنے استاذ مولوی نور صاحب فرنگی محلی سے اور سلسلہ علویہ نامیہ کی اپنے استاذ مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی سے حاصل فرمائی اور حضرت شاہ صاحب دہلوی سے اور بھی بہت احادیث ومصافحات وغیرہ کی اجازتیں لائے۔'' (تاریخ خاندان برکات، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۷ء، ص: ۴۶)۔

مولانا طفیل احمد بدایونی لکھتے ہیں:

''آپ (شمس العارفین سید اچھے میاں) کے خلیفۂ اجل آپ کے برادر زادہ حضرت سیدنا شاہ آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہ العزیز ہیں جن کو حضرت نے اپنی حیات میں اپنا جانشین بنا دیا تھا۔'' (برکات مارہرہ، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، ص: ۶۲)۔

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ العزیز کو ان کے والد ماجد علیہ الرحمہ نے اسرار خاندانی اور فیوض روحانی کا خزانہ عطا فرمایا تھا اور اپنا خلیفہ مطلق ومجاز برحق قرار دیا تھا، لیکن ان کا ظرف بڑا عالی اور ان کی فکر انتہائی وسیع تھی، اس لیے حضرت مرشد طریقت کی حیات طیبہ میں شاذ و نادر بیعت لیتے تھے۔

اولادِ کرام:

حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ کا عقد نکاح ان کی اپنی خالہ کی لڑکی حضرت نثار فاطمہ صاحبہ سے سیدواڑہ بلگرام شریف میں ہوا۔ ان بی بی صاحبہ سے حضرت کے دو فرزند اور تین

بیٹیاں پیدا ہوئیں: (۱) حضرت سید شاہ ظہور حسن عرف بڑے کے میاں (۲) حضرت سید شاہ ظہور حسین عرف چھٹومیاں (۳) سیدہ انصار فاطمہ (۴) سیدہ ظہور فاطمہ (۵) سیدہ رحمت فاطمہ۔

خلف اکبر سید شاہ ظہور حسن علیہ الرحمہ ۱۲۲۹ھ میں پیدا ہوئے، اس وقت حضرت شمس العارفین اور سراج السالکین علیہما الرحمہ حیات سے تھے۔ سید ظہور حسن علیہ الرحمہ نے والد ماجد اور مولانا عبدالمجید بدایونی سے خلافت واجازت پائی۔ ان کا عقد مسنون سید شاہ دلدار حیدر ابن سید شاہ منتخب حسین بلگرامی کی صاحب زادی سیدا کرام فاطمہ صاحبہ سے ہوا، جن سے ایک فرزند سید شاہ ابوالحسین نوری میاں (مرشد مفتی اعظم ہند) اور ایک صاحب زادی سیدہ کلثوم فاطمہ پیدا ہوئیں۔

خلف اصغر سید شاہ ظہور حسین کی ولادت ۱۲۴۱ھ میں ہوئی، انھوں نے بھی والد ماجد اور مولانا عبدالمجید بدایونی سے اجازت وخلافت پائی۔ ان کی دو شادیاں عم مکرم حضرت سید شاہ اولاد رسول قدس سرہ کی صاحب زادیوں سیدہ اولاد فاطمہ اور سیدہ خاتون فاطمہ سے یکے بعد دیگرے ہوئیں، پہلی زوجہ سے ایک فرزند سید شاہ ابوالحسن علی خرقانی اور ایک صاحب زادی سیدہ رقیہ بیگم پیدا ہوئیں اور دوسری زوجہ سے سید شاہ مہدی حسن علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔

مسند نشینی اور خانقاہ کی ذمہ داری:

خانقاہ مارہرہ مقدسہ میں رسم سجادگی سے متعلق ایک تفصیل ''مورخِ خاندان برکات'' تاج العلماء حضرت سید اولاد رسول محمد میاں مارہروی علیہ الرحمہ کے قلم سے ملاحظہ کرلیں، جو انھوں نے تاریخ کے اخیر میں ''سجادہ نشینی کی تشریح'' کے عنوان سے درج فرمائی ہے:

''ہمارے خاندان میں رسم سجادہ نشینی اس طرح چلی آئی ہے کہ سجادہ نشین متوفیٰ کے انتقال کے بعد اس کے چہلم کے دن کنبہ و برادری وشہر واطراف کے اعزہ واقارب و عمائد ومتوسلین، عوام وخواص جمع ہوتے ہیں اور اس کے بیٹے یا اس کی عدم موجودگی میں بھائی وغیرہ وارثِ شرعی کو (جو اس شخص سے بیعت یا اجازتِ سجادہ نشینی بھی رکھتا ہو جس کی جگہ وہ سجادہ نشین ہونا چاہتا ہے) بزرگان خاندان وعمائد واکابر متوسلین، تبرکات خاندانی، مثل خرقہ وعمامہ وتسبیح وغیرہا (جو ہر ایک کے گھر میں اپنے اپنے بزرگوں کے علاحدہ علاحدہ ہم لوگوں

کے پاس ہیں اور بعض مشترک ہیں) ہمراہ لے کر درگاہ شریف لے جاتے اور وہاں جس بزرگ کا وہ قائم مقام ہونا چاہتا ہے اس کے مزار یا حضور صاحب البرکات قدس سرہ کے مزار مبارک پر تبرکات ولباس کو رکھ کر بزرگان سلسلہ سے توسل واستعانت کرکے فاتحہ خیر پڑھ کر پھر ان تبرکات سے اس شخص کو آراستہ کر کے سامنے فقرا وخدام ''اللّٰہ'' پکارتے ہوئے مجمع کے ساتھ واپس لاتے اور مکانِ سجادگی میں جو اپنے الگ ہیں، سجادہ نشینی پر اجلاس کراتے ہیں، اس کے بعد حاضرین نذر پیش کرتے ہیں اور معتقدین بیعت کرتے ہیں اور رسم سجادگی تمام ہوجاتی ہے۔'' (تاریخ خاندان برکات، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۷ء، ص:۱۰۳)۔

تقریباً چھبیس سال تک حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ کو اپنے مرشد گرامی حضرت شمس العارفین اچھے میاں علیہ الرحمہ سے فیوض و برکات کے حصول کا موقع ملا۔ جن کے متعلق تاج العلماء حضرت سید اولادِ رسول محمد میاں مارہروی فرماتے ہیں:

''آپ کے کشف وکرامات وخوارقِ عادات اس قدر کثیر در کثیر ہیں کہ ان سے کتابیں بھر جائیں، زبان زد خاص وعام ہیں۔ مختصر یہ کہ آپ مظہرِ جناب غوثیت مآب تھے۔ آپ کے خلفا چار دانگ عالم میں تھے، آپ کے مریدین کی صحیح تعداد نہیں ہوسکتی، مگر جہاں تک اندازہ کیا جاتا ہے دو لاکھ کے قریب تعداد پہنچتی ہے۔'' (تاریخ خاندان برکات، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص:۲۳، ۲۴)۔

۱۷؍ربیع الاول ۱۲۳۵ھ کو مرشد گرامی کا وصال ہوا تو ان کے برادر حضرت ستھرے میاں علیہ الرحمہ نے سجادۂ برکاتیہ کو رونق بخشی اور تاحیات پوری دیانت داری کے ساتھ خانقاہی نظام کو سنبھالا۔ مولانا طفیل احمد بدایونی لکھتے ہیں:

''حضرت اچھے میاں قدس سرہ العزیز کی وفاتِ ظاہری کے بعد ان کے منجھلے بھائی حضرت سید شاہ محمد آل برکات ستھرے میاں صاحب قدس سرہ العزیز مسندِ خلافت برکاتیہ مارہرہ پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت ستھرے میاں صاحب مرید وخلیفہ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب قدس سرہ کے تھے، اس کے علاوہ مثالِ خلافت اپنے بڑے بھائی حضرت سید شمس العارفین آل احمد اچھے میاں صاحب قدس سرہ العزیز سے بھی حاصل کی تھی۔ اگر چہ آپ کی سجادہ نشینی حضرت اچھے میاں کے وصال کے بعد ہوئی لیکن آپ شجرہ اپنے والد

ماجد حضرت سید شاہ حمزہ صاحب قدس سرہ العزیز ہی کا دیا کرتے تھے۔'' (برکات مارہرہ، نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، ص:۸۰، ۸۱)۔

تاج العلماء سید اولادِ رسول محمد میاں مارہروی حضرت ستھرے میاں علیہ الرحمہ کے احوال میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت نے عمر دراز پائی، تلاوت قرآن مجید پر بہت حریص تھے، ہزاروں قرآن شریف تلاوت فرمائی، کم از کم دس پارہ قرآن مجید کے روزانہ تلاوت فرماتے تھے، اور اپنے اوقات شبانہ روزی اپنے اسلاف کرام کے معمولاتِ طاعت وعبادت وفیض رسانیِ خلائق ودرس وارشاد طالبان ومتوسلان سے معمور رکھتے تھے۔ فنِ تکسیر وطب میں آپ کو دستگاہ خاص تھی۔ اپنے برادر مکرم حضور ابو الفضل قدس سرہ کے چہلم کے دن حسبِ وصیت حضور مطابق دستور قدیم خاندانی حضرت زیب سجادہ غوثیہ برکاتیہ آل احمدیہ ہوئے۔ تبرکات وآثار شریفہ وکتب خانہ اور معاش ظاہری از قسم املاک ودیہات وباغات وغیرہ جو اپنے مورثانِ ماسبق سے پائے تھے وہ سب حضرت کے پاس موجود ومحفوظ رہے۔'' (تاریخ خاندان برکات، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص:۲۷)۔

۲۶؍رمضان المبارک ۱۲۵۱ھ کو حضرت ستھرے میاں کا بھی وصال ہوگیا تو ان کے عرسِ چہلم کے روز حضرت خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول مارہروی باقاعدہ مسندِ خلافت برکاتیہ پر جلوہ فگن ہوئے۔ حضرت تاج العلماء فرماتے ہیں:

''حضرت سید شاہ آل رسول صاحب قدس سرہ اپنے والد ماجد کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اپنے دونوں بھائیوں حضرت سید شاہ اولادِ رسول وحضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم قدس سرہما کے ساتھ ایک ہی وقت میں ایک ہی سجادہ پر تینوں حضرات سجادہ نشین ہوئے اور جمیع امور خانقاہی ودرگاہی وجائداد خانقاہی ودرگاہی وامکنہ و روزینہ ہائے کلاں وخورد وجمیع متروکہ والد ماجد وعم مکرم خود از قسم موقوفہ وغیر موقوفہ وخدمت آثار شریف اور درگاہ شریف ومسجد، متبرک کے چڑھاوے وغیرہ کے تینوں حضرات مساوی مالک وقابض ومتولی ہوئے۔'' [تاریخ خاندان برکات، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۷ء، ص:۴۶]

مولانا طفیل احمد بدایونی لکھتے ہیں:

''سید شاہ آل رسول صاحب کو بیعت حضرت اچھے میاں صاحب سے تھی اور مثالِ خلافت حضرت اچھے صاحب و حضرت ستھرے صاحب قدس سرہما سے اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی سے پائی تھی۔ ۱۲۵۲ھ میں بعد وصال حضرت ستھرے میاں صاحب کے بروز چہلم حضرت شاہ آل رسول صاحب مسندِ خلافت برکاتیہ پر رونق افروز ہوئے اور حضرت اچھے میاں صاحب کے سلسلۂ بیعت کو جاری فرمایا اور ہزارہا اشخاص آپ کے دست حق پرست پر داخل سلسلۂ قادریہ برکاتیہ ہوئے۔'' (برکاتِ مارہرہ، مطبع نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء، ص: ۹۳)۔

تاریخ خاندان برکات اور حیات آل رسول میں درج ہے کہ اس موقع سے پہلی نذر حضرت مولانا شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی قدس سرہ نے پیش کی اور وہ بہت سے افراد جن کو حضرت خاتم الاکابر ہی سے بیعت کی تمنا تھی، اس موقع پہ ان کی برسوں کی تمنا پوری ہوئی، انھوں نے پورے ذوق اور وارفتگی کے ساتھ ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دیا اور ان کی غلامی قبول کی۔

ایک شبہے کا ازالہ:

برکاتِ مارہرہ کے مصنف مولانا طفیل احمد بدایونی کی تحریر کا ایک اقتباس خلافت کے باب میں گزرا کہ حضرت اچھے میاں علیہ الرحمہ نے حضرت خاتم الاکابر کو جہاں خاندانی سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی وہیں اپنا جانشین بھی منتخب فرمایا اور مسند نشین ہونے کا حکم دیا اور ماقبل کی سطور میں یہ لکھتے ہیں کہ حضرت اچھے میاں کی وفات ظاہری کے بعد ان کے بھائی حضرت ستھرے میاں مسندِ خلافتِ برکاتیہ پر رونق افروز ہوئے۔ بہ ظاہر ان دونوں بیانات میں تضاد نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا بالکل بھی نہیں ہے، حضرت خاتم الاکابر کے سوانح نگار مفتی محمود احمد رفاقتی اشرفی اس تعارض کو یوں رفع کرتے ہیں:

''دونوں روایت میں کوئی تعارض نہیں ہے، سجادۂ برکاتیہ آثار وتبرکات اور معافیات برادرِ اصغر حضرت شاہ آل برکات ستھرے میاں کو عطا فرمایا اور اپنی روحانی جانشینی ان کے

صاحب زادہ اور اپنے برادر زادہ صاحب تذکرہ حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کو تفویض فرمائی۔'' (حیات شاہ آل رسول، مطبوعہ: بزم اشرفی رفاقتی، مظفر پور، ۱۹۹۵ء، ص: ۵۰)۔

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کی محبوبیت:

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ نے دادا سید شاہ حمزہ عینی، عم مکرم و مرشد سید شاہ اچھے میاں اور والد ماجد سید شاہ ستھرے میاں علیہم الرحمہ کے علمی وروحانی تجلیات وبرکات کا وافر حصہ قبول کیا اور پوری آن بان شان کے ساتھ مسند رشد وہدایت پر متمکن ہوئے اور تاحیات یہ سلسلہ قائم رکھا، پوری زندگی مخلوق خدا کی دست گیری، طالبان رشد وسلوک کی رہنمائی، تشنگان علوم کی سیرابی اور خاندانی سلسلے کے فروغ میں گزار دی۔ رسم سجادگی کی تکمیل کے بعد بعض وہ معتقدین جو صرف انھیں سے بیعت کے متمنی تھے، ان لوگوں نے حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حاضرین علما واساطین علم، مشائخ طریقت نے نذریں دلوائیں۔

حضرت خاتم الاکابر کے زمانۂ سجادگی میں خانوادۂ برکاتیہ کی سرکار کلاں اور سرکار خورد میں باکمال مشائخ کرام اور اعاظم زمانہ موجود تھے اور ایک خلقت کثیر ان سے فیض یاب ہو رہی تھی، اس کے باوجود حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے جو انفرادی مقبولیت ومحبوبیت تامہ کاملہ عطا فرمائی وہ بہت بڑی نوازش وعطا ہے۔ خاتم الاکابر کے سوانح نگار مفتی محمود احمد رفاقتی لکھتے ہیں:

''راقم سطور نے حضرت خاتم الاکابر کی مرجعیت و مرکزیت کی تلاش وجستجو میں معلوم کرنا چاہا کہ خاص خاندان برکاتیہ کے کتنے افراد آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، اس رخ سے دیکھا تو ایک بڑی تعداد اکابر علم وعرفان کی ملی جن کو حضرت سے بیعت کا شرف، تلمذ کی نعمت اور خلافت کی سند حاصل تھی۔ اور یہ آپ کی محبوبیت اور شان وکمال کی دلیل تھی کہ سب نے آپ کو اپنا بزرگ ومربی اور ولی نعمت اور مرشد طریقت مانا اور آپ سے معرفت ویقین کا سبق حاصل کیا۔ آپ کو محبوبی کی شان حضرت قطب الاقطاب شمس العارفین علیہ الرحمہ سے ملی تھی اور آپ کی رفیع ذات گرامی سے ان کی جانشینی کا صرف حق ہی

ادا نہ ہوا، بلکہ آپ کے وابستگان دامنِ دولت نے آپ کے سلسلہ عالیہ کو عرب وعجم میں جاری کیا، حضرت خاتم الاکابر نے حضرت قطب الاقطاب کی جانشینی اور سجادہ برکاتیہ دونوں کو رونق اور زینت بخشی۔'' [حیات آل رسول مارہروی، مظفر پور، ۱۹۹۵ء، ص:۹۰، ۹۱]

حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ اعلیٰ درجہ متواضع، بردبار اور عفو ودرگزر کی خوبیوں سے متصف تھے، ان کی بے پناہ مقبولیت میں ان امور کو بھی کافی دخل تھا، ان کی کسرِ نفسی اور اخفائے راز کی خوبی اس پر مستزاد ہے۔

خانقاہی نظام کی تجدید:

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ نے مسندِ ارشاد پر متمکن ہوتے ہی خانقاہ کی تجدید اور خاندان کے شہزادگان کی تعلیم وتدریس کا انتظام فرمایا، بزرگوں کے اعراس کے لیے کمیٹی تشکیل دی، زائرین کے قیام کے لیے حجرے تعمیر کرائے، درگاہ شریف کی مسجد میں امام و موذن کا تقرر فرمایا، مشائخ کرام کے اعراس کو باضابطہ محافل وعظ ونصیحت اور مجالس ارشاد میں تبدیل کر دیا۔ مفتی محمود احمد رفاقتی ان امور کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ کے مبارک دور میں عرسوں کی رونق علمائے کرام کے مواعظ اور نعت و منقبت اور تلاوت کلام پاک اور دلائل الخیرات شریف کے ختم اور قصیدہ بردہ شریف اور حلقہ ہائے ذکر جہر سے تھی۔ مجلس وعظ ومیلاد شریف میں ہر عامی کو بیان ووعظ کی اجازت نہ تھی۔ مستند اور متدین علمائے کرام ہی مسند وعظ پر بٹھائے جاتے، وعظ کا شرف ایک زمانہ میں حضرت مولانا شاہ سلامت اللہ کشفی محدث اور حضرت سیف اللہ المسلول شاہ معین الحق فضل رسول قدس سرہما کو حاصل تھا۔ حضرت مولانا شاہ محمد عادل محدث کان پوری اور حضرت تاج الفحول مولانا شاہ محبّ رسول عبدالقادر بدایونی اور ان کے ممتاز تلامذہ علمائے کرام کا خاص بیان ہوتا۔ حضرت سیدنا خاتم الاکابر علیہ الرحمہ خود بھی مجلس مبارک میں تشریف لاکر وعظ سماعت فرماتے۔ آخر زمانہ میں ان مبارک محفلوں کی نگرانی حضرت اقدس تاج الفحول کے سپرد فرمادی تھی، وہی اس کے نگراں ومنتظم تھے اور اس نعمت دولت وشرف سے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت فاضل بریلوی کو بھی حصہ حاصل ہوتا تھا۔'' (حیات آل رسول مارہروی، مظفر پور، ۱۹۹۵ء، ص:۹۳)۔

خانقاہ برکاتیہ کے سجادگان آج بھی اسی روش پر گامزن ہیں، راقم سطور کا مشاہدہ ہے کہ سالانہ عرس قاسمی کی پہلی شب کی محفل میلاد میں علما ومیلاد خواں حضرات اسٹیج پر موجود ہوتے ہیں اور خاندانی بزرگ نیچے زمین پر مجمع میں جلوہ افروز رہتے ہیں، ان حضرات کی یہ علما نوازی ایک مثال ہے، جو دیگر اعراس میں بھی نظر آتی ہے۔

دانش گاہ کا قیام اور علما کا تقرر:

خانقاہ برکاتیہ میں کوئی دور ایسا نہیں گزرا ہے کہ تبحر علما راہِ سلوک کی مسافرت کی غرض سے وہاں موجود ومقیم نہ رہے ہوں، خود مشائخ برکاتیہ میں ایک سے بڑھ ایک جید عالم، فاضل، ماہر علوم عقلیہ ونقلیہ تھے اور تدریسی امور بھی انجام دیتے تھے۔ حضرت خاتم الاکابر نے اپنی سجادگی کے عہد میں خانقاہ کے اندر باقاعدہ ایک مدرسہ قائم فرمایا اور ان میں تدریسی خدمات پر جید اساطین علم و ماہرین تدریس کا تقرر کیا اور خاندان کے لوگوں اور باشندگان مارہرہ کو علم دین کی تحصیل کی رغبت دلائی۔ ''حیات آل رسول'' کے مصنف نے ان اساتذہ علما کے نام بھی شمار کرائے ہیں جو اس وقت اس خانقاہی مدرسہ میں تدریس کا فریضہ نبھا رہے تھے۔ ان میں حضرت مولانا محمد سعید بدایونی، حضرت مولانا نور احمد بدایونی، حضرت مولانا فضل اللہ جالیسری، حضرت مولانا تراب علی امروہوی، مولانا محمد حسین شاہ ولایتی، مولانا محمد حسین بخاری کشمیری، میاں جی رحمت اللہ مارہروی اور مولانا محبّ احمد بدایونی نمایاں ہیں۔

قاضی غلام شبر قادری بدایونی لکھتے ہیں:

''عالم، حافظ، قاری، طبیب، معلم، فقرا درگاہ شریف میں معین کیے، ایک محاسب مقرر کیا جو تمام حسابات درگاہ شریف رکھے۔ خدام آستانہ کی خدمات مقرر فرمائیں، مسجد میں امام وموذن ملازم رکھا، سابقاً اکثر خدمات درگاہ وخانقاہ ومسجد مریدین وخلفا کے سپرد تھیں جو عقیدۃً بلا معاوضہ کرتے تھے۔ غرض درگاہ ومسجد وخانقاہ کی آبادی، زائرین ومتوسلین کی مہمان داری، اعراس کا اہتمام سب حضور فرماتے۔ وہ نذرانہ جو حضور نے درگاہ کے واسطے مہتمان پر مقرر فرمایا تھا سوائے آپ کے کسی دوسرے شریک نے پورا وقت پر ادا نہیں کیا۔'' (تذکرہ نوری، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، مئی ۲۰۱۳ء، ص:۱۰۷)۔

تعلیمی افکار:

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کے نزدیک علم دین، ارشاد کی پہلی منزل ہے، کہ اسی کے ذریعہ شرعی احکام سے بندہ واقف ہوتا ہے، اسے قرآن وحدیث فہمی کا شعور حاصل ہوتا ہے، اس کے اعتقادی نظریات اور عملی کردار کو شفافیت ملتی ہے، اسی لیے حضرت تعلیم وتعلم کے تئیں کافی سنجیدہ تھے اور تعلیم وتدریس کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ان کے تعلیمی افکار کے ثبوت میں ان کا وہ ملفوظ پیش کیا سکتا ہے جسے نور العارفین حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسن نوری میاں علیہ الرحمہ نے سراج العوارف میں نقل فرمایا ہے:

’’کتاب وسنت سے اپنی ضرورت بھر علم دین حاصل کرنے کی پوری کوشش کریں اور اس کام کو سب کاموں پر مقدم رکھیں، اس کے بعد ہی طریقہ باطنی میں قدم رکھیں، کیوں کہ جاہل صوفی اور بے علم عابد شیطان کا مسخرہ اور بالکل نکما ہے اور نا قابل قبول ہے۔ اس کے علاوہ درجوں میں ترقی، عروج کی بلندی اور باریکیوں کی سمجھ جو عالم کو اس راہ میں حاصل ہوتی ہے، جاہل کے لیے اس میں حصہ نہیں، وہ تجلیاں اور گہری باتوں کی سمجھ، جو علم رکھنے والے سالک کو آسانی سے حاصل ہوتی ہیں بے علم کا ان میں کیا حصہ ہے؟ ہاں اگر اللہ تعالیٰ چاہے، ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے نوازے اور اونچے مرتبے پر پہنچائے اور علم والے سے بھی مرتبہ بڑھا دے، یہ ناممکن تو نہیں ہے، لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے، بلکہ شاذ ونادر والنادر کالمعدوم۔ **اللھم ارزقنی علماً نافعاً و فہماً کاملاً و عرفاناً تاماً ولاتھلکنی بالجھالة و الغفلة ، انک رب عالم و انا جاھل غافل ، برحمتک یا ارحم الراحمین** (اے اللہ! مجھے فائدہ دینے والا علم اور پوری سمجھ اور عرفان تام عطا فرما اور جہالت و غفلت کی ہلاکت سے بچا، بے شک تو رب ہے آگاہ، اور میں بندہ غافل وجاہل ہوں، سب رحم فرمانے والے سے زیادہ رحم فرمانے والے اپنی رحمت سے میری یہ دعا قبول فرما)۔‘‘ (فارسی سے ترجمہ-سراج العوارف فی الوصایا والمعارف، نسخہ فارسی، مطبوعہ: بدایوں، ص: ۷، ۸)۔

حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ تا حیات عالمانہ روش اور فاضلانہ وقار پر گامزن رہے

اور اسلاف کرام کے نقوش پر چل کر دینی تعلیم وفکری آگہی سے دنیا کو روشناس کراتے رہے۔

مطالعہ کتب کا شوق اور درسِ حدیث:

چوں کہ انھوں نے وقت کے ماہرین فقہ وحدیث سے اکتساب علم کیا تھا، علوم شرعیہ وعقلیہ میں انھیں کمال حاصل تھا، باوجود اس کے وہ کثیر المطالعہ اور وسیع الاخلاص تھے، علوم اسلامیہ پر مشتمل کتب ورسائل ان کے مطالعہ میں رہا کرتے تھے۔ ضرورت پڑنے پر سادہ ورق یا حاشیہ میں فوائد بھی لکھتے رہتے تھے۔ اکابر خاندان کے طریقہ کی پابندی کرتے ہوئے حدیث وتفسیر کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ بطور خاص شمس العارفین حضرت اچھے میاں اور سراج السالکین حضرت ستھرے میاں کی حیات ظاہری میں ان دونوں امور کی جانب کافی توجہ رہی، درس حدیث کا سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا۔ طب کا بھی درس دیا کرتے تھے۔ حضرت نوری میاں علیہ الرحمہ بیان فرماتے ہیں کہ بعد نماز ظہر حدیث وتفسیر کی کتابوں کی تدریس ہمارے خاندان کے اکابر کا معمول رہا۔

قاضی غلام شبر قادری رقم طراز ہیں:

’’حضور اپنے اسلاف کے خلف، جامع شریعت وطریقت تھے اور تمام کارم اخلاق سے متصف تھے۔ درس حدیث شریف سے خاص انس تھا۔ یہ بھی شان کسر نفسی تھی کہ کسی فن میں تصنیف کا قصد نہیں فرمایا، جب کبھی عرض کیا گیا، ارشاد فرماتے: ’’متقدمین نے کیا بات چھوڑی ہے خواہ مخواہ مصنف بننا کیا ضروری ہے؟‘‘۔ (تذکرہ نوری، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، مئی ۲۰۱۳ء، ص: ۱۱۵)۔

خلفائے کرام:

حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ نے اہل خاندان اور دیگر نادرِ روزگار طالبان حق، علما، مشائخ کو اپنی خلافتوں، اجازتوں سے بھی نوازا، جن کی فہرست درج ذیل ہے:

(۱) حضرت سید شاہ ظہور حسن مارہروی [فرزند] (۲) حضرت سید شاہ ظہور حسین مارہروی [فرزند]، (۳) حضرت سید شاہ مہدی حسن مارہروی [نبیرہ]، (۴) حضرت سید

شاہ ابوالحسین نوری مارہروی [نبیرہ]، (۵) حضرت سید شاہ ابوالحسن علی خرقانی [نبیرہ]، (۶) حضرت سید شاہ محمد صادق [برادرزادہ]، (۷) حضرت سید شاہ امیر حیدر [ہمشیرزادہ حضور]، (۸) حضرت سید شاہ علی حسین ابن سید ابوالحسن خرقانی، (۹) حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں [صاحب عرس قاسمی]، (۱۰) حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم [برادر خورد]، (۱۱) حضرت سید شاہ نور المصطفیٰ ابن سید امیر عالم، (۱۲) حضرت سید شاہ محمد جعفر ابن سید محمد جعفر، (۱۳) حضرت سید شاہ عسکری ابن سید محمد جعفر، (۱۴) حضرت مولانا نقی علی خان بریلوی، (۱۵) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی، (۱۶) حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی، (۱۷) حضرت قاضی عبدالسلام عباسی، (۱۸) حضرت شاہ احسان اللہ بدایونی، (۱۹) حضرت شکر اللہ خان بدایونی، (۲۰) حضرت حافظ محمد احمد بدایونی، (۲۱) حضرت حاجی فضل رزاق بدایونی، (۲۲) حضرت حافظ مظہر حسین بدایونی، (۲۳) حضرت حافظ مجاہد الدین بدایونی، (۲۴) حضرت مفتی محمد شرف علی بدایونی، (۲۵) حضرت شیخ منور علی، (۲۶) حضرت مفتی محمد حسن خان بریلوی، (۲۷) حضرت سید شاہ تجمل حسین قادری شاہ جہاں پوری، (۲۸) حضرت مولانا صوفی عبدالرحمٰن، (۲۹) حضرت قاضی شمس الاسلام عباسی بدایونی، (۳۰) حضرت مولوی ضیاء اللہ عباسی بدایونی ثم بریلوی، (۳۱) حضرت مولانا برکات احمد آل رسولی، (۳۲) حضرت مولانا علی حسین مرادآبادی [رضوان اللہ علیہم اجمعین] (تذکرہ مشائخ قادریہ، ص: ۴۱۰، ۴۱۱/ حیات آل رسول، ص: ۱۸۰/ اہل سنت کی آواز، ۲۰۱۱ء، ص: ۱۲۱، ۱۲۲)۔

تصنیف وتالیف:

آپ کو تصنیف وتالیف سے کوئی خاص دل چسپی نہ تھی، اس لیے دو مختصر تالیفات کے علاوہ کسی اور کتاب کا نام نہیں ملتا، جن دو رسائل کا نام برکاتی دارالاشاعت مارہرہ مطہرہ کی پشت پہ شائع شدہ فہرست میں موجود ہے وہ یہ ہیں: (۱)- خطبۂ جمعہ (۲)- مختصر تاریخ۔ ان کے علاوہ چند گراں بہا ملفوظات کریمہ ہیں جو اپنے اندر معرفت وحقیقت کا لعل وگوہر رکھتے ہیں۔

مفتی محمود احمد رفاقتی لکھتے ہیں:

''بارگاہ رسالت کی حاضری اور صحابہ کرام کے معنوی انوار فیضان سے آپ اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتے رہے، مطالعہ کتب کے درمیان اوراق پر یا حاشیہ فوائد بھی قلم بند فرماتے لیکن تصنیف کی طرف توجہ نہ تھی، گرچہ آپ کے اکابر اور بزرگان خاندان برکاتی صاحب تصنیف وتالیف تھے، مخصوص خدام جب کبھی عرض کرتے، حضور! کچھ کتابیں تصنیف فرمادیں، جواب ہوتا: ''بزرگوں کا سرمایۂ علمی ہر فن میں موجود ہوتے ہوئے مزید لکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، اسی پر عمل کیا جائے، بس وہی کافی ہے۔'' حضرت تاج الاولیاء کی صرف ایک تصنیف ہے اور ایک بیاضِ خاص جس میں فوائد حدیث اور اسرار اور تصوف وسلوک کے حقائق ہیں۔'' (ت آل رسول، مظفر پور، ۱۹۹۵ء، ص: ۱۱۸)۔

ڈاکٹر ارشاد احمد ساحل شہ سرامی لکھتے ہیں:

''حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ اپنی اس قدر جامعیت اور بے پناہ باطنی اور ظاہری صلاحیتوں کے باوجود بہت ہی متواضع اور منکسر المزاج تھے، حتیٰ کہ نماز میں امامت کے بجائے دوسروں کی اقتدا پسند تھی۔ حالات وواقعات کے اخفا میں سلف کی یادگار اور والد ماجد کے سچے جانشین تھے۔ اسی لیے آپ کو تصنیف وتالیف سے کوئی دل چسپی نہ تھی، حتیٰ کہ وصیت نامہ لکھوانا بھی گوارا نہ فرمایا۔ اخیر وقت جب لوگوں کا اصرار بہت بڑھا تو بس اتنا ہی فرمایا: ''مجبور کرتے ہو تو لکھ لو، یہ ہمارا وصیت نامہ ہے: ''اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول''، بس یہی کافی ہے اور اسی میں دین ودنیا کی فلاح ہے۔'' (اہل سنت کی آواز، اکتوبر ۱۹۹۹ء، شمارہ: ۶، ص ۱۶۸)۔

روحانی توانائی:

اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ کو بے پناہ علمی وروحانی خزانہ ودیعت فرمایا تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی حیات مبارکہ میں بہت سے خارق عادات امور نظر آتے ہیں اور سوانح نگاروں نے آپ کے کشف وکرامات کو ایک مستقل باب میں ذکر کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ آپ کو ظاہری طور پر کبھی زیارت حرمین شریفین کا شرف نہیں ملا، لیکن باطنی طور پر آپ ان مقدس مقامات سے شرف یاب ہوتے نظر آتے ہیں۔ برکات مارہرہ کے مصنف مولانا طفیل احمد بدایونی تحریر کرتے ہیں:

"سب جانتے ہیں کہ حضرت مرشدی سیدنا شاہ آل رسول صاحب قدس روحہ کو ظاہری طور پر کبھی حج بیت اللہ و زیارت مدینہ منورہ کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن اس کا پتہ چلتا ہے کہ آپ باطنی طور پر بہ زور ولایت ان مقامات مقدسہ کو تشریف لے جاتے تھے اور ہندستان کے علاوہ حضرت صاحب قدس روحہ کے مرید و خلیفہ ان مقامات متبرکہ میں بھی تھے۔" (برکات مارہرہ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ص:۹۶)

اس تصریح کے بعد مولانا طفیل بدایونی نے حضرت ذاکر بدایونی کا تحریر کردہ ایک منظوم واقعہ ذکر کیا ہے جو انھیں تصرفات کو اجاگر کرتا ہے اور حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ کے مقام روحانی کی بلندی کا اشارہ دیتا ہے۔

مولانا عبد المجتبیٰ رضوی لکھتے ہیں:

"منقول ہے کہ حاجی رضا خان صاحب مارہروی نے حج سے فارغ ہوکر مولانا محمد اسماعیل صاحب مہاجر سے بیعت کرنے کی پیش کش کی، مولانا موصوف نے فرمایا: تم نے حضرت شاہ آل رسول صاحب مارہروی قدس سرہ سے ہی بیعت کیوں نہ کرلی، وہ اب تک ہمارے ساتھ تھے، یہاں تک کہ حاجی صاحب موصوف مارہرہ شریف جب لوٹے تو حضرت کے سامنے اس واقعہ کا ذکر کیا، حضرت نے ارشاد فرمایا: میاں! انھیں شبہہ ہوا ہوگا، میں تو اب تک خانقاہ شریف کی سجادگی چھوڑ کر کہیں گیا ہی نہیں۔" (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، اکبر بک سیلر، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۴۰۸)۔

مولانا عبد المجتبیٰ رضوی اسی طرح ایک واقعہ اور بیان کرتے ہیں:

"منقول ہے کہ بدایوں کے ایک صاحب جو آپ کے مرید خاص تھے، وہ ایک مرتبہ سوچنے لگے کہ معراج شریف چند لمحوں میں کس طرح ہوگئی؟ آپ اس وقت وضو فرما رہے تھے اور فوراً اس سے کہا: میاں! اندر سے ذرا تولیہ تو لاؤ، موصوف جب اندر گئے تو ایک کھڑکی نظر آئی، اس جانب نگاہ دوڑائی تو دیکھتے کیا ہیں کہ پرفضا باغ ہے یہاں تک کہ اس میں سیر کرتے ہوئے ایک عظیم الشان شہر میں پہنچ گئے، وہاں انھوں نے کاروبار شروع کردیا، شادی بھی کی، اولاد بھی ہوئے، یہاں تک کہ بیس سال کا عرصہ گزر گیا۔ جب یک بیک حضرت نے آواز دی تو

وہ گھبرا کر کھڑکی میں آئے اور تولیہ لیے ہوئے دوڑے تو دیکھتے کیا ہیں کہ ابھی وضو کے قطرات حضرت کے چہرہ مبارکہ پر موجود ہیں اور آپ بیٹھے ہوئے ہیں اور دست مبارک بھی تر ہے۔ وہ انتہائی حیران و ششدر ہوئے تو حضرت نے تبسم آمیز لہجے میں فرمایا، میاں! وہاں بیس برس رہے اور شادی بھی کی اور یہاں ابھی تک وضو خشک نہیں ہوا، اب تو معراج کی حقیقت کو سمجھ گئے ہوگے۔" (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، اکبر بک سیلر، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۴۰۸)۔

حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ اخفائے حال کی خوبی رکھتے تھے اور متوسلین کو بھی کمالات و کرامات کے اخفا کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ کاروبار عالم میں قدرت و تصرف کا غیر معمولی اختیار بھی رکھتے تھے۔ حضرت کے خادم خاص حضرت ظہور اللہ شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی ایک روایت ملاحظہ کرلیں، اندازہ ہوجائے گا۔ "حیات آل رسول" میں ہے:

"جاڑوں کی راتوں میں یہ دیکھا کہ حضور آرام کرنے میں مصروف ہیں اور خادم خدمت گزاری میں، اسی عالم میں حضور پلنگ سے غائب ہوگئے، کنڈی کھلی نہیں، دروازہ کھلا نہیں، جانے آنے میں پائے مبارک کی چاپ سنائی نہیں دی، یہ کیفیت دیکھتا تو حیران رہ جاتا اور اسی حیرانی کے عالم میں بے خود اٹھ کر حضرت کو ادھر ادھر تلاش کرتا مگر نہ پاتا، تھوڑی دیر میں حضور موجود، عرض کرتا: حضور! کہاں تشریف لے گئے تھے؟ فرماتے: میاں! تم کو نیند آگئی ہوگی، یہاں خیال آگیا ہوگا کہ میں غائب ہوگیا، جب میں اصرار کرتا تو آپ خاموش ہوکر دوسری باتوں کا ذکر چھیڑ دیتے، مگر ان احوال سے باخبر نہ فرماتے۔" (حیات آل رسول، مظفر پور، ۱۹۹۵ء، ص:۱۰۲)۔

حیات آل رسول اور برکات مارہرہ میں بھی اس جیسے کئی واقعات درج ہیں جو حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ کے روحانی مکاشفات پر روشنی ڈالتے ہیں جن سے ان کی باطنی طاقت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ آپ کے ممتاز مرید و خلیفہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ نے بزبان فارسی آپ کے فضائل میں ۱۴۲/اشعار قلم بند فرمائے ہیں، چند اشعار پیش خدمت ہیں:

خوشا دلے کہ دہندش ولائے آل رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آل رسول

خبر دہد ز تگ لا الٰــہ الا اللّٰــہ
فنائے آل رسول و بقائے آل رسول

قبائے شہ بہ گلیم سیاہ خود نخرد
سیہ گلیم نباشد گدائے آل رسول

اگر مثال خلافت دہد فقیرے را
عجب مدار ز فیض و سخائے آل رسول

مرا زِ نسبت ملک است امید نکہ بہ حشر
ندا کنند بیا اے رضائے آل رسول

(امام احمد رضا، حدائق بخشش، ص:۱۳۰)

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمہ کی مارہرہ حاضری اور شرف بیعت وخلافت کے حصول کا واقعہ بھی کم دل چسپ نہیں، اس کا مطالعہ بھی بہت سے بند گرہیں کھولتا ہے۔ ''سیرت اعلیٰ حضرت'' میں مولانا حسنین رضا بریلوی نے تحریر فرمایا ہے:

''ایک دن دوپہر کو اعلیٰ حضرت قبلہ روتے روتے سو گئے، خواب میں اپنے دادا جان حضرت مولانا شاہ رضا علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور فرمایا: وہ شخص عن قریب آنے والا ہے جو تمھارے اس درد کی دوا کرے گا، چناں چہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے دن تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی علیہ الرحمہ تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے جا کر حضرت شاہ آل رسول قدس سرہ سے مرید کرا دیا، حضرت خاتم الاکابر قدس سرہ نے اعلیٰ حضرت کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے: ''آیئے، ہم تو کئی دن سے آپ کے انتظار میں تھے۔'' [سیرت اعلیٰ حضرت]

اقوال وملفوظات:

بلند قامت نابغہ روزگار شخصیات کی زبان فیض ترجمان سے نکلنے والے مختصر اقوال وملفوظات ''سمندر در کوزہ'' کے مصداق ہوتے ہیں، بظاہر چھوٹے چھوٹے جملوں میں ایک

جہان معنی پوشیدہ ہوتا ہے۔ حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ نے بھی مختلف نشستوں میں جو باتیں ارشاد فرمائیں، متلاشیان معرفت اور شائقین جواہر علوم نے ان خزانوں کی حفاظت فرمائی ہے، ان کے ممتاز اور سب سے چہیتے خلیفہ حضرت مولانا سید شاہ ابوالحسین نوری میاں علیہ الرحمہ نے سراج العوارف میں ان کا ذکر فرمایا ہے، اور بھی چند کتابوں میں ان کا ذکر ملتا ہے، حضرت مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی نے بھی اپنی کتاب تاریخ مشائخ قادریہ رضویہ میں چند ملفوظات ذکر فرمائے ہیں:

(۱) راہِ سلوک میں ادب ومحبت اور ترک رعونت ایک لازمی امر ہے۔

(۲) علما وفقرا اور مساکین کی تعظیم پوری سعی سے کرتے رہو اور جو کچھ بھی میسر ہو پوری تواضع کے ساتھ سامنے رکھ دو، قبول کر لیں تو بہتر، نہ کریں تو تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔

(۳) نیاز وفاتحہ میں ہر گز تکلف نہ برتیں کہ شرع میں تکلف روا نہیں اور صرف سوا پاؤ بتاشوں پر فاتحہ دلانے پر اکتفا کریں۔

(۴) درویش کا ظاہر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مانند ہونا چاہیے اور باطن حضرت حسین بن منصور حلاج رضی اللہ عنہ جیسا ہونا چاہیے۔

(۵) ہر حالت میں دل بلند وقوی اور امید صادق رکھنی چاہیے تا کہ ظہورِ دولت اس جگہ ہو جہاں عقلا کی عقلوں کی بھی رسائی نہ ہو۔ (تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، اکبر بک سیلر، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۴۱۱)

وصال:

۱۸/ ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ بروز چہار شنبہ کو معرفت وحقیقت کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ حضرت سید شاہ محمد صادق قدس سرہ نے آیہ کریمہ ''عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً'' (۱۲۹۶ھ) سے مادۂ تاریخ برآمد کیا ہے۔ مزار مبارک مشرقی دالان درگاہ گنبد حضور صاحب البرکات میں بالیں مزار حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ مرجع خلائق ہے۔ راقم الحروف کو کئی بار مارہرہ مقدسہ حاضری میں مزار مبارک کی زیارت اور فاتحہ خوانی کا شرف ملا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ

مفتی محمد سلیم بریلوی
استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی شریف

اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرح سے اس دنیا میں جب ہمارے نبی ﷺ اسلام کی عظیم نعمت لے کر تشریف لائے تو اس عظیم ذمہ داری کی انجام دہی کے لئے آپ نے صحابہ کرام کی مقدس جماعت کو ان تمام خوبیوں سے بحسن وخوبی اور بوجہ کمال مزین وآراستہ فرمایا کہ جن خوبیوں کی وجہ سے اس ''امانت ربانی'' کو یہ مقدس جماعت دنیا کے خطہ خطہ تک پہونچانے کے لائق وصالح بن جائے۔ امور تبلیغیہ کی تبلیغ وترسیل، عقائد اسلامیہ کی ترویج واشاعت، شریعت اسلامیہ کی بالا دستی کے قیام، احکام الٰہیہ کے نفاذ اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے صحابۂ کرام کی یہ مقدس جماعت مکمل جانثاری کے ساتھ اپنے آقا کی نیابت میں شب وروز جد وجہد کرے۔ ہر آن، ہر لمحہ، ہر جگہ اور ہر موقع پر اپنے آقا کا ساتھ دے، ان پر پروانہ وار ساتھ دینے کا جذبہ رکھے۔ چنانچہ حقیقت میں ہوا بھی یہی کہ صحابہ کرام کی اس عظیم جماعت نے آقا ﷺ کی نیابت کا حق ادا کرتے ہوئے منشائے الٰہی اور منشائے رسول کے مطابق دین کی مثالی اور ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد انہوں نے نہ صرف یہ کہ اسلام اور پیغام اسلام کی حفاظت وپاسبانی اور اس کی تبلیغ وترسیل کی بلکہ اپنے بعد والوں کو بھی اس مشن کے فروغ اور اس تحریک کو زندہ رکھنے اور ہر طرح کے باطل فتنوں کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کے لئے تیار بھی کیا اور افراد سازی کا فریضہ بھی بحسن وخوبی انجام دیا۔

احادیث کریمہ کو روایت کرنے والے مخصوص صحابہ کرام نے بھی اپنے کچھ مصاحبین تیار کئے کہ جنہوں نے ان کی مرویات کو دوسروں تک پہنچانے کی ذمہ داری اپنے کاندھوں پر اٹھائی۔ جیسے حضرت عبد اللہ ابن مسعود کے مصاحب خاص حضرت علقمہ وغیرہ، حضرت عبد اللہ ابن عباس کے مصاحب حضرت امام مجاہد اور حضرت امام ضحاک اور حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مصاحب خاص حضرت نافع وغیرہ۔ ان جیسی شخصیات نے صحابہ کرام کی نیابت میں آقا کریم ﷺ کی احادیث کریمہ کو دنیا والوں تک پہنچانے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

خلافتِ فقہیہ:

صحابۂ کرام کے بعد تابعین اور تابعین کے بعد تبع تابعین کی مبارک جماعتوں نے اپنے اپنے دور میں آقا کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی اس نیابت وخلافت کا بجا طور پر حق ادا فرمایا۔ ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے دور میں اپنے مصاحبین کے ذریعہ امت مسلمہ کی دینی وشرعی ذمہ داریوں کی انجام دہی فرمائی۔ ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے کچھ مخصوص مصاحبین تھے جنہوں نے اپنے اپنے اماموں کے فقہی مذہب کی تبلیغ وترسیل اور ان کی حفاظت وصیانت میں خوب جانفشانی کی۔ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب حنفی کی ترویج واشاعت کی ذمہ داریاں جن مصاحبین نے بحسن وخوبی انجام دیں ان میں سے حضرت امام ابی یوسف، حضرت امام محمد اور حضرت امام زفر جیسی شخصیات مشہور ومعروف ہیں۔

خلافتِ طریقت اور اس کا پس منظر:

بغداد میں خلافت عباسیہ پر جب زوال کے بادل منڈرانے لگے اور دین کے نام پر نت نئے فتنے جنم لینے لگے، مذہب اسلام کی آبیاری اور اس کی ترویج واشاعت میں اسلامی حکومت وخلافت از کار رفتہ اور غیر مؤثر ثابت ہونے لگیں، علوم اسلامیہ کے نام پر دنیاداری اور مال ودولت کے حریص علمائے سوء نے دین ومذہب کی خالص اسلامی تعلیمات میں باطل کی آمیزش کرنا شروع کردی تو ایسے میں

اللہ رب العزت کے مخلص، بے لوث اہل دل اور صاحب نظر افراد کی ایک مقدس جماعت نئے عزم، پاکیزہ جذبے اور مقدس مقصد کے ساتھ دینی و مذہبی خدمات کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی کہ جسے بعد میں ’’صوفیائے کرام‘‘ کے نام سے جانا گیا۔ اس جماعت نے دنیا کے ہنگاموں سے دور رہ کر، گوشۂ تنہائی میں اقامت گزیں ہوکر خلق خدا کے قلب و ذہن میں جاگزیں ہونے والی باطل افکار ونظریات کی آلودگیوں سے ان کے قلوب واذہان کے تزکیہ وتطہیر اور اسلامی تعلیمات پر باطل افکار ونظریات کی جمی ہوئی تہوں کو صاف کر کے علم کو ’’نورِ علم‘‘ سے مزین وآراستہ کرنے کے لئے ’’خانقاہی نظام‘‘ اور ’’طریقۂ تصوف‘‘ کی بنیاد وطرح ڈالی۔ یہی وہ عظیم مقصد، ہدف، مقصود، مطلوب اور تحریک ومشن تھا کہ جس کے لئے انہوں نے اپنی ہستیوں کو مٹا کر اور اپنے وجود کو فنا کر کے خلق خدا کو معرفت الٰہی کا درس دیا۔ عطیات ربانی سے انہیں مزین کیا۔ اللہ ورسول کی تعلیمات سے انہیں قریب کیا۔ دنیا کی آلودگیوں میں گھر جانے والے علم کو ان آلودگیوں سے پاک وصاف کر کے اسے ’’نورعلم‘‘ کی صورت میں ڈھال کر اللہ کے بندوں کو اس کی لازوال برکتوں سے ازسرنو آشنا کیا۔ مجاہدہ کرا کر، ریاضتیں کروا کر، چلہ کشی کی مشقت خیز وادیوں سے گزار کر، معرفت و سلوک کے جام پلا کر، نفس کشی کی بھٹی میں تپا کر انہیں ’’کندن‘‘ بنانے کی جگہ جگہ مبارک ومقدس تحریکیں چلائیں۔ خود بھی اس مشن کی تکمیل کے لئے جدوجہد کی۔ اس عظیم تحریک کو زندہ رکھنے، اسے مفید وموثر بنانے، اس کے پیغامات اور اس کی تعلیمات کو عام سے عام تر کرنے کے لئے ان حضرات نے اپنے ’’خلفائے طریقت‘‘ کا ایک ایسا زریں سلسلہ قائم کیا کہ جس کا ایک سرا رسول اکرم ﷺ سے متصل ہوتا تو دوسرا متعدد واسطوں سے ہو کر ان خلفاء تک پہنچتا۔ مبارک ومسعود ہستیوں، عظیم وبے مثال نفوس قدسیہ اور بافیض شخصیات کی انہیں مضبوط کڑیوں کے باہمی اور اٹوٹ رشتۂ اتصال کا نام ہی ’’سلسلہ‘‘ ہے اور اسی کو ’’سلسلۂ طریقت‘‘ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ نقشبندیہ جیسے سلاسل طریقت اسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے معرض وجود میں آئے۔ ان تمام سلاسل طریقت کے

تاریخ ساز خلفاء نے اپنے مشائخ سلسلہ کی تعلیمات کو وسیع پیمانے پر فروغ دیکر ہر دور میں امت کے اندر ایسی جماعتیں تیار کی جوحق کی علمبردار بنیں۔ ان کے وجود مسعود کی برکتوں سے مذہب ومسلک کو تحفظ حاصل ہوا۔ ان کی مقدس ہستیاں حق کا معیار اور صداقت کی کسوٹی بن گئیں۔ سیدنا سرکار غوث اعظم اور سرکار غریب نواز جیسی عظیم ہستیاں اس سلسلے کی قابل تقلید اور لائق اتباع شخصیتیں ہیں۔

خانقاہ برکاتیہ:

شریعت وطریقت کے اسی ’’عظیم سنگم‘‘ کے ایک ’’پیکرِ جمیل‘‘ کا نام ہے ’’خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ‘‘۔ یہاں کے ’’صاحب دل‘‘ اور ’’صاحب نظر‘‘ صوفیائے کرام اور مشائخ طریقت نے شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کے اس پاکیزہ سنگم کی ہر دور میں لاج رکھی۔ یہاں کے مشائخ طریقت علم باطن کے ساتھ علم ظاہر سے بھی آراستہ ہوتے۔ معرفت وحقیقت کے جام پلانے کے ساتھ وہ اپنے مریدین ومتوسلین اور خلفاء وتلامذہ کو علم ظاہر کے زیور سے بھی آراستہ فرماتے۔ علم کے ساتھ ان کی شخصیات کو ’’نورعلم‘‘ سے بھی روشن ومنور کرتے۔ کردار وعمل اور نظر وفکر کی اصلاح کے ساتھ ان کی ’’شخصیت سازی‘‘ اور ’’پرسنالٹی ڈیولپ‘‘ کرنے کا بھی فریضہ انجام دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس خانقاہ کو برصغیر میں آج بھی نہایت قدر ومنزلت اور اعتبار واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

امام احمد رضا خانقاہ برکاتیہ میں:

اس خانقاہ کے انہیں اختصاصات وامتیازات کی وہ ایسی روحانی وعرفانی کشش تھی جو امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ جیسے ’’آسمان علم وفن‘‘ کے ’’آفتاب نصف النہار‘‘ کو مارہرہ مقدسہ کی بابرکت سرزمین پر کشاں کشاں لے گئی۔ ۱۲۹۴ھ کو سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد بزرگوار علامہ نقی علی خاں، تاج الفحول، محبّ رسول حضرت علامہ عبد القادر بدایونی، اپنے استاذ مرزا عبد القادر بیگ کی معیت میں خاتم الاکابر، مرشد کامل حضرت سیدنا شاہ

آل رسول احمدی برکاتی علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوکر ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو اپنے مرشد کے ہاتھوں پر فروخت کردیا۔(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲ مفہوماً و معارف رضا سالنامہ ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۹۰)

حضرت خاتم الاکابر علیہ الرحمہ نے اسی مجلس میں سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذاتی علم وفضل، ان کی صفائی قلب، پاکیزگیٔ ذہن، شفافیتِ روح اور ان کی بے مثال ظاہری و باطنی خوبیوں کو اپنی نگاہ ولایت سے ملاحظہ فرما کر انہیں طریقت کے سارے سلاسل قدیمہ وجدیدہ کی خلافت کے ساتھ احادیث مرویہ خاص کر حدیث مسلسل بالاولیت، چاروں مصافحات، دیگر علوم وفنون، اذکار و اشغال ،اوراد و وظائف اوراد عیہ ماثورہ کی اجازت و خلافت سے بھی سرفراز فرمایا۔ جن ۱۳ر سلاسل طریقت کی آپ کو اجازت وخلافت عطا فرمائی گئی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ (۲) سلسلہ قادریہ قدیمہ (۳) سلسلہ قادریہ ابدالیہ (۴) سلسلہ قادریہ منوریہ (۵) سلسلہ چشتیہ قدیمہ (۶) سلسلہ چشتیہ جدیدہ (۷) سلسلہ سہروردیہ قدیمہ (۸) سلسلہ سہروردیہ جدیدہ (۹) سلسلہ نقشبندیہ علائیہ (۱۰) سلسلہ بدیعیہ (۱۱) سلسلہ علویہ منامیہ (۱۲) سلسلہ عالیہ قادریہ رزاقیہ (۱۳) سلسلہ عالیہ علویہ نقشبندیہ علائیہ۔

اجازت وخلافت کا طریقہ:

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ چونکہ اسی مذکورہ خانقاہی نظام کے ایک عظیم مبلغ و ترجمان اور طبقۂ صوفیہ کے ''صف شکن مجاہد'' تھے۔ اس لئے سلسلۂ تلمذ اور سلسلۂ خلافت وطریقت کا آپ نے وہی طریقہ اپنایا کہ جو آپ کے مشائخ سلسلہ اور دیگر صوفیہ سے تسلسل کے ساتھ چلا آرہا تھا۔ چونکہ آپ کو اکیس علوم وفنون اپنے اساتذہ ،خاص کر والد ماجد حضرت علامہ نقی علی خاں علیہ الرحمہ اور سرکار نور حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی علیہ الرحمہ سے باقاعدہ پڑھ کر حاصل ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ دس علوم وفنون کی آپ کو دیگر اہل علم ،نقاد علماء سے اجازت حاصل تھی

جنہیں آپ نے مذکورہ بالا اکیس علوم وفنون کی مدد سے حاصل کیا تھا۔ نیز اٹھائیس علوم وفنون وہ ہیں کہ جنہیں آپ نے کسی استاذ سے نہ قرأتاً حاصل کیا نہ سماعاً حاصل کیا اور نہ مذاکرتاً بلکہ یہ ۲۸ر علوم وفنون آپ کو وہبی طور پر اپنی نظر وفکر سے حاصل ہوئے۔ آپ مذکورہ بالا ان تمام انسٹھ ۵۹ علوم وفنون، ان کے کتب وحواشی اور اپنی جملہ تصنیفات کی اجازت وخلافت تین طرح سے علماء ومشائخ کو عطا فرمایا کرتے تھے: (الاجازات المتینہ ،مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف، مفہوما)۔

پہلا طریقہ:

آپ اپنے یہاں آنے والے شائقین تحصیل علوم وفنون کو یہ تمام علوم وفنون اور ان کے کتب وحواشی باضابطہ طریقہ تدریس کے مطابق پڑھاتے۔ کئی مہینوں اور کئی سالوں تک طلبہ آپ کی درسگاہ علم وفن سے تعلیم حاصل کرتے اس کے بعد آپ ان تمام علوم وفنون اور ان کے کتب وحواشی کی روایت کرنے کی انہیں اجازت عطا فرمانے کے ساتھ انہیں سلاسل طریقت کی بھی اجازت وخلافت سے سرفراز فرماتے۔

دوسرا طریقہ:

وہ علماء اور مشائخ جو علوم وفنون میں کامل ومکمل ہوتے اور آپ سے تبرکاً سندِ اجازت وخلافت حاصل کرنے کی گزارش کرتے تو آپ ایسے حضرات کو حدیث ''مسلسل بالاولیت'' کا اسماع کرا کر اور ان سے چاروں مصافحات کر کے انہیں اپنے تمام علوم وفنون اور ساری مرویات وتصنیفات کی روایت کرنے کی اجازت کے ساتھ انہیں سبھی سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت سے نواز دیتے۔

تیسرا طریقہ:

کبھی آپ اجازت وخلافت کے طلبگاروں کو اپنے تمام علوم وفنون، سبھی مرویات اور سبھی سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت سے بنا کسی روایت کا اسماع کرائے ہوئے انہیں نواز دیتے۔ یہ وہ حضرات ہوتے کہ جو پہلے سے علوم وفنون اور معرفت وحقیقت کی نعمتوں سے مالا مال ہوتے۔ بس انہیں اعلیٰ حضرت جیسی علوم و

فنون اور معرفت وروحانیت کی بے مثال شخصیت سے اپنی سند کا رشتہ جوڑنا مقصود ہوتا۔

اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی تعداد:

آپ کے خلفاء کی صحیح تعداد بیان کرنا نہایت مشکل ترین امر ہے۔ بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ آپ کے خلفاء عالم اسلام کے بے شمار خطوں میں تھے۔ کیونکہ آپ خانقاہی نظام کی شفافیت کے علمبردار تھے۔ سلسلہ قادریہ کے فروغ واحیاء کے لئے حد درجہ کوشاں رہتے۔ اپنے تلامذہ کو علوم وفنون کے ساتھ معرفت وروحانیت اور تزکیہ وتطہیر کا لباس زیب تن کراتے۔ اس لئے آپ اپنے تلامذہ کو عموماً علوم ظاہرہ کی اجازت دینے کے ساتھ انہیں علوم باطنہ اور سلاسل طریقت کی بھی اجازت و خلافت سے نوازتے۔

پروفیسر مسعود صاحب نے اعلیٰ حضرت کے خلفاء کی تعداد کے بارے میں متعدد جگہ کچھ اشارے پیش فرمائے ہیں۔ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

’’مولانا بریلوی کے خلفاء ہندوستان و پاکستان، حجاج مقدس، اور دوسرے بلاد اسلامیہ میں پھیلے ہوئے ہیں‘‘۔ (حیات مولانا احمد رضا بریلوی مطبوعہ سیالکوٹ بحوالہ خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۸)

ایک جگہ یوں تحریر فرمایا: ’’فاضل بریلوی کے بے شمار خلفاء تھے جو پاک و ہند اور حرمین شریفین میں پھیلے ہوئے تھے ’’الاجازات المتینہ‘‘ کے مطالعہ سے حرمین شریفین میں آپ کے خلفاء کی تعداد کا ایک سرسری اندازہ ہوتا ہے‘‘۔ خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۸)۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں: ’’ہندوستان و پاکستان اور ممالک اسلامیہ خصوصاً حرمین شریفین میں مولانا بریلوی کے بکثرت خلفاء تھے جن کی تعداد سو ۱۰۰ سے متجاوز ہے (حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی بحوالہ خلفائے محدث بریلی صفحہ ۸)

آپ کے خلفاء کا علمی مقام ومرتبہ اور ان کی عظمت ورفعت کیا تھی اس کے سلسلے میں پروفیسر مسعود صاحب کا یہ اقتباس پڑھے جانے کے لائق ہے:

’’حضرت فاضل بریلوی کے خلفاء میں بعض تو ایسے بھاری بھرکم ہیں کہ ان کے حالات اور ان خدمات کا جائزہ لیا جائے تو ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔ افسوس ابھی تک کما حقہ کام نہیں کیا گیا ورنہ دنیا دیکھتی کہ ہندوستان کے آسمان علم ودانش سے طلوع ہونے والا آفتاب اپنے دامن میں کتنے چاند سمیٹے ہوئے تھا۔ (خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۵۱)

ماہنامہ ’’الرضا‘‘ بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کے صفحہ نمبر ۱۲/ پر مدیر ماہنامہ ’’الرضا‘‘ حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ، اعلیٰ حضرت کے ۵۰/ خلفائے برصغیر کی فہرست ذکر کرنے کے بعد ’’نوٹ‘‘ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

’’اس وقت صرف بعض اہالیٰ ہند کے اسماء محض یادداشت سے لکھے ہیں۔ علمائے عرب وافریقہ ان سے علیحدہ ہیں۔ نیز بہت ممکن ہے کہ بعض ضروری نام رہ گئے ہیں جو اطلاع ملنے پر آئندہ شائع کردیئے جائیں گے‘‘۔ (ماہنامہ ’’الرضا‘‘ بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۱۲)۔

اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ دنیا کے خطے خطے میں پھیلے ہوئے تھے جن کی وجہ سے آج ہر جگہ سنیت کی بہاریں نظر آتی ہیں اور تقریباً ہر وہ خطہ جہاں اہل سنت وجماعت کا وجود ہے وہ اعلیٰ حضرت کے ذکر اور چرچے سے روشن ومنور ہے۔

اس بات کو پروفیسر مسعود صاحب نے یوں بیان فرمایا:

’’آپ کے خلفاء کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ ایک طرف صوبہ مدراس، صوبہ بنگال اور صوبہ بہار میں آپ کے خلفاء پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور بلوچستان اور تیسری طرف صوبہ سندھ (پاکستان) اور صوبہ راجستھان میں، صوبہ سی۔ پی اور یو۔ پی تو گویا آپ کے زیر نگیں تھے۔ دائرہ خلفاء کی یہ ہمہ گیری شاید معاصرین صوفیہ میں کسی کو حاصل نہ ہو سکی۔ آپ کے خلفاء پاک و ہند کے مختلف شہروں میں موجود تھے۔ مثلاً بنگلور، مدراس، کلکتہ، عظیم آباد، جبل پور، آرہ، محمود آباد، میرٹھ، مراد آباد، بجنور، نگینہ، باندہ، اعظم گڑھ، کچھوچھہ، پیلی بھیت، الور، پرتاب گڑھ، کوٹلی لوہاراں، کراچی، کھروڑہ، سیالکوٹ، لاہور، آگرہ،

مگدھ وغیرہ وغیرہ۔ پھر نہ صرف پاک و ہند بلکہ بلاد عرب، افریقہ، اور انڈونیشیا وغیرہ میں بھی آپ کے خلفاء موجود تھے۔ مثلاً مدینہ منورہ، مکہ معظّمہ، طرابلس، فابلس وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان خلفاء نے مجموعی طور پر حضرت فاضل بریلوی کے پیغام کو کہاں کہاں پہنچایا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ پاک و ہند میں کوئی ایسا شہر نہیں جہاں آپ کے معتقد اور جاں نثار موجود نہ ہوں‘‘۔ (خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۳۰)

مذہب ومسلک کی ترویج واشاعت اور اعلیٰ حضرت کی تعلیمات کو دنیا کے ہر حصے میں پہونچانے کا جو زریں کارنامہ اعلیٰ حضرت کی کتابوں، تحریروں، فتووں، شہزادوں اور آپ کے خلفاء وتلامذہ نے انجام دیا اس کا ایک سرسری جائزہ ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے یوں پیش فرمایا کہ:

’’ایسے ہی سلسلہ قادریہ برکاتیہ کے ایک جلیل القدر عالم دین، عظیم روحانی پیشوا، حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ سے مقبولیت پانے والے حضرت امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی قدس سرہ ہیں۔ جنہوں نے دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے ہزاروں فتاویٰ تحریر کئے اور ایک ہزار سے زائد دین اسلام کے حوالے سے کتب تصنیف فرمائیں۔ مسلمانوں کو دوست اور دشمن کی پہچان بتائی اور حضور اکرم ﷺ کی محبت کو دلوں میں روشن کیا، اعلیٰ حضرت امام اہل سنت الشاہ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی کی اپنی ذاتی خدمات ایک طرف اسلامی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھنے کے لائق ہیں، تو دوسری طرف ان کے ۱۰۰ ر سے زیادہ تربیت یافتہ خلفاء اور ہزاروں تلامذہ کی خدمات دینی بھی برصغیر کی تاریخ کا ایک انمول حصہ ہے۔ امام احمد رضا نے برصغیر میں بالخصوص تحفظ ختم نبوت، تعظیم نبی مصطفی ﷺ اور اسوۂ رسول ﷺ کی خدمات کا جو بیڑا اٹھایا تھا ان کے تلامذہ اور خلفاء نے اس کو آگے بڑھانے میں چار چاند لگائے، آپ کے متعدد خلفاء نے مختلف جہتوں میں کام کیا، مثلاً فقہی، معاشرتی اور معاشی مسائل، تحریک جدوجہد آزادی، تبلیغ اسلام، روحانی اور طریقت کے افکار، رد مذاسب باطلہ ادیان وغیرہا‘‘۔ (تجلیات خلفاء اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۵)۔

اعلیٰ حضرت نے دیگر صوفیا کی طرح صرف اپنے خلفاء کی تعداد وکمیت

بڑھانے کا کام نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایسے ہی افراد کو اپنا خلیفہ منتخب فرمایا کہ مذہب ومسلک کی ترویج واشاعت میں جوان کی طرح بے لوث جذبوں سے معمور تھے اور جوان سے علم وعمل کی دولت بے بہا حاصل کر کے اپنے آپ کو ان کی کسوٹی پر کھرا اتار چکے تھے۔ اس سلسلے میں خلفائے اعلیٰ حضرت کی خصوصیات پر روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر مسعود صاحب فرماتے ہیں:

’’حضرت فاضل بریلوی کی شخصیت بڑی متحرک اور فعال (Dynamic) تھی، اس بلا کی حرکت اور جہد وعمل کی قوت معاصرین میں نظر نہیں آتی۔ آپ نے یہی جذبہ عمل اپنے خلفاء میں منتقل کیا، چنانچہ اکثر خلفاء علم وعمل کا روشن مینارہ نظر آتے ہیں۔ انہوں نے پاک و ہند اور بیرونی دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور مسلک اہل سنت وجماعت کی اشاعت کی اور ملت اسلامیہ کو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا سچا فدائی و پرستار بنایا۔ انہوں (خلفائے اعلیٰ حضرت) نے اس مقصد کے لئے تبلیغی دورے کئے۔ تعلیمی اور فلاحی ادارے قائم کئے، اخبارات ورسائل جاری کئے۔ (خلفائے محدث بریلوی صفحہ ۳۱)

اس کے بعد پروفیسر مسعود صاحب نے اعلیٰ حضرت کے خلفاء کے ذریعہ قائم کئے گئے تعلیمی اور فلاحی اداروں کی تفصیلات، خلفائے اعلیٰ حضرت کی دیگر دینی، مذہبی، مسلکی اور علمی واصطلاحی خدمات بیان کرنے کے بعد خلفائے اعلیٰ حضرت کی اخبار ورسائل کے حوالے سے صحافتی خدمات کا بھی احاطہ فرمایا ہے۔ نیز خلفائے اعلیٰ حضرت کے تبلیغی دوروں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

برصغیر کے خلفاء:

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات کافی حد تک ثابت ہو چکی ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے بے شمار خلفاء اور تلامذہ تھے جو دنیا کے بیشتر ممالک اور خطوں میں پھیلے ہوئے تھے۔

قرآن وحدیث، اقوال اسلافِ کرام اور مذہب اسلام کی معتبر ومستند

کتابوں کی روشنی میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے مذہب اسلام اورعقائد حقہ اورمعمولات صحیحہ کی ترویج واشاعت کے لئے جوخطوط ومنشور متعین فرما کران خلفاء اورتلامذہ کی جو تربیت فرمائی تھی اورجن کی انہیں تلقین وتاکید کی تھی ان کی روشنی میں ان حضرات نے عالم اسلام کے بیشتر خطوں تک حتی الامکان مذہب و مسلک کی نشرواشاعت فرمائی۔

یہ بات بھی گزرچکی ہے کہ ان خلفاء اورتلامذہ کی صحیح اورمتعین تعداد وتحدید بیان کرنا نہایت مشکل امر ہے۔البتہ سب سے صحیح اورمستندترین خلافت ان لوگوں کی ہے کہ جن کی تصریح خودسیدی سرکاراعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائی ہے یاان کے شاہزادگان نے یاان حضرات نے کہ جوشب وروزسیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہِ علم وفن میں رہتے تھے جیسے حضرت علامہ حسنین رضا خاں،حضرت ملک العلماء اورحضرت صدرالشریعہ وغیرہم۔یاجن کی گواہی خودان خلفاء کوبارگاہ امام سے عطا کی جانے والی سنداجازت وخلافت دیدیتی ہو۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے برصغیرہندوستان،پاکستان اور بنگلہ دیش سے تعلق رکھنے والے خلفاء کی تین فہرستوں کا ہمیں سراغ ملتا ہے اوراس کے علاوہ عرب وافریقہ وغیرہ سے تعلق رکھنے والے خلفاء کے ناموں اور تعداد کی معرفت حاصل کرنے کا سب سے مستندترین ماخذاورحوالہ **”الاجازات المتینہ لعلماء بکة و المدینة“** نامی رسالہ ہے جسے متعلقہ عرب وافریقہ کے خلفاء کوعطا کی جانے والی خلافتوں اوراجازتوں کے چشم دیدگواہ،شہزادۂ اعلیٰ حضرت سیدی سرکار حجۃ الاسلام علامہ حامدرضا خاں علیہ الرحمہ نے عربی زبان میں ۱۳۲۵ھ کومرتب فرمایا۔

اعلیٰ حضرت کے ذریعہ جاری کی گئی پہلی فہرست:

اعلیٰ حضرت نے وہابیہ ودیابنہ کے ردمیں **”الاستمداد علی اجیال الارتداد“** نامی قصیدہ تحریرفرمایا تواس کے ضمن میں **”ذکراحباب ودعائے احباب“** کی سرخی کے تحت اپنے چودہ خلفاء کا تذکرہ فرمایا ہے۔یہ اشعارمندرجہ ذیل ہیں:

حامد منی انا من حامد
حمد سے کماتے یہ ہیں

(۱) **شہزادہ اکبر حضرت حجۃ الاسلام علامہ حامدرضا خاں**

عبدالسلام سلامت جس سے
سخت آفات میں آتے یہ ہیں

(۲) **عیدالاسلام حضرت علامہ عبدالسلام جبل پوری**

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

(۳) **ملک العلماء حضرت علامہ ظفرالدین رضوی بہاری**

میرا امجد مجد کا پکا
اس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں

(۴) **صدرالشریعہ حضرت علامہ امجد علی رضوی اعظمی**

میرے نعیم الدین کو نعمت
اس سے بلا میں سماتے یہ ہیں

(۵) **صدرالافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مرادآبادی**

احمد و اشرف حمد و شرف لے
اس سے ذلت پاتے یہ ہیں

(۶) **حضرت علامہ سیداحمد اشرف کچھوچھوی**

مولانا دیدار علی کو
کب دیدار دکھاتے یہ ہیں

(۷) **علامہ دیدارعلی رضوی محدث الوری**

مجبور احمد مختار ان کو
کرتا ہے مرجاتے یہ ہیں

(۸) علامہ احمد مختار صدیقی میرٹھی

اک اک وعظ عبد الاحد پر
کتنے نتھنے پھلاتے یہ ہیں

(۹) سلطان الواعظین علامہ عبدالاحد رضوی پیلی بھیتی

بخش رحیم پہ رحمت جس سے
آرے کے نیچے آتے یہ ہیں

(۱۰) فقیہ النفس حضرت مفتی رحیم بخش رضوی آروی

جوہر منشی لعل پہ ہیرا
کھا مرنے کو منگاتے یہ ہیں

(۱۱) حضرت علامہ منشی محمد لعل خاں مدراسی کلکتہ

آل الرحمٰن برہان الحق
شرق پہ برق گراتے یہ ہیں

(۱۲) سیدی سرکار مفتی اعظم ہند

تازہ ضرب شفیع احمد سے
کہنہ بخار اٹھاتے یہ ہیں

(۱۳) امین الفتویٰ حضرت علامہ شفیع احمد بیسلپوری

دے حسنین وہ تقبیع ان کو
جس سے برے کھسیاتے یہ ہیں

(۱۴) حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی

ماہنامہ ''الرضا'' کی جاری کردہ دوسری فہرست:

اعلیٰ حضرت کو ایک بار یہ اطلاع ملی کہ کچھ لوگ ہندوستان کے مختلف خطوں میں مال و دولت کی تحصیل کی غرض سے اپنے آپ کو ان کا خلیفہ بتاتے ہیں اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں چنانچہ ایسے ہی دھوکے باز افراد سے مسلمانوں کو بچانے کی غرض سے آپ نے ایک مختصر تحریر بنام ''ضروری اطلاع'' اپنے دستخط کے ساتھ

شائع کرائی ۔ یہ تحریر ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف ،شمارہ ۴،۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ کے صفحہ نمبر ۹/ پر مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے شائع فرمائی ۔ مذکورہ ''ضروری اطلاع'' نامی تحریر کے اختتام کے بعد حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے ''اعلان'' کی سرخی لگا کر ایک مختصر ''ادارتی نوٹ'' کے ساتھ برصغیر سے تعلق رکھنے والے اعلیٰ حضرت کے ۵۰/ خلفاء کی ایک فہرست بھی منسلک فرمائی ہے جو ''الرضا'' کے صفحہ ۹ تا ۱۲/ پر مندرج ہے ۔ اس فہرست کی خوبی یہ ہے کہ اس میں خلفاء کے نام کے ساتھ ان کا مکمل پتہ ،ان کی علمی صلاحیت ،عرفی حیثیت اور ان کے دینی، مذہبی، مسلکی اور علمی وقلمی منصب کو بھی انتہائی مختصر و جامع انداز میں واضح فرمایا ہے ۔ ''ضروری اطلاع'' نامی اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تحریر مندرجہ ذیل ہے:

ضروری اطلاع

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علی رسولہ الکریم

برادران اہلسنت کو اطلاع:

فقیر کے پاس شکایتیں گزریں، بعض صاحب باوصف بے علمی، دنیا طلبی کے لئے وعظ گوئی کرتے ہوئے اکناف ہند میں دورہ فرماتے اور یہاں سے اپنا علاقہ انتساب بتاتے ہیں، جس کے سبب فقیر سے محبت کرنے والے حضرات دھوکہ کھاتے ہیں، اس شکایت کے رفع کو یہ سطور مسطور۔

یہاں بحمدہ تعالیٰ نہ کبھی خدمت دینی کو کسب معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احباب ''علمائے شریعت'' یا برادران طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید اور سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دست سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت دین وحمایت سنت (سنیت) میں ''جلب منفعت مالی'' کا خیال دل میں بھی نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصا لوجہ اللہ ہو۔ ہاں! اگر بلا طلب، اہل محبت سے کچھ نذر پائیں، رد نہ

فرمائیں کہ اس کا قبول سنت ہے، یہاں سے نسبت ظاہر فرمانے والے صاحبوں کے پاس فقیر کی دستخطی، مہری ''سند علمی'' یا ''اجازت نامۂ طریقت'' ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ زبانی دعوے پر عمل پیرانہ ہوں۔

والسلام- فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ

''ضروری اطلاع'' نامی اعلیٰ حضرت کی اس تحریر کے بعد اور اعلیٰ حضرت کے پچاس خلفاء کی فہرست کے اوپر ''اعلان'' کے نام سے درج وضاحتی تحریر اور ''ادارتی نوٹ'' کی صورت میں مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کا تین سطری یہ ''اطلاع نامہ'' مندرجہ ذیل ہے:

''فقیر مدیر (حضرت علامہ حسنین رضا خاں) عرض کرتا ہے کہ مزید اطلاع کے لئے بعض حضرات کے اسمائے گرامی تحریر کئے جاتے ہیں جن کا علاقہ اعلیٰ حضرت مدظلہ سے خصوصیت کے ساتھ ہے جو بفضلہ تعالیٰ علم میں کامل ہیں۔ ان سے مسائل بھی پوچھے گئے اور ان کا بیان بھی سن کر فیض پائیں''۔ (ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۹)

مذکورہ وضاحتی تحریر کے ساتھ مدیر ماہنامہ ''الرضا'' بریلی حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے پچاس خلفائے اعلیٰ حضرت کی جو فہرست شائع فرمائی ہے وہ فقیر راقم الحروف (محمد سلیم بریلوی) کی جانب سے لگائی گئی سرخی ''پچاس خلفاء کی فہرست'' کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے۔

پچاس خلفاء کی فہرست:

۱- صاحبزادہ جناب مولانا الحاج مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب۔ محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت و مجاز طریقت ہیں۔

۲- صاحبزادہ جناب مولانا مولوی محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب۔ محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت ومجاز طریقت ہیں۔

۳- جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب ساکن اعظم گڑھ۔ وارد حال محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فقیہ، مصنف، واعظ، مناظر، حامی سنت ومجاز طریقت۔

۴- جناب مولانا الحاج الشاہ مولوی سید ابوالمحمود احمد اشرف صاحب۔ درگاہ شریف کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد (وارث سجادہ) عالم، فاضل، مناظر، واعظ، خوش بیان، تلمیذ اعلیٰ حضرت، حامی سنت۔

۵- جناب مولانا الحاج مولوی احمد مختار صاحب۔ صدیقی ۲۳۶ محلّہ مشائخاں، میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان ومجاز طریقت۔

۶- جناب مولانا مولوی سیدی محمد آصف صاحب۔ کانپور محلّہ فیل خانہ قدیم، عالم ومجاز طریقت۔

۷- جناب مولانا سید احمد صاحب الوری، صاحبزادہ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ عالم، مدرس، واعظ، مناظر، مجاز طریقت۔

۸- جناب مولانا مولوی امام الدین صاحب۔ کوٹلی لوہاراں، مغربی، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۹- جناب مولانا مولوی احمد بخش صاحب۔ ڈیرہ غازی خاں۔ عالم، فاضل، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، مفتی، مجاز طریقت۔

۱۰- جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب۔ پشاور، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۱- جناب مولوی سید احمد حسین صاحب۔ میرٹھ، مجاز طریقت۔

۱۲- جناب مولانا مولوی احمد حسن خاں صاحب امروہی۔ حیدرآباد، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۳- مداح الحبیب جناب مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب۔ بریلی محلّہ بہاری پور۔ (نزد مسجد بی بی جی بڑودہ بینک کے سامنے۔ محمد سلیم بریلوی) میلاد خواں، خوش الحان مداح سرکار دوجہاں (ﷺ)

۱۴- جناب مولانا مولوی حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب۔ مدرس اول مدرسۃ

الحدیث پیلی بھیت، عالم فاضل، مدرس، مجاز طریقت۔

۱۵- جناب مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب۔ خطیب مسجد خیر نگر میرٹھ۔ عالم، مجاز طریقت۔

۱۶- جناب مولانا مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بہاری۔ مدرس مدرسہ عربیہ مدراس، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۷- جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ مفتی جامع (مسجد) آگرہ۔ ساکن الور، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۱۸- جناب مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب۔ مدرس مدرسہ اہلسنت (جامعہ رضویہ منظر اسلام) محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مدرس مجاز طریقت۔

۱۹- جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب آرہ۔ اعلیٰ مدرس وبانی فیض الغرباء۔ عالم، مدرس، مفتی، مناظر واعظ ومجاز طریقت۔

۲۰- جناب مولانا مولوی سرفراز احمد صاحب۔ محلّہ مہکڑی کھوہ، مرزاپور، عالم، واعظ ومجاز طریقت۔

۲۱- جناب مولوی شفیع احمد خاں صاحب (بیسلپوری) مدرس، مدرسہ اہلسنت (منظر اسلام) بریلی۔ وامین الفتویٰ بدار الافتاء (اعلیٰ حضرت کا دار الافتاء) عالم، مفتی، واعظ، مناظر ومجاز طریقت۔

۲۲- جناب مولانا مولوی شمس الدین صاحب۔ ضلع ناگور قصبہ باسنی (راجستھان) علاقہ جودھپور، عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۳- جناب مولانا مولوی ظہیر الحسن صاحب۔ ساکن اعظم گڑھ، عالم، مدرس و مجاز طریقت۔

۲۴- جناب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب بہاری۔ پروفیسر مدرسہ عربیہ خانقاہ شہسرام۔ عالم، فاضل، کامل، مفتی، مصنف، مدرس، مناظر، حامی سنت،

مجاز طریقت، ملقب از جانب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس بہ ’’ولدی الاعز‘‘)

۲۵- جناب مولانا مولوی محمد عبد السلام صاحب ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ’’عید الاسلام‘‘ عقب کوتوالی جبلپور۔ عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۶- جناب مولانا مولوی حکیم محمد عبد الاحد صاحب۔ خلف الرشید حضرت مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ملقب از جانب اہلسنت مدراس بہ ’’سلطان الواعظین‘‘، مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔ عالم، واعظ، مناظر، مدرس، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۷- جناب مولانا الحاج المولوی محمد عبد العلیم الصدیقی۔ ۲۳۶ محلّہ سوداگران مشائخاں میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان، مجاز طریقت۔

۲۸- جناب مولانا المولوی عبد الباقی برہان الحق صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا عید الاسلام۔ عالم، فاضل، مفتی، واعظ، مصنف، مجاز طریقت، ملقب از حضرت قبلہ بہ ’’نور عینی‘‘۔

۲۹- جناب مولانا مولوی عبد الحکیم خان صاحب۔ ساکن شاہجہانپور ضلع میرٹھ۔ عالم، مدرس، مصنف، صوفی، مجاز طریقت۔

۳۰- جناب مولانا مولوی عبد الحق صاحب۔ پنجابی۔ مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، عالم، مدرس، مفتی، مجاز طریقت۔

۳۱- جناب مولانا مولوی ابوعبد القادر عبد اللہ صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۲- جناب مولانا مولوی حاجی عبد الجبار صاحب بنگالی۔ عالم مجاز طریقت۔

۳۳- جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الرشید صاحب مظفر پوری۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۴- جناب مولانا مولوی عبد الکریم صاحب۔ چتوڑ گڑھ علاقہ میواڑ (راجستھان) عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۵- جناب مولانا مولوی الحاج عبد الرحمٰن صاحب ۔ جے پور، تکیہ آدم شاہ، واردحال مدینہ طیبہ۔ عالم، مدرس، مجاز طریقت۔

۳۶- جناب حاجی محمد عیسیٰ خاں محمد صاحب ۔ دھوراجی، کاٹھیاواڑ، حامی سنت۔

۳۷- جناب سیٹھ عبد الستار اسماعیل صاحب ۔ گونڈل، کاٹھیاواڑ، حال مقیم رنگون، (ورما) سورتی بازار، حامی سنت وفرار دہندہ تھانوی از رنگون۔

۳۸- جناب مولانا مولوی عبد العزیز صاحب ۔ مدرس مدرسہ جامع مسجد پیلی بھیت۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۹- جانب مولانا مولوی غیاث الدین صاحب۔ بہار، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۰- جناب مولانا مولوی سید فتح علی شاہ صاحب۔ کھروٹہ سیداں، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۱- جناب قاضی قاسم میاں صاحب۔ پور بندر، کاٹھیاواڑ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۲- جناب حاجی مولوی منشی محمد لعل خاں صاحب۔ ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ''حامی سنت، ماحی بدعت'' ۲۲ نمبر، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ۔ ناصر ملت، عدو بدعت، مجاز طریقت۔

۴۳- جناب مولانا مولوی محمد شریف صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۴- جناب مولانا الحاج المولوی منیر الدین صاحب بنگالی۔ عالم، مجاز طریقت۔

۴۵- جناب مولانا مولوی محمود جان صاحب۔ جام جودھپور، کاٹھیاواڑ، عالم، واعظ، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۶- جناب مولانا مولوی سید محمد عمر ظہیر الدین الہ آبادی۔ عالم، مجاز طریقت

۴۷- جناب مولانا مولوی حکیم محمد نعیم الدین صاحب۔ مہتمم مدرسۂ اہلسنت مرادآباد، چوکی حسن خاں، عالم، فاضل، مناظر، مصنف، واعظ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۸- جناب مولانا مولوی حاجی سید نور احمد صاحب۔ چاٹ گام (بنگلہ دیش) عالم، واعظ،

مجاز طریقت ومجاز حضرت مفتی حنفیہ بمکہ معظمہ شیخ صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۹- جناب مولانا مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب۔ بلاسپور، ضلع رامپور، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۵۰- جناب حاجی، حافظ، قاری محمد یقین الدین صاحب۔ ساکن محلّہ ملوکپور، بریلی، امام تراویح اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس مجاز طریقت۔ (ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ۴، ۵/ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۹ تا ۱۲)

نوٹ: اس فہرست میں بریکٹ کے اندر کی عبارات کا اضافہ راقم (محمد سلیم بریلوی) نے کیا ہے۔

مذکورہ فہرست میں خلفائے اعلیٰ حضرت کے احوال وکوائف دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ ایک ماہر فن خاکہ نگار بھی تھے۔ آپ نے انتہائی جامع انداز میں خلفاء کے احوال وکوائف کا اس طرح اندراج کیا ہے کہ چند الفاظ ہی میں خلفاء کی علمی، فنی، عرفی اور واقعی حیثیت کا احاطہ ہوجاتا ہے۔

چونکہ اس فہرست کو اعلیٰ حضرت کی مذکورہ تحریر کی تائید حاصل ہے اور یہ فہرست اعلیٰ حضرت کی دستخط شدہ مذکورہ تحریر کے ساتھ آپ ہی کی حیات میں شائع ہوئی تھی۔ اس لئے اس فہرست کا انتساب اگر آپ کی طرف کر دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔

اس فہرست کے اختتام پر مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں صاحب نے جوادارتی نوٹ لگایا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

''(نوٹ) جو حضرات باوصف نسبت خاصہ اپنے اسماء اس فہرست میں نہ پائیں، اپنی خدمات سنت (سنیت) کا ذکر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس کو اطلاع دیں کہ اس وقت صرف بعض اہالیٰ ہند کے اسماء محض یادداشت سے لکھے ہیں۔ علمائے عرب وافریقہ ان سے علیٰحدہ ہیں نیز بہت ممکن ہے کہ بعض ضروری نام رہے گئے ہیں جو اطلاع ملنے پر آئندہ شائع کر دیئے جائیں گے۔ جن صاحب کے بیان اوصاف میں میری ناواقفی سے کمی ہوئی کو اس کی معافی چاہتا ہوں چونکہ فرق مراتب

دشوار تھا اس لئے ترتیب اسماء ''بترتیب حروف تہجی'' رکھی گئی ہے۔ (ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۱۲)

واضح رہے کہ مدیر ماہنامہ ''الرضا'' حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کی ''اعلان'' نامی تحریر اور فہرست کے اختتام پر لگے ''نوٹ'' کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فہرست اعلیٰ حضرت کے سارے خلفاء کی نہیں ہے بلکہ ''بعض'' خلفاء کی ہے کہ جن کے نام حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ کو مذکورہ شمارے اور مذکورہ فہرست کی ترتیب کے وقت یاد آئے اور اتنی بات بھی طے ہے کہ اس فہرست کے جاری ہونے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت نے بہت سے علماء ومشائخ کو اجازت و خلافت سے نوازا ہوگا۔ کیونکہ اعلیٰ حضرت کا ہر آنے والا دن گزر جانے والے دن سے زیادہ مقبولیت بھرا ہوتا تھا۔ جیسے جیسے آپ کی عمر شریف بڑھتی جارہی تھی ویسے ویسے آپ کی تصانیف، فتاویٰ اور آپ کے علم وفن کا شہرہ دن دونی رات چوگنی ترقی کررہا تھا جس کی وجہ سے علماء ومشائخ پروانہ وار آپ پر نثار ہورہے تھے۔ کوئی آپ سے شرف تلمذ حاصل کرنے آپ کی بارگاہ میں آتا تو کوئی اجازت وخلافت حاصل کرنے کی غرض سے کیونکہ آپ کی عمر کے آخری سالوں میں جلیل القدر علماء ومشائخ کا آپ کے اردگرد ہجوم سا رہنے لگا تھا جو اس بات کا واضح قرینہ ہے کہ آخری ماہ وسال اور آخری دنوں میں آپ سے بے شمار علماء ومشائخ نے اجازت وخلافت اور شرف تلمذ حاصل کیا تھا اگرچہ ہمیں ان کی تفصیلات اور ان کے ناموں کا پتہ نہیں چلتا۔

اعلیٰ حضرت کی تیسری فہرست:

اعلیٰ حضرت کے ذریعہ مرتب کی گئی ایک اور فہرست کا بھی پتہ چلتا ہے کہ جس میں آپ نے پچاس سے زیادہ خلفاء کا تذکرہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر مجید اللہ صاحب قادری نے ''تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں ''عرض مؤلف'' کے تحت اس کی تصریح یوں فرمائی ہے کہ: ''خود اعلیٰ حضرت کے قلم سے ان کے خلفاء کی ایک

طویل فہرست ملتی ہے جس میں پچاس سے زیادہ کا آپ نے تذکرہ فرمایا ہے''۔ (تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت، عرض مؤلف صفحہ ۴)

لیکن افسوس کہ کافی تلاش کرنے کے بعد بھی اس فہرست تک فقیر راقم الحروف (محمد سلیم بریلوی) کی رسائی نہ ہوسکی۔

حالات خلفائے اعلیٰ حضرت کی جمع وتدوین کے سلسلہ میں پیش رفت:

آپ پڑھ چکے کہ اعلیٰ حضرت، حضرت حجۃ الاسلام اور مدیر ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف حضرت علامہ حسنین رضا خاں صاحب نے اپنی حیات ہی میں خلفاء کا ایک سرسری جائزہ پیش فرمادیا تھا۔ بعد والے افراد کی یہ ذمہ داری تھی کہ اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ کی تعداد اور ان کے حالات وغیرہ پر کام کرتے مگر اعلیٰ حضرت کے وصال کو کئی دہائیاں گزر جانے کے باوجود باضابطہ انداز میں اس طرف کوئی خاص پیش رفت نہ ہوسکی۔ البتہ انفرادی طور پر ضمنی انداز میں کچھ اہل قلم نے ان خلفاء میں سے چند کے حالات تحریر فرمائے اور کچھ خلفاء کے تعلق سے اشارئیے بھی پیش فرمائے۔ اس سلسلہ میں پروفیسر مسعود صاحب، علامہ عبد الحکیم شرف قادری صاحب، محترم جناب محمد میاں قصوری صاحب اور ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب کے نام بطور مثال پیش کئے جاسکتے ہیں۔

خلفائے اعلیٰ حضرت پر باضابطہ انداز میں اب تک جو کام سامنے آئے ہیں اجمالی طور پر ان کا ایک سرسری سا جائزہ یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے ۹۷/ خلفائے برصغیر کی فہرست:

۱- صاحبزادہ جناب مولانا الحاج مولوی محمد حامد رضا خاں صاحب۔ محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت ومجاز طریقت ہیں۔

۲- صاحبزادہ جناب مولانا مولوی محمد مصطفیٰ رضا خاں صاحب۔ محلّہ

سوداگران بریلی، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف ،حامی سنت و مجاز طریقت ہیں۔

۳- جناب مولانا مولوی حکیم امجد علی صاحب ساکن اعظم گڑھ۔ واردحال محلّہ سوداگران بریلی، عالم، فقیہ، مصنف، واعظ، مناظر، حامی سنت ومجاز طریقت۔

۴- جناب مولانا الحاج الشاہ مولوی سید ابوالمحمود احمد اشرف صاحب۔ درگاہ شریف کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد (وارث سجادہ) عالم، فاضل، مناظر، ، واعظ، خوش بیان، تلمیذ اعلیٰ حضرت، حامی سنت۔

۵- جناب مولانا الحاج مولوی احمد مختار صاحب۔ صدیقی ۲۳۶ محلّہ مشائخاں، میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان ومجاز طریقت۔

۶- جناب مولانا مولوی سیدی محمد آصف صاحب۔ کانپور محلّہ فیل خانہ قدیم، عالم ومجاز طریقت۔

۷- جناب مولانا سید احمد صاحب الوری، صاحبزادہ جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ عالم، مدرس، واعظ، مناظر، مجاز طریقت۔

۸- جناب مولانا مولوی امام الدین صاحب۔ کوٹلی لوہاراں ،مغربی، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۹- جناب مولانا مولوی احمد بخش صاحب۔ ڈیرہ غازی خاں۔ عالم، فاضل، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، مفتی، مجاز طریقت۔

۱۰- جناب مولانا مولوی محمد اسماعیل صاحب۔ پشاور، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۱- جناب مولوی سید احمد حسین صاحب۔ میرٹھ، مجاز طریقت۔

۱۲- جناب مولانا مولوی احمد حسن خاں صاحب امروہی۔ حیدرآباد، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۳- مداح الحبیب جناب مولوی جمیل الرحمٰن خاں صاحب۔ بریلی محلّہ بہاری پور۔ (نزد مسجد بی بی جی بڑودہ بینک کے سامنے۔ محمد سلیم بریلوی) میلادخواں، خوش

الحان مداح سرکار دو جہاں (ﷺ)

۱۴- جناب مولانا مولوی حکیم حبیب الرحمٰن خاں صاحب۔ مدرس اول مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، عالم فاضل، مدرس، مجاز طریقت۔

۱۵- جناب مولانا مولوی حبیب اللہ صاحب۔ خطیب مسجد خیر نگر میرٹھ۔ عالم، مجاز طریقت۔

۱۶- جناب مولانا مولوی محمد خلیل الرحمٰن صاحب بہاری۔ مدرس مدرسہ عربیہ مدراس، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۱۷- جناب مولانا مولوی سید دیدار علی صاحب۔ مفتی جامع (مسجد) آگرہ۔ ساکن الور، عالم، فاضل، مفتی، کامل، مدرس، واعظ، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۱۸- جناب مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب۔ مدرس مدرسہ اہلسنت (جامعہ رضویہ منظر اسلام) محلّہ سوداگران بریلی۔ عالم، فاضل، مدرس مجاز طریقت۔

۱۹- جناب مولانا مولوی محمد رحیم بخش صاحب آرہ۔ اعلیٰ مدرس وبانی فیض الغرباء۔ عالم، مدرس، مفتی، مناظر واعظ ومجاز طریقت۔

۲۰- جناب مولانا مولوی سرفراز احمد صاحب۔ محلّہ مہکڑی کھوہ، مرزاپور، عالم، واعظ ومجاز طریقت۔

۲۱- جناب مولوی شفیع احمد خاں صاحب مدرس، مدرسہ اہلسنت (منظر اسلام) بریلی۔ وامین الفتویٰ بدار الافتاء (اعلیٰ حضرت کا دار الافتاء) عالم، مفتی، واعظ، مناظر ومجاز طریقت۔

۲۲- جناب مولانا مولوی شمس الدین صاحب۔ ضلع ناگور قصبہ باسنی علاقہ جودھپور، عالم، مدرس ومجاز طریقت۔

۲۳- جناب مولانا مولوی ظہیر الحسن صاحب۔ ساکن اعظم گڑھ، عالم، مدرس و مجاز طریقت۔

۲۴- جناب مولانا مولوی ظفر الدین صاحب بہاری۔ پروفیسر مدرسہ عربیہ

خانقاہ شہسرام۔ عالم، فاضل، کامل، مفتی، مصنف، مدرس، مناظر، حامی سنت، مجاز طریقت، ملقب از جانب اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس بہ ''ولدی الاعز''۔)

۲۵- جناب مولانا مولوی محمد عبد السلام صاحب ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ''عبد الاسلام'' عقب کوتوالی جبلپور۔ عالم، فاضل، مفتی، کامل، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۶- جناب مولانا مولوی حکیم محمد عبد الاحد صاحب۔ خلف الرشید حضرت مولانا محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ ملقب از جانب اہلسنت مدراس بہ ''سلطان الواعظین''۔ مہتمم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت۔ عالم، واعظ، مناظر، مدرس، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۲۷- جناب مولانا الحاج المولوی محمد عبد العلیم الصدیقی۔ ۲۳۶ محلّہ سوداگران مشائخاں میرٹھ، عالم، فاضل، واعظ، خوش بیان، مجاز طریقت۔

۲۸- جناب مولانا المولوی عبد الباقی برہان الحق صاحب صاحبزادہ حضرت مولانا عبد الاسلام۔ عالم، فاضل، مفتی، واعظ، مصنف، مجاز طریقت، ملقب از حضرت قبلہ بہ ''نور عینی''

۲۹- جناب مولانا مولوی عبد الحکیم خان صاحب۔ ساکن شاہجہانپور ضلع میرٹھ۔ عالم، مدرس، مصنف، صوفی، مجاز طریقت۔

۳۰- جناب مولانا مولوی عبد الحق صاحب۔ پنجابی۔ مدرس مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت، عالم، مدرس، مفتی، مجاز طریقت۔

۳۱- جناب مولانا مولوی ابو عبد القادر عبد اللہ صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۲- جناب مولانا مولوی حاجی عبد الجبار صاحب بنگالی۔ عالم مجاز طریقت۔ (بنگلہ دیش)

۳۳- جناب مولانا مولوی حافظ سید عبد الرشید صاحب مظفر پوری۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۴- جناب مولانا مولوی عبد الکریم صاحب۔ چتوڑ گڑھ علاقہ میواڑ (راجستھان) عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۳۵- جناب مولانا مولوی الحاج عبد الرحمٰن صاحب۔ جے پور، تکیہ آدم شاہ، وارد حال مدینہ طیبہ۔ عالم، مدرس، مجاز طریقت۔

۳۶- جناب حاجی محمد عیسیٰ خاں محمد صاحب۔ دھوراجی، کاٹھیاواڑ، حامی سنت۔

۳۷- جناب سیٹھ عبد الستار اسماعیل صاحب۔ گونڈل، کاٹھیاواڑ، حال مقیم رنگون، (ورما) سورتی بازار، حامی سنت وفرار دہندہ تھانوی از رنگون۔

۳۸- جناب مولانا مولوی عبد العزیز صاحب۔ مدرس مدرسہ جامع مسجد پیلی بھیت۔ عالم، مجاز طریقت۔

۳۹- جانب مولانا مولوی غیاث الدین صاحب۔ بہار، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۰- جناب مولانا مولوی سید فتح علی شاہ صاحب۔ کھروٹہ سیداں، ضلع سیالکوٹ۔ عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۱- جناب قاضی قاسم میاں صاحب۔ پوربندر، کاٹھیاواڑ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۲- جناب حاجی مولوی منشی محمد لعل خاں صاحب۔ ملقب از جانب اعلیٰ حضرت بلقب ''حامی سنت، ماحی بدعت'' ۲۲ نمبر، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ۔ ناصر ملت، عدو بدعت، مجاز طریقت۔

۴۳- جناب مولانا مولوی محمد شریف صاحب۔ کوٹلی لوہاراں مغربی، ضلع سیالکوٹ، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۴۴- جناب مولانا الحاج المولوی منیر الدین صاحب بنگالی۔ عالم، مجاز طریقت۔

۴۵- جناب مولانا مولوی محمود جان صاحب۔ جام جودھپور، کاٹھیاواڑ، عالم، واعظ، مناظر، مصنف، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۶- جناب مولانا مولوی سید محمد عمر ظہیر الدین الہ آبادی۔ عالم، مجاز طریقت

۴۷- جناب مولانا مولوی حکیم محمد نعیم الدین صاحب۔ مہتمم مدرسۂ اہلسنت مراد آباد، چوکی حسن خاں، عالم، فاضل، مناظر، مصنف، واعظ، حامی سنت، مجاز طریقت۔

۴۸- جناب مولانا مولوی حاجی سید نور احمد صاحب۔ چاٹ گام (بنگلہ دیش) عالم،

واعظ، مجاز طریقت ومجاز حضرت مفتی حنفیہ بمکہ معظّمہ شیخ صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ۔

۴۹- جناب مولانا مولوی محمد یعقوب علی خاں صاحب۔ بلاسپور، ضلع رامپور، عالم، واعظ، مجاز طریقت۔

۵۰- جناب حاجی، حافظ، قاری محمد یقین الدین صاحب۔ ساکن محلّہ ملوکپور، بریلی، امام تراویح اعلیٰ حضرت مدظلہ الاقدس مجاز طریقت۔ (ماہنامہ ''الرضا'' بریلی شریف، شمارہ ۴، ۵/ ماہ ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ صفحہ نمبر ۹ تا ۱۲)

نوٹ: واضح رہے کہ حضرت علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ نے اس فہرست میں اپنا نام بحیثیت خلیفۂ اعلیٰ حضرت ذکر نہیں فرمایا ہے۔

۵۱- علامہ حسن رضا خاں بریلوی، ۵۲- مفتی محمد رضا خاں بریلوی، ۵۳- علامہ حسنین رضا خاں بریلوی، ۵۴- مفسر اعظم ہند علامہ ابراہیم رضا خاں بریلوی، ۵۵- خادم اعلیٰ حضرت حاجی کفایت اللہ بریلوی، ۵۶- مفتی عزیز غوث بریلوی، ۵۷- علامہ عبد الحی پیلی بھیتی، ۵۸- علامہ عزیز الحسن پھپھوندوی، ۵۹- مفتی حشمت علی بریلوی، ۶۰- علامہ اسماعیل محمود آبادی، ۶۱- علامہ سید محمد کچھوچھوی (محدث اعظم)، ۶۲- علامہ مشتاق احمد کانپوری، ۶۳- علامہ ہدایت رسول لکھنوی، ۶۴- علامہ خواجہ احمد حسین امروہوی، ۶۵- علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی، ۶۶- علامہ ضیاء الدین پیلی بھیتی، ۶۷- علامہ نثار احمد کانپوری، ۶۸- علامہ غلام شوق احمد فریدی سنبھلی، ۶۹- علامہ نور الحسن لکھنوی، ۷۰- قاضی عبد الرحیم عظیم آبادی، ۷۱- مفتی رحیم بخش مظفر پوری، ۷۲- علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، ۷۳- علامہ سید عبد الرحمٰن بیتھوی، ۷۴- قاری بشیر الدین جبلپوری، ۷۵- الحاج سید عبد الرزاق کٹنی، ۷۶- شاہ سید حسین علی اجمیری، ۷۷- شاہ سید غلام علی اجمیری، ۷۸- علامہ محمود الحسن زیدی الوری، ۷۹- مولانا عمر بن ابوبکر کھتری، ۸۰- علامہ حامد علی فاروقی پرتاب گڑھی، ۸۱- علامہ شہاب الدین شافعی کیرلا، ۸۲- مفتی غلام جان ہزاروی، ۸۳- مفتی عمر الدین ہزاروی، ۸۴- علامہ عبد السلام باندوی، ۸۵- صوفی قلندر علی

ملتانی، ۸۶- علامہ عبد الغفور شاہ پوری، ۸۷- شاہ میر مومن جنیدی، ۸۸- علامہ نور الحسن نگینوی، ۸۹- علامہ ضیاء الدین مدنی، ۹۰- علامہ تقدس علی خاں بریلوی، ۹۱- پروفیسر محمد الیاس برنی، ۹۲- مولانا اکبر علی شاہ پوری۔

مذکورہ بالا یہ ۴۲/ خلفاء تو وہ ہیں کہ جن کا ذکر ''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں مذکور ہے۔ اب ہم ذیل میں اضافہ جدیدہ کے طور پر ۵/ ایسے خلفاء کے ناموں کا ذکر کررہے ہیں کہ جن کے ناموں کے صراحت ہمیں بحیثیت تلمیذ و شاگرد حیاتِ اعلیٰ حضرت اور ''الملفوظ'' میں ملی ہے اگرچہ مذکورہ کتابوں میں ان کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کی تصریح نہیں ہے لیکن عموماً اعلیٰ حضرت اپنے شاگردوں کو ''سندِ علمی'' کے ساتھ انہیں ''سند خلافت طریقت'' سے بھی نوازتے تھے لہٰذا اس قرینہ کی وجہ سے ہم نے یہاں خلفاء والی فہرست میں اور آگے تلامذہ والی فہرست میں ان ناموں کو بھی شامل کرلیا ہے۔ چونکہ تذکرہ نگار حضرات نے ان کا ذکر تلامذہ کی حیثیت سے بھی کہیں نہیں کیا ہے۔ لہٰذا یہ نام اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۹۳- مولانا عبد الغفار صاحب بخاری، ۹۴- حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف، ۹۵- حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اوگانوی، ۹۶- حضرت مولانا محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری، ۹۷- حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بہاری۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۲۹/ و ۱۵۵ جلد اول مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)۔

۴۷ خلفاء کے تعلق سے ایک وضاحت:

شمار نمبر ۵۱/ سے شمار نمبر ۹۲ تک جن شخصیات کا مذکورہ بالا فہرست میں نام درج ہے ان میں سے کچھ حضرات تو وہ ہیں کہ جن کی خلافت کے قوی ترین شواہد اہل علم کے پاس موجود ہیں البتہ کچھ شخصیات ان میں وہ بھی ہیں کہ محققین علماء اور محتاط اہل قلم اعلیٰ حضرت کی طرف ان کی خلافت کے انتساب کو ''اسناد صحیح'' اور

''مضبوط ترین شواہد'' نہ مل پانے کی وجہ سے کمزور اور غیر مستند جانتے ہیں، ان کو یقینی طور پر ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' کی صورت میں قبول نہیں کرتے اور اپنی کتابوں، اپنی تحریروں اور مضامین ومقالات میں ان کا ذکر ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' کے نام سے نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر علامہ تقدس علی خاں علیہ الرحمہ کہ جنہوں نے اپنی کسی بھی تحریر میں نہ تو اپنے آپ کو خلیفہ اعلیٰ حضرت کے طور پر ذکر کیا اور نہ ہی کسی تقریر یا کسی مجلسی گفتگو میں کسی کے سامنے اس بات کی صراحت کی جبکہ ان کے شب وروز کے مصاحبین خاص کر ''ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی'' کے ارباب حل وعقد اور ذمہ داران کہ جن سے حضرت کے بہت گہرے مراسم اور ان کے ساتھ حضرت کی نشست وبرخاست رہتی تھی وہ آج بھی موجود ہیں نیز ان میں سے زیادہ تر حضرات رضویات پر لکھنے والے اہل قلم ہیں مگر ان میں سے کسی نے بھی حضرت علامہ تقدس علی خاں صاحب علیہ الرحمہ کے خلیفۂ اعلیٰ حضرت ہونے کی تصریح نہ کی۔ خود پروفیسر مسعود صاحب سے ان کے گہرے مراسم تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے ''خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں ان کا تذکرہ نہیں کیا۔ اس طرح کے اور بھی کئی نام اس فہرست میں ہیں۔

عرب وافریقی ممالک کے خلفاء کی تعداد:

ماہ ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ سے تقریباً ۹ ربیع الآخر بروز ہفتہ ۱۳۲۴ھ تک آپ حرمین طیبین میں رہے۔ تقریباً تین مہینے تک مکۃ المکرّمہ میں آپ کا قیام رہا اور بقیہ ایام آپ نے مدینہ طیبہ میں گزارے۔ اس عرصہ کے درمیان دونوں حرم محترم میں بے شمار علماء ومشائخ نے سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت بھی کی اور علمی استفادہ کر کے شرف تلمذ بھی حاصل کیا۔ حرمین طیبین سے تعلق رکھنے والے علماء ومشائخ کے علاوہ ایام حج میں دور دراز کے ممالک سے تشریف لائے ہوئے نہ جانے کتنے علماء ومشائخ نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے اجازت وخلافت حاصل کی۔ جب تک مکۃ المکرّمہ میں رہے تب تک مکۃ المکرّمہ

میں اور جب مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں پر حتیٰ کہ جب آپ مدینہ طیبہ سے ہندوستان واپس کے سفر کے لئے پابرکاب تھے تب تک آپ سے یہ علماء ومشائخ اجازتیں حاصل کرتے رہیں جن میں سے زیادہ تر کو آپ نے زبانی اجازتیں عطا فرمائیں۔ ہندوستان واپس آجانے کے بعد بھی بذریعہ خط وکتابت یہ علماء اور مشائخ اجازتیں طلب فرماتے رہے تو ان کو بذریعہ ڈاک بریلی شریف سے خلافت نامے ارسال کئے گئے۔ اس سلسلے میں خود سیدی سرکار اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

''رخصت کے وقت قافلے کے اونٹ آلئے ہیں۔ پابرکاب ہوں اس وقت تک علماء کو اجازت نامے لکھ کر دیئے، وہ سب (حرمین طیبین میں عطا فرمائے گئے تحریری اجازت نامے) تو ''الاجازات المتینۃ'' میں طبع ہوگئے اور یہاں آنے کے بعد دونوں حرم محترم سے درخواستیں آیا کیں اور اجازت نامے لکھ کر گئے، یہ درج رسالہ نہیں۔ (الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۳۶ مطبوعہ مکتبۂ قادریہ اٹوا بازار سدھارت نگر یوپی)۔

زبانی کتنے افراد کو اجازت وخلافت سے نوازا اس کی تعیین انتہائی مشکل ترین امر ہے بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ بے شمار علمی اور روحانی ومذہبی شخصیات کو آپ نے اپنی اجازت وخلافت سے نوازا۔ حضرت حجۃ الاسلام نے ''الاجازات المتینہ'' میں کئی جگہ اس بات کی تصریح فرمائی کہ فلاں کو تحریری اجازت اور بہت سے علماء کو زبانی اجازت عطا فرمائی (مفہوماً) جیسا کہ مکۃ المکرّمہ کی مقدس سرزمین پر آپ کی بارگاہ میں اجازت وخلافت لینے والوں کے ازدھام کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر حضرت حجۃ الاسلام تحریر فرماتے ہیں کہ:

''ثم تتابع الناس'' یعنی پھر تو اجازت وخلافت حاصل کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ (الاجازات صفحہ ۳۴۴)

ایک دوسری جگہ حضرت حجۃ الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

''وقد طلب هنالک عدة من العلماء الاجازة فاجاز باللسان اکثر من اجازه لان عبد المصطفیٰ فی حضرة المصطفیٰ. علیه افضل

صلوات الله . فی شغل شاغل عمن سواه". (الاجازات صفحہ ۳۴۵)۔

ترجمہ: اور (مدینہ منورہ میں بھی) متعدد علمائے کرام نے اجازتیں مانگی۔
آپ نے اکثر کو صرف زبانی اجازتیں عطا فرمائیں اس کی وجہ یہ ہے کہ غلام مصطفیٰ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ میں ایسا مصروف ومشغول ہوگیا کہ نبی اکرم ﷺ کے دربار میں حاضری اور اپنے آقا کی طرف لو لگانے کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔

علامہ سید عبدالحی صاحب کو تحریری اجازت وخلافت دیئے جانے کے واقعہ کے ضمن میں حجۃ الاسلام نے لکھا کہ:" **وكان معه شاب صالح من طلبة علم الكريم يدعى حسين جمال بن عبد الرحيم".**

ترجمہ: موصوف کے ساتھ ایک جوان صالح، علم دین کے طالب حسین جمال بن عبدالرحیم بھی تھے"۔

انہوں نے بھی اجازت وخلافت کی گزارش کی:"**فاجازه والدی اجازة باللسان**" تو والد بزرگوار نے انہیں زبانی اجازت عطا فرمادی اور ان سے ارشاد فرمایا کہ حضرت سید صاحب کو جو خلافت نامہ دیا ہے اس کی نقل لے کر اس میں اپنا نام لکھ لیں"۔(الاجازات المتینہ صفحہ ۳۴۲-۳۴۳، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)۔

حضرت حجۃ الاسلام نے ایک اور جگہ یوں تحریر کیا کہ: **ترجمہ:**" حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب جب والد بزرگوار اعلیٰ حضرت کی زیارت کو تشریف لائے تو ان کے ساتھ فضل وکمال کے گھرانے "دحلان" کے دیگر دو اہل علم اور اصحاب فضیلت بھی تھے۔انہوں نے بھی اجازتیں مانگیں۔آپ نے سب کو زبانی اجازتیں بخشیں۔(ایضا ۴۱۶)

ایک مقام پر یوں تحریر فرمایا:

ترجمہ:"ازاں بعد مستجیزین کا تانتا بندھ گیا۔سندیں طلب کرنے والے علماء ومشائخ پے درپے بکثرت آنے لگے تو حضرت والد ماجد نے ان کے لئے سند کا چوتھا نسخہ تالیف فرمایا جو مختصر بھی ہے اور جامع بھی اور تھوڑے الفاظ پر مشتمل

ہونے کے باوجود نافع بھی اور آپ نے مجاز کے نام کی جگہ خالی چھوڑ کر اس نسخے کی متعدد نقلیں کروالیں جب کوئی عالم دین سند لینے آتا تو والد ماجد خالی جگہ ان کا نام لکھ کر یہ نسخہ ان کے حوالے کردیتے۔(ایضا مفہوما ۴۷۱)

اسی سے کچھ آگے تحریر فرمایا:

ترجمہ:"بعض کو (زبانی اجازت وخلافت دے کر) جناب شیخ صالح کمال صاحب کے سپرد کیا کہ ان کے پاس سے لکھوالیں اور بعض سے وعدہ فرمایا"
(ایضا مفہوما ۴۷۱)

حضرت مولانا سید شیخ محمد عبدالحی صاحب کو اجازت وخلافت مؤرخہ ۲۷/ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو یوں عطا فرمائی کہ انہوں نے سب سے پہلے "حدیث بالاولیت" کا سماع کیا اس کے بعد آپ نے انہیں تمام مرویات ماذونہ کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا کہ:

ترجمہ:"میں نے انہیں طریقت کے ان تمام سلسلوں کی بھی اجازت دی جن کی مجھے اجازت ہے" (ایضا ۴۳۴ مفہوما واختصارا)

جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی علمائے عرب کے ساتھ دیگر ممالک سے حج وزیارت کے لئے تشریف لائے ہوئے بے شمار مشائخ کو آپ نے زبانی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور بعض کو تحریری خلافت نامہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔جنہیں ہندوستان واپسی کے بعد بھیج دی گئیں۔ جیسا کہ ماقبل میں حضرت حجۃ الاسلام کے حوالے سے اس کی صراحت گزری۔

ان تمام تفصیلات سے یہ واضح ہوگیا کہ بہت سے علمائے عرب اور دیگر خطوں کے مشائخ عظام کو حرمین طیبین میں اعلیٰ حضرت نے اپنے دوسرے سفر حج زیارت کے موقع پر اپنی اجازت وخلافت سے نوازا تھا۔مگر ان تمام حضرات کے ناموں کی صراحت اور ان کے احوال وکوائف کا سراغ ہمیں کہیں نہیں ملتا۔اسی طرح بریلی شریف واپسی کے بعد بھی بہت سے علماء ومشائخ کو جو تحریری اجازت

نامہ بھیجے گئے ان کا بھی کہیں اب تک سراغ نہیں لگ پایا۔ البتہ جن حضرات کو مکۃ المکرّمہ اور مدینہ طیبہ میں تحریری اجازتیں عطا فرمائی گئیں یا حرمین طیبین میں جن کو مختصر تحریری اجازت نامے دیئے گئے اور تفصیلی اجازت نامے بھیجنے کا وعدہ کیا گیا پھر ہندوستان واپسی کے بعد حسب وعدہ انہیں یہ اجازت نامے ارسال کئے گئے ان سب کو حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے " الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ و المدینۃ " میں تفصیل کے ساتھ نام بنام درج فرما دیا ہے۔ ان کی تعداد ۲۷ ر اور اگر سید عمر صاحب کے مستقبل قریب میں متولد ہونے والے بچے کو "بشرط علم وعمل" اور "بشرط بیٹا ہونے" کے دی جانے والی اجازت وخلافت کو بھی شمار کر لیا جائے تو ان کی تعداد ۲۸ ر ہوتی ہے۔

حضرت سید حسین مدنی بن شیخ عبد القادر مدنی جو بعد میں بریلی شریف تشریف لائے اور انہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے تعلیم حاصل کی خاص طور پر "علم جفر" کی تعلیم، ان کو بھی اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ کے ساتھ شرف اجازت و خلافت بھی حاصل ہے۔ ان کی اجازت وخلاف کا ثبوت خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے تصریحی بیان مشمولہ الملفوظ وحیات اعلیٰ حضرت، سے ملتا ہے، تو ان کو لے کر یہ تعداد ۲۹ ر تک پہونچتی ہے۔

اس کے علاوہ سید حسین مدنی صاحب کے بھائی سید محمد ابراہیم صاحب بھی بریلی شریف اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں تشریف لائے تھے اگر چہ ان کی اجازت وخلاف اور شرف تلمذ حاصل کرنے کی تصریح نہیں ملتی مگر قرائن کی بنیاد پر انہیں بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو یہ فہرست ۳۰ ر تک پہونچتی ہیں۔

یوہی سید حسین مدنی صاحب کے تیسرے بھائی حضرت سید محمد مدنی صاحب بھی بریلی شریف تشریف لائے تھے اگر ان کو بھی اس فہرست میں شامل کر لیا جائے تو ان خلفائے عرب وافریقہ کی تعداد ۳۱ ر تک پہونچتی ہے۔

واضح رہے کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرمین طیبین

کے علماء ومشائخ کے لئے ارتجالاً وہاں پر سات اجازت نامے اور سندیں فصیح و بلیغ عربی زبان میں تحریر فرمائی تھیں جو حسب موقع اور حسب مراتب مذکورہ بالا ۲۷ ر اور دوسرے احتمال (سید عمر صاحب کے پیدا ہونے والے بچے) کے اعتبار سے ۲۸ ر جلیل القدر علماء ومشائخ کو عطا فرمائی گئیں۔ ان ۲۸ ر شخصیات میں حضرت سید حسین مدنی صاحب، ان کے دونوں بھائی سید محمد ابراہیم مدنی اور سید محمد مدنی صاحبان کا ذکر نہیں ہے۔ اب ہم ذیل میں اجازت نامہ کے ان ساتوں نسخوں کا اجمالی تعارف اور کن کن حضرات کو یہ دیئے گئے ان کا اجمالی خاکہ پیش کر رہے ہیں:

(۱) اجازت نامہ کا پہلا نسخہ:

سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اجازت نامہ مکۃ المکرّمہ کے زمانہ قیام اور "الدولۃ المکیۃ" تحریر فرمانے کے اوقات میں مؤرخہ ۲۷ ر ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو تحریر فرمایا۔ اس اجازت نامہ کی ابتداء تسمیہ کے بعد یوں ہوتی ہے۔

" الحمد لله احد من لا احد له، و سند من لا سند له" الخ (الاجازات صفحہ ۳۵۳)۔

اس اجازت نامہ کا اختتام یوں ہوتا ہے:

" و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين و الصلوة والسلام علىٰ سيد المرسلين محمد و اله و اصحابه اجمعين". (الاجازات صفحہ ۳۵۶)

اس کے بعد آخر میں اعلیٰ حضرت کے اس پر دستخط ہے۔

سند کا یہ پہلا نسخہ آپ نے محدث مغرب، محدث عرب وعجم، عالم کامل، مجمع فضائل، منبع فضائل، حضرت علامہ مولانا سیدنا شیخ محمد عبد الحی بن شیخ کبیر سید عبد الکبیر کتانی، حسنی، ادریسی فاسی کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ حضرت شیخ عبد الحی صاحب کو جس وقت یہ اجازت و خلافت دی گئی اس وقت تک شیخ موصوف ۵۰ ر کتابیں تصنیف فرما چکے تھے جو علم حدیث اور دیگر علوم دینیہ سے متعلق تھیں۔

ان کے ساتھ حضرت مولانا شیخ حسین جمال بن عبد الرحیم بھی تشریف لائے تھے جو اس وقت ایک نوجوان عالم و فاضل تھے۔ انہوں نے بھی چلتے وقت اجازت وخلافت کی خواہش ظاہر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں عرض کی تو وقت کی قلت کے باعث آپ نے انہیں زبانی اجازت وخلافت سے نواز کر فرمایا کہ:

''شیخ عبدالحئی صاحب کے اجازت نامہ سے نقل لے کر اس پر اپنا نام تحریر کرلینا''۔

اس طرح سند کا یہ پہلا نسخہ مندرجہ ذیل دو حضرات کے حصے میں آیا:

(۱) محدث مغرب، محدث عرب وعجم، عالم کامل، مجمع فضائل، منبع فضائل حضرت علامہ مولانا سیدنا شیخ محمد عبدالحی بن شیخ کبیر سید عبدالکبیر کتانی، حسنی، ادریسی فاسی۔ مکہ شریف۔

(۲) عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت مولانا شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم۔ مکہ شریف۔ (الاجازات المتینہ صفحہ ۳۵۴۔ ۳۵۶، ۳۴۲، ۳۴۳ اختصاراو مفہوماً)

(۲) اجازت نامہ کا دوسرا نسخہ:

اجازت نامہ، خلافت نامہ اور سند کا یہ دوسرا نسخہ آپ نے ابتداءً حضرت شیخ صالح کمال، سید اسماعیل خلیل آفندی اور ان کے بھائی سید شیخ مصطفیٰ خلیل آفندی کے لئے تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا تھا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ شیخ صالح کمال صاحب مؤرخہ ۲۸ ؍ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو سرکار اعلیٰ حضرت سے ملاقات کرنے کی غرض سے تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ ''خاندان دحلان'' کے دو دوسرے اہل علم بھی تھے۔ ان حضرات نے اعلیٰ حضرت سے اجازت وخلافت عطا فرمانے کی گزارش کی تو آپ نے ان سب حضرات کو اسی وقت زبانی اجازت وخلافت عطا فرمادی۔ حضرت شیخ صالح کمال صاحب نے تحریری اجازت نامہ کی گزارش کی تو آپ نے ادباً تحریری اجازت نامہ دینے میں توقف فرمایا مگر وہ جب بھی ملاقات کو تشریف لاتے تو تحریری اجازت

نامہ کا مطالبہ ضرور فرماتے۔ اسی درمیان حضرت مولانا سید اسماعیل خلیل اور ان کے بھائی حضرت مولانا سید مصطفیٰ خلیل صاحبان نے بھی تحریری اجازت وخلافت کی پر زور انداز میں اپیل وگزارش کی تب آپ نے کافی تفصیلی انداز میں اپنے تمام علوم و فنون کی روایت، تمام تصانیف، سبھی مرویات، سارے سلاسل طریقت، تمام اشغال، اذکار اور سبھی اوراد و وظائف کی اجازت پر مشتمل ایک سند اجازت کا مسودہ مؤرخہ ۶ ؍ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو تحریر فرمایا جس کی تبییض وتکمیل مؤرخہ ۹ ؍ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو ہوئی۔ اس سند اور خلافت نامہ کا آپ نے تاریخی نام ''الاجازۃ الرضویہ لمبجل مكة البهية'' (۱۳۲۴ھ) تجویز فرمایا۔

الاجازۃ الرضویہ کا اضافہ شدہ جدید نسخہ:

وطن واپسی کے بعد ۱۳۲۶ھ میں اسی دوسرے نسخے میں آپ نے مزید اضافے فرمائے۔ آپ کو کتنے علوم وفنون پر دسترس حاصل تھی ان کا ذکر فرمایا۔ کتنے علوم و فنون آپ کو ''کسبی'' طور پر حاصل ہوئے ان کی صراحت کی اور کتنے علوم وفنون آپ کو من جانب اللہ ''وہبی'' طور پر بغیر کسی سے پڑھے حاصل ہوئے ان سب کو صراحتا بیان فرمایا۔

غرض کہ ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی یہ اجازت نامہ آپ نے کافی اہتمام کے ساتھ نہایت مفصل انداز میں ایک مرتبہ مکۃ المکرّمہ اور دوبارہ ''جدید انداز'' اور ''مزید اضافہ'' کے ساتھ بریلی شریف میں مرتب فرما کر حجاج کرام کے ہاتھوں ان علماء کو ارسال فرمایا کہ جن سے وطن واپسی کے بعد تفصیلی اجازت نامہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

الاجازۃ الرضویہ کی ادبی ولسانی خوبیاں:

یہ اجازت نامہ عربی زبان وادب کا ایک عظیم نمونہ ہونے کے ساتھ ''صنعتِ براعت استھلال''، ''صنعت تنسیخ''، ''صنعت تلمیح'' اور ''نثر مسجع'' کا بھی ایک عظیم شاہکار ہے۔ اس میں آپ نے خطبہ کے اندر حدیث کے تمام اقسام مثلاً ''حدیث متواتر''، ''حدیث مشہور''، ''حدیث آحاد''، ''حدیث صحیح''، ''حدیث

حسن''، ''ضعیف''، ''مرفوع''، ''متصل''، ''معضل'' اوراحادیث کے مجموعے کے اقسام مثلا'' جامع''، ''مسند''، ''سنن''، ''صحاح''، ''مستدرک'' وغیرہ کا نہایت ہی علمی وادبی انداز میں استعمال فرمایا ہے۔اسی طرح شیخ صالح کمال صاحب کا صراحتا نام ذکر نہیں فرمایا بلکہ ان کی تعریف میں ''صنعت توشیح'' کا استعمال کرتے ہوئے عربی زبان میں ایسے اشعار تحریر فرمائے ہیں کہ جن کے ہر ہر مصرعہ کا پہلا حرف الگ کرکے ان سب کو جمع کیا جائے تو ''صالح کمال'' بنتا ہے۔یونہی شیخ اسماعیل خلیل صاحب کی مدح میں جو عربی زبان میں اشعار آپ نے تحریر فرمائے ہیں ان کے بھی اشعار کے ہر مصرعہ کا پہلا حرف الگ کرکے جمع کرنے پر ان کا نام ''اسماعیل خلیل'' بنتا ہے۔اس کے ساتھ ہی حضرت شیخ صالح کمال صاحب، محافظ کتب حرم حضرت سیدنا شیخ اسماعیل خلیل مکی آفندی اور ان کے بھائی شیخ سید مصطفیٰ خلیل آفندی کے لئے نثر ونظم میں ایسے القاب وآداب بیان فرمائے ہیں کہ جو ایک طرف عربی زبان وادب کا بہترین نمونہ ہیں تو دوسری طرف ''صنعت تلمیح'' کا بھی اعلیٰ شاہکار ہیں۔ اس سند کا عربی متن ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ربی زبان وادب پر کس قدر عبور حاصل تھا کہ ارتجالا آپ نے اتنی خوبیوں کے ساتھ عربی زبان میں یہ سند تحریر فرمائی۔

اس سند کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

''الحمد لله المسلسل احسانه المتصل انعامه، غير ''منقطع'' ولا ''مقطوع'' فضله و اكرامه، ذكره ''سند'' من لا سند له، و اسمه احد من لااحد له و افضل الصلوات العوالى المنزول واكمل السلام ''المتواتر''، ''الموصول'' على اجل ''مرسل''، كشاف، كل ''معضل''، ''العزيز'' الاعز ''الخ۔(الاجازات صفحہ ۳۶۰)

اس کا اختتام یوں ہوتا ہے:

''ويوجبان لنا فى الدنيا و الآخرة الحفظ و الصون ، آمين

آمين يا ارحم الراحمين.

اولاً آپ نے یہ سند مذکورہ بالا تین حضرات ہی کے لئے تحریر فرمائی تھی مگر جب کچھ جلیل القدر علماء نے اسی مفصل سند کا مطالبہ کیا تو آپ نے انہیں وطن واپسی کے بعد بھیجنے کا وعدہ فرمالیا۔ ہندوستان آکر آپ مختلف دینی کاموں، تصنیف وتالیف اور ردوہابیہ وغیرہ میں ایسے مصروف ہوئے کہ بہت دنوں تک ان حضرات کو یہ اجازت نامہ نہ بھیج پائے۔اس درمیان برابر تقاضہ کے خطوط ان حضرات کی طرف سے آتے رہے چنانچہ ایک خط حضرت سید مامون بری کا آیا جو انہوں نے محرم ۱۳۲۶ھ میں تحریر فرمایا تھا۔دو خط حضرت مولانا سید اسماعیل خلیل کے آئے جن میں سے پہلا انہوں نے مؤرخہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ کو اور دوسرا ۱۲؍رجب ۱۳۲۴ھ کو تحریر فرمایا تھا۔ چنانچہ ان حضرات کی گزارشوں کے مدنظر اعلیٰ حضرت نے ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی دوسری سند جدید اضافوں کے ساتھ ۱۳۲۶ھ کی مختلف تاریخوں میں حجاج کرام کے ہاتھوں ان حضرات کے پاس ارسال فرمائیں۔ چنانچہ شیخ مصطفیٰ کمال، سید اسماعیل خلیل اور ان کے بھائی سید مصطفیٰ خلیل ان حضرات کو مؤرخہ ۱۷؍شوال ۱۳۲۶ھ کو کچھ احباب کے ہاتھ، حضرت سید مامون بری مدنی کو شوال ۱۳۲۶ھ میں پنجاب کے رہنے والے کچھ حجاج کرام کے ہاتھ ارسال فرمائیں۔اسی طرح مکۃ المکرّمہ کے ۱۲؍دیگر علماء کہ جن سے آپ نے مفصل سند بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا اور وقتی طور پر ان حضرات کو اجازت نامہ کا چوتھا نسخہ جو مختصر اور ایک فارمیٹ کی صورت میں تھا وہ دیدیا تھا تو ایسے ۱۲؍حضرات کو آپ نے ۱۳۲۶ھ میں دوبارہ سند کا دوسرا نسخہ ارسال فرمایا۔اس طرح سند کا یہ دوسرا نسخہ جن حضرات کو ملا ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں جن کی تعداد ۱۶؍تک پہونچتی ہے۔

(۱) حسنۃ الزمان، برکت الآوان، طیب الوجود وطیب الجود، صالح افعال، صدیق الاقوال، ابوالافضال، ابن الکمال حضرت مولانا شیخ صالح کمال ،مفتی حنفیہ وسابق قاضی مکۃ المکرّمہ (مکۃ المکرّمہ)

(۲) محافظ کتب حرم حضرت مولانا سید شیخ اسماعیل خلیل مکی آفندی (مکۃ المکرّمہ)

(۳) حضرت مولانا سید شیخ مصطفےٰ خلیل مکی آفندی (یہ حضرت شیخ سید اسماعیل خلیل صاحب کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۴) حضرت مولانا سید شیخ مامون بری مدنی

(۵) امین الفتوی ومکین التقوی حضرت مولانا سید ابوحسین محمد مرزوقی (مکۃ المکرّمہ)

(۶) حسنۃ الزمان حضرت مولانا شیخ اسعد دہان (مکۃ المکرّمہ)

(۷) عالم جلیل فاضل نبیہ حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہان (یہ حضرت مولانا شیخ اسعد دہان کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۸) مفتی مالکیہ عالم جلیل فاضل نبیل حضرت علامہ شیخ عابد بن حسین (مکۃ المکرّمہ)

(۹) حضرت مولانا شیخ علی بن حسین (یہ حضرت شیخ عابد بن حسین کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۰) عالم جلیل حضرت شیخ جمال بن محمد امیر (یہ حضرت شیخ عابد اور حضرت علی کے بھتیجے ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۱) عالم نبیہ حضرت علامہ شیخ عبداللہ میر داد بن جہبذ کبیر، عالم شہیر حضرت علامہ ابوالخیر میر داد (یہ اعلیٰ حضرت کے مرید بھی ہیں اور ان کے والد صاحب ہی نے ''انا اقبل ارجلکم'' الخ کہ: ''میں آپ کے پیروں کو بوسہ دوں، آپ کے جوتوں کو بوسہ دوں''، فرمایا تھا)

(۱۲) سید جلیل حضرت مولانا شیخ عبداللہ دحلان (مکۃ المکرّمہ)

(۱۳) حضرت شیخ محترم مولانا بکر رفیع (مکۃ المکرّمہ)

(۱۴) حضرت مولانا شیخ حسن عجیمی

(۱۵) فلذۃ کبدالمدینہ شیخ الدلائل حضرت مولانا شیخ سید محمد سعید بن سید جلیل حضرت مولانا سید محمد مغربی (مدینہ طیبہ)

(۱۶) ذوالمجد والکرم مولانا شیخ عمر دحلان مدنی (الاجازات صفحہ ۳۶۶،۳۶۳،۳۶۸)

(۳) اجازت نامہ کا تیسرا نسخہ:

اجازت نامہ کی یہ تیسری تحریر نہایت مختصر ہے جو آپ نے حضرت مولانا شیخِ جلیل شیخ احمد خضراوی مکی کے لئے تحریر فرمائی۔ یہ باقاعدہ سند اور اجازت نامہ کی صورت میں نہ تھی بلکہ سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ جانے کے لئے پابرکاب تھے اس وجہ سے آپ نے قلت وقت کے باعث حضرت شیخ احمد خضراوی کی ''یاداشت ڈائری'' ہی کے ایک صفحہ میں تقریباً تین سطری یہ اجازت نامہ تحریر فرما کر دستخط کر دیئے تھے۔ اس تحریر کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

'' الشیخ الجلیل البری عن المساوی'' اور اختتام یوں ہوتا ہے '' فلم یبق عندنا نسخة و کانت بالغة فی الوجازة'' (الاجازات صفحہ ۳۸۵)

واضح رہے کہ اس تیسرے اجازت نامہ پر کوئی تاریخ اور سن نہیں ہے۔ اس کی وجہ وہی ہے کہ نہایت عجلت میں یہ تحریر لکھی گئی تھی وہ بھی ان کی مملوکہ یاداشت کی ڈائری میں جس کی وجہ سے حضرت حجۃ الاسلام ''الاجازات'' میں اس کی تاریخ نقل نہ کر سکے۔

(۴) اجازت نامہ کا چوتھا نسخہ:

ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہندوستان واپسی کا جیسے جیسے وقت قریب آرہا تھا ویسے ویسے مکۃ المکرّمہ، مدینہ منورہ اور دنیا کے دیگر خطوں سے تشریف لائے علمائے کرام کا اشتیاق بڑھتا ہی چلا جارہا تھا۔ ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر کمر بستہ تھا۔ ہر ایک کی یہ آرزو تھی کہ اسے شرف تلمذ، شرف بیعت یا شرف اجازت وخلافت حاصل ہوجائے۔ ان کے اس اشتیاق اور ان کی اس عقیدت ومحبت نیز دربار رسول میں اپنی حاضری کی مصروفیات کے باعث آپ نے ایک ایسی عام سند تیار فرمائی کہ جس کا مضمون آپ نے عمومی رکھا۔ گویا کہ یہ سند ایک ''فارمیٹ'' اور ''خاکہ'' کی صورت میں تھی

جس طرح آج کل ہمارے یہاں مشائخ طریقت یا علمی دانش کدے ایک عام مضمون تیار کر کے اس کی متعدد کاپیاں چھپوا کر رکھ لیتے ہیں اور اپنے خلفاء یا تلامذہ کو ان کا نام، ولدیت، پتہ اور جاری کرنے کی تاریخ ڈال کر ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔اعلیٰ حضرت نے بھی اسی طرح کی یہ چوتھی سند تیار کی تھی جس میں خطبہ اور "وبعد فقد سألنی" کے بعد خالی جگہ چھوڑ دی تھی۔اجازت وخلافت کے متمنی حضرات جب آتے تو ان کا نام ان کے حسب مراتب القاب وآداب سے مزین کر کے اس خالی جگہ کو پر کر دیا جاتا پھر انہیں یہ اجازت نامہ دیدیا جاتا ساتھ ہی جس دن دیا جاتا وہ تاریخ بھی رقم کر دی جاتی۔اس چوتھی سند کا مضمون خطبہ سے یوں شروع ہوتا ہے:

"الحمد للہ احد من لا احد لہ" الخ۔

پورے خطبہ کے بعد:

"و بعد فقد سألنی" ہے۔اس کے بعد خلفاء کے نام۔پھر

"و انا حل بالبلد الحرام اجازۃ مرویات عن مشائخی الکرام". الخ ہے۔

اخیر میں **"و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین . آمین"** ہے۔اس کے بعد دستخط ہیں۔(الاجازات صفحہ ۳۸۵،۳۹۳اختصارا)۔

یہ چوتھی سند مندرجہ ذیل حضرات کو عطا فرمائی گئی۔

(۱) فاضل جلیل، سید جمیل، جامع فضائل انسیہ، قامع رذائل دنسیہ حضرت مولانا شیخ سید ابو حسین محمد مرزوقی بن سید عالم کبیر سید عبد الرحمٰن مکی علیہ الرحمہ (اوائل صفر ۱۳۲۴ھ میں بمقام مکۃ المکرّمہ موصوف کو یہ سند اجازت عطا فرمائی گئی۔)

(۲) ذو القدر المنیع والفخر البدیع حضرت مولانا بکر رفیع مکی (بمقام مکۃ المکرّمہ مورخہ ۳؍صفر ۱۳۲۴ھ کو انہیں اجازت وخلافت سے نوازا گیا)

(۳) شیخ اسعد حضرت مولانا شیخ اسعد دہان بن عالم عامل، فاضل کامل، عارف باللہ حضرت شیخ احمد دہان مرحوم (انہیں مؤرخہ ۷؍صفر ۱۳۲۴ھ میں بمقام مکۃ المکرّمہ یہ سند اجازت عطا فرمائی گئی۔)

(۴) فاضل ابن فاضل حضرت مولانا شیخ عبد الرحمٰن دہان بن عارف باللہ حضرت علامہ شیخ احمد دہان مرحوم (انہیں مؤرخہ ۷؍صفر ۱۳۲۴ھ میں بمقام مکۃ المکرّمہ یہ سند اجازت عطا فرمائی گئی۔)

(۵) فاضل اجل، کامل افضل، سابق مفتی مالکیہ ابن مفتی مالکیہ حضرت مولانا شیخ محمد عابد بن علامہ شیخ حسین مکی مرحوم (مؤرخہ ۹؍صفر ۱۳۲۴ھ بروز جمعرات بمقام مکۃ المکرّمہ انہیں اجازت وخلافت سے نوازا گیا)

(۶) حضرت مولانا شیخ محمد عابد صاحب کے بھائی فاضل نبیل، فقیہ جلیل، صاحب تصانیف بہیہ حضرت مولانا شیخ علی بن شیخ حسین مکی مرحوم (مؤرخہ ۹؍صفر ۱۳۲۴ھ بروز جمعرات بمقام مکۃ المکرّمہ انہیں اجازت وخلافت سے نوازا گیا)

(۷) مذکورہ بالا دونوں بھائیوں کے نوجوان بھتیجے، عالم جلیل، فاضل نبیل حضرت مولانا شیخ محمد جمال بن شیخ محمد امیر بن شیخ حسین مکی مرحوم (مؤرخہ ۹؍صفر ۱۳۲۴ھ بروز جمعرات بمقام مکۃ المکرّمہ انہیں اجازت وخلافت سے نوازا گیا)

نوٹ: ان تینوں حضرات نے اس مختصر چوتھی سند کے علاوہ جب "الاجازۃ الرضویہ" نامی بنا اضافہ جدیدہ والی اس مفصل سند کے لئے بھی گزارش کی کہ جو آپ نے حضرت شیخ صالح کمال، شیخ اسماعیل خلیل اور شیخ مصطفےٰ خلیل کو وقتی طور پر عطا فرمائی تھی نیز اضافہ جدیدہ کے ساتھ مزید تفصیلات سے مزین کر کے ہندوستان واپسی کے بعد بریلی شریف سے بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔تب آپ نے ان سے فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب کے پاس جو دوسری سند کا نسخہ ہے اس نسخے سے نقلیں لے لیں۔

(۸) فاضل کامل، عامل عالم، امام حرم بر مصلیٰ حنفی حضرت مولانا شیخ عبد اللہ میرداد بن

علامۂ اجل، زاہد عابد حضرت مولانا شیخ احمد ابی الخیر میرداد (یہ اعلیٰ حضرت کے مرید بھی تھے۔ انہیں مؤرخہ ۸؍صفر ۱۳۲۴ھ کو مکۃ المکرّمہ میں خلافت سے نوازا گیا۔)

(۹) فاضل جلیل، نبیہ نبیل، مولانا شیخ حسن عجیمی مکی بن قاضی فاضل شیخ عبدالرحمٰن مرحوم (یہ موصوف حضرت مولانا حسن بن علی عجیمی مکی مالکی قدس سرہٗ جو صاحب تصانیف کثیرہ ومعروفہ ہیں ان کی اولاد ونسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہیں ۸؍صفر ۱۳۲۴ھ کو مکۃ المکرّمہ میں اجازت وخلافت سے نوازا گیا)

(۱۰) عالم سالم حضرت مولانا سید سالم بن عیدروس بارعلوی حضرمی (۱۱؍صفر ۱۳۲۴ھ کو انہیں یہ اجازت نامہ عطا فرمایا گیا)

(۱۱) ولد صالح، شاب مفلح، ملتزم فی الحرم الکریم حضرت سید علوی بن حسن کاف حضرمی

(۱۲) حضرت مولانا سید ابوبکر بن سالم بارعلوی حضرمی

نوٹ: حضرت حجۃ الاسلام ''سید ابوبکر موصوف'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''مجھے یہ یاد نہیں کہ انہیں اعلیٰ حضرت نے تحریری سند عطا فرمائی تھی یا ان کے والد صاحب حضرت سید سالم بن عیدروس کو جو سند دی تھی اسی سے نقل کرنے کے لئے فرمایا تھا''۔

(۱۳) فاضل جلیل، کامل نبیل حضرت مولانا سید عبداللہ دحلان بن علامہ کبیر، امام شہیر حضرت مولانا سیدنا وشیخنا سید احمد بن زینی دحلان، تغمدہ اللہ بالرحمۃ و الرضوان. (انہیں ۲۴؍صفر ۱۳۲۴ھ کو اجازت عطا فرمائی۔ واضح رہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کو پہلے سفر حج کے موقع پر جبکہ اعلیٰ حضرت کی عمر شریف محض ۲۲؍سال تھی اور آپ اپنے والدین کے ساتھ حج کرنے تشریف لائے تھے اس موقع پر حضرت شیخ سید احمد بن زینی دحلان علیہ الرحمہ نے آپ کو اپنی اجازت وخلافت سے نوازا تھا اور آپ کے علم وفضل اور آپکی عظمت ورفعت کے سلسلے میں دعائیں فرمائی تھیں۔ حیات اعلیٰ حضرت جلد اول، الملفوظ حصہ دوم)

(۱۴) حضرت مولانا سید محمد بن عثمان دحلان (ان کو مدینہ طیبہ کے سفر پر نکلنے والے دن اجازت عطا فرمائی۔

(۱۵) فاضل کامل حضرت مولانا شیخ محمد یوسف، مدرس مدرسہ مولانا رحمت اللہ۔ علیہ رحمۃ اللہ۔ (انہیں ۲۴؍صفر ۱۳۲۴ھ کو اجازت عطا فرمائی گئی۔ (الاجازات صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۸ اختصاراً ومفہوماً)

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہ چوتھی سند ۱۵؍علماء ومشائخ کو عطا فرمائی گئی تھی جو ایک فارمیٹ کی صورت میں تھی۔ یوں تو ان کی تعداد ۱۵؍ ہے مگر ان میں سے دس حضرات وہ بھی ہیں کہ جن کو سند کا وہ دوسرا نسخہ کہ جس کا نام ''الاجازۃ الرضویہ'' ہے وہ بھی دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ اس لئے ''الاجازۃ الرضویہ'' جن ۱۶؍شخصیات کو دی گئی ہے ان کی ماقبل میں مذکور فہرست کے ضمن میں ان دس افراد کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح یہ دس شخصیات وہ ہیں کہ جنہیں ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی سند کا دوسرا نسخہ بھی ملا اور اس چوتھی سند کا یہ نسخہ بھی جو ایک فارمیٹ کی صورت میں ہے، وہ بھی ملا۔ ایسا نہیں ہے کہ دوسری سند کے ضمن میں مذکورہ بالا جن دس ناموں کا ذکر ہے وہ الگ ہیں اور چوتھی سند میں ۱۵؍خلفاء کے ضمن میں مذکور یہ دس شخصیات علیحدہ ہیں بلکہ ان دس شخصیات کی شمولیت ''الاجازۃ الرضویہ'' نامی سند کے دوسرے نسخے میں بھی ہے اور پندرہ شخصیات کو دی گئی اس چوتھی سند میں بھی۔ اس لئے ان حضرات کے نام دونوں فہرستوں میں مکرر ذکر ہوئے ہیں۔ جس سے کچھ حضرات کو اشتباہ ہو گیا اور انہوں نے ان مکرر ناموں کو الگ الگ شمار کر کے خلفائے عرب کی تعداد میں کافی اضافہ کر دیا۔ جیسا کہ ''خلفائے محدث بریلوی'' کے نام سے ''ادارہ تحقیقات امام احمد رضا'' نے جو کتاب شائع کی ہے اس میں ان حضرات کو الگ الگ خلیفہ شمار کر کے خلفائے عرب کی تعداد اکتالیس ۴۱؍ تک پہونچا دی گئی ہے۔ یہی نہیں

بلکہ اس کتاب میں مندرجہ ذیل کچھ تسامحات بھی نظر میں آئے ہیں۔

- ☆ پہلی سند دو حضرات کو ملی تھی مگر ''خلفاء محدث بریلوی'' نامی اس کتاب میں صرف ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔
- ☆ چوتھی سند اعلیٰ حضرت نے مذکورہ بالا پندرہ شخصیات کو عطا فرمائی مگر اس کتاب میں صرف ۱۲/ کا ذکر ہے۔
- ☆ شیخ ابو حسین محمد مرزوقی کو یہاں شیخ ابوالحسن لکھا گیا۔
- ☆ اس کتاب کی فہرست کے نمبر شمار ۱۸/ میں ''شیخ حسین مالکی'' کو چوتھی سند پانے والا خلیفہ قرار دیا گیا جبکہ یہ شیخ محمد عابد کے والد صاحب ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت کے سفر حرمین طیبین سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ شیخ محمد عابد صاحب کی سند میں ان کے نام کے ساتھ اعلیٰ حضرت نے ''مرحوم'' لکھا ہے تو ایسی صورت میں یہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ کیسے ہو سکتے ہیں؟
- ☆ ''شیخ صالح کمال مکی'' کا نام بھی اس کتاب میں چوتھی سند پانے والوں کی فہرست میں بھی درج ہے جبکہ انہیں سند کا صرف دوسرا نسخہ دیا گیا تھا چوتھا نہیں۔
- ☆ اسی فہرست میں ''شیخ عبداللہ میر داد'' کے والد گرامی اور "انا اقبل ارجلکم" کے قائل ''شیخ الخطباء حضرت شیخ احمد ابوالخیر میر داد'' کا بھی نام ہے حالانکہ اعلیٰ حضرت سے انہیں اجازت وخلافت نہیں۔
- ☆ پانچویں سند اعلیٰ حضرت نے ''شیخ عبدالقادر کردی مکی'' اور ان کے فرزند'' حضرت شیخ عبداللہ فرید مکی'' کو عطا فرمائی تھی جبکہ مذکورہ کتاب میں صرف والد کا ذکر ہے بیٹے کا نہیں۔
- ☆ اس کتاب کے مرتب صاحب موصوف نے ایک دوسری کتاب کے حوالے سے ''شیخ عبداللہ فرید مکی'' کا ذکر جداگانہ انداز میں کیا ہے مگر نام ''شیخ فرید'' تحریر کیا گیا ہے حالانکہ اعلیٰ حضرت کی تحریر کے مطابق ان کا

نام ''شیخ عبداللہ فرید'' ہے ''شیخ فرید'' نہیں۔

- ☆ اسی طرح ''شیخ عبداللہ فرید'' کے ذکر سے پہلے ''سید علوی بن حسین'' کا نام'' تقدیم الملفوظ مطبوعہ کراچی'' کے حوالے سے درج کیا گیا ہے جبکہ اعلیٰ حضرت کے خلفائے عرب و افریقہ میں اس نام کے کوئی خلیفہ نہیں۔ ایسا معلوم پڑتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ''سید علوی بن حسن'' ہی کو ''علوی بن حسین'' کر دیا گیا ہے۔
- ☆ یونہی ''شیخ عمر بن حمدان محرسی مالکی'' جنہیں سند کا دوسرا نسخہ دیا گیا تھا ان کا نام دوسری سند پانے والوں میں دو الگ الگ شخصیت بنا کر ایک کو'' شیخ عمر محروسی'' اور دوسرے کو'' عمر بن حمدان'' کے ناموں سے درج کیا گیا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک ہی شخصیت کے نام ہیں۔ نیز ''الاجازات المتینہ'' کے مطابق یہ ''محرسی'' ہے ''محروسی'' نہیں۔

(تفصیل کے لئے خلفاء محدث بریلوی صفحہ ۹ تا ۱۶ کا مطالعہ فرمائیں۔ ان صفحات میں کافی اغلاط در آئے ہیں جن کی تصحیح نہایت ضروری ہے۔ امید ہے کہ'' ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا'' کے ذمہ داران اور اس کتاب کے مرتب، عالی جناب محترم محمد عبدالستار طاہر صاحب مسعودی اس جانب توجہ کر کے کرم فرمائیں گے۔)

اجازت نامہ کا پانچواں نسخہ:

اعلیٰ حضرت نے یہ اجازت نامہ مؤرخہ ۱۰/ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ کو بمقام مکۃ المکرّمہ ''حضرت علامہ مولانا شیخ عبدالقادر کردی'' اور ان کے کم سن فرزند ''حضرت مولانا شیخ عبداللہ فرید'' صاحبان کے لئے تحریر فرمایا تھا۔ اس سند کی ابتداء:

'' **الحمد لله على ما انعم و علم** '' الخ سے ہوتی ہے۔ اور اس کا اختتام

''**والله رزقنا جميعا النور و البهاء آمين والحمد لله رب العالمين**'' پر ہوتا ہے۔ (الاجازات صفحہ ۳۹۳، ۳۹۴ اختصارا)۔

اس طرح یہ سند ان دو افراد کو حاصل ہوئی: (۱) حضرت علامہ مولانا شیخ عبدالقادر کردی مکی۔ (یہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال صاحب کے شاگرد رشید بھی ہیں) (۲) شیخ عبدالقادر صاحب کے فرزند حضرت مولانا شیخ عبداللہ فرید مکی۔

اجازت نامہ کا چھٹا نسخہ:

یہ اجازت نامہ اعلیٰ حضرت نے مؤرخہ ۱۱؍صفر شب جمعہ ۱۳۲۴ھ کو مکہ شریف میں ''حضرت علامہ مولانا سید محمد عمر بن سید ابوبکر رشیدی صاحب'' کے لئے تحریر فرمایا۔ اس سند کی ابتداء:

" الحمد لله وحدهٗ و السلام علی من لا نبی بعد هٗ "الخ سے ہوتی ہے۔

اوراس کا اختتام "و یاتی فی الشاهد لما تصوره الخیال آمین" پر ہوتا ہے۔ (الاجازات صفحہ ۳۹۴ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)

واضح رہے کہ سیدی سرکار اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سند کا یہ چوتھا نسخہ اگرچہ حضرت مولانا سید محمد عمر بن سید ابوبکر رشیدی مرحوم کے لئے ہی تحریر فرمایا تھا مگر ان کی عرض پر آپ نے ''بشرط علم وعمل'' اور ''بشرط فرزند'' مستقبل قریب میں ان کے یہاں متولد ہونے والے بچے کو بھی اپنی اسی اجازت وخلافت سے ان الفاظ میں نوازا تھا کہ:

" و قد جرت سنة العلماء بالاجازة لمن سیولد فضلا عمن یوجد فاجبت مسؤله و حققت مأموله واجزته بالقرآن و الحدیث والفقه و الاصول" الخ

ترجمہ: علماء ومشائخ کی یہ سنت چلی آرہی ہے کہ پیدا ہو چکے کم سن بچوں کو تو وہ اجازت دیتے ہی ہیں ان کے علاوہ وہ مستقبل قریب میں پیدا ہونے والے بچوں کو بھی اجازت سے نوازتے ہیں۔ اسی لئے میں نے بھی ان کے والد محترم کی عرض کو قبول کرتے اور ان کی تمنا کی تکمیل کرتے ہوئے اس آنے والے بچے کو

قرآن وحدیث اور فقہ واصول وغیرہ اپنے تمام علوم وفنون کی اجازت بخشی۔

اسی موقع پر ان کے والد صاحب نے فرمایا کہ میں اس بچے کا نام آپ کے نام پر ''احمد رضا'' رکھوں گا۔ اعلیٰ حضرت نے آقا کریم ﷺ کے تینوں خلفاء کے ناموں سے تبرک حاصل کرنے کی غرض سے جوابا ارشاد فرمایا کہ ''نہیں۔ بلکہ ان کا نام آپ ''عثمان'' رکھنا تا کہ ان کا نسب یوں بنے کہ ''سید عثمان بن سید عمر بن سید ابو بکر''۔'' اسی مجلس میں حضرت شیخ صالح کمال صاحب بھی موجود تھے انہوں نے اعلیٰ حضرت اور حضرت مولانا سید عمر صاحب دونوں کے ارشادات میں تطبیق دیتے اور بیچ کی صورت نکالتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ ''پہلے بیٹے کا نام ''سید عثمان'' رکھیں اور دوسرے بیٹے کا نام اپنی خواہش کے مطابق اعلیٰ حضرت کے نام پر ''احمد رضا'' رکھیں''۔ (الاجازات صفحہ ۳۹۵ اختصاراومفہوما)

اب اس بات کا پتہ نہ لگ سکا کہ ان کے یہاں بیٹے کی پیدائش ہوئی یا بیٹی کی۔ اگر بیٹے کی پیدائش ہوئی ہو اور اعلیٰ حضرت کی خواہش کے مطابق انہوں نے ان کا نام ''سید عثمان'' رکھا ہو تو ایسی صورت میں سند کا یہ چھٹا نسخہ پانے والی مندجہ ذیل دو شخصیتیں ہوں گی۔

(۱) حضرت علامہ مولانا سید محمد عمر بن سید ابوبکر رشیدی مکی

(۲) ''سید عثمان بن سید عمر بن سید ابوبکر'' (متوقع)

اجازت نامہ کا ساتواں نسخہ:

یہ اجازت نامہ اور سند کا یہ ساتواں نسخہ اعلیٰ حضرت نے بمقام مدینہ منورہ مؤرخہ ۹؍ربیع الآخر بروز ہفتہ ۱۳۲۴ھ کو ''شیخ الدلائل حضرت مولانا سید شیخ محمد سعید مغربی بن حضرت شیخ سید محمد مغربی علیہ الرحمہ'' کے لئے مختصرا تحریر فرما کر ان کے سپرد کر دیا تھا اور ''الاجازۃ الرضویہ'' والا تفصیلی دوسرا نسخہ ہندوستان پہونچ کر بھیجنے کا ان سے وعدہ فرمالیا تھا۔ اس سند کی ابتدا تسمیہ وتحمید کے بعد یوں ہوتی ہے:

’’ **الحمد لله احد من لا احد له**‘‘الخ۔

اوراس کا اختتام’’ **و افضل الصلوٰة والسلام علی هذا الحبیب الکریم و اٰله و صحبه و ذریته اجمعین . اٰمین**‘‘ پرہوتا ہے۔(الاجازات صفحہ ۳۹۶، ۳۹۷مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف)۔

ہندوستان واپسی پرحسب وعدہ انہیں’’الاجازۃ الرضویہ‘‘نامی اجازت نامہ کا تفصیلی نسخہ بھی بھیج دیا گیا۔اس طرح انہیں سند کا ساتواں نسخہ بھی ملا اور سند کا دوسرا نسخہ بھی۔اسی لئے ان کا نام’’الاجازۃ الرضویہ‘‘ نامی خلافت نامہ پانے والی شخصیات کے فہرست میں بھی ماقبل میں مذکورہ ہوا ہے۔

حضرت مولانا سید حسین مدنی کو اجازت وخلافت:

’’حضرت مولانا سید حسین مدنی بن حضرت مولانا سید عبدالقادر مدنی‘‘ سرکار اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں اس وقت تشریف لائے جب آپ سفر حج وزیارت سے ہندوستان واپس تشریف لا چکے تھے۔ یہ اعلیٰ حضرت کے گھر پر چودہ مہینے رہے اور انہوں نے اعلیٰ حضرت سے’’علم جفر‘‘اور’’علم اوفاق وتکسیر‘‘ حاصل کئے۔انہیں کے لئے اعلیٰ حضرت نے عربی زبان میں’’**اطائب الاکسیر فی علم التکسیر**‘‘ نامی رسالہ تحریر فرمایا تھا۔ان کا پورا واقعہ’’الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۲۹ تا ۳۰ مطبوعہ مکتبہ قادریہ اٹوا بازار سدھارت نگر یوپی‘‘میں مذکورہ ہے۔انہیں اعلیٰ حضرت سے شرف تلمذ بھی حاصل تھا اور شرف خلافت بھی۔ اس طرح ان کی اجازت وخلافت کا ثبوت’’الملفوظ‘‘ سے ملتا ہے۔

یونہی ان کے چھوٹے بھائی’’حضرت مولانا سید ابراہیم مدنی‘‘ بھی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بریلی شریف ان سے پہلے تشریف لائے تھے۔مگر’’الملفوظ‘‘ میں ان کے ذکر کے ضمن میں اس بات کی تصریح نہیں ملتی کہ انہوں نے یہ سفر صرف اعلیٰ حضرت سے ملاقات کی غرض سے کیا تھا یا اعلیٰ حضرت سے تعلیم حاصل کرنے

کیلئے۔ بہرحال سید ابراہیم مدنی کے خلیفہ یا شاگرد ہونے کی کوئی مضبوط دلیل اور واضح تصریح نہ مل سکی۔اتنا ضرور ہے کہ یہ چار بھائی ہیں جن میں سے’’سید حسین مدنی، سید ابراہیم مدنی اور سید محمد مدنی‘‘ مختلف اوقات میں بریلی شریف تشریف لائے تھے۔البتہ ان کے بڑے بھائی’’سید احمد خطیب مدنی‘‘کہ جنہوں نے ’’الدولۃ المکیۃ‘‘ پر علمائے شام کی تقریظیں لکھوانے میں کافی کوششیں کی تھیں اور اعلیٰ حضرت سے ان کی باقاعدہ خط وکتاب اور مراسلت بھی تھی،ان کی آمد بریلی شریف میں نہیں ہوئی۔

اس طرح’’الاجازات المتینہ‘‘اور’’الملفوظ‘‘کے ذریعہ ہمیں اعلیٰ حضرت کے خلفائے عرب وافریقہ کے جونام دستیاب ہوسکے ان کی مجموعی تعداد ۳۱ رہوتی ہے جو مندرجہ ذیل ہے:

(۱) محدث مغرب، محدث عرب وعجم، عالم کامل، مجمع فضائل، منبع فضائل حضرت علامہ مولانا سیدنا شیخ محمد عبدالحی بن شیخ کبیر سید عبدالکبیر کتانی، حسنی، ادریسی فاسی۔مکہ شریف۔

(۲) عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت مولانا شیخ حسین جمال بن عبدالرحیم۔ مکہ شریف۔

(۳) حسنۃ الزمان، برکۃ الآوان، طیب الوجود وطیب الجود، صالح افعال، صدیق الاقوال، ابوالافضال، ابن الکمال حضرت مولانا شیخ صالح کمال ،مفتی حنفیہ وسابق قاضی مکۃ المکرّمہ (مکہ شریف)

(۴) محافظ کتب حرم حضرت مولانا سید شیخ اسماعیل خلیل مکی آفندی (مکہ شریف)

(۵) حضرت مولانا سید شیخ مصطفےٰ خلیل مکی آفندی (یہ حضرت شیخ سید اسماعیل خلیل صاحب کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۶) حضرت مولانا سید شیخ مامون بری مدنی

(۷) امین الفتوی ومکین التقوی حضرت مولانا سید ابوحسین مرزوقی (مکۃ المکرّمہ)۔

(۸) حسنۃ الزمان حضرت مولانا شیخ اسعد دہان (مکۃ المکرّمہ)

(۹) عالم جلیل فاضل نبیہ حضرت مولانا شیخ عبدالرحمٰن دہان (یہ حضرت مولانا شیخ اسعد دہان کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۰) مفتی مالکیہ عالم جلیل فاضل نبیل حضرت علامہ شیخ عابد بن حسین (مکۃ المکرّمہ)

(۱۱) حضرت مولانا شیخ علی بن حسین (یہ حضرت شیخ عابد بن حسین کے بھائی ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۲) عالم جلیل حضرت شیخ جمال بن محمد امیر (یہ حضرت شیخ عابد اور حضرت علی کے بھتیجے ہیں) (مکۃ المکرّمہ)

(۱۳) عالم نبیہ حضرت علامہ شیخ عبداللہ میرداد بن جہبذ کبیر، عالم شہیر حضرت علامہ ابوالخیر میرداد (یہ اعلیٰ حضرت کے مرید بھی ہیں اور ان کے والد صاحب ہی نے" انا اقبل ارجلکم "الخ کہ "میں آپ کے پیروں کو بوسہ دوں، آپ کے جوتوں کو بوسہ دوں"، فرمایا تھا)

(۱۴) سید جلیل حضرت مولانا شیخ عبداللہ دحلان (مکۃ المکرّمہ)

(۱۵) حضرت شیخ محترم مولانا بکر رفیع (مکۃ المکرّمہ)

(۱۶) حضرت مولانا شیخ حسن عجیمی

(۱۷) فلذۃ کبدالمدینہ شیخ الدلائل حضرت مولانا سید محمد سعید (مدینہ طیبہ)

(۱۸) ذوالمجد والکرم مولانا شیخ عمر دحلان مدنی

(۱۹) حضرت مولانا شیخ جلیل شیخ احمد خضراوی مکی

(۲۰) عالم سالم حضرت مولانا سید سالم بن عیدروس بارعلوی حضرمی

(۲۱) ولد صالح، شاب مفلح، ملتزم فی الحرم الکریم حضرت سید علوی بن حسن کاف حضرمی۔

(۲۲) حضرت مولانا سید ابوبکر بن سالم بارعلوی حضرمی۔

(۲۳) حضرت مولانا سید محمد بن عثمان دحلان۔

(۲۴) فاضل کامل حضرت مولانا شیخ محمد یوسف، مدرس "مدرسہ مولانا رحمت اللہ"۔علیہ رحمۃ اللہ۔

(۲۵) حضرت علامہ مولانا شیخ عبدالقادر کردی مکی۔

(۲۶) حضرت مولانا شیخ عبداللہ فرید مکی۔

(۲۷) حضرت علامہ مولانا سید محمد عمر بن سید ابوبکر رشیدی مکی

(۲۸) "سید عثمان بن سید عمر بن سید ابوبکر" (تولد ہونے والے متوقع فرزند)

(۲۹) حضرت مولانا حسین مدنی بن حضرت مولانا سید عبدالقادر مدنی

(۳۰) حضرت مولانا سید محمد ابراہیم مدنی بن حضرت مولانا سید عبدالقادر مدنی

(۳۱) حضرت مولانا سید محمد مدنی بن مولانا شیخ عبدالقادری مدنی شامی

ایک ضروری وضاحت:

"ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی" سے شائع ہونے والی کتاب "تذکرۂ خلفاء اعلیٰ حضرت" میں عرب وافریقہ کے خلفاء کی جو فہرست پیش کی گئی ہے ان میں یہ تعداد ۲۸؍ ہے مگر اس فہرست میں چند چیزیں ایسی نظر میں آئی ہیں کہ جن کی وضاحت ضروری ہے:

(۱) "شیخ عبدالرحمٰن دہان" اور "شیخ عبدالقادر کردی" کا نام خلفاء کی نہ تو فہرست میں ہے اور نہ ہی خلفاء کے حالات میں حالانکہ "الاجازات المتینہ" میں ان دونوں ہی کے خلفاء ہونے کی تصریح موجود ہے۔

(۲) مذکورہ کتاب کی فہرست کے نمبر شمار دس پر "شیخ عابد حسین مالکی" کا نام درج ہے جبکہ اس نام کے اعلیٰ حضرت کے کوئی خلیفہ نہیں ہاں "شیخ عابد بن حسین" نام کے خلیفہ ضرور ہیں۔

(۳) مذکورہ کتاب کی فہرست کے نمبر شمار ۱۶؍ پر "شیخ عمر بن حمدان محراسی" درج ہے جبکہ "الاجازات المتینہ" میں "محرسی" لکھا ہوا ہے۔

(۴) فہرست کے نمبر شمار ۱۹ر پر ''شیخ ابوالحسن محمد بن عبدالرحمٰن مرزوقی'' لکھا گیا ہے۔اور صفحہ نمبر ۸۰ پر جہاں ان کے حالات درج کئے گئے ہیں وہاں ''سید ابوالحسن محمد بن عبدالرحمٰن'' ہے حالانکہ ''الاجازات'' میں ''ابوالحسین'' ہے۔

(۵) ''شیخ محمد سعید بن محمد بابصیل'' کو مذکورہ کتاب میں اعلیٰ حضرت کا شاگرد و خلیفہ لکھا ہے حالانکہ اس کا ثبوت نہ تو ''الاجازات المتینہ'' سے ملتا ہے، نہ ''حیات اعلیٰ حضرت'' سے، نہ ''الدولۃ المکیۃ'' کی تقریظ سے اور نہ ہی ''الملفوظ'' سے۔ نیز اس پر کوئی حوالہ بھی پیش نہیں کیا گیا ہے۔خلفائے اعلیٰ حضرت کے تعلق سے جن مآخذ تک فقیر راقم الحروف (محمد سلیم بریلوی) کی رسائی ہوسکی اس میں کہیں بھی صراحتاً یا اشارتاً ان کے خلیفہ ہونے کا ثبوت نہ مل سکا جس کی وجہ سے ہم نے اپنی فہرست میں ان کا نام خلفاء کے ساتھ شامل نہ کیا۔

(۶) سید محمد ابراہیم مدنی کو مذکورہ کتاب میں ''حضرت مفتی محمود احمد رفاقتی'' علیہ الرحمہ کے حوالے سے صفحہ ۷۹ پر اعلیٰ حضرت کا خلیفہ وشاگرد لکھا ہے۔''الملفوظ'' کے حوالے سے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں ان کے آنے کا تو پتہ چلتا ہے مگر اجازت وخلافت اور شرف تلمذ کی تصریح نہیں ملتی یونہی ''حیات اعلیٰ حضرت'' میں بھی تصریح نہیں ہے اور نہ ہی ''الاجازات المتینہ'' میں۔ممکن ہے کہ جب یہ بریلی شریف تشریف لائے ہیں تو انہیں اجازت بھی ملی ہو اور شرف تلمذ بھی حاصل ہوا ہو۔اس احتمال کے پیش نظر ہم نے اپنی فہرست میں ان کا نام بھی شامل کرلیا۔

(۷) سید محمد ابراہیم مدنی صاحب کے علاوہ ان کے بھائی سید محمد مدنی صاحب بھی بریلی شریف حاضر ہوئے تھے جس کی تصریح ''الملفوظ'' کے حوالے سے گزشتہ صفحات میں گزری، ان کا ذکر ''تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں نہیں ہے۔مگر جس طرح ایک احتمال وامکان کی وجہ سے سید محمد ابراہیم

صاحب کا نام ہم نے شامل کیا ہے ویسے ہی سید محمد مدنی صاحب کا بھی نام درج کرلیا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کی ایک فہرست حضرت علامہ مفتی محمد حنیف خاں صاحب رضوی بریلوی مدظلہ نے ''جامع الاحادیث'' کے مقدمہ میں پیش فرمائی ہے جن میں ۱۴ر تلامذہ کے نام ذکر فرمائے ہیں۔ یہ فہرست مندرجہ ذیل ہے:

(۱) استاذ زمن مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی (برادر اوسط) (۲) حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی (خلف اکبر) (۳) مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی (خلف اصغر) (۴) ابوالمحمود مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی (۵) ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب بہاری (۶) عیدالاسلام مولانا عبدالسلام صاحب جبلپوری (۷) سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد صاحب پیلی بھیتی (۸) ابوالفیض صوفی قلندر علی صاحب سہروردی سیالکوٹی (۹) محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی (۱۰) مولانا حافظ یقین الدین صاحب۔ برنی (بریلی شریف) (۱۱) مولانا رحیم بخش صاحب آروی (۱۲) مولانا مفتی اعجاز ولی خاں صاحب بریلوی (۱۳) مولانا حسنین رضا خاں صاحب بریلوی (برادرزادہ) (۱۴) مولانا رحیم بخش صاحب مظفرپوری (جامع الاحادیث مقدمہ صفحہ ۳۹۴-۳۹۵)۔

تلامذہ کی ایک فہرست ''تجلیات خلفائے اعلیٰ حضرت'' میں بھی درج کی گئی ہے جو مندرجہ ہے:

(۱) علامہ حسن رضا خاں بریلوی (۲) مفتی محمد رضا خاں بریلوی (۳) علامہ حامد رضا خاں بریلوی (۴) علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی (۵) علامہ حسنین رضا خاں بریلوی (۶) علامہ سید احمد اشرف کچھوچھوی (۷) علامہ سید محمد اشرف کچھوچھوی (محدث اعظم ہند) (۸) مفتی سید غیاث الدین رجھتی۔ (نوادہ، بہار) (مزار مبارک شہسرام) (۹) علامہ سید عبدالرحمٰن بیتھوی (۱۰) علامہ شہاب الدین

کویا شالیاتی شافعی (۱۱) علامہ سید دیدار علی الوری (۱۲) علامہ سید ابو البرکات لاہوری (۱۳) صوفی قلندر علی ملتانی (۱۴) علامہ سید ہدایت رسول لکھنوی۔

(۱۵) مفتی سید عزیز غوث بریلوی (۱۶) علامہ یقین الدین بریلوی (۱۷) علامہ عبدالاحد پیلی بھیتی (۱۸) علامہ عزیز الحسن پھپھوندوی (۱۹) مفتی حشمت علی بریلوی (۲۰) مفتی امجد علی اعظمی (۲۱) صوفی جمیل الرحمٰن بریلوی (۲۲) علامہ سید محمد حسین بریلوی میرٹھی (۲۳) علامہ حشمت علی خاں پیلی بھیتی (۲۴) علامہ حکیم یعقوب علی خاں رامپوری (۲۵) مفتی برہان الحق جبلپوری (۲۶) مفتی رحیم بخش مظفر پوری (۲۷) مفتی ظفر الدین بہاری (ملک العلماء) (۲۸) علامہ شمس احمد باسنوی (۲۹) علامہ ظہیر الحسن اعظمی (۳۰) مفتی رحیم بخش آروی (۳۱) علامہ الحاج منیر الدین بنگالی (۳۲) علامہ حامد علی رائے پوری (۳۳) مفتی غلام جان ہزاروی (۳۴) علامہ سید فتح علی سیالکوٹی (۳۵) علامہ احمد بخش قادری (۳۶) علامہ امام الدین کوٹلوی (۳۷) علامہ عبدالغفور شاہ پوری (۳۸) علامہ تقدس علی خاں بریلوی (۳۹) علامہ سید عبدالرشید عظیم آبادی۔

دیگر تلامذہ:

واضح رہے کہ ان ۳۹/تلامذہ اور شاگردوں میں ان حضرات کا کوئی ذکر نہیں کہ جنہوں نے اعلیٰ حضرت سے تعلیم حاصل کی اور اس بات کی صراحت خود اعلیٰ حضرت نے ''الملفوظ'' میں فرمائی۔ اسی طرح ان کا بھی ذکر نہیں کہ جو اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں مدینہ طیبہ سے بریلی شریف حاضر ہوئے اگرچہ یہ صراحت تو نہیں ملتی کہ انہوں نے تعلیم حاصل کی یا محض ملاقات کی غرض سے حاضر ہوئے۔ یہ دو شخصیتیں ہیں۔ بہر حال ایسے تمام حضرات کے ناموں کا اضافہ ہم ''الملفوظ'' اور دیگر حوالوں سے ذیل میں کر رہے ہیں مگر نمبر شمار میں تسلسل قائم رکھنے کے لئے مذکورہ بالا نمبر شمار ''۳۹'' کے آگے سے درج کر رہے ہیں:

(۵۰) مولانا عبد الغفار صاحب بخاری (۵۱) مولانا سید حسین مدنی بن مولانا سید عبدالقادر مدنی (مدینہ شریف) (۵۲) مولانا عبدالرحمٰن آفندی ترکی شامی (مدینہ شریف) (۵۳) مولانا عبدالرحمٰن دہان بن مولانا احمد دہان (مکہ شریف) (۵۴) مولانا سید ابراہیم مدنی بن مولانا سید عبدالقادر مدنی شامی (۵۵) مولانا سید محمد مدنی بن سید مولانا عبدالقادر مدنی شامی (۵۶) حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب۔ درگاہ کلاں، بہار شریف (۵۷) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اوگانوی (۵۸) حضرت مولانا محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری (۵۹) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بہاری (الملفوظ حصہ دوم صفحہ ۲۶/۲۷/۲۹/۳۰ مطبوعہ مکتبہ قادریہ اٹوا بازار سدھارتھ نگر۔ یوپی۔ حیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۳۰۱ تا ۳۰۸ و ۱۵۵/ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

نمبر شمار ۵۰ تا ۵۹/ مذکورہ بالا دس حضرات کے تلامذہ اعلیٰ حضرت ہونے کی مختصر سی صراحت ملاحظہ فرمائیں:

(۱) مولانا عبدالغفار صاحب بخاری، حیدرآباد سے تعلق رکھتے تھے ''علم جفر'' کی تکمیل کے لئے مارہرہ مقدسہ تشریف لائے تھے۔ حضرت سرکار سیدنا ابو الحسین احمد نوری کہ جن سے اعلیٰ حضرت نے ۱۲۹۴ھ میں علم جفر کا صرف ایک قاعدہ سیکھا تھا، آپ نے اعلیٰ حضرت کو یہ حکم دیا کہ آپ مولانا عبد الغفار بخاری کو یہ فن پڑھائیں چنانچہ آپ نے انہیں اٹھ مہینے تک نہایت انہماک کے ساتھ اس فن کی تعلیم دی حتی کہ کبھی کبھی تو سردیوں میں رات کے دو بج جاتے۔ بعد میں یہ سنگا پور چلے گئے اور وہیں سے انہوں نے ایک خط اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بھیجا تھا جس کا ذکر اعلیٰ حضرت نے ''الملفوظ'' میں کیا ہے۔ (الملفوظ صفحہ ۲۹ مفہوما واختصارا)

(۲) مولانا سید حسین مدنی صاحب مدینہ طیبہ سے بریلی تشریف لائے تھے۔ چودہ مہینے اعلیٰ حضرت کے گھر پر رہ کر ''علم جفر''، ''علم اوفاق'' اور ''علم تکسیر'' کی بھرپور اور کامیاب انداز میں تعلیم حاصل کی حتی کہ اعلیٰ حضرت

نے ''علم جفر'' سے متعلق اپنا رسالہ اور اس کی جدولیں جنہیں آپ نے تیار کیا تھا یہ سب انہیں کی نذر کردیں۔ (الملفوظ صفحہ ۲۷۔ وحیات اعلیٰ حضرت جلد اول صفحہ ۳۰۸ مفہوما واختصارا)

(۳) مولانا عبدالرحمٰن آفندی ترکی شامی نے مدینہ طیبہ میں اعلیٰ حضرت سے ''علم جفر'' کی کچھ تعلیم حاصل کی۔ (الملفوظ صفحہ ۲۶ مفہوما واختصارا)

(۴) مولانا عبدالرحمٰن دہان بن مولانا احمد دہان مکی نے بھی مکۃ المکرّمہ میں کئی گھنٹے خلوت میں رہ کر ''علم جفر'' کے تعلق سے اعلیٰ حضرت کے ساتھ علمی مذاکرہ کیا جس کے نتیجہ میں مولانا عبدالرحمٰن کے پاس جو اس فن کا ایک ناقص قاعدہ تھا اس کی قدرے تکمیل ہوگئی۔ (الملفوظ صفحہ ۲۶ مفہوما واختصارا)

(۵) حضرت مولانا سید ابراہیم مدنی، حضرت مولانا سید حسین مدنی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں جو سید حسین صاحب کے بریلی شریف آنے سے پہلے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں آئے۔ حضرت مفتی محمود احمد رفاقتی علیہ الرحمہ کی تصریح کے مطابق آپ ہی کی تجویز اور آپ ہی کے نام پر اعلیٰ حضرت کے پوتے حضرت مفسر اعظم ہند علیہ الرحمہ کا نام ''محمد ابراہیم رضا خاں'' رکھا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بریلی شریف میں آپ کی آمد حضرت مفسر اعظم ہند کے زمانہ ولادت میں ہوئی۔ کافی دنوں قیام رہا۔ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ نے اعلیٰ حضرت کی بارگاہ علم وفن سے ضرور اکتساب فیض کیا ہوگا۔ بریلی شریف سے آپ ملک روس میں واقع ''قازان'' نامی خطہ میں تشریف لے گئے۔ (الملفوظ صفحہ ۳۰ مفہوما واختصارا)

(۶) حضرت مولانا سید محمد مدنی بن حضرت مولانا سید عبدالقادر مدنی شامی یہ بھی اعلیٰ حضرت کی بارگاہ میں بریلی شریف تشریف لائے تھے۔ یہ سید حسین مدنی صاحب اور سید محمد ابراہیم مدنی صاحب کے بھائی ہیں۔ سید صاحب موصوف سب سے آخر میں بریلی شریف تشریف لائے۔ یہ چار بھائی تھے۔ ان کے بڑے بھائی سید احمد مدنی صاحب بھی اعلیٰ حضرت سے بہت محبت وعقیدت

رکھتے تھے۔ علمائے شام سے الدولۃ المکیۃ پر تقریظیں لکھوانے میں ان کا بہت اہم کردار ہے۔ ان کو چھوڑ کر باقی تینوں بھائی بریلی شریف آئے تھے۔ سید حسین صاحب بریلی شریف سے تبت چین چلے گئے تھے اور سید ابراہیم صاحب قازان، روس تشریف لے گئے تھے۔ ان کی والدہ صاحبہ اپنے دونوں بیٹوں کے فراق سے بہت پریشان تھیں۔ کافی عرصہ بعد سید حسین صاحب والدہ صاحبہ کے پاس مدینہ طیبہ لوٹ آئے تھے جس کی خبر اعلیٰ حضرت کو ان کے چھوٹے بھائی سید محمد مدنی صاحب نے بریلی شریف آکر دی۔ قرین قیاس یہی ہے کہ جس دربار میں شب وروز علوم حکمت اور معرفت وروحانیت کے بیش بہا موتی لوٹنے پر شائقین علم وفضل ہمہ وقت سبقت کرتے ہیں وہاں یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی دور دراز کا سفر کرکے کوئی شخص آئے اور ان بیش بہا موتیوں سے اپنے دامن کو پُر نہ کرے۔ (الملفوظ صفحہ ۳۰ مفہوما واختصارا)

(۷، ۸، ۹، ۱۰) اعلیٰ حضرت کے تلامذہ کا اب تک جتنے تذکرہ نگاروں نے ذکر فرمایا ہے ان میں مندرجہ ذیل چار حضرات کا ذکر کہیں نہیں ملتا:

(۱) حضرت مولانا سید شاہ غلام محمد صاحب درگاہ کلاں بہار شریف (۲) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اوگانوی (۳) حضرت مولانا محمد نذیر الحق صاحب رمضان پوری (۴) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب بہاری۔

حالانکہ یہ حضرات حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ کے ساتھیوں میں سے ہیں جنہوں نے حضرت ملک العلماء کے زمانہ تعلیم میں بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت کے یہاں رہ کر تعلیم حاصل کیں۔ عید کے موقع پر اعلیٰ حضرت اپنے شہزادگان، عزیز واقارب اور دیگر اہل خانہ کو جب ''عیدی'' تقسیم فرماتے تو اپنے یہاں پڑھنے والے طلبہ کو بھی کمال شفقت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے ''عیدی'' کی سوغات سے نوازتے۔ چنانچہ حضرت ملک العلماء علیہ الرحمہ اپنے اس چشم دید واقعہ کا بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات بھی مجھے ہمیشہ یاد رہتی ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں جب کبھی

ماہ مبارک رمضان شریف میں بریلی شریف رہنا ہوا اور اس تعطیل میں مکان نہ آیا، تو عید الفطر کے دن جس طرح (اعلیٰ حضرت) تمام عزیزوں کو ''عیدی'' تقسیم فرماتے مجھے (ملک العلماء) اور دوسرے خاص طلبہ مثلاً مولوی سید عبد الرشید صاحب کو پاوی عظیم آبادی، مولوی سید شاہ غلام محمد صاحب، درگاہ کلاں بہار شریف، مولوی محمد ابراہیم صاحب اوگانوانی، مولوی اسماعیل صاحب بہاری سب کو علیٰ قدر مراتب تہواری عطا فرماتے''۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ ۱۵۵ جلد اول مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اگر ابھی بھی ڈھونڈ ھکوڑ اور تتبع وتلاش کی جائے تو اعلیٰ حضرت کے کئی تلامذہ کو پردۂ خفا سے منظر عام پر لایا جاسکتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ اب تک تلامذۂ اعلیٰ حضرت کے ناموں کی جو تصریحات وتفصیلات تذکرہ نگار حضرات نے بیان فرمائی ہیں ان کی مجموعی تعداد صرف ۳۹ر تھی۔ یہ دس شخصیات وہ ہیں کہ جن کے نام الملفوظ اور حیات اعلیٰ حضرت میں جا بجا مذکور تھے۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت عموماً اپنے طلبہ کو سند فراغت کے ساتھ سند اجازت وخلافت بھی عطا فرماتے تھے۔ اس اعتبار سے اب برصغیر کے خلفاء کی مجموعی تعداد ۹۷ر ہو جاتی ہے۔

نوٹ: اعلیٰ حضرت کے خلفاء اور تلامذہ کے جتنے نام ہمیں مل سکے ہم نے انہیں یہاں درج کر دیا۔ تتبع وتلاش اور تحقیق وتفتیش کا دروازہ کھلا ہے۔ محققین تحقیق وتلاش کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ مستقبل میں یہ محققین و ماہرین ہماری تساہلی کے باعث پردۂ خفا میں روپوش ہو چکے ان خلفاء وتلامذہ کے ناموں کو تتبع وتلاش کے بعد ضرور منظر عام پر لائیں گے۔

چشم وچراغِ خاندانِ برکات

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی
شعبۂ جغرافیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

برصغیر ہند وپاک کا وہ معروف خطہ جو سلطان العاشقین حضور صاحب البرکات سید شاہ برکت اللہ عشقی پیمی مارہروی قدس سرہٗ کی پیم نگری اور برکات نگر ہے اور اسی برکات نگر میں برکتوں کا منبع خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کل بھی روحانیت کی آماجگاہ تھی اور آج بھی مشائخ مارہرہ کے فیضان تصرف کا معروف مرکز ہے۔ اسی خانقاہ کے مشرقی حصہ میں واقع قبلۂ جسم وجاں نائب غوث زماں شمس مارہرہ سیدنا شاہ حضور آل احمد اچھے میاں صاحب کا وہ حجرہ مبارک اور اس حجرہ مبارک میں ان کے جانشین ولخت جگر خاتم الاکابر قدوۃ السالکین حضرت سید شاہ آل رسول احمدی قدس سرہٗ یعنی اس دور کے قاسم نعمت وبرکات مارہرہ اپنی تمام روحانی وظاہری فضیلتوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ ان کے ساتھ ان کے حقیقی پوتے تاجدار مارہرہ خاتم الاکابر ہند سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قدس سرہٗ اور حقیقی نواسے سید شاہ حسین حیدر حسینی میاں قدس سرہٗ جلوہ افروز ہیں اور اپنے مرشد جد کریم کی ضو باریوں سے خود کو منور ومجلی فرما رہے ہیں۔

اتنے میں چودھویں صدی کا ہونے والا مجدد، محقق، محدث، مصنف، مفکر، معلم ۲۲ سال کی عمر میں جمیع فضائل وکمالات کا منبع بنا ہوا اپنے والد ماجد امام المتکلمین حضرت مولانا نقی علی خاں صاحب قدس سرہٗ کے ساتھ اس قصر آل رسول میں داخل ہوتا ہے اور ان کے ہمراہ دودمان عثمانیہ کے چشم وچراغ اچھے میاں کے مولوی یعنی شمس مارہرہ کے چہیتے خلیفہ افضل العبید حضرت شاہ عین الحق عبد المجید بدایونی قدس سرہٗ کے نبیرہ حضرت تاج الفحول

محبّ رسول مولانا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہٗ ہیں۔ جو راہ طریقت میں ان دونوں حضرات کے لیے اس بارگاہ بے کس پناہ میں حاضری کرانے اور فیضان برکاتیت سے حصہ دلانے کا ذریعہ بن کر تشریف لائے ہیں۔ لیجئے یہ پورا واقعہ خود ہی اعلیٰ حضرت کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ ’’اپنے جد امجد مولانا رضا علی خاں صاحب کا ذکر جمیل کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ ایک دن روتا ہوا دوپہر کو سوگیا دیکھا کہ جد امجد خواب میں تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی اور فرمایا عنقریب آنے والا ہے وہ شخص جو تمہارے درد دل کی دوا کرے گا۔ دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بدایوں تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے گئے وہاں جا کر شرف بیعت حاصل کیا‘‘۔ مزید اپنی بیعت اور خلافت کے حوالے سے الملفوظ میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں ’’۵؍جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ کو مارہرہ شریف میں حضور آقائے نعمت دریائے رحمت سید الواصلین سند الکاملین قطب روانہ وامام زمانہ حضرت پرنور سیدنا ومرشدنا مولانا ماوانا ذخری لیومی وغدی حضرت سیدنا سید شاہ آل رسول احمدی تاجدار مسند مارہرہ **رضی اللہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ و ارضہ افاض علینا من برکاتہ و نعمائہ** کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ حضور پیر ومرشد نے مثال خلافت واجازت جملہ سلاسل وسند حدیث عطا فرمائی‘‘۔ پھر کیا تھا اس کیمیا نظر والے مرشد نے حفظ ناموس رسالت کے علمبردار پر نگاہ ڈالی اور ساری زندگی اتباع رسول کے لیے وقف کرنے والے احمد رضا کو رضائے آل رسول بن جانے کا اشارہ فرمادیا۔ یہ رضائے آل رسول کوئی اور نہیں بلکہ چشم و چراغ خاندان برکات عبد المصطفیٰ محمد احمد رضا خاں قادری برکاتی قدس سرہٗ تھے۔ مرشد نے ایسا ہاتھ میں ہاتھ دیا کہ پھر زمانے نے احمد رضا کو ہاتھوں ہاتھ لیا، بیعت تو کیا ہی جارہا ہے ساتھ ہی خانوادۂ برکات کی اس دولت سے مولانا احمد رضا خاں نوازے جارہے ہیں جس دولت نے حکم الٰہی سے مولانا احمد رضا کو عالم اسلام میں ایسی شہرت دوام بخشی کہ وہ اعلیٰ حضرت اور مجدد دین وملت ہوگئے۔

پیش نظر مضمون میں راقم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی اپنے پیر خانے سے عقیدت و روابط اور پیر خانے کی اپنے مرید باصفا پر شفقت ارزاں کرنے کے کچھ نمونے پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہے۔

سب سے پہلے تو خود امام احمد رضا ہی کی زبانی ان کے اظہار محبت کو ملاحظہ فرمایئے جو ان کی کتاب **الاجازات المتینۃ** میں درج ہے۔

’’میں اپنے مولیٰ، اپنے مرشد، اپنے سردار سے راوی ہوں، جو میرے لیے سہارا بھی ہیں، خزانہ بھی اور دنیا وآخرت میں ذخیرہ بھی۔ جو شریعت وطریقت میں جامع ہیں اور پاک لوگوں کی دونوں جماعتوں، عالموں، عارفوں کے مرجع بھی، جن کی توجہ اصاغر کو اکابر بنا دیتی ہے۔ یعنی سیدنا الشاہ آل رسول احمدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔‘‘

اپنی زندگی میں حضرت فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اپنے پیر اور پیر خانے کی محبت کے ایسے نمونے پیش کئے ہیں کہ اگر موجودہ دور کے مریدین اور وابستگان سلسلہ ان حکایتوں سے سبق لیں اور ان پر چلیں تو یقیناً مریدی بھی مستند ہو اور طریقت کے رموز اور اسرار سے خاطر خواہ آشنائی حاصل ہو جائے۔ اس موقع پر راقم کو حضور تاج الفحول محبّ رسول سیدنا شاہ عبد القادر بدایونی قدس سرہٗ کا مشہور قول یاد آیا جو راقم نے متعدد بار اپنے شیخ حضرت امین ملت مدظلہ سے ان کے بزرگوں کے حوالے سے سنا ہے۔ ایک مرتبہ حضور تاج الفحول بدایونی قدس سرہٗ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے مرید کتنے ہیں؟ حضرت نے فرمایا میاں! ہاتھ تو فقیر کے ہاتھوں میں بہتوں نے دیا لیکن جس کو عقیدت باقی ہے بس وہی مرید ہے۔ تو یہ ثابت ہوا کہ عقیدت ومعرفت کی شرط لازم ہے اور حضرت فاضل بریلوی نے اپنی عقیدت کو کبھی کمزور نہ ہونے دیا۔ ان کے پاس علم وفہم وفراست، شہرت ومقبولیت سب کچھ تھا لیکن ان کا ظرف عالی تھا اسی لیے جب مارہرہ کا رخ کیا تو صرف عقیدت، محبت اور ادب کے ساتھ رخ کیا۔ پیر تو پیر، پیرزادوں کی توقیر تو اپنی جگہ بلکہ مارہرہ کے حجام کو ان کا حجام شریف اور ان کے ساتھ وہ احترام کے معاملات کہ اللہ اکبر! دیکھنے والے انگشت بدنداں! کہ نسبت کا احترام ایسے ہوتا ہے اور یقیناً یہ نتیجہ ہے علم نافع کا مالک ہونے اور اخلاقی اقدار کے اعلیٰ ترین ہونے کا، اور اسی ادب اور احترام نے عالم اسلام میں ان کو ممتاز اور معروف کیا۔

اپنے مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے کیا آداب تھے؟ یہ تو کوئی اعلیٰ حضرت سے پوچھے۔ جب بھی مرشد کی عطاؤں اور نوازشوں کو یاد کیا تو اس شہر یار علم کی زبان فیض ترجمان سے یہی نعرہ بلند ہوا کہ

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے میری سرکاروں کے

نور جان عطر مجموعہ آل رسول
مرے آقائے نعمت پہ لاکھوں سلام

نامے سے رضا کے اب مٹ جاؤ برے کاموں
دیکھو مرے پلے پر وہ اچھے میاں آیا

اے طالع رضا تیری اللہ رے یاوری
اے بندۂ جدود و کرام ابوالحسین

اے رضا یہ احمد نوری کا فیض نور ہے
ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

یہ تھا اس فقیہ العصر اور مجدد دین وملت کا عشق ومحبت اور اظہار عقیدت اور اس کے جواب میں ان کے مرشد کا اعتماد بھی دیکھیے کہ وہ تاجدار مملکت سلوک اپنے لاڈلے مرید کو تحفۂ آخرت بنا کر بارگاہ رب العزت میں پیش کرنے کا اعلان فرما رہے ہیں۔ مرید ہونے کو آرہے ہیں تو جواب میں خلافت سے سرفراز کیے جارہے ہیں۔ سینے سے لگائے جارہے ہیں۔ پیر کو ایسا مرید بھایا کہ اپنی شکل دے کر حجرے سے رخصت کر رہے ہیں۔ جو یہ منظر دیکھ رہے تھے انھوں نے اپنے دادا و مرشد سے عرض کیا حضور اس خاص عنایت کی وجہ؟ تو سرکار آل رسول نے فرمایا یہ قلب صیقل لے کر آئے تھے نسبت کی ضرورت تھی وہ دے دی۔

بس یہیں سے شروع ہوتی مارہرہ شریف اور بریلی شریف کے عمیق رشتوں کی داستان۔ مرشد باصفا کا مرید باوفا اپنے پیر اور پیر خانے پر نثار ہوتا چلا گیا اور دین اسلام اور مسلک اہل سنت کی وہ جلیل القدر اور امتیازی خدمات انجام دیں کہ پیر خانے کا فخر بن گیا۔ اپنے مرشد کے گھرانے سے ایسی محبت اور ایسا ادب کہ کبھی آستانۂ بیکس پناہ برکاتیہ میں جوتا نہیں پہنا۔

کبھی مرشد کے در پے پاؤں میں جوتا نہیں پہنا
مرید باصفا ہونا یہ شان اعلیٰ حضرت ہے

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عقیدت کو پاپیادہ مارہرہ مطہرہ میں رہنے کے عمل تک ہی محدود نہ رکھا، بلکہ انھوں نے اپنے ہر عمل سے بھی ظاہر کیا کہ عالم ہونا، محدث وفقیہ ومجدد ہونا تو مسلم ہے لیکن پیر اور پیر خانے کی تعظیم بھی ایک لازمی امر ہے۔ اور اس عقیدت کا انعام یہ تھا کہ ان کے براہ راست پیرزادے سرکار نوری میاں قدس سرہٗ ان پر شفقتوں، محبتوں کی بارش فرماتے تھے اور یہ اعزاز کیا کم ہے کہ سرکار نور نے اپنے خاندان کا ''چشم و چراغ'' کہہ دیا اور سرکار نور نے اعلیٰ حضرت کو ''چشم و چراغ خاندان برکات'' کسی مجبوری یا مالی منفعت کی بنا پر نہیں کہا تھا۔ بلکہ اعلیٰ حضرت کی ان تمام دینی و مذہبی اور مسلکی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اور اپنے مشائخ کی تعلیمات کو بڑے ہی اخلاص اور تصلب کے ساتھ عام کرنے کے لئے بطور انعام یہ لقب عطا فرمایا۔

جب اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ حرمین شریفین کی واپسی سے حاضر ہوئے تو سرکار نوری میاں نے ایک خط رجسٹرڈ حضرت فاضل بریلوی کو روانہ کیا وہ خط نہیں تھا صبح قیامت کے لیے اعلیٰ حضرت کے واسطے پروانہ افتخار تھا۔ سرکار نور فرماتے ہیں:

چشم وچراغ خاندان برکاتیہ مارہرہ
مولانا احمد رضا خان صاحب دام عمرہم وعلمہم علی الواصلین۔

بعد دعائے مقبولیت قمرہ محررہ معلی القاب سطر بالا واضح ہو کہ یہ خطاب حضرت صاحب رضی اللہ عنہ نے مجھ کو دیا۔ باوجود یکہ میں لائق اس کے نہ تھا۔ تحریر فرمایا کرتے تھے چونکہ اب میں بظاہر اسباب انواع امراض میں ایسا مبتلا ہوں کہ مصداق اس مصرع کا ہو گیا ہوں

ع اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

اور مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ بھی اٹھ گئے اور جگہ خالی کر گئے۔ تو اب سوائے آپ کے حامی کار اس خاندان عالی کا خلفا میں کوئی نہ رہا۔ لہٰذا یہ خطاب میں نے آپ کو بایمائے غیبی پہنچا دیا۔ بطوع وغیت آپ کو قبول کرنا ہوگا۔ میں نے رطیب خاطر بلا جبر و اکراہ اور رغبت قلب یہ خطاب آپ کو ہبہ کیا اور بخش دیا۔ یہی خط اس کی سند میں باضابطہ ہے۔

فقیر ابوالحسین از مارہرہ

۲۲ محرم ۱۳۲۵ھ

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیرومرشد رحمۃ اللہ علیہ کے بعد سب سے زیادہ صحبت سرکار نوری میاں قدس سرہٗ اور مجدد برکاتیت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہٗ کی پائی۔ جب آپ کے صاحب زادے حضور مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا میں تشریف لائے تب اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانے میں موجود تھے اور حضرت نوری میاں یہ مژدۂ مسرت حضرت فاضل بریلوی کو سنا رہے تھے کہ آپ کے یہاں فرزند تشریف لائے اور میں ان کا نام آل الرحمٰن ابوالبرکات محی الدین جیلانی رکھتا ہوں۔ پھر سرکار نور کا صغر سنی میں مفتی اعظم ہند کو بیعت کرنا، خلافت سے نوازنا و اپنا لعاب دہن چھ مہینے کے بچے مفتیٔ اعظم کے منھ میں ڈال دینا۔ ان باہمی روابط کی کھلی دلیل ہے۔ ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت کو مسموع ہوا کہ شاید اُن کے پیر زادے سرکار نور قدس سرہٗ ان سے کسی بات پر خفا ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بدایوں تشریف لے گئے اور وہاں سے حضرت مطیع الرسول علامہ شاہ عبد المقتدر صاحب بدایونی رحمۃ اللہ کے ہمراہ سرکار نور کی بارگاہ میں عمامے سے اپنے ہاتھوں کو باندھ کر ایک قصیدے کے ساتھ حاضر ہوئے۔ سرکار نور خانقاہ برکاتیہ میں حاضر تھے اور اعلیٰ حضرت اپنے مرشد زادے کی بارگاہ میں مشر قستان قدس کے عنوان سے اپنا عقیدت نامہ پیش کیا ؎

ماہ سیما ہے احمد نوری مہر جلوہ ہے احمد نوری
میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن حق یہ میرا ہے احمد نوری
اتنا کہہ دے رضا ہمارا ہے پار بیڑا ہے احمد نوری
اے رضا کیوں ملول ہوتے ہو ہاں تمہارا ہے احمد نوری

سرکار نور نے قصیدہ سماعت فرماتے ہوئے اپنا عمامہ شریف اعلیٰ حضرت کو عنایت فرما دیا۔ سرکار مقتدر علیہ الرحمہ نے اس کی تاریخ ''تاج الفخر'' سے نکالی۔ یہ تو تھا معاصر پیر زادے کا احترام اور مرشد اجازت کا احترام مگر اعلیٰ حضرت اپنے پیر خانے کے بچوں تک کا جو احترام فرما رہے ہیں وہ انہیں کا ہی حصہ تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ مارہرہ مطہرہ میں اعلیٰ حضرت کا قیام مسجد برکاتی کے سامنے رہتا تھا۔ آپ مسجد برکاتی سے بعد نماز اپنی قیام گاہ میں تشریف لائے دیکھا خاندان برکات کے ایک دس سالہ صاحب زادے حضور سید العلماء ان

کے بستر پر سو گئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے انتظار فرماتے رہے کہ کب صاحب زادے بیدار ہوں۔ اتنے میں مجدد برکاتیت حضرت شاہ اسماعیل حسن صاحب تشریف لائے فرمایا ''ارے مولانا آپ ان کو اٹھا دیتے کیوں تکلف کیا۔ فرمایا حضور صاحب زادے کے آرام میں خلل ہوگا، میں بہت آرام سے ہوں۔

اگر واقعات کی فہرست مرتب کی جائے جس میں ایک مرید باوفا کا اپنے پیرزادوں سے تعلق بیان کرنا مقصود ہو تو دامن قرطاس تنگ ہو جائے۔ لیکن چند واقعات لکھنا اس لئے ضروری ہے کہ موجودہ دور کے مریدین اور خلفائے گرامی کے علم میں یہ اضافہ ہو سکے کہ ہمارے اکابر نے طریقت پہ چلنے اور اس کو مستحکم بنانے کے کیا اصول اور نمونے اپنی سیرت سے آنے والی نسل کے لئے محفوظ کیے تھے۔

اعلیٰ حضرت کے مخدوم زادے نبیرۂ سیدنا آل رسول حضور سید شاہ مہدی حسن میاں قادری برکاتی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت کو رقعہ بھیجا کہ خانقاہ کی ڈیوڑھی کی رکھوالی کے لئے دو اچھی نسل کے کتوں کی ضرورت ہے۔ اس کے جواب میں ایک عالم باعمل اور ایک مرید صادق نے جو عمل کیا وہ یقیناً حضور فاضل بریلوی ہی سے ممکن تھا کہ کتے تو نہ بھیجے لیکن مرشد کے لاڈلے کے حکم کی پاسداری بڑے نرالے انداز میں کی اور اپنے دونوں جلیل القدر صاحب زادگان حضرت حجت الاسلام مولانا حامد رضا خان اور مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان قدس سرہم کو ایک رقعہ دے کر پیرزادے کی خدمت میں حاضر کیا کہ ان دونوں سے بہتر خانقاہ برکاتیہ کی ڈیوڑھی کی رکھوالی کرنے والوں کا انتخاب میں نہ کر سکا۔ لہٰذا یہ دونوں آپ کی خدمت میں ڈیوڑھی کی رکھوالی کے لیے حاضر ہیں۔

اس واقعے کے ساتھ اپنی اولاد امجاد کو ایسی تعلیم دے رہے ہیں کہ میرے بعد بھی مخدومان مارہرہ کی تعظیم کا یہ پیمانہ آنے والی نسلوں کو قائم کرنا ہے۔ نتیجتاً دونوں صاحبزادگان میں بھی وہی عقیدت ومحبت کا اثر دیکھنے کو ملا جو آپ کو ان کے والد ماجد سے ورثہ میں ملا۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے صاحبزادگان کو مارہرہ کی محبت ایسی گھٹی میں پلائی تھی کہ تادم آخر یہ حضرات کرام بھی اپنے والد ماجد کے بتائے راستے پر گامزن رہے۔ سرکار مفتیٔ

اعظم تو سرکار نور کی دعاؤں کا سراپا فیضان تھے۔ ایسی نورانیت چہرے پہ غالب تھی کہ ایسا لگتا کہ سرکار نور نے بیعت وخلافت کے ساتھ ساتھ اپنی شکل وشباہت عطا فرمادی ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی علمی صلاحیت، فقہی تبحر، اپنی حدیث دانی اور اپنی بیش بہا صلاحیتوں کو ہمیشہ اپنے رب کی عطا، رسول کی عنایت اور مرشدان مارہرہ کے فیضان پر مبنی تصور کیا۔ اور اس انکساری اور محبت وعقیدت کا یہ ثمرہ انہیں حاصل ہوا کہ اعلیٰ حضرت کے مرشد اور مرشد زادے کے زمانے کے بعد بھی امام احمد رضا قدس سرہٗ مارہرہ والوں کی اولین چاہت رہے۔ مجدد برکاتیت حضرت اسماعیل حسن شاہ جی میاں اور ان کے دونوں شہزادے تاج العلما سید شاہ محمد میاں قدس سرہٗ اور ان کے دونوں جلیل القدر نواسے سیدین مارہرہ حضور سید العلما سید میاں اور حضور احسن العلما حسن میاں قدس سرہما نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے فکری نظریات کی بھرپور تائید کی اور فاضل بریلوی کے مسلک جس نے خوش عقیدگی اور بدعقیدگی کے درمیان خط امتیاز کھینچا، اس مسلک کی نہ صرف پرزور حمایت فرمائی بلکہ تاحیات حضرت فاضل بریلوی کی خدمات اور سنیت کے فروغ کے لئے جو ان کی قربانیاں رہی تھیں، اس کا اعتراف بھی کرتے رہے اور زمانے کو بھی اس کا معترف کراتے رہے۔ خانقاہ برکاتیہ میں حاضر ہونے والے زائرین اس بات کے گواہ ہیں کہ برکاتیوں نے امام احمد رضا کو کتابوں سے نہیں، بلکہ اپنے مشائخ کی زبانی ممبر نور سے جانا ہے۔

مفتی اعظم ہند اپنے والد ماجد ہی کی طرح خاندان برکات کے وفادار اور برکاتیت کے علمبردار تھے۔ جن کی بیشمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں نے سنی جمعیۃ العلماء سے استعفیٰ دے دیا، حضرت مفتی اعظم ہند ممبئی روانہ ہوئے اور سر کا عمامہ اتار کر حضرت سید العلماء کے قدموں میں رکھ دیا کہ یہ تب واپس ہوگا جب آپ استعفیٰ واپس لیں گے۔ حضور احسن العلماء نے ایک مرتبہ رسم سجادگی میں حضرت مفتی اعظم کو یہ کہہ کر درگاہ معلیٰ کے اندرونی حصے میں بلایا (حالاں کہ یہ رسم اہل خاندان کے درمیان انجام دی جاتی ہے) کہ اعلیٰ حضرت کے صاحبزادے ہمارے لیے خاندان کے فرد ہیں۔

حضور مفتی اعظم قدس سرہٗ بھی تادمِ آخر خانقاہ برکاتیہ کے مرشدانِ عظام اور یہاں

تک کہ کم سن بچوں تک سے اپنی عمیق نیازمندی اور عقیدت کا اظہار فرماتے رہے۔ حضرت مفتی اعظم کے حوالے سے میرے خال محترم شرف ملت نے ایک دن مجھ سے ارشاد فرمایا ذرا مفتی اعظم کا علم دیکھو اور پیر سے عقیدت دیکھو کہ مفتی اعظم سرکار نوری میاں کے عرس میں آتے تو چند لمحوں کے لیے عرس کے میلے میں ضرور جاتے کہ میرے پیر کے عرس کا میلہ ہے، یہاں کچھ خریدنا لازمی ہے۔ شاید یہی وہ اقدار ہیں جن سے پیری مریدی کا وقار زندہ ہے۔

حضرت مفتی اعظم ہند کے پاس روحانیت اور رجوع خلق کی جو دولت تھی وہ سراسر سرکار نوری کی توجہ باطنی اور مرشد کی دعا کا اثر تھا اور اس جام نوری کی برکتی تاثیر تھی جو چھ مہینے کے مصطفیٰ رضا خان کو سرکار نور نے اپنی انگلیوں کو ان کے دہن میں ڈال کر پلایا تھا۔ مفتی اعظم ہند کا ایک امتیاز ان کی تعویذ نگاری بھی ہے جو ان کو ان کے مرشد کا خاص عطیہ ہے۔

بریلی شریف میں ان کے مخدوم زادوں کی حیثیت ہمیشہ حکم کی ہی رہی، چاہے وہ داخلی معاملات ہوں یا خارجی۔ حضور مفتی اعظم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد سجادگی اور جانشینی کے منصب کے تعین کے لیے صاحبزادگان بریلی شریف نے حضور احسن العلما رحمۃ اللہ کی جانب رجوع فرمایا اور جو فیصلہ زینت سجادۂ برکاتیہ نے فرمادیا الحمدللہ آج بھی بریلی شریف میں قائم ہے۔ حضرت احسن العلما نے حضرت مولانا سبحان رضا خاں صاحب کو مسند سجادگی پر رونق افروز فرمایا اور حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں صاحب کو جانشینِ مفتی اعظم کے منصب پر۔

اعلیٰ حضرت نے اپنے پیروں کو چاہا تو ان کے مشائخ اور مخدوم زادوں نے امام احمد رضا قدس سرہٗ کی محبت اور ان کے مسلک کی ترویج واشاعت کو حرز جاں بنالیا۔ اعلیٰ حضرت کی شخصیت اور ان کے مسلک کا پرچار پرسار جتنا مارہرہ سے ہوا اتنا پورے ہندوستان کی کسی خانقاہ سے نہیں ہوا اور ہونا بھی چاہیے تھا کیوں کہ جو حق امام احمد رضا قدس سرہٗ پر ان کے پیر خانے کا ہے وہ کسی اور کا بھلا کیوں ہوگا۔ مارہرہ شریف کا ممبر نور ہو یا حویلی سجادگی ہو یا گھر والوں کی نجی نشستیں ہوں رضائے آل رسول کا ذکر اور ان کے افکار ونظریات کی تبلیغ ان کے پیر خانے میں فوقیت کی حامل رہی۔ مجدد برکاتیت حضرت سید شاہ اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ

سے لے کر حضرت رفیق ملت امام احمد رضا کی محبت کا ایک سلسلہ الحمدللہ قائم ہے۔

سرکار میاں صاحب قدس سرہٗ کی حیات ظاہری کے بعد مجدد برکاتیت حضرت سید شاہ اسماعیل حسن صاحب، حضرت تاج العلما، حضرت احسن العلما رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے مسلک اعلیٰ حضرت کی تبلیغ واشاعت میں کلیدی کردار ادا کیا۔ امام احمد رضا کے ہر موقف کی تائید فرمائی۔ نثر میں بھی امام احمد رضا کی تعریف کی اور نظم میں بھی۔ امام احمد رضا کی خدمات اور مارہرہ کے تئیں ان کی عقیدت کو سراہا۔ حضرت تاج العلما قدس سرہٗ فرماتے ہیں ؎

تیری الفت میرے مرشد نے ہے دی مجھ کو گھٹی میں پلا احمد رضا

حضرت سید العلما فرماتے ہیں ؎

حفظ ناموس رسالت کا جو ذمہ دار ہے یا الٰہی مسلک احمد رضا خاں زندہ باد

حضرت احسن العلما فرماتے ہیں ؎

یاد کرتا ہے تجھے تیرا حسن اس کے حق میں کر دعا احمد رضا

حضرت شرف ملت مدظلہ العالی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے علم کی بلندی کا یوں اعتراف کرتے ہیں:

مینار قصر رضا تو بلند کافی ہے
تم اس کے ایک زینہ پر چڑھ کے دکھلا دو
فتاویٰ رضویہ تو ایک کرامت ہے
ذرا حدائق بخشش ہی پڑھ کے دکھلا دو

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی محبت ممبر وقرطاس اور مخدوم زادوں تک ہی محدود نہیں بلکہ اعتماد اور محبت کا وہ عالم رہا کہ خانوادہ برکاتیہ کے افراد کو اعلیٰ حضرت کے جلیل القدر صاحب زادے کے ہاتھ پر بیعت بھی کرایا گیا۔ حضور احسن العلما قدس سرہٗ نے اپنی زوجہ مکرمہ مرحومہ سیدہ محبوب نقوی قدس سرہا اور اپنے دونوں صاحبزادگان عالی حضرت افضل میاں اور حضرت رفیق ملت کو سرکار مفتی اعظم ہند کے دست حق پرست پر بیعت کرایا اور حسن اتفاق تو دیکھئے کہ رفیق ملت اسی مسند نوری کے امین ووارث ہیں جس کے اسیر عقیدت ان

کے مرشد حضور مفتی اعظم تھے۔

حضور مفتیِ اعظم ہند اپنی زندگی کے آخری زمانے تک مارہرہ شریف اسی نیاز مندانہ شان اور جذبۂ عقیدت سے سرشار حاضر ہوتے رہے۔ آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کے قیام کے بعد حضور سید العلما کی قیادت میں ان کے دست راست اور خاص معاون رہے۔ ایک مرتبہ حضور سید العلما نے کچھ وجوہات کے تحت استعفیٰ دے دیا حضور مفتی اعظم ہوائی جہاز سے ممبئ روانہ ہوئے اور مسجد کھڑک تشریف لے جا کر اپنا عمامہ سر سے اتار کر حضور سید العلما کے قدموں میں رکھ دیا کہ یہ عمامہ تب تک سر پر نہیں جائے گا جب تک آپ استعفیٰ واپس نہیں لیں گے۔ حضور سید العلما نے اپنا استعفیٰ واپس لیا اور سرکار مفتی اعظم کے سر پر اپنے ہاتھ سے عمامہ باندھا۔ اسی شان نیاز مندی کا ثبوت سرکار مفتی اعظم نے مرشد گرامی حضرت امین ملت کو اپنی خلافت سپرد کرتے ہوئے دیا۔ حضرت امین ملت کو ایک دن میں تین تین دفعہ خلافت دی اور فرمایا کہ آپ کے گھر سے جو دولت لایا ہوں آپ کو واپس کر رہا ہوں۔ یہ صوفیا اور اتقیا کا اعلیٰ ظرف ہے جو قلب وذہن میں معرفت کے اجالے روشن کرتا ہے۔

حضور سرکار مفتی اعظم اس دنیا سے تشریف لے گئے اس کے بعد زینت سجادہ برکاتیہ حضور احسن العلماء سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خاں ازہری میاں صاحب دامت برکاتہم کے لئے جانشین مفتی اعظم ہند کے منصب کا اعلان فرمایا اور حضرت علامہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں مدظلہ کے لیے خانقاہ رضویہ کے سجادہ نشین کے عہدے کا اعلان کیا اور فرزندان اعلیٰ حضرت نے اپنے مخدوم زادے کے فیصلے کو اس شان کے ساتھ آج بھی باقی رکھا ہے جس فخر کے ساتھ ان حضرات کرام نے اس وقت قبول فرمایا تھا۔

اپنے پیروں کی بارگاہ میں گیارہ ہزار صفحات پر مبنی فتاویٰ رضویہ دے کر علم فقہ میں اہل سنت والجماعت کی بے مثال نمائندگی کرنے والے، علم غیب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے ’’الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ‘‘ جیسا شاہکار سواد اعظم کو عطا کرنے والے، شریعت کے اصول اور طریقت کے رموز واسرار کی غمازی کرنے اور علوم عقلیہ ونقلیہ پر مبنی

متعدد کتب کی تصنیف کرنے والے اس عبقری مرید پر فدا ہونا ایک فطری و لازمی امر ہے اور یہ سلسلہ کل بھی جاری تھا اور آج بھی جاری ہے۔ یہ وہ جذبہ ارادت ہے جو مفتی اعظم ہند کو اپنے والد ماجد سے ترکہ میں ملا تھا۔

ہم نے ماضی قریب ہی میں مخدومہ مرحومہ سیدہ محبوب فاطمہ نقوی قدس سرہا اہلیہ حضور احسن العلما قدس سرہٗ کا وصال ہوا۔ ایک جم غفیر خراج عقیدت پیش کرنے لے لئے مارہرہ میں موجود تھا۔ تدفین کے بعد قبر پر مٹی ڈالنے کے لئے عقیدت مند جوق در جوق کھڑے تھے۔ لمبی قطار لگی تھی۔ اسی بھیڑ میں راقم الحروف کی نظر درگاہ اعلیٰ حضرت کے سجادہ نشین پر پڑی جو کافی دیر سے اس بھیڑ میں اپنی باری آنے کا انتظار کر رہے تھے اور راقم کا یہ ماننا ہے کہ قطار لمبی بھی بہت تھی تو یقیناً صاحب سجادہ بہت دیر بعد اندر جا سکے ہوں گے۔ وہ اگر چاہتے تو درگاہ کے خادم سے کہہ کر بھی مٹی دینے اندر جا سکتے تھے، لیکن یہ ان کی عقیدت اور آستانہ خاتم الاکابر سے گہری وابستگی کا اظہار تھا کہ انھوں نے عام لوگوں کی طرح مخدومہ کو خراج عقیدت پیش کیا۔ یہی وہ اصول اور طریقے ہیں جن سے آج بھی پیری و مریدی کے رشتے بہت مضبوط نظر آتے ہیں اور یہی انکساری معرفت کے راستوں کو صاف کرتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ خانوادہ برکاتیہ اور خاندان رضویہ کے باہمی رشتے مضبوط سے مضبوط تر ہوں اور ان کے ساتھ ساتھ سبھی اہل مشرب اور اہل مسلک متحد و متفق ہو کر دین وسنیت کی خدمات انجام دیں:

رہے تا حشر یوں ہی گرمیٔ بازار مارہرہ
پھلا پھولا رہے یا رب سدا گلزار مارہرہ

آمین بجاہ سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

مارہرہ مطہرہ میں علم وعرفان کی بارش (قدیم روداد)

احسن العلما سید شاہ حسن میاں صاحب قادری
نائب صدر جماعت اہل سنت، مارہرہ شریف

مارہرہ شریف میں حسب معمول ۲۰؍تا ۲۳؍صفر ۱۳۶۵ھ جمعہ تا دوشنبہ عرس شریف حضرت قدوۃ الواصلین اسوۃ المتصلبین فی الدین سیدی وسندی ومرشدی مولانا مولوی حافظ قاری حاجی سید شاہ ابوالقاسم محمد اسمٰعیل حسن شاہ جی میاں صاحب قادری برکاتی تاجدار مسند غوثیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز اور اسی کے سلسلہ میں مبارک جماعت اہل سنت مارہرہ مطہرہ کے سالانہ اجلاس کے ایمان افزا اجتماعات حضرت تاج العلما سراج العرفا مولانا مولوی حافظ مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں صاب قادری برکاتی دامت برکاتہم صاحب سجادہ عالیہ قادریہ برکاتیہ وصدر جماعت اہل سنت مارہرہ مطہرہ کی سرپرستی میں ہوئے، کانپور، پیلی بھیت، لکھنؤ، سیتاپور، دہلی، گیا، بمبئی، راج کوٹ، پٹیالہ وغیرہ اطراف و اکناف ہند کے اکابر علمائے کرام ومشائخ عظام وعمائد وخواص وعوام اہل سنت نے کثرت کے ساتھ شرکت فرمائی، مقامی مسلمانان اہل سنت بھی کثیر تعداد میں شریک رہے، جملہ مراسم عرس مبارک حسب معمول قدیم ادا ہوئے۔ حلقہائے ذکر وختمات قرآن مجید ہوتے رہے شب ۲۳؍صفر میں حسب معمول قدیم رسم خرقہ پوشی ادا ہوئی اور ۲۳؍صفر کی سہ پہر کو زیارت آثار متبرکہ ہو کر عرس شریف بفضلہ تعالیٰ بخیر وخوبی تمام ہوا۔ چاروں شبانہ روز کے مواعظ وبیانات میں حضرات علماء کرام اہل سنت دامت ارشاداتہم نے فضائل وسیرت کریمہ حضور اقدس سید عالم واولیائے کرام سلف صالحین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم بہت دل نشین پیرائے میں بیان فرمائے۔ اور حضور اقدس ﷺ کی کامل اطاعت ومحبت اور دین اسلام ومذہب اہل سنت پر

استقامت الحب للہ والبغض فی اللہ کی تلقین وہدایت کی، کفار ومشرکین، مرتدین ومبتدعین وہابیہ دیوبندیہ، قادیانیہ مرزائیہ، روافض ونیا چرہ وغیرہم اور دور حاضرہ کے بدترین فتنوں کانگریس، مسلم لیگ، احرار، خاکسار کا کتاب وسنت اور اقوال ائمہ وعلماء سلف کی روشنی میں قوی دلیلوں سے پرجوش اور دلنشین رد فرمایا، شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت کے رموز ومعارف کا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ تمام اولیائے کرام وصوفیائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے استقامت في الدین کی تعلیم دی انہوں نے ہرگز ہرگز کہیں بھی مدانیت نہیں سکھائی، صلح کلیوں کا یہ اختراء ہے کہ صوفیۂ واولیاء سختی نہیں کرتے یہ سختی تو مولوی کیا کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ۲۲ رصفر و جماعت مبارکہ کے عظیم الشان جلسۂ عام میں جس میں کثیر تعداد میں اراکین جماعت بیرونی ومقامی نیز ارکان مرکز علمائے اہل سنت موجود تھے حسب ذیل تجاویز بالاتفاق منظور ہوئیں۔

(۱) جماعت اہل سنت مرکزی کا یہ سالانہ عام اجلاس اپنے اس مسلک قدیم کا اعلان کرتا ہے کہ ہم اراکین جماعت اہل سنت کفار ومشرکین کی آلۂ کار کانگریس اور مرتدین ومنافقین کی چکڑائی مسلم لیگ دونوں سے بری وبیزار ہیں۔

(۲) جماعت اہل سنت مرکزی مارہرہ مطہرہ کا یہ سالانہ عام اجلاس اعلان کرتا ہے کہ آل انڈیا سنی کانفرنس چونتیس سال کے بعد خفیہ لیگ کا چولا پہن کر اٹھی ہے اور اس نے اب تک خالص سنیت کے معیار پر اپنے آپ کو پیش کر کے دخل اغیار سے پاک نہیں کیا اور وہ بھی مظلم لیگ کی کھلم کھلا حمایت کر رہی ہے لہٰذا اس سے بھی ہم غربائے اہل سنت کو دور ونفور رہنا شرعاً لازم ہے۔

(۳) اخبار ودبدبۂ سکندری جو نام نہاد سنی کانفرنس کی ریزہ خواری میں صریح مخالف سنیت پالیسی اختیار کیے ہوئے ہے اور جس نے اپنے آقایان کانفرنس کی ناجائز طرفداری پر کمر باندھی ہے یہ اجلاس عام اس پر اپنی سخت نفرت اور بیزاری کا اظہار کرتا ہے۔

(۴) دبدبۂ سکندری نے جو اخبار الفقیہ کی اشاعت سنیت کے خلاف ناروا حملے کیے ہیں یہ اجلاس عام اور اس پر اپنی نفرت وبے زاری کا اعلان کرتے ہوئے اخبار الفقیہ کو توجہ دلاتا ہے کہ حمایت دین متین میں مزید ثابت قدمی سے کام لے۔ للہ الحمد۔ فقط۔

گوشۂ نعت ومنقبت

نعتیہ تضمین - چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے

شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری مارہروی

شبِ تار میں سوئی دِکھلانے والے
زمیں، چاند، سورج کو دمکانے والے
اندھیروں سے لعل و گُہر لانے والے
چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے
مِرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

کلامِ الٰہی ہمیشہ رہے گا
جو اونچا ہمیشہ تھا اونچا رہے گا
رَفعنا کا جھنڈا چمکتا رہے گا
رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا
پڑے خاک ہوجائیں جل جانے والے

وہ ہے سامنے سبز گنبد سنبھلنا
اگر چاہتے ہو مقدر بدلنا
تو طیبہ کی گلیوں میں پلکوں سے چلنا
حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

زمانے کے کیوں کھائیں ہم جا کے دھکّے
غلام ان کے در کا مزہ کیوں نہ چکھّے
وہیں جا کے طیبہ میں گرجائے تھک کے
مدینے کے خطّے خدا تجھ کو رکھے
غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

کریمی کو لے کر سخاوت وہ آئی
جلو میں لیے اپنے الفت وہ آئی
سرِ حشر رحمت کی صورت وہ آئی
وہ آئی شفاعت کی ساعت وہ آئی
ذرا ٹھہر او میرے گھبرانے والے

رسالت کی عزت کے کاموں سے الجھیں
زیارت سے الجھیں، سلاموں سے الجھیں
خدا دوست ولیوں کے ناموں سے الجھیں
ترا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں
ہیں منکر عجب کھانے غرّانے والے

جو آئے سبھی کے لیے بن کے رحمت
جو دشمن کی کرتے تھے جا کر عیادت
قمیص اپنی دے دی بہ شانِ سخاوت
برستا نہیں دیکھ کر ابرِ رحمت
بدوں پر بھی برسا دے برسانے والے

بہت ناتواں ہوں مرا ہاتھ لے لو
میں دشمن کے نرغے میں ہوں ساتھ لے لو
گرا پڑ رہا ہوں مرا ہاتھ لے لو
میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو
کہ رستے میں ہیں جا بجا تھانے والے

بلاؤں سے گر چاہو بچنا بچانا
تو اشرف سے کہنا کہ نعتیں سنانا
کہ اس نے رضا سے سنا ہے ترانہ
رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آنا
کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

منقبت درشان حضور صاحب البرکات قدس سرہٗ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ
ترجمہ: مولانا سید نور عالم مصباحی

شاہِ برکات اے ابوالبرکات اے سلطان جود
بارک اللہ اے مبارک بادشاہ امداد کُن

(۱) اے برکتوں کے شہنشاہ، برکتوں والے اور جود وسخا کے سلطان، اے مبارک بادشاہ آپ کے فضل وکمال میں اللہ اور برکتیں دے آپ میری مدد فرمائیں۔

عِشقی اے مقتول عشق اے خوں بہایت عینِ ذات
اے زجاں بگزشتہ جاناں واصلا امدادکن

(۲) آپ عشقی اور عشق کے ایسے مقتول ہیں کہ جس کا خوں بہا عین ذات باری ہے، اے اپنی جان دے کر محبوب سے واصل ہونے والے میری مدد فرامائیں۔

بے خودا و باخدا آل محمد مصطفٰے
سیدا حق واجدا یامقتدا امدادکن

(۳) آپ ذات باری میں اپنے کو فنا کر کے اللہ تعالیٰ تک واصل ہو چکے ہیں اور آپ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی آل ہیں، اے سردار، عارفِ حق، اور اے میرے مقتداء اور میرے پیشوا میری مدد فرمائیں۔

اے حریم طیبۂ توحید را کوہ احد
یاجبل یاحمزہ یاشیرخدا امدادکن

(۴) اے وہ کہ توحید کے پاکیزہ حرم میں جس کی ذات کوہ احد کی طرح نمایاں اور بلند ہے۔ اے وہ بلندی، اے وہ حمزہ اور اے وہ شیر خدا میری مدد فرمائیں۔

اے سراپا چشم گشتہ درشہود عین ہو
زاں سبب کردند نامت عینیا امداد کن

(۵) آپ کی آنکھیں تو عین ''ہو'' کا مشاہدہ کر رہی ہیں، اسی سبب سے آپ کا نام عینی ہوگیا، لہٰذا آپ میری مدد فرمائیں۔

یاابوالفضل آل احمد حضرت اچھے میاں
شاہ شمس الدیں ضیاء الأصفیا امدادکن

(۶) اے ابوالفضل آل احمد اچھے میاں، اے شاہ شمس الدین اور ضیاء الاصفیا آپ میری مدد فرمائیں۔

وحی برجدِ تو ''لایاتل اولواالفضل'' آمدہ است
بندۂ بے برگ رافضل وغنا امدادکن

(۷) آپ کے جد امجد ﷺ پر ''لا یاتل اولوا الفضل'' کی وحی آئی ہے، لہٰذا آپ اس بے سہارا بندے پر فضل فرما کر مدد فرمائیں۔

گونہ ہجرت کردم از اثم وغٰی ارزم بقرب
آخر ایں در رانیم مسکیں گدا امداد کن

(۸) گناہوں کے ازدہام سے یک گونہ ہجرت کر کے آپ کے قرب میں آ گیا ہوں، اس لیے کہ کچھ بھی ہو میں اسی در کا ایک مسکین گدا ہوں، لہٰذا میری مدد فرمائیں۔

اے کہ شمسی وکرامتہائے تومثلِ نجوم
اے عجب ہم مہروہم انجم نما امداد کن

(۹) آپ سراپا سورج اور آپ کی کرامتیں ستاروں کی مانند ہیں، آپ کی ذات عجیب و غریب ہے، اس لئے کہ آپ سورج بھی ہیں ستارے بھی، میری مدد فرمائیں۔

من سرت کردم دمے دیگر زشرق خرق تاب
آفتابا درشب داجم بیا امدادکن

(۱۰) میں نے سورج کی چمد دمک سے نگاہیں پھیر کر اپنا سر آپ کی طرف کر لیا، تو اے میرے سورج، میری تاریک راتوں میں طلوع ہو کر میری مدد فرمائیں۔

منقبت درشانِ

شمس مارہرہ حضور آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ

ترجمہ: ڈاکٹر احتشام الدین، شعبۂ فارسی، اے.ایم. یو، علی گڑھ

اے بدور خود امام اہل ایقاں آمدہ　　جانِ انس وجانِ جان وجان جاناں آمدہ

(۱)　اے سرکار اچھے میاں! آپ اپنے دور کے اہل یقین کے امام ہیں آپ جن و انس کی جان بلکہ آپ تو جان جاناں ہیں۔

قامت تو سرو ناز جوئبار معرفت　　روئے تو خورشید عالم تاب ایماں آمدہ

(۲)　آپ کا قد وقامت نہر معرفت کا سرو ناز ہے، آپ کا چہرۂ مبارک دنیائے ایماں کا خورشید عالمتاب ہے۔

موئے زلف عنبریت قوت روح ہدیٰ　　رنگ رویت غازۂ دینِ مسلماں آمدہ

(۳)　آپ کی زلف عنبریں، روح ہدایت کو تقویت دینے والی ہے۔ آپ کے چہرۂ مبارک کا رنگ دین مسلمان کے لیے غازہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

زنگ از دلہا زداید خاک بوسی درت　　تابناک از جلوہ ات مرآت احساں آمدہ

(۴)　آپ کے آستانے کی خاک بوسی دلوں کے زنگ کو دور کر دیتی ہے، احسان و تصوف کا آئینہ آپ کے جلوؤں سے تابناک ہے۔

صد لطائف می کشاید یک نگاہِ لطف تو　　دست فیضانت کلید باب عرفاں آمدہ

(۵)　آپ کی ایک نگاہ کرم روحانیت کے سینکڑوں لطائف کو کھولتی ہے۔ آپ کا دست فیضان باب عرفان وتقویٰ کی کنجی ہے۔

نامت آل احمد و احمد شفیع المذنبیں　　زاں دل از دست گنہ پیش تو نالاں آمدہ

(۶)　آپ کا نام آل احمد ہے اور آپ کے نانا جان احمد مجتبیٰ ﷺ شفیع المذنبین ہیں۔ اسی وجہ سے دل آپ کے سامنے گناہوں کے ہاتھ سے نالہ فریاد کرتا ہے۔

پر صدا شد باغ قدس از نغمہائے وصف تو　　تا بہارِ جنت از گلزار جیلاں آمدہ

(۷)　جب جیلان کے گلزار سے جنت کی بہار آپ تک پہنچی، آپ کے وصف کے نغموں سے باغ قدس گونج اٹھا۔

چوں گل آل محمد رنگ حمزہ بر فروخت　　بوئے آل احمد اندر باغ عرفاں آمدہ

(۸)　جب آل محمد کا پھول حمزہ کے رنگ کی شکل میں کھلا، چمنستان عرفان کے اندر آل احمد کی خوشبو پھیل گئی۔

گلبن نو رستہ ات را سبزۂ چرخ کہن　　فرش پا انداز بزم رفعت شاں آمدہ

(۹)　آپ کے نئے اگے ہوئے پودے کے لیے پرانے آسمان کا سبزہ آپ کی رفعت شان کی محفل میں پیروں کا فرش بنا ہوا ہے۔

تا کشیدم نالۂ یا آلِ احمد الغیاث　　بے سرو سامانیم را طرفہ ساماں آمدہ

(۱۰)　جب سے میں نے آل احمد الغیاث کا نالۂ فریاد شروع کیا ہے۔ میری بے سرو سامانی کا سب سے عمدہ سامان فراہم ہوگیا۔

در پناہِ سایۂ دامانت اے ابر کرم　　گرمیِ غم کشتۂ با سوز احزاں آمدہ

(۱۱)　اے ابر کرم! آپ کے دامن کے سائے کی پناہ میں۔ گرمی غم کا مارا ہوا غموں کا سوز لیے ہوئے حاضر ہے۔

دل فگارے آبلہ پائے بشہر جود تو　　از بیابانِ بلا افتاں و خیزاں آمدہ

(۱۲)　نیک دل فگار اور آبلۂ پا (پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے) تیرے جود وکرم کے شہر میں، بلا کے جنگل سے گرتے پڑتے آیا ہے۔

تازہ فریادے برآوردا ے مسیحا بردرت — کہنہ رنجورے کہ از غم برلبش جاں آمدہ

(۱۳) ایک ایسا غم کا مارا ہوا جو کافی زمانے سے غمگین اور غموں کی وجہ سے جاں بلب ہے۔
اے مسیحا آپ کے در پر تازہ فریادی بن کر حاضر ہوا ہے۔

زہر نوش جام غم در حسرت فیہ شفاء — زانگین رحمت یک جرعہ جویاں آمدہ

(۱۴) جام غم کا زہر پینے والا ''فیہ شفاء'' کی حسرت لیے ہوئے، آپ کی رحمت کے شہد سے ایک گھونٹ کا متلاشی ہے۔

بہر آں رنگین ادا گل برگ چند آل رسول — برکش از دل خار آلا ہے کہ در جاں آمدہ

(۱۵) فرزندان آل رسول کے صدقے میں میرے دل سے غم وآلام کے ان کانٹوں کو کھینچ لیں جو جان کو چھلنی کیے جا رہے ہیں۔

احمد نوری دریں ظلمات رنج و تشنگی — رہنمائم سوئے تو اے آب حیواں آمدہ

(۱۶) اے آب حیات کے چشمے! اس رنج وتشنگی کے ظلمات میں احمد نوری میرے لیے آپ کی طرف وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔

اے زلالِ چشمۂ کوثر لب سیراب تو — بردر پاکت رضاؔ باجانِ سوزاں آمدہ

(۱۷) اے وہ ذات جس کے لب کوثر کے چشمہ شیریں سے سیراب ہیں، تیرے در پر رضا سوختہ جان لے کر حاضر ہے۔

منقبت درشان خاتم الاکابر حضور شاہ آل رسول قدس سرہٗ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ
ترجمہ: مولانا اختر حسین فیضی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱) خوشا دلے کہ دہندش ولائے آلِ رسول
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول

کیا ہی خوب ہے وہ دل جسے آلِ رسول کی محبت عطا ہو، اور کیا ہی مبارک ہے وہ سر جو آل رسول پر فدا ہو۔

(۲) گناہِ بندہ بخش اے خدائے آلِ رسول!
برائے آلِ رسول از برائے آلِ رسول

اے آلِ رسول کے خدا! آلِ رسول کے لیے اور آلِ رسول کے واسطے بندے کے گناہ بخش دے۔

(۳) ہزار درجِ سعادت برآرد از صدفے
بہائے ہر گہر بے بہائے آلِ رسول

آلِ رسول کے ہر انمول موتی کی قیمت ایک صدف سے ہزاروں درج سعادت (سعادت کی ڈبیا) برآمد کرتی ہے۔

(۴) سیہ سپید نہ شد گر رشید مصرش داد
سیہ سپید کہ سازد عطائے آلِ رسول

اگر ہارون رشید نے ملک کا سیاہ وسفید (وزیر کے ہاتھوں میں) دے دیا تو سیاہ سفید نہ ہوا۔ سیاہ کو سفید تو آلِ رسول کی عطا کرتی ہے۔

(۵) اِذَا رؤُا ذُکـــــــــرَ اللہ معائنہ بنی

من وخدائے من آنست ادائے آلِ رسول

اولیا وہ ہیں کہ جب انھیں دیکھو تو خدا یاد آئے، یہاں اس قول کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ آلِ رسول کی ادا ایسی ہے کہ اسے دیکھنے کے بعد میں ہوتا ہوں اور میرا خدا۔

(۶) خبر دہد ز تگِ لا الٰہ الا اللہ
فنائے آلِ رسول و بقائے آلِ رسول

آلِ رسول کی فنا اور بقا دونوں کلمہ ''لا الٰہ الا اللہ'' کا پتہ دیتی ہیں۔

(۷) ہزار مہر پرد در ہوائے او چوں ہبا
بروز نے کہ درخشد ضیائے آلِ رسول

جس روشن دان سے آلِ رسول کی ضیا پھوٹتی ہے اس کی فضا میں ہزاروں آفتاب ذروں کی طرح اڑتے ہیں۔

(۸) نصیب پست نشیناں بلندی ست ایں جا
تواضع ست درِ مرتقائے آلِ رسول

یہاں پستی میں بیٹھنے والوں کا مقدر بلندی ہے، آلِ رسول کے مقامِ بلند کا دروازہ تواضع ہے۔

(۹) بر آ بہ چرخ برین و ببیں ستانۂ او
گرا بہ خاک و بیا بر سمائے آلِ رسول

چرخ بریں پہ آ کر ان کا آستانہ دیکھو، خاک کی طرف مائل رہو اور آلِ رسول کے آسمان پر آؤ۔

(۱۰) قبائے شہ بہ گلیم سیاہ خود نہ خَرد
سیہ گلیم نباشد گدائے آلِ رسول

ان کے در کا بھکاری اپنی کالی کملی کے بدلے قبائے شاہی نہیں خریدتا اور آلِ رسول کی بارگاہ کا گدا بے ثروت نہیں ہوتا۔

(۱۱) دوائے تلخ مخور شہد نوش و مژدہ نیوش
بیا مریض بدار الشفائے آلِ رسول

تلخ دوا مت کھا، شہد چاٹ اور خوش خبری سن، اے بیمار! آلِ رسول کے دار الشفا میں آ۔

(۱۲) ہمیں نہ از سر افسر کہ ہم زسر برخاست
نشست ہر کہ بہ فرقش ہمائے آلِ رسول

جس کے سر پر آلِ رسول کا ہما (پرندہ) بیٹھ گیا وہ نہ صرف افسر کے سر سے بلکہ تصور و خیال سے بھی اوپر اٹھ گیا۔

(۱۳) بہ صخر و طعنۂ سختی زند بہ عارضِ گل
بہ سنگ صخرہ وزد گر صبائے آلِ رسول

اگر چٹان کے پتھر پر آلِ رسول کی پروائی ہوا چلے تو وہ پھول کے رخسار کو سخت ہونے کا طعنہ دے اور اس کا مذاق اڑائے۔

(۱۴) دہد زباغ منٰی غنچہ ہائے زر بہ گرہ
دمِ سوال حیا و غنائے آلِ رسول

آلِ رسول کی حیا و غنا سوال کے وقت آرزوؤں کے باغ سے سونے کی کلیاں بھری مٹھی سے عطا کرتی ہے۔

(۱۵) زچرخ کانِ زرِ شرقی مغربی آرند
بدرد مِس بمَسِ کیمیائے آلِ رسول

کیمیا گر زرِ مشرقی کے ذخیرے کو پگھلا کر زرِ مغربی (زرِ خالص) برآمد کرتے ہیں۔ آلِ رسول کی کیمیا گری تانبے کو صرف مس سے (محض ہاتھ لگا کر) چاک کر دیتی ہے۔

(۱۶) جرس بصلصلہ اش آں چہ گفت را ہی را
ہماں بسلسلہ آرد ورائے آلِ رسول

گھنٹے نے اپنی گونج میں جو کچھ سالک سے کہا اسی کو وہ آلِ رسول کے بعد سلسلے میں لائے گا۔

(۱۷) رسول داں شوی از نام او نمی بینی
دو حرف معرفہ در ابتدائے آلِ رسول

ان کے نام سے تم رسول آشنا ہو جاؤ گے، کیا ''آلِ رسول'' کی ابتدا میں معرفہ کے دو حرف (ال) نہیں دیکھتے۔

(۱۸) بہ خدمتش نخرد باج و تاج زنگ و فرنگ
سپید بخت سیاہ سرائے آلِ رسول

ان کی خدمت کے بدلے وہ زنگیوں اور فرنگیوں کا مال وتاج نہ خریدے گا۔آلِ رسول کے گھر کا سیاہ غلام سپید بخت اور تابندہ نصیب ہوتا ہے۔

(۱۹) اگر شب ست و خطر سخت ورنہ می دانی
ببند چشم و بیا بر قفائے آلِ رسول

اگر رات ہے اور خطرہ سخت اور راہ نامعلوم، تو آنکھیں بند کرلے اور آلِ رسول کے پیچھے پیچھے چلا آ۔

(۲۰) زسر نہند کلاہِ غرور مدعیاں
بہ جلوۂ مدد اے کفش پائے آلِ رسول

اے آلِ رسول کے پیر کی جوتی تیری بخشش دیکھ کر ڈینگیں مارنے والے تکبر کی ٹوپیاں سر سے اتار دیتے ہیں۔

(۲۱) ہزار جامۂ سالوس را کتانی دہ
بتاب اے مہِ جیبِ قبائے آلِ رسول

اے آلِ رسول کے چاک گریباں کے چاند! تابندہ ہوکر ہزاروں جامۂ فریب کو پارہ پارہ کردے۔

(۲۲) مرو بہ مے کدہ کاں جا سیاہ کارا نند
بیا بہ خانقہِ نور زائے آلِ رسول

مے کدہ مت جا کہ وہ بدکاروں کی جگہ ہے، آلِ رسول کی خانقاہ میں آ کہ یہاں نور پیدا ہوتا ہے۔

(۲۳) مرو بہ مجلسِ فسق و فجور شیاداں
بیا بہ انجمنِ اتقائے آلِ رسول

مکاروں کے فسق وفجور کی مجلس میں مت جا، آلِ رسول کی تقویٰ شعار انجمن میں آ۔

(۲۴) مرو بدامگہ ایں دروغ بافاں ہیچ

بیا بہ جلوہ گہِ دل کشائے آلِ رسول

ان دروغ بافوں کی شکارگاہ میں ہرگز نہ جا، آلِ رسول کی دل کشا جلوہ گاہ میں آ۔

(۲۵) ازاں بہ انجمنِ پاک سبز پوشاں رفت
کہ سبز بود دراں بزم جائے آلِ رسول

سبز پوشوں کی پاکیزہ محفل میں اس لیے گیا کہ اُس بزم میں آلِ رسول کی جگہ سرسبز ہوتی ہے۔

(۲۶) شکست شیشہ بہ ہجر و پری بشیشہ ہنوز
زدل نمی رود آں جلوہائے آلِ رسول

فراق کی وجہ سے شیشۂ دل ٹوٹ گیا مگر معشوق اب بھی شیشے میں موجود ہے۔آلِ رسول کے جلوے دل سے جدا نہیں ہوتے۔

(۲۷) شہید عشق نمیرد کہ جاں بجاناں داد
تو مُردی اے کہ جدائی زپائے آلِ رسول

شہید عشق جس نے جان، جاناں کو دے دی وہ مردہ نہیں، اے آلِ رسول کے قدم سے جدا ہونے والے! مردہ تو ہے۔

(۲۸) بگو کہ وائے من و وائے مردہ ماندن من
منال ہرزہ کہ ہیہات وائے آلِ رسول

یہ کہہ کہ افسوس مجھ پر اور میرے مردہ رہ جانے پر، ہیہات (ہائے دوری) وائے آلِ رسول کا بے ہودہ نالہ مت کر۔

(۲۹) کہ می برُد ز مریضانِ تلخ کام نیاز
بہ عہد شہد فروشِ بقائے آلِ رسول

بقائے آلِ رسول کے شہد فروش عہد تک، تلخ کام بیماروں کا نیاز کون لے جائے۔

(۳۰) صبا سلام اسیران بستہ بال رساں
بطائرانِ ہوا و فضائے آلِ رسول

اے صبا! بال و پر بندھے ہوئے اسیروں کا سلام، آلِ رسول کی فضا و ہوا کے

پرندوں کو پہنچا۔

(۳۱) خطا مکن دلکا پردہ ایست دوری نیست
بگوش می خورد کنوں صدائے آلِ رسول

اے دل حقیر! خطا نہ کر، بس ایک پردہ ہے دوری نہیں ہے، آلِ رسول کی صدا ابھی کانوں تک پہنچنے والی ہے۔

(۳۲) مگو کہ دیدہ گری و غبار دیدہ بہ خند
بکار تست کنوں توتیائے آلِ رسول

یہ دعویٰ نہ کر کہ تو دیدہ گر ہے اور تیری آنکھ کا غبار ہنس کر کہے کہ ابھی تیرے لیے آلِ رسول کا سرمہ درکار ہے۔

(۳۳) مپیچ در غمِ عیارگانِ ذنب شعار
اگر ادب نہ کنند از برائے آلِ رسول

خطا شعار عیاروں کے غم میں نہ الجھ، اگر وہ آلِ رسول کے واسطے ادب کی بجا آوری نہ کریں۔

(۳۴) ہر آں کہ نکث کند نکث بہر نفس ویست
غنی ست حضرت چرخ اعتلائے آلِ رسول

جو عہد شکنی کرے اس کی عہد شکنی کا ضرر اسی کو پہنچے، آلِ رسول کی فلک رفعت بارگاہ اس سے بے نیاز ہے۔

(۳۵) سپاس کن کہ بپاس و سپاس بد منشاں
نیاز و ناز ندارد ثنائے آلِ رسول

شکر کر کہ بدطبع لوگوں کے لحاظ وسپاس پر آلِ رسول کی ثنا ناز و نیاز نہیں رکھتی۔

(۳۶) نہ سگ بشور و نہ شپرّ بخامشی کاہد
زقدر بدرو ضیائے ذُکائے آلِ رسول

نہ کتا اپنے شور سے آلِ رسول کے ماہ تمام کی قدر گھٹا سکتا ہے، نہ چمگادڑ اپنی خاموشی سے آلِ رسول کے آفتاب کی روشنی کم کر سکتی ہے۔

(۳۷) تواضعِ شہِ مسکیں نواز را نازم
کہ ہم چو بندہ کند بوس پائے آلِ رسول

مسکینوں کو نوازنے والے بادشاہ کی تواضع پر نازاں ہوں کہ مجھ جیسا غلام آلِ رسول کے قدموں کا بوسہ لے رہا ہے۔

(۳۸) منم امیر جہاں گیر کج کلہ یعنی
کمینہ بندہ و مسکیں گدائے آلِ رسول

میں کج کلاہ، جہاں گیر، حاکم وامیر ہوں یعنی سرکار آلِ رسول کا کمینہ غلام اور بے مایہ گدا ہوں۔

(۳۹) اگر مثالِ خلافت دہد فقیرے را
عجب مدار زفیض و سخائے آلِ رسول

اگر وہ ایک فقیر کو سند خلافت سے نوازیں تو آلِ رسول کے اس فیض اور کرم پر تمھیں تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

(۴۰) مگیر خردہ کہ آں کس نہ اہل ایں کارست
کہ داند اہل نمودن عطائے آلِ رسول

یہ اعتراض نہ کر کہ وہ اس کام کا اہل نہیں اس لیے کہ آلِ رسول کی عطا اہل بتانا جانتی ہے۔

(۴۱) ’’ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا‘‘
تبارک اللہ ما و ثنائے آلِ رسول

راہ کا تفاوت تو دیکھو! کہاں سے کہاں تک ہے۔ اللہ اکبر! کہاں ہم اور کہاں آلِ رسول کی تعریف وتوصیف۔

(۴۲) مراز نسبت ملک است امید آں کہ بہ حشر
ندا کنند بیا اے رضائے آلِ رسول

مجھے ان کی غلامی کی نسبت سے اس بات کی امید ہے کہ روزِ محشر پکارنے والے مجھے یوں پکاریں گے کہ آ، اے آلِ رسول کے رَضا آ۔

منقبت درشان سیدناشاہ ابوالحسین احمدنوری میاں قدس سرہٗ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ

بر تر قیاس سے ہے مقام ابو الحسین
سدرہ سے پوچھو رفعتِ بامِ ابو الحسین

وارستہ پائے بستۂ دامِ ابو الحسین
آزاد نار سے ہے غلام ابو الحسین

خطِ سیہ میں نور الٰہی کی تابشیں
کیا صبح نور بار ہے شام ابو الحسین

ساقی سنا دے شیشۂ بغداد کی ٹپک
مہکی ہے بوئے گل سے مدام ابوالحسین

بوئے کباب سوختہ آتی ہے مے کشو
چھلکا شراب چشت سے جام ابوالحسین

گلگوں سحر کو ہے سہر سوز دل سے آنکھ
سلطان سہرورد ہے نام ابو الحسین

کرسی نشیں ہے نقش مرادان کے فیض سے
مولائے نقش بند ہے نام ابو الحسین

جس نخل پاک میں ہیں چھیالیس ڈالیاں
اک شاخ ان میں سے ہے بنام ابوالحسین

مستوں کو اے کریم بچائے خمار سے
تا دور حشر دورۂ جام ابو الحسین

ان کے بھلے سے لاکھوں غریبوں کا ہے بھلا
یا رب زمانہ باد بکام ابو الحسین

میلا لگا ہے شان مسیحا کی دید ہے
مردے جلا رہا ہے خرام ابو الحسین

سرگشتہ مہر و مہ ہیں پر اب تک نہیں کھلا
کس چرخ پر ہے ماہ تمام ابوالحسین

اتنا پتہ ملا ہے کہ یہ چرخ چنبری
ہے ہفت پائے زینۂ بامِ ابو الحسین

ذرہ کو مہر قطرہ کو دریا کرے ابھی
گر جوش زن ہو بخشش عام ابوالحسین

یحییٰ کا صدقہ وارث اقبال مند پائے
سجادۂ شیوخ کرام ابو الحسین

انعام لیں بہار جناں تہنیت لکھیں
پھولے پھلے تو نخل مرام ابو الحسین

اللہ ہم بھی دیکھ لیں شہزادہ کی بہار
سونگھے گلِ مراد مشامِ ابو الحسین

آقا سے میرے ستھرے میاں کا ہوا ہے نام
اس اچھے ستھرے سے رہے نام ابوالحسین

یارب وہ چاند جو فلک عز و جاہ پر
ہر سیر میں ہو گام بگام ابو الحسین

آؤ تمہیں ہلال سپہر شرف دکھائیں
گردن جھکائیں بہر سلام ابو الحسین

قدرت خدا کی ہے کہ طلاطم کناں اٹھیں
بحر فنا سے موج دوام ابو الحسین

یارب ہمیں بھی چاشنی اس اپنی یاد کی
جس سے ہے شکریں لب وکام ابوالحسین

ہاں طالع رضؔا تری اللہ رے یاوری
اے بندۂ جدود کرام ابو الحسین

نور والا ہے احمد نوری

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ

ماہ سیما ہے احمد نوری
مہر جلوہ ہے احمد نوری

نور والا ہے احمد نوری
نورِ والا ہے احمد نوری

نہ کھلا کیا ہے احمد نوری
راز بستہ ہے احمد نوری

دور پہنچا ہے احمد نوری
طور سینا ہے احمد نوری

وصف اجلیٰ ہے احمد نوری
کشف اخفا ہے احمد نوری

عہد اوفیٰ ہے احمد نوری
شہد اصفیٰ ہے احمد نوری

جلب تقویٰ ہے احمد نوری
سلب طغویٰ ہے احمد نوری

نجم سے ماہ، مہ سے مہر ہوا
گھڑیوں بڑھتا ہے احمد نوری

مہر سے ماہ، مہ سے نجم ہوا
ابھی نیچا ہے احمد نوری

برکاتی جہاں جمی ہو برات
اس میں دولھا ہے احمد نوری

شمس دیں کی شعاعوں کا تیرے
سر پہ سہرا ہے احمد نوی

تارا نظار رحمت سے بنا
تیرا جامہ ہے احمد نوری

رشد و ارشاد کا ترے سر پر
آج طرہ ہے احمد نوری

قادریت ہے چشتیت سے بہم
نگ دو پلکا ہے احمد نوری

رفع قومہ میں وضع سجدے میں
لاوِالّا ہے، احمد نوری

ذکر ایسا کہ کلمہ کی انگلی
خود سراپا ہے احمد نوری

قومہ سیدھا رکوع دوہرا ہے
الف والا ہے احمد نوری

محض اثبات کا مقام بلند
یوں دکھاتا ہے احمد نوری

میرا مرشد مے مصحف ناطق
نوری آیہ ہے احمد نوری

مہبط فضل شیخ تا برکات
پنجسورہ ہے احمد نوری

آسماں سے اترتے ہیں اسماء
نام کیسا ہے احمد نوری

نام بھی نور حسن تام بھی نور
نور دونا ہے احمد نوری

نور سرکار ذات دونا ہے
دن سوایا ہے احمد نوری

قرب اس اعلیٰ سے ہے تجھے جس کا
قصر او ادنیٰ ہے احمد نوری

لا ولد رہتے ہیں تمام ابدال
فرد تنہا ہے احمد نوری

اس کی سی ماں جہان میں کس کی
ابن زہرا ہے احمد نوری

شکل دیکھو تو نور کی تصویر
نوری پتلا ہے احمد نوری

نام پوچھو تو نور کی تنویر
نور معنیٰ ہے احمد نوری

انجمن ہو رہی ہے مشرق نور
جلوہ فرما ہے احمد نوری

بام و در کی ضیا سے روشن ہے
نور بالا ہے احمد نوری

طالبان حریم حق کے لیے
راست قبلہ ہے احمد نوری

اچھے پیارے کے دل کا ٹکڑا ہے
اچھا اچھا ہے احمد نوری

بھولی صورت ہے نور کی مورت
پیارا پیارا ہے احمد نوری

گل بغداد کی مہک میں بسا
بھینا بھینا ہے احمد نوری

ابر برکات کی ٹپک میں دھلا
اجلا اجلا ہے احمد نوری

ہے مصفّٰی عسل لبوں سے رواں
میٹھا میٹھا ہے احمد نوری

وہ عوارف کا نور بار سراج
جگ اجالا ہے احمد نوری

اس کے ارشاد ہیں دلیل یقین
شک مٹاتا ہے احمد نوری

اس کے لب ہیں کلید کشف قلوب
فتح دولہا ہے احمد نوری

گھر ہے بہائے نور و بہا
تیرا شجرہ ہے احمد نوری

سید الانبیا رسول اللہ
تیرا بابا ہے احمد نوری

مرجع الاولیا علی ولی
تیرا دادا ہے احمد نوری

وہ حسینی رچی ہوئی رنگت
گل سے زیبا ہے احمد نوری

زینت زینؔ عابدیں سے ترا
حسن نکھرا ہے احمد نوری

عم اعظم ہیں حضرت باقر
تو بھتیجا ہے احمد نوری

صادق رفض سوز کا پر تو
تجھ پہ سچا ہے احمد نوری

شان کاظم دکھا کہ معدن حلم
تیرا منشا ہے احمد نوری

اے رضاؔ کے رضی رضا کے رضاؔ
تجھ سے جویا ہے احمد نوری

سِر میں ساری ہے سِر پاک ترے
سِر یہ سارا ہے احمد نوری

سید الطائفہ کا طائف ہے
ہم کو کعبہ ہے احمد نوری

شبل شبلی قوم شرزا پر
شیر شرزہ ہے احمد نوری

عبد واحد کے بحر وحدت میں
دُرِّ یکتا ہے احمد نوری

بو الفرح کے لیے فرح دیدے
غم نے گھیرا ہے احمد نوری

حسن بو الحسن پہ تیرا حسن
کیا نرالا ہے احمد نوری

بو سعیدی سعید کتنا سعد
تیرا تارا ہے احمد نوری

غوثؔ کونین کی غلامی سے
جگت آقا ہے احمد نوری

عبد رزاق ہیں وسیلۂ رزق
تو سہارا ہے احمد نوری

نصر و بو نصر اس کے نصر نصیر
ناصر اپنا ہے احمد نوری

تازی کو پل علی کی ڈالی ہے
تیرا بالا ہے احمد نوری

شاہ موسیٰ کے گورے ہاتھوں کا
ید بیضا ہے احمد نوری

حسنؔی احمدؔی حسینؔی و حمید
خوش ستودہ ہے احمد نوری

دیکھ لو جلوہ بہاؤ الدین کا
آئینہ سا ہے احمد نوری

گل خندان باغ ابراہیم
تیرا چہرہ ہے احمد نوری

خود بھکاریؔ کے در کا سائل ہے
ہم کو داتا ہے احمد نوری

نور قاضی ضیا کے پر تو سے
نور اضوا ہے احمد نوری

اے جمال جمیل شان جمالؔ
تجھ میں جملہ ہے احمد نوری

حمد کے دونوں پاک ناموں کا
فیض و لمعہ ہے احمد نوری

شان انوار فضل فضل اللہ
تجھ سے پیدا ہے احمد نوری

برکاتی چمن کا بوٹا ہے
برکت زا ہے احمد نوری

باغ آل محمدی ہے نہال
ستھرا پودا ہے احمد نوری

رہے مزہ کا میکدہ جس کی
مدھ کا ماتا ہے احمد نوری

آل احمد ہیں مصطفےٰ کے چاند
ماہ پارا ہے احمد نوری

خسر و اولیا ہیں آل رسول
شاہزادہ ہے احمد نوری

میرے آقا کا لاڈلا بیٹا
نازوں پالا ہے احمد نوری

شب بدعت سے کہئے ہو کافور
نور افزا ہے احمد نوری

سیدھا سادھا ہے لیکن الٹوں سے
بانکا ترچھا ہے احمد نوری

دیکھے بھالے ہیں شہر دہر کے شیخ
سب سے اولیٰ ہے احمد نوری

خلفائے ثلثہ کا ہے غلام
جب تو مولیٰ ہے احمد نوری

ذائقہ ان کا تا زباں ہی نہیں
دل سے شیدا ہے احمد نوری

بد مزاقوں کو تیرا شہد ہے تلخ
ان کو صفرا ہے احمد نوری

جلتے ہیں تیرے گرم چرچے سے
ان کو سودا ہے احمد نوری

اے علم تعزیوں کے مجرے سے دور
تجھ کو مجرا ہے احمد نوری

شب باطل کا اب سویرا ہے
حق کا تڑکا ہے احمد نوری

ظلمت غم تو اور مجھ کو دبائے
میرا ماوا ہے احمد نوری

تیری رحمت پہ تیری نعمت پہ
میرا دعویٰ ہے احمد نوری

جس کا میں خانہ زاد اس کا تو — پیارا بیٹا ہے احمد نوری
میرے آقا کا تجھ پہ اور تیرا — مجھ پہ سایہ ہے احمد نوری
تیرہ بختی نے کردیا اندھیرا — دیر اب کیا ہے احمد نوری
نور احمد مجھے بھی چمکا دے — نام تیرا ہے احمد نوری
لاکھ اپنا بنائیں غیر اسے — پھر ہمارا ہے احمد نوری
دودھ کا دودھ پانی کا پانی — کرنے والا ہے احمد نوری
درد کھودے کہ خواہشوں نے بہت — دل دکھایا ہے احمد نوری
تو ہنسا دے کہ نفس بد نے ستم — خوں رلایا ہے احمد نوری
خاک ہم نے اڑائی یوں ہی سہی — تو تو دریا ہے احمد نوری
خاندانی کرم قدیمی جود — تیرا حصہ ہے احمد نوری
پوتڑوں کا کریم ابن کریم — کرم آتا ہے احمد نوری ہے
میرے حق میں مخالفوں کی نہ سن — حق یہ میرا ہے احمد نوری
اتنا کہہ دے رضاؔ ہمارا ہے — پار بیڑا ہے احمد نوری

ہیں رضاؔ کیوں ملول ہوتے ہو
ہاں تمہارا ہے احمد نوری

مدائح درشانِ
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ

تاج العلما حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مارہروی قدس سرہٗ

شمع بزم اولیا احمد رضا
نور و چشم اتقیا احمد رضا

دین احمد کا مجدد بالیقیں
سچا عبد المصطفیٰ احمد رضا

فضل غوث اعظم و بو الفضل سے
دونوں کا مظہر بنا احمد رضا

علم تیرا بحر نا پیدا کنار
ظل علم مرتضیٰ احمد رضا

تیری الفت میرے مرشد نے مجھے
گھٹی میں ہے دی پلا احمد رضا

لاکھ حاسد کچھ بکیں لیکن فقیر
تیرا تیرا ہے ترا احمد رضا

''سنیوں کا مقتدیٰ احمد رضا خاں قادری''

سید العلماء حضرت سید شاہ آلِ مصطفیٰ قادری مارہروی قدس سرہٗ

سنیوں کا مقتدیٰ احمد رضا خاں قادری
قادری ہے پیشوا احمد رضا خاں قادری

سر پہ سایہ لے کے تونے محی دین پاک کا
دین حق زندہ کیا احمد رضا خاں قادری

تو تھا اپنے وقت کا صدیق اس میں شک نہیں
سایہ بوبکر تھا احمد رضا خاں قادری

ذو الفقار حیدری کا جانشیں تیرا قلم
مظہر مشکل کشا احمد رضا خاں قادری

علم تیرا واقعی تھا بحر ناپیدا کنار
ظلِ علم مرتضیٰ احمد رضا خاں قادری

مدح گوئی مقصد سیدؔ نہیں اس نظم میں
ہاں وہی ہے مادہ احمد رضا خاں قادری

آئینہ حق نما

احسن العلما حضرت سید شاہ حسن میاں قادری قدس سرہٗ

چہرۂ زیبا ترا احمد رضا — آئینہ ہے حق نما احمد رضا
غوث اعظم مظہر شاہ رسل — ان کا تو مظہر ہوا احمد رضا
علم تیرا بحر ناپیدا کنار — ظل علم مرتضیٰ احمد رضا
تیرے مرشد حضرت آل رسول — ان کو تجھ پہ ناز تھا احمد رضا
اپنے برکاتی گھرانے کا چراغ — تجھ کو نوری نے کہا احمد رضا
سنیوں پر یہ ترا احسان ہے — اپنے دامن میں لیا احمد رضا
سنیت کی آبرو دم سے ترے — اب بھی قائم ہے شہا احمد رضا
جب بھی کوئی مرحلہ آ کر پڑا — تونے عقدہ حل کیا احمد رضا
نعرۂ شیرانہ جب گونجا ترا — قلب نجدی پھٹ گیا احمد رضا
نام لیوا دید کے مشتاق ہیں — کھول دے چہرہ ذرا احمد رضا
مفتی اعظم ہوئے واصل بحق — ان سے راضی ہو خدا احمد رضا
تیری الفت میرے مرشد نے مجھے — دی ہے گھٹی میں پلا احمد رضا

یاد کرتا ہے تجھے تیرا حسنؔ
اس کے حق میں کر دعا احمد رضا

چند قطعات ورباعیات

سید ملت حضرت سید شاہ آل رسول حسنین میاں نظمی قدس سرہٗ

کنز ایماں ترجمہ جو ہر جگہ مشہور ہے — ہر ورق میں جس کے نعت مصطفیٰ مسطور ہے
ہر سطر میں جس کی عشق مصطفیٰ جلوہ فگن — ہاں وہ ہر سنی کے دل کا اور نظر کا نور ہے

ارضِ مارہرہ سے برکت اعلیٰ حضرت کو ملی — ان کے نورانی قلم کی آج یہ شہرت ہوئی
نعت کا میدان ہو یا ترجمہ قرآن کا — کوئی لائے تو مثال اعلیٰ حضرت دوسری

سونے چاندی کو جانچنے کے لیے — سنگ پارس سے کام لے لیجے
اور سنی کو جانچنے کے لیے — اعلیٰ حضرت کا نام لے لیجے

دشمنان مصطفیٰ سے بر سر پیکار تھے — اعلیٰ حضرت ذوالفقار حیدری کی دھار تھے
قہر فاروقی تھے وہ بد دین اعدا کے لیے — اور عشق احمدی میں ثانی کرار تھے

مشعل نوری لیے جب چل پڑے احمد رضا — نور احمد ان کے ہر ہر حال میں شامل رہا
علم ظاہر علم باطن کی امامت مل گئی — فضل حق سے مل گیا وصف فنافی المصطفیٰ

گوشۂ کوائف

کوائف خانقاہ برکاتیہ

محمد اکبر قادری

اکاؤنٹس آفیسر، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ

روداد عرس قاسمی برکاتی ۲۰۱۷ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

عرس قاسمی رحمت خدا کی ہے

الحمد للہ اس سال بھی عرس قاسمی برکاتی سرزمین مارہرہ مطہرہ پر درگاہ و خانقاہ برکاتیہ میں ۳، ۴/اور ۵/نومبر بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار اپنی روایتی دینی شان وشوکت اور تزک اہتمام کے ساتھ منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان کے گوشے گوشے سے اور بیرون ممالک سے بھی زائرین نے شرکت کی۔ عرس قاسمی برکاتی شریف کی روداد مندرجہ ذیل ہے:

یوں تو عرس شریف کی تیاری سال بھر ہوتی رہتی ہے مگر باقاعدہ تیاری ایک دو ہفتہ پہلے سے شروع ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے گونڈل سے برادر طریقت محمد فرقان صاحب مع اپنے مددگاروں کے ایک ہفتہ پہلے مارہرہ شریف حاضر ہوئے اور انہوں نے مسجد شریف، درگاہ شریف، خانقاہ شریف سے لے کر باب البرکات دروازہ تک نہایت خوبصورت آرائش لگائی۔ پورنپور سے برادر طریقت محمد شکیل برکاتی مع اپنے مددگاروں کے تین چار روز پہلے حاضر ہوئے اور انہوں نے لنگر خانہ کا انتظام کیا۔ پائپ لگائے اور آنے جانے کا راستہ درست کرایا۔ برادرِ طریقت محمد اسلم برکاتی نے زائرین کے رہائش کے انتظامات درست کیے اور عمارتوں کے اینٹری پاس وغیرہ چھپوائے اور خصوصی مہمانوں کے قیام وطعام کا انتظام دیکھا۔ راقم الحروف بھی ایک روز پہلے پہنچ گیا اور دفتر استقبالیہ صحیح کرایا اور مددگاروں برادر طریقت محمد اظہر قادری سلمہ، محمد عثمان بھائی، محمد قیصر، محمد رضوان، محمد احمد رضا، عبدالرزاق وغیرہم کی مدد سے زائرین کی تعداد نوٹ کرنے کی کوشش کی اور ''اہل سنت کی آواز'' سالانہ مجلّہ کو فروخت کرنے کا انتظام کیا۔ حضرت امان میاں صاحب کا جاری کردہ رسالہ پیام برکات کے لیے بہت سارے نمائندوں نے اپنے اپنے پوائنٹ پر مستعدی سے کام کیا۔ اس کے علاوہ بہت سارے لوگوں نے بہت ہی مستعدی اور بھرپور جذبے کے ساتھ عرس شریف کے کاموں میں حصہ لیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا کرے آمین۔

۲/نومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات:

بعد نماز عشاء درگاہ برکاتیہ میں محفل میلاد منعقد ہوئی۔ جس کا آغاز قاری محمد یونس صاحب قادری استاذ جامعہ احسن البرکات نے تلاوت کلام ربانی سے کیا۔ حافظ محمد برکت علی متعلم جامعہ احسن البرکات نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ حافظ عبد الرحیم برکاتی، حافظ محمد سلمان برکاتی منتظمین جامعہ احسن البرکات نے نعتیں پڑھیں۔ محمد سبطین جماعت ثانیہ نے منقبت پڑھی۔ محمد وسیم جماعت ثانیہ نے نعت پڑھی۔ نعت خواں شبیر بادشاہ، گونڈل، گجرات نے نعت و منقبت پڑھی۔ محمد وسیم برکاتی، محمد اویس برکاتی مولوی محمد کاظم برکاتی، حافظ محمد ریحان برکاتی، محمد اکرم برکاتی متعلمین جامعہ احسن البرکات نے نعت و منقبت پڑھیں۔

محمد خالد سلمہٗ نے اردو زبان میں زیر عنوان اخلاق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تقریر کی۔ نہایت عمدہ طریقہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا خلق عظیم بیان کیا۔ دوسری تقریر انگریزی زبان میں محمد الطاف رضا سلمہٗ نے کی۔ یہ دونوں بچے جامعہ احسن البرکات میں زیر تعلیم ہیں۔ حافظ محمد کمال برکاتی نے منقبت پڑھی۔ نعت و مناقب اور جامعہ کے طلبہ کی تقاریر کے بعد حضرت رفیق ملت مدظلہ نے خطاب فرمایا اور زائرین کو روزمرہ کے زندگی کے اصول پیارے انداز میں سمجھائے۔ ان کے بعد حضرت شرف ملت مدظلہ العالیٰ نے اپنے کلام فیض ترجمان سے نوازا۔ اپنے بچپن کہ زمانہ کے عرس

قاسمی کے واقعات، حافظ محمد جان صاحب کا پڑھنا جھوم جھوم کر ”حاجی میاں ذرا کھولو کوِڑیاں“ وغیرہ بتائے۔ ان کے بعد صاحب سجادہ حضور امین ملت دامت برکاتہم القدسیہ نے زائرین عرس قاسمی برکاتی کو مخاطب کیا اور سب کا استقبال فرمایا، خیر مقدم کیا اور عرس کی تقریبات سے آگاہ کیا۔ خاص طور سے حلقۂ ذکر قادریہ جس سے عرس قاسمی کا آغاز ہوتا ہے اس کے بارے میں بتایا اور ذکر لا الٰہ الا اللہ، الا اللہ، اللہ، ہُ، کر کے بتایا۔ بتایا کہ یہ ذکر برادر طیقت جناب عبد القدیر خاں عرف منشی پھول خاں صاحب کرایا کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ عرس کی ساری تقریبات سے گاہ کیا۔ خاص طور سے خلقۂ ذکر قادریہ جس سے عرس قاسمی کا آغاز ہوتا ہے اس کے بارے میں بتایا۔ اسی کے ساتھ عرس کی ساری تقریبات میں حصہ لینے اور شریک رہنے کی تاکید فرمائی۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد دعا ہوئی اور جلسہ اختتام پذیر ہوا۔ تمام زائرین نے کھانا تناول کیا اور اپنی اپنی قیام گاہ پر جا کر آرام کیا۔

۳ رنومبر ۲۰۱۷ء بروز جمعہ مبارکہ:

بعد نماز فجر حلقہ ذکر قادریہ درگاہ شاہ برکت اللہ صاحب میں منعقد ہوا۔ حافظ شہاب الدین برکاتی، حافظ مبین الدین برکاتی، قاری رحمت اللہ نوری وغیرہم نے ذکر جلی کرایا۔ یعنی تلاوت قرآن عظیم اس کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی نعت پاک ”چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے- مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے“ پڑھ کر ذکر شروع کیا گیا اور ہر ورد کو سو بار بہ آواز بلند کیا گیا۔ ہر ورد کے شروع کرنے سے پہلے درود شریف پڑھا گیا۔ پنج آیت شریفہ اور شجرۂ عالیہ قادریہ پڑھ کر دعا ہوئی اس کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا۔ بعدہٗ قرآنی خوانی ہوئی اور ایصال ثواب کیا گیا۔

۹ ربجے درگاہ برکاتیہ میں پہلی محفل کا آغاز ہوا۔ قاری محمد یونس صاحب استاد جامعہ احسن البرکات نے تلاوت کلام ربانی سے آغاز فرمایا۔ مولوی محمد قاسم متعلم جامعہ احسن البرکات نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ محمد توصیف رضا، جماعت رابعہ، محمد فرمان جماعت ثانیہ، حافظ محمد اشفاق درجۂ حفظ، حافظ محمد ادیب درجہ ثانیہ نے نعت شریف پڑھی۔ محمد اویس

جماعت رابعہ، محمد کلام جماعت خامسہ، محمد اکرم درجۂ حفظ، حافظ محمد ریحان درجہ حفظ نے منقبتیں پڑھیں۔ شیخ احمد برکات درجہ خامسہ نے بعنوان حقوق زوجین تقریر کی۔ احمد نبیل برکاتی درجہ حفظ اور حافظ عبد الواحد برکاتی، پورنپور نے نعتیں پڑھیں، طلبائے جامعہ احسن البرکات اور دیگر نعت خوانوں کے بعد اساتذہ میں سے مولانا محمد اسلم برکاتی ازہری نے خطاب فرمایا۔ ایک بار پھر منقبت کا سلسلہ شروع ہوا اور عبد الرحمٰن برکاتی، تنزیل احمد برکاتی اور سید عبد الحمید وغیرہم نے منقبتیں پڑھیں۔ آخر میں حضرت رفیق ملت مدظلہٗ نے برکاتیوں کو مخاطب کیا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر توجہ دلائی جس کو ہم لا پرواہی سے چھوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً سلام کا جواب دینا۔ آپ نے فرمایا کہ سلام کا جواب دینا واجب ہے اور سلام کرنا سنت ہے اسی کے ساتھ نماز جمعہ کی تاکید کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جامع مسجد برکاتی میں ڈیڑھ بجے، چھوٹی سرکار کی مسجد میں پونے دو بجے اور گلشن برکات میں دو بجے نماز جمعہ ادا کی جائے گی۔ شرف ملت مدظلہ نے اپنے برکاتی احباب کو اپنے جام شیرین سے سرفراز کیا اور منقبت درشان حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ سنائی۔ آخر میں حضور امین ملت مدظلہ العالی نے بیان فرمایا۔ نماز جمعہ کی وجہ سے اس محفل کو مختصر کیا گیا۔ ساڑھے گیارہ بجے صلوٰۃ وسلام ہوا۔ حضرت صاحب نے دعا فرمائی۔ تمام زائرین نماز جمعہ کی تیاری میں لگ گئے۔ دونوں مساجد کھچا کھچ بھر گئیں بلکہ اطراف میں بھی دری، جانماز بچھا کر لوگ بیٹھ گئے۔ جب مساجد میں جگہ نہیں رہی تو لوگوں نے گلشن برکات کا رخ کیا اور وہاں بھی نمازیوں کی کثیر تعداد ہو گئی۔ اس طرح جمعہ مبارکہ کا روح پرور منظر دیکھنے کو ملا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمارے مسلمان بھائیوں کو جوق در جوق نماز کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نماز جمعہ کے بعد زائرین کھانے کے لیے لنگر خانہ پہنچے جو کہ گلشن برکات سے متصل ہے۔ بہت سارے لوگ درگاہ شریف حاضر ہوئے اور فاتحہ پڑھا۔ چلّہ شریف کی عمارت کے بڑے ہال میں قرّا حضرات جو مقابلۂ قرأت میں حصہ لینے آئے تھے ان کا تحریری امتحان (علم التجوید) کا ہوا۔

زائرین کی آمد کا سلسلہ جاری ہے جمعہ تک کافی تعداد میں زائرین آچکے تھے جن

میں کافی تعداد میں اسلامی کتب کے مکتبہ بھی آچکے تھے جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) حافظ قمر الدین، رضوی کتاب گھر، مٹیا محل، دہلی، (۲) زبیر قادری، سنی پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی، (۳) قاری زاہد رضا قادری، مکتبہ غوث الوریٰ، ممبئی، (۴) امجد ممتاز، تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں، (۵) مولانا غلام حسین، خواجہ بک ڈپو، مٹیا محفل، دہلی، (۶) مولانا غلام ربانی، مکتبہ جام نور، مٹیا محل، دہلی، (۷) سکندر نواز، محمدی بک ڈپو، مٹیا محل، دہلی، (۸) مولانا کاظم علی مصباحی، مجلس برکات، جامع مسجد، دہلی، (۹) محمد کلیم اشرف سنبھلی، مدنی بک ڈپو، مٹیا محفل، دہلی، (۱۰) مولانا اویس قرنی، امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی، (۱۱) غلام غوث عطاری، مکتبہ المدینہ، بریلی۔

بعد نماز جمعہ کافی لوگ مکتبوں میں دکھائی دیے۔ کافی تعداد میں اسلامی کتب کی خریداری جاری رہی ہے۔ جمعہ ہی سے مساجد کے علاوہ گلشن برکات میں سبھی نمازوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ نماز عصر کے بعد بھی زائرین مکتبوں اور دکانوں میں موجود تھے۔ بعد نماز مغرب گلشن برکات میں تربیت کا پروگرام شروع ہوا۔ آج پہلے دن مولانا نعمان احمد ازہری صاحب، البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ نے اپنی نہایت سلیس اور سادہ زبان میں ضروری دینی مسائل عوام اہل سنت کو بتائے، جس سے لوگوں نے بہت استفادہ کیا۔ درگاہِ برکاتیہ اور بڑی درگاہ حضرت شاہ عبدالجلیل صاحب میں ذکر واذکار، تلاوت، درود شریف کا ورد اور تسبیحات پڑھنے کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں کافی زائرین شریک ہوئے۔ یہ سلسلہ دوران عرس تینوں دن جاری رہا۔ بعد نماز عشا گلشن برکات میں دوسری محفل کا آغاز تلاوتِ قرآن عظیم سے حافظ محمد ریحان برکاتی، متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ نے کیا۔ نصیر پور غوثو کے پرانے برکاتی برادران کے صاحبزادے جناب جابر علی برکاتی نے حمد باری تعالیٰ پڑھی اور اعلیٰ حضرت کا کلام ''وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا'' مل کر پڑھا۔ پیارا کلام پیارے انداز میں پڑھا بہت پیارا لگا۔ ان کے بعد سید عبد الحمید، مولوی محمد قاسم، محمد ساجد، متعلمین جامعہ احسن البرکات مارہرہ نے نعت و مناقب پڑھیں۔ محمد زکریا، گجرات اور محمد حسنین برکاتی، پوربندر، گجرات نے منقبتیں

پڑھیں۔ شان عظمت برکاتی متعلم، جامعہ نے تقریر کی۔ آخر میں آسٹریلیا سے تشریف لائے مولانا محمد سلیمان برکاتی صاحب نے انگریزی میں تقریر کی اور اپنے تأثرات پیش کیے خانقاہِ برکاتیہ کے تعلق سے۔

مولانا سلیمان برکاتی صاحب کی تقریر کے بعد ناظم اجلاس حافظ قاری محمد عرفان صاحب نے مقابلۂ قرأت کا باضابطہ اعلان کیا اور شرکت کرنے والے قراء کے نام و مدارس اور ان کی تعداد بتائی جو مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) محمد زبان علی، دار العلوم منظر اسلام، بریلی، (۲) نعمان احمد، الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، ضلع فیض آباد، (۳) محمد تنویر رضا، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، (۴) محمد مزمل، جامعہ احسن البرکات، مارہرہ، (۵) محمد ریان المصطفےٰ، مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ، (۶) محمد انیس، جامعہ امیر العلوم مینائیہ، گونڈہ، (۷) احمد رضا، جامعہ عربیہ انوار القرآن، بدایوں، (۸) محمد عابد حسین، الجامعۃ الامجدیہ، گھوسی، (۹) عبید رضا، دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی، (۱۰) عبد العلیم، دار العلوم امام احمد رضا، رتنا گری، مہاراشٹرا، (۱۱) محمد مشاہد رضا، مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو، (۱۲) محمد محسن رضا، جامعہ فیضان اشرف، راجستھان، (۱۳) محمد عرفان، جامعہ علی حسن اہل سنت، اترولہ، بلرامپور، (۱۴) محمد انوار، دار العلوم انوار رضا، نوساری، گجرات، (۱۵) محمد انس، جامعہ عربیہ احسن المدارس، قدیم، کانپور، (۱۶) محمد عمران، جامعہ نعیمیہ، مرادآباد۔

جج صاحبان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ قاری محمد رضا، استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور اور قاری ذاکر علی قادری، مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ۔ جج صاحبان کسی فیصلے پر پہنچتے اس وقت تک حضرت رفیق ملت مدظلہ کے حکم سے مولانا محمد مسعود برکاتی صاحب کا خطاب ہوا۔ مولانا محمد مسعود برکاتی صاحب نے بہت ہی خوبصورت طریقہ سے قراء حضرات کی اصلاح کی اور بتایا کہ ابھی آپ کو اس میدان میں بہت زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔ یہ تو ہمارے شہزادگان برکات کا خصوصی کرم ہے کہ وہ ہمیں نواز رہے ہیں اور اس فن کی طرف رغبت دلا رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ حوصلہ افزائی یہ ہے کہ عمرہ، حاضریٔ دربار غوث

اور حاضریٔ دربار خواجہ کے اخراجات وانعامات سے اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والوں کو بالترتیب ان مقامات مقدسہ پر بھیج رہے ہیں۔ جیسے ہی مولانا محمد مسعود برکاتی صاحب کا خطاب ختم ہوا حضرت رفیق ملت نے حضرت صاحب سجادہ پروفیسر سید محمد امین میاں صاحب کی اجازت سے مقابلۂ قرأت کا رزلٹ پیش کیا۔ جج صاحبان کے فیصلے کے مطابق اول نمبر پر محمد تنویر رضا، الجامعۃ اشرفیہ مبارکپور، دوسرے نمبر پر محمد امان المصطفیٰ، مدرسہ حنفیہ، ضیاء القرآن، لکھنؤ اور تیسرے نمبر پر محمد عابد حسین، الجامعۃ الامجدیہ، گھوسی رہے۔ تینوں طلبہ کو جنھوں نے اول، دوم اور سوم پوزیشن حاصل کی بالترتیب عمرہ کا ٹکٹ اور ستر ہزار دیے، بغداد شریف کا ٹکٹ اور پینسٹھ ہزار دیے اور اجمیر شریف کا ٹکٹ اور گیارہ ہزار روپے اور بالترتیب تاج العلماء ٹرافی، ،سید العلماء ٹرافی اور احسن العلما ٹرافی سے نوازا گیا۔ الحمد للہ رب العالمین۔ اس کے بعد حضرت امین ملت دامت برکاتہم القدسیہ نے سالانہ مجلّہ ''اہل سنت کی آواز خصوصی شمارہ مسلم مسائل'' اور ''سیرت غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)'' جس کو صاحبزادہ سید محمد عثمان قادری برکاتی نے ترتیب دیا ہے کا اجرا فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سال کا مجلّہ بہت اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ اس میں مسلم مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے حل کی تدبیریں بتائی گئی ہیں لہٰذا اس کو ضرور ضرور اپنے ساتھ لے کر جائیں۔ اسی کے ساتھ یہ مبارک محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔ مختصر سلام کے بعد دعا ہوئی اور تمام زائرین کھانے کی طرف چل پڑے۔ کھانا کھانے کے بعد سب نے آرام کیا۔

۴؍نومبر ۲۰۱۷ء بروز ہفتہ:

نماز فجر تمام مساجد میں اور گلشن برکات میں باجماعت ادا کی گئی۔ اس کے بعد درگاہ شاہ برکت اللہ صاحب میں حلقۂ ذکر قادریہ ہوا۔ بعدۂ قرآن خوانی وایصال ثواب کیا گیا۔ زائرین ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر گلشن برکات میں جمع ہونے لگے اور نو بجے گلشن برکات میں تیسری محفل کا آغاز قاری محمد ابرار متعلم جامعہ احسن البرکات مارہرہ نے اللہ تعالی کے مقدس کلام سے کیا۔ مولوی محمد قاسم نے حمد پڑھی۔ محمد جابر علی، نصیر پور غوثو، محمد زکریا، گجرات، محمد ریحان برکاتی متعلم جامعہ نے نعتیں پڑھیں۔ محمد جاوید اختر برکاتی، محمد حسان رضا برکاتی طلبائے جامعہ

احسن البرکات نے منقبت پڑھی۔ مولانا محمد بہاؤالدین صاحب، بدایوں، مولانا شعبان رضا برکاتی الہ آباد نے کلام پیش کیا۔ مولوی محمد ہاشم متعلم جامعہ احسن البرکات، مارہرہ نے تقریر کی۔ مولانا محمد شہاب الدین برکاتی نے بیان فرمایا۔ شاعر اسلام جناب کلیم دانش برکاتی نے نعت پاک سنائی۔ اس کے بعد سوالات وجوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ کافی تعداد میں تحریری سوالات جمع ہو گئے تھے۔ مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب نے ہر سوال کا بہت تشفی بخش جواب دیا۔ کچھ زبانی سوالات حضرت رفیق ملت مدظلہ نے فرمائے، ان کے بھی مفتی صاحب نے جوابات دیے۔ چونکہ وقت ظہر قریب تھا اس لیے حضرت رفیق ملت نے بہت ہی مختصر سلام اور دعا کے بعد اعلان کیا کہ زائرین نماز ظہر ادا کریں اور کھانا تناول کریں۔

بعد نماز عصر جلوس کی تیاری شروع ہوگئی اور گاگریں درگاہ برکاتیہ سے بڑی درگاہ پر پہنچا دی گئیں۔ مغرب کی نماز کے فوراً بعد زائرین بڑی درگاہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تھوڑی دیر میں جلوس کی قیادت کے لیے حضرت رفیق ملت مدظلہ مع شہزادگان حضرت سید محمد امان میاں، سید محمد عثمان میاں، سید نبیل میاں، سید ناظم میاں، سید برکات میاں، سید حسن حیدر میاں، سید محمد محسن میاں اور اساتذہ جامعہ احسن البرکات مولانا محمد اقبال صاحب، قاری محمد عرفان صاحب، قاری محمد کوثر علی صاحب اور کچھ خاص پیر بھائی عبد العزیز سنی وغیرہم بھی ساتھ تھے۔ بعد نماز عشاء صاحب سجادہ حضرت امین ملت مدظلہ العالی حویلی سجادگی میں اپنی مسند پر جلوہ افروز ہوئے۔ اجمیر مقدس سے تشریف لائے حضرت سید مغیث میاں آئے، صاحبزادے اور یہ خادم راقم الحروف، عنایت بھائی اور لئیق بھائی وغیرہ حضرت صاحب کے پاس موجود تھے۔ نعت خواں حضرات نے نعت ومنقبت پڑھنا شروع کیا۔ یکے بعد دیگرے کافی نعت خوانوں نے پڑھا اور خوب پڑھا جس میں برادر زادہ عبد المصطفیٰ قادری برکاتی اور ہمشیر زادہ ولایت علی خاں اور سورت سے ایوب پاتھا، جامعہ احسن البرکات سے ایک طالب علم اور قاری عرفان صاحب بھی شامل تھے۔

قریب ساڑھے آٹھ بجے جلوس واپس ہوا اور حویلی سجادگی کے سامنے آکر سلامی کے واسطے رکا۔ نعت خواں جناب جابر برکاتی اور قاری محمد عرفان صاحب نے نعت ومنقبت پڑھنا شروع کیا۔ صاحب سجادہ حضرت امین ملت نے دروازہ پر آکر سلامی لی اور جلوس درگاہِ

برکاتیہ بھیجا۔ درگاہِ برکاتیہ میں چادریں چڑھادی گئیں۔اس کے بعد حضرت امین ملت کے سبھی برادران ذوی الاحترام اور شہزادگان ذوی الکرام اور حضرت مغیث میاں صاحب حویلی سجادگی کی سہ دری میں داخل ہوئے۔حضرت سید محمد عثمان میاں زیب تن فرمانے والے تبرکات کی پوٹلی اپنے سر پر رکھ لائے اور حضرت والا نے لباس بزرگان زیب تن فرمائے۔جس وقت تک لباس زیب تن فرمارہے تھے صلوٰۃ وسلام پڑھا جارہا تھا۔حویلی شریف کے باہر کثیر مجمع کو کنٹرول کرنے کے لیے پورنپور سے آئے ہوئے رضا کاروں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ لے کر مضبوط چین بنالی تھی تاکہ صاحب سجادہ آرام سے ان کے بیچ سے درگاہ برکاتیہ اور وہاں سے گلشن برکات پہنچ جائیں۔جیسے ہی حضرت صاحب سہ دری سے باہر تشریف لائے نعرۂ اسم جلالت ''اللہ'' اللہ کا نعرہ بلند ہوا اور حضرت صاحب حویلی سجادگی سے باہر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت شرف ملت مدظلہ اور آگے آگے حضرت حضرت رفیق ملت مدظلہٗ اور آس پاس یہ خادم راقم الحروف عنایت برکاتی، لئیق برکاتی اور عبدالعزیز سنی وغیرہم تھے۔

صاحب سجادہ اسم جلالت کی گونج میں درگاہِ معلیٰ تشریف لائے اور دروازہ پر بیٹھ کر پانی نوش کیا جس کو لے کر خادم درگاہ جناب محمد اسرائیل خاں پہلے سے موجود تھے، انہوں نے حضرت صاحب سجادہ کو گلاب کے پھولوں کا ہار بھی پہنایا۔اس کے بعد حضرت صاب سیدھے اپنے مرشد برحق حضرت تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ کے حجرے میں داخل ہوئے اور وہاں سے باہر آکر صاحب عرس حضرت حاجی میاں سید شاہ اسمٰعیل حسن الملقب قاسم میاں صاحب قادری برکاتی علیہ الرحمۃ کے حجرے میں داخل ہوئے۔ وہاں سے باہر آکر سیدھے گلشن برکات کے لیے روانہ ہوئے اور منبر نور پر پہنچ کر اپنی مخصوص مسند پر رونق افروز ہوئے۔ یہ خادم راقم الحروف بہ حیثیت خادم حضرت والا کے پاس موجود تھا۔دست بوسی اور قدم بوسی کے لیے پہلے سے قطار لگی ہوئی تھی۔گلشن برکات کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بڑا روح پرور منظر تھا۔منبر پر علمائے اہل سنت اور مشائخ جلوہ افروز تھے۔ادھر مصافحہ کا سلسلہ شروع ہوا اور ادھر قاری محمد یونس قادری، استاذ جامعہ احسن البرکات، مارہرہ نے تلاوت قرآن عظیم سے جلسے کا آغاز کیا۔تلاوت کلام ربانی کے بعد نعت خواں محمد انوار قادری، بھیونڈی، مہاراشٹرا نے حمد باری تعالی پڑھی۔محمد شبیر بادشاہ،

گونڈل گجرات، محمد عمران جے پوری، تنزیل احمد برکاتی نے نعت ومنقبت سے سماں باندھا۔ حضرت شرف ملت مدظلہ نے حضرت صاحب سجادہ جو لباس زیب تن کئے ہوئے تھے اور سر پر ٹوپی، عمامہ اور ہاتھ میں چھڑی لیے ہوئے تھے ان سب کے بارے میں بتایا کہ یہ چیزیں کس کس کی ہیں۔اس کے بعد ناظم اجلاس قاری محمد عرفان صاحب نے مقرر خوش بیان مولانا سید امین القادری مبلغ سنی دعوت اسلامی، مالیگاؤں کے نام کا اعلان کیا کہ تشریف لائیں اور خطاب فرمائیں۔مولانا موصوف نے اپنے بہترین انداز خطابت سے سامعین کو اصلاح معاشرہ کی طرف راغب کیا اور خوف خدا اور عشق رسول اکرم ﷺ کی تعلیم دی۔ان کے خطاب کے بعد حضرت رفیق ملت مدظلہ نے مناظر اہل سنت گلشن صابری کے مہکتے پھول حضرت مولانا انجینئر سید فضل اللہ چشتی صابری کو دعوت خطاب دی۔مولانا موصوف نے نام نہاد اہل حدیث غیر مقلدین وہابیہ کے گندے عقیدوں اور افکار وخیالات باطلہ کا قرآن و حدیث اور سلف صالحین کے اقوال ونظریات کی روشنی میں رد بلیغ فرمایا اور حق کو حق ثابت کر دکھایا۔اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی زبان میں مزید قوت گویائی عطا کرے کہ وہ اسی طرح موجودہ اٹھتے ہوئے فتنہ کو دفع کرتے رہیں اور ان کو صحت وایمان کے ساتھ عمر طویل عطا کرے۔آمین۔مولانا موصوف کے بیان سے ایک وجدانی کیفیت تھی۔اسی کیفیت و وجد کے ماحول میں حضرت رفیق ملت نے اس رات کے دولہا صاحب سجادہ حضرت امین ملت مدظلہ العالی سے درخواست کی کہ اپنے شیدائیوں کو ارشاداتِ عالیہ سے نوازیں۔حضور صاحب سجادہ نعرہائے تکبیر ورسالت کی گونج میں منبر خطابت پر تشریف فرما ہوئے۔اللہ جل جلالہ اور آقائے نامدار تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی حمد ونعت کے بعد آیۂ کریمہ: ''صبغة الله و من احسن من الله صبغة و نحن له عبدون''۔تلاوت فرمائی۔

ترجمہ بیان کیا اور مختصر بیان کے بعد مولانا سید فضل اللہ چشتی صاحب کو سلسلہ برکاتیہ کی خلافت عطا کی۔رفیق ملت نے مولانا سید فضل اللہ چشتی صاحب کے سر پر عمامہ باندھا۔ حضرت صاحب نے مولانا کے لیے دعا فرمائی مذہب اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا کہ اگر کوئی بندۂ خدا سلسلہ میں داخل ہونے کے لیے آئے تو اسے داخل سلسلہ کریں۔اس کے بعد تمام زائرین وتمام مومنین ومومنات کے لیے

دعا کی۔ صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا اور اسی کے ساتھ یہ عظیم الشان محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔ حضرت صاحب اپنی قیام گاہ مخصوصہ پر تشریف لے گئے۔ یہ خادم راقم الحروف بھی ساتھ ساتھ گیا اور نذرانہ وغیرہ حضرت صاحب کے سپرد کر کے واپس اپنے دفتر میں آ گیا۔ اندر مستورات نے حضرت صاحب کا دیدار کیا اور اپنے سروں پر دست شفقت رکھوایا۔

۵/نومبر ۲۰۱۷ء بروز اتوار:

حسب معمول بعد نماز فجر حلقۂ ذکر قادریہ بعدۂ قرآن خوانی اور ایصال ثواب کیا گیا۔ ساڑے آٹھ بجے پانچویں اور آخری قل شریف کی محفل کا آغاز قاری محمد یونس صاحب مدرس جامعہ احسن البرکات، مارہرہ نے کیا۔ جابر علی برکاتی اور ان کے ساتھیوں نے حمد باری تعالیٰ پڑھی، سید رہبر علی برکاتی نے نعت پاک پڑھی۔ مفتی محمد شمشاد صاحب الجامعۃ القادریہ رچھا، بریلی شریف اور مولانا کمال مصطفےٰ ابن مولانا صغیر احمد جوکھن پوری نے ۱۰-۱۰ منٹ تقریر کی۔ محشر بریلوی، محمد شمشاد القادری، بریلی، محمد فاروق، مدنا پوری، محمد فیضان، بریلی، منصف علی، محمد فرحان برکاتی، کانپور، مناظر حسین، پیلی بھیت، مولانا توحید رضا اویسی، محمد رضوان الرضا ورضان، کلیم دانش، کانپور، ہلچل لکھم پوری اور مولانا حافظ قاری محمد قاسم حبیبی برکاتی، کانپور نے اپنے لب ولہجے اور کلام سے سامعین کے دلوں کو منور کیا اور اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اور بزرگان دین سے محبت بڑھانے والے کلام سنائے۔ چونکہ آج قل کی محفل ہے اور وقت کی قلت ہے اس لیے بڑے بڑے علماء کو کم کم وقت دیا گیا اور اس کے بعد شہزادگان حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ اور صاحب سجادہ کا خطاب ہوا۔ سب سے پہلے یکے بعد دیگرے مولانا مبارک حسین مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، ان کے بعد مولانا بہاؤ الدین صاحب ادارہ البرکات علی گڑھ، مولانا وقار عزیزی صاحب بھیونڈی، مہاراشٹرا، مولانا صغیر احد جوکھن پوری، الجامعۃ القادریہ، رچھا، بریلی، مفتی محمد حنیف برکاتی احسن المدارس، کانپور، مولانا محمد یوسف صاحب، مبلغ سنی دعوت اسلامی، بھیونڈی، مہاراشٹرا کے دس دس پانچ پانچ منٹ خطابات ہوئے۔ سبھی مقررین نے بزرگان دین بالخصوص مشائخ مارہرہ مطہرہ کی عظمت وشان بیان کی اور ان کے دامن کرم سے وابستہ رہنے کی تلقین کی۔

آخر میں شہزادۂ حضور احسن العلما علیہ الرحمۃ بالترتیب سب سے پہلے رفیق ملت

حضرت سید شاہ نجیب حیدر میاں قادری برکاتی نوری مدظلہ العالی نے چند منٹ خطاب کیا اور تمام مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کی دعوت دی اور دوسرے مکتب فکر والوں کو بھی عقائد باطلہ سے سچی توبہ کر کے ایمان والوں میں شامل ہونے کی دعوت دی اور متحد ہونے کی تلقین کی۔ ان کے بعد شرف ملت حضرت سید شاہ محمد اشرف صاحب کرسیٔ خطابت پر تشریف فرما ہوئے اور آیۃ کریمہ ''فاقصص القصص لعلهم يتفكرون''۔ پڑھی۔ ترجمہ ومختصر تفسیر کے بعد فرمایا کہ قل کی محفل میں عرس کا نچوڑ ہوتا ہے، عطر ہوتا ہے۔ اس محفل میں پیغام دیا جاتا ہے مقررین برکاتی جام بھر بھر کے پلاتے ہیں۔ یہاں علمائے اجل تشریف رکھتے ہیں۔ ہم اعلیٰ حضرت کا ذکر اس لیے کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے انہیں چاہا ہے، ہمارے نوری دادا نے انہیں چشم و چراغ خاندان برکات کا لقب عطا کیا ہے، ہمارے والد نے وقت رحلت مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے قائم رہنے کی وصیت فرمائی ہے، ہم کسی دنیاوی عرض ودنیا طلبی کے لیے اعلیٰ حضرت کا نام نہیں لیتے، اعلیٰ حضرت کا ذکر نہیں کرتے بلکہ ہمارے خاندان کی یہ دو کرامتیں ہیں ایک کا نام ہے اعلیٰ حضرت اور دوسری کرامت کا نام ہے مفتیٔ اعظم، آپ نے فرمایا کہ حکایتیں بیان کرتے رہو تا کہ لوگ سیکھ حاصل کریں۔ اعلیٰ حضرت کے پیر ومرشد سیدنا آل رسول مارہروی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پوچھے گا کیا لائے تو احمد رضا کو پیش کر دوں گا۔ صاحب عرس قاسمی حضرت شاہ جی میاں علیہ الرحمہ نے اپنے بیٹے سید شاہ اولاد رسول محمد میاں کو خط لکھا کہ محمد میاں بریلی کے مولانا صاحب کو بتانا کہ دام درمے سخنے ہر طرح اس کٹھن وقت میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمارے بڑے ابّا نے نعرہ دیا ''یا الٰہی مسلک اعلیٰ حضرت زندہ باد'' ہمارے والد ماجد حضور احسن العلما۔ کم عمری سے ہی اعلیٰ حضرت سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ مدرسہ قاسم البرکات، مارہرہ، جامعہ احسن البرکات، مارہرہ کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ قاسم البرکات میں قرآن عظیم کی تعلیم کے ساتھ دینی ضروری تعلیم جیسے نماز جنازہ وغیرہ بھی سکھائی جاتی ہے۔ اس کے بعد ایک اعلیٰ حضرت کی نعت ''سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے'' کے چند شعر اور خاص طور سے مطلع اور مقطع پڑھا اور اس کی تشریح فرمائی اور ایک اپنی رقم کردہ منقبت ''روحِ طریقت شاہ برکت'' پڑھی۔ اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم تو ایک جاروب کش کی طرح جگہ صاف کر دیں

اس لیے کہ جس کو لوگ سننا چاہتے ہیں وہ تشریف لائیں۔ یہ نسبت بہت پیاری لگتی ہے۔
اس کے بعد صاحب سجادہ امین ملت حضرت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی مد ظلہ العالی کرسیٔ خطابت پر رونق ہوئے اور آپ نے خطبۂ مسنونہ کے بعد آیۂ کریمہ ''اھدنا الصراط المستقیم'' تلاوت فرمائی۔ حضرت سید مغیث میاں، حضرت اویس میاں، سید بادشاہ حسین میاں اور سبحانی میاں کے اسمائے گرامی لینے کے بعد منبر پر موجود تمام علما و مشائخ اور تمام حاضرین جلسہ کو مخاطب کیا۔ اس کے بعد سورہ ''لایلف قریش''۔ بڑھ کر دم کیا۔ آیۂ کریمہ کا ترجمہ بتایا اور تفسیر بیان کی۔ فرمایا کہ جسے ڈرائیونگ نہیں آتی اسے ڈرائیور نہیں بنایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ قبر کے سوالات کا تعلق مسلک اعلیٰ حضرت ہی سے ہے ؎

انہیں جانا انہیں مانا نہ رکھا غیر سے کام
للہ الحمد میں دنیا سے مسلمان گیا

آپ نے فرمایا کہ ایک صحابی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ ہمارے پاس کوئی کلینڈر نہیں ہے جب کہ دوسری اقوام کے پاس کلینڈر ہوتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ ہم اپنا سن وہاں سے شروع کریں گے جب سے ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔ لہٰذا دورِ خلافت فاروقی سے مسلمانوں کا کلینڈر سن ہجری سے شروع ہوا۔ جس سال حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی سنہ ہجری مقرر ہوا۔ آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت کی مختصر اور جامع تعریف بیان کی کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسا جاننا اور ایسا ماننا جو منشائے الٰہی کے عین مطابق ہے ؎

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا
آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا — خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

آپ نے بھی فرمایا کہ ہمارے بزرگوں کی دو کرامتیں ہیں اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم ہمارا وجدان ہے کہ ان کی روحیں یہیں موجود ہیں۔ آپ نے ان دو بھائیوں کی تعزیت کی جو کہ عرس کے دوران رحلت کر گئے ان کے گھر والوں کو صبر کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد شکریہ ادا کیا سب سے پہلے تمام مشائخ عظام وعلمائے کرام، حفاظ، قرّاء و عرس میں شریک ہونے والے تمام بھائیوں کا اس کے بعد محمد فرقان نوری، گونڈل والے بھائی کا جو کہ ہر سال

اپنی ٹیم کے ساتھ آ کر مسجد و خانقاہ و درگاہ کو سجانے کا کام بہت محبت اور خلوص کے ساتھ کرتے ہیں۔ برادر طریقت محمد اسلم برکاتی، برادر طریقت محمد شکیل برکاتی، ضلع مجسٹریٹ ایس پی سٹی، مارہرہ کے تھانہ دار، پوسٹر ماسٹر ڈاک خانہ، ریلوے اسٹیشن ماسٹر، مارہرہ کے ایم. ایل. اے صاحب، لائٹنگ والے، مین پوری والے میاں جو ہر سال بجلی سپلائی میں مدد کرتے ہیں اور صفائی والے وغیرہم۔ اسکے بعد فرمایا کہ قل ہوگا اور آثار شریفہ کی زیارت کرائی جائے گی۔ تبرکات اسی طرح مستند ہیں جیسے کہ سورج چمک رہا ہے اور چاند دمک رہا ہے، الحمد للہ۔ ٹھیک دو بجے آپ نے قل شریف کا فاتحہ پڑھ کر شجرۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ پڑھا اور تمام حاضرین و مریدین و متوسلین موجود و غیر موجود سب کے لیے دعا فرمائی اور اعلان کیا کہ آپ صف بندی کر لیں بہت جلد ہم تبرکات لے کر حاضر ہو رہے ہیں۔

خود صاحب سجادہ اور شہزادگان برکات جامع مسجد برکاتی تشریف لائے نماز ظہر ادا کی اور تبرکات کی الماری کھلوا کر آثار شریفہ کی صندوقچی صاحبزادہ سید برکات حیدر میاں کے سر پر رکھوا کہ درگاہِ برکاتیہ پہنچے۔ آثار شریفہ کو چوکی پر رکھ کر شہزادگان کے سپرد ایک ایک موئے مبارک کیا اور خود نجیب میاں صاحب قبلہ نے صندوقچی سنبھالی جس میں کئی چیزیں ایک ساتھ رکھی ہوئی ہیں۔ نعلین مقدس اور دیگر تبرکات وغیرہ۔ درس گاہ شریف اور وہاں سے گلشن برکات تک سب کو زیارت کرائی گئی۔ حضرت رفیق ملت نے گلشن برکات میں منبر نور پر سے بھی سب کو زیارت کرائی اور ساتھ ہی ساتھ تبرکات کے بارے میں بتایا بھی۔ جب سب لوگوں کو زیارت ہو گئی تو سارے تبرکات اسی صندوقچی میں رکھ کر صاحبزادہ سید برکات حیدر اپنے سر پر رکھ کر مستورات کی زیارت کے لیے گھر میں لے گئے اور تمام عورتوں کو حضرت رفیق ملت نے زیارت کرائی۔ مستورات سیدہ حمیرا بجیا کے ساتھ صلوٰۃ و سلام پڑھتی رہیں اور زیارت کرتی رہیں۔ اس کے بعد تبرکات جامع مسجد برکاتی میں اپنی مخصوص الماری میں مقفل کر دیے گئے۔ مسجد سے باہر آ کر شہزادگان نے عرس شریف کی مبارک باد دی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ و طفیل خیر و عافیت کے مکمل کرادیا۔ الحمد للہ۔

عرس قاسمی شریف ۲۰۱۷ء میں شریک ہونے والے علماء و مشائخ کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں جن کے نام نوٹ ہو سکے۔

(۱) حضرت سید مغیث میاں چشتی قادری برکاتی، اجمیر شریف، (۲) حضرت سید محمد اویس میاں صاحب، بلگرام شریف، (۳) حضرت سید بادشاہ حسین میاں صاحب، بلگرام شریف، (۴) حضرت سید حسان اسمٰعیل صاحب، مسولی شریف، (۵) حضرت مولانا سبحان رضا خاں سبحانی میاں صاحب، بریلی شریف، (۶) حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب، مبارکپور، (۷) مفتی نظام الدین صاحب، مبارکپور، (۸) مفتی محمد حنیف خاں صاحب، بریلی شریف، (۹) علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب، دہلی، (۱۰) مفتی محمد آفاق صاحب مجددی، قنوج، (۱۱) مفتی مسعود احمد برکاتی صاحب، مبارکپور، (۱۲) مفتی زاہد سلامی مصباحی صاحب، مبارکپور، (۱۳) مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب، مبارکپور (۱۴) مولانا شہاب الدین برکاتی صاحب، گورا، (۱۵) مولانا اختر کمال مصباحی صاحب، مبارکپور، (۱۶) مولانا نفیس احمد مصباحی صاحب، مبارکپور، (۱۷) مولانا توفیق احسن برکاتی صاحب، مبارکپور، (۱۸) مفتی جابر احمد مصباحی صاحب، مبارکپور، (۱۹) مفتی آل مصطفیٰ صاحب، جامعہ امجدیہ، (۲۰) مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب، چریاکوٹ، (۲۱) مولانا محمد اختر حسین فیضی، مبارکپور، (۲۲) مولانا قاری صغیر احمد صاحب، چوکھن پور، (۲۳) مولانا سید امین القادری صاحب، مالیگاؤں، (۲۴) مولانا محمد وقار عزیزی صاحب، بھیونڈی، (۲۵) مولانا محمد یوسف صاحب، مالیگاؤں، (۲۶) مفتی محمد حنیف برکاتی صاحب، کانپور، (۲۷) مولانا سید فضل اللہ چشتی، دہلی، (۲۸) مولانا ازہار احمد امجدی، بستی، (۲۹) مفتی نجم الدین، کانپور، (۳۰) مولانا ذاکر صاحب، لکھنؤ، (۳۱) مولانا قاری محمد رضا صاحب، مبارکپور، (۳۲) قاری امیر حمزہ، کانپور، (۳۳) مولانا ارشد الرحمٰن صاحب، آگرہ، (۳۴) مولانا تنزیل الرحمٰن برکاتی، کانپور، (۳۵) مولانا سید فیض الرحمٰن برکاتی، کانپور، (۳۶) مفتی سید محمد عطائے رسول، کانپور، (۳۷) مفتی محمد اشرف، گجرات، (۳۸) مولانا نور محمد صاحب، نیپال، (۳۹) مولانا وقار احمد، دہلی، (۴۰) مولانا قاری مطلوب احمد برکاتی، کانپور، (۴۱) مولانا عالم رضا نوری قاضی شہر، کانپور، (۴۲) مولانا قاری محمد احسان برکاتی، کانپور، (۴۳) مولانا نعیم احمد نبیرہ حضرت حافظ ملت، مبارکپور، (۴۴) مولانا محمد فرقان عالم مصباحی، مبارکپور، (۴۵) مولانا ابوذر مصباحی، مبارکپور، (۴۶) مولانا شاہ

عالم برکاتی، کانپور، (۴۷) مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مبارکپور، (۴۸) مولانا ساجد مصباحی، مبارکپور، (۴۹) مولانا حمید الحق صاحبزادہ شارح بخاری، (گھوسی)، (۵۰) قاری امانت رسول، پیلی بھیت، (۵۱) مولانا سید عبدالرحمٰن، دربھنگہ، (۵۲) مولانا سلیم قادری، بہرائچ، (۵۳) قاری عبدالقیوم صاحب، مبارکپور، (۵۴) مولانا عبدالغفار، ضیاء العلوم، خیر آباد، (۵۵) مولانا محمد فاروق نوری، مدناپور، (۵۶) مولانا حبیب اختر، مبارکپور، (۵۷) قاری قیام الدین، علی گڑھ، (۵۸) مولانا محمد انیس قادری، لکھیم پور، (۵۹) مولانا محمد یوسف رضا، بھیونڈی، (۶۰) مفتی سید شکیل صاحب، بریلی، (۶۱) مولانا عاقل رضوی پرنسپل منظر اسلام، بریلی، (۶۲) مفتی انور علی، بریلی، (۶۳) مولانا غلام حسین شافعی نوری، ممبئی، (۶۴) مولانا غلام مصطفےٰ برکاتی، سورت، (۶۵) مولانا نعمان احمد ازہری، علی گڑھ، (۶۶) مولانا سید نور عالم مصباحی، علی گڑھ، (۶۷) مولانا شمشاد برکاتی، علی گڑھ، (۶۸) مولانا سید جمال احمد اشرفی، علی گڑھ۔

☆☆

تیئسواں سالانہ فاتحہ حضور احسن العلماء علیہ الرحمۃ

تیئسواں سلانہ فاتحہ مرشد اعظم ہند حضور احسن العلما سید شاہ مصطفےٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ۱۴/۱۵/ ربیع الآخر ۱۴۳۹ھ مطابق ۲/۳/ جنوری ۲۰۱۸ء بروز منگل اور بدھ درگاہ وخانقاہ برکاتیہ میں منعقد ہوا۔ اس کی تفصیل حاضر خدمت ہے۔ ۱۴/ ربیع الآخر بروز منگل صبح سے برکاتیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ نماز عصر کے بعد چادر شریف کا جلوس حویلی شریف خانقاہِ برکاتیہ سے روانہ ہوا۔ جلوس کی قیادت حضرت شرف ملت مدظلہ حضرت رفیق ملت مدظلہ حضرت سید محمد امان میاں صاحب، سید محمد عثمان میاں، سید حسن حیدر میاں، سید محسن میاں فرما رہے تھے۔ جامعہ احسن البرکات کے تمام اساتذۂ کرام ساتھ تھے۔ یہ جلوس نعت ومنقبت اور درود وسلام پڑھتے ہوئے بڑی درگاہ یعنی حضرت سیدنا عبدالجلیل قدس سرہٗ العزیز کی بارگاہ میں پہنچا۔ مزار شریف کے ارد گرد بیٹھ کر

نعت ومناقب پڑھی گئیں، اس کے بعد فاتحہ پڑھا گیا۔ حضرت رفیق ملت نے شجرۂ عالیہ قادریہ پڑھا اور دعا فرمائی۔ مغرب سے قبل جلوس درگاہ برکاتیہ لوٹ آیا اور پھولوں کی چادریں حضور احسن العلما کی بارگاہ میں پیش کردی گئیں۔ نماز مغرب با جماعت تمام حاضرین نے جامع مسجد برکاتی میں پڑھی۔ بعد نماز عشا درگاہِ برکاتیہ میں صحن قاسم میاں میں محفل منعقد ہوئی۔ قاری محمد ابرار برکاتی، استاد جامعہ احسن البرکات نے اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام قرآن عظیم کی تلاوت فرمائی۔ مولوی محمد قاسم متعلم جامعہ احسن البرکات نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ حافظ محمد دانش برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات نے نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھی۔ محمد ریحان رضا برکاتی سید عبد الحمید و برکت علی متعلمین جامعہ نے مناقب پڑھیں۔ محمد ندیم نے نعت پاک پڑھی۔ اس کے بعد محمد ارقم رضا برکاتی درجہ اولیٰ نے ”پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امن عالم“ کے عنوان پر تقریر کی اور دوسری تقریر محمد مجاہد درجہ اولی نے ”مصطفےٰ جان رحمت ﷺ کی داعیانہ زندگی“ کے عنوان پر تقریر کی۔ دونوں مقررین نے بہت عمدہ تقاریر کیں اور موضوع کو خوب نبھایا۔ بتایا کہ امن عالم درحقیقت حضور اقدس ﷺ کی غلامی اور پیروی ہی سے ممکن ہے دوسری قومیں جب فتح پاتی ہیں تو قتل و غارت کرتی ہیں لیکن جب مکہ فتح ہوا تو حضور ﷺ نے ایک بے مثال امن عالم کا مظاہرہ کیا کہ دنیا اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ دوسرے مقرر نے بھی بتایا کہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ کا داعیانہ کردار بھی بے مثال ہے۔ دعوت دینے سے پہلے داعی کو خود عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے، اس کی مثال حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کی نہیں ہوسکتی کیوں کہ حضور اقدس ﷺ دعوت اسلام دینے سے پہلے ہی امین وصادق کے لقب سے مشہور ہوچکے تھے۔ دعوت دینے والے کا اخلاق بہت اچھا ہونا چاہیے۔ حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کو اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں خلق عظیم فرمایا۔ اسکے بعد مولانا قاری محمد قاسم حبیبی برکاتی نے منقبت درشان مرشد اعظم ہند پڑھی۔ خوب داد وصولی۔ مولانا محمد فاروق مدناپوری نے تین اشعار نظم کے پڑھے، خوب نعرے لگے۔ آٹھ بج کر پچاس منٹ پر حضرت پیرومرشد حضور احسن العلماء کا فاتحہ قل ہوا۔ حضرت امین ملت مدظلہ منبر پر تشریف لائے اور انہوں نے فاتحہ قل پڑھ کر شجرۂ عالیہ قادریہ پڑھا اور دعا فرمائی۔ اس کے بعد جلسہ کی کاروائی دوبارہ شروع ہوئی۔ قاری عرفان

صاحب ناظم اجلاس سے زیادہ حضرت رفیق ملت نے نظامت کے فرائض کے ساتھ ساتھ پندونصائح سے نوازا۔ مفتی محمد حنیف برکاتی، کانپور کا خطاب ہوا۔ آپ نے سیرت رسول اکرم نور مجسم ﷺ پر جامع خطاب فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ فلاح وکامیابی آپ ہی کے دامن کرم سے وابستہ ہونے میں ہے۔ آپ کے آل واصحاب کے طریقہ کو اپنانا پڑے گا۔ دوسری قوموں نے قرآن وحدیث کو پڑھ کر اور ریسرچ کرکے وہ وہ کام کیے کہ آج دنیا حیران ہے اور ہم نے اپنے نبی ﷺ کی سنتوں کو چھوڑ کر پستی اور نامرادی کو اپنے گلے میں ڈال دیا۔

مولانا مفتی حنیف صاب کی تقریر کے بعد مولانا محمد اسلم نوری ازہری نے نعت پاک ؎

جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو   پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو

مولانا ماشاء اللہ بہت ذی علم عالم دین ہیں، اعلیٰ حضرت کی اس نعت پاک کی تشریح بھی فرمائی۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے تئیں محبت وشفقت بیان فرمائی۔ اس کے بعد مسائل اور ان کے جوابات کا سلسلہ شروع ہوا۔ مستفی تھے جناب محمد علی خاں برکاتی جماعت ثالثہ اور مجیب تھے جناب محمد فرقان خاں برکاتی جماعت خامسہ۔ سوالات بہت اچھے اور ضروری معلوماتی تھے اور ان کے جواب بھی بہت تسلی بخش دیے گئے۔ کچھ چیزوں میں مزید معلومات بھی ہوئی۔ اس طرح کے پروگراموں سے اساتذہ کی قابلیت اور فرض منصبی سے لگاؤ جھلکتا ہے۔

سوال وجواب کے بعد قاری عرفان صاحب نے شہزادۂ حضور احسن العلماء حضرت شرف ملت کا اعلان کیا کہ حضرت والا منبر پر تشریف لاکر اپنے برکاتی چاہنے والوں کی پیاس بجھائیں۔ حضرت شرف ملت مدظلہ، منبر پر تشریف لائے اور آیہ کریمہ پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے ”حکایتیں کہتے رہا کرو تاکہ لوگ کچھ تو سیکھ حاصل کریں“ آپ نے فرمایا کہ حضرت شاہ حقانی قدس سرہٗ نے اپنے ترجمۂ قرآن جو اردو زبان میں اولین ترجموں میں شمار ہوتا ہے، ترجمہ کیا ہے۔ مشہور مصنف وادیب ڈاکٹر جمیل جالوی صاحب نے اپنی کسی کتاب میں بیان فرمایا کہ حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ حقانی کا ترجمہ ایک ہی عصر کا ہے۔ شاہ حقانی کا ترجمہ اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ حضور احسن العلما کے ذکر کے لیے فرمایا کہ ایک بحر بیکراں چاہیے۔ اعلیٰ حضرت کے شعر پڑھے ؎

ساقی میں ترے صدقے مہ دے رمضان آیا
شور مہ نور سن کر تجھ تک میں دواں آیا

نامے سے رضا کے مٹ جاؤ برے کاموں
دیکھو مرے پلے ہر اچھے میاں پیارا اچھوں کا میاں آیا

آپ نے فرمایا کہ پیران پیر دستگیر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ مرشد کے لیے بارہ صفات ہونی چاہیے۔(۱) ستاری (۲) غفاری (۳) شفقت (۴) رفاقت (۵) حق (۶) صدق (۷) امر بالمعروف (۸) نہی ان المنکر (۹) شب بیداری (۱۰) سخاوت (۱۱) عالم (۱۲) بہادر۔ آپ نے فرمایا کہ مندرجہ بالا صفات مرشد میں کچھ کا تعلق اللہ تبارک تعالیٰ کی ذات اقدس سے ہے جیسے ستاری اور غفاری کچھ کا تعلق پیغمبر خدا ﷺ سے ہے جیسے شفقت، رفاقت، حق وصدق کچھ کا تعلق جماعت صحابہ سے ہے جیسے امر بالمعروف اور نہی ان المنکر اس کے علاوہ ساری صفات اولیاء اللہ کی ہیں۔ آپ نے ان بارہ صفات پر مشتمل ایک منقبت حضور احسن العلما کی شان میں رقم کی اور سنائی جس کا ایک شعر حاضر خدمت ہے ؎

خوش دہن، لالہ بدن، سرو چمن مشک ختن
چاہنے والوں سے پوچھو تو سہی کیا تھے حسن

آخر میں حضرت صاحب سجادہ امین ملت دامت برکاتہم القدسیہ منبر شریف پر جلوہ افروز ہوئے۔ خطبۂ مسنونہ کے بعد آیۂ کریمہ ''محمد رسول اللہ'' پڑھی۔ اس آیت کے ضمن میں مختصر فتح مکہ کا واقعہ اور سرکار دو عالم ﷺ کی کیفیت و عجز وانکساری بارگاہ رب العزت میں کہ جب مکہ میں داخل ہو رہے ہیں سیاہ رنگ کا عمامہ شریف زیب تن کیے ہوئے ہیں اور آپ کا سر اقدس اونٹنی کے کوہان سے لگا جا رہا ہے اور آپ فرما رہے ہیں کہ آج کا دن بخشش و رحمت کا دن ہے آج کسی سے کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ کعبہ کی چابیاں جن صاحب کے پاس رہتی تھیں وہ ڈرتے کانپتے ہوئے آئے اور کعبہ کی چابیاں حضور اقدس ﷺ کو پیش کر دیں۔ حضور اقدس ﷺ نے چابیاں لیں اور پھر انہیں کو واپس کر دیں، یہ بھی فرمایا کہ آج کے بعد یہ چابیاں تمہارے ہی خاندان میں رہیں گی اور جو ان کو تمہارے خاندان سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔ لہٰذا آج تک چابیاں اسی خاندان میں ہیں۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ ابوشیبہ ہیں جو بہت نحیف اور کمزور ہو گئے ہیں چابیاں انہیں کے پاس رہتیں

ہیں۔ کعبہ کے اندر سے بتوں کو صاف کرنے کا واقعہ بیان فرمایا کہ اے علی تم میرے کاندھوں پر سوار ہو جاؤ اور وہ آیت کریمہ پڑھی: ''جاء الحق و ذھق الباطل''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا واقعہ بیان فرمایا۔ کسی نے کہا کہ قبر میں مسلک اعلیٰ حضرت نہیں پوچھا جائے گا آپ نے فرمایا کہ تیسرا سوال ہی مسلک اعلیٰ حضرت ہے۔ اس کے بعد اپنے خطاب کو سمیٹتے ہوئے فرمایا کہ انشاء اللہ کل کی محفل میں اپنے سفر بغداد کے بارے میں کچھ بتاؤں گا جس کا نشہ ابھی تک ہے۔ حضرت رفیق ملت نے سلام پڑھا۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد حضرت نے دعا فرمائی۔ حضرت رفیق ملت مدظلہ نے اعلان فرمایا کہ تمام حضرات گلشن برکات میں کھانا نوش فرمالیں۔ کھانے کے بعد نماز پڑھی۔ زائرین اپنی اپنی قیام گاہ پہنچے اور آرام کیا۔

۳/جنوری ۲۰۱۸ء بروز بدھ: بعد نماز فجر حلقۂ ذکر قادریہ درگاہ برکاتیہ میں ہوا۔ رات کی محفل میں حضرت رفیق ملت نے اعلان فرمایا تھا کہ محمد اکبر قادری راقم الحروف اور حافظ شہاب الدین حلقۂ ذکر قادریہ کرائیں گے۔ لہٰذا بندۂ ناچیز، حافظ شہاب الدین اور قاری رحمت اللہ نوری نے حلقۂ ذکر قادریہ کرایا۔ حلقۂ ذکر کے بعد قرآن خوانی ہوئی۔ آٹھ بجے ناشتہ ہوا۔ ناشتہ میں آلو ٹماٹر اور مٹر کی سبزی، پوری اور بہترین گرم گرم حلوہ اور اس کے ساتھ ابلے ہوئے انڈے اور چائے وغیرہ کا اہتمام تھا۔

۹/بجے گلشن اچھے میاں میں محفل کا آغاز تلاوت قرآن عظیم سے قاری محمد یونس صاحب قادری استاذ جامعہ احسن البرکات نے کیا۔

محمد جابر برکاتی اور ان کے بھائیوں نے جو نصیر پور غوثو سے آتے ہیں نعت خواں انہوں نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ غوث محمد متعلم جامعہ احسن البرکات نے نعت پڑھی۔ محمد اکرم علی درجہ حفظ، برکت علی درجہ اولیٰ، محمد اشفاق برکاتی، محمد توصیف رضا برکاتی، تنزیل احمد برکاتی، محمد ریحان برکاتی، سبطین رضا برکاتی نے نعت ومنقبت پڑھی۔ ان کے بعد مفتی محمد حنیف برکاتی، کانپور کا خطاب ہوا۔ ان کے بعد مفتی محمد رفیق عالم نوری، بہرائچ کا بیان ہوا۔ ان کے بعد مولانا مفتی محمد تطہیر نوری صاحب کا پر مغز و جامع خطاب ہوا۔ آپ نے

خطبۂ مسنونہ کے بعد آیۂ کریمہ- ''ما کان لبشر ...... و بما کنتم تدرسون''۔ پڑھی اوراس کا ترجمہ بیان کیا اوراسی ضمن میں بہت عمدہ خطاب کیا۔ آپ نے خانقاہِ برکاتیہ کی تعریف وتوصیف فرماتے ہوئے یہاں کے مرشدان عظام اورسجادگان ذوی الاحترام کے اخلاق وکردار پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ یہاں سے بیعت ہونے میں اورکوئی فائدہ ہو نہ ہو لیکن آدمی لٹنے اور نچنے سے ضرور بچ جاتا ہے۔ یہ جملہ ذرا عوامی سا لگتا ہے مگر اپنے اندر اس دور کے بعض پیروں اورسجادہ نشینوں کے کردار کی عکاسی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔

قاری محمد قاسم حبیبی صاحب کانپور نے منقبت پڑھی۔ قاری محمد عرفان صاحب نے ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی کی رقم کردہ نظم پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

مرشد ہمارے آئے ہیں دربار غوث سے
نعمت ہزار لائے ہیں سرکار غوث سے

اس کے بعد حضرت شرف ملت مدظلہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ خطبۂ مسنونہ کے بعد دوشعر ''رخ مصطفٰے ہے وہ آئینہ'' اور ''واہ کیا جود وکرم ہے'' پڑھے اس کے بعد اپنی منقبت درشان مرشد اعظم ہند ''اے کہ تیری فکر سے'' پڑھی۔ شرف ملت کے بعد صاحب سجادہ حضرت امین ملت مدظلہ العالی منبر رسول پر جلوہ افروز ہوئے اور خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ جیسا کہ میں نے کل رات کی قل شریف کی محفل میں بتایا تھا کہ کل ان شاء اللہ اپنے سفر بغداد کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔ تو سنیے صاحب ۲۹/دسمبر بروز جمعہ شام کے وقت مجھے پتا چلا کہ ہمارے بغداد کے ویزے لگ گئے ہیں اور کل روانگی ہے۔ آپ نے جانے والوں کے نام گنائے وہ یہ ہیں۔ (۱) سید محمد امین (۲) سید محمد عثمان (۳) محمد اکبر قادری (۴) حسنین برکاتی (۵) محمد ناظم برکاتی (۶) آصف شیخا برکاتی (۷) محمد عمران برکاتی (۸) عبدالعزیز سنی (۹) محمد فاروق برکاتی (۱۰) محمد امتیاز برکاتی۔

۳۰/دسمبر بروز ہفتہ دن گزر کر رات کو علی الصبح دہلی سے بحرین اور پھر وہاں سے بغداد شریف کے لیے دوسری فلائٹ تھی۔ الحمد للہ عصر کے وقت آستانہ عالیہ قادریہ بغداد پہنچ گئے اور کمرہ نمبر ۲ جو نقیب الاشراف نے ہمارے لیے مخصوص کردیا ہے، اس میں قیام پذیر ہوئے۔ بعد نماز مغرب روضۂ غوث اعظم پر حاضری ہوئی اور فاتحہ پڑھنے اور عرض ومعروض

کرنے کے بعد واپس اپنی قیام گاہ آئے۔ اس کے بعد عراق کی سرزمین پر بہت سارے مقدس آستانوں پر حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ جیسے حضرت امام اعظم، حضرت امام غزالی، حضرت جنید بغدادی، حضرت سری سقطی، حضرت معروف کرخی، حضرت موسیٰ کاظم، کربلائے معلیٰ، کوفہ، نجف اشرف، سلمان پاک وغیرہم۔ آپ نے فرمایا کہ گلشن برکات کا گیٹ کے پاس جو چبوترہ تھا، اس کی باؤنڈری کرادی گئی ہے اوراس کا نام گلشن اچھے میاں رکھا گیا ہے۔ آپ نے ۲۰۱۸ء میں ہونے والے عرس قاسمی کی تاریخوں کا اعلان فرمایا کہ ان شاء اللہ ۲۶/۲۷/۲۸/اکتوبر ۲۰۱۸ء مطابق ۱۶/۱۷/۱۸/صفر المظفر ۱۴۴۰ھ بروز جمعہ، ہفتہ اور اتوار منعقد ہوگا۔ آپ سب کو ابھی سے دعوت ہے۔ اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی۔ حضرت رفیق ملت نے سلام پڑھا اور دعا پر محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔ کچھ زائرین نماز ظہر کے لیے مسجد کی طرف اور کچھ دوپہر کے کھانے کے لیے مطبخ کی طرف چل دیے۔ بعد فراغت حضرت امین ملت مدظلہ اور حضرت رفیق ملت مدظلہٗ سے ملاقات کرکے اور دست بوسی کرکے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوئے۔ بہت سارے حضرات حضرت امین ملت مدظلہ اور حضرت رفیق ملت مدظلہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔

اللہ کریم سے اس کے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل دعا ہے کہ یہ سلسلہ ایسے ہی جاری وساری رہے اور جانشین حضور احسن العلماء سلامت رہیں اوران کے ذریعہ حضور احسن العلما کا فیضان جاری وساری رہے۔ آمین بجاہِ حبیب الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆☆

عرس نوری برکاتی ۲۰۱۸ء

الحمد للہ اس سال بھی ہر سال کی طرح درگاہ وخانقاہ برکاتیہ میں ایک سو پندرہواں عرس نوری برکاتی ۲۸/۲۹/۳۰/مارچ ۲۰۱۸ء بروز بدھ، جمعرات اور جمعہ منعقد ہوا۔ جس میں ملک بھر سے بلکہ بیرون ملک سے بھی زائرین شریک ہوئے، جس کی مختصر روداد مندرجہ ذیل ہے:

۲۸/ مارچ ۲۰۱۸ء بروز بدھ مطابق ۱۰/ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ درگاہ برکاتیہ میں طلوع فجر کے فوراً بعد ایک مختصر محفل منعقد ہوئی۔ جس کا آغاز آیات نور کی تلاوت سے ہوا۔ حمد باری تعالیٰ پڑھنے کے بعد قصیدہ نور درشان حضرت سید ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب علیہ الرحمۃ کے منتخب اشعار پڑھے گئے۔ اس کے بعد یا شفیع الوریٰ سلام علیک۔ یا نبی الہدیٰ سلام علیکم پڑھا گیا۔ حضرت رفیق ملت مدظلہٗ نے دعا فرمائی۔ اس محفل میں جامعہ احسن البرکات اور مدرسہ قاسم البرکات کے اساتذہ شریک ہوئے۔ اس محفل کے ساتھ ہی عرس نوری برکاتی کا آغاز ہوگیا۔ ۹/ بجے باقاعدہ پہلی محفل کا آغاز محمد ثاقب احسنی نے تلاوت کلام ربانی سے کیا۔ طلبائے جامعہ احسن البرکات نے نعت ومناقب پڑھیں۔ آج کی محفل میں خصوصی خطاب جامعہ احسن البرکات کے لائق وفائق استاد مولانا اسلم نبیل ازہری صاحب کا ہوا۔ جامع خطاب کے بعد حضرت رفیق ملت نے کچھ ارشادات عالیہ سے نوازا۔ اس کے بعد صلاۃ وسلام بارگاہ خیر الانام میں پیش کیا گیا۔ حضرت رفیق ملت نے دعا فرمائی اور محفل پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ زائرین نے نماز ظہر ادا کی اور کھانا تناول کیا۔

بعد نماز عصر صندل شریف کا جلوس حضرت سید محمد امان میاں صاحب ولی عہد سجادہ اور حضرت سید حسن حیدر ولی عہد سجادہ، سید عثمان میاں اور سید محسن میاں کی قیادت میں خانقاہِ برکاتیہ سے روانہ ہوا۔ یہ خادم الحروف بھی جلوس میں شریک تھا۔ سب سے پہلے بڑی درگاہ پر حاضر ہوکر صندل گلاب اور چادر پیش کی گئی اور فاتحہ پڑھا گیا۔ اس کے بعد درگاہ شاہ عبدالجلیل صاحب کے پاس ہی بہار ٹیلر اور رضوان خاں کی دکان پر جلوس کا خیر مقدم کیا گیا اور شربت پیش کیا گیا اور صاحبزادگان وحفاظ وائمہ کو ناشتہ بھی کرایا گیا۔ وہاں سے چیرمین پرویز زبیری صاحب کے مکان پر خیر مقدم ہوا، ناشتہ اور شربت وغیرہ پیش کیا گیا۔ یہاں سے حافظ ناظم صاحب کے مکان پر پہنچا، فاتحہ کے بعد ناشتہ وغیرہ پیش کیا گیا۔ یہاں سے حافظ شہاب الدین صاحب کے مکان پر جلوس پہنچا۔ شہزادگان کا گلاب کے پھولوں اور ہاروں سے استقبال کیا گیا۔ فاتحہ ہوا اور ناشتہ کرایا گیا۔ یہیں نماز مغرب کا وقت ہوگیا۔ نماز مغرب باجماعت ادا کی گئی۔ نماز کے بعد جلوس حافظ شریف احمد صاحب عرف کلو حافظ جی

کے یہاں پہنچا اور وہاں سے حافظ احسان صاحب کے مکان کے سامنے محفل کا اہتمام کیا گیا۔ خیر مقدم کے بعد نعت مناقب پڑھی گئیں اس کے بعد ایک دو جگہ اور ہوتا ہوا عشا سے پہلے پہلے درگاہ برکاتیہ واپس ہوگیا۔

نماز عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ تمام زائرین حضرات نے نماز عشا باجماعت ادا کی۔

چونکہ عرس نوری کا آج پہلا دن ہے اور آج کی رات مشاعرے کے لیے مخصوص ہے۔ یہ عرس نوری کا مشاعرہ ہندوستان کے قدیم ترین مشاعروں میں سے ایک ہے۔ جس میں اپنے وقت کے بڑے بڑے نامور شعرا جیسے جگر مرادآبادی وغیرہ شریک ہوتے رہے ہیں۔ ۹/ بجے محفل منعقد ہوئی۔ تلاوت کلام پاک ہوئی۔ طلبہ نے نعت ومنقبت پڑھیں، اس کے بعد مولانا محمد قاسم حبیبی صاحب نے نظامت کی کمان سنبھالی۔ اس سال مشاعرے میں بھی کثیر تعداد میں شعرا نے شرکت فرمائی۔ جن کے اسمائے گرامی یہ ہے:

(۱) جناب شرف ملت سید محمد اشرف میاں قادری برکاتی، (۲) جناب سید سراج احمد اجملی صاحب، علی گڑھ، (۳) جناب عظام میاں قادری، بدایوں، (۴) جناب شفیق الرحمٰن شفیق صاحب، سنبھل (۵) جناب جمیل افغانی صاحب، فیروز آباد، (۶) جناب اظہر عنایتی صاحب، رامپور، (۷) جناب نفیس صاحب، بدایوں، (۸) جناب قاری محمد قاسم حبیبی صاحب، کانپور، (۹) جناب یاور وارثی صاحب، کانپور، (۱۰) جناب مولانا میکائیل ضیائی، کانپور، (۱۱) جناب کلیم دانش صاحب، کانپور، (۱۲) جناب خالد ندیم صاحب، بدایوں، (۱۳) جناب عزم شاکری صاحب، گنج ڈنڈواڑہ، (۱۴) جناب جاوید نسیمی صاحب، رامپور، (۱۵) جناب نجمی صاحب، بدایوں، (۱۶) جناب مولانا فاروق نوری، مدنا پور، (۱۷) جناب ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان، ملیح آباد، (۱۸) جناب ڈاکٹر عمیر منظر صاحب، دہلی، (۱۹) جناب عمیر صاحب، بدایوں۔

سبھی شعرا نے بہت عمدہ کلام پیش کیا۔ جناب فاروق مدناپوری اور نفیس بدایونی نے اس سال بالترتیب عمرہ کا ٹکٹ اور بغداد شریف کا ٹکٹ حاصل کیا۔

صلوٰۃ سلام کے بعد شرف ملت کی دعا پر یہ محفل مشاعرہ اختتام کو پہنچی۔

۲۹؍ مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعرات بمطابق ۱۱؍ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ: صبح ۹؍ بجے قاری محمد اسلام برکاتی مدرس مدرسہ غریب نواز قادری مسجد، علی گڑھ نے تلاوت کلام ربانی سے جلسہ کا آغاز کیا۔ محمد توحید احسنی نے مولانا اکبر علی برکاتی، مدرس مدرسہ جامعہ احسن البرکات کی رقم کردہ حمد پڑھی۔

جامعہ احسن البرکات کے طلبہ محمد عابد، محمد اکرم، محمد سبطین، محمد ندیم وغیرہم نے نعت و مناقب پڑھیں۔ محمد ایاز، کلیان، مہاراشٹر، مدثر جمال، بنارس اور خالد ندیم بدایوں نے اپنا اپنا کلام بشکل نعت ومنقبت پیش کیا۔ زیر عنوان ''عظمت قرآن'' جامعہ احسن البرکات کے ایک ہونہار طالب علم نورالدین احسنی نے بہت اچھی تقریر کی۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبوی سے اپنے موضوع بیان کو سجایا۔ مولانا اسلم نبیل ازہری صاحب، استاد جامعہ احسن البرکات نے نعت پاک پڑھی۔ مولانا فاروق مدنا پوری نے اپنا کلام پیش کیا۔ ان کے بعد مقرر خوش بیاں، مشائخ مارہرہ مطہرہ کے حالات زندگی اور سیرت مبارکہ پر گہری نظر سے مطالعہ کرنے والی شخصیت یعنی مولانا وقار عزیزی صاحب نے خطاب فرمایا اور صاحب عرس حضرت سیدنا ابوالحسین احمد نوری میاں علیہ الرحمۃ کی سیرت مبارکہ پر بھرپور روشنی ڈالی اور ساتھ ہی اعلیٰ حضرت اور مفتی اعظم پر ان کی نوازش وشفقت کا بیان کیا۔ اس کے بعد حضرت رفیق ملت مدظلہٗ نے مختصر ارشادات سے نوازا اور اگلے پروگراموں کی تفصیل بتائی۔ اس کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا اور دعا پر یہ مبارک محفل اپنے اختتام کو پہنچی۔ نماز ظہر کے بعد شرکائے عرس نوری برکاتی نے کھانا تناول کیا۔ بعد نماز عصر حضرت وارث پنجتن سید یحییٰ حسن میاں صاحب کی گدی پر فاتحہ ہوا۔ بعد نماز مغرب زائرین ذکر و افکار میں مشغول رہے۔ درگاہ شریف پر بھی حاضر ہوئے کیوں کہ آج روز جمعرات ہے، اس دن زیادہ تر مزارات پر حاضری دی جاتی ہے۔

خرقہ پوشی:

بعد عشا حضرت رفیق ملت مدظلہٗ اپنی گدی پر بیٹھے اس کے بعد سبھی شہزادگان برکاتیہ اور حضرت امین ملت اور حضرت شرف ملت اور حضرت افضل میاں صاحب ہجرے میں آگئے۔ ڈاکٹر فہیم عثمان صدیقی اور خادم راقم الحروف کے علاوہ بہت سے خاص خاص پیر

بھائی بھی موجود تھے۔ نعت خوانی شروع ہوئی۔ عمران جے پوری قاری محمد عرفان برکاتی اور ایک دو لوگوں نے نعت ومنقبت پڑھیں۔ صاحب سجادہ حضرت رفیق ملت، افراد خاندان اور مریدین وحاضرین کے درمیان ایک پردہ کھینچ دیا گیا۔ ولی عہد سجادہ سید حسن حیدر میاں اسلم بھائی کے ساتھ تبرکات کی پوٹلی سر پہ رکھ کر حاضر ہوئے۔ حضرت رفیق ملت نے ملبوسات بزرگاں زیب تن کیے۔ حویلی سجادگی کے باہر مریدوں کی زبردست بھیڑ تھی۔ صف بندی کر لی گئی تھی۔ مضبوط حلقہ میں صاحب سجادہ بھیڑ سے ہوتے ہوئے درگاہ شریف حاضر ہوئے۔ راقم الحروف محمد اکبر قادری، لئیق احمد برکاتی، عبدالعزیز سنی، محمد ثاقب، فرید بھائی، اسلم بھائی وغیرہ سب ساتھ ساتھ تھے۔ سب سے پہلے حضرت رفیق ملت مدظلہٗ، صاحب عرس سیدنا ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب کے مزار پر حاضر ہوئے اور کافی دیر فاتحہ ودعا میں مشغول رہے۔ اس کے بعد نوری میاں صاحب کے روضہ کے باہر چبوترے پر تشریف فرما ہوئے۔ درگاہ شریف میں موجود تمام زائرین نے قطار بنا کر صاحب سجادہ سے مصافحہ اور دست بوسی کی اور نذرانہ پیش کیا۔ پندرہ منٹ یہاں تشریف فرما رہے۔ اسکے بعد حضرت وارث پنجتن کے مزار پر گئے وہاں اپنے والد ماجد حضور احسن العلماء علیہ الرحمہ کے مزار پر رکے اور وہاں سے اپنی والدہ سیدہ محبوب فاطمہ کے مزار پر گئے۔ اس کے بعد سیدھے گلشن برکات میں منبر نور پر رونق افروز ہوگئے۔ یہاں پر لائن لگا کر زائرین ومریدین نے دست بوسی کی اور نذرانہ پیش کیا۔

منبر نور پر قاری محمد یونس صاحب کی قرآن عظیم کی تلاوت سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ جامعہ احسن البرکات کے طلبہ نے حمد ونعت ومنقبت پڑھیں۔ عمران جے پوری نے ایک سماں باندھ دیا۔ ہر شخص کیف ومستی کے عالم میں تھا، اسی ماحول میں ناظم اجلاس قاری محمد عرفان صاحب نے مقرر شیریں میاں، مبلغ سنی دعوت اسلامی مالے گاؤں سید امین القادری صاحب کے نام کا اعلان کیا مولانا سید امین القادری صاحب نے ''فکر امت اور اس کا تدارک'' کے عنوان سے بہترین خطاب کیا۔ مولانا سید امین القادری صاحب کے خطاب کے بعد زائرین عرس نوری نے ایک خوبصورت منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ البرکات

اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ کے دوسالہ کورس پورا کرنے والے علما اپنے سروں پر گلابی رنگ کے صافے باندھے ہوئے منبر نور کے قریب کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے ان کی تعداد ۱۴؍تھی۔ انہیں کے ساتھ جامعہ احسن البرکات سے درس نظامی کے ساتھ ساتھ روایت حفص کی تکمیل کرنے ولے ۸؍طلبہ اور دوسالہ خصوصی قرأت کا کورس کرنے والے ۳۰؍طلبہ اور مدرسہ قاسم البرکات سے حفظ قرآن کی تکمیل کرنے والے ۱۱؍طلبہ بھی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اب وقت آ گیا، ان سبھوں کے سروں پر دستار سجانے کا۔ حضرت امین ملت مدظلہ، حضرت رفیق ملت مدظلہ اور حضرت شرف ملت کی موجودگی میں حضرت امان میاں صاحب اور علما نے اپنے ہاتھوں سے دستاریں باندھیں۔ بہت حسین منظر تھا دستار بندی کے بعد حضرت شرف ملت نے اپنے تأثرات پیش کیے آخر میں حضرت امین ملت مدظلہ کرسیٔ خطابت پر تشریف فرما ہوئے اور اپنے مخصوص انداز خطابت سے برکاتیوں کو نصیحتیں کیں جیسے سرکار دوعالم ﷺ سے سچی محبت اور ان کی تعظیم وتکریم ویسے ہی کرنا جیسا کہ منشائے الٰہی ہے۔ نماز وشریعت کے پابند رہنے، تعلیم حاصل کرنے اور غیر اسلامی وغیر ضروری رسم ورواج سے پرہیز کرنے اور اپنے بزرگوں سے جڑے رہنے کی تلقین فرمائی۔ اس کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا اور حضرت امین ملت مدظلہ العالی کی دعا پر یہ مبارک محفل اختتام پذیر ہوئی۔ اس کے بعد تمام زائرین نے کھانا تناول کیا اور اپنی اپنی قیام گاہ پر آرام کیا۔

۳۰؍مارچ ۲۰۱۸ء بروز جمعہ مبارکہ بمطابق ۱۲؍رجب المرجب ۱۴۳۹ھ: ساڑھے آٹھ بجے گلشن برکات میں عرس نوری برکاتی کی قل شریف کی آخری محفل منعقد ہوئی۔ قاری محمد ابرار صاحب مدرس جامعہ احسن البرکات نے تلاوت کلام ربانی سے آغاز کیا۔ حمد ونعت کے بعد جامعہ احسن البرکات کے ایک طالب علم محمد قاسم سیفی نے بعنوان سیرت مصطفیٰ ﷺ پر تقریر کی۔ اپنی تقریر میں قرآن وحدیث کے حوالے پیش کیے۔ ممبئی سے تشریف لائے مفتی ذوالفقار سبحانی نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد مفتی محمد حنیف برکاتی، کانپور نے خطاب فرمایا۔ ان کے بعد مولانا تطہیر رضا صاحب، بریلی نے بعنوان ''اصلاح معاشرہ'' بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ آج کا مسلمان ڈاکٹر پر اتنا بھروسا کرتا ہے کہ اگر وہ بیماری کی وجہ سے حلال چیزوں کو بھی منع

کرتا ہے تو آسانی سے مان جاتے ہیں اور ان چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہیں کرتا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آج کل جلسے مہنگے اور مدرسے سستے ہوگئے ہیں۔ شاعروں پر خوب پیسے لٹکائے جاتے ہیں مگر مسجد کے اماموں اور مؤذن کو کوئی نہیں پوچھتا۔ آپ نے فرمایا کہ اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہوں میں اضافہ کرنا چاہیے تاکہ انہیں اپنا خرچہ چلانے کے لیے کوئی اور کام نہ کرنا پڑے۔ مولانا تطہیر صاحب کے خطاب کے بعد حضرت رفیق ملت نے اپنے مخصوص انداز سے اپنے زائرین کو نوازا۔ آپ نے بھی مسلمانوں کی بے حسی اور دینی معلومات سے دوری کی طرف توجہ دلائی۔ آپ نے بھی فرمایا کہ ایک ایک شاعر کو ایک آدھے گھنٹہ کے لیے ہزاروں روپے دے دیتے ہو اور پیشاور مقررین کو نذرانہ کے طور پر موٹی موٹی رقمیں دیتے ہو۔ یہ سب بند کرو۔ ان رقوم سے مدرسوں کا کئی کئی مہنوں کا کام چل سکتا ہے۔ جلسوں جلوسوں پر زیاد خرچ کرنے کے بجائے اپنے مدرسوں اور اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہوں پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ غریب اور نادار بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لو۔ بیواؤں اور کمزوروں کی مدد کرو۔ مزارات پر اگر ایک چادر پڑی ہوئی ہے تو دوسری چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے، اس رقم سے کسی بیمار کا علاج کرادو۔ انہیں ارشادات کے ساتھ اعلان فرمایا کہ آثار شریفہ کی زیارت بعد نماز جمعہ کرائی جائے گی۔ آخر میں حضرت امین نے خطاب فرمایا۔ چونکہ آج روز جمعہ ہے اس لیے آپ کے مختصر ارشادات کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا۔

نماز جمعہ جامع مسجد برکاتی کے علاوہ چھوٹی سرکار کی مسجد اور گلشن برکات میں بھی ادا کی گئی۔ نماز جمعہ کے فوراً بعد اعلان ہوا کہ درگاہِ برکاتیہ وگلشن برکات میں صف بندی کرلی جائے۔ جامع مسجد برکاتی سے تبرکات درگاہِ برکاتیہ لائے گئے۔ شرف ملت نے صاحبزادگان کو موہائے مبارک دیے اور زیارت کرانے کا حکم دیا۔ راقم الحروف تبرکات کی چوکی کے پاس حضرت امین ملت مدظلہ کے پاس حاضر رہا۔ صلوٰۃ وسلام جاری رہا۔ حنیف بھائی، آسٹریلیا والے، امتیاز برکاتی، عنایت بھائی وغیرہ بھی وہیں موجود تھے۔ سبھی لوگوں کی زیارت کے بعد تبرکات صندوق میں رکھ کر حضرت یحییٰ میاں صاحب کے مکان میں لے

جائے گئے اور مستورات کو زیارت کرائی گئی۔ مستورات کی زیارت کے بعد تبرکات اپنی مخصوص الماری میں جامع مسجد برکاتی میں مقفل کرائے گئے۔ اس آخری تقریب کے ساتھ ہی عرس نوری برکاتی اپنے اختتام کو پہنچا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں بطفیل نبی اکرم ﷺ دعا ہے کہ اسی طرح یہ اعراس منعقد ہوتے رہیں۔ تمام سنی مسلمان اور بالخصوص برکاتی حضرات اس سے استفادہ کرتے رہیں۔ حضرت امین ملت مدظلہ اور حضرت رفیق ملت مدظلہ سجادگان مارہرہ خیر وعافیت کے ساتھ عمر طویل پائیں آمین۔ بجاہ حبیب الامین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆☆

سالانہ فاتحہ حضور صاحب البرکات

سرزمین مارہرہ مطہرہ میں ہر سال کی طرح اس سال بھی ۹،۱۰ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ بروز جمعرات، جمعہ دوسو اٹھانیواں سالانہ فاتحہ منعقد ہوا۔ رُدرپور، اتراکھنڈ کے ایک روزہ شہید اعظم کانفرنس میں شرکت فرمانے کے بعد حضرت امین ملت مدظلہٗ، حضرت سید محمد امان میاں، حافظ راشد اور راقم الحروف محمد اکبر قادری ۹ محرم الحرام ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۲۰۱۸ء بروز جمعرات تین بجے کے قریب مارہرہ مطہرہ حاضر ہوئے۔ مارہرہ مطہرہ میں کافی تعداد میں لوگ ملک کے کونے کونے سے آئے ہوئے تھے۔ حضرت شرف ملت بھی کلکتہ سے تشریف لا چکے تھے۔ چونکہ شب عاشور میں امام سلسلہ برکاتیہ حضرت سید شاہ برکت اللہ رضی المولیٰ تعالیٰ کا وصال ہوا تھا اس لیے رات کی محفل ان کے ایصال ثواب اور فاتحہ کے لیے مخصوص ہے۔

پہلی محفل:

بعد نماز مغرب درگاہ برکاتیہ میں صحن حضور صاحب البرکات میں محفل منعقد ہوئی۔ نظامت کے فرائض قاری محمد عرفان برکاتی، امام جامع مسجد برکاتی، صدر مدرس مدرسہ قاسم البرکات نے انجام دیے۔ مولوی محمد توصیف برکاتی متعلم جامعہ احسن البرکات نے حمد باری

تعالیٰ پڑھی۔ محمد حسین، محمد برکت علی، تنزیل احمد برکاتی، سید عبدالحمید، محمد کامران طلبائے جامعہ احسن البرکات نے نعت ومناقب پڑھیں۔ شاعر اسلام مولانا محمد فاروق نوری مدناپوری نے اپنا کلام پیش کیا۔ محمد مجاہد رضا احسنی نے فضائل اہل بیت پر بہت اچھی تقریر کی۔ محمد قاسم احسنی نے بھی فضائل اہل بیت کے ساتھ ردرافضیہ پر مدلل بیان کیا۔ باغ فدت کا تفصیلی جائزہ لیا اور چاروں خلفائے راشدین کی اہل بیت اطہار سے محبت وعقیدت کے ثبوت پیش کیے۔

ان دونوں طلبہ کی تقاریر سے جامعہ احسن البرکات کے اساتذہ کے تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔ دونوں تقاریر پر خوب نعرے لگے اور اظہار مسرت کیا گیا۔ حضرت نجیب میاں صاحب نے چند جملے ارشاد فرمانے کے بعد حضرت شرف ملت مدظلہٗ کو دعوت سخن دی۔

شرف ملت مدظلہ نے چند جملے ارشاد فرمائے اور بتایا کہ یوم عاشور میں منعقد ہونے والی یہ تقریب بہت قدیم زمانہ سے چلی آرہی تقریباً تین سو برس سے۔ ان دونوں تقریبوں کا تعلق یعنی شب عاشور اور یوم عاشورہ میں منعقد ہونے والی مجالس کو امام سلسلۂ برکاتیہ حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب اور سید الشہداء امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ حضرت سید شاہ برکت اللہ علیہ الرحمۃ کا وصال اسی مبارک شب میں ہوا اور یوم عاشورہ میں جیسا کہ سب جانتے ہیں نواسۂ رسول اکرم ﷺ حضرت امام حسین شہید کردیے گئے۔ یہ محافل درگاہِ برکاتیہ میں تواتر کے ساتھ ہوتی چلی آرہی ہیں۔ اس کے بعد شرف ملت نے اپنے نعتیہ دیوان صلوعلیہ وآلہ سے دیکھ کر منقبت پڑی۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

لہو کے پھول بدن پر سجا رہے ہیں حسین
گلے پہ تیغ ہے اور مسکرا رہے ہیں حسین

آخر میں شیخ المشائخ حضرت امین ملت دامت برکاتہم العالیہ منبر برکاتی پر جلوہ افروز ہوئے۔ خطبۂ مسنونہ کے بعد محرم الحرام کی ۹،۱۰ تاریخوں کی محفل کے بارے میں مختصر بتایا اور فرمایا کہ آج ان شاء اللہ اس محفل میں حضور صاحب البرکات کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے گا اور کل کی صبح کی محفل میں حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بتایا جائے گا۔ آپ نے حضرت زید شہید سے لے کر حضرت شاہ برکت اللہ

صاحب تک مختصر روشنی ڈالی۔ میر عبد الواحد بلگرامی اور ان کے صاحب زادے میر سید عبد الجلیل قدس سرہٗ کے بارے میں بتایا۔ اس کے بعد حضور صاحب البرکات کے بارے میں بتایا کہ آپ کی پیدائش ۲۶؍ جمادی الآخرہ ۱۰۷۰ھ اور وصال شب عاشورہ ۱۱۴۲ھ میں ہوا۔ بچپن کا زمانہ والد ماجد اور دیگر بزرگانِ خاندان کے آغوش تربیت وشفقت میں گزرا۔ والد ماجد نے وصال سے پہلے اجازت وخلافت عطا کر کے سجادہ نشین بنا دیا تھا، چونکہ ظرف عالی واقع ہوا تھا کسی طرح سے سیری نہ ہوتی تھی اور عشق نسبت قادری روز افزوں تھا لہٰذا حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ کا شہرہ کمال سن کر کالپی شریف حاضر ہوئے جس وقت کالپی شریف حاضر ہوئے حضرت سید شاہ فضل اللہ قدس سرہٗ خانقاہ شریف کی سیڑھیاں اتر رہے تھے اور حضرت سید شاہ برکت اللہ سیڑھیاں چڑھ رہے تھے وہیں سیڑھیوں پر ملاقات ہوئی اور حضرت سید فضل اللہ قدس سرہٗ نے حضرت سید شاہ برکت اللہ صاحب کو سینے سے لگایا اور فرمایا ''دریا بدریا پیوست'' فارسی زبان میں جب دریا لفظ کا استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد سمندر ہوتا ہے۔

اسی وقت حضرت سید شاہ فضل اللہ علیہ الرحمہ نے حضرت سید شاہ برکت اللہ علیہ الرحمۃ کو اجازت وخلافت تمام سلاسل کی عطا فرمائی۔ حضرت نے اس راہ کے بہت سے اسرار باطنی اور فیض قادریہ سے مالا مال ہو کر مسند ارشاد کو رونق دی۔ اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ اویس قدس سرہٗ کے وصال کے بعد بلگرام سے مارہرہ شریف تشریف لائے اور اپنے دادا حضرت سید شاہ عبد الجلیل قدس سرہٗ کی خانقاہ میں قیام فرمایا، مگر وہاں کے لوگ چور تھے اور حضرت کو ان کا رویہ ناگوار ہوا لہٰذا مارہرہ سے جانے کا ارادہ فرمایا مگر بحکم سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مارہرہ ہی میں دوسری جگہ جہاں ایک تالاب تھا قیام فرمایا۔ اس جگہ کا نام پیم نگر برکات نگری پڑا جو آج بستی پیرزادگان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت امین ملت نے فرمایا کہ سلسلہ برکاتیہ کا اس قدر فروغ ہوا کہ پوری دنیا میں اس کے ماننے والے موجود ہیں۔ اعلیٰ حضرت اور مسلک اعلیٰ حضرت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے اپنی خانقاہ کا اور اپنے بزرگوں کا موقف صاف صاف بیان فرمایا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے صحابی اور رشتے دار تھے۔ کسی

بزرگ نے کوئی سکوت اختیار نہیں کیا۔ جو صحابی ہے اس کے بارے میں قرآن گواہ ہے ''رضی اللہ عنہم ورضوعنہ'' کسی صحابی کے مرتبہ کو بڑے سے بڑا غوث اور قطب نہیں پہنچ سکتا۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت صاحب نے مسلک اعلیٰ حضرت پر مضبوطی سے قائم رہنے اور تعلیم حاصل کرنے پر بہت زور دیا۔ حضرت امین ملت کے خطاب کے بعد قاری محمد عرفان صاحب نے حضور سید العلماء علیہ الرحمہ کا رقم کردہ سلام ''حسین تم کو زمانہ سلام کہتا ہے'' پڑھا حضرت صاحب نے فاتحہ پڑھ کر دعائیں کیں۔ اسرائیل خاں صاب خادم درگاہ برکاتیہ نے تبرک کا تھال پہلے ہی لاکر رکھ دیا تھا۔ درگاہ شریف کے باہر تبرک تقسیم کیا گیا۔ عشا کی اذان آج ساڑھے نو بجے اور پونے دس بجے عشا کی جماعت ہوئی۔ اس کے بعد تمام زائرین نے کھانا تناول کیا اور آرام کیا۔ یوم عاشورہ کا جن مہمانوں اور طلبہ کو روزہ رکھنا تھا ان کے لیے سحری کا حضرت رفیق ملت مدظلہٗ نے معقول انتظام کرایا تھا۔ مہمان خانہ کے بالائی حصہ پر سحری کا انتظام تھا۔

دوسری محفل:

۱۰ رمحرم الحرام دوسری محفل بعد نماز فجر درگاہِ برکاتیہ میں حلقۂ ذکر قادریہ قاری رحمت اللہ صاحب، مدرس مدرسہ قاسم البرکات نے کرایا۔ بعد حلقہ قادریہ صلوٰۃ وسلام پڑھا گیا اور دعا ہوئی۔ ساڑھے آٹھ بجے درگاہِ برکاتیہ میں دوسری محفل کا آغاز حافظ وقاری محمد یونس صاحب، مدرس جامعہ احسن البرکات نے کیا۔ محمد قاسم احسنی نے حمد باری تعالیٰ پڑھی۔ حافظ عبد الواحد برکاتی احسنی، محمد خالد احسنی، محمد عمیر احسنی، محمد شاکر برکاتی، شاہجہاں پور، محمد اکرام احسنی، محمد ریحان احسنی، محمد عامر احسنی، محمد برکت احسنی، متعلمین جامعہ احسن البرکات نے نعت ومناقب پڑھیں۔ ناظم اجلاس قاری محمد عرفان صاحب نے استاد زمن مولانا حسن علیہ الرحمہ کی منقبت ؎

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت

پڑھی۔ انکے بعد شاعر اسلام محمد فاروق مدناپوری نے کلام پیش کیا۔ حضرت رفیق

ملت محفل شروع ہونے کے فوراً بعد تشریف لے آئے تھے اور انہوں نے اسی وقت نصیحت آمیز خطاب فرمایا دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا کہ میرے برکاتی بھائیو قبر میں سب سے پہلے جس چیز کا سوال ہوگا، وہ نماز ہے لہٰذا نماز کی پابندی کرو۔ کھچڑا، شربت اور ایصال ثواب بھی کرو مگر ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے نماز فوت ہو جائے۔ اسلام کی رگوں میں نبی علیہ السلام کا خون دوڑ رہا ہے اور اس کو وہی خون درکار تھا اس لیے خاندان نبوت کے جانباز شہزادوں نے اپنے پورے خاندان اور چند رفقا کو خدا کی راہ میں اپنے نبی علیہ السلام کے دین کو بچانے کے لیے قربان کر دیا۔ آپ نے مولانا محمد علی جوہر کا مشہور زمانہ شعر پڑھا ؎

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مولانا فاروق مدناپوری کی منقبت کے بعد قاری محمد عرفان صاحب نے حضرت شرف ملت مدظلہ کے نام کا اعلان کیا۔ شرف ملت منبر برکاتی پر تشریف فرما ہوئے۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ اس محفل میں شریک ہونے والے بہت خوش نصیب ہیں کہ جن کے ذکر میں شامل ہیں، انہیں کے آل کے ساتھ محفل میں شریک ہیں۔ یہ محافل حضور صاحب البرکات کی شب عاشور میں وصال کی اور عاشورہ کے دن امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی محفل ہندوستان کی قدیم ترین محافل میں سے ہیں جو تواتر کے ساتھ منعقد ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ اس کے بعد اپنی رقم کردہ منقبت درشان امام عالی مقام پڑھ کر سنائی۔ وہ یہ ہے کربلا ایک حکائیہ:

منقبت درشان امام حسین رضی اللہ عنہ

(چند اشعار مندرجہ ذیل ہیں پوری نظم تو بہت طویل ہے)

نظر اٹھائی تو اک ریت کا سمندر تھا　　نگاہ ڈالی تو ہر شخص اک ستم گر تھا
مجھے خبر تھی اسی خاک میں لہو ہوں گا　　مگر امید ہے محشر میں سرخرو ہوں گا
عدو کی صف کے پرے ایک دریا بہتا تھا　　فرات شرم سے خود پانی پانی ہوتا تھا

کل ہی کی بات ہے مرجھائے گئے تھے دو گل تر　　کہ نام ایک کا اکبر تھا ایک کا اصغر
اجاڑ خیمے میں زینب ہیں اور عابد ہیں　　فرشتے بولے یہ ہم سے زیادہ ساجد ہیں
اگرچہ پیاسے ہیں پر دل میں جان باقی ہے　　وجیہہ چہرے پہ سید کی شان باقی ہے
کہا بہن سے کہ چلتا ہوں اب نہ آوں گا　　اب اس کے بعد ہی نانا کو منھ دکھاؤں گا
ہم اپنا زین تمہیں سونپے جاتے ہیں زینب　　اسی چراغ سے روشن جہان ہوگا سب
حلق پہ وار نہیں کر سکے گا نا ہنجار　　حلق نے میرے پکارا ہے اسم پروردگار
مری شہادت عظمیٰ حق کا وہ شہکار　　کہ میری ہار بھی ہے فتح تیری جیت بھی ہار

شرفِ ملت کے بعد آخر میں صاحب سجادہ حضرت امین ملت دامت برکاتہم القدسیہ منبر برکاتی پر جلوہ افروز ہوئے۔ خطبۂ مسنونہ کے بعد آیات شہادت اور اہل بیت کی فضیلت والی حدیث سنائی۔ نبی پاک علیہ الصلاۃ والسلام کا شجرۂ پاک حضرت عبد مناف تک بتایا۔ فرمایا کہ حضرت عبد مناف کے دو بیٹے ہوے، بنو ہاشم اور بنی امیہ ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بنو ہاشم سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام میں سن ہجرت کے سال سے شروع ہوا۔ اسلامی مہینوں کا حساب چاند سے ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لخت جگر حضرت بی بی فاطمہ کا عقد مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے ہوا۔ حضرت علی کو بی بی فاطمہ کے رہتے ہوئے دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی، اس سے رسول اکرم ﷺ کے اختیارات اور سیدہ فاطمہ کی عظمت کا پتہ چلتا ہے سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے وصال سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو وصیت کر دی تھی کہ میرے انتقال کے بعد قبیلہ بنو اسد کی لڑکی سے شادی کر لینا کہ اس خاندان کی عورتیں بہت ہمت والی اور بہادر ہوتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے گھر میں جو کھجور کا درخت ہے وہ ۱۳۰۰ھ کا ہے اور آج بھی الحمد للہ اس میں کھجوریں آتیں ہیں۔ اپنے خاندان کی ایک خادمہ جو دادا پیر کے زمانہ کی تھیں ان کا واقعہ سنایا۔ وہ خادمہ حضرت عباس علم بردار کی طرف سے دل میں ذرا پرخاش رکھتی تھیں کیوں کہ وہ بی بی صاحبہ کے سوتن کے بیٹے تھے۔ وہ خادمہ جب حج کو گئیں تو منا میں اپنے خیمہ کا راستہ بھول گئیں اور کافی دیر بھٹکتی رہیں اسی وقت ایک نقاب

پوش آئے اور انہوں نے خادمہ صاحبہ کی پریشانی پوچھی تو انہوں نے کہا بیٹا میں راستہ بھول گئی ہوں، خیمہ نہیں مل رہا ہے۔ نقاب پوش نے کہا آئیے میرے ساتھ میں آپ کو وہاں تک پہنچاتا ہوں۔ آپ نے انہیں خیمہ تک پہنچا دیا۔ جب بڑی بی اپنے خیمہ میں پہنچ گئیں تو انہوں نے کہا کہ آپ نے میرے ساتھ اتنی مہربانی کی یہ تو بتائیے کہ آپ ہیں کون؟ نقاب پوش نے اپنی چادر جھٹک کر کہا، میں وہی آپ کی بی بی صاحبہ کی سوتن کا بیٹا عباس ہوں۔ بڑی بی کو بہت ندامت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں جب پہلے بیٹے پیدا ہوئے تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی کرم وجہ سے پوچھا اس کا کیا نام رکھا؟ آپنے فرمایا حرب، آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں یہ حسن ہے، جب دوسرے بیٹے پیدا ہوئے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کیا نام رکھا؟ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا حرب۔ آقا ﷺ نے فرمایا نہیں یہ حسین ہے۔ تیسرے بیٹے پیدا ہوئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا کیا نام رکھا؟ فرمایا حرب۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں یہ محسن ہے۔ اب تک کائنات میں یہ نام کسی کے رکھے نہیں گئے تھے۔ حضرت امین ملت نے فرمایا نبی اکرم ﷺ جب حضرت بی بی فاطمہ کے گھر سے گزرتے اور بچوں کے رونے کی آواز آتی تو آپ اپنی لخت جگر سے فرماتے ان کو رونے مت دیا کرو مجھے تکلیف ہوتی ہے، آپ نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے امہات المومنین میں حضرت ام سلمٰی کو ایک شیشی دی اور فرمایا کہ اس کو سنبھال کر رکھنا۔ اس میں کربلا کی مٹی ہے جب یہ سرخ ہو جائے تو سمجھ لینا کہ کربلا کے میدان میں میرا حسین شہید ہو چکا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اس واقعہ سے سرکار اقدس ﷺ کا علم غیب ثابت نہیں ہوتا۔ آپ کو معلوم تھا جب کربلا کا واقعہ پیش آئے گا اس وقت صرف یہی زوجہ محترمہ حیات ہوں گی۔ حضرت امین ملت نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرا یہ بیٹا حسن مسلمانوں کے دو گروہوں میں صلح کرائے گا۔ حضرت امین ملت مدظلہٗ نے آج بیان فرمایا کہ آج کل حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلط سلط باتیں کہی جاتی ہیں اور خاندان برکات کے بزرگوں کے بارے میں غلط افواہ پھیلائی جا رہی ہے کہ انہوں نے حضرت امیر معاویہ کے بارے میں سکوت اختیار فرمایا۔ آپ نے فرمایا نہیں ہرگز

نہیں کوئی سکوت اختیار نہیں فرمایا بلکہ حضرت نوری دادا علیہ الرحمۃ نے جب حضرت سید آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت سیدنا امیر معاویہ صحابی تھے اور اللہ کے رسول ﷺ کے رشتہ دار تھے۔ اس بات سے ثابت ہو گیا کہ خانقاہ برکاتیہ کا کیا موقف ہے۔ سب جانتے ہیں صحابی کا مرتبہ، قرآن شاہد ہے رضی اللہ عنہم ورضوعنہ، آپ نے فرمایا کہ حضرت امام حسین کا نام عبداللہ بھی تھا۔ تین عبداللہ نام کے اشخاص بہت مشہور ہوئے۔ (۱) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم (۲) عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم (۳) عبداللہ بن علی رضی اللہ عنہم۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے یزید کو وصیت کی تھی کہ عبداللہ بن عمر تو بوڑھے ہو گئے ہیں اور انہیں حکومت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ مسجد میں عبادت وریاضت میں مشغول رہتے ہیں۔ عبداللہ بن زبیر شیر کی طرح بہادر اور لومڑی کی طرح چالاک ہیں، ان کو جہاں پانا قتل کر دینا اور عبداللہ بن علی کا بہت خیال رکھنا اور ان کو کسی بات کی تکلیف نہ ہونے دینا۔ لیکن یزید پلید نے جو کیا وہ سب جانتے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق وصداقت کا پہاڑ بن کر ڈٹے رہے اور دین مصطفےٰ ﷺ کو قیامت تک کے لیے زندہ اور سربلند کر دیا۔ حضرت استاذ زمن مولانا حسن علیہ الرحمۃ کی منقبت کے چند اشعار پڑھے جن کا ایک مصرع یہ ہے ”دل درد سے بسمل کی طرح لوٹ رہا ہو“ اس کے بعد ادیب رائے پوری کی حضرت امام حسین اور کربلا والوں کی شان میں مشہور منقبت کے چند اشعار پڑھے جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

آیا نہ ہوگا اس طرح رنگ و شباب ریت پر
گلشن فاطمہ کے تھے سارے گلاب ریت پر

حضرت والا کے خطاب نایاب کے بعد ناظم اجلاس حافظ قاری محمد عرفان صاحب نے صلوٰۃ وسلام ”حسین تم کو زمانہ سلام کہتا ہے“ پڑھا۔ حضرت صاب نے فاتحہ پڑھا اور دعا فرمائی۔ یہ بابرکت محفل اختتام پذیر ہوئی۔ درگاہ شریف کے درازہ پر نیاز تقسیم کی گئی چونکہ آج روز جمعہ ہے اس لیے بہت سارے زائرین جو قرب وجوار کے تھے اپنے اپنے مقامات کے لیے روانہ ہوئے، باقی لوگ نماز جمعہ کی تیاری میں لگ گئے۔ چھوٹی سرکار کی مسجد میں بھی نماز کا اہتمام کیا گیا اور وہاں قاری محمد ابرار صاحب مدرس جامعہ احسن

البرکات نے امامت کے فرائض انجام دیے۔ جامع مسجد برکاتی میں خطبہ اور نماز سے پہلے حضرت رفیق ملت نے بیان فرمایا۔ بہت اچھی اچھی باتیں آسان زبان میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر حکمرانوں اور بادشاہوں نے عمارتوں کی جگہ تعلیم پر توجہ دی ہوتی تو آج مسلمانوں کی حالت بہت بہتر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت قربانی کی کھالوں کی قیمت بہت گرادی گئی ہے لہٰذا اس سازش کا جواب اس طرح دو کہ اپنی قربانی کی کھالوں کو دفن کردو اور اس کی جو قیمت ہو مدرسہ کو دے دو۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے مدرسے اِن شاء اللہ تعالیٰ کبھی بند نہیں ہوں گے۔ مسلمان اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر بھی مدرسوں کو اعانت کرے گا۔ آپ نے فرمایا۔ تمام مسلمانوں کو بالخصوص سنیوں کو بنام سنی متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے پیر سے محبت کرو اور اسے چھوڑو مت اور دوسرے پیر کو چھیڑو مت۔ بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اپنے اساتذہ کی عزت کرو۔ آپ نے فرمایا کہ نماز کی پابندی ہر شخص پر لازم ہے۔ محشر میں سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال ہوگا۔ خطبہ کا وقت ہو چکا تھا، اذان خطبہ ہوئی۔ قاری محمد عرفان صاحب، امام جامع مسجد برکاتی نے خطبہ پڑھا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ نماز کے بعد لوگوں کے جانے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ بہت سے لوگ حضرت امین ملت کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، راقم الحروف نے اسی وقت شجرے نام لکھ کر مریدین کو دیے۔ بعد نماز عصر شرف ملت مدظلہٗ بھی روانہ ہوگئے۔ بعد نماز مغرب حضرت صاحب، امان میاں صاحب اور عثمان میاں صاحب اور ان کے ہمراہ یہ خادم بھی علی گڑھ کے لیے روانہ ہوگئے۔

اللہ پاک جل جلالہٗ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اسی طرح یہ صاحب البرکات اور شہدائے کربلا کی سالانہ فاتحہ کی محافلِ ایصال ثواب منعقد ہوتی رہیں اور تشنگان علم ومعرفت اپنی پیاس بجھاتے رہیں۔ سجادگان برکاتیہ حضرت امین ملت مدظلہ اور حضرت رفیق ملت مدظلہ اور ان کے برادران، اہل وعیال سب صحت وسلامتی کے ساتھ قائم ودائم رہیں اور اسی طرح دین متین کی خدمت انجام دیتے رہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

کوائف جامعہ البرکات

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی
جوائنٹ سکریٹری، البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ

قارئین کرام!

آپ کے محبوب ادارے جامعہ البرکات کے کوائف آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ امید ہے ادارے کی کارگزاریوں سے آپ کو خوشی ملی ہوگی اور اطمینان بھی کہ حضرت امین ملت کی سرپرستی میں جامعہ البرکات قوم وملت کی خوب خوب خدمات انجام دے رہا ہے۔

تعمیرات

لڑکیوں کے لیے گرلس کالج وگرلس ہاسٹل کا قیام:

ایم. بی. اے ڈپارٹمنٹ کے ساتھ متصل زمین پر درجہ ۶ر سے ۱۲ر تک لڑکیوں کے لیے الگ اسکول کی وسیع عریض عمارت دعوت نظارہ دے رہی ہے۔ یہ عمارت بے حد عالیشان، دیدہ زیب اور تمام سہولتوں کے ساتھ انشاء اللہ اگلے Session میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے فراہم کردی جائے گی۔

البرکات پبلک اسکول:

اس اسکول میں الحمدللہ مجموعی طلبہ کی تعداد تقریبا ۱۴۵۰ر ہے اور کل ۱۱۰ر اساتذہ ہیں۔

ہر سال ہم آپ کو اپنے اسکول کے درجہ ۱۰ر اور ۱۲ر کے سالانہ CBSE کے امتحانات کے نتائج سے واقفیت کراتے ہیں اس سال کا رزلٹ بھی حوصلوں کو بڑھانے والا

اور خوشیوں میں اضافہ کرنے والا رہا ہے۔ درجہ ۱۰/ میں ۱۸۸/ طلبہ امتحان میں شریک ہوئے اور ۱۸۸/ طلبہ کامیاب ہوئے۔ جن میں ایک بچے نے 96.2% نمبر لاکر البرکات پبلک اسکول کو علی گڑھ کے تمام اسکولوں میں تیسرا مقام حاصل کرایا۔ ۳۲/ بچوں نے ۹۰/ فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ ۱۰۵/ بچوں نے ۸۰/ فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ ۱۸۸/ بچوں میں سے ۱۸۷/ بچوں کی فرسٹ ڈویژن، ۱۳۹/ بچوں نے ۷۵/ فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ ۷۰۴/ ڈسٹنکشن بچوں کے مختلف سبجیکٹ میں آئیں۔

درجہ ۱۲/ میں ۱۶۲/ طلبہ شریک امتحان ہوئے جن میں سبھی طلبہ نے کامیابی حاصل کی۔ پورے ضلع میں Second Topper البرکات اسکول کی طالبہ حنین شہادت نے 96% سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ کلاس ۱۲/ میں ۴۴/ بچوں نے ۸۰/ فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ ۶۵/ بچوں نے ۷۵/ فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔ ۳۶۰/ ڈسٹنکشن مختلف سبجیکٹ میں آئیں۔

البرکات کے ۴/ طلبہ کا انتخاب یو. پی کی District Cricket Team میں ہوا۔ درجہ ۹/ کے طالب علم محمد اسید یو. پی کی Team کے کیمپ میں منتخب ہوئے۔

الحمد للہ ایک مرتبہ پھر بھی البرکات کی ٹیم نے انٹر ڈسٹرکٹ ہاکی چیمپئن شپ حاصل کی۔ یہ مقابلہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسکول منٹو سرکل میں کئی اسکولوں کے درمیان ہوا۔ ماشاء اللہ البرکات لگاتار ۳/ سال سے ہاکی میں چیمپئن شپ ٹرافی حاصل کر رہا ہے۔ اسی طرح فٹ بال اور والی بال کے انٹر ڈسٹرکٹ ٹورنامنٹ میں البرکات پبلک اسکول نے علی گڑھ کے اسکولوں میں دوسرا مقام حاصل کیا۔

البرکات میں سالانہ سیرت پاک مقابلہ:

الحمد للہ البرکات میں اس سال سیرت النبی ﷺ تقریبات کا گیارہواں جشن بیحد عالی شان طریقے سے منعقد کیا گیا۔ البرکات پچھلے دس سالوں سے انٹر اسکول سیرت کمپٹیشن منعقد کر رہا ہے، علی گڑھ کے ۳۲/ اسکولوں نے سیرت النبی مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات

حاصل کیے۔ قرأت، نعت خوانی، مقابلۂ تحریر، مقابلۂ تقریر اور سیرت کوئز کے انعامات مقابلے پرائمری اور سیکنڈری سطح پر منعقد کیے گئے۔ آخری دن جلسۂ تقسیم انعامات میں حضرت امین ملت اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نائب شیخ الجامعہ پروفیسر تبسم شہاب صاحب کے ہاتھوں سے کامیاب طلبہ میں اسناد و انعامات تقسیم کیے گئے۔

بین الاقوامی اولمپیاڈ (International Olympiad) میں البرکات پرائمری اسکول کے بچوں کی کارکردگی:

پرائمری سیکشن کے ۴۴/ بچوں نے اس اولمپیارڈ میں دوسرے درجے کی طالبہ سمیہ اسلام نے International Level پر Third Rank حاصل کرنے کا قابل تحسین کارنامہ انجام دیا۔ اسی درجہ کی منی حسین نے ساتواں مقام حاصل کرتے ہوئے Merit Cum Means Scholarship حاصل کی۔ سیکنڈ کلاس کی زائنا انور نے چوتھا مقام حاصل کیا۔ البرکات پبلک اسکول کے طالب علم آدتیہ دیو نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں منعقد Fine Arts Competition میں اول انعام حاصل کیا۔ طلحہ مسعود نے A.M.U میں منعقد تقریری مقابلے میں دوسرا مقام حاصل کیا۔

اس سال البرکات پبلک اسکول میں بچوں اور اساتذہ کے درمیان انگریزی بولنے اور لکھنے کی مہم کو تیز کرنے کے لیے کافی مؤثر مہم جاری ہے جس کے تحت باقاعدہ ایک English Consultant کا انتخاب کیا گیا ہے۔ جس کے بے حد مثبت نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ پورے سال کے حوالے سے ورکشاپ منعقد کرائی گئی اور آئندہ سالوں میں اس میں مزید ترقی کے لیے منصوبہ بندی کی جا رہی ہے۔

البرکات ہاسٹلز میں تربیت کلاسز:

الحمد للہ رب العالمین ہمارے ہاسٹل میں مقیم تمام طلبہ و طالبات چاہے کسی بھ کلاس میں سب کے لیے اسلامی تربیت کلاسیز تسلسل اور پابندی کے ساتھ منعقد ہوتی ہیں۔ گرلز ہاسٹل میں ایک عالمہ اور دونوں بچوں (سینئر و جونیئر) بچوں کا ہاسٹل میں کئی علماء دین

مولانا نعمان احمد ازہری کی نگرانی میں مسجد کے اندر طلبہ کو اسلامی بنیادی تعلیمات کو مشق کر کے سکھاتے ہیں ساتھ ہی محرم کے دس روزہ تربیتی پروگرام، ربیع الاول میں بارہ روزہ سیرت النبی ﷺ پروگرام تواتر کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں جن میں کبھی کوئی سمجھوتہ نہیں ہوتا۔ سارے طلبہ پر بعد فجر دس منٹ قرآن پڑھنا لازمی ہے۔ نئے طلبہ جو قرآن تک نہ پڑھ کر آتے ہیں ہمارے علما ان کو چھ مہینے کے اندر محنت کر کے قرآن پڑھنا سکھاتے ہیں۔

میں پھر کہتا ہوں ک ہ الحمد للہ ہمارے ہاسٹل کے طلبہ اور طالبات کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ وہ اسلامی اقدار کے پاسدار اور اخلاق و کردار کے بڑے صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ یہ سب کا سب ان کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

البرکات سید حامد کمیونٹی کالج میں دو نئے کورسز کا آغاز:

البرکات سید حامد کمیونٹی کالج میں اس سال دو پروفیشنل سرٹفکیٹ کورسز کا آغاز ہوا۔ (۱) Certificate Course of Food Craft اس میں طلبہ کو کھانا بنانا سکھایا جائے گا جس کے لیے پورے ساز وسامان کے ساتھ یہ ادارہ بنایا گیا ہے۔ (۲) لڑکیوں کے لیے Certificate Course of Apparel Designing۔ اس کورس کے تحت لڑکیوں کو سلائی، بنائی کے ہنر سے آشنا کیا جاتا ہے۔ ماشاء اللہ دونوں کورسیز بہت عمدہ طریقے سے اپنی کارگزاری پیش کر رہے ہیں۔ ان دو کورسز کے علاوہ Certificate in AC and Refrigeration اور Mobile Repearing Courses پہلے سے چل رہے تھے۔

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز:

الحمد للہ البرکات ایم. بی. اے. کورس، علی گڑھ میں ایک اپنا امتیازی مقام رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ایم. بی. اے میں سب سے زیادہ داخلے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بعد ہوا کرتے ہیں۔ اس سال ۹۰/ داخلے ایم. بی. اے میں ہوئے جو اپنے آپ میں ایک امتیازی بات ہے۔

ایم. بی. اے. پاس طلبہ کے Placement کے لیے اراکین البرکات سال بھر کوشش کرتے ہیں اور ان کے لیے باقاعدہ ایک Placement Officer تعینات ہے جو طلبہ کو نوکریوں کے لیے شخصیت سازی کے ہنر سے آشنا کرتے ہیں۔ اس سال تقریباً سبھی طلبہ کا Selection ملک کی اچھی Companies میں ہوا۔ MBA Institute میں تعلیم کے علاوہ طلبہ کی اچھی تربیت کے لیے Orientation Program اور توسیعی خطبات ملک کے ماہرین مینجمنٹ کے ذریعے کرائے جاتے ہیں۔ ساتھ ہی اساتذہ کی تدریس کو بہتر کرنے کے لیے Faculty Development Program بھی کرائے جا رہے ہیں۔ طلبہ کو Industrial Tour پر ہر سال بھیجا جاتا ہے۔ ان کو ادبی، ثقافتی اور کھیل میں بھی سرگرم رکھنے کے لیے مختلف ادبی ثقافتی پروگرام منعقد کیے جاتے ہیں۔ MBA کا رزلٹ ۱۰۰/ فیصد رہا۔ ۶۲/ طلبہ نے فرسٹ ڈویژن حاصل کی۔ ان میں سے ۱۵/ طلبہ نے ۷۵/ فیصد سے زیادہ نمبر حاصل کیے۔

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن (بی. ایڈ، ڈی ایل. ایڈ، بی. ٹی. سی):

B.Ed اور B.T.C دونوں انسٹی ٹیوٹ اپنی بہتر کارگزاریوں کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اس سال بھی دونوں کورسیز میں ماشاء اللہ ساری سیٹیں بھر گئیں ہیں۔ ہم اپنے ادارے میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ وطالبات کو نہ صرف عمدہ تعلیم دیتے ہیں بلکہ مستقبل میں ہونے والے ان اساتذہ کو شخصیت سازی کے لیے ادبی، ثقافتی اور ترغیبی پروگرام سے آشنا بھی کراتے ہیں۔ اس سال بھی اس انسٹی ٹیوٹ میں World Health Day, Minority Day, National Education Day, Vigilance Awareness Week, Science Exhibition کا انعقاد کیا گیا۔ ہم نے اپنے طلبہ کو اور اساتذہ کو بھی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے دوروزہ ترغیبی پروگرام میں شرکت کے لیے بھیجا۔ ہماری پرنسپل صاحبہ حیدرآباد میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MAANU) کے ذریعہ منعقد ترغیبی ورکشاپ میں شرکت کر کے آئیں۔ ساتھ ہی (MAANU) میں ''زبان، ثقافت اور اقلیت- مسائل اور چیلنجز'' پر منعقد نیشنل سیمینار میں بحیثیت مہمان اعزازی

شرکت کی اور مقالہ بھی پیش کیا۔

بی.ٹی.سی، ڈی ایل.ایڈ، کے اساتذہ نے بھی اس سال IIMT میں ایک روزہ ورکشاپ میں شرکت کی۔

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ:

الحمدللہ اس ادارے میں تعلیم اور شخصیت سازی کے حوالے سے اطمینان بخش خدمات انجام دی جارہی ہیں۔ پورے سال میں ملک کے مایۂ ناز دانشوران، علمائے کرام اور صحافی حضرات سے توسیعی خطبات کرائے گئے۔ عالمی شہرت یافتہ کیریئر کاؤنسلر اور موٹیویٹرز کے ذریعے طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی سعی جمیل کی گئی۔ برادرم امان میاں صاحب علما کی Placement کے لیے اور اس ادارے کے لیے خاص طور سے بہت سنجیدہ رہتے ہیں اور انہیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ یہ ادارہ اہل سنت والجماعت میں اپنی نوعیت کا انفرادی ادارہ نظر آتا ہے۔

الحمدللہ اس انسٹی ٹیوٹ سے اب ہمارا تیسرا Batch فارغ ہوا۔ جو پندرہ طلب پر مشتمل تھا۔ ان علمائے کرام نے ہندوستان کی اہم دینی درسگاہوں سے سندفضیلت حاصل کرنے کے بعد ہمارے یہاں رہ کر اپنی شخصیت میں خوب خوب نکھار پیدا کیا۔ علمائے کرام کورس پورا کرنے کے بعد بیرون ملک اور اندرون ملک کے مختلف صوبوں کے بڑے بڑے شہروں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ان کے اسماء یہ ہیں: مولانا طاہر رضا (ممبئی)، مولانا نعیم الدین (سلطان پور)، مولانا نذر محمد (کانپور)، مولانا جنید رضا (بریلی شریف)، مولانا ظہور رضا (اندور)، مولانا محمد اشرف (گجرات)، محمد عارف رضا (البرکات، علی گڑھ)، مولانا محمد ہاشمی رضا (اندور)، مولانا وسیم فاروق (ساؤتھ افریقہ)، مولانا ذوالفقار (کاس گنج)، مولانا محمد جابر حسین (نیپال)۔

دیگر کچھ علمائے کرام نے مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے عصری دانش گاہوں میں مختلف اعلیٰ کورسز میں داخلہ لیا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں: (۱) مولانا ظفریاب حلیمی (جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی)، مولانا پرویز عالم (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)، مولانا عبدالعزیز

(ممبئی)، مولانا عالم گیر (بستی)۔

البرکات کالج آف گریجویٹ اسٹڈیز:

اس کالج میں BBA & BCA کی تعلیم فراہم کی جاتی ہے۔ ہوسٹل کی سہولت کے ساتھ ہم اپنے بی.بی.اے طلبہ کو بھی ایم.بی.اے اسٹوڈینٹس کی طرح Industrial Visits پر بھیجتے ہیں۔ اس سال یہ طلبہ Dawar Footwear آگرہ میں Visit کر کے آئے اور تجارت ومینجمنٹ کے ہنر سے آشنا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو پرنٹ میڈیا کی باریکیاں جاننے کے لیے امراجالا نیوز پیپر، پریس میں انڈسٹریل وزٹ کرائی گئی۔

بی.بی.اے اور بی.سی.اے کے طلبہ Test کے ذریعے منعقد آن لائن کورسز میں شامل کرائے گئے اور انہوں نے کامیابی سے کورس پاس کیا۔ یہ ہمارا Final Year Batch ہے۔ اس کی تربیت کے لیے توسیعی خطبات اور تربیتی پروگرام منعقد کیے اور ان کے روزگار کے لیے Placement کی مہم چلائی جائے گی۔

البرکات انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر سائنس اینڈ لینگویجز (NCPUL):

علی گڑھ میں NCPUL سے الحاق البرکات میں جاری کورسیز اتنے انفرادی اور امتیازی طور پر چل رہے ہیں کہ NCPUL کے ذمہ داران نے البرکات علی گڑھ کو اپنے تمام اداروں میں Best Centre قرار دیا۔ خطاطی، عربی زبان اور اردو زبان کا ڈپلوما، کمپیوٹر کا ڈپلوما میں ساری سیٹیں مکمل ہیں اور خوب سے خوب کی طرف یہ ادارہ جارہا ہے۔

الحمدللہ جامعہ البرکات کے ہاسٹل میں مقیم طلبہ کی جس طرح مکمل تربیت کی جارہی ہے اس کے سبب پورے ہندوستان اور بیرون ہندوستان سے داخلے یہاں ہورہے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ برکاتیوں کے اس محبوب ادارے کے بانیان کو کامیابیاں اور کامرانیاں عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔